نظام المشائخ

جلد ١٦ بابت محرم الحرام ١٣٣٥ھ نمبر ١

فہرست مضامین

۹۵۹۴

یاران نظام المشائخ

ذیل میں اُن حضرات کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں۔ جنہوں نے گزشتہ مہینے نظام المشائخ کے نئے خریدار پیدا کر کے یا خود خریدار بن کر مدد فرمائی +

جناب ڈاکٹر محمد قمر الدین صاحب ہالی شاہ نظامی حیدرآبادی نے جناب شاہ محمد امیر اسد حسینی صاحب جاگیردار بانگرہ کو خریدار بنایا
جناب محمد عمر صاحب ڈپٹی انسپکٹر سیلونے جناب عامر صاحب ہوکار گہن سا ونگی اور جناب محمد عبد الکریم منتظم کوتوالی گہن سلونی کو
جنابہ اہلیہ محترمہ حضرت سید شاہ ابراہیم صاحب اسٹی ربوہ شریف نے بذریعہ اکبر علی صاحب اسٹی چودہری ظہیر الدین صاحب رئیس ربوہ شریف کو خریدار بنایا +

جناب محمد خان صاحب سنٹر نین پور نے جناب قادر بخش صاحب ڈپٹی نین پور کو۔ جناب شیخ محمد عمر صاحب سکھے ریڈ انسپکٹر سیلونے جناب مولوی محمد فیاض حسین صاحب نائب منتظم پولس موجپور کو اور جناب مولوی سید عبد الغفار صاحب گارڈ سکندرآباد کو + جناب مولوی محمود علیخان صاحب وکیل حیدرآباد دکن نے جناب نواب ناظر علی مرزا صاحب انسپکٹر پولس سیدک کو + جناب محمد عبد الجلیل صاحب قریشی نے جناب افضل محمد صاحب سوداگر بالاگھاٹ کو + جناب حبیب اللہ صاحب انجنیر نے جناب اخوند نور احمد صاحب لاڑکانہ و جناب مستری رحمت اللہ صاحب انبالہ چھاؤنی کو + جناب عبد السلام صاحب انصاری نے جناب سید جمیل احمد صاحب تلہر کو + جناب سید امیان حسن میاں صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر پولیس بٹرونچ نے جناب عبد الکریم فقیر محمد منشی صاحب انسپکٹر بہڑونچ کو + جناب سردار علی صاحب علی گڈھ نے جناب سید افتخار علی صاحب دہر سیوڑ کو + جناب مولوی محمد شریف اعظم صاحب لکھمینانوی جناب شیخ ابراہیم صاحب زمیندار چھاؤنی بنگلور کو + جناب مولوی سید ابوالفضل صاحب رئیس سالار نے جناب شاہ خلیل الدین عبد العزیز پیر صاحب رئیس سالار کو + جناب محمد کفایت اللہ صاحب قریشی نے جناب شیخ محبوب صاحب اکن مدنیرہ کو + جناب بابو خیر الدین صاحب فوٹوگرافر نے جناب شیخ نیاز علی صاحب و جناب بابو محمد یسین صاحب کو + جناب خواجہ فضل احمد صاحب شیدا دہلوی نے جناب محمد یوسف صاحب ملی باراں دہلی کو خریدار بنایا + (باقی آئندہ)

شکرگزار واحدی

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

تذکرۃ الہم والالم فی تذکار شہر المحرم

اس ماہ مقدس کی قابل قدر دو حیثیتیں ہیں۔ ایک وہ اخبار و آثار جو یوم عاشورہ کی فضیلت سے متعلق ہیں۔ دوسرے وہ حادثۂ خونیں جو دنیائے اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ دردناک و پرالم واقعہ ہے جسکو اسلامی دنیا تیرہ سو سال سے ہر بارھویں مہینے دلوں کے اضطراب، بیقراری، آنکھوں کی خونریزی و اشکباری اور زبان کی فغاں سنجی و نالہ نالی کے ساتھ یاد کرتی ہے اور ہمیشہ یاد کرے گی +

دنیائے اس ماتم کدہ میں شاید کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کی تاریخ حزن و ملال سے خالی ہو ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک ہزاروں واقعات ظہور پذیر ہو چکے ہیں جنکے نام

کے لیے اگر ایک ایک دن بھی مقرر کر لیا جائے تو انسان کی ساری عمر نوحہ خوانی و ماتم گساری میں بسر ہو جائے۔ کیا تم زکریا علیہ السلام کی پر الم موت کو بھول جاؤ گے۔ جن کے سر کو بے دردی کے آرے سے دو ٹکڑے کر دیا گیا تھا۔؟ اور کیا اُن کے بیٹے یحییٰ ؑ کے قتل کا واقعہ تمہیں اشکباری کی دعوت نہیں دیتا۔ کیا بنی اسرائیل کی مظلومیت اور معصوم بچوں پر فرعونی ظلم کی یاد بھلائی جا سکتی ہے؟ کیا فرعون صفت راجہ کنس کے بیدردانہ مظالم کو دنیا فراموش کر دے گی؟ جس نے کرشن کے خوف سے ہزاروں بچوں کو تہ تیغ کرا دیا۔ اور کیا عثمان بن عفان کا خون کوئی قیمت نہیں رکھتا؟ اور کیا جنگ حرہ کا وہ منظر نذر تغافل کیا جا سکتا ہے جس میں ہزاروں جلیل القدر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیکسی کے عالم میں تیغ ظلم و شمشیر جفا سے شہید کر دیئے گئے۔ جس میں مدینۃ الرسول کی حرمت کا لحاظ نہ کیا گیا۔ اور ایک ہزار دوشیزہ لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی۔ کیا حجاج بن یوسف کی سنگ اور آتشباری یاد نہیں جس نے کعبۃ اللہ کی چھت کو مسمار کر دیا تھا۔ اور غلاف کعبہ کا ایک ڈھیر بنا دیا تھا۔ یہ وہی غلاف کعبہ تھا جس کو تھام کر رب الکعبہ سے دل کی آرزوئیں مانگی جاتی ہیں۔ یہ وہی خانہ کعبہ تھا جس کے طواف کا شوق چالیس کروڑ انسانوں کے دلوں میں ہر وقت موجزن رہتا ہے۔

پھر کیا یہ خونی واقعات بھلائے جا سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ان میں کا ہر واقعہ بجائے خود ایک داستان الم ہے۔ اور جائز ہے کہ انسان اپنی ساری عمر کسی ایک غم [illegible] ماتم گساری و نوحہ خوانی میں گزار دے۔ لیکن قدرت نے یہ چاہا کہ دنیا کے الم آفریں حوادث مختلفہ پر ماتم کیا جائے۔ ایک ہی حادثہ فاجعہ کو ان سب کا قائم مقام کر دیا ہے [illegible] مختلف اوقات میں مختلف حوادث کی یاد اور ماتم کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے صرف [illegible] واقعہ خونیں اور [illegible] حادثہ عظیمہ کو لیکر اگر عمر نوح بھی ہو تو رو کر گزار دے۔

[illegible] وہ [illegible] دنیا کے ان المناک دردناک [illegible] انگیز حوادث میں سے ہے جن کی نظیر تاریخ عالم

پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اور انسانی شقاوت اور بیرحمی کا ایسا نمونہ ہے کہ دنیا کی بے کسی و شرافت جس قدر اسپر ماتم کرے کم ہے۔ دشمنوں سے گزند و تکالیف کا پہنچنا ایک امر متوقع ہے۔ لیکن دوستوں کی ذرا سی زیادتی بھی ایک فسانۂ غم ہوجایا کرتی ہے پھر یہ کیسی ماتم انگیز کہانی ہے کہ حسینؑ انھیں لوگوں کی شمشیر جفا سے قتل کیے گئے۔ جو اُنکے فضائل و محامد کے قائل تھے۔ اُن کے جد امجدؐ کے کلمہ خواں تھے اور اُنکے باپ اور اُنکی ماں سے اچھی طرح واقف تھے۔ اُن کے اعلےٰ مدارج اور اُنکے فضائل و مراتب کے معترف تھے۔ مگر باوجود ان باتوں کے جگر گوشۂ رسولؐ و بتولؑ کو خاک و خون میں ملادیا۔

پھر اگر انسانیت کی آنکھ آنسو بہائے اور ہر سال اُنکے ذکر الم کو دوہراتے تو کوئی حرج ہے؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ساری دنیا یکسر ماتمکدہ بن جائے، جنگلوں کے حیوان، سمندروں کی مچھلیاں۔ خون کے آنسو بہائیں اور سوگ منائیں۔ تب بھی ماتم حسینؑ کا پورا حق ادا نہوگا۔

حسینؑ جسکا باپ علی مرتضیٰؑ ہو۔ جس کی ماں فاطمہ زہراؑ ہو۔ اور سب سے آخر جس کا نانا رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہؐ ہو۔ وا مصیبتا کہ وہی مقدس و معظم وجود، وہی مکرم و محترم ہستی دشت کربلا میں ننھے ننھے بچوں کے ساتھ تین دن کے بعد بھوک و پیاس کی بیکسی میں شہید کردیا جائے۔ واحسرتا کہ وہ امام المتقین جو بھوکوں کو کھلا کر خود بھوکا سو رہا۔ وہ جواد و کریم جس نے دوسروں کا جسم عریاں ڈھک کر خود پیوند دار کپڑے پہنے۔ آہ کہ خود اُس کا جسم اطہر کفن کا محتاج تھا۔ آہ وہ حلق مبارک جسکو محمد صلعم نے بوسے دیئے وہی حلقوم ظالموں کے خنجر سے ذبح ہوا۔ وہ تن نازنین جسکو رسول اللہؐ کی پشت مبارک پر سواری کا فخر حاصل ہو جس کی خاطر دنیا کا سب سے بڑا انسان سجدے میں دیر لگائے۔ اور خطبہ چھوڑ کر گود میں اُٹھائے۔ وہی اعظم و اقدس وجود خاک و خون میں تڑپا۔ اے آسمان!

تو پھٹ نہ پڑا۔ اے زمین! تو شق نہ ہوگئی۔ اور اے پہاڑو! تم آپس میں ٹکرا کر ریزہ ریزہ نہ ہوگئے۔ تکاد السموٰت یتفطرن منه و تنشق الارض وتخر الجبال ھدا۔

کاش آں زماں سرادق گردوں نگوں شدے | ایں خرگہ بلند ستوں بے ستوں شدے
کاش آں زماں برآمدے از کوہ تا بکوہ | سیل سیہ کہ روئے زمیں قیر گوں شدے
کاش آں زماں ز آہ جگر سوز اہل بیت | یک شعلہ برق خرمن گردوں دوں شدے
کاش آں زماں کہ کشتی آل نبی شکست | عالم تمام غرقہ دریائے خوں شدے

اگر غم حسینؑ میں فلک کجرفتار نے خون برسایا۔ اور زمین پر تاریکی چھاگئی۔ اور جنوں اور قاف کی پریوں میں شور ماتم بلند ہوا اور اگر فرشتوں میں بزم عزا منعقد ہوئی تو کیا تعجب ہے۔ خون حسینؑ کی قیمت اس سے بہت زیادہ تھی۔

اگر روح کو فنا نہیں اور وہ متاثر ہو سکتی ہے تو اسپر حیران نہ ہو کہ اپنے قرۃ العین کو دشت پرخار میں غلطاں دیکھکر دلگیر و ملول فاطمہ بنت الرسولؐ قبر میں درد و اضطراب سے تڑپ اٹھی ہوں۔ اور باآہ و فغاں سرکار مدینہ کے حضور میں فریاد لے گئی ہوں:۔

ایں کشتہ فتادہ بہامون حسین تست | ویں صید دست و پازدہ درخوں حسین تست
ایں غرقہ محیط شہادت کہ روئے او | از موجہائے خوں شدہ گلگوں حسین تست
ایں قالب طپاں کہ چنیں ماندہ بر زمیں | شاہ شہید نا شدہ مدفوں حسین تست

اور اگر فرق مبارک حسینؑ جفا شعار ظالموں کے نیزہ پر سے اپنے نانا جانؐ کو دیکھکر بیتابانہ پکار اٹھا ہو کہ:۔

اے مونس شکستہ دلاں حال ما ببیں | ما را غریب و بیکس و بے آشنا ببیں
در خلد پر سرمہ چہ فارغ نشستہ | اندر جہاں مصائب ما بر ملا ببیں
اولاد و دختران و یتیمان خویش را | در ورطۂ عقوبت اہل بلا ببیں
آں تن کہ یافت پرورش اندر کنار تو | غلطاں بخاک معرکۂ کربلا ببیں

یا ایہاالرسول زابن زیاد داد
کو خاک اہل بیت رسالت بباد داد

تو تم اسپر انکار اور اپنی نادانی کا اظہار نہ کرو کہ حیرت و استعجاب کا یہ مقام نہیں بلکہ تعجب اسپر ہے کہ کیوں قیامت بپا نہ ہوگئی۔ اور خداوند قہار کا عذاب کس لیئے نازل نہ ہو گیا۔ گستاخ و شریر انسانوں پر لعنت کی موت چھا جاتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ ایسا نہ ہونا چاہیئے تھا۔ اس لیئے کہ قتل حسینؑ کے روک دینے سے وہ خدائے قادر مطلق عاجز تھا۔ جس نے موسیٰؑ کو فرعون کے ظلم سے نجات دلائی۔ ابراہیمؑ کو نمرود کے فتنہ سے بچایا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و مشرکین مکہ کی سازش موت سے محفوظ رکھا۔ اگر وہ چاہتا تو آن واحد میں ظالموں کے تخت حکومت کو الٹ دیتا۔ ان کے ہاتھوں کو شل کر دیتا اور ظلمی ارادوں میں اضمحلال پیدا کر دیتا۔ لیکن مشیت ایزدی یہ نہ تھی۔ بلکہ یہ تھی کہ تا قیامت اسوۂ حسینی گم کردہ راہوں کے لیئے شمع راہ بنے اور حق و صداقت کی اصلی اور حقیقی قیمت سے دنیا باخبر ہو جائے تاکہ دنیا دیکھ لے اور سمجھ لے کہ حق و صداقت کی حمایت میں قوت کی کمزوری۔ طاقت کا فقدان اور مقابلہ کی عدم قابلیت کے حیلے بہانے محض وساوس نفس اور القائے شیطانی ہیں۔ خدا کی راہ مستقیم میں انکی پرسش نہیں۔ ضلالت و گمراہی اور تمرد و سرکشی کا مقابلہ ہر آن اور ہر لمحہ فرض ہے۔ خواہ بظاہر شکست ہی کیوں نہ ہو۔ اسلیئے کہ صداقت کی مغلوبیت خود صدہا فتوحات اپنے اندر مخفی و مضمر رکھتی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ سلطنت جس کی بنیاد خون حسینؑ سے رکھی گئی تھی۔ جس نے چند نفوس کے ایک بے یار و مددگار قافلہ کو لوٹ کر اور اسکو برباد کر کے اپنی حکومت کو قائم کیا وہ چند روز میں کس طرح صفحہ ہستی سے فنا ہو گئی۔ کس طرح اسکے تخت استبداد کو ایک عجمی نے الٹ کر رکھدیا اور کس ذلت و رسوائی کے ساتھ تخت حکومت سے اتار کر فرش خاک پر لعنت و پھٹکار کی موت انپر طاری کر دی۔ اگر شہیدان کربلا کی لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں اور سموں سے

روندا گیا۔ اگر مخدراتِ سراپردہ عصمت کو بے پردہ اونٹوں پر بٹھا کر اُنکی تشہیر کی گئی اگر سر حسینؑ کو ظالموں اور جفا شعاروں نے نیزہ پر چڑھا کر گلیوں اور بازاروں میں پھرایا یعنی اگرچہ استبداد کو حریت و صداقت پر غلبہ بھی حاصل ہو گیا۔ لیکن حق و صداقت کی معجز نمائی دیکھو کہ آسمان کی چند گردشوں کے بعد ان ظالموں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو خود دوسروں کے ساتھ کر چکے تھے۔

دنیا کی بدترین سزائیں دے دے کر انکو ہلاک کر دیا گیا۔ بوڑھے۔ جوان۔ عورتیں اور بچے چن چن کر نہایت سفاکی و بیدردی کے ساتھ تہِ تیغ کر دیئے گئے۔ اُنکی لاشوں کو جلا دیا گیا۔ اور اُنکی قبروں کو اکھاڑ اُنکی ہڈیوں کو خاکستر بنا کر ہوا میں اڑا دیا گیا۔ یہاں تک کہ اُن کی نسل چند روز میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیۓ فنا اور برباد ہو گئی۔ پھر کیا صداقت کی کھلی ہوئی فتح نہ تھی؟ مگر افسوس ہے تجھ پر اے معاویہؓ کے بیٹے یزید! کہ عواقب امور کی طرف سے تیری آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اور حق بات کے سننے سے تیرے کان بہرے ہو گئے سچائی سے تیرا دل پھر گیا۔ اور چند روزہ حکومت کے غرور نے ساری عمر کے لیۓ تجکو شقی ازلی بنا دیا۔ تو نے اپنی ہوس رانی کی پیاس کو تشنہ کام حسینؑ کے خون سے بجھایا اور حکمرانی کے جبر و طاقت سے خاندان رسالت کو انتہائی بیکسی و بیچارگی کے عالم میں تباہ و برباد کر دیا۔ مگر آج نہ تو تیرے باپ کی بخشی ہوئی سلطنت ہے نہ اُسکی وہ قوت و سطوت نہ وہ خیل و حشم ہے نہ وہ فوج و سپاہ البتہ تیرے ظلم و ستم کے فسانے باقی ہیں اور اے شقی ازلی! ہمیشہ باقی رہینگے۔ دیکھ! کہ آج تو اور تیری نسل کا ایک متنفس بھی دنیا میں نہیں رہا۔ مگر حسینؑ مظلوم و مقتول حسینؑ چاردانگ عالم میں محبوب و مقبول ہے۔ اور اُسکی اولاد تیرے بیشمار ظلم و تعدی کے باوجود موجود و شاد و کام ہے۔ اور تیرا نجس و ناپاک نام لعنت و پھٹکار کے لیۓ مخصوص ہے۔ مگر اے بدنصیب! دیکھ! کہ جسکو تو نے کربلا کے میدان میں با ہزاراں آلام و مصائب قتل کرایا تھا۔ تیرہ سو برس سے اب تک دنیا اُسکے لیۓ رو رہی ہے

اور اے بانی ظلم وستم ہر سال چالیس کروڑ انسانوں کی اتنی کروڑ آنکھیں اُسکی یاد میں اشکبار رہتی ہیں۔ پس لعنت ہو تجھپر اسے حق وصداقت کے دشمن اور پھٹکار ہو تجھپر اسے حسینؑ کی قدر نہ جاننے والے ناپاک وجود ۔

اے زیاد کے بیٹے! ہم تیری جفاکاریوں کو کبھی نہ بھولیں گے، اور اسے شمر ذی الجوشن! تجھپر خدا، اُسکے فرشتے، اور چالیس کروڑ انسانوں کی لعنت ہو۔ تیری سفاکی وبیرحمی ہمیشہ یاد رہے گی۔ تونے یزید کی خوشنودی اور چند روزہ جاہ وثروت کی طمع سے خونِ حسینؑ کو حلال کرلیا۔ اور خدا کے خوف اور اُسکے قہر وعتاب سے تو بے پرواہ ہوگیا۔ اے لعین! اب تجھکو معلوم ہوا ہوگا کہ تو نے کیا کیا ۔

کام یزید دادۂ از کشتنِ حسینؑ ‏ ‏ بنگر کرا بہ قتل کہ دلشاد کردۂ

اے زادۂ زیاد نکردست ہیچگاہ ‏ ‏ نمرود ایں عمل کہ تو شداد کردۂ

حلقے کہ سودہ از لب لعل نبی مدام ‏ ‏ آزردہ اش بخنجر جلاد کردۂ

دشتِ کربلا کی تپتی ہوئی زمین ہماری چشمِ تصور کے سامنے ہے۔ عباسؑ۔ علی اکبرؑ اور قاسمؑ کی لاشیں اسپر تڑپ رہی ہیں، حسینؑ کا جسمِ اطہر واقدس اس خاک میں لتھڑا ہوا ہے۔ ہم سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ معصوم بچوں کی مظلومیت، بیبیوں کی آہ وزاری۔ اور بیمار عابدؑ کی لاچاری وبے کسی کا دردناک نظارہ ہمارے دل وجگر کے ٹکڑے کیے دیتا ہے ۔

اے سنگ دل جفاکار! تیری خودسری وناخداترسی اور کینہ پروری نے یہ قیامت برپا کی تھی۔ اس لیئے ہم تجکو کبھی بھی معاف نہ کرینگے۔ ہمارا دل درد وغم سے بھر گیا ہے آنکھیں غمناک ہوگئی ہیں۔ اور لبوں میں لرزش اور تھرتھراہٹ آہ وزاری کے لیئے پیدا ہوگئی ہے۔ ہماری قوت برداشت سے باہر ہے کہ ہم تجکو اسے شقی ازلی معاف کردیں۔ اے بدبخت تیرے دل سے خدا کا خوف، رسولؐ کی شرم اور خلق اللہ کی پھٹکار کا ڈر نکل گیا تھا آج تیری بدکرداری، جفاشعاری اور ستمگاری کا فسانہ سُن کر ہمارے دلوں سے بھی رحم

نکل گیا، عفو ودرگزر کے جذبات فنا ہو گئے۔ اور اب تیرے لیئے بجز لعنت و پھٹکار کے ہمارے پاس کچھ نہیں ۔

لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

اے شہید دشت کرب و بلا! اے فدا کار حق و صداقت! تیرا رب تیرے مرقد کو اپنے نور سے منور کرے ، ہم قیامت تک تیرا ماتم کرینگے ۔ تیرے غم کو اپنے دلوں میں جگہ دینگے ۔ اور تیری تبلائی ہوئی راہ پر چلنا اپنا بہترین فرض سمجھیں گے ۔ تو ہماری ہدایت کے لیئے شہید ہوا ۔ اور ہماری رہنمائی کے واسطے تو ہلاکت میں پڑا ۔ تو نے حق و صداقت کی حمایت میں اپنی جان دی ۔ اس لیئے اگرچہ ہم تیری پرستش نکرینگے مگر تیری یاد کو قائم کرینگے تیرے غم میں روئیں گے ۔ اور تیری قائم کردہ صراط مستقیم پہ چلنے کی کوشش کرینگے ۔ تیرے ایثار و فدویت سے سبق حاصل کرینگے ۔ اور ہمیشہ تجپر درود و سلام بھیجیں گے ۔

دوسری حیثیت یعنی افضلیت یوم عاشورہ کے متعلق اخبار و احادیث کثرت سے واقع ہوئی ہیں ۔ پہلے اس دن کا روزہ فرض تھا ۔ مگر فرضیت رمضان کے بعد عاشورہ کے روزے کی فرضیت ساقط ہوگئی ۔ مگر رسول اللہؐ نے کبھی منع نہیں فرمایا ۔ اور اکثر خود اس دن کا روزہ رکھتے تھے ۔

بہرحال یوم عاشورہ کا روزہ مسنون ہے ۔ دوسری سنت یوم عاشورہ کی یہ ہے کہ اپنے گھر والوں اور احباب پر رزق کی فراخی کرے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس دن اپنے اہل و عیال پر رزق کو وسعت دے تو اللہ تعالیٰ سال بھر تک اُسکے یہاں تنگی نہیں ڈالتا ۔ اور رزق کو اُسکے لیئے وسیع کر دیتا ہے ۔

فقیر عارف ہسوی

۷۸۶

دعوتِ الم

واقعۂ عظیمہ شہادت حضرت سید الشہداء علیہ السلام

(اشکِ خون)

سنہ ۶۱ ہجری سے لیکر اسوقت تک عشرۂ محرم، جس واقعہ جانسوز، جس حادثۂ کبریٰ جس شہادتِ عظمیٰ، کے درسِ الم، دعوتِ درد اور تذکارِ خون کے لیے وقف ہی، الغرض کہ وہ واقعۂ محزنہ۔ اخبار و وقائع اسلامیہ کا ایک ایسا عظیم الشان حادثہ ہے جو تاریخ اسلام کی اولین صدی سے لیکر آج تک اپنے عجیب و غریب تاثر، ماتم و درد، اور غیر معمولی ابقاء و تاثیر کے اعتبار سے اپنا نظیر نہیں رکھتا؛

یہ بھی سچ ہے کہ ایسا کوئی واقعہ نہیں جس پر اس سے زیادہ رویا گیا ہو، ایسا کوئی حادثہ نہیں جس پر اس درجہ ماتم کیا گیا ہو! ایسا کوئی صدمہ نہیں جس کی خاطر اس قدر آہ و نالے نے ہنگامہ آرائیاں کی ہوں! اور یہ بھی سچ ہے۔ یہ دعوتِ اشک و حسرت ابھی ختم نہیں ہوئی ہے، گو تیرہ صدیاں مع اپنے ہلال محرم و عشرۂ ماتم کے گزر چکی ہیں، مگر ابھی تک خاکِ کربلا پر وہ خون آشام ذرے جنکو اگر آج بھی نچوڑیئے تو مقدس شہادت کا خون ٹپکتا ہے۔ بدستور اشک ہائے خونیں کا خواہاں ہے۔ آہ و فغاں کا متمنی ہے اضطرابِ پیہم کا مدعی ہے،

فضائے کربلا کا ہر ایک گوشہ ابھی تک دیدہ ہائے خوں افشاں، جگر ہائے سوختہ، و دلہائے دو نیم؛ اسد یا شہدائے ماتم سطر سے سینہ چشم براہ ہے،

اچھا وہ تمام آنسو جو بارہ تیرہ سو سال سے صرفِ گریہ ہوئے، اگر کم ہیں تو تم آج ایسا

سطحِ ارضی پر ایک دوسرا اطلانطیک۔ اک نیا اوقیانوس بہادو!

اچھا وہ تمام دود آہ و فغاں جو تیرہ صدی سے جگر سوختہ اجسام سے اُٹھ رہا ہے۔ اس فضا کو تاریک نہیں کر سکا ہے تو تم آج پھر ایک جدید آسمان بنادو!!

اچھا وہ دردِ الم کی تمام چیخیں، اور کرب و اضطراب کی تمام پکاریں، سوز و تپش کی تمام بیقراریاں، ناکافی ثابت ہوئی ہیں تو تم آج پھر غوغائے غم، اور حسرت کی صداؤں سے تمام عالم کو یکسر ایک شورزار نالہ و بکا کر دکھاؤ!!

مگر اتنا سمجھ لو یہ دعوت الم محض اس سکون آب کے فشار کے لیے نہیں جو ندیوں اور دریاؤں کی جگہ تم نے آنکھوں سے بہادیا؛

یہ درس غم اسواسطے نہ تھا کہ اکثر بیتاب صدائیں طیور و وحوش جو بے آباد زمین جنگلوں میں بلند کرتے، وہ انسانوں کی زبان سے نکلے،

یہ حادثۂ الم صرف اس لیئے نہ تھا کہ پتھروں کے باہم ٹکراتے کی کیفیت انسان کے دست و سینہ میں نظر آئے!!

اللہ اللہ! سید الشہداء امام مظلوم کی مظلومی! اس سے بڑھکر اور مظلومی کیا ہوگی کہ دشمنوں اور دوستوں دونوں نے ہی ملکے ظلم کیا، دشمنوں نے تو واقعۂ شہادت عظمیٰ کی عظمت ہی مٹانی چاہی، مگر دوستوں نے یکسر شہادتِ کبریٰ کی حقیقت ہی سے اس سرِ مخفی کی بصیرت ہی سے غفلت کی؛

اعداء نے یہ ظلم کیا کہ اس واقعۂ پُر حسرت پر اُنکی سنگدل آنکھیں نہ روئیں، اور محبوں نے یوں ظلم توڑا کہ گو روئے مگر حقیقی شرف اصلی عظمت و تقدیس کا ایک آنسو بھی نہ بہایا دشمن تو دشمن بنکر دعوت حق کو مٹاتے رہے، مگر دوست تو دوستی پیروی کرکے ثابت کرتے!!

آہ! سچا ماتم وہی ہے جو ہاتھ کا نہیں بلکہ دل کا ہو: حقیقی آہ و بکا وہی ہے جسکا

تعلق اعماقِ روح سے ہو؛ دعوتِ الم کا اصلی جواب وہی ہے جو عبرت و بصیرت کی زبان سے نکلے؛

آؤ! بزم عزا امام مظلوم میں ہم غم کی ایک نئی صف بچھائیں جس میں غوغائے ماتم کے ساتھ غور و فکر بھی ہو؛ جہاں آنکھوں کی اشک افشانیوں سے زیادہ حقیقتوں اور بصیرتوں کی جستجو ہو۔ دیدہ ہائے پُرنم کی نمایش کے ساتھ، پُر از خون زخم دل کی تلاش ہو!

نہایت سخت ضرورت ہی کہ قدیم زمانہ کی مجلسہائے ماتم، بزم عزا۔ میں ایک نئے حلقۂ ماتم کی گنجایش نکالی جائے؛ اور خون آلود، آنسوؤں کا وہ چشمہ جو ہمارے زخم رسیدہ دلوں سے اُبل رہا ہی۔ اُسکو کچھ عرصہ کے لیے۔ کچھ دیر کے لیئے ملتوی کر کے فکر و بصیرت سے خود واقعۂ شہادت کو اسرارِ شریعت اسلامیہ کا سرچشمہ بنانا چاہیئے۔ اس طرح امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر ماتم کرنے کا یہ ایک ایسا نتیجہ خیز طریقہ ہوگا جو امت مرحومہ کو ہر نوع افضل ترین محاسنِ اخلاق و ایثار سے متصف کردیگا؛ اور شریعت محمدیہ نے اسی قسم کے طریق ماتم کی ہدایت کی ہے۔

امام مظلوم کے واقعۂ شہادت میں آہ و بکا، شور و ماتم ہی کرنے کا اُسوہ نہ نظر آنا چاہیئے۔ ہم کو لازم ہے۔ اسکے اندر جو عزم و استقلال جو صبر و ثبات، جو تسلیم و رضا، جو استبداد شکنی، جو حمایت جمہوریت، جو امر بالمعروف، جو نہی عن المنکر کی عظیم الشان بصیرتیں موجود ہیں۔ وہ اس طرح یاد کرتے رہیں۔ اور کم از کم سال میں اس موقع پر ایک ہی قسم اس مذہبی قربانی، اس اعلان صداقت و فدویت کو ساری قوم یکرنگی کے ساتھ دکھلاتے!

آہ! دنیا کی مذہبی تاریخ بھی اپنی بے کسی کو عجیب پُر حسرت طریقہ سے شروع کرتی ہے ہم نے دنیا کے سخت سے سخت معرکوں میں باپ کو بیٹے کا شریک، بھائی کو بھائی کا حامی بی بی کو شوہر کا ساتھی و مددگار دیکھا ہے لیکن صرف ایک مذہب ہی کا روحانی عالم ایسا ہے جہاں باپ کو بیٹے نے بھائی کو بھائی نے۔ شوہر کو بی بی نے چھوڑ دیا ہے۔ یہی کنہ ہے

کہ خاندان نبوت ہمیشہ اعزہ و اقارب کی اعانت سے محروم رہا۔

حضرت نوح علیہ السلام ایک مدت تک شب و روز اپنی قوم کو دعوتِ توحید دیتے رہے۔ اور مرتد قوم فرط بغض و ضلالت سے اُس دعوت کو رد کرتی رہی، پھر اس پیغمبرانہ آواز کی بازگشت صرف قوم کی در و دیوار سے ناکام واپس نہ پھری، بلکہ اُنکے اپنے گھر کی در و دیوار نے بھی اُسکو غایت انہماک خسران سے ٹھکرایا!

آخری مرتبہ بھی حضرت نوح ؑ نے اپنے بیٹے کو ہدایت و سعادت کی جانب پکارا مگر اُسکا گوش نصیحت نیوش وا نہوا، آخرش عذاب الٰہی کی طوفان خیز موجوں نے تباہ کر دیا!

حضرت لوط علیہ السلام کے تمام خاندان نے اگرچہ اُن کا ساتھ دیا۔ مگر خود اُن کی بی بی اُنسے علیحدہ ہوکر تمام منسوب لوگوں کے ساتھ عتاب الٰہی میں شامل ہوگئی!۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے خاندانِ نبوت میں انقلاب ہوا۔ حضرت نوح ؑ کا بیٹا اُنسے جدا ہوگیا تھا۔ حضرت لوط ؑ کی بی بی اُنسے علیحدہ ہوگئی تھیں، لیکن یہاں بر آبتی میں بیٹے نے باپ کی۔ بی بی نے شوہر کی۔ بھائی نے بھائی کی دعوت حق پر لبیک کہا اور اس دعوت کی اشاعت میں جو جو مصیبتیں پڑیں، اُن میں شریک حال رہے۔

سب سے پہلے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس جہاد روحانی کی جانب قدم بڑھایا! اور اپنے شوہر کے ساتھ اپنے لخت جگر کو ایک وادی میں ڈال دیا۔ جہاں کئی سو میل تک آب و گیاہ کا نام نہ تھا۔

پھر اُس امتحان کی سختی پر نظر ڈال دیکھئے جسکے واسطے حضرت اسمٰعیل کو خدائے پاک نے انتخاب کیا تھا۔ مگر انہوں نے باپ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی اُنکے خاندان کی اعانت و رفاقت شریک رہی چنانچہ شعلہ طور نے جب اُنکو بشارت نبوت دی تو اُن کی بی بی اُنکے ساتھ تھیں۔

لیکن اسلام کے زمانہ تک خدا کی راہ میں جتنی قربانیاں ہوئی تھیں وہ شخصی حیثیت رکھتی تھیں۔ یعنی انبیاءؑ نے شخصی طور پر خدا کی ذات پہ اپنی اولاد کو یا اپنے آپکو قربان کر دیا۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ کی ابتدا تھی۔ مگر اس کی تکمیل شریعت اسلام پر موقوف تھی؛

چنانچہ جس طرح اسلام نے عقائد و عبادات اور معاش و معاد میں تمام قدیم مذاہب کی تکمیل کر دی، اسیطرح جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت کو بھی مکمل و واضح کر دیا، اب تک کسی پیغمبر کے خاندان میں اللہ کی راہ میں جو قربانیاں ہوئیں۔ اُن میں اُسکے خاندان نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ اور جو قربانیاں غیر شخصی ہوئیں بھی تو وہ راہ ہی میں روک لی گئیں تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کو خدا کی نذر کرنا چاہا، مگر اسکا موقع نہ آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سولی کی طرف بڑھے مگر بچا لیے گئے؛

یہ خاندان نبوت ہی کے لیئے شرف تھا۔ یہ محمدؐ ہی کے گھرانے والوں کا اُسوۂ پاک تھا، کہ آج تمام خاندانِ نبوت نے ہی متفقہ طور پر اسمیں شرکت نہیں کی بلکہ اس کی تمام سلسلۂ انبیاءؑ میں کوئی مثال نظر نہیں آتی کہ صرف باپ، صرف بھائی، صرف بیوی ہی نے مقصد نبوت میں ساتھ نہ دیا۔ بلکہ بلا تمیز خاندان نبوت، مع اکابر خاندانِ رسالت اکثر اعضاء و ارکان راہ حق میں قربان ہو گئے؛

یزید کی شخصی خلافت کی حمایت و بیعت کے لیئے جو ہاتھ بڑھے تھے وہ اسلام کی جمہوریت کا قلع و قمع کرنا چاہتے تھے، اور مذہب کی قربانیاں صرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیئے ہوا کرتی ہیں اسلیئے جب اسوۂ ابراہیمیؑ کے احیاء کا ٹھیک وقت آگیا تو خاندانِ نبوت کے زن و مرد، بال بچے، غرض ہر فرد نے اس میں حصہ لیا اور جن قربانیوں کے پاک خون سے زمین کی آغوش ابھی تک خالی تھی اُنسے کربلا کی پُروحشت وسعت رنگ دی گئی؛

غیرت و بصیرت کے لیئے اس واقعۂ عظیمہ میں کیا کچھ نہیں، مذہب کا احیاء و تحفظ سیکھیئے، غیرت اسلامی

حاصل کیجیے، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا درس لیجیے، اور کیا عرض کروں کہ کیا کچھ ہے!!! خاکسار خلیقی دہلوی

یقین

(گزشتہ سے پیوستہ)

پچھلے نمبر میں بوضاحت یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ دین اسلام میں یقین ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس پر آدمی کے تمام اعمال و افعال کے آثار مرتب ہوتے ہیں جب یہ کیفیت حاصل ہو۔ انسان خلاف مرضی الٰہی امور سے بجنسہٖ محترز نہیں رہ سکتا۔ اب اس نمبر میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے حاصل کرنے کی اسلام پاک نے کیا تدبیر بتائی ہے۔ سو اسکے حصول کے لیے قرآن حکیم نے ہر ایک شخص کو سبق سکھایا ہے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ الآیۃ — **ترجمہ** عبادت کرو اپنے رب کی تاکہ خدائے پاک کی طرف سے تمہیں وہ یقین عطا ہو جسکی وجہ سے مرضی الٰہی کے مطابق تم سے اعمال افعال صادر ہوں اور عبادت یقین کے ساتھ ہونے لگے۔

اسلام پاک نے یقین کے حاصل کرنے کی یہ تدبیر بتائی ہے کہ عبادت الٰہی جہاں تک ہوسکے زیادہ کی جائے۔ چونکہ عبادت کہتے ہیں خضوع و تذلل کو۔ اور خضوع کے معنی لغت میں فرمانبردار ہونے کے ہیں۔ اس لیے آدمی جب خدائے پاک کے روبرو عاجزی کرتا اور اپنے اعمال و اعتقادات میں فرمانبردار رہتا ہے تو اُسکے صلہ میں وہ معبود حقیقی اسکو وہ یقین عطا فرماتا ہے کہ جس کی وجہ سے انسان سے کوئی امر خلاف مرضی الٰہی صادر نہیں ہوتا وہی مرتبہ ہے جسکو احسان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس پر تمام تصوف کی بنیاد ہے۔ اور یہی حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ۔ (بخاری شریف) — **ترجمہ** عبادت اس یقین کے ساتھ کیا کرو گویا تم خدائے پاک کو دیکھ رہے ہو۔

اور یہی مضمون حدیث جبرئیل میں موجود ہے۔ جب جبرئیل علیہ السلام نے حضرت نبی کریم

صلے اللہ علیہ وسلم سے ایمان واسلام کی تعریف کے بعد پوچھا کہ احسان کیا چیز ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:-

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ۔ (مشکوٰۃ شریف) ایسے طور پر اللہ کی عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اسکو نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اسی کو شریعت میں احسان کہتے ہیں۔ جس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کے یقین اور مشاہدہ حاصل ہونیکے بعد بھی اسی قسم کے یقین کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم ہے۔ اور اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کافی گواہ موجود ہے کہ حضور انور (فداہ روحی) سے بڑھکر کوئی درجہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ باوجود اسکے آپ سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔

اہل بصیرت پر خوب روشن ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ السلام والتسلیم کا باطن خدائے پاک کے صفات کمالیہ کا آئینہ بنا ہوا تھا۔ آپ کی پاک زندگی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ کا کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا تھا جو یاد الٰہی سے خالی ہو۔ خداوند کریم نے قرآن حکیم میں خود ہی اس مسئلہ کو واضح فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:-

وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ ۔ اپنے رب کو یاد کرو جب بھول جاؤ۔

اس آیۂ پاک کے اعلیٰ مقتضیٰ کو معلوم کرنے کی طرف جب ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یہی ہے کہ ادھر نسیان آیا ادھر یاد الٰہی شروع ہو گئی یعنی نسیان بالکل ممتد نہ ہونے پائے۔ پھر کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی ایسا زمانہ گزرے جسمیں آپ یاد الٰہی سے غافل ہوں۔

اب یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ جب ہر وقت یاد الٰہی اور اسکے صفات جمالیہ جلالیہ کا تصور لگا رہے تو پھر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آدمی سے کوئی دوسرا کام ہو سکے۔ یہی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی پاک زندگی کا راز ہے۔ حضور انور ؐ جو کام کرتے تھے۔ اُسمیں سوائے خداوندکریم کی یاد اور مشاہدہ اور رضا جوئی کے اور کچھ مقصود نہیں ہوا کرتا تھا۔ چونکہ اسی کی طرف آپ کی توجہ لگی رہتی تھی۔ اسی لیئے اپنے تمام کاروبار میں دنیا سے آپ کو کوئی تعلق نہ تھا جس کی تصریح آپ کی زندگی کے ہر عمل وفعل سے ہوتی ہے۔ اور یہی تصوف کا اصلی اور حقیقی منشا ہے جن لوگوں نے تصوف کی حقیقت پر صحیح معنوں میں غور کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ اُنہوں نے تصوف کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ اور اسی غلطی اور دھوکا کھاجانے کی وجہ سے وہ تصوف کے انکار پر اصرار کرنے لگ گئے ہیں۔

اصل تصوف کیا ہے؟ صرف یہی کہ انسان ہمیشہ اپنے خالق حقیقی کی عبادت کو باعث افتخار سمجھے۔ اور ہمیشہ تقرب الٰہی کے ذرائع تلاش کرتا رہے۔ اپنے اخلاق وافعال۔ اوصاف وعادات میں ہمیشہ اس کا اندازہ لگاتا رہے کہ ان میں سے کون سے خالق حقیقی کی خلاف مرضی ہیں تاکہ میں انکو ترک کردوں۔ اور کونسے اُسکی مرضی اور رضامندی سے تعلق رکھتے ہیں تاکہ میں انکو بجالاؤں۔ غرضکہ صوفی کے دل کا تعلق ہر وقت انہی امور کی طرف لگا رہتا ہے بس یہی اصل تصوف ہے جسکو یہ حالت نصیب ہو وہی صوفی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سنی اور صوفی کے متعلق سوال کیا گیا تو آپنے جواب میں فرمایا:۔

من عاش فی ظاهر الرسول فهو سنی — جو ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو وہ سنی ہے
ومن عاش فی باطن الرسول فهو صوفی — اور جو باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی بسر کرے وہ صوفی ہے۔
(رواہ ابونعیم فی الحلیۃ)

جب اس قول پاک سے ثابت ہوگیا کہ صوفی کا باطن حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے باطن کا تابع ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ صوفیہ کے باطنی حالات علی قدر مراتب وہی ہوں گے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ اور جب حضور انور فداہ روحی نے اپنی تمام

زندگی کے ہر لمحہ اور ساعت میں یاد الٰہی سے غفلت نہیں کی تو صوفی کے لیئے خدا کی یاد سے غافل رہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہمیشہ یاد الٰہی میں رہنا صوفیہ کا فرض منصبی ہے۔

اس سے اِس مسئلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ حق تعالیٰ کو ایجاد عالم سے مقصود بالذات اپنی معرفت تھی۔ اور اسی لیئے ایک صاحب بصیرت آدمی دنیا کی ہر ایک شئے پر نظر ڈالتا ہے تو اُسے نظر آتا ہے کہ عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اپنے معبود حقیقی کو نہیں پہچانتی بلکہ۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز خداوند کریم کی تسبیح اور حمد کرتی ہے"۔

اسی تسبیح و تحمید کا نام معرفت ہے۔ معرفت کے بھی مدارج و مراتب میں تفاوت ہے ہر ایک چیز میں خاص خاص قسم کی معرفت کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ چونکہ انسان میں اعلیٰ درجے کے اوصاف ودیعت کیئے گئے ہیں۔ اسلیئے اسمیں اعلیٰ درجہ کی صلاحیت ہے۔

الحاصل تصوف اُس علم کا نام ہے جسمیں صرف وہ امور مذکور ہوتے ہیں جو تقرب الی اللہ کے باعث ہوں۔ جن لوگوں نے بعض متصوفین کے لحاظ سے کہ جن کے نزدیک عبادت الٰہی کی ضرورت نہیں۔ یہ کہدیا ہے کہ فلسفہ اور تصوف کی بنیاد ایک ہی اصول پہ ہے انہوں نے غلطی کھائی ہے۔ کجا تصوف اور کجا فلسفہ۔ اِن دونوں میں کسی قسم کا تعلق نہیں۔ بلکہ تصوف کے لوازمات ایسے سخت واقع ہوتے ہیں کہ اہل فلسفہ انکو سُننے کی بھی تاب نہیں لا سکتے یہ دوسری بات ہے کہ تصوف کے لوازمات کو کھینچ تان کر فلسفہ سے ملایا یا تابع کیا جائے فلسفہ تو بااوقات خداوند کریم کی ذات کا انکار کرنے لگ جاتا ہے مگر صوفی تو کسی حالت میں بھی خدا کی یاد سے غفلت نہیں کر سکتا۔ اگر وہ غافل ہو جائے تو وہ صوفی نہیں۔ اور یہ بات ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جب خداوند پاک کی ذات اور صفات کے یقین سے عبادت کی ضرورت ہو تو یقین کے بعد بطریق اولیٰ ضرورت ہوگی یہ کیسے خیال میں آ سکتا ہے کہ جسکو خداوند کریم کی ذات و صفات کا یقین اعلیٰ درجہ کا ہو اور

وہ اپنے خالق و مالک کی جناب میں عاجزی اور تذلل نہ کرے نہ دوسری نہ اختیار کرے اور یہ کہنے لگ جائے کہ میں تو کبھی اُسکے رو برو سر نہ جھکاؤں گا۔ جبتک آدمی میں سمجھ اور عقل باقی ہے کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا یقین ہو مرفوع القلم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس یقین کی بدولت وہ سب سے زیادہ عبادت کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جسقدر اکابر صوفیہ گزرے ہیں۔ سب نے عبادت اور یاد الٰہی ہی میں اپنی تمام عمریں صرف کردیں۔ ہاں آدمی اگر مجذوب ہوجائے اور اُسکو نہ اپنا اور نہ کھانے پینے اور نہ دیگر حوائج ضروریہ کا خیال رہے تو امر دیگر ہے۔ وہ شیر خوار بچوں کی طرح ضرور مرفوع القلم ہوجاتا ہے۔

آجکل اکثر جاہل صوفیوں نے بھی یہ حیلہ بنا رکھا ہے کہ وہ اچھے بھلے۔ کھاتے پیتے ہر ایک طرح کی حوائج کی احتیاط رکھتے ہوئے محض عبادت الٰہی سے جی چرانے کی وجہ سے کہنے لگ جاتے ہیں کہ عبادت الٰہی وہ کرے جسکو خداوند پاک پر یقین کامل نہ ہو ہمکو اسکی تمام صفات پر یقین ہے عبادت تو محض یقین حاصل کرنیکے لئے ہے جب ہمکو یقین حاصل ہے تو پھر عبادت کی کیا ضرورت ہے بعض ظالم تو یہاں تک بڑھ جاتے ہیں کہ وہ علانیہ شریعت حقہ کے احکام (مثلاً نماز روزہ وغیرہ) پر تمسخر اڑانے لگ جاتے ہیں۔ ان تمام امور کو فضول اور بیکار بتاتے ہیں ایسے ہی لوگوں نے تصوف اور اہل تصوف کو بدنام کر رکھا ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت اور بیعت کی نسبت حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا فتوے ہے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نباید داد دست

ان لوگوں نے تصوف اور اہل تصوف کی حقیقت نہیں سمجھی صوفیاء کے نزدیک بھی وہی اصول ہیں جو شریعت میں مصرح ہیں۔ فرق صرف اتنا ہی کہ انکے یہاں اصول عمل ہے۔ جس طرح علماء کو علمی ذخیرہ بڑھانے کی طرف توجہ ہے۔ ان حضرات کو اعمال کا ذخیرہ بڑھانے کی فکر رہتی ہے قرآن حکیم کا بھی یہی منشاء ہے۔ ایمان کے ساتھ ہر موقع اور محل پر اعمال ہی کی قید موجود ہے بلکہ جنت بھی بظاہر جزائے اعمال ہی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:-

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ "یہ جنت تمہارے انہی اعمال کے بدلے میں دی گئی جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے"۔

اگر انسان دنیا میں اعمال ہی کی ضرورت نہ سمجھے۔ نماز روزہ دیگر امور شرعیہ سے متنفر رہے اور پھر جنت کے اعلیٰ درجات کی امید رکھے۔ یہ سراسر ایک دھوکا نفسانی ہے اور کچھ نہیں ہے ۔

دل عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب کام چور اس کام پر کس منہ سے اجرت کی طلب

میرے ناقص خیال میں تصوف کا خلاصہ یہ ہے جسکو میں مختصر طور پر بیان کر دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ انسانی طبائع قدرت نے مختلف پیدا کی ہیں۔ بعض باغیرت طبع آدمی ایسے نظر آتے ہیں کہ وہ بھوکے رہیں گے۔ فقر و فاقہ کھینچیں گے مگر ذلت کی نوکری اور ذلیل پیشہ نہ کرینگے۔ ان کی ہمت ہمیشہ اسی میں مصروف و مشغول رہتی ہے کہ بادشاہوں کا تقرب حاصل کریں اور انکی خدمت میں رہکر زندگی کے دن امن و امان سے گزاریں۔ اس مقصد کے حاصل کرنیکے لیئے اُن کو بڑی بڑی دقتوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بڑی بڑی مصیبتیں اور مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں مگر وہ ہمت نہیں ہارتے۔ ہمیشہ ایسے افعال سے بچتے رہتے ہیں جو بادشاہوں کی مرضی کے خلاف ہونے کی وجہ سے آدمی کو اُن کی نظروں میں ذلیل و خوار کریں۔ بلکہ وہ ایسے اعمال کی پابندی دل و جان سے کرتے رہتے ہیں کہ جو اُن کی مرضی کے مطابق ہوتے اور اُنکی نظروں میں آدمی کو باعزت بناتے ہیں۔ آخر رفتہ رفتہ بحسب نیکنامی و سعی اور علو ہمت فائز المرام ہو کر دنیاوی عزت و وجاہت حاصل کر لیتے ہیں۔ علیٰ ہٰذہ اسلامی دنیا میں بعض غیور طبع عالی ہمت انسان اپنی ہم جنس مخلوق کی خدمت کو ننگ و عار اور اپنے خالق و مالک کی عبادت و غلامی کو باعث عزت و افتخار سمجھتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی دُھن میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح بارگاہ خداوندی میں ہمیں باریابی نصیب ہو وہ ہمیشہ تقرب الٰہی کے ذرائع تلاش کرتے رہتے ہیں اور اُن اخلاق و اعمال۔ اور اوصاف

عادات کو جو معبود حقیقی کے خلاف مرضی ہیں ترک کرکے ان فضائل کو حاصل کرنے میں ساعی رہتے ہیں جن میں خداوند کریم کی رضامندی متصور ہے۔ اسکے حصول کے لیے وہ بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں اور چلہ کشیاں کرتے ہیں۔ اپنی عمریں اسی دُھن میں صرف کردیتے ہیں غرضیکہ اُن کا دلی تعلق ہر وقت انہیں امور کی طرف لگا رہتا ہے۔ اس لیئے وہ اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا نہیں کرسکتے۔ بلکہ فقط ضروریات پر اکتفا کرلیتے ہیں۔ مثلاً کھانا جس قسم کا اور جب مل گیا کھالیا۔ اور کپڑا جس قسم کا مل گیا۔ پہن لیا۔ خصوصاً کمبل چونکہ ارزاں اور دیرپا ہوتا ہے اُسکو بہت شوق سے وہ پہنتے ہیں تاکہ باربار دھونے اور بدلنے کی ضرورت نہو۔ بعض کپڑے اسی لیئے رنگ لیتے تھے کہ روز کے دھونے کی حاجت اٹھ جائے۔ باقی سب دنیا کے جھگڑے اور بکھیڑے ہیں۔ اُن کی اُن کو ضرورت نہیں تھی۔ اُنکو اگر ضرورت ہوتی ہے تو محض تقرب الٰہی اور اُسکی رضامندگی کی۔ جس میں وہ اپنی تمام عمریں صرف کردیتے ہیں یہی ہیں وہ لوگ جو اصلی صوفی اور درویش ہیں۔ باقی سب سوانگ ہیں۔ اور اکثر لوگ اُن کے بہروپ کو دیکھکر پھنس جاتے ہیں مسلمانوں کو اس معاملہ میں ذرا احتیاط اور ہوشیاری کی ضرورت ہے ✦

دعاگو محمد عظیم از گکھڑ۔

فضیلت احمدیہ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

بمصداق

آخر آمد بود فخر اولیں

اگرچہ ہمارے سرتاج رسول عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے بعد میں تشریف لائے۔ لیکن قدرت نے اُنکے ناصیہ نبوت پر جو کچھ لکھا تھا اور اُن سے سلسلہ نبوت میں جو کچھ کام لیا گیا وہ ثبوت اِس بات کا ہی کہ وہ سب سلسلہ نبوت کے سرتاج اور مختتم تھے۔ مذہبی اور روحانی رنگ میں اُن کی عزت اور احترام سب عزتوں اور سب احترامات سے بوجہ زیادہ اور اکرم تھا۔ اس کا فیصلہ یوں آسانی ہو سکتا ہے کہ کل انبیاء علیہم السلام کی خدمات اور فرائض اور نوعیت فرائض کو اگر مقابلۃً دیکھا جاوے تو کھل جاویگا کہ پلہ کس کا بھاری ہے۔ بیشک شروع شروع میں ہی اس قسم کے نبی آتے رہے۔ جنپر اعلائے کلمۃ اللہ کا بہت کچھ بوجھہ ڈالا گیا۔ لیکن جو بوجھہ ہمارے حضرت پر رکھا گیا وہ سب بوجھوں اور سب فرائض سے بھاری اور اونچا تھا۔ ہمارے نبی اُسوقت مبعوث ہوئے۔ جب دنیا کی ہر چہار طرفیں جادۂ توحید اور راہ خدا پرستی سے ایک بڑی حد تک منحرف ہو چکی تھیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام جیسا غریب مزاج۔ فروتنی مجسم۔ اولوالعزم نبی دنیا میں آیا اور چند کلمات یا چند الفاظ کی غلط فہمی سے یہود نے اُنکے ساتھ جو کچھ برتاؤ کیا وہ اِس بات کا دلیل ہے کہ اُس زمانہ میں مہذب سے مہذب دنیا کے اخلاق۔ بردباری۔ وروا انگیزی کی کیفیت کیا کچھہ تھی۔ جنھیں چند وجوہ سے دعوے خدا پرستی اور دین داری کا تھا اُن کا ایک مسلمہ نبی کے ساتھ ایسا عمل ظاہر کر سکتا ہی کہ اُس وقت لوگوں کی دین داری اور

زہد کی حالت کیسی تھی۔ گو پہلے ہی توحید کا اعلان کرچکے تھے۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد جو کچھ نتیجہ اس اعلان کا نکلا وہ سب پر روشن ہے +

موسوی اور عیسوی تعلیمات کے مقابلہ سے ہم اس نتیجہ پر باآسانی پہنچ سکتے ہیں کہ یا تو جو کچھ ان نبیوں کو عطا ہوا وہ جامع نہ تھا جس میں کوئی خدائی حکمت تھی۔ اور یا جو کچھ اُن کی معرفت پہنچایا گیا وہ بعد میں دن بدن مسخ ہوتا گیا۔ اس بات کا فیصلہ زمانہ رفتہ رفتہ خود ہی کر رہا ہے دنیا خود بخود اُس امتیازی اسٹیج پر آتی جاتی ہے جو پہلی اور پچھلی تعلیم کے مقابلہ سے ظاہر ہے +

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سب سے افضل اور ممتاز تھے تو ایسے ایک مبالغہ آمیز دعوے سمجھا جاتا ہے۔ بیشک غیر مذاہب والوں پر اس فضیلت کی فضیلت کا لکھنا ایک حد تک مشکل ہے۔ لیکن واقعاتی پہلو سے یہ دعوے اپنے اندر کوئی حیرت افزا صورت نہیں رکھتا اور نہ ایسے نیچر کے خلاف یا عمل قدرت کے متضاد کہا جا سکتا ہے سب سے پہلا سوال اس بحث میں یہ ہوگا کہ :-

"کیا قانون قدرت اسکا منافی ہے"؟

"یا قانون قدرت اور سلسلۂ قدرت اسکے خلاف پیش کر رہا ہے"؟

ہمیں قانون قدرت کی جانب سے اس سوال کا یہ جواب ملتا ہے کہ وہ اس کا منافی نہیں ہے اور نہ اسکے خلاف کوئی سلسلہ پیش کرتا ہے۔ قانون قدرت یا سلسلہ قانون قدرت یہ ثابت اور پیش کر رہا ہے کہ کائنات ایک سرے سے دوسرے سرے تک قانون درجہ بندی کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ اگرچہ ہمیں درجہ بندی کی رست کی پڑتال میں ایک مالا یطاق تکلیف ہی گوارا کرنی پڑے۔ لیکن ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہر پہلو سے ہمیں درجہ بندیوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ موجودات کی کوئی سی نوع لی جاوے۔ اسمیں امتیازات اور درجہ بندیاں ہوں گی۔ ان درجہ بندیوں اور اُن امتیازات سے ہمیں پتہ ملتا جاوے گا کہ

ادنیٰ سے ادنیٰ کونسی خلقت ہے۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ کونسی ؟

عادت اللہ یا اُسکا قانون قدرت یہ ہے کہ وہ بوجہ ممتاز و واحد ہونیکے اپنی افعال خالقیت اور امتیازات کائناتی میں سلسلہ وحدت کو ہمیشہ مرعی رکھتا ہے جو کچھ ہم کائنات اور موجودات میں پاتے ہیں۔ یا جہاں تک ہماری رسائی ہے۔ اسمیں ایک لازوال سلسلہ وحدانی یا ترتیب رشتہ باعتبار احترام اور امتیاز کے پائی جاتی ہے۔ اگر ہم اس سلسلہ کے شروع وسط اور اخیر پر نظر کریئے تو ہمیں بآسانی پتہ لگ جاوے گا کہ سب کائنات ایک ہی نمبر اور ایک ہی درجہ نہیں رکھتی۔ اگر ایک طرف بلندی ہے تو دوسری جانب پستی ہے۔ اگر ایک طرف حرمت ہے تو دوسری طرف ذلت ہے۔ لیکن انواع موجودہ کائنات میں سے انسان اشرف المخلوق ہے مان لو کہ اسکا ایسا دعوے اپنی خودستائی ہی ہے۔ لیکن جبکہ کوئی دوسرا مقابلہ نہیں کرتا تو ماننا ہی پڑے گا کہ حقیقت الامر یوں ہی ہے۔ اس نوع میں ہی بلحاظ مواد تصرفات۔ صفات اور استعداد کے لاکھوں درجے اور لاکھوں مراتب پائے جاتے ہیں۔ اگر اس کمی وبیشی کے اعتبار سے انہیں ایک باترتیب سلسلہ میں لاکر دیکھا جاوے تو اس سے بھی یہ نکل آوے گا کہ اُس سلسلہ میں اگر بہت سی حالتیں مساوی درجہ رکھتی ہیں تو اُن کے مقابلہ میں بھی ایک حالت یا ایک شخصیت اعلیٰ ہوگی اور دوسری ادنیٰ۔ اگرچہ یہ کہنا کہ بہت سی حالتیں اور بہت سی شخصیتیں مساوی درجہ ہر ایک اعتبار سے رکھتی ہیں درست نہیں۔ لیکن اگر اسے مان بھی لیا جائے پھر بھی تفریق اور امتیاز سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ہم موجودہ انسانوں میں یہ سلسلہ نہیں پاتے ہیں ؟ اور کیا خود ہم بھی قدرتی عمل کے مطابق عمل نہیں کرتے ہیں ؟ دیکھو ایک رسالہ یا ایک پلٹن بلکہ سپاہی سے لیکر کتنے افسر اور کتنے نائب ہوتے ہیں۔ اور اُن افسروں کے سلسلہ میں کیسی درجہ بندی دیکھی گئی ہے۔ جہاں یہ فوجی سلسلہ جاکر ختم ہوتا ہے وہاں ایک ایسا ممتاز فرد پیش ہوتا ہے جو دوسرے افسروں اور افراد فوج سے ایک خاص امتیاز اور درجہ رکھتا ہے۔ اس محدود سلسلہ میں ایک طرف سپاہی یا سولجر ہوتا ہے اور دوسری طرف کمانڈر انچیف۔ انسانی نوع کے سوا دوسری

انواع میں بھی اسی قسم کے امتیازات اور درجہ بندیاں پائی جاتی ہیں۔ دیکھو جمادی سلسلہ میں ایک طرف ایک ذرہ ہوتا ہے اور دوسری جانب آفتاب۔ کیا اس سلسلہ میں آفتاب کے مقابلہ میں کوئی اور وجود بھی پیش کیا جا سکتا ہے؟ چونکہ خدا واحد ہے۔ اس واسطے وہ سلسلہ خلقت میں بھی اس سلسلہ کو ملحوظ رکھتا ہے۔

جہاں ترتیب اور ضبط ہوگا وہاں درجہ بندی ضرور ہوگی۔ کیونکہ ترتیب اور ضبط درجہ بندی کو مستلزم ہے یا یہ کہ درجہ بندی بجائے خود ایک ترتیب اور ضبط ہے۔ دیکھو انسانی جسم کے اندر کیسی درجہ بندی اور ضبط ہے۔ کیا انسان اس درجہ بندی کے اعتبار سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے سلسلۂ وجود میں اعضاء اور اجزائے بدن امتیاز رکھتے ہیں۔ یہ درجہ بندی پوشیدہ اور اوجھل نہیں ہے۔ ظاہر اور عیاں ہے جو نوع اور جو سلسلہ لوگے اسی میں یہ صورت پائی جائے گی۔ خدا کے تمام کام کیا روحانی اور کیا جسمانی بے ترتیب پریشان اور غیر منضبط نہیں ہیں وہ ایک حکیمانہ ترتیب کے ماتحت مرتب اور منضبط ہیں۔ ایک ادنیٰ درجہ سے شروع ہوکر انتہائی درجہ تک جاتے اور امتیاز رکھتے ہیں۔ جہاں دیکھو وہاں اخیر پر ایک وحدت نمایاں ہوتی ہے اگر جمادی سلسلہ میں خدا نے ایک انتہائی درجہ آفتاب کے وجود میں ودیعت کیا ہے تو لازمی ہے کہ اس درجہ بندی کے سلسلہ میں انسانی جماعتوں میں بھی کوئی انتہائی روحانی آفتاب ہو۔ جہاں سلسلہ جاکر ختم ہو کہ اس فیضان وحدت کا ثبوت دے۔

ہم یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اس سلسلہ روحانی میں اس مثال کی پابندی سے کون سے وجود کو انتہائی درجہ ہے یا کون سا وجود ایسا انتہائی امتیاز اور شرف رکھتا ہے۔ ایسے شخص کے ممتاز ثابت کرنے کے واسطے تین ہی طریقے ہیں۔

(۱) عقل و فراست۔

(۲) واقعات و تعلیمات۔

(۳) الہامی کتابیں۔

بیشک عقول اور فراستوں میں بھی امتیاز ہے۔ اور اس امتیاز یا تفریق کی وجہ سے محض مجرد عقل سے یہ فیصلہ کسی حد تک پیچیدگی رکھتا ہے۔ لیکن اگر عقل و فراست کے ساتھ دوسرے اسباب سے بھی کام لیا جاوے تو کوئی مشکل نہیں۔ عقل و فراست کے نزدیک انسانی نوع کے ماتحت سب انسان ہیں۔ یا سب کو انسانیت کا جامہ نصیب ہے۔ لیکن خود عقل و فراست ہی یہ ثابت کرتی ہے کہ انسان کامل کا اطلاق بہت کم انسانوں پر ہو سکتا ہے۔ سب انسان انسان ہیں۔ لیکن اُن میں سے انسان کامل کوئی کوئی ہی ہوتا ہے۔ جب عقل و فراست یہ قبول کرتی ہے تو اب اسے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ منجملہ کامل انسانوں کے بھی ایک ہی اکمل انسان ہوتا ہی یا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جس اصول کے ماتحت بمقابلہ کل دیگر انسانوں کے بعض انسان کامل قرار دیئے جاتے ہیں۔ اُسی اصول کے ماتحت منجملہ چند کامل انسانوں کے ایک فرد کامل بھی ہوگا۔ جب عام پہلو سے یہ ثابت ہے تو پھر روحانی سلسلہ میں بھی اِس کی ضرورت ثابت اور اِسکا اعتراف لازمی ہے۔ خدا بوجہ احدیت دوسرا خدا پیدا نہیں کرتا۔ اور نہ کسیکو ایسی دسترس دیتا ہی لیکن اپنی جناب کاملہ کے سلسلہ میں سے ایسا روحانی کمال اپنے کسی بندے کو دے سکتا ہے بہت سے بندوں کو مختلف کمالات حقانیہ حاصل ہیں جنہیں ہم مذہبی رنگ میں نبی یا اوتار کہتے ہیں وہ ان کمالات کی وجہ سے دوسرے انسانوں سے برنگ روحانی ممتاز ہوتے ہیں اُن ممتازین میں سے لازمی ہے کہ کوئی انتہائی ممتاز بھی ہو۔ کیونکہ تمام سلسلۂ انواع اس کا حامی اور خواہاں ہے رہا اب یہ سوال کہ وہ کون سا فرد ہے یا کس پر یہ اطلاق ہو سکتا ہے؟ اسکا جواب ہمیں الہامی صحائف دیں گے۔ شروع سے لیکر اخیر تک جسقدر الہامی کتابیں ہیں۔ اُن سب میں ایک آنے والے کی نسبت اعلان کیا جاتا رہا ہے۔ آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسے علیہ السلام تک سب نے اُسی ایک کے آنے کا نشان دیا ہے۔ رسول عربی نے وضاحت سے یہ دعوے کیا ہے کہ وہ ممتاز وہی ہے قرآن اُسکی تائید میں ہے۔ چاہے کوئی حضرت رسول کریم کے ماننے اور انتہائی سلسلہ قرار دینے میں تامل ہی کرے۔ لیکن الہامی اور عقلی مقتضیات کے مقابلہ میں

اِس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ ایسے شخص کی ضرورت نہیں ہے۔ یا ایسے شخص کا ہونا خلافِ قدرت کے خلاف ہی۔ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ ایسے شخص کی ضرورت ہی۔ اور انتہائی امتیاز کا کوئی نہ کوئی وارث ہونا چاہیئے۔ یہاں تک تو ہمارے ساتھ سب لوگ ہیں۔ اب ہمارا دعوےٰ یہ ہے کہ اِن تمام پیشین گوئیوں اور مقتضیات کا مصداق رسولِ عربی ہے۔ اِسکے فیصلہ کیواسطے پیشین گوئیاں چھوڑکر ہمیں اُس سلسلۂ تعلیمات پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ جو وہ اپنے ساتھ لایا ہے سب سے بڑا مدعا اور مقصد اُس رسولِ عربی کا اعلانِ توحید تھا۔ اور یہی صفت خدا کی اعلیٰ صفت اعلیٰ یا انتہائی مقصد ہے۔ اگر یہ صفت اُڑا دیجاوے تو پھر خانہ خدائی کی وہ آب و تاب اور وہ کشش یا بقا نہیں رہتی جو بہمہ وجوہ متصرف ہے۔ موسیٰؑ نے بھی توحید کا اعلان کیا۔ عیسیٰؑ نے بھی۔ ابراہیمؑ نے بھی۔ نوحؑ نے بھی۔ سلیمانؑ نے بھی۔ دیگر انبیاء اور اوتاروں نے بھی لیکن جس زمانہ میں رسولِ عربیؐ کے ذمہ ہمت پر یہ کام ڈالا گیا وہ ایک انتہائی تذلل اور شرک و بدعت کا زمانہ تھا۔ ایسے زمانہ میں ایک انتہائی انسان ہی کی ضرورت تھی جو اپنی ذات میں صفاتِ کمالیہ کا نمونہ رکھتا ہو۔ اور جسکا انتہائی مشن ہی یہ ہو۔ رسولِ عربی کی زندگی پر نظر ڈالنے سے صاف کھل سکتا ہے کہ اُن کی نبوت کا منتہائے مقصد صرف اعلان یا تجدیدِ توحید ہی تھی مکہ اور مدینہ شریف میں جاکر دیکھ اور سُن سکتے ہو کہ دونوں حرموں میں سوائے خدا کے اور کسیکا نام ہی نہیں لیا جاتا جس نے خدا کے نام کا بوجہِ اکمل تجدید اور اعلان کیا۔ اُسکا نام بھی نہیں لیا جاتا۔ اور اگر اخیر پر لیا ہی جاتا ہے تو محض برنگ ایک عبداللہ کے۔ لیکن بہرطور کسی پوجنے والی ہستی کے رسولِ عربی محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے وحدت کے مقابلہ میں اپنی ہستی بھی چھوڑ دی تھی۔ وہ آئینہ ہے جس میں سے خدا کا عکس پڑتا اور خدا نظر آتا ہے۔ یہی وہ نقطہ ارتفاع ہے جہاں سے اُس ذاتِ صمدی کا نشان ملتا ہے جو اِس نقطۂ ارتفاع کے مقابلہ میں جلوہ افگن ہے ✦

دیگر تعلیمات چھوڑیئے۔ یہ توحیدی اعلان ہی فضیلتِ احمدی ثابت کرنے کے واسطے ایک برہان

قاطع ہے۔ توحید مر چکی تھی۔ وحدت کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ نبیوں کی کوششیں مٹ چکی تھیں اوتاروں کے اجتہاد پر زوال آچکا تھا۔ انسان انسانی جامہ سے نکلکر وحشت کے لباس سے ملبس ہوکر مذہبی نقطۂ خیال سے دور جا پڑا تھا۔

پتھروں۔ درختوں۔ ستاروں۔ سیاروں اجرام سماوی اجرام ارضی اور انسانی ہستیوں کی خدائی مانی جاتی تھی۔ نبیوں کے کہنے اور ایسی بات میں کب فرق آسکتا تھا آخر خدا کی غیرت جوش میں آئی۔ اور رسول عربیؐ تشریف لائے۔ پہلا کلمہ جو ایک اونچے پہاڑ اور ایک پرخوف وادی میں اُنکی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا۔ "آؤ ہم سب کے سب ایک ہی خدا کے پوجنے والے ہوں"۔

یہی آواز تھی جس نے دنیا بھر میں تہلکہ ڈال دیا مکہ ہی کے ۳۶۵ بُت سرنگوں نہیں ہوئے ساری دنیا کے شرک و بدعت پر پانی پھر گیا۔ رفتہ رفتہ یہ لرزا دینے والی آواز اقصائے دنیا تک پہنچ گئی۔ جہاں یہ آواز پہنچی وہیں نور توحید چمکنے لگا۔ اور وہیں رستبانؐ سربسجود ہونے لگے۔ کیا دنیا بھر میں سے کسی خاک نے ایسا موحد آجتک پیدا کیا ہے؟ کیا کوئی ایسا دعوےٰ کرسکتا ہے؟ کیا کسی اور کی بھی ایسی شانِ محترم اور امتیاز اعلیٰ ہے؟ یہ قاصد یہ سفیر ایک ایسا نامۂ ہدایت لایا جسکی آجتک ترمیم اور تجدید نہیں ہوئی۔ اور اُسمیں ایک دفعہ اس مضمون کی بھی ہے کہ اس نامۂ ہدایت کی تاقیامت ترمیم اور تبدیلی نہ ہوگی۔ وہ قیامت تک محفوظ رہیگا۔ اور قیامت تک اُس کا ایک شوشہ بھی نہ مٹے گا۔

کیا کسی اور سفیر کو بھی یہ اعزاز۔ یہ احترام حاصل ہوا ہے؟ اور کیا کسی اور کا بھی ایسا محترم اور محفوظ ہدایت نامہ یا رسالت نامہ ہے۔ یہ تھوڑی عظمت اور تھوڑی کرامت نہیں ہے۔ توریت شریف میں کہا گیا ہے۔ "اُس آنیوالے کا ہاتھ سب ہاتھوں سے جدا جاویگا" کیا یہ اُسکا مصداق نہیں ہے؟ اور کیا اُسکے کارناموں سے اُسکی تصدیق نہیں ہوتی ہے یہ ممتاز رسول اپنے ساتھ دو صحیفے لایا ہے۔

۱۔صحیفۂ قدرت۔
۲۔صحیفۂ فطرت۔
قرآن یا قرآنی رسالت نامہ کیا ہے صحیفۂ فطرت صحیفۂ قدرت۔ ہر صحیح فطرت اُس میں اپنا عکس پاتی ہے اور ہر صحیح فطرت اُس سے آشنا ہو سکتی ہے۔ کتنے بڑے فخر اور فضل کی بات ہے کہ ہم اُس کوچے کے گداگر ہیں۔ جس میں ایسا ممتاز شخص ایسی محترم ہستی اقامت گزیں ہے۔ کیا یہ بے پایاں فضل و کرم نہیں ہے۔

ماعرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری
قاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری

سلطان احمد از جہلم

تمہید

تصورات و تخیلات

متعدد قسم کے علوم جن کا تعلق قوت متخیلہ سے ہی ان کو موجودہ زمانہ کی ترقی کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ علوم بھی اُنہی علوم کی اگر نقل نہیں تو زیادہ سے زیادہ ایک ترقی یافتہ شکل قرار پائینگے۔ جن کی بنیاد قدیم زمانہ میں قائم ہو چکی تھی۔ مثلاً علم کیمیا (یا بعرف عام ادنیٰ معدن کو اعلیٰ میں تبدیل کرنا) اس کا وجود اب سے صدہا سال پیشتر سے ہی۔ بیلون یا غبارے یا زیپلن بہ تبدیل نام و ہیئت قدیم زمانہ میں بھی استعمال ہوتا تھا آج کل آفتاب کی حرارت سے عجیب و غریب کام لیے جاتے ہیں۔ ان کی ابتدا کا پتہ حضرت موسیٰؑ کے عہد تک چلتا ہی۔ جب کہ آفتاب سے مچھلیاں بھون لی جاتی تھیں۔ اہرام مصری کی ساخت پر غور کرتے وقت قدرتی طور پر اُس زمانہ کے علم جر ثقیل کی جانب ذہن منتقل ہوتا ہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں اور چاند سورج کے طلوع و غروب کو اپنی عقل دوربین سے ملاحظہ فرمانا آغاز تھا اُس عظیم الشان علم ہیئت کا جو آجکل بھی خداشناسی کا ایک زبردست آلہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

علیٰ ہذا وہ چیز قدیم اصطلاح میں جادو یا سحر یا کرشمہ یا نظر بندی کہلاتی تھی۔ اور جنے آجکل مسمریزم اور ہپناٹزم اور اسی قسم کے دوسرے نام اختیار کیے ہیں۔ اُنکے ابتدائی اصول کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان سب کا مدار تصور و تخیل پر اور اُن قوتوں کی ایک خاص طریقہ سے تربیت پر ہے۔ چنانچہ ان علوم سفلیہ کے طالب اپنا سبق محض ایک نقطہ پر نظر اور خیال کو قائم کرنے سے شروع کرتے ہیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ اس درجہ ترقی کر لیتے ہیں کہ اُن سے ایسے ایسے حیرت انگیز افعال ظہور میں آنے لگتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو بلا مبالغہ ہزاروں انسانوں سے اب بھی اپنے آپکو خدا منوا سکتے ہیں۔ مگر واضح رہے کہ ان علوم متخیلہ سفلیہ کے

ی مقدس علوم روحانیہ علویہ کے ساتھ (باوجود باہم ہم مخرج ہونیکے) وہی نسبت ہے جو
ارضلالت کو نور ہدایت کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

پروفیسر انگرے اپنی مشہور عالم کتاب "معجزات قدرت" میں بتلاتے ہیں کہ قوت خیال کے عجیب و غریب اثرات اُس کی غیر مسموع آواز اور اُسکے مختلف اللون لمعات کا ادراک حواس خمسہ ظاہری سے ناممکن ہے۔ اس عجیب و غریب قوت کی رفتار ۴۵ ہزار سے ۲ [illegible] میل تک فی ثانیہ خیال کی گئی ہے۔ کوئی مضبوط سے مضبوط آہنی دیوار یا سنگین فصیل بھی اسکی سدِّ راہ نہیں ہو سکتی۔ درحقیقت برق کی رفتار بھی خیال کی رفتار کے سامنے ہیچ ہے کیونکہ خیال دنیا کے اس سرے سے لیکر دوسرے سرے تک یعنی ۱۲ ہزار میل کا فاصلہ ایک ثانیہ کے آٹھویں حصے میں طے کر سکتا ہے یا بالفاظ دیگر ہم ایک ثانیہ کے اندر اپنے خیالات دنیا کی چاروں طرف آٹھ بار پھرا سکتے ہیں۔ اور اسی وقفہ کے اندر اُن کا اثر مختلف لوگوں کے قلوب تک پہنچایا جاسکتا ہے قوت متخیلہ کوئی مقناطیسی یا برقی قوت نہیں ہے بلکہ   ہے۔ اور یہ قوت اعصاب کے ذریعے انسان کے تمام جسم میں جاری و ساری رہتی ہے۔ قوت خیال کا ثبوت بمشاہدات بہم پہنچانے کے لیئے دو فرانسیسی فاضلوں نے متفقہ مساعی سے ایک آلہ ایجاد کیا ہے۔ جس میں ایک پیالہ نصب ہے جسکے اندر ایک نہایت باریک سوئی معلق ہے۔ اگر کوئی شخص کسیقدر فاصلہ سے اُس سوئی پر قوت متخیلہ کے ساتھ نظر ڈالے تو اُس سوئی میں خفیف لرزش پیدا ہو جاتی ہے اِس آلہ سے مختلف اشخاص کی قوت متخیلہ کی کمی بیشی کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے اور یہ امر قطعی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ تخیل میں بھی خارجی عمل کی قوت پائی جاتی ہے۔ بعینہ جس طرح لاسلکی آلہ خبر رسانی کے ذریعہ سے پیغام ایک مقام کو بھیجا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص کا خیال سیکڑوں میل کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے دوسرے شخص کے دل پر عمل پیغام رسانی کو انجام دیتا ہے۔ اس امر کا ثبوت متعدد تجربات مستندہ سے ہو چکا ہے۔ مثلاً لندن کے مشہور رسالہ "ریویو آف ریویوز" کے دفتر میں رسالہ کے نامور ایڈیٹر اور دیگر چند فاضل حضرات کی زیر نگرانی

اس قسم کے چند تجربات کیے گئے جو بالکل صحیح نکلے۔ چنانچہ دفتر مذکور میں معینہ وقت پر مسٹر جیرڈسن نہایت سکون وخاموشی کے ساتھ بیٹھے۔ اور شہر نائلکم میں (جو شہر لنڈن سے ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے) مسٹر فرنیکان بھی ٹھیک اسی وقت ایک خاص کمرہ میں اطمینان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ کمیٹی مذکور نے تین پیغامات بغرض تجربہ منتخب کیے۔ ڈاکٹر جیرڈسن نے مذکورہ بالا پیغامات اپنی قوتِ متخیلہ کے زور سے مسٹر فرنیکان کے پاس بھیجے۔ جنہیں مسٹر موصوف نے محسوس کیا۔ اس تجربہ سے کمیٹی مذکور کے تمام ممبروں کی اچھی طرح دلجمعی ہوگئی کہ قوتِ متخیلہ کے ذریعہ پیغام رسانی نہایت آسانی سے ہو سکتی ہے۔ مشہور ہندوستانی مسمرسٹ پروفیسر کارفرما کا دعوے ہے کہ وہ دو سو میل کی آواز بخوبی سُن سکتا ہے۔ ایک دوسرا مسمرسٹ اپنے آپ کو دوسرے شخص کو خواب میں دکھانے پر قادر ہونے کا مدعی ہے۔ سلب امراض بھی اسی جماعت کے اختیار کے اندر ہے۔

بقول علمائے تخیلات جس وقت ہم کسی چیز کا خیال یا تصور کرتے ہیں تو خارج میں ہمارے دماغی تصورات کی شکلیں ضرور پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس امر کا ثبوت متعدد تجربات سے مل چکا ہے۔ پیرس کے ایک زبردست عالم ڈاکٹر بریڈک نے مندرجہ بالا ہوائی اشکال کی عکسی تصویریں لینے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف ان تصویروں کو تاریک کمرہ میں خواہ بذریعہ کیمرہ یا بواسطہ خشک پلیٹ نہایت خوبصورتی اور صحت کے ساتھ اتار سکتے ہیں۔ چنانچہ (۱) ڈاکٹر صاحب موصوف کے روبرو ایک فوجی افسر نے ایک پرند کا خیال اپنے دل میں کیا۔ معاً اسی پرند کی تصویر کیمرہ میں کھنچ گئی (۲) ایک ماں نے اپنے متوفی فرزند کا تصور اپنے دل میں کیا اور اس خیال کے ساتھ ہی پلیٹ پر اُسکے بیٹے کی تصویر ہو بہو موجود تھی۔

قوت خیال یا قوت ارادی کے اثر خارجی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اگر عامل کا معمول کسی حیثیت سے دلکش یا حسین یا بہ نسبت عامل کے کم زور قوت ارادی رکھنے والا ہو تا ہے تو

اُسپر عمل کا اثر زیادہ آسانی اور زیادہ پختگی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ورنہ عامل کو بہت زیادہ قوت صرف کرنی ہوتی ہے ۔ اور اگر معمول بھی قدرتی طور پر قوی الارادہ ہو تو عمل کا غیر مؤثر رہنا قطعًا یقینی ہے ۔

غور اب اس امر پر کرنا ہے کہ قوت تخیلہ خارج میں کس طرح موثر ہوتی ہے۔ اسکی نسبت مشہور آفاق فلاسفر آرتھر لاریل کا دعوے ہو کہ زمانہ کی تحقیقات سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ آتھر (ایتھر) ایک ایسی شے ہے جو ہوا سے بہت زیادہ لطیف ہے اور تمام عالم میں محیط ہے وہ ہمیشہ متموج رہتی ہے۔ اور اس کے تموج و حرکت دائمی کے سلسلہ نامتناہی سے ہر قلمون خیالات انسان کے دماغ میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے عالم کی رائے ہے کہ پھیپھڑے کی مدد سے جو ہوا جسم انسانی میں داخل ہوتی ہے۔ اُس سے خاص قسم کا اثر دماغ پر پڑتا ہے جس سے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ حرکاتِ تنفس خیالات کو زندہ اور مردہ کرتی ہیں اور ایک منٹ میں کم از کم ۴۸ اور زیادہ سے زیادہ ۶۸ خیالات شاہراہ دماغ پر سے برق کی تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے نکل جاتے ہیں ۔

مشہور امریکن مصنف امرسن کا قول ہے کہ سچی عزت اور فضیلت کے وہی لوگ مستحق ہیں جن کی قوت متخیلہ بہ نسبت دیگر قوٰے کے زیادہ زبردست اور طاقتور ہے۔ چنانچہ پیغمبروں سے لیکر دوسرے بڑے آدمیوں تک (جنہوں نے دنیا میں اگر کوئی کام کیا) اُن کی زندگی پر اگر تامل کی نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ غالبًا بلا استثنا یہ سب کے سب علی قدر مراتب نہایت عمیق غور و خوض کے حاوی تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کا چُھپ جانیوالے معبود و کو "لا احب الافلین" (میں چھپ جانیوالوں کو پسند نہیں کرتا) فرماکر مردود کر دینا اور صنم خانہ آزری کے بتوں کی ناک کان خود کاٹ کر اور تبر کو بڑے بت کے شانہ پر رکھکر پجاریوں سے یہ کہنا کہ "بل فعلہ کبیرھم" (یہ کام تو سب سے بڑے بت نے کیا ہے) ان سے محض اتفاقًا ظہور پذیر نہیں ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ کو الواح عشر چالیس روز تک مسلسل پہاڑ پر تنہا رہنے کے بعد حاصل ہوئی تھیں۔ بعثت سے

قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور کے اندر عرصہ تک غور و فکر میں مصروف رہے تھے
دنیا میں جتنے مذاہب آئے ان میں اسلام اور صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے وحی
آسمانی کو اپنا مدار علیہ معجزہ قرار دیا۔ جس کی یہ کیفیت ہے کہ اسکے نزول کے وقت اس درجہ انہماک
و استغراق ہوتا تھا کہ سردی کے موسم میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جبیں مبارک عرق آلود
ہو جاتی تھی اور اس وحی کا انسانوں کی جس تعداد کثیر نے خیر مقدم کیا وہ کسی دوسرے مذہب
کو نصیب نہیں ہوئی۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ:۔

مامن الانبیاء نبی الا اعطی	کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کی کچھ مخصوص نشانیاں نہ ہوں اور
من الآیات ما امن علیہ	ان پر انسان ایمان نہ لائے ہوں مگر مجھے جو نشان دیا گیا ہے
البشر و انما کان الخ	وہ وحی ہے جو خدا نے مجھ پر نازل فرمائی۔ پس مجھے امید ہے کہ
	قیامت کے دن جس نبی کے سب سے زیادہ پیرو ہوں گے وہ
	میں ہوں گا۔

امام دارقطنی کی قوت متخیلہ اس درجہ کی تھی کہ وہ استاد کی تقریر کی سماعت اور ایک بالکل
مختلف المضمون کتاب کی کتابت ایک وقت میں جاری رکھ سکتے تھے۔ امام حدیث حافظ بسیر
دو تقریروں کی کتابت ایک وقت میں کر سکتے تھے۔ مشہور محدث علی بن حسن اور حضرت عبد اللہ
ابن مبارک کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ایک بار عشاء کی نماز پڑھکر مسجد سے اٹھے۔ دروازے پر
آکر حدیث کا کوئی ذکر چھڑ گیا۔ جس میں باوجود سردی کی شدید شدت کے دونوں کو اس قدر
استغراق ہوا کہ فجر کی اذان ہو گئی۔ اور دونوں مسجد کے دروازے سے پھر نماز کے لیے واپس
چلے گئے۔ اسی قسم کا ایک واقعہ مولانا بحر العلوم کا ہے کہ عشاء کی نماز پڑھکر ایک کتاب میں
کوئی مقام جو دیکھنے لگے تو پھر ایسے محو ہوئے کہ بلا ارادہ ساری رات کھڑے رہے۔ یہاں تک
کہ صبح کی اذان نے انہیں اس خواب نوشیں سے بیدار کیا۔

غرض انبیاء کے معجزات، اولیاء کے کرامات اور تمام اُن دوسرے افعال کا درجن کا تعلق قوت

خیال اور قوت ارادی سے ہی کا منبع اور سرچشمہ ایک اور صرف ایک ہی ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کے اندر علی قدر مراتب یہ قوتیں منجانب اللہ اور نہایت مکمل حالت میں ہوتی ہیں اور صرف پاک اور مقدس اغراض کے لیئے کام میں آنے جانے کی وجہ سے اُن کے اندر روز افزوں جلا ہوتی رہتی ہے بخلاف اسکے جو لوگ ان قوتوں کا بطور ایک فن کے اکتساب کرتے ہیں اور اُنکے محل استعمال میں احتیاط نہیں برتتے وہ نہ تو اپنے مقاصد میں آسانی سے کامیاب ہوتے ہیں۔ اور نہ اُن کے اعمال ایسے مہتم بالشان اور پُرہیبت ہوتے ہیں جہاں اس تصور و تخیل کی قوت کے ذریعہ سے صدہا انسان شکم پُری اور قوت مالایموت کا سامان بہم پہنچاتے ہیں وہیں اسکے وسیلہ سے مردان خدا اور صوفیان باصفا سلوک کے مختلف مدارج طے کرکے فنافی اللہ کی منزل تک پہنچتے ہیں۔

قرآن پاک سے بھی حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں فرعون کے جادوگروں کا اسی ناقص قوت خیال یا قوت ارادی سے کام لینا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ:۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (پ ع ۲)

ترجمہ اُنہوں نے پوچھا کہ اے موسیٰ پہلے تم ڈالو گے یا ہم ڈالیں؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ تم ہی ڈالو پس یکایک اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُنکے جادو کے زور سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں۔ گویا دوڑ رہی ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ہے:۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۔ قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (پ ع ۱۳)

ترجمہ پوچھا اے موسیٰ! پہلے تم ڈالو گے یا ہم ڈالیں؟ موسیٰ نے کہا تم ڈالو۔ پھر جب اُنہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور اُنہیں ڈرا دیا۔ اور بڑا ہی بھاری سحر کیا۔

مندرجہ بالا آیات سے علاوہ قوت خیال کی قوت کے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ
ساحران فرعون چاہتے تھے کہ اول اپنے حریف کی قوت کا اندازہ کر سکیں تاکہ انکو اس کے
مقابلہ کے لئے اس سے قوی تر یا اسی درجہ کی قوت کام میں لانے کا موقع ملے مگر انہوں
نے اپنی بدبختی سے حضرت موسیٰ ہی کو جن کے ساتھ خدائی قوت تھی ؟ اس انتخاب کا حق
دیدیا۔ اور حضرت موسیٰ کی پہلی فتح یہی تھی کہ انکو ساحروں کی قوت کا اندازہ ہوگیا۔ دوسرے
یہ کہ سوائے موسیٰ علیہ السلام کے اور لوگ جن کے قوائے ارادیہ بہ نسبت ساحرون کے
کمزور تھے وہ سب کے سب خوف زدہ ہوگئے۔ مگر حضرت موسیٰ کی خداداد قوت ارادی غالب
آئی۔ اور ساحران فرعون

خَرُّوْا سُجَّدًا وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا (ترجمہ) سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم ہارون اور
بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى۔ موسیٰ کے خدا پر ایمان لے آئے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار نماز جماعت کے اندر بعض مقتدیوں کی کوئی بات
خلاف آداب صلوٰۃ محسوس کر کے فرمایا کہ میں پس پشت بھی اسی طرح دیکھ سکتا ہوں جس طرح سامنے
سے ۔ ایک بار آپ رات کے وقت بظاہر مصروف خواب تھے کہ اٹھکر بلا وضو نماز پڑھنی شروع
کردی۔ اور حضرت عائشہ رض کے استفسار پر فرمایا کہ میری آنکھیں سو رہی تھیں مگر قلب بیدار تھا
۲۱ھ ہجری میں مسلمان نہاوند کی فیصلہ کن جنگ میں مصروف تھے۔ ایک روز حضرت عمر رض
نے جمعہ کے خطبہ کے دوران میں بے اختیار بآواز بلند تین بار فرمایا "یا ساریۃ الجبل"
(یعنی اے ساریہ پہاڑ کی آڑ لو) لوگ یہ ایک بے تعلق سی بات سن کر آپس میں سرگوشی کرنے
لگے لیکن جب ایک ماہ بعد فتح نہاوند کی خبر لیکر قاصد مدینہ طیبہ پہنچا تو اس نے بیان کیا
کہ فلاں روز فلاں وقت کفار نے مسلمانوں کو نرغہ میں کر لیا تھا کہ تین بار فلاں آواز ہمیں سنائی
دی۔ چنانچہ جب ہم پہاڑ کی آڑ میں آگئے تو دشمن کا صف ایک طرف سے بند رہ گیا اور خدا نے
مسلمانوں کو فتح دی۔ قاصد نے یہ بھی بتایا کہ آواز امیر المومنین رض کی معلوم ہوتی تھی حضرت عمر رض

فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا خیال ہوا تھا کہ ہمارے بھائی مسلمان شکست کھانے لگے ہیں اور اس وجہ سے میری زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ خود حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ ہیں "وقع فی قلبی" یعنی میرے دل میں یہ بات آئی" +

علاوہ بریں اس زمانہ کے بڑے بڑے مدبر اور وہ لوگ جنہوں نے انسانی اعمال و افعال پر غور کرنے میں اپنی عمریں بسر کی ہیں اس امر کے قابل ہوئے ہیں کہ کامیابی کے لیئے قوت خیال ازبس ضروری شئے ہے۔ اور جب دو قومیں یا افراد کے باہم کسی امر میں مقابلہ ہو تو لازماً کامیابی اس قوم یا فرد کے حصہ میں آئے گی جس کا عزم راسخ تر اور جس کا ارادہ قوی تر ہوگا۔ اگرچہ دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کامیابی کے لیئے شرط اول حسن اخلاق ہے۔ لیکن درحقیقت ان دونوں دعووں کے مابین نتیجہ کے لحاظ سے کچھ فرق نہیں ہے۔ کیونکہ جس نسبت سے اخلاق عمدہ اور بہتر ہونگے اُسی نسبت سے قوت ارادی بھی مضبوط ہوگی۔ پس منطق کی شکل اول کے بموجب پہلا دعویٰ صحیح ثابت ہو جاتا ہے۔ یہی نکتہ قبولیت دعا کا ہے۔ اسی استقامت و ارادت کا نام زبان شرع میں ایمان ہے۔ اور یہی وہ خوش نصیب جماعت ہے جسکی نصرت کا خدا نے بطور اُنکے ایک حق کے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ "کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ" یعنی ایمان والوں کا امداد کیلئے ہم پر حق ہے۔ اور اُنہی کو مخبر صادق صلعم نے خدا کی طرف سے یہ بشارت دی ہے کہ جب مومنین کا ایک گروہ کسی بات پر اَڑ جائے تو خدا کو اُسکے پورا نہ کرنے سے شرم آتی ہے +

اپنی قوت ارادی کی بدولت مسلمانوں نے جو کارہائے نمایاں کیئے اُن سے اسلامی تاریخ کے اوراق مزین ہیں۔ یہی وہ قوت تھی جسنے محمد فاتح تک اُس جوش کو قائم رکھا جو فتح قسطنطنیہ کے لیئے ابو ایوب انصاری کی ہڈیوں کے خمیر سے پیدا ہوا تھا۔ یہی وہ آگ تھی جو اُن مسلمانوں کے سینوں سے مشتعل ہوئی جنہوں نے طارق بن زیاد کی سرگروہی میں اسپین کے ساحل پر قدم رکھتے ہی بیڑہ کو جلا کر راہ بازگشت اپنے اوپر مسدود کر دی تھی اور

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید | دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

(ا) ---- ---- ---- ----

۷۸۶

مذہب مزدکیہ

ایک جھوٹے مذہب کی ابتدا اور اُسکا استیصال

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ

سو خرابی ہے اُنکے لیے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے

لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا

تاکہ اُسکے بدلے تھوڑا سا مول لیں پس خرابی ہے اُنکو اپنے ہاتھ کے لکھے پر اور خرابی ہے اُنکے

يَكْسِبُونَ ۝ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ

کمانے پر اور کہتے ہیں ہم کو آگ نہ چھوئے گی مگر چند روز تو کہہ کیا لے چکے ہو

اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَن

اللہ کے یہاں سے اقرار تو بیشک اللہ اپنے عہد کے خلاف نکرے گا یا تم اللہ کی نسبت وہ باتیں بولتے ہو جو تم نہیں جانتے ہاں

كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا

جنے بدی کمائی اور اُسکے گناہوں نے اُسے گھیر لیا وہی آگ میں رہنے والے ہیں وہ اُسی میں

خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ

ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ لوگ جنتی ہیں وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ۝

اُسی میں ہمیشہ رہیں گے

دنیا میں ایسے بہت سے شریر سر گزرے ہیں اور جن کی اس زمانہ میں بھی متعدد جیتی جاگتی مثالیں مل سکتی ہیں جو دنیاوی نام و نمود کی غرض سے یا اپنی خواہشات سے پورا

کرنے کو جھوٹی پیغمبری کا دعوے یا اپنی ولایت کا بہانگ دہل اعلان کرکے عوام کو ورغلاتے اور جہنم کی آگ بڑھانیکے واسطے انسانی ایندھن تیار کرنے میں ٹھیکہ داران جہنم کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے علم و فضل کو بجائے کسی عمدہ مصرف میں لانے کے اسکا بیہودہ استعمال کرتے ہیں؛ ایسے ہی لوگوں میں مزدک کا بھی شمار ہے۔ جس نے ہزاروں نہیں لاکھوں کو راہ راست سے پھیر کر غلط راستہ پر ڈالدیا۔ لیکن بقول "چاہ کن را چاہ درپیش" آخر میں خود بھی اپنے کیے کا خاطر خواہ پھل پایا۔

مزدک یا بقول عرب مورخین مزدق سرزمین عجم میں نیشاپور کا باشندہ اور بقول علامہ ابن خلدون۔ اپنے زمانہ کا بہت بڑا حکیم اور نجومی کامل گزرا ہے، مدائن چونکہ اُس زمانہ میں منبع علم و فضل تھا اُس نے بھی اسی سرچشمہ سے فیض حاصل کیا، تحصیل علوم کے بعد خدمات سلطنت انجام دینے لگا اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے بہت جلد ترقی کرتے کرتے ملک القباد بن الفیروز کے عہد حکومت میں دربار شاہی کے سربرآوردہ لوگوں میں گنا جانے لگا؛

چونکہ اس نے پیغمبری کا دعوے کیا اور ایک مذہب باطل کی بنیاد ڈالی بعض عرب مورخین نے اُسے زندیق کے لقب سے یاد کیا ہے: علامہ مسعودی نے لفظ زندیق کی اس طرح تشریح کی ہے "چونکہ زردشت[۱] کا نام زند تھا۔ اسلیے جو لوگ ظاہر تفسیر کتاب زردشت سے منحرف ہوکر اسکی تاویل کرتے۔ اُنکو لوگ زندیہ کہنے لگے۔ لیکن بعدہ قوم عرب نے اُس کو معرب کر کے زندیق کر لیا اسمیں کل وہ لوگ شامل ہوگئے جو ظاہر کی مخالفت کریں۔ اور حقیقت میں باطن کے منکر ہوں ... عرف شرع میں زندیق اسکو کہنے لگے جو بظاہر اسلام کا قائل ہو لیکن درحقیقت کفر کا پابند ہو؛

مزدک کو اسکے مرید موبد موبدان کے خطاب سے بھی یاد کرتے تھے۔ چونکہ علم نجوم میں بھی

---

[۱] زردشت ہی آتش پرستی کا موجب تھا، اُس نے پیغمبری کا دعوے کیا تھا، اُس کے زمانہ کے بڑے بڑے ذی علم اُسکے پیرو ہوگئے تھے؛

کامل تھا اُس نے ستاروں کی چال سے معلوم کیا کہ عنقریب ایک رسول مبعوث ہونیوالا ہے جسکے مذہب کی گرج اور چمک تمام مذاہب کو باطل کرکے دنیا کے ہر گوشہ میں اپنے نام لیوا پیدا کریگی؛ اور یہ مذہب ابدالآباد قائم رہیگا؛ دنیاوی شہرت، عزت طلبی، جلال اور نفس پرستی کے اندھے شوق نے اسکے دل میں جوش اور گدگدی پیدا کی اور اسکی تمنا ہوئی کہ یہ آنے والا عظیم الشان پیغمبر وہی ہو جائے۔ چنانچہ ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی۔ اور بیان کیا کہ "جب ایک پیغمبر مر جاتا ہے۔ اور لوگ اُسکے نصائح اور صحیفۂ آسمانی کو دل سے محو کرکے اُسکے احکام کی صحیح تعمیل نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ دوسرا رسول بھیجتا ہے تاکہ وہ ان مذاہب کی تجدید کرے چنانچہ میں "استا"[۱] اور "ژند"[۲] کی سچی عظمت قائم کرنے اور سچے معنی سمجھانے کے لیئے مبعوث ہوا ہوں، اُسنے اپنے مریدوں کی ہدایت کے لیئے "دلستناد"[۳] لکھی۔ مولانا عبدالرزاق نے اسکی تعلیم کا لب لباب اپنی کتاب نظام الملک میں ناسخ التواریخ دبستان مذاہب اور انجمن آرائی ناصری سے انتخاب کرکے نہایت عمدہ الفاظ میں لکھا ہے اِس لیئے ہم یہاں اُسے بجنسہٖ نقل کیئے دیتے ہیں:۔

"مزدک کا قول ہے کہ جہان کے دو صانع ہیں، ایک خیر کا فاعل ہے اور وہ نور محض ہے جسکا نام یزدان ہے،، یہ سلاطین کی طرح کرسی پر بیٹھتا ہے۔ دوسرا شر کا فاعل ہے اور وہ ظلمت ہے جسکو آہرمن کہتے ہیں، چنانچہ یزدان اور آہرمن ہر وجود کی علت ہیں، نور کے تمام افعال اختیاری اور ظلمت کے اتفاقی ہیں۔ یزدان نے عقول، نفوس، آسمان، کواکب بہشت، عناصر، معادن، اشجار میوہ دار، حیوانات اور انسان کو پیدا کیا ہے۔ آگ کا جلانا، پانی کا کشتی کو ڈبونا، جانداروں کا لوؤں کی لپٹ سے جلکر خاک سیاہ ہو جانا اور ہر قسم کی

۹۵۹۳

[۱] استا۔

[۲] ژند۔

[۳] وہ دستورالعمل جو مزدک نے اپنے پیرودں کے لیئے بنایا تھا اور جسکا فارسی ترجمہ آئین شکیب[۴] اسکے ایک مرید نے کیا تھا؛

جسمانی تکلیف دینا، غرضکہ اہرمن کے کرتوت اِسی قسم کے ہیں۔ اور عالم عنصری کی حکومت اُسکے ہاتھ میں ہے۔ اہرمن کی تمام مخلوقات فانی ہے۔ اور یزدان حیات جاودانی بخشتا ہے، عبادت کا سزاوار صرف یزدان پاک ہے، مسئلہ قیامت میں فرزدک کا قول ہے کہ جب ظلمت سے نور کے اجزا علحدہ ہوجائینگے۔ اور پرانی ترکیب بدل جائے گی اُس وقت قیامت آجائے گی؛

اِس عالم میں (عالم فرودین) یزدان کی چار قوتیں ہیں۔ اوّل بازکشا (قوتِ تمیز) دوم یادہ (قوتِ حافظہ) سوم دانا (قوت فہم) چہارم سودا (بہجت و سرور) اور ان قوتوں کا عملدرآمد چار شخصوں کی ذات سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں (۱) موبد موبدان۔ (۲) ہیربد ہیربدان (۳) سپہبدان (۴) رامشکران، پیران چار طبقۂ اعلیٰ کے سات رکن اور ہیں جو عزت اور مرتبہ میں اِنسے کمتر ہیں، یعنی سالار؛ پیشکار؛ بانو؛ دبیران؛ کاردان؛ دستور؛ کودک؛ پھر یہ سات ناظم ملکر بارہ روحوں پر حکومت کرتے ہیں۔ خوانندہ؛ دہندہ؛ ستانندہ؛ برندہ؛ خواہندہ؛ دوندہ؛ پرندہ؛ کشندہ؛ زنندہ؛ آئندہ؛ شوندہ؛ پایندہ؛

جب کسی انسان میں یہ تئیسّ قوتیں مجموعی طور پر جمع ہوجائیں تو عالم سفلی میں اُسکا نام پروردگار اور رب ہے۔ اور وہ تمام تکالیف سے چھوٹ جاتا ہے، گویا کال کا یہ وہ وجہ ہے کہ جس مرتبہ پر پہنچکر اس ذات کو۔ دیبی، دیوتا، گاڈ، رب النوع وغیرہ سمجھنے لگے تھیں؛

جدال وقتال سے نور بیزار اور اہرمن خوش ہوتا ہے۔ اور تمام مفاسد کی بنیاد زن اور زر ہے۔ اِس لیئے نور کی رضامندی کے لیئے عورتوں کو مطلق آزاد کردینا چاہیئے۔ اور جس طرح آگ پانی خوراک وغیرہ میں تمام آدمی شریک ہیں اسیطرح مال اور عورت میں بھی سب کا حصہ برابر ہونا چاہیئے۔ اُس نے گوشت خوری کو حرام

کر دیا تھا[1]۔

مزدکیہ مذہب جیسے جیسے پھیلتا جاتا تھا، بداخلاقیوں کے سیلاب اپنا زور دکھاتے تھے؛ چونکہ وہ دولت اور عورت کو سب بنی آدم کا مشترکہ اور جائز مال قرار دیتا تھا اسلیے عوام جوق در جوق اُسکے مذہب کے پیرو ہوتے جاتے تھے۔ اور بدکاریوں کے مرتکب ہوتے کی اُنکو اور شہ ملتی تھی؛ اس قسم کے لوگ اپنا اثر بڑھانے اور لوگوں کو مرعوب کرنیکے لیے اکثر بڑی بڑی چالاکیاں کر جاتے ہیں؛ اور افسوس ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے سمجھدار انکے دام تزویر میں پھنس جاتے ہیں۔

مزدک نے بھی عوام پر اپنی حقانیت ثابت کرنیکے لیے ایک پوشیدہ مقام سے ایک سُرنگ کھُدوائی۔ اسکا آخر سرا ایک آتشکدہ میں نہایت باریک سوراخ کی شکل میں نکالا؛ چونکہ اس سوراخ پر اور اسکے ہر چہار جانب ہر وقت آگ روشن رہتی تھی۔ اُسکا پتہ نہ چلتا تھا؛ اور اس سرنگ میں مزدک کا ایک نہایت معتمد غلام ہر وقت موجود رہتا تھا؛ مزدک نے مشہور کر رکھا تھا کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ جس آگ کی تم لوگ پرستش کرتے ہو۔ وہ مجھسے گفتگو کرتی اور میری پیغمبری کی تصدیق کرتی ہے، چنانچہ جب یہ آگ کے سامنے کھڑا ہو کر گفتگو کرتا تو اندر سے وہ غلام جواب دیتا؛ معلوم یہ ہوتا تھا کہ آگ بول رہی ہے؛ زمانہ کی نیرنگیاں کچھ اس طور پر ہیں کہ جب کسیکا ستارہ بخت اوج پر ہوتا ہے تو تمام کام ٹھیک ہوتے جاتے ہیں۔ اور اُسکے بُرے کام بھی احسن سمجھے جاتے ہیں؛ پبلک اسکی شہرت دینے کے لیے روزمرہ نئے نئے اور عجیب و غریب قصے اختراع کرتی رہتی ہے؛ الملک القباد بن الفیروز روزمرہ اس نئے پیغمبر کے متعلق کوئی نہ کوئی حکایت سُنتا تھا؛ ایک روز اُس نے مزدک سے سر دربار دریافت کیا کہ "اگر تو واقعی پیغمبر ہے تو اپنا کوئی معجزہ دکھا۔" اُس نے جواب دیا "جس آگ کی آپ لوگ

---

[1] "پرشیا" مصنفہ مسٹر بنجامن صفحہ ۲۱۹ پر لکھا ہے کہ اُس نے دودھ اور انڈا کھانے کے لیے بھی منع کیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ پوشاک نہایت سادہ پہنی جاتے۔

پرستش کرتے ہیں وہی میری پیغمبری کی تصدیق کرے گی؛ چنانچہ بادشاہ مع جملہ علماء و فضلاء
و ارکین سلطنت مزدک کے آتشکدہ پر گیا؛ مزدک بھی موجود تھا، آگ کے مقابل کھڑا ہوا
اور یزدان پاک کی تعریف کرکے خاموش ہو رہا؛ تھوڑی دیر میں آگ میں سے آواز پیدا ہوئی کہ اے
یزدان پرستو! اگر تم دونوں جہان کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہو تو مزدک کی بات سنو؛
سب یہ آواز غیبی سنکر انگشت بدندان ہو گئے؛ قباد نے اسی روز سے مزدک کا مرتبہ بلند کرنا
شروع کیا۔ اور رفتہ رفتہ خود اسکے مذہب میں داخل ہو گیا؛ پھر مزدک کا اسقدر زور ہوا کہ وہ قباد
کے تخت کے پاس بیٹھتا اور خود احکام نافذ کرتا تھا؛ قباد کے اس مذہب میں داخل ہو جانے سے
رستہ اور صاف ہو گیا اور لوگ پہلے سے بھی زیادہ اسکے مذہب میں داخل ہونے لگے؛ فوج
عام طور پر اسکی مخالف تھی۔ لیکن بادشاہ کے خوف سے کچھ بول نہ سکتی تھی؛

قباد کے چار لڑکے تھے۔ لیکن ناسخ التواریخ میں آٹھ لڑکے لکھے ہیں۔ اور انہیں میں ایک
زمانہ کا وہ مشہور عادل نوشیرواں بھی تھا جسکے عہدِ حکومت میں پیدا ہونے پر خود ہمارے ہادی
دین نے (جن پر ہمارا مال اور ہماری اولاد قربان) بھی فخر کیا ہے؛ ان چاروں میں سب سے چھوٹے لڑکے
فطسوار سا اس مذہب مزدکیہ کا پیرو تھا لیکن باقی تینوں اسکے سخت مخالف تھے؛ یہ تو ظاہر
ہے کہ مزدک نے جو کچھ کیا اپنے نفس سے مغلوب ہو کر کیا۔ چنانچہ جب بادشاہ کے دل و دماغ
پر اس نے خوب اچھی طرح اپنا سکہ جما لیا تو ایک روز اپنی اس نفس پرستی کا ثبوت بھی
دیدیا؛ نوشیرواں کی ماں اپنے حسن خداداد کی بدولت شہرہ آفاق تھی۔ بقول مسٹر بنجامن
مصنف "پرشیا" اپنی نفسانی پیاس بجھانیکے لیے ایک دن مزدک نے قباد سے اس بادشاہزادی کو
طلب کیا تاکہ خدا کے اس سچے مذہب کی تعلیمات کے ہر شعبے پر عامل ہو کر بادشاہ جنت کا
حقیقی مستحق بنجائے۔ غرض اس نازک موقع پر یہ تینوں شاہزادے اس عصمت مآب شہزادی
سے ۔ نہ آجائیں نو اس کی عصمت کا امر ہی پہلی تھا؛

علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کتاب ثانی جلد دوم میں لکھا ہے کہ جب قباد نے

اُسکا دین قبول کر لیا تو ارکان دولت نے برہم ہوکر اُسکو تخت سے اُتارا اور قید کر دیا اور جاماسپ ابن الفیروز کو تخت نشین کیا اسکے بعد زرمہرے جو اس کا دلی رفیق تھا مزدکیوں کے قتل کے بعد قباد کو دوبارہ تخت پر بٹھایا۔ لیکن مزدک زندیق کا فقرہ پھر چل گیا۔ اور ارکین دولت نے قباد اور زرمہر کو مزدک کا معتقد سمجھکر پھر تخت سے اُتار کر قید میں بھیجدیا۔ اور جاماسپ کو بادشاہ بنا لیا۔ قباد کسی طرح قیدخانہ سے بھاگ کر ہیاطلہ کی طرف چلا گیا۔ اور اثنائے راہ میں نوشہر ہوکر گزرا وہاں کے حکمران کی لڑکی سے شادی کر لی جس سے نوشیرواں پیدا ہوا۔ بعدہ بادشاہ ہیاطلہ کی مدد سے چھ برس کے بعد جاماسپ پر حملہ کیا؛ جاماسپ کو اس لڑائی میں شکست ہوئی اور قباد تخت حکومت پر قابض ہوگیا۔"

بقول مسٹر بنجامن نوشہر کے حکمران کا نام خوش کش نواز تھا۔ اور اس نے ..... سو مردان جنگی اُسکی مدد کے لیئے دیئے۔

(۲)

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نوشیرواں کی ماں اپنے حسن کے لحاظ سے یکتائے زمانہ اور شہرۂ آفاق تھی؛ ایک روز جبکہ نوشیرواں بھی سن بلوغ کو پہنچ چکا تھا۔ مزدک نے اُسکی ماں کو دیکھ لیا اور اپنی نفسانی پیاس بجھانے کیلئے اُس شہزادی کو طلب کیا، یہی وہ خاص رنج تھا جس سے نوشیرواں اور مزدک میں مخالفت کی حقیقی بنیاد پڑی۔ نوشیرواں رعایا اور فوج میں خاص طور پر ہردلعزیز تھا اور کیوں نہو، عدل و انصاف کا یہ معمولی اور سب جو ثابت ہے، نوشیرواں کی مخالفت میں ذرا بھی عملی حصہ لینے سے غضب ہی کا سامنا ہو جاتا۔ اس لیئے مزدک نے اپنے انتقام کو کسی دوسرے وقت کے لیئے اٹھا رکھا لیکن قضا و قدر نے کچھ اور ہی فیصلہ کیا تھا۔

مزدک کی عین خواہش تھی یا تو نوشیرواں کا قطعی قلع و قمع ہو جائے یا وہ اُسکے مذہب کا پیرو ہو جاتے۔ ورنہ دوسری صورت میں مزدک خوب سمجھے ہوئے تھا کہ اُسکو اپنا مخالف

بناکر کوئی کامیابی حاصل کرنا کار سے دارد، اس لیئے وہ ہمیشہ قباد کو اُسکے خلاف اُبھارا کرتا تھا، قباد بھی انسان ہی تھا روز نئی نئی سنکر اور وہ بھی مذہب کا ملمع چڑھی ہوئی باتیں سنکر اکتا گیا، ایک روز جوشش میں آکر نوشیروں کو سر دربار طلب کیا، اُسوقت نوشیرواں کی عمر ۱۸ سال کی تھی، دربار میں اُس سے حسب ذیل گفتگو کی:-

قباد۔ اے جانِ پدر! کیا تو مذہب مزدکیہ کا پیرو نہیں؟

نوشیرواں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اس مذہب کا پابند نہیں ہوں۔

قباد۔ آخر کیوں؟

نوشیرواں۔ اسلیئے کہ وہ جھوٹا ہی اور لوگوں کو فریب دیتا ہے۔

قباد۔ وہ کس طرح فریب دیتا ہو۔ جبکہ خود ہماری معبود آگ اُس کی تصدیق اور اُس سے گفتگو کرتی ہے؟

نوشیرواں۔ اسمیں بھی اُسکا کوئی فریب ہوگا۔ آگ، پانی، ہوا، مٹی، چاروں عنصر ہیں؛ اگر وہ آگ کو گویا کر دیتا ہے تو اس سے فرمایئے کہ بقیہ تینوں چیزوں کو بھی گویا کرے، اگر ایسا ہوا تو میں بھی بخوشی سر تسلیم خم کرونگا؛

قباد۔ مزدک کا ہر قول ژند و استا کے مطابق ہے؛

نوشیرواں۔ کیا اُس نے دولت اور عورت سب پر مباح نہیں کی۔ عہدِ زردشت سے آجتک کسی نے ژند و استا کی ایسی تفسیر نہیں کی! اُس نے مذہب کو صرف عورت اور پیسے کے لالچ سے بیچ میں ڈالا ہے، جب یہ دونوں چیزیں سب پر مباح کردی گئیں تو انسان اور حیوان میں کیا فرق رہا؟

قباد۔ میں تیرا باپ ہوں اور باپ کی فرمانبرداری فرض ہی:

نوشیرواں۔ عدول حکمی کی تعلیم مجھے آپ ہی نے دی ہے، آپنے اپنے والد کی مخالفت کی۔ میں آپ کی مخالفت کرتا ہوں،

قباد خیر جھگڑے کو زیادہ طول دینے سے کچھ فائدہ نہیں، مذہب مزدکیہ کے خلاف خود یا دو کا تقا ایسے ثبوت دو جس سے اِسکا قطعی رد ہو جائے۔ ورنہ ایسی سخت سزا دونگا کہ سب دیکھکر عبرت حاصل کریں، اور اِس کام کے لیئے تم کو چالیس روز کی مہلت دیجاتی ہے +

(۳)

اصطخر ملکِ فارس کا ایک صوبہ ہے! کول وہاں کا نہایت مشہور مقام تھا! گو اب مرورِ زمانہ نے جہاں اور نظام درہم برہم کیئے اُس شہر کو بھی نیست و نابود کر ڈالا لیکن اُن دنوں بہت آباد اور علم خیز خطہ تھا! وہاں کا موبد یعنی اعلم العلماء بہت بڑا عالم اور اپنے زمانہ کا یکتا فاضل تھا نوشیرواں نے اُسے تمام واقعات کی اطلاع دی اور لکھا کہ للہ جلد تشریف لائیے۔ ورنہ میں جان سے جاؤنگا +

چالیسویں روز کی صبح تک موبد کا بہت بُری طرح انتظار رہا۔ لیکن وہ بھلا آدمی نہ آنا تھا نہ آیا، نوشیرواں دربار میں طلب ہوا، اُس سے پوچھا گیا "اب کیا کہتا ہے"؟۔ جواب دیا اِسی فکر میں ہوں"۔ مزدک نے کہا "اب وقت نکل چکا۔ تمہاری سزا قتل ہے"۔ ارا کین سلطنت و افسرانِ فوج نے غل مچایا کہ "ہنوز چالیسواں روز بھی پورا نہیں ہوا، کل اِس قسم کے احکام جاری ہو سکتے ہیں"۔

مزدک نے آج اپنی مخالفت کی آگ نوشیرواں کے خون سے بجھا ہی لی ہوتی۔ لیکن اسکی ہر دلعزیزی اور اُسکا عدل و انصاف اُسکے آڑے آگیا، اور کیوں نہ ہو۔ جبکہ قضا و قدر ایک دوسرے ہی فیصلہ میں منہمک تھی۔ یعنی جس چراغ گمرہی نے بہتوں پر ظلم کیئے، بہت سی بیکس اور عصمت مآب خاتونوں کی عفت سی نایاب چیز جلاکر برباد کر دی۔ اُسکے لیئے روز ازل ہی سے طے ہو چکا تھا کہ وہ چراغ خود نوشیرواں کے ہاتھ سے گل کیا جائے گا، پھر ایک کیا ہزار مزدک ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا لیتے لیکن نوشیرواں کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے؛

شام کے وقت کول کا موبد بھی فرشتہ رحمت بن کر آگیا، نوشیرواں اُسکو لیکر اُسیوقت

قباد کی خدمت میں حاضر ہوا، موبد نے بادشاہ کے سامنے کچھ ایسی مدلل اور فصیح تقریر کی کہ شاہ اُس کا گرویدہ ہوگیا، موبد نے کہا مزدک چونکہ نجوم جانتا ہے اسکو معلوم ہے کہ ایک پیغمبر پیدا ہوگا جسکا مذہب بہت ترقی کرے گا۔ اور تا قیامت باقی رہیگا۔ چنانچہ یہ حرص و ہوا کا پتلا وہ عظیم الشان پیغمبر خود ہی بننا چاہتا ہے۔ لیکن بے وقوف یہ نہیں جانتا کہ وہ پیغمبر سرزمین عجم سے نہ پیدا ہوگا اور اسکی شریعت مال و حرم کی حفاظت کرے گی اور وہ ایک معجز کتاب پیش کرے۔ حالانکہ مزدک عجمی الاصل ہے، اور زن و زر سب پر مباح کرتا ہے، وہ پیغمبر آتش پرستی سے منع کرے گا لیکن مزدک زردشت کے مذہب اور آتش پرستی کی تجدید کرتا ہے؛ وہ چاہتا ہے کہ اس طرح حضور کے خاندان سے حکومت نکلکر دوسروں کے ہاتھ میں چلی جائے اور آپ کی زر و دولت سے وہ خود عیش و آرام اُڑائے، حضور کل خود ملاحظہ فرمائینگے کہ مزدک کیسا ذلیل و رسوا ہوتا ہی"۔

(۴)

آج اکتالیسواں روز ہے! قباد کا دربار نہایت شان و شوکت سے آراستہ ہے! بادشاہ تخت پر جلوہ آرا ہے۔ اور اُسکے برابر ہی ایک دوسرے مرصع تخت پر مزدک بھی متمکن ہے۔ نوشیرواں اور کول کا موبد بھی حاضر دربار ہیں، اراکین سلطنت اپنی اپنی جگہ قرینے سے بیٹھے ہیں کل نوشیرواں کی جان جاتے جاتے بچنے کی کیفیت، موبد کی آمد اور آنکے معرکۃ الآرا مباحثہ کی کیفیت تمام میں مشتہر ہو چکی تھی۔ لہذا مباحثہ کا نتیجہ معلوم کرنیکے لیے عوام کا بھی ایک عظیم الشان سیلاب اُمنڈ پڑا تھا؛ دربار میں تل دھرنے کی بھی جگہ نہ تھی، جب مجمع ہر حیثیت سے مکمل ہوگیا تو مباحثہ یوں شروع ہوا:۔

موبد:۔ تو نے مال و دولت کو سب پر مباح کیا ہے۔ لیکن یہ بتا کہ جو لوگ خیرات یا دوسرے ثواب کا کام کرتے ہیں۔ وہ آخرت کے ہی لیے کرتے ہیں یا نہیں"؟

مزدک۔ "ہاں آخرت میں اجر ملنے کی غرض سے"۔

موبد۔ لیکن جب مال و زر کسی ایک کا مال نہ رہا اور وہ سب پر مباح ٹھیرا تو اسکا ثواب کسکو ملیگا؟

مزدک۔ جواب ندارد،

موبد۔ تونے عورتوں کو سب پر مباح کیا ہے اور اسپر عمل ہونے کی صورت میں اگر عورت کے بچہ پیدا ہو تو وہ کس کا سمجھا جائے گا؟

مزدک جواب ندارد،

موبد۔ موجودہ بادشاہ، شاہ فیروز کا بیٹا اور اسکا جائز وارث ہے، علی ہذا القیاس فیروز نے اپنے باپ سے سلطنت پائی۔ پھر جبکہ ہر عورت ہر شخص پر حلال ہے تو بادشاہ بیگم بھی اس سے بری نہیں ہو سکتی، اگر اس سے کوئی اولاد ہوئی تو وہ کسی خاص شخص کی تو سمجھی نہیں جا سکتی؛ اس طرح شاہی نسل قطعاً مسدود ہوگئی۔ حاکمی و محکومی حقیقت میں دولت و مفلسی کا مقابلہ ہے۔ جب کوئی محتاج ہوگا تو اسکو ضرورتاً مالدار کی خدمت اور مزدوری کرنی ہوگی۔ لیکن اگر مال سب پر مباح ہوگیا تو ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق آسودہ حال ہو جائے گا، اور یہ نظام الٰہی درہم برہم ہو جائے گا غرض تمہاری خواہش یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہنشاہ عجم کے خاندان سے سلطنت فنا ہو جائے۔

یہ ایسی تقریر تھی کہ میاں مزدک بغلیں جھانکنے لگے؛ کوئی جواب بن نہ پڑتا تھا؛ ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا؛ عجب شش و پنج میں گرفتار ہوگیا؛ اسی حالت میں قباد نے کہا۔ "ان باتوں کا جواب دو۔" مزدک نے کہا "ان کا جواب یہی ہے کہ اس موبد کو فوراً قتل کرا دو"۔ قباد خود مزدک کی جانب سے کسیقدر بدظن ہو چلا تھا۔ اس لیئے بلا چون و چرا اُسکے حکم کو بجا لانا مناسب نہ سمجھکر کہا۔ "کوئی شخص تاوقتیکہ اُسکا جرم نہ معلوم ہو جائے قتل نہیں ہو سکتا"۔ مزدک نے کہا۔ "بہتر اسکا فیصلہ خود آگ کرے گی"۔ چنانچہ رائے قرار پائی کہ کل اسکے متعلق آگ سے احکام حاصل کیئے جائینگے؛

ایشیا کے مشہور سحر بیان شاعر فردوسی نے اس مباحثہ کے متعلق چند اشعار نظم بند کیئے ہیں جن کا اس موقع پر درج کرنا خالی از دلچسپی نہوگا:۔

چنین گفت موبد بہ پیش گروہ ... بہ مزدک۔ کہ اے مرد دانش پژوہ

یکے دین نو ساختنی درجہاں | نہادی زن و خواستہ درمیاں
چو داند پدر کش کہ باشد پسر | پسر ہمچنیں چوں شناسد پدر
چو مردم برابر بود درجہاں | نباشند پیدا کہاں از مہاں
کہ باشد کہ جوید در کہتری | چگونہ تواں ساختن مہتری
کہ باشد مرا و ترا کارگر | چو مردم جدا ماند از بہ بتر
کسے کو بمیرد جائے چیزے کہ ہست | کہ شد کار با شاہ راست
جہاں زیں سخن پاک ویراں شود | نباید کہ ایں بد بہ ایراں شود
ہمہ کد خدا ئیست مزدور نیست | ہمہ گنج دارند و گنجور کیست
زدیں آوراں ایں سخن کس نگفت | تو دیوانگی داری اندر نہفت
بہ مرداں را بہ دوزخ بری | ہمہ کار بدرا بہ بد نشمری
چو بشنید گفتار موبد قباد | برآشفت اندر سخن داد داد

غرض آج پہلا موقع تھا کہ مزدک کے ظالمانہ حکم کے خلاف قباد نے اُس موبد کو اُسکی نفس پرستی پر سرزنش نہ کیا ؎

(۵)

مزدک نے اپنے چند معتمد غلاموں کو طلب کر کے بہت انعام و اکرام دیا اور تاکید کی کہ کل جسوقت قباد عبادت خانہ میں آئے اور آگ اُسکے مارنے کا حکم دے تو فوراً قتل کر دینا، اُسکے بعد تم کو بڑے بڑے عہدوں پر مامور کرونگا۔ غرض اِدہر وہ اپنی خباثت سے کام لے رہا تھا اور اُدہر موبد بھی بیکار آگ کے حکم کا منتظر نہ بیٹھا تھا۔ بلکہ وہ اپنی فکر میں سرگردان تھا، بے دریغ روپیہ صرف کرنے اور تمام شہر میں گشت لگانیکے بعد اُسکو مزدک کے دو ایک رازدار مرید مل گئے جنہوں نے جان بخشی کے وعدہ اور انعام و اکرام کے لالچ پر آگ کی گفتگو کا تمام راز فاش کر دیا۔ اب گویا موبد کے لیے کامیابی کا دروازہ کھلا ہوا تھا، وہ مطمئن ہو کر اپنے آرامگاہ پر آیا

اور رات نہایت آرام و اطمینان سے گزاری؛ دوسرے روز جب بادشاہ مع اس موبد کے عبادتخانہ میں جانے لگا تو موبد نے بلحاظ حفظ ماتقدم چند فوجی سپاہیوں کو تاکید کردی کہ اپنی اپنی تلواریں خفیہ طور پر اپنے پاس رکھ لیں، اور بوقت ضرورت کام میں لائیں، چنانچہ جب آتش خانہ میں مجمع ہوا اور مزدک نے اپنے عمدی جاہ و جلال کے ساتھ آگ کے سامنے اگر اس سے اپنی پیغمبری کی تصدیق چاہی تو آگ نے جواب دیا کہ "مزدک کی مخالفت کرنے والے سزائے مستوجب ہیں"۔ اس آواز کے سنتے ہی مزدک نے گرج کر کہا کہ یزدان پاک کے حکم کی تعمیل ضروری ہے" اور یکایک اسلحہ بند لوگ قباد پر جھپٹ پڑے لیکن موبد کی حکمت عملی اپنا کام کر گئی، قباد کے ہمراہی سپاہیوں نے کلہ بکلہ جواب دیا اور قباد کو مع نوشیرواں و موبد زندہ بچا لے گئے؛

محل پر پہنچتے ہی موبد نے اول اس شخص کو بادشاہ کے حضور میں پیش کیا جس سے آگ کی گفتگو کرنے کا راز معلوم ہوا تھا۔ پھر عرض کیا کہ "مزدک کا استیصال بہت ضروری ہے ورنہ سلطنت میں بہت سے رخنے پڑنے کا اندیشہ ہے"۔

بادشاہ - میں بھی اس سے کنارہ کرنا چاہتا ہوں لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ نہایت مصلحت سے کام لیا جائے، ملک میں اسکا بہت زور ہو گیا ہے، اور اس طرح اس کا قتل بدامنی کا موجب ہو گا۔

موبد - اعلیحضرت اسکے متعلق کوئی فکر نہ کریں۔ بندگان والاجاہ خود اس کا انتظام کریں گے، کل میں سر دربار اپنی شکست کا اعلان کر کے چلا جاؤنگا۔ اسکے بعد شاہزادہ والا تبار بطور مناسب اسکا استیصال کر دینگے۔

(۶)

دوسرے روز دربار منعقد ہوا؛ مزدک بھی رشک حسد اور غم و غصہ کی آگ میں جلتا بھنتا پیچ و تاب کھاتا۔ حاضر دربار ہوا، بادشاہ کی جانب سے بھی کسی بدمزگی کا ثبوت نہیں دیا گیا،

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو موبد سے دریافت کیا گیا کہ کہو اب کیا کہتے ہو؟

موبد: "آگ کا اس طرح گفتگو کرنا واقعی ایک معجزہ ہو۔ اور اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ اور نہ میں اپنے معبود کے خلاف کچھ کہنا چاہتا ہوں"

موبد کے اس اعلان شکست نے مزدک کے چہرے پر کسی قدر سرخی سی نمودار کردی وہ اپنی اس عارضی کامیابی پر ابھی مسکرا ہی رہا تھا کہ نوشیرواں بھی دست بستہ بڑھکر سامنے آیا۔ اور عرض کیا۔ میں بھی اس سچے پیغمبر اور اسکے دین پر ایمان لاتا ہوں لیکن اتنے دنوں میں نے اس مذہب کی سخت مخالفت کی ہے۔ چاہتا ہوں کہ اس کا کفارہ ادا کر دوں اور وہ صرف اس حالت میں ادا ہو سکتا ہے کہ اشاعت دین مزدکیہ میں اپنی جان تک لڑا دوں۔

ایک مثل مشہور ہے "اندھا کیا چاہے دو آنکھیں"۔ اس وقت مزدک کی خوشی کا عالم کچھ وہی لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جنکو بلا وہم وگمان وہ نعمت ملجائے جس کا خیال بھی نہو مزدک بار بار اپنی خوش قسمتی پر ہنستا تھا۔ خوش ہوتا تھا۔ اور نوشیرواں کے سر پر دست شفقت پھیرتا تھا۔ نوشیرواں نے عرض کیا کہ میں ایک مقررہ دن اپنے تمام ہم مذہبوں کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ اسی روز سب کو خلعت، گھوڑے اور سامان جنگ سے مسلح کرکے آپکے سامنے پیش کروں تاکہ جو دیکھے عملاً اسکے دل میں ہمارے مذہب کی عظمت ظاہر ہو اور مرعوب ہو جائے۔ لہذا امیدوار ہوں کہ آپ اپنے تمام مریدوں کو بذریعہ اعلان اطلاع دینگے کہ جملہ مومنان مزدکیہ روز مقررہ پر حاضر ہوں"۔

مزدک نے یہ سب شرائط منظور کیے۔ اور بذریعہ اعلان اپنے تمام مریدوں کو خاص تاکید کر دی کہ فلاں فلاں روز ضرور حاضر ہوں، شاہزادہ نوشیرواں نے سب کو مدعو کیا ہے؛

(۷)

اس عرصہ میں نوشیرواں نے ایک بہت بڑا احاطہ بنوایا جسکے اندر ہزارہا گمرے گمرے گڑھے کھدوائے۔ اس احاطہ کے ہر چہار جانب مسلح سواروں کا پہرہ تھا جو کسی چڑیا کو بھی

اُسکے اندر پرنیزے مارنے دیتے تھے ؛ غرض دعوت کا روز آپہنچا ، مزدکیوں میں عجیب خوشیاں منائی جاتی تہیں - اور کیوں نہو جبکہ نوشیرواں جیسا اولوالعزم اور ہردلعزیز شہزادہ اُنکے مذہب میں داخل ہوکر اشاعت مذہب کا بیڑا اُٹھاے ؛ جملہ مردمان مزدکیہ کی دعوت نہایت اعلی پیمانہ پر کی گئی ؛ تمام شہر میں روشن چوکیاں مقرر تہیں جن کی شیریں آوازیں اُس روز کی خوشی و مسرت کا اعلان کررہی تہیں ۔

دعوت کے بعد اب وہ وقت آیا کہ ہرشخص خلعت فاخرہ اور سامان جنگ سے مزین کیا جاے ، حکم دیا گیا کہ ایک ایک شخص اس احاطہ میں داخل ہو ۔ جب سب لوگ مسلح ہوجاینگے تو ایک ساتھ اندر سے برآمد ہوکر غیر مذہب والوں کی آنکہیں چندہیا دینگے ۔ لیکن کون جانتا تہا کہ اندر کیا ہورہا ہے ، وہاں خاک کا وہ شاندار خلعت اُن کے زیب بدن کیا جاتا تہا جو اُنکے شان شایاں تہا ، جو اندر داخل ہوتا اندر کے آدمی اُسکو گرفتار کرکے نہایت تیزی کے ساتھ اُسکو اُلٹا کرکے گاڑدیتے تھے ۔ صرف ٹانگیں باہر نکلی رہنے دیجاتی تہیں ، بقول صاحب سیاست نامہ آج بارہ ہزار مزدکیوں کا مجمع ہوا تہا جو سبکے سب اسی طرح اُلٹے دفن کردیے گئے پہر نوشیرواں مزدک کیخدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فوج تیار ہو ۔ پہلے آپ چلکر معائنہ فرمالیں ۔ جب وہ فوج اشاعت مذہب کے لیے احاطہ سے برآمد ہوگی ۔ چنانچہ مزدک خوشی خوشی احاطہ میں داخل ہوا لیکن وہاں داخل ہونا تہا کہ اُسکا بہی وہی حشر ہوا جو اُسکے مریدوں کا ہوا تہا اور وہ اپنے کیفرکردار کو پہنچا ، اسکے بعد نوشیرواں نے اعلان عام کردیا کہ جس شخص پر مزدکی ہونیکا شبہہ بہی ہو وہ قتل کردیا جاے ۔ مسٹر بنجامن اپنی کتاب پرشیا میں لکہتے ہیں کہ اس طرح ایک لاکہہ آدمی مارے گئے ۔

(۸)

غرض کچہہ بہی ہوا ہو اُنہوں نے اپنی نفس پرستی اور زرطلبی کے لیے جیسا جیسا غیر مزدکیوں کو تنگ کیا ، قدرت نے اُسکا نہایت منصفانہ انتقام اُن سے لے لیا ۔ سچ ہی کہ غریب مظلوم کچہہ

نہیں کرسکتا لیکن اُسکے پاس ایک ایسا مہلک آلہ ہی جو کبھی کبھی ظالم کو اُس کے کردار کا مزہ چکھا دیتا ہے ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

مزدک نے اپنے حصول مقاصد کے لیئے وہ وہ ظلم کیئے کہ پناہ بخدا۔ اُس نے اپنی نفسانیت کے لیئے ہزارہا عصمت مآب خواتین کی عصمتوں کو قربان کر ڈالا ان کی چیخ پکار ایک کام نہ آئی۔ لیکن آخر اُسکو بھی موت کا مزہ چکھنا پڑا۔ اور وہ آنکھ کھولکر دیکھا تو سب ہیچ، نہ انسان رہ جاتا ہی اور نہ اُس کے بنائے ہوئے عالیشان محل۔ نہ اُسکا ظلم باقی رہتا ہے نہ مظلوم۔ صرف ایک نام باقی رہجاتا ہے، مبارک ہیں وہ لوگ جن کے بعد اُن کے نام نیکی سے یاد کیئے جاتے ہیں، آج مزدک کا ذکر کرنے والوں میں کوئی اُسکا نام نیکی سے نہیں یاد کرتا، اچھا ہوا کہ اسکی جلائی ہوئی مشتعل آگ بہت جلد بجھادی گئی، ورنہ نہ معلوم کہاں کہاں اور کن کن لوگوں کے خرمن ایمان پر اسکی چنگاریاں گرتیں ؎ خس کم جہاں پاک ،،

(عاصی) اشتیاق حسین مارہروی (علیگ)

سیدانی کی قربانی

جب بادِ سموم اپنے تند و تیز تھپیڑوں میں اُس رات کو وداع کر چکی، جس کی صبح نے پیغمبرزادوں کو خانماں برباد کیا۔ اور قمقموں کی روشنی جسنے تمام رات سید الشہداؑ کے چہرے کو حسرت سے دیکھا اور خون کے آنسو گرائے۔ جھلملا گئی تو قانون قدرت کی تعمیل میں بلبلِ بہار نے زیتون کے درخت سے نعرۂ اللہ اکبر کے ساتھ میدان کربلا میں پیغام صبح پہنچا دیا۔

صبح صادق کا سہانا وقت ہے۔ دریائے فرات زور شور سے لہریں لے رہا ہے۔ عمر بن سعد کے لشکر میں خوشی کے شادیانے بج رہے ہیں۔ آلِ رسولؐ پر دانہ پانی بند ہوئے تیسری رات گزر چکی۔ شیر خوار معصوم بلبلا بلبلا کر ماؤں کی گودوں میں نڈھال ہو گئے۔ بیبیاں اپنے سچے معبود کی حمد و تسبیح میں مصروف ہیں۔ تین دن کی بھوکی پیاسی سیدانی زینب بدنصیب اپنے دونوں بچوں کو کلیجے سے لگائے جلتی بھلستی ریت پر بیٹھی سوچ رہی ہے۔ کیا نازک وقت ہے۔ حسینؑ کی ساری کمائی لُٹ گئی۔ اسکا بھرا پُرا گھر اُجاڑ ہوا۔ اصغر جیسا پھول باپ کے ہاتھوں میں دم توڑ کر رہ گیا۔ اور اکبر جیسا کڑیل دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں کے سامنے سے اٹھ گیا۔ ایسا عاشق زار بھائی۔ میرے دودھ کا شریک، میری مصیبتوں کا شریک جس نے ماں کی محبت اور باپ کی شفقت دل سے بھلا دی۔ لُٹ رہا ہے۔ کل اماں جان کو میدان حشر میں منہ دکھانا ہے۔ اگر پوچھیں کہ زینب میرے بچے کا کیا ساتھ دیا؟ تو کیا جواب دونگی"۔

اسی اُدھیڑ بُن میں تخیل نے سیدانی کو عالمِ خواب میں پہنچا دیا۔ دیکھتی کیا ہے کہ مدینہ کی بچھڑی ماں سامنے کھڑی ہے۔ اصغر گود میں ہے۔ آنکھ سے آنسو کی جھڑیاں بہ رہی ہیں۔ سینے سے خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں۔ کچھ دیر تک ساکت رہنے کے بعد بآواز بلند کہا۔ "زینب اپنے لالوں کو میرے لال پر سے قربان کر دے"۔

ماں کی صورت دیکھتے ہی زینب تڑپ اٹھی۔ چاہتی تھی کہ قدموں پر گرے مگر کچھ نہ تھا آنکھ کھلی تو آگے پیچھے دونوں معصوم گلے میں ہاتھ ڈالے بےخبر لیٹے پڑے تھے۔ یہ خیال آتے ہی کہ تھوڑی دیر بعد یہ لال پیوند زمین ہوں گے کلیجہ نکل پڑا۔ دونوں کو چمٹا کر پیار کیا کہ ہشیار ہوں بلائیں لیں۔ منہ پر منہ رکھا اور آواز دی "کلیجے کے ٹکڑو! اٹھو! ماموں پر قربان ہو"۔

پہلو واسے لال گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ ماں کی ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ قدموں میں گر پڑے۔ ممتا کی ماری نے دونوں کو اٹھا کر پیار کیا اور کہا "عون و محمد دس اور بارہ برس تک کلیجے پر لٹایا ہے چمٹا کر سوئی اور لپٹا کر لیٹی۔ اندھیرے اجالے باہر نہ نکلنے دیا۔ بیٹو! آج اپنے ہاتھ سے تمہارے گلے پر چھری پھیرتی ہوں۔ مجھ سے زیادہ سنگدل۔ مجھ سے بڑھ کر ظالم عورت کون ہوگی جو ایسے چاند کے ٹکڑوں کو خاک میں ملا دے۔ آؤ میرے بچو! میرے کلیجے سے لگو۔ میرا دل ٹھنڈا کرو میں تمکو نہلا دھلا بناؤں۔ تمہارے کپڑے بدلوں۔ دیکھو میرے دودھ کا حق، میری خدمت کا معاوضہ، میری محنت کا بدلہ پورا پورا دینا"۔ دونوں بچے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے اور رو کر کہا "اماں جان! ہم تابعدار ہیں۔ شوق سے ذبح کیجئے"۔ بچوں کی اس صدا نے بے قابو کر دیا۔ آوازیں کلیجے کے پار ہوگئیں۔ منہ پھیر کر روئیں۔ رو چکیں تو دونوں کے کپڑے بدلے اب ضبط نہ ہوسکا۔ دونوں کو لپٹا لیا اور کہا۔

"پیارے بچو! ماں کے گھر سے خدا کے گھر بھوکا پیاسا بھیج رہی ہوں معاف کرنا"

پیاس کے مارے پپیڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ مگر ماں کی زبان سے اتنا نکلنا تھا کہ دونوں بے اختیار ہوگئے ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگے "اماں جان! ہم اپنی اماں کی شکایت کرینگے"

دنیا آنکھوں میں اندھیر تھی۔ بچوں کا جواب تیر کی طرح کلیجے پر لگا۔ انہیں آنسو پونچھے اور دونوں کی انگلی پکڑ بھائی کے سامنے آئیں اور کہا:-

"بھیا! آج بدنصیب بہن کے پاس تیری مدد کے لیے کچھ نہیں۔ تو سخی ابن سخی ہے رانڈ بہن کا بیڑا پار کر۔ اور یہ ناچیز ہدیہ قبول کر"۔

بہن کی گفتگو نے سید الشہدا کو پریشان کر دیا۔ ہر چند سمجھایا۔ مگر سیدانی نے ایک نہ مانی۔ بالآخر امام عالی مقام نے بھانجوں کو اجازت دی۔ اب دونوں بچے ماں کی طرف جھکے چکر آیا۔ قریب تھا کہ گر پڑتیں۔ مگر سہارا لیا۔ اور بس دعا کیساتھ رخصت کیا :۔

"جاؤ آب کوثر سے پیاس بجھاؤ"

دونوں نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی اور ٹھٹکے۔ کچھ کہنا چاہتے تھے مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخر بڑے نے نیچی نگاہ کر کے عرض کیا :۔

"اماجان! ہمارا دودھ معاف کر دیجئے"

دونوں کو پیار کیا۔ رونیں اور کہا "جاؤ معاف کیا" بچے رخصت ہوئے مگر ہر قدم پر مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے تھے۔ آگے بڑہیں اور کہا "جاؤ۔ رخصت ہو۔ لو میں پردے کے پاس کھڑی ہوں تمہاری بہادری دیکھونگی۔ بیٹو! مجھے بھائی سے سرخرو کردو۔" ٹڈی دل لشکر کے سامنے دو بچوں کی بساط کیا۔ مگر خون کے دریا بہا دیئے۔ آخر ایک بدبخت نے یہ چال کی کہ "لڑکو! لڑ کیا رہے ہو۔ وہ دیکھو ماں کی ماری ماں پردے سے باہر نکل آئی"

دونوں نے مڑ کر دیکھا اور چشم زدن میں ظالموں کے تیروں نے نازک کلیجے چھلنی کر دیئے۔ سید الشہدا بھانجوں کی لاشیں خیمہ میں لائے۔ ماں نے ان چاند کے ٹکڑوں کو خون میں لتھڑا دیکھا غش کھا کر گر پڑیں۔ اور بھائی کی اس قربانی' دونوں بچوں کو اپنے ہاتھ سے پیوند زمین کر دیا۔

منظور احمد عبادی

نظم

رباعیات اکبر داناپوری

اے دونوں جہاں کے شاہ! شیئاً للہ — سلطان جہاں پناہ! شیئاً للہ
ہے آپکے دیدار کا سائل اکبر — اے شاہوں کے بادشاہ! شیئاً للہ

آنکھوں میں ہے وہ خمار اللہ اللہ — ہے خلوتِ دل میں یار اللہ اللہ
شاخِ شجرِ امید پھر سبز ہوئی — آئی فصلِ بہار اللہ اللہ

یارب! مجھے ملجائے ترے عشق کی راہ — یہ ہے مری امید کہ تو خود ہے گواہ
ہو ہر رگ و پے میں مرے تیری اُلفت — مر جاؤں میں کہتا ہوا اللہ اللہ

سب کا وہی مالک ہے زمانہ ہے گواہ — ہر دل میں ہو اُسکی ہی محبت کی چاہ
کیسا پیارا ہے مرے مالک کا نام — اللہ اللہ واہ اللہ اللہ

(نئی روشنی) — محمد اکبر داناپوری

نظم

مدینہ کا سفر

اللہ اللہ مری قسمت کہاں لائی دیکھو — بعد مدت مری امید بر آئی دیکھو
ناخنِ بخت نے کی عقدہ کشائی دیکھو — درِ جاناں پہ ہوئی آج رسائی دیکھو
سامنے گلشنِ طیبہ جو نظر آتا ہے
غنچۂ خاطرِ پژمردہ کھلا جاتا ہے

آج ہے سامنے آنکھوں کے وہ دلکش منظر — فرط شادی سے مرے بس میں نہ دل ہے نہ جگر
للہ الحمد مٹے دل سے سب آلام سفر — بن گئے خار و خس راہ گل تازہ و تر

روح بے چین ہے سینے سے نکلنے کے لیے
شوق کہتا ہے مجھے دوڑ کے چلنے کے لیے

پیشوائی کو مری آئی ہوائے جنت — تاکہ آغوش محبت میں سلائے جنت
اب نہیں جچتی نگاہوں میں فضائے جنت — گرچہ رضواں سو بار دکھائے جنت

کھب گئی ہے مری آنکھوں میں بہار طیبہ
باغ فردوس سے بڑھ کر ہے دیار طیبہ

دیکھ لو ہے یہی مرقوم سر عرش بریں — دل سے مرغوب ہے اللہ کو طیبہ کی زمیں
حسن میں حوروں سے بڑھ کر ہیں مدینے کے حسیں — نور اللہ کا دن رات برستا ہے یہیں

بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ است
سجدہ گاہ ملک روضہ شاہنشاہ است

شمع ساں جب غم دوری سے پگھلتا تھا میں — سر کے بل چلتا تھا کبھی آنکھوں سے چلتا تھا میں
یا نبی کہہ کے جو گرتا تھا سنبھلتا تھا میں — پیچھے رہتی تھی صبا آگے نکلتا تھا میں

شکر ہے آج ہوئی ختم مصیبت میری
صبح عیش سے بدلی شب غربت میری

کھولے کیا رخ پہ حوران جناں نے گیسو — دفعتاً چھا گئیں صحرا میں گھٹائیں ہر سو
ہر طرف پھیل گئی پیراہن حمد کی بو — مست و بیخود ہوئے خوشبو سے حرم کی آہو

آئی آواز کہ لو منزل مقصود ہے یہ
جستجو جس کی تھی دن رات وہ موجود ہے یہ

شکر کی جا ہے سفر میرا ہوا آج تمام — سر کے بل چلتا ہوں ابھی کہ ادب کا ہے مقام

گنبدِ سبز میں آرام میں ہیں شاہِ انام حاضر اِس در پہ ملائک ہیں بشکل خدام

مدح حضرت کی خدائے دوجہاں کرتا ہے

عظمت و شان کو قرآں میں بیاں کرتا ہے

اپنا محبوب خدا نے اُنہیں فرمایا ہے شب معراج میں کس شوق سے بلوایا ہے

آپ کی شان میں لولاک لما آیا ہے شافع عرصۂ محشر کا لقب پایا ہے

خلق سے افضل و اعلیٰ ہے وہ ذاتِ حضرت

کس کا مُنہ ہے جو کرے مدح صفاتِ حضرت

اے مرے شاہ! مدینے کے بسانیوالے گمرہوں کو رہِ فردوس بتانیوالے

اپنی امت کے لیے رنج اٹھانیوالے اور گنہگاروں کو دوزخ سے بچانیوالے

رُخِ انور سے نقاب آج اٹھادو آقا

اپنا جلوہ مجھے لِلّٰہ دکھادو آقا

ہوں مصیبت میں مدد کو مری آؤ شاہا دردِ دل کی ہو دوا بگڑی بناؤ شاہا

تشنہ ہوں شربت دیدار پلاؤ شاہا راہ بھولا ہوں مجھے راہ بتاؤ شاہا

چھوڑکر آپ کی چوکھٹ کو رسا جائے کہاں

درِ اقدس کے سوا سر کو یہ ٹکرائے کہاں

یا نبی آپ پہ قربان ہوں سوچاہے یہی دشت طیبہ میں ہو مسکن مرا سوداہے یہی

در پہ حاضر رہوں تا زیست ارادا ہے یہی ہو مرا خاتمہ بالخیر تمنا ہے یہی

چشم رحمت سے تمہارا جو اشارا ہوجائے

بحرِ عصیاں سے مرا پار سفینا ہوجائے

سید محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی

گیاوی

پانی

مجرئی ساقئ کوثر کو نہ پہنچا پانی
پانی پانی ہے ندامت سے ہر اک جا پانی

سوزِ لب تشنگئ آلِ عبا لکھنا ہے
میں نے دوات میں ڈالا ہے ابلتا پانی

امتحاں صبر و رضا کا یہ لیا خالق نے
آسماں سے بھی کئی روز نہ برسا پانی

شاہ کہتے تھے گلہ کیا ہے ستمگاروں کا
کہ لکھی تھی مری تقدیر میں ایذا پانی

ہائے ہو قبضۂ کفار میں دریائے فرات
اور اصغرؑ کو نہ دیں ایک کٹورہ پانی

جانور ہو گئے سیراب زمانے کے مگر
آلِ احمدؐ نے نہ پایا لبِ دریا پانی

تھی رجز شاہ کی پیہم سرِ میدانِ وغا ق
تم نے کیوں بند کیا کوفیو! دانہ پانی

میں اشارہ بھی اگر آنکھ سے اپنی کر دوں
لائیں بھر بھر کے حباب لبِ دریا پانی

میں جو چاہوں تو ہر اک سنگ سے دریا نکلیں
حکم دوں تو ابھی ہو جائے یہ صحرا پانی

ہاں مگر مرضئ اللہ سے مجبور ہوں میں
کہ ہے تقدیرِ شہادت مجھے اس جا پانی

نہر پہ لائے جو عباسؑ تو بولا رہوار
میں تو ہرگز نہ پیوں گا تنِ تنہا پانی

کہتے تھے شاہ کرے گا تمہیں کوثر اللہ
میرے ننھے کو پلا دو جو ذرا سا پانی

اللہ اللہ یہ تھی حدتِ سوزِ غمِ شاہ
آنکھ سے بھی تو نہ نکلا دمِ گریہ پانی

رسم یہ ہے کہ دمِ ذبح عنایت کر کے ق
جانور کو بھی پلا دیتی ہے دنیا پانی

مگر افسوس دمِ قتل بقدرِ قطرہ
شمر نے سرورِ دیں کو نہ پلایا پانی

شامیوں کو شرر و شعلے دیے جائینگے
جب سرِ حشر پکاریں گے کہ "لانا پانی"

دل جو دکھتا تھا تو یوں آلِ عبا کہتے تھے
کون جانے ابھی تکلیف ہے کیا کیا پانی

وصف لکھنا ہی مجھے کر کے وضو حضرت کا
چاہیے چشمۂ کوثر کا اچھوتا پانی

میں جو چلاؤں گا گونجے گی خدائی ساری
میں جو روؤں گا تو ہو جائیگی دنیا پانی

کوفہ میں تا لبِ سادات نہ پہنچا افسوس
آبرو کھونے کو تھا خلق میں آیا پانی

تین دن پانی کو ترسا کیے ننھے بچے
کیوں نہ ہو جائے مصیبت سے کلیجہ پانی

سینہ کی دھاروں پہ ہے وہ کا بھی تلواروں کا
خون کفار کا اب تک ہے پیاسا پانی

آل زہراؓ کے حریفوں کا ہے پانی زہرہ
دیکھ سیماب مری تیغِ زباں کا پانی

سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی

پامال چیونٹی کی فریاد

دولت کدوں سے اپنے بن ٹھن کے چلنے والو
جوشِ شباب میں او تن تن کے چلنے والو

مانا کہ تم جری ہو اور پہلوان تم ہو
زیبِ زمین تم ہو فخرِ جہان تم ہو

جن و ملک تمہاری شوکت کو مانتے ہیں
کوہ و فلک تمہاری رفعت کو جانتے ہیں

بھلے گئے ہیں دم دبا کر سب شیر نر تمہیں سے
بیلِ دماں کے ڈھیلے ہیں بال پر تمہیں سے

اوصاف اب کرے کیا کوئی رقم تمہارے
قبضہ میں ہیں ازل سے سیف و قلم تمہارے

ہے یہ درحقیقت رتبہ تمہارا فائق
خالق کے فضل سے ہو تم افضل الخلائق

ہاں شاندار ٹوپی خوش وضع سوٹ پہنو
ڈاسن کے شو زڈاڈ و سک کے بوٹ پہنو

سب کچھ مزے اڑاؤ پر دیکھ کر چلو تم
ناچار چیونٹی کو نہ پاؤں سے ملو تم

گو آپ کی نظر میں ہے ہیچ میری ہستی
پر اے خدا کے بندے سیکھو خدا پرستی

شکوے کروں نہ ناحق تم جور آسماں کے
حامی بنو خدارا کم زور و ناتواں کے

میر اصدی اجمیری

اکلِ حلال

نکلے ابراہیم ادہم طالب اکلِ حلال
چھان ڈالا سب عراق آیا نہ ہاتھ اُنکو کہیں

پھرتے پھرتے ہوگئے وہ جب وہاں سے ناامید
تب گئے طرطوس کو دلکش تھی جسکی سرزمیں

دس درم ملے پاگئی تنخواہ اُنکی ماہوار
باغبانوں میں وہ نوکر ہوگئے آخر وہیں

باغ کے مالک نے مانگا ایک دن شیریں انار
توڑ لائے وہ ترش تو جھڑکیاں خوب اُنکو دیں

پھر اُنہیں بھیجا کہ لاؤ اب کے شیریں ڈھونڈ کر
لائے تو پھر بھی ترش پاکر ہوا وہ خشمگیں

اُن سے بولا کیا نہیں ہے فہم شیریں و ترش
کتنے ناواقف ہو گو مدت سے رہتے ہو یہیں

تب دیا اُسکو یہ ابراہیم ادہم نے جواب
میں تو میوؤں کو رکھاتا ہوں اُنہیں کھاتا نہیں

(ہمدم) شوقؔ قدوائی

رشحاتِ اکبر الہ آبادی

کسیکے مرنے سے یہ نہ سمجھو کہ جان بس اُس نہیں ملیگی
بعید شانِ کریم سے ہے کسیکو کچھ دیکے چھین لینا

یوں تو دونوں ہی ہیں مصروف عبادت میں مگر
ایک نکتہ ہے نظر چاہیئے جس پر کہ بسم

اہلِ ظاہر تو فقط حکمِ خدا پاتے ہیں
اہلِ باطن طپشِ دل کی دوا پاتے ہیں

جو ہو مقبول شیطاں کا اُسے مردود سمجھا ہوں
زیادہ بحث کو اس باب میں بیسود سمجھا ہوں

کون کسکے ساتھ ہے ہر شخص اپنے ساتھ ہے
اب رہی مطلب برآری وہ خدا کے ہاتھ ہے

ہو رہا ہے نفاذ حکمِ فنا
نہ مکیں اس سے بچتے ہیں نہ مکان

تو نہیں خود آکے اپنے میداں میں
کہتی ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ

مجھے ہے آزاد خیالات میں رہنا
لیکن نہیں منظور حوالات میں رہنا

سائنس نے مارا ہی مرنے پہ چھاپا
بیسود ہے اب فکر کرامات میں رہنا

ای دوست مجھے تو ہی خدا ہی پہ بھروسا — دشمن کو مبارک ہو مری گھات میں رہنا

دنیوی کاموں کے گو ہیں قاعدے — قاعدوں کا قاعدہ کچھ بھی نہیں

رب کی جو مرضی وہی ہے قاعدہ — بحث کیجے فائدہ کچھ بھی نہیں

خدا کا ذکر ہے طاقت ہماری — مصلّٰے ہے ہمارا تخت شاہی

ہماری فوج ہے اخلاق حسنہ — ہمارا حصن ہے ترکِ مناہی

بلند اپنی نظر ہے فضل حق سے — کرے گی کیا کسی کی کم نگاہی

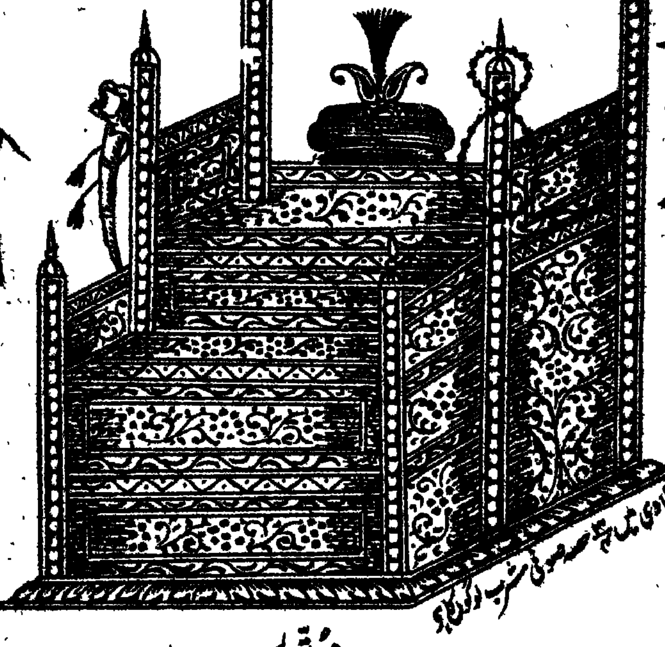
اکبر الہ آبادی

نظام المشائخ

موحّد ہندوستانی سلسلۂ مشائخ کا ماہوار رسالہ
مذہب، اخلاق اور تصوف کے مضامین کا
ایک دلنواز مجموعہ جو ہر مہینہ
ہر ماہ کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

رسول نمبر

خاص نمبر جو رسالت کو سلامت رکھے



مرتبہ

خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ رسالہ نظام المشائخ مع محصول ڈاک قسم اعلیٰ ۔ قسم اوسط ۔ قسم عام

مجلد ۔ ۱۲ نمونہ ۶ ۔ ۴ ۔ ۲ علی الترتیب

مقام اشاعت دہلی کوچہ چیلان

آج کل

نظام المشائخ دو ہزار نکل رہا ہے

اور روز بروز اسکی اشاعت میں ترقی ہے۔ مشتہرین ضرور اپنے اشتہار اسمیں درج کراکر فائدہ اٹھائیں

نرخ نامہ

مقدار	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
¼ صفحہ	عہ/	۶ر	للعہ	[illegible]
نصف صفحہ	۶ر	صہ/	لعہ/	[illegible]
پورا صفحہ	للعہ/	[illegible]	[illegible]	[illegible]

نظام المشائخ کے قواعد وضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخکو جو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری رحہ کا یوم عرس ہے۔ شائع ہوتا ہے۔ مضامین اسمیں مذہبی، اخلاقی، اصلاحی، مگر سب صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تحریروں میں انشا پردازی اور دیگر دلچسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر رسالہ ۷ یا ۸ تاریخ تک نہ پہنچے تو دیر سویر کا خیال کرکے ۱۰ سے ۱۲ تک انتظار کیجیے۔ اسکے بعد فوراً اطلاع دینی چاہیے کیونکہ زیادہ زمانہ گزرنے پر شاید پرچہ ختم ہو جائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو براہ عنایت چوتھی ماہ ہلالی سے پہلے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں ورنہ پرچہ نہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاکخانہ کو کردینی کافی ہوگی (۴) خط وکتابت میں اپنا نام و پتہ نہایت صاف وخوش خط لکھیے۔ اور خریداری کا نمبر ضرور بتلایے جوابی امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

جلد ۶ فہرست مضامین نظام المشائخ بابت صفر و ربیع الاول ۱۳۳۵ھ نمبر ۲و۳

عرض حال

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ ہم نے اسد فعہ کے رسول نمبر کے متعلق تجویز پیش کی تھی کہ اس کی ترتیب و تہذیب ایسے طریقے پر ہونی چاہیئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر سی تالیف ہو جائے ،

اس تجویز کی کامیابی ہم سے زیادہ ہمارے اہل قلم معاونین کے ہاتھ میں تھی ۔ اسی لیئے ہم نے دو مہینے پہلے سے اسے تفصیل کے ساتھ شائع کر دیا تھا ۔

مگر شاید ہر آرزو کے لیے کامیابی ضروری نہیں بلکہ اگر ایک فلاسفر کا قول صحیح مان لیا جائے تو آرزو نام ہی اُس خواہش کا ہے جو کبھی کامیابی کی صورت نہ دیکھے ۔

اسی اصول کے ماتحت ہم شاید اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے ۔ لیکن یہ واضح ہے کہ اس میں ہماری غفلت یا رسول نگاری کو مطلق دخل نہیں ۔ بہت ممکن تھا کہ پیشکردہ تجویز کے مطابق شروع سے آخر تک پرچہ ایڈیٹوریل اسٹاف مرتب کر دیتا ۔ مگر ایک ماہوار رسالہ کے لیئے جس قدر تنوع اور گوناگونی کی ضرورت ہے وہ اِس صورت میں قائم نہیں رہ سکتی تھی ۔ اور پرچہ یک رنگی و یکسانیت کی وجہ سے بالکل غیر دلچسپ ہو جاتا ۔

اگرچہ گزشتہ رسول نمبروں سے اِس رسول نمبر کا معیار بہت بلند ہے ۔ اور اپنے سابق نمبروں سے یہ بہت زیادہ مفید، قیمتی اور دلچسپ مضامین سے مزین و آراستہ ہے تاہم اس تجویز کی ناکامی کا ہمیں افسوس ہے ۔ شاید ایسے ہی موقعوں کے لیئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ عرفت ربی بفسخ العزائم ۔

تاہم ہم مایوس نہیں ہیں ۔ اس سال نہ سہی ۔ انشاءاللہ آئندہ سال ضرور ہماری تمنا پوری ہوگی ۔ اور ہم اپنے ارادے میں کامیاب ہونگے ۔

(خاکسار ایڈیٹر)

جلد ۱۶ نمبر ۲ و ۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسول نمبر

نظام المشائخ

فلسفۂ احیاء و ابقاء

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

آج جشنِ ولادتِ کبریٰ ہے، جس حیاتِ طیّبہ و عظمیٰ کے تذکار و درس کے لیے یہ صحبت مرتب ہوئی ہے، وہ وقائع و اخبارِ اسلامی کا وہ عظیم الشان و جلیل القدر واقعہ ہے، جو تاریخِ اسلام کی اولین صدی سے لیکر اسوقت تک اپنے عجیب و غریب نتائجِ موعظت، اور حیرت انگیز تاثیر و بقائے ذکر کے اعتبار سے نہ صرف تاریخِ اسلام میں فقید المثال ہے بلکہ تمام وقائعِ عالم میں اپنی ایک عدیم النظیر حیثیت رکھتا ہے؛

چنانچہ گذشتہ [illegible] سے آج تک عالمِ اسلامی میں لاتعد و لاتحصیٰ بزمہائے مولود منعقد ہوتی رہی ہیں، اور شیدائیانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ حصولِ برکت و سعادت

کے لیے صدہا مجلسیں ترتیب کی ہیں، اور ہمارا یہ آج کا اجتماع بھی، اُس ہدایت اولین کی حقیقت پر غور و فکر کرنے کی تقریب سے ہی، تاہم یہ واقعۂ عظمیٰ اپنی بزم تہنیت میں ہر بار ایک نئی صفِ بصیرت ترتیب دیتا ہی، اور اہلِ بزم کو دعوتِ فکر!

اِس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز جو نمایاں طور پر ہمارے سامنے آتی ہی۔ وہ اِس واقعہ کی یادگار، اور اُس کا دائمی تذکار ہے؛

دنیا میں ہر قوم نے اپنے ماضی کے ایسے حوادث و واقعات کی یاد، ہمیشہ زندہ رکھی ہی، جن کے اندر قوم و ملک کے لیے کوئی غیر معمولی تاثیر و عبرت، کوئی ممتاز وجہ تعظیم و عظمت پائی جاتی ہو، ایسے بزرگ ترین انسانوں کی بزرگیاں اور عظمتیں، یادگاروں، عمارتوں، تاریخوں تہواروں، قومی روایتوں، اور مجامع ملیہ، کے انعقاد کے ذریعہ قائم و محفوظ رکھی گئی ہیں جن میں خود اُس قوم کی کوئی تحریکِ عظمت، اور وجہ حصولِ شرف پوشیدہ ہوتی ہی؛

وہ چیز جسکو تمام اقوام متمدنہ نے "اسلاف پرستی" کے لفظ سے تعبیر کیا ہی، یہی ہے جسکے ذریعہ ہر قوم اپنی قومیت کے بڑے بڑے بانیوں، مذہبی پیشواؤں، محب الوطنوں، اور قوم کے عظمائے رجال کی تعظیم تذکار کو باقی رکھتی ہی:

تمدنِ بابل کا وہ عہدِ مدنیت، جبکہ کتابیں پتوں اور درخت کی چھالوں، کی جگہ پتھر پر کندہ کرکے لکھی گئیں، کالڈیا کے حجری کتب خانے، جن میں اکابرِ ملت کے مناقب و محامد انہیں پر کندہ کرکے رکھے گئے، جن کا بڑا ذخیرہ بابل کے آثار عتیقہ میں آج دریافت ہو چکا ہے یہی رسم مشاہیر پرستی تھی!

اہلِ عرب نے اپنے سلسلۂ انساب کے ایک ایک حرف کو سینے سے لگائے رکھا۔ مصریوں نے ایسے ایسے مینار تعمیر کیے، جو ہزاروں برس کے بعد بھی اپنی اولین حالت پر استوار ہیں یونان نے دیوتاؤں کے مجسمے بنا کر انکی نمایش کی۔ ہندوستان نے مہابھارت کے معرکے کو قومی روایات [illegible] ہومر نے ایلیڈ لکھی، اور والمیک نے اپنی تحریروں سے نسل آیندہ کی روحِ [illegible]

مفاخر کو پژمردگی سے بچایا، اقوامِ قدیم کے یہ تمام اعمال و افکار اسلاف پرستی کا عکس نہ تھے تو کیا تھے ؟

"وقیانوس کے بحری مسافر کے لیے ساحلِ امریکہ پر" واشنگٹن "کا بُت درسِ بصیرت تاریخ نہیں تو کیا ہے ؟ ممالکِ یورپ اور ان کی محکوم متمدن قوم آبادیوں کی شاہراہوں، پارکوں اور تفریح گاہوں، میں جگہ بہ جگہ یہ جو سنگی مجسمے (اسٹیچوز) نصب ہیں، انہیں ہم کیا کہتے ہیں ؟ ملٹن عرصہ ہوا اس دنیا سے رخصت ہو چکا۔ مگر اس کے لکھنے کی میز زندہ ہے ؟ شکسپیئر کی جائے پیدائش آج بھی مرجع عالم ہے ؟ - یہ سب کچھ کیا ہے ؟ اسی مشاہیر پرستی کی کسی قدر زیادہ حسین و دل آویز شکل ہے جو اس سے قبل محض قومی روایتوں اور قصہ طرازیوں کے ذریعہ محفوظ رکھی جاتی تھی ؟

لیکن ذرا سے فکر کرنے کے بعد یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس تذکار کا حقیقی مقصد کسی واقعہ کو محض یاد رکھنا، یا کسی قوم کو فراموش نہ ہونے دینا ہی نہ تھا۔ بلکہ اور ہی کچھ مدعا اس میں مضمر و مخفی تھا!

کیونکہ اگر یہی مقصود محض ہوتا، تو پھر اس کے واسطے کسی خاص نام، کسی خاص واقعہ، کسی خاص نزول اور کسی خاص انقلاب کی تخصیص عبث تھی، اس مقصد کے لیے ہر چھوٹا، بڑا، ہر ادنیٰ، اعلیٰ، ہر نیک و بد، سب یکساں ہونے چاہیئے تھے، کیا ضرور تھا کہ ایک ہی زمانے کے دو فرد، ایک کو یاد رکھیئے ایک کو بھلا دیجئے بد ہم نے کارنیچ سے ہمتے بال کو کیوں یاد رکھا اور تیتس کو کیوں بھلا دیا، ہم میں سے اکثر کیوں وقار الملک کے شیدائی ہیں اور کیوں رئیس دتاولی کو نہیں جانتے ؟

حقیقت یہ ہے، اس اسلاف پرستی کی پرانی رسم کے اندر اجتماعِ انسانی کی جو روح، اور ارتقائے اُمم کی جو شئے، کام کر رہی ہے وہ دوسری ہی چیز ہے !

اصل میں اجساد و تشخصات اور ناموں کے تذکروں سے کچھ مطلب تھا، غرض تو اس

یہ تھی کہ جو اعمالِ حسنہ، عزائم مہمہ، بصائر و مواعظ جلیلہ اور نتائج عظیمہ، اُن اعاظم رجال اُمم کی زندگیوں سے وابستہ ہیں۔ اور جن کی یاد و تذکرہ کے اندر قوموں اور ملکوں کے لیے سب سے زیادہ مؤثر و سریع النفوذ، دعوتِ عمل و اتباع ہی اُنکی یاد ہمیشہ قائم و محفوظ رکھی جائے اور مختلف ذریعوں سے ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں جن کی وجہ سے کبھی بھی آنیوالی نسلیں اُن اعمالِ حسنہ کے نمونوں کی یاد فراموش نہ کر سکیں!

لاریب کہ یادگار در اصل انسانی افراد کی نہ تھی بلکہ انسانوں کے بہترین اعمال کی تھی درس و تذکرہ شخصیتوں اور بڑے بڑے ناموں کا نہ تھا، بلکہ صداقتوں اور اُن سچائیوں کا تھا جو وہ اپنی زندگی کے اندر محفوظ رکھتے تھے؛

خدائے ذوالجلال نے ذات کی بڑائی اور عظمت صرف اپنے، اور اپنی کبریائی کے واسطے مخصوص کر لی ہے، اور دنیا کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف عمل کی بڑائی ہے، دنیا میں انسان تو کوئی بڑا ہو نہیں سکتا، اس لیے کہ بڑا صرف ایک ہی، ہاں پھر عمل بڑا ہو سکتا ہی، اور اُسکی بڑائی اُسکے عامل کے اندر بھی نسبتی بڑائی پیدا کر سکتی ہے،

پس ساری تعظیم و تکریم، تمام وصف و تقدیس۔ اور ہر طرح کا احترام و شرف جو دنیا میں کسی کا کیا جا سکتا ہے۔ وہ صرف خدا کا ہی۔ یا پھر خدا کی سچائیوں اور اُسی کے قرار دیئے ہوئے اعمالِ حسنہ کے لیے، اپنی ذات کا انسان کے واسطے اسمیں کچھ حصہ نہیں ہی!

دنیا والوں کی ضلالت کچھ اسی میں نہیں کہ وہ صداقتوں کی جانب بڑھتے نہیں بلکہ اس سے زیادہ خسران یہ ہے کہ بسا اوقات وہ اُسکی جانب قدم تو بڑھاتے ہیں مگر ہوتا یہ ہی کہ وہ راہ ہی میں گم ہو جاتے ہیں، جس طرح اس جانب نہ چلکر وہ سعادت سے محروم رہتے ہیں ٹھیک اسی طرح وہ اس طرف چلکر بھی محروم رہتے ہیں؛

چنانچہ اس ضلالتِ عمل کی ایک عمیق مگر واضح ترین مثال دنیا کی یہ عالمگیر شاہپرستی بھی ہی، جو مقصد کے لحاظ سے نہایت مبارک، عظیم و اہم، حیات پرور و سعادت بخش تھی،

لیکن باایں ہمہ اس بارے میں ہمیشہ قوموں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ دنیا کی وہ ضلالت کبریٰ جو اس کے ہر عمل میں حقیقت اور مقصد کو فنا کرتی ہے، اور ظواہر و رسوم کی اس سے پوجا کراتی ہے وہ لغزش معصیت جو گمراہیوں اور حقیقت ناشناسیوں سے اس عمل غلط کو آلودہ کراتی ہے یہی ہے، جو تمثیل ہدایت کی جگہ گمراہی کا پتھر ثابت ہوتی ہے، انسان کی عالمگیر ضلالت یہ ہے کہ جس شئے کو اسکی روح کے لیے اختیار کرتا ہے۔ آگے چل کر خود اسکے جسم ہی کی پرستش کرنے لگتا ہے؛

مشاہیر و اسلاف پرستی کا حقیقی مقصد تو اعمال حسنہ کی یاد اور نیکی و صداقت کے عملی نمونوں کو پیروی و اتباع کے لیے قائم رکھنا تھا، لیکن نتیجہ بالعموم یہ نکلا کہ اعمال کی یاد مٹ گئی، اور محض انسانوں کے تشخصات پوجے جانے لگے؛

اسلاف پرستی کا فطرتی مادہ جب اپنے معتدل حد تفہم صحیح ترین طریق سے ہٹ گیا تو مشاہیر پرستی کے زنجیر عمل کی پہلی کڑی اصنام پرستی کی ایک دوسری کڑی سے ہمرشتہ ہو گئی؛

وہ چیز جو کسی دوسرے مقصد کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ تھی، اب خود وہی مقصود بالذات بن کر لوگوں کے عقائد و اعمال میں جاگزیں ہو گئی؛ اور حقیقت سے اس قدر بعد و تجرد ہو گیا کہ محض رسوم و اسماء کی عظمت و پرستش ہی پر ہر شخص قانع ہو گیا؛

یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات اسلاف پرستی دنیا میں سخت بت پرستی کا ذریعہ ثابت ہوئی؛ اکثر ایسا ہوا ہے کہ اعمال حسنہ کی جگہ افراد و اسمار کی پرستش محض نے دو تین نسلوں کے بعد ہی انسانی گروہ کو بت پرست بنا دیا ہے؛

اسی بنا پر اسلام دنیا کا وہ پہلا مذہب ہے جو اسلاف پرستی کے صحیح تر اصول پر اسلامی تعلیم دیتا ہے؛

اسلام ایک دین الفطرت، دین تھا۔ اور توحید خالص کو قائم کرنے والا تھا، وہ انسانی

عظمت کیجگہ ان تمام راہوں کا ہمیشہ کے لیے سد باب کرنا چاہتا تھا جو کسی حال میں بھی عظمت الٰہی کے نقطہ تک پہنچ سکتی تھیں۔ پس وہ کسی طرح بھی قیام ذکر و بقائے عظمت کا ایسا طریقہ اختیار نہیں کر سکتا جس میں پڑکر دنیا بار بار ٹھوکر کھا چکی تھی؛

اسلام نے ظاہر ہوتے ہی دنیا کے تمام اعمال و معمولات پر اک نظر ڈالی اور عمل کی حقیقت روح کا مطالعہ کیا تھا؛

وحشت نے جن حقیقتوں کو تاریک پردوں میں چھپا رکھا تھا وہ چاک چاک کر دیئے گئے، اور جہالت نے جن موتیوں کو پتھروں کے ڈھیر میں دبا دیا تھا وہ اُن سے الگ کر دیئے گئے؛

مشاہیر پرستی کا طریقہ بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا، چنانچہ اسلاف کی یادگار قائم کرنے اور اُنکے اعمال و آثار کے زندہ رکھنے کا جو طریقہ زمانہ قدیم سے چلا آتا تھا اسلام نے اس میں بھی ایک روحانی انقلاب پیدا کر دیا، اُس نے مسلمانوں کو مجسموں کی شکل میں مشاہیر پرستی کی اجازت نہیں دی، کیونکہ وہ بت پرستی تک منجر ہوتی ہے، اور اسلام زندہ انسانوں کے شرف کو پتھروں کے آگے نہیں جھکاتا، بایں ہمہ مشاہیر کرام اور سلف صالحین کے نمونوں کو بھی ضائع نہیں ہونے دیتا۔ چنانچہ بڑے زور سے کہتا ہے کہ صراط مستقیم، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ علم و عمل میں ہے؛

قرآن پاک میں جو انبیائے سابقین کے قصص مذکور ہیں۔ اُن کے اندر روح حقیقت ان ہی بصائر کی روح مضمر ہے، جو حقیقت مجسموں کے قالب میں حلول کر کے بے اثر اور محض ظاہر فریب ہو جاتی تھی وہ ایسے تذکار جلیل کے ذریعہ حی و قائم رہیگی؛

یہی وہ امتیازِ شرف ہے جہاں اسلام کی قوتِ اصلاح منکشف ہوتی ہے، قرآن پاک نے قدمائے اعاظم رجال کی یادگاروں کے قائم کرنیکے اصل مقصد کو اُسوۂ حسنہ جامع و مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے اور مسلمانوں کو جا بجا توجہ دلائی ہے؛

اسوہ کہتے ہیں کسی فکر، کسی عمل، کسی وصف، کسی خاصہ کے ایک ایسے نمونہ کو جسے ہم اس لیے اپنے سامنے رکھیں کہ اس کی پیروی اور نقل کریں۔

انسانی سعادت کے لیے تعلیم بالکل بیکار ہے۔ جب تک کہ اس تعلیم کا زندہ نمونہ بھی انسانوں کے سامنے موجود نہ ہو۔

جو اثر طبیعت انسانی پر ایک انسانی نمونہ عمل سے پڑتا ہے وہ محض تعلیم لسانی سے ممکن نہیں۔ سماعت سے بصیرت کا کام نہیں ہو سکتا۔ اخلاق کی کتابیں اپنی مؤثر تعلیمات سے انسانوں کو رلا ضرور دیں گی۔ مگر ان کا دل پھیر دینا مشکل ہے۔ عدالت کا قانون مجرم کے پاؤں میں بیڑیاں ضرور ڈال سکتا ہے۔ مگر مجرم کو ارتکاب جرم سے باز رکھنے کی اس میں قدرت نہیں۔

لیکن اس کے برخلاف ایک پاک اور مقدس انسان اپنی زندگی کے اندر نیکی کا عملی نمونہ رکھتا ہو۔ اور اس کے اعمال حیات راستبازی کے لیے اسوہ کا حکم رکھتے ہوں، تو وہ صرف نمونہ دکھا کر نہ صرف افراد کو بلکہ اقوام و امم کے اعمال کو یکسر پلٹ دینے کی قدرت رکھتا ہے۔

یہی نکتہ ہے جو اللہ پاک نے ہدایت خلق کے لیے صرف کتابوں اور شریعتوں کی ترسیل پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کو جو ان کے حامل تھے، عملی نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا۔

آج ہم اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ و ولادت عظمیٰ پر مسرتیں اور خوشیاں منا رہے ہیں۔ زہے سعادت! مگر دیکھنا۔ حضور اکرمؐ کے تمام شعبہ ہائے حیات ہمارے سامنے ہیں۔ اور اسلام کا طریق مشاہیر پرستی نہیں ہمیں معلوم ہے۔ پھر کیا ہم کو زبان و الفاظ سے صرف کام لینا شایاں ہے؟ یا دل و دماغ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ آج اسوۂ نبی برحقؐ پر ہم اگر عامل ہوں، آج اگر راہ نجات ہم اختیار کریں، تو یہ ہماری کایا پلٹ ممکن ہے۔ سچی یادگار ایک حقیقی تذکار یہی ہے کہ ہم اور ہمارے معتقدات و اعمال حضورؐ کے اسوۂ پاک کا عکس کامل ہوں اور ایک ایک ہم اور ہماری روح حضورؐ کے اعمال حسنہ کی تمثال ہو۔ تب سب کچھ ہے ورنہ ہماری نسبت ناقص اور ناتمام ہے۔ اب جناب حضورؐ کی حیات مبارکہ کے مختلف پہلو ملاحظہ کریں اور اپنے سینے میں عمل پیدا

رسول اللہ صلعم کے مختصر حالات
ایام جاہلیت سے نبوت تک

بعض یورپین مورخین کا قول ہے کہ اہل عرب نے اسلامی تمدن رومی (یونانی) یا ایرانی طریقہ پر قائم کیا تھا۔ اور اس طرح انکو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عربوں نے چونکہ کوئی جدید تمدن وضع نہیں کیا۔ اس لیئے ان کو تاریخ تمدن میں کوئی خاص جگہ نہیں دیجاسکتی یہ محض خیال ہے۔ اور اس وجہ سے قابل وقعت نہیں کہ اہل عرب دوسری قوموں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ کاروبار کرنے کی قابلیت رکھتے تھے انہیں انتظام ممالک۔ ترتیب افواج کا سلیقہ اس زمانہ کی مہذب اقوام سے بہت زیادہ تھا۔

جزیرہ عرب کے باشندوں کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) قحطانی (۲) اسماعیلی (۳) بائدہ۔

۱۔ قحطانی ملک یمن اور نیز قرب و جوار کے باشندے جو اپنا نسب قحطان یا یقطان سے ملاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ ارفخشاد کے ذریعہ سے سام بن نوح ع پر ختم ہوتا ہے۔

۲۔ اسماعیلی یا عدنانی۔ یہ لوگ تہامہ۔ نجد اور آس پاس کے رہنے والے ہیں اور ان کا سلسلہ نسب حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام ابن حضرت ابراہیم خلیل اللہ ع تک منتہی ہوتا ہے ان کا نام عدنانی اس وجہ سے ہوا کہ ان کے بزرگوں میں ایک صاحب عدنان نامی گزرے ہیں قحطانی عربوں نے اسماعیلیوں سے بہت پہلے اس وجہ سے ترقی کی کہ ان کا ملک سرسبز و شاداب تھا۔ اور ان کے یہاں بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ جو فراعنہ مصر اور شاہان بابل و آشور کی ہمعصر تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور حمیر۔ سبا اور کہلان کی حکومتیں ہیں۔

۳۔ بائدہ وحشی اور جنگلی لوگ جو نابود ہو گئے۔

ماخذ مضمون یہ کتب ذیل سے اخذ ہوا ۔۔ تاریخ اسلام از مولوی سید امیر علی صاحب، تاریخ العرب ... عثمانی سلطان ... اسلامی (علامہ) ... از علامہ جلال الدین سیوطی ... خطبات احمدیہ ... سید احمد خاں ... دیگر مضامین۔

اسماعیلی یا عدنانی عربوں کی حکومتیں حضرت مسیح سے پہلے اور بعد میں کئی جگہ قائم ہوچکی میں فلسطین، بیت المقدس کے اطراف میں یہی لوگ کوس جہانبانی بجارہے تھے علاوہ ازیں اقوام عاد۔ ثمود۔ طسم۔ جدیس وغیرہ جو اعراب بائدہ میں نہایت نامور گزری ہیں حکومتیں قائم کرنے میں کامیاب ہوچکی ہیں۔ ان کا نسب غالباً لاؤذ بن سام بن نوح ؑ سے ملتا ہے عمالقہ کا مشہور و معروف خاندان جس نے تاریخ عالم میں مستقل نقش چھوڑا ہے۔ انہیں میں سے تھا

حجاز میں جاہلیت کا زمانہ

جزیرہ عرب کے جنوبی و شمالی حصہ کے باشندوں نے تمدن میں بہت کچھ ترقی کی لیکن وسطی حصہ کے رہنے والے (حجازی) وحشیانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ یہ قطعہ بے آب و گیاہ ہونے کے علاوہ ایسا دور واقع ہوا تھا کہ دنیا کے عظیم الشان فاتحین نے بھی اس جانب رخ نہ کیا۔ اور اس طرح یہ لوگ ایک ہی حالت میں رہتے رہتے ایسے وحشی ہوگئے کہ سوائے لڑنے بھڑنے اور مار پیٹ کے دوسرا شغل نہ رہا۔ لیکن پھر بھی وہ خودداری۔ ایفائے عہد۔ حوصلہ مندی۔ کرم فرمائی کی صفات سے آراستہ تھے۔ اور یہ اس بات کا پیش خیمہ تھا کہ ان میں آئندہ زمانہ کی شوکت و عظمت سنبھال لینے کی پوری قدرت ہے۔ ان لوگوں نے نامعلوم صدیاں اسی بدویانہ حالت میں بسر کیں البتہ یہ ضرور ہوا کہ باہر سے آ بسنے والے یہودیوں سے جو رومی حکام کے مظالم سے بھاگ کر عرب کے خشک میدانوں میں چلے آئے تھے تہذیب و تمدن کے چند اصول سیکھ لیے۔ حج۔ نکاح۔ قربانی۔ طلاق۔ تجارت کے اصول اور تہواروں کے دن جلسے وغیرہ۔ یہودیوں نے انکو سکھلائے۔ سیل ارم کے بعد یمن کے لوگ بھی عرب میں آگئے۔ پس یہودیوں اور یمانیوں کے خلط ملط نے عربوں میں دو گروہ پیدا کر دیے (۱) اہل بادیہ جو وحشیانہ حالت میں رہے (۲) حضری یعنی شہری جو کہ مکہ معظمہ۔ مدینہ طیبہ اور طائف میں رہتے تھے۔

سدانۃ کعبہ

مکہ معظمہ میں حج ہوتا تھا۔ اور دور دراز سے لوگ کعبۃ اللہ کی زیارت کو آیا کرتے تھے اس لئے اُسکی شہرت بہت زیادہ تھی۔ رفتہ رفتہ وہ تجارت کی منڈی بن گیا۔ اور سوداگری کا مال کثرت سے آنے لگا۔ حج کے زمانہ میں اسقدر ہجوم ہوتا تھا کہ مکہ معظمہ کی گلیاں بھر جاتی تھیں۔ اس اجتماع کا یہ نتیجہ ہوا کہ طاقتور عرب سرداروں کی نظریں کعبۃ اللہ پر پڑنے لگیں اور ہر ایک کی خواہش سدانۃ کعبہ (حاجب کعبہ) حاصل کرنے کی ہوئی۔ ابتدائی دور میں مکہ معظمہ خاص حجاز کے باشندوں یعنی بنو اسمٰعیل کے قبضہ میں تھا اور وہی لوگ خادم (حاجب) کعبہ ہوتے تھے۔ مگر جب یمن میں یمانی[لے] زمین کے باشندے یہاں آئے تو اُنھوں نے بنی اسمٰعیل کو محکوم بنالیا۔ اُس وقت یہ لوگ کمزور تھے اور اُن کا مقابلہ نہ کرسکتے تھے۔ لیکن زمانہ رنگ لایا اور تھوڑے دنوں کے بعد یمانی حکومت کھو بیٹھے تو بنو اسمٰعیل کا ستارہ چمکا۔ اور اُن میں سے خاندان کنانہ زیادہ ممتاز ہوا جس کی ایک شاخ قریش تھے۔ ۔۔۔۔ کے قریب قریش کا سردار قصیّ بن کلاب ابن مرہ ہوا۔ یہ شخص نہایت دور اندیش اور صائب الرائے تھا۔ اس نے متولی کعبہ کی لڑکی سے جو بنو خزاعہ (یمانی) میں سے تھا شادی کی۔ قصیّ کا مقصد اس ازدواج سے سدانۃ کعبہ حاصل کرنا تھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اسکے خسر کا انتقال ہوگیا۔ اور موافق وصیت یہ خدمت اسکی بیٹی (قصیّ کی بی بی) کو ملی۔ لیکن عورت کیواسطے دروازہ کا کھولنا اور بند کرنا بڑا مشکل تھا۔ اس سبب سے وہ معذور رہی اور اپنے بھائی محترش کو قائم مقام کردیا۔ اتفاق سے یہ صاحب بھی کمزور اور منحنی سے آدمی تھے۔ اُنھوں نے اس معزز خدمت کو بار خیال کرکے ایک مشک شراب کے عوض اپنے بہنوئی قصیّ کو سدانۃ کا پٹہ لکھدیا۔ اس طرح اسکی دیرینہ آرزو برآئی۔ اور ہمیشہ کے واسطے یہ عہدہ بنو خزاعہ (یمانی) سے نکل کر قریش میں چلا گیا چنانچہ ظہور اسلام تک یہ خدمت اسی خاندان میں رہی۔

سدانۃ کا اثر

لے یمانی بنو خزاعہ کہلاتے تھے۔

کعبہ کی خدمت و رؤسائے مکہ معظمہ کی سرداری تھی قصی نے باطمینان خاطر اپنے عزیز و اقارب کو جو قریش تھے مکہ معظمہ میں جمع کر لیا۔ اور انکو چاروں کھونٹ میں آباد کر کے پورے طور پر حکومت قائم کر لی۔ قریشیوں نے قصی کو سردار تسلیم کر کے بڑے سادہ ہی کی راستے طے کرنا شروع کیا۔ اب جدھر دیکھو سوائے قریش کے دوسرا نظر نہیں آتا تھا +

قصی کے بعد اسکا بیٹا عبدمناف جانشین ہوا۔ اس کے دو لڑکے تھے (۱) ہاشم (۲) عبدشمس +

اس نے مرتے وقت ہاشم کو حاجب کعبہ بنایا۔ اس پر عبدشمس کے بیٹے امیہ (جد بنی امیہ) کو بڑا رشک ہوا اور وہ چچا سے علیحدہ ہو کر شام چلا گیا۔ یہی پہلی بنائے مخاصمت تھی جو عہد اسلام تک بنی امیہ اور بنی ہاشم میں برقرار رہی +

ہاشم کے بعد عبدالمطلب (جد آنحضرت صلعم) متولی کعبہ ہوئے۔ قبائل عرب میں قریش بہت زیادہ معزز تھے۔ فرائض اور ارکان حج کا تقرر انہوں نے ہی کیا +

زمانہ جاہلیت میں حکومت کا انداز

زمانہ جاہلیت میں تمام اہل بادیہ (صحرائی عربوں) کے یہاں حکومت کا ایک ہی طریقہ تھا۔ اہل عرب میں جو شخص سب سے زیادہ طاقتور اور فہیم ہوتا تھا اُسی کو سردار بنا لیتے تھے انکی کل ضرورتیں اس ایک سردار یا بادشاہ سے پوری ہو جاتی تھیں۔ اور یہ ہی سادہ طریقہ ابتدائے اسلام تک رہا چنانچہ عبدالمطلب اُس زمانہ میں سردار رہتے +

مندرجہ بالا مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے حضور سرور کائنات صلعم نہایت معزز۔ دولتمند اور حکمران خاندان سے تھے۔ اور جناب اقدس کے بزرگوں سے سرداری چلی آتی تھی۔ اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں علو خیالی اور فہم بہ نسبت اور قریش کے بہت زیادہ تھی۔ اسلام سے عظیم الشان مذہب کا بانی فی الحقیقت شاہی نسل سے ہونا بھی چاہیئے

تھا۔ ورنہ غیروں کو اعتراض کا موقع ملتا ✦

آنحضرت صلعم کی پیدایش

عبد المطلب کے چند بیٹے اور بیٹیاں تھیں جن میں ابو طالب۔ حضرت عباسؓ (مورث خلفائے عباسیہ) سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضؓ۔ حضرت عبداللہؓ بہت مشہور ہیں ابولہب (ملقب بہ ابوجہل) بھی تاریخ میں شہرت رکھتا ہے اور آنحضرت صلعم کا چچا ہونے کے لحاظ سے نیز اس لیے کہ باوجود چچا ہونیکے حضرتؐ کا دشمن اس سے زیادہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ مسلمان اُسے خوب جانتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ سب بھائیوں میں چھوٹے اور نہایت حسین و جمیل تھے۔ اُن کی شادی حضرت آمنہ رضؓ بنت وہب سے ہوئی لیکن ۲۵ برس کی عمر میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ وفات کے تھوڑے روز بعد ہمارے حضور۔ لامع النور۔ سرور دوجہان صلعم دنیا میں تشریف لائے۔ خواجہ عبد المطلب نے محمدؐ نام رکھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) ✦

یہاں یہ نکتہ ملاحظہ فرمایے کہ اہل عرب بشدت بُت پرست تھے لیکن خدائے برحق و تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ اُسکے پیارے حبیب کے باپ کا نام عبدالدار یا عبدالہبل ہوتا۔ حضور انور کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا۔ ورنہ بُت پرستوں کو اللہ سے کیا غرض۔ اسکے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ محمدؐ نام بھی سوائے آپکے عرب میں کسی دوسرے کا نہیں ہوا اللہ اکبر ✦

آنحضرتؐ کا ابتدائی زمانہ

آنجنابؐ کی عمر پانچ سال کی تھی کہ حضرت آمنہ رضؓ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور اب دادا پرورش فرمانے لگے۔ عبد المطلب بھی ۵۷۹ء میں انتقال فرما گئے تو آپکے صاحبزادے خواجہ

ابوطالبؓ (عم مکرم جناب سرورِ کائناتؐ) غور و پرداخت میں مشغول ہوئے۔ حضور اقدسؐ نے اوائل زندگانی کا زمانہ اپنے عم مکرم کے پاس بسر کیا۔ چونکہ مزاج والا نہایت حلیم الطبیعت واقع تھی، اس لیے کسی کا درد نہ دیکھ سکتے تھے۔ ہر شخص کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے اور حتے الامکان اُنکی مدد سے پہلو تہی نہ فرماتے۔ خواجہ ابوطالب زیادہ مالدار نہ تھے۔ اس لیے آنحضرتؐ بمقتضائے انصاف و عدالت گھر کے اور عزیزوں کے ساتھ اپنے چچا کے ریوڑ کی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمانے کی بات ہے کہ ننھی سی عمر اور یہ مشقت۔ لیکن ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ دنیا کے عظیم الشان بزرگ محنت و مشقت سے کبھی نہیں گھبراتے۔ انکو آیندہ زمانہ میں بڑے بڑے کام انجام دینے ہوتے ہیں۔ اس لیے خدائے پاک ابتدا سے ہی محنت کا خوگر بنا دیتا ہے۔ آنحضرتؐ دو دفعہ خواجہ ابوطالب کے ساتھ شام تشریف لے گئے۔ اور وہاں حضور والا نے مخلوق خدا کے مصائب اور اعمال بد کو بنظر غور ملاحظہ فرمایا +

ازدواج و اولاد

پچیس سال کی عمر میں حضور والا کا عقد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ سے ہوا۔ اُم المؤمنین کی عمر ۴۰ برس کی تھی اور بیوہ تھیں۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ پچیس برس کا حسین و جمیل۔ تندرست جوان چالیس سالہ بیوہ سے نکاح کرے! غیر اقوام کا اعتراض کہ آنحضرتؐ نے نعوذ باللہ حظ نفس کے واسطے متعدد شادیاں کیں۔ باطل ہو جاتا ہے۔ حضور والا کی صاحبزادیاں اور صاحبزادے پیدا ہوئے لیکن سوائے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضؓ کے جو حضور والا کے عظیم الشان کاموں کو دیکھنے کے لیے حیات رہیں سب کا انتقال ہو گیا۔ جناب فاطمہ رضؓ کا نکاح حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔

شادی کے بعد پندرہ سال جناب اقدسؐ نے خاموشی کے ساتھ گزارے۔ صرف دو دفعہ آپ خاص طور پر نمودار ہوئے۔ اور حضورؐ نے اُن لوگوں کی مدد فرمائی جو بیوگان۔ یتامے

اور اجانب کی دستگیری فرماتے تھے۔ حضور والا کے کارنامے اس زمانہ میں ایسے مشہور ہوئے
کہ پبلک نے امین کا معزز خطاب دیا۔ اور یہ بات کہ قوم اور عوام سے یہ خطاب پانا
بہت بڑی عزت کی دلیل ہے۔
حضور اقدس کی طبیعت میں غیرت۔ تدبر۔ احساس۔ مستقل مزاجی۔ ایثار بالغرض۔ رافت و
شفقت ہر شخص پر یکساں تھی۔ خوش خلقی اور پیار بڑے بوڑھوں سے تھا وہی بچوں سے۔ جب آپ
دولت سرائے سے باہر تشریف لے جاتے تو بچے ہر طرف جمع ہوجاتے۔ اور حضور اقدس محبت سے
اُنکے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔

عطائے نبوت

سال میں ایک ماہ آپ کوہ حرا کے غار میں جو مکہ معظمہ کے قریب ہے معتکف ہوتے۔ چالیس
سال جب عمر شریف ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی۔
آنحضرت نے خدائے پاک کی توحید کو سرزمین پر بلا خوف پھیلایا۔ اور دین کے راستہ میں
نہ کسی دوست کا خیال کیا اور نہ عزیز کا۔ لوگوں کے اخلاق و عادات درست کیے۔ ایک ہی وقت میں
آپ نبی۔ سپہ سالار۔ مصلح قوم۔ زبردست بادشاہ۔ مقنن۔ فلاسفر اور عالم تھے یہ اوصاف
ہیں جو ایک شخص میں بہت کم جمع نہیں ہوسکتے۔ حضور جب پیدا ہوئے تو عرب میں بت پرستی اور جہالت
کا زور تھا جسقدر بری عادتیں ہوسکتی ہیں وہ سب عربوں میں موجود تھیں لیکن ایسے زمانے اور
بے ڈھب لوگوں سے آپ نے امین کا خطاب حاصل کیا۔ حضور والا کا ایک ایک فقرہ اور آپکی
زندگی کا ہر واقعہ تفصیل کا محتاج ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ابتدا سے انتہا تک آپ عظیم الشان
انسان ہے۔ اوصاف ظاہری و باطنی میں تمام جہان سے بہتر تھے۔ اور جسقدر صبر۔ بردباری۔ عفو
انکساری۔ شرم۔ سخاوت۔ مہربانی۔ متانت۔ مروت۔ جوانمردی۔ دلیری۔ ہمدردی آپ
میں تھی کسی کو میسر نہیں ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال

حضورؐ کی خدمت میں رہا۔ مگر کبھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا۔ اور وہ کس واسطے کیا۔ ایک اعرابی نے ایک دفعہ حضور انورؐ کی چادر مبارک اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک میں نشان پڑ گیا لیکن آپ مسکرا کر خاموش ہو گئے اور اس کا سوال پورا کر دیا۔ مدینہ طیبہ کی ضعیف عورتیں اپنے کاموں کے واسطے حضورؐ کو بارہا تکلیف دیتیں۔ جنگ احد میں باوجود زخمی ہونے کے بھی کسی دشمن کے واسطے بددعا نہیں فرمائی۔ ازواج مطہرات پر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ ایک یہودیہ نے آپ کو گوشت میں زہر کھلا کر اقرار بھی کر لیا لیکن آپ نے معاف فرما دیا۔ بغایت اخلاق و شرم سے آپ مصافحہ و سلام میں تقدیم فرماتے۔ اور کسی سے آنکھ نہ ملاتے۔ کبھی ایسی بات نہ فرمائی جو مخاطب کو ناگوار گزرے کوئی چیز اگر آپ کو ناپسند ہوتی تو زبان مبارک سے ارشاد نہ فرماتے بڑوں کو بڑا اور چھوٹوں کو چھوٹا سمجھتے۔ دوستوں کے ساتھ محبت اور عزیزوں سے الفت کرتے۔ انعام و اکرام کے بہت حریص تھے۔ حضور انورؐ جوامع الکلام تھے۔

غرض جو تھے ایسے تھے کہ ہم غلامانِ محمدؐ کو ہمیشہ انکے امتی ہونے پر فخر کرنا اور خدائے پاک کا شکر بجالانا چاہیے اور ایک بزرگ کا یہ قول یاد رکھنا چاہیے ؎

محمدؐ شاہد دین جان و ایماں		محمدؐ رحمت حق لطف یزداں
بہار ہشت جنت رنگ و بویش		بہشت نہ فلک خاکی ز کویش
ابد از ہستی او آفریدہ		عدم را سایہ او نور دیدہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمد شفیع الدین خاں مرادآبادی

مئی

سچوں پر ستم

ہندوستان کے کروڑوں مسلمانو! جس دین کے دم سے مسلمان کہلاتے ہو جس دین کی بدولت تاج وتخت کے مالک بنے تھے جس دین نے تم کو اونچا۔ عزت والا۔ حق گو۔ حق جو تو پت بنا دیا۔ خبر بھی ہے اس دین کے ہادیؐ اور اُسکے یار و اصحابؓ پر شروع میں کیسے کیسے ستم ٹوٹے ہیں۔ آج تم ذرا سی کڑوی کسیلی بات کی سہار نہیں کرسکتے۔ معمولی سے خطرہ سے ڈر جاتے ہو اور سچائی سے زبان بند کر لیتے ہو!

آج تم پلاؤ قورمہ کی رکابیوں کے سامنے اکڑ کر بیٹھتے ہو۔ آج تم شال دوشالے اوڑھکر سوتے ہو۔ ہاتھی گھوڑے۔ موٹر فٹن پر سوار ہوتے ہو۔ کل تمہارے آقا نے کیسے کیسے ظلم وستم سچائی کے لئے سہے۔ اور کیسی بے کسی و بیچارگی۔ بھوک و پیاس میں تمہارے دین و دنیا کی بنیاد ڈالی۔ لو سُنو! میں تم کو اسکی کیفیت سناتا ہوں۔ اسکو پڑھو۔ اور حق و صداقت کی باتوں میں صبر کرنا اور ثابت قدم رہنا سیکھو۔

پونے تین نمازی

کعبہ کی دیوار تلے

غارِ حرا میں جبرئیلؑ کو آئے ہوئے چند ہفتے ہوئے تھے۔ آخری زمانہ کے سب سے بڑے پیغمبرؐ کو رسالت ملے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ دنیا میں صرف چار مسلمان اُسوقت تھے ایک تو خود وہی ذات تھی جس کا کلمہ پڑھتے ہو۔ ایک اُن کی زوجہ حضرت خدیجہؓ تھیں۔ ایک صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضؓ تھے۔ ایک خورد سال عقل کمال حضرت علی رضؓ تھے۔

عفیف الکندی ایک سوداگر کا بیان ہے کہ میں ان دنوں مکہ میں آیا اور حضرت عباسؓ سے ملا۔ کعبہ کے سامنے ہم بیٹھے باتیں کر رہے کہ اتنے میں ایک شخص نکلکر آیا۔ اور کعبہ کے سامنے

ایک خاص قسم کی عبادت کرنے لگا۔ جو میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ مجھے بہت تعجب ہوا۔ پھر ایک عورت آئیں۔ اور اُنھوں نے بھی اسی قسم کی عبادت شروع کر دی۔ پھر ایک لڑکا آیا اور وہ بھی عبادت کرنے لگا۔

میں نے عباس رضؓ سے پوچھا۔ بھائی یہ کون لوگ ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ مکہ میں تو آجتک میں نے ایسی باتیں دیکھی نہیں۔

حضرت عباس رضؓ بولے یہ میرا بھتیجہ محمدؐ ہے۔ کہتا ہے کہ مجھے خدا نے رسول بناکر بھیجا ہے۔ قیصر روم اور کسریٰ ایران کے خزانے مجھے ملیں گے۔ اب تک فقط اسکی بی بی خدیجہ رضؓ اور یہ لڑکا علیؓ جو میرے دوسرے بھائی کا بچہ ہے اسپر ایمان لاتے ہیں یہ انکی نماز ہے جو تم نے دیکھی۔

عفیف کندی کہتے ہیں۔ میرے دل پر اس نماز کا بڑا اثر ہوا۔ اور میں نے کہا۔ کاش میں بھی اسی دین میں شامل ہو جاتا۔

خیال کرنا۔ اپنے دین اسلام کے اُٹھان کے وقت کو سامنے لانا۔ کہ کعبہ کے سامنے صرف یہ تین آدمی "ایک اللہ" کو سجدہ کرتے تھے اور روے زمین پر کوئی "ایک اللہ" کہنے والا نہ تھا۔ یہ سچوں کی ابتدا تھی۔

پہلا ستمگر

اس سچے پر پہلا ستم ڈھانے والا خود انکا سگا چچا ابولہب تھا۔ ہمیشہ آپ کی ہجو کرتا طرح طرح سے ستاتا۔ اور دروازے پر غلاظت ڈال دیتا۔ اسکا گھر آنحضرتؐ کے گھر کے برابر تھا حضرت فرماتے کیا پڑوسی کا یہی حق ہے تم ہاشمی و عربی شرافت کو بھی بھول گئے۔ مگر یہ ذی باز نہ آتا تھا۔

ایک دن گندگی پھینک رہا تھا کہ آنحضرتؐ پر ڈالے۔ رستے میں انکے بھائی حضرت حمزہ رضؓ مل گئے۔ انھوں نے اسکے [illegible] معلوم کر کے وہ غلاظت ہمیں لی اور خود اسی کے سر پر ڈال دی

شریر بہت کھسیانا ہوا اور کہنے لگا کہ بھائی تم بھی (نعوذباللہ) اس احمق کے حمایتی ہو گئے ۔
ایک دفعہ آنحضرت ؐ نے اپنے کنبے والوں کی دعوت کی اور چاہا کہ اس فرصت میں انکو ہدایت کریں۔ ابولہب بھی ان میں آیا تھا۔ جونہی آنحضرت ؐ نے تقریر کا ارادہ کیا کہ اس بدبخت نے لوگوں کو بھڑکا دیا اور کہا چلو اس کی بے سروپا بات نہ سنو۔ آنحضرت ؐ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اور سب لوگ اٹھکر چل دیئے ۔

غرض ابولہب رات دن حضرت ؐ کے آزار دینے میں آمادہ رہتا تھا آخر خدا نے اسکو نہایت چیچک میں مبتلا کرکے مار ڈالا اور اس ستمگر کا جنگ بدر کے بعد خاتمہ ہو گیا ۔

دوسرا استہزاک

اسود بن یغوث کا بیٹا تھا۔ آنحضرت ؐ کا یہ ماموں زاد بھائی تھا۔ پر بڑا ہی قصائی تھا۔ آنحضرت ؐ اور آپکے غریب اصحاب ؓ کو رستہ میں دیکھتا تو آوازہ کشی کرتا ۔

"دیکھنا بھئی دنیا کے بادشاہ جارہے ہیں۔ اب کوئی دن میں روم و ایران کے مالک ہوجائینگے۔ کہو محمد! آج بھی آسمان سے کوئی آواز آئی؟ اور خدا سے کچھ بات چیت ہوئی؟ ۔"

اسود کالے سانپ کی طرح ہر وقت پھنکارے مارتا رہتا تھا۔ اور آنحضرت ؐ کے اذیت دینے میں کوئی کسر نہ رکھتا تھا۔ مگر حضرت ؐ چپ تھے۔ صبر کرتے تھے۔ اور اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ جی کو بُرا لگتا تھا۔ لیکن کیا کرتے۔ خون کے سے گھونٹ پی کر خاموش ہوجاتے تھے۔

آخر خدا کی غیرت جوش میں آئی۔ اور اس کالے ناگ پر قہر خدا نازل ہوا۔ کہیں سفر میں گیا تھا۔ وہاں لو لگ گئی۔ اور چہرہ جھلس کر بالکل سیاہ ہو گیا۔ اور سچ مچ کا اسود بن گیا۔ گھر میں آیا تو گھر والوں نے اسکو پہچانا تک نہیں۔ اور کواڑ بند کرلیئے۔ کہا یہ اسود نہیں۔ کوئی بلا آگئی ہے۔ ہرچند اس نے غل مچایا اور آہ و زاری کی۔ مگر کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ مجبور ہوکر جنگل میں نکل گیا۔ اور پہاڑوں میں سر ٹکراتا پھرنے لگا۔ وہیں اسکو خارش کی بیماری ہوئی اور ایسے

بدن میں پیپ پڑ گئی۔ اسی مرض میں بحالت بیکسی فی النار ہوا ÷

تیسرا جفا شعار

قیس کا بیٹا حارث تھا۔ بڑا بد زبان اور از حد شریر تھا۔ پھبتیاں اڑانے میں اسکو بڑی مہارت تھی۔ اور اپنی ساری لیاقت یہ آنحضرتؐ کے خلاف خرچ کرتا تھا۔ بازاروں میں۔ رستوں میں کھڑا ہوتا اور مٹک مٹک کر آنحضرتؐ اور آپکے اصحابؓ کے مذاق اڑاتا۔ اور کہتا کہ محمدؐ اپنے اصحاب سے کہتے ہیں کہ مرنیکے بعد پھر زندہ ہونگے۔ کسقدر بے وقوفی کی بات ہے۔ مگر بھی کوئی زندہ ہوا کرتا ہے۔ جو کچھ ہے بس یہی زندگی ہے مرگئے۔ قصہ ختم ہوگیا۔ زمانہ میں یہی ہوتا آیا ہے۔ پیدا ہوتے ہیں مرجاتے ہیں۔ کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا ÷

جب اس جفا پیشہ پاجی کی حرکتیں حد سے بڑھیں تو خدا کا عذاب اسپر بھی آیا کہیں کوئی زہریلی مچھلی کھالی تھی۔ بہانہ تو اسکا ہوا۔ مگر خدا نے تڑپا تڑپا کر مار ڈالا مچھلی کا یہ اثر ہوا کہ گھڑی گھڑی پانی پیتا تھا۔ لیکن پیاس نہ بجھتی تھی۔ پیاس پیاس پکارتے پکارتے دم آخر ہوا۔ اور سیدھا دوزخ میں پہنچگیا ÷

چوتھا بیدسو

مغیرہ کا بیٹا ولید تھا۔ قریش میں اسکی بڑی عزت تھی۔ سارے قبیلہ قریش کے مقابلہ میں اس اکیلے کا یکتا درجہ مانا جاتا تھا۔ یعنی جب کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تو سب ملکر یہ فخر حاصل کرتے تھے مگر ولید کو یہ حق تھا کہ وہ اکیلا غلاف چڑھائے۔ کیونکہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ اکیلا مرتبہ میں سبکے برابر ہے ÷

اس نے بھی بڑی بے دردی اور اپنی دانست میں بڑی عقلمندی سے آپکے ستانے پر کمر باندھی تھی۔ ایک دن اس نے سب کو جمع کرکے کہا۔ تم لوگ باہر کے مسافروں سے جو محمدؐ کا حال پوچھتے ہیں کہہ یا کرتے ہو۔ وہ مجنون ہے۔ شاعر ہے۔ کاہن ہے۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ یوں کہا کرو۔ وہ جادوگر ہے۔ تاکہ لوگ ڈر جائیں۔ اور پھر کسی کو اسکے پاس ہی جانے کی

ن نہ ہو +

اس خبیث نے اپنی ساری فضیلت بزرگی اور عقل بجس خدا پرست کے ستانے میں
بہ کردی تھی۔ لیکن خدا کی مار اس پر بھی آئی۔ قبیلہ خزاعہ کے ایک تیر ساز کے پاس ایک دن
تھا۔ تاکہ اپنے تیروں میں پر لگوائے۔ وہاں بدقسمتی سے اسکا پاؤں تیروں پر پڑ گیا جو
کے تلوے میں چبھ گئے۔ اور زخم ایسا گہرا ہوا کہ اُسی کے صدمے سے یہ عاقل بزرگ
م رسید ہوا +

پانچواں خوش نصیب پاجی

ن کا بیٹا اُبی تھا۔ یہ دغا باز اپنے شریر بھائی امیہ ابن خلف سے بھی شرارتوں اور
ضرتؐ کی ایذارسانیوں میں سبقت لیگیا تھا۔ طرح طرح سے ستاتا۔ سامنے آآکر مذاق کرتا
آپ کو جھٹلاتا تھا۔ ایک دن ہاتھ میں ہڈی لیے ہوئے آیا۔ اور بولا۔ کیوں محمدؐ! تمہارا
اس بوسیدہ ہڈی میں بھی جان ڈال سکتا ہے؟ آیت نازل ہوئی:-

(ترجمہ) "وہ کہتا ہے کہ اس بوسیدہ ہڈی میں کون جان ڈال سکتا ہے اے
محمدؐ! کہدو جس نے اس ہڈی کو پیدا کیا تھا۔ وہی اس میں دوبارہ جان بھی
ڈال سکتا ہے"+

بلائے۔ اُبی بن خلف جیسا پاجی کیا خوش نصیب تھا کہ باوجود ان لگاتار شرارتوں اور
م کاریوں کے کیسی اچھی موت مرا +
میں تو اسکو اچھی موت کہونگا۔ موت کے بعد ظاہر ہے کہ وہ ابدی جہنم میں گیا ہوگا
بر ناکیا مزیدار ہوا +
میں کیونکر اس رقیب روسیاہ کی موت کا حال لکھوں میرے سامنے تو یہ شعر ہے

نبود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کہدیتا ہوں۔ احد کی لڑائی میں یہ کافر آنحضرتؐ پر حملہ آور ہوا۔ اور آپ نے۔ ہاں آپ نے خود

اپنے بیگنے۔ چمکدار ابرو۔ اُسے پیچھے سے اُس کے سینہ کو چیر کر مار ڈالا +

کیا وقت ہوگا۔ سرکارؐ نے نیزہ تانا ہوگا۔ فرشتے الامان پکارتے ہونگے۔ دوست دشمن کھڑے کے کھڑے رہ گئے ہونگے۔ کہ الٰہی خیر۔ خود ذاتِ اقدسؐ نے حربہ اٹھایا ہے نیزہ جھومتا ہوگا کہ میں کسکے ہاتھ میں ہوں۔ کافر کا سینہ اور دل وجد میں آتے ہونگے کہ ہم کیسے پیارے ہاتھوں سے زخمی ہونے والے ہیں! +

ہائے اُبیؔ نے کن قدموں کے سامنے دم توڑا ہوگا۔ وہ کسکے آگے خون میں لوٹ لوٹکر مرا ہوگا۔ اور مرتے وقت کسکو دیکھکر اُسنے آنکھہ بند کی ہوگی! +

بس بس اُبیؔ پاپی تھا۔ دغا پیشہ تھا۔ موذی تھا۔ مشرک تھا۔ دوزخی تھا۔ مگر کم بخت بڑا ہی نصیبہ والا اور تقدیر کا سکندر تھا۔ جو ایسی مزےدار موت مرا +

چھٹا فسادی

عاص تھا۔ نام میں بھی عاصی گنہگار اور کام بھی نافرمان ناہنجاروں کے۔ مشہور بزرگ عمرو بن العاص فاتح مصر کا باپ تھا۔ اِسکی بدزبانی اور فتنہ پردازی ابولہب کے لگ بھگ تھی۔ اسی کے واسطے تبّت نازل ہوئی۔ اور اسی کے لیے انا اعطینٰک اُتری +

جب آپکے فرزند حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو اس عاصی نے کہا تھا کہ میاں کیوں گھبراتے ہو۔ چند دن کی بہار ہے۔ محمدؐ کے بیٹا تو کوئی جیتا نہیں۔ جو کچھ ہی بس انکے دم تک ہی۔ بعد میں نہ کوئی نام لیوا ہوگا نہ پانی دیوا +

آنحضرتؐ کو عاص کے اِس مستوراتی تشنعہ سے بڑا ملال ہوا۔ اِسپر سورۂ کوثر نازل ہوئی۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ تمکو تو ہمنے کوثر دیا ہے یعنی حوض کوثر۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کثرت اُمت۔ تمہارا نام واقتدار تو قیامت تک قائم رہیگا۔ بے نام ونشان تو تمہارا دشمن ہو جائے گا +

ایک روایت میں ہے کہ یہ طعنہ دینے والا عاص نہ تھا بلکہ کوئی اور کافر تھا جس کا

نام ہی لوگوں کو معلوم نہیں۔ بہرحال عاص نے اگر یہ طعنہ نہ دیا ہو تب بھی وہ بڑا ہی اکفر موذی تھا۔ اور آنحضرتؐ کو اسکے ہاتھوں ہر وقت کی اذیت تھی +

اسکو بھی انجام کار عذاب الٰہی نے پکڑا۔ اور پاؤں میں کسی زہریلے جانور نے کاٹ کھایا۔ جسکے سبب اسکی ٹانگ اونٹ کی گردن کی طرح موٹی ہو گئی اور ہجرت کے دوسرے مہینے یہ مفسد بھی دنیا سے غارت ہوا +

ساتواں شیطان

نضر بن حارث تھا۔ یہ آنحضرتؐ کے خاندان میں تھا۔ اور توریت و انجیل اور آتش پرستوں کے مذہب سے واقفیت رکھتا تھا۔ اس بدبخت کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں۔ کہا کرتا تھا کہ وہ پیغمبر آئے تو سب سے زیادہ میں اس سے فیض اٹھاؤں گا۔ جب اپنے ہی گھرانے میں آنحضرتؐ کا ظہور ہوا تو حسد کے مارے جل گیا۔ اور مخالفت کرنے لگا۔ اسکی نسبت قرآن شریف میں بہت سی آیتیں آئی ہیں۔ کیونکہ علمیت شیطان کی سی رکھتا تھا۔ اور عالمانہ غرور سے آنحضرتؐ کو ایذا دیا کرتا تھا۔ اور اسکی شب روز کی شرارتوں سے مسلمان اور آنحضرتؐ از حد دق ہو گئے تھے +

یہ بھی نہ بچا۔ اور گرفت قہاری میں آیا۔ بدر کی لڑائی میں حضرت مقدادؓ نے گرفتار کر لیا۔ اور پھر بحکم سرور دو عالم حضرت علیؓ نے تلوار کے ایک ہی تھپڑ سے دو ٹکڑے کر کے دوزخ میں بھیج دیا +

آٹھویں دو بچھو

حجاج سہمی کے بیٹے تھے۔ ایک کا نام منبّہ تھا دوسرے کا نبیہ۔ یہ دونوں بھی ہر وقت ڈنک مارتے رہتے تھے۔ آنحضرتؐ کو دیکھتے تو قہقہہ مار کر کہتے کہ بھئی واہ خدا کو عقل کے بھی پتھر پڑ گئے ہیں۔ کس کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کوئی بات بھی ان میں پیغمبروں کی سی ہے؟ یہ آنحضرتؐ سے مخاطب ہو کر کہتے +

ارے میاں تم کیوں پیغمبر بن گئے۔ عمر تمہاری بڑی نہیں۔ روپیہ پیسہ تمہارے پاس نہیں۔ اور کسی قسم کی قوت اور طاقت نہیں۔ عرب میں کیا لائق آدمیوں کی کمی تھی؟ جو تم جیسے نبی بن بیٹھے +

ان دونوں کو بھی حضرت علیؓ نے بدر کی جنگ میں کچل کر رکھ دیا۔ اور دونوں منہ پیٹتے ہوئے جہنم کو سدھارے۔ لکھا ہے مشہور تلوار ذوالفقار انہیں دونوں میں سے ایک کی تھی +

نواں غول بیابانی

عقبہ امیہ کا پوتا یعنی یزید کا بزرگ تھا۔ یہ بھی ابولہب کی طرح ہاتھ سے زبان سے اور جس طرح بن پڑتا صحابہ اور آنحضرتؐ کو ستایا کرتا تھا۔ ایک دن نجاست کا ٹوکرا آنحضرتؐ پر ڈالنے کو لیجاتا تھا کہ ایک صحابی مل گئے۔ اور انہوں نے ٹوکرا پھینک کر اسکے دونوں کان پکڑ لیے اور انکو خوب کھینچا۔ سکان کھنچوا کر بڑبڑاتا ہوا ان صحابی کی ماں کے پاس گیا۔ اور کہا دیکھو بی تمہارے بیٹے نے میرے کان مروڑ دیئے۔ ان بی بی نے جواب دیا۔ اچھا کیا تیرے کان کھینچے تو ہمارے آقا سے گستاخیاں کرتا ہے ہم ان کا بدلہ نہ لیں تو کون لے کہ انکے غلام ہیں +

بدر کی لڑائی میں پکڑا گیا تو آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اس خبیث کو ہلاک کر دو۔ موت کے نام سے عقبہ کانپ گیا۔ اور عاجزی سے کہنے لگا۔ محمدؐ! میرے بال بچوں کا کون خبرگیراں ہوگا۔ مجھے نہ مار۔ آپؐ نے فرمایا دوزخ کی آگ تیرے بچوں کی خبرگیری کریگی۔ عاصم بن ثابت انصاری نے اسکو تہ تیغ کیا۔ اور اسکی لاش سولی پر لٹکائی گئی۔ اور اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب ایک دشمن کی لاش سولی پر لٹکائی گئی +

دسواں بھوت

اسود بن المطلب آنحضرتؐ کا چچا تھا۔ صحابہ اور آنحضرتؐ کو دیکھتا تو بولیاں مارتا۔ اور کہتا۔ او بھئیا ذرا دیکھنا۔ روئے زمین کے بادشاہ سلامت جاتے ہیں۔ اور پھر سیٹیاں بجاتا۔ اور تالیاں بجاتا

ہوا پیچھے دوڑتا ۔

بدر کی لڑائی میں حضرت ابو دجانہ کے ہاتھ سے فی النار ہوا۔ اور اسکے سب کنبہ والونکو حضرت علیؓ نے اسی لڑائی میں کاٹ کر ڈھیر کر دیا ۔

گیارہواں سنگدل

رکانہ ہاشم بن عبدالمطلب کا پوتا تھا۔ یہ بھی ابو لہب ثانی تھا۔ کوئی بات شرارت سے خالی نہ تھی۔ ایک دن آنحضرت کو رستہ میں ملا تو بولا۔ "یوں تو تم سچے ہو۔ جھوٹ نہیں بولتے میں تمہیں مانتا ہوں۔ مگر رسول اور پیغمبر جب جانوں کہ مجھ سے کشتی لڑو۔ اگر تم نے مجھے پچھاڑ لیا تو تم نبی ورنہ جھوٹے"۔ رکانہ بڑا دیوزاد اور ریل پیل تھا۔ آنحضرتؐ کے تن نازنین کی اسکے سامنے کچھ بساط نہ تھی۔ مگر آنحضرت کشتی لڑنے کو تیار ہو گئے۔ اور کشتی ہونے لگی۔ خلقت جمع ہو گئی حضرتؐ نے رکانہ کو زمین سے اٹھا کر چاروں شانے چت دے مارا۔ رکانہ کھڑا ہو کر پھر لپٹا آپ نے پھر دے پٹکا تیسری مرتبہ اُس نے پھر ہمت مُشت کی۔ اُسکے بھی آپ نے اٹھا کر پٹخنی دیدی بہت کھسیانا ہوا اور لوگوں نے قہقہے لگانے شروع کیے ۔

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ لو اب وعدہ یاد کرو۔ اور جلدی کلمہ پڑھو۔ بات ٹالنے کو بولا۔ اچھا اگر اس درخت کو پاس بلا لو تو کلمہ پڑھ لوں۔ آپنے درخت کو اشارہ کیا۔ درخت زمین چیرتا ہوا سامنے آ گیا۔ رکانہ بہت حیران ہوا اور کہا اسکو الٹا بھیجو۔ آپنے اشارہ کیا۔ درخت پھر چلا گیا۔ اب تو ہر طرح عاجز ہو کر بولا۔ بھئی کچھ شک نہیں کہ تم نے جادو اچھا سیکھا ہی ۔

بارہواں مشہور جگادھری

اوپر کا فر۔ نیچے کا فر۔ دائیں کا فر۔ بائیں کا فر۔ ازل کا فر۔ ابد کا فر۔ امیر الکافرین رئیس المشرکین ابوجہل۔ آنحضرت اور اسلام کا سب سے بڑا دشمن ۔

اسکی ستمکاریوں کے افسانے مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہی۔ لکھنے کی ضرورت نہیں بدر کی لڑائی میں نہایت ذلت کے ساتھ ایک غریب لڑکے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ میں نے صرف بارہ کے

نام لکھے ہیں۔ اِنکے علاوہ اور بیشمار بڑے بڑے موذی تھے مضمون میں سبکے گنانے کی گنجایش نہیں یزید کے دادا جان ابوسفیان اور حکم بن ابی العاص مروان کے پدر بزرگوار ان ستمگاروں میں ابوجہل سے بھی بڑھکر سرغنہ تھے۔ مگر آخر میں مسلمان ہوگئے تھے۔ اسواسطے اِن کی ستمگاریوں کا ذکر فضول ہے۔

یہ تو دشمنوں اور ستمگاروں کی داستان تھی۔ اب خداکاروں اور عاشقانِ روئے احمد اور دینِ احمد کا بیان سُنو کہ اِن سچوں اور سچ پرستوں پر کیسے کیسے ستم ٹوٹے اور وہ کسقدر ثابت قدم رہے۔

پہلا پروانہ

بلال رباح حبشی کے بیٹے۔ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ کالی صورت کو خدا نے نورانا۔ ایمان کا نور دیا تو امیہ بدذات اُنپر ظلم کرنے لگا۔ جنگل میں لے جاتا۔ باندھکر گرم ریت پر ڈال دیتا جلتا ہوا پتھر سینہ پر رکھدیتا۔ اور کہتا۔ اِس عقیدہ سے باز آ۔

وہ کہتے۔ اللہ واحد۔ اللہ واحد ایک احد۔ ایک احد۔ ایک دن اُمیہ ظلم کاری میں مصروف تھا کہ ورقہ بن نوفل اودھر سے گزرے۔ اُنہوں نے جو بلالؓ کو احد ایک احد ایک پکارتے سُنا تو بے اختیار رو گئے۔ اور کہا سچ کہتا ہے۔ خدا ایک ہی ہے۔ پھر اُمیہ کو سمجھایا کہ اِس سفاکی و بے ترسی سے کچھ حاصل نہیں۔ یہ شخص محمدؐ کو کبھی نہ چھوڑے گا۔ اُمیہ نے کہا۔ اگر نہیں چھوڑے گا تو میں اسیطرح اِسکو سزا دے دیکر مار ڈالونگا۔

آخر امیہ نے دستور مقرر کرلیا۔ روزانہ حضرت بلالؓ پر مار پڑتی تھی۔ اور ستم توڑے جاتے تھے۔ مگر یہ شمع توحید کا پروانہ حق سے نہ پھرتا تھا۔ اِسی حال میں ایکدن حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے دیکھ لیا۔ اور اُمیہ کو منع کیا۔ امیہ بولا۔ تو نے ہی تو میرے غلام کو بگاڑا ہے۔ حضرت نے فرمایا تو اسکے عوض میرا غلام لے لے جو اِس سے اچھا ہے اور تیرے دین پر ہے۔ اُمیہ نے قبول کیا۔ اور حضرت صدیقؓ نے بلالؓ کو امیہ سے لیکر آزاد کردیا۔

دوسرے شیدائی

عمار بن یاسرؓ تھے۔ انپر بھی حضرت بلالؓ کے سے ظلم ٹوٹتے تھے۔ ایک دن انکی والدہ سمیہ نے بیٹے کی اذیت سے بیقرار ہوکر ابوجہل کو برا بھلا کہا۔ اس ملعون نے بیچاری کے ایک برچھا مارا جس سے وہ شہید ہوگئیں۔ اور اسلام میں سب سے پہلی شہید یہ سمیہ تھیں۔ گویا اسلام میں سب سے پہلا درجہ شہادت ایک عورت کو ملا۔ عمار یاسر اسوقت مسلمان ہوئے تھے جبکہ مسلمانوں کی تعداد صرف تیس تھی +

اُن کی مظلومی کا خیال کرکے آنحضرتؐ نے اجازت دیدی تھی کہ تم اذیت سے بچنے کے لیئے مجکو برا کہدیا کرو۔ قرآن شریف میں بھی ایک آیت عمار کی نسبت آئی کہ جب انکا دل ایمان پر ثابت ہے تو جبر سے کفر کہنے کا کچھ مواخذہ نہیں ہے +

حضرت عمار کی بڑی عمر ہوئی۔ چورانوے سال کے تھے جب صفین کی لڑائی میں حضرت علیؓ کے شریک ہوکر امیر معاویہؓ سے لڑے اور شہید ہوئے +

تیسرے فدائی

حضرت خبابؓ تھے۔ جسوقت یہ مسلمان ہوئے ہیں مسلمانوں کی گنتی صرف چند تھی۔ خبابؓ سباع نامی درندہ کافر کے غلام تھے۔ انکو برہنہ کردیا جاتا تھا اور گرم ریت پر لٹاکر گرم پتھر سینہ پر رکھا جاتا تھا۔ پہر مار پڑتی تھی۔ اس فدا کار رسولؐ نے سب کچھ سہا۔ مگر دین حق کو ہاتھ سے نہ دیا۔ آخر خدا نے دست ظالم سے رہائی دلوائی۔ اور اسلام کے بڑے بڑے کام انسے لیئے +

چوتھے شیفتہ

حضرت صہیبؓ رومی تھے۔ یہ نسلاً رومی نہ تھے۔ سرخ رنگ ہونیکے سبب لوگ انھیں رومی کہنے لگے تھے۔ انپر کفار نے وہ وہ بیدادیاں کیں جنکے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر اس اللہ کے سچے بندے نے کسی تکلیف کی پرواہ نہ کی اور امر حق پر اڑے رہے۔ مکہ سے ہجرت کرنی چاہی تو کفار نے انکو پکڑ لیا۔ اور جب انھوں نے اپنا سارا مال انکو دیدیا۔ تب ہجرت کرنے دی

مدینہ میں خالی ہاتھ آئے۔ اور دیدار سلطان کونین سے مالا مال ہوئے ×

یہ صہیب رضؓ بڑے مقرب صحابی تھے۔ اسرار خاص حاصل کرنے والی جماعت اصحاب صفہ میں انکا شمار بھی ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے اپنی وفات کے وقت نماز کے لیئے انہیں کو مقرر کیا تھا۔ اسوقت تک کہ کوئی خلیفہ منتخب ہو ×

پانچویں حلقہ بگوش

عامر بن فہیرہ رضؓ تھے۔ شروع کے مسلمانوں میں اُن کا نام بھی ہے۔ اِن غریب پر بھی کفار نے ظلم وستم کے پہاڑ گرائے تھے۔ مگر یہ اپنی ایمانی بات سے نہ پھرے۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے انکو بھی اِنکے آقا طفیل بن عبداللہ سے خرید کر آزاد کردیا۔ بکریاں چرایا کرتے تھے آنحضرتؐ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لیگئے تو یہی عامر خدمت کرتے ہوئے اِس مہاجر اعظم کے ہمرکاب مدینہ تک گئے تھے۔ بدر اور احد کی لڑائیوں میں اسلام کی خاطر خوب تلوار چلائی۔ بیر معونہ کے جہاد میں شہید ہوئے ×

چھٹے جان نثار

ابوالفکیہہ تھے۔ اِن کا نام افلح اور بعض کہتے ہیں یسار تھا۔ صفوان بن خلف کے غلام تھے حضرت بلالؓ کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ امیہ بن خلف کو خبر ہوئی تو اُن کی ٹانگ میں رسی باندھی۔ اور لوگوں سے کہا اسکو گھسیٹ کرلے چلو۔ پھر جلتی زمین پر ڈال دیا۔ اتنے میں ایک کیڑا پاس سے گزرا۔ اُمیہ نے کہا کہ یہ تیرا خدا آیا انہوں نے جواب دیا۔ میرا تیرا اور اس کیڑے کا خدا اللہ ہے۔ اسوقت اُمیہ کا بھائی اُبَی بن خلف بھی موجود تھا۔ اُس نے کہا اس کا گلا گھونٹو۔ اور دیکھو محمدؐ اپنے جادو سے اسے بچانے آتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اُمیہ نے اُنکا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اُنکی آنکھیں نکل پڑیں۔ اور سب نے جانا کہ مر گئے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضؓ آگئے۔ اُنھوں نے اِن نیم مردہ کو صفوان سے خرید لیا۔ گھر لائے تیمارداری کی۔ اور پھر آزاد کردیا۔ یہ بدر کی لڑائی سے پہلے رحلت فرما گئے تھے ×

عورتوں کی جاں نثاریاں

مردوں کی چند مثالیں تو میں نے سنا دیں۔ مضمون میں زیادہ ناموں کی گنجائش نہ تھی ورنہ اور بہت سے مظلوم تھے۔ اب چند جاں نثار عورتوں کے حالات لکھے جاتے ہیں ؛

پہلی فدویہ

لبینہ نام ایک لونڈی تھی۔ مسلمان ہونے سے پہلے حضرت عمرؓ اس پر ستم توڑا کرتے تھے۔ پیٹتے پیٹتے بدحال ہو جاتی تو چھوڑ دیتے اور کہتے میں تجھ سے انتہا بیزار ہوں۔ لبینہ جواب دیتیں اگر تو مسلمان نہ ہوا تو خدا بھی تجھ سے بیزار رہیگا اور مجھ سے زیادہ تجھکو مار پیٹ کرے گا۔ لبینہ کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خرید کر آزاد کر دیا ؛

دوسری سعیدہ

زنیرہ بنی عدی کی لونڈی تھی۔ ان کو ابو جہل نے اتنی تکلیفیں دیں کہ بیچاری اندھی ہو گئی۔ تو ابو جہل بولا۔ لات و عزیٰ نے تجھے اندھا کر دیا۔ زنیرہ نے جواب دیا۔ لات و عزیٰ کو اپنے پوجنے والوں کا حال تو معلوم نہیں۔ مجھے کیا اندھا کرینگے۔ یہ قدرت آسمان کے خدا کی ہے وہ چاہے تو مجھکو پھر بینائی دیدے۔ خدا کی شان دوسرے دن اُنکی آنکھوں میں روشنی ہو گئی اور ابو جہل نے کہا واہ رے محمدؐ کے جادو۔ ان کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خرید کر آزاد کر دیا ؛

تیسری مظلومہ

نہدیہ بنی نہد کی لونڈی تھی۔ ان پر بھی کفار نے ہزاروں ظلم توڑے۔ مگر یہ بہادر حق سے نہ پھری آخر حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزادی دلوائی ؛

چوتھی ستم رسیدہ

ام عبس بنی زہرہ کی لونڈی تھیں۔ ان پر اسود بن عبد یغوث رات دن ستم کرتا۔ اور کہتا دیکھ باز آ اور اس نئے دین سے توبہ کر۔ ورنہ مار مار کر کچلا کر دونگا۔ ام عبس کہتیں۔ تو جو چاہے کر۔ جان

دے دیں گی ایمان نہ دیں گی * یہ بھی حضرت ابو بکر صدیق رضہ کی اعانت سے آزاد ہوئیں *

الغرض ان سچوں اور حق پرستوں نے ایسا کون ساستم تھا جو نہ اٹھایا۔ کونسی جفا تھی جو ان پر نہ کی گئی۔ مگر یہ سب اسلام پر۔ ایمان پر اور قول حق پر برقرار رہے۔ اور ہمارے لیئے مثال چھوڑ گئے کہ ہم بھی خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی رسالت پر ثابت قدم رہیں خواہ کیسی ہی مصیبت کا سامنا ہو *

حسن نظامی

حضورؐ کا درجہ صفِ انبیا میں

اِس کائنات کا دلچسپ منظر اور اِس ہستی کا پُرفضا نظارہ جس میں دیدۂ حقیقت بین کے لیئے سیرِ آفاقی و انفسی کی راہیں کشادہ ہیں۔ اور جس میں ایک بے بصر آنکھ کے واسطے عیش عشرت اور فریفتگی کے سامان پائے جاتے ہیں۔ اِس بات کی پکار کر شہادت دے رہا ہے کہ کائنات کی زینت اور محفلِ ہستی کی آرایش صرف انسان ہی کے واسطے ہے ؎

آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لیئے ہے

کیونکہ صانعِ قدرت کی اعلےٰ گلکاری کا یہ نمونہ اور صفاتِ ایزدی کے جمال کا یہ آئینہ ہے۔ خود دستِ قدرت نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے بنایا۔ اور مخلوقات کی افسری کا تاج اسی کے سر پہ رکھا۔ اور برتری اور تکریم کے خلعتِ فاخرہ سے اسے معزز و ممتاز کیا۔ اور کرّمنا بنی آدم + لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کے خطاب سے عزت بخشی اور اسی میں قوتِ مادی و روحانی ودیعت رکھی ٭

سائنس کے کرشمے۔ کلوں کی ایجادیں۔ اجرامِ فلکی پر تسلط یہ سب قوتِ مادی کے جلوے ہیں۔ قوتِ روحانی قوتِ مادی سے بہت ارفع و اعلےٰ ہے۔ جب کبھی اس قوت کا معجزے یا کرامت کے رنگ میں ظہور ہوا تو بڑے بڑے فلاسفر بڑے بڑے حکماء بڑے بڑے فضلا حیران اور مبہوت رہ گئے۔ اِس روحانی قوت والے ہاتھوں میں عصا اژدہا بن کر ظاہر ہوا اُسکی انگلیوں سے آبِ شیریں کی نہریں جاری ہو گئیں۔ اِس سے سنگریزوں نے بات چیت کی۔ یہ اسی روحانی قوت کے جلوے تھے جس نے سنگدلوں کو رحمدل کر دیا بگڑے ہوؤں کو تاج و تخت بخشا۔ حکیم اور فلاسفر کو مادہ پرستی سے نجات اور ذات و صفات سے آگاہی بخشی۔ اِس روحانی گروہ کا امام تمام پیشوا انبیا و اولیا کا مقتدا وہی ہے جسکو زمین والے محمدؐ اور آسمان والے احمدؐ کے مبارک نام سے پکارتے ہیں

ہاں یہ وہی مبارک وجود ہے۔ جسکی مدح و ثنا کے گیت خداوند قدوس کے مقدس بندے اور اُس روحانی گروہ کے برگزیدہ فرد حضرت داؤد علیہ السلام نے زبور باب ۴۵ میں ان مبارک الفاظ میں گائے :۔

"تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے تیرے ہونٹوں میں لطف بٹا یا گیا ہے۔ اسی لیئے خدا نے تجھ کو ابد تک مبارک کیا"۔

"تیرے تیر تیز ہیں۔ لوگ تیرے نیچے گرے پڑتے ہیں۔ وے بادشاہ کے دشمنوں کے دلوں میں لگ جاتے ہیں"۔

"تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے"۔

"تیرے لباس[۱] سے مُر اور عود کی خوشبو آتی ہے"۔

"بادشاہوں[۲] کی بیٹیاں تیری عزت والیوں میں ہیں"۔

"میں ساری پشتوں[۳] کو تیرا نام یاد دلاؤنگا۔ پس سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے"۔

حضرت سلیمان[۴] اس برگزیدہ ہستی کی مدح سرائی غزل الغزلات باب ۵ امیں اس طرح کرتے ہیں :۔

"میرا محبوب گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے"۔

"اُس کا سر ہیرے کا سا چمکدار ہے۔ اور اُس کی زلفیں مسلسل مثل کوے کے کالی ہیں۔ اسکا چہرہ مثل[۵] مہتاب کے۔ جوان مانند صنوبر کے اُسکا گلا نہایت شیریں اور وہ محمد یعنی تعریف کیا گیا ہے۔ یہ ہے میرا دوست و محبوب"۔

---

[۱] نسائی شریف میں ہے۔ جب نبی الطیب یعنی حضرت سرور عالم فرماتے ہیں کہ مجھے خوشبو بہت بھاتی ہے ۱۲ [۲] حضور انور صلعم کی ازواج مطہرات جیسے بادشاہ ... سرداران عرب کی بیٹیاں بھی تھیں ۱۲ [۳] قرآن شریف میں ہے ورفعنا لك ذکرك۔ ہم (خدا) نے تیرے نام کو بلند اور مشہور کیا ۱۲ [۴] یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ مومنو تم حضرت سرور عالم پر درود اور سلام بھیجا کرو ۱۲

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدائے قدوس برتر نے اس طرح اپنے محبوب سرکار محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی شان میں فرمایا :-

"میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی[۵۱] برپا کرونگا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا"۔

حضرت مسیح علیہ السلام اس روحانی گروہ کے امام اور آدم توحید کی شانِ پاک میں انجیل یوحنا باب ۱۶ میں فرماتے ہیں :-

"لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھلائے گا۔ اسلیے کہ وہ اپنی نہ کہیگا لیکن[۵۲] جو کچھ سنیگا وہی کہیگا۔ اور تمہیں[۵۳] آیندہ کی خبر دے گا"۔

"اسکے بعد میں تم سے بہت کلام نہ کرونگا اسلیے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں"۔

قرب مخصوص انکشاف مراتب توحید اور مدارج یقین آپ کو بدرجۂ اتم و اکمل حاصل ہیں کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں۔

وسعت علم و قدرت کثرت معجزات و جماعت میں انبیاء و رسل سے حضور نہ صرف افضل بلکہ افضل ترین ہیں۔

سب سے پہلے حضور ہی کے نور کو پیدا کیا گیا۔ پھر اس نور سے فرشتے۔ انبیاء وغیرہ پیدا ہوئے میثاق کے دن الست بربکم کے جواب میں سب سے اول بلیٰ حضور ہی نے کہا۔ قیامت کے دن سب سے اول قبر مبارک سے حضور ہی اٹھیں گے۔ اور سب سے اول خاص خلعت حضور ہی کو عطا ہوگا۔ پلصراط پر سب سے پہلے حضور ہی گزرینگے۔ بہشت میں سب سے اول حضور ہی داخل ہوں گے۔

---

۵۱ قرآن پاک میں ہے انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ ۵۲ دیکھو وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ ۵۳ یہ اشارہ ہے علم غیب کی طرف جیساکہ ترمذی شریف کی ایک حدیث ... فی السمٰوٰت والارض مجھ پر اس چیز کا جو آسمانوں اور زمین میں ہے علم ہو گیا ایسا ہی اور احادیث سے ...

حضورؐ کے بدن مبارک پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔ حضورؐ آگے پیچھے برابر دیکھتے تھے۔ حضورؐ کا سایہ نہ تھا۔ دھوپ میں حضورؐ کے سر مبارک پر بادل سایہ کیا کرتے تھے۔ حضورؐ آسمان کے دروازہ کی آہٹ تک سن لیا کرتے تھے۔ مقام محمود خاص حضورؐ ہی کو عطا ہوگا۔ سب سے اول حضورؐ ہی کو اذن شفاعت ہوگا۔ حضورؐ اندھیرے اور اُجالے میں یکساں دیکھتے تھے (اقتباس از کتب احادیث)

خداوندکریم قرآن پاک میں ہمارے حضور انورؐ کی شان میں فرماتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بناکر بھیجا۔

جب حضور عالم کے لیے رحمت ہوئے تو ضرور ہے کہ عالم اور اہل عالم سے افضل ہوں مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی حضور انورؐ کی اطاعت کو خداوندکریم نے اپنی اطاعت فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ "جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی انہوں نے خدا سے بیعت کی۔ خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر ہے"۔

حضورؐ سے بیعت ہونے کو خداوند عالم نے اپنی بیعت اور حضور کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا۔

مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى "آپ نے (کنکریوں کو) نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا"۔ حضورؐ کے فعل کو خدائے قدوس نے اپنا فعل قرار دیا۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ "عزت خدا اور رسول ہی کے لیے ہے"۔ معزز ہونے میں خداوند عالم نے حضور انورؐ کو اپنے ساتھ شامل کیا۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ۔ "اللہ اور رسول ہی لائق ہیں کہ انکی رضا طلب کی جائے"۔ رضاجوئی میں خداوندکریم نے حضورؐ کو اپنے ساتھ رکھا۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ "اگر تم خدا سے محبت پیدا کرنی چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو۔ خدا تم کو محبوب سمجھیگا"۔ مرتبہ محبوبیت کے لیے حضورؐ کی اطاعت کو مشروط و مخصوص فرمایا۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۔ "(حضورؐ) اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ آپ کا (ہر ایک کلام وحی ہی سے ہوتا ہے"۔ حضور انورؐ کے کلام کو خداوند عالم نے وحی فرمایا۔

کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ۔ "آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل و کرم ہے"۔ حضور انور پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل عظیم فرما کر آپ کے عظیم الشان رتبہ کی تشریح کی جب خداوند عالم کا بڑا فضل ہو اُسکی شان اور مرتبہ کو کوئی کیا بیان کر سکتا ہے۔

عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ۔ "حضور انورؐ کو جبرئیلؑ جیسے قوی علمی تیز نے علم سکھایا"۔

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ۔ "خداوند کریم نے آپ کو ان اشیاء اور اسرار کا علم سکھایا جن سے آپ پہلے ناواقف تھے"۔

یہ علم باطن کی طرف اشارہ ہے کہ خود ذات الٰہی نے حضور انورؐ کو بلا توسط ملائک اسرار باطن اور رموز حقیقت سے آگاہی بخشی ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

یہی مطلب ہے اِس حدیث کا لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ "یعنی مجھے بعض وقت ایسی خلوت ذات باری سے حاصل ہوتی ہے کہ ہمارے درمیان نہ فرشتے سما سکتے ہیں اور نہ نبی اور رسول"۔

اللہ اللہ۔ کیا رتبہ ہے کیا شان ہے۔ کیا مبارک وقت کیا نیک ساعت ہے۔ حضرت سرورِ عالمؐ ہیں اور ذات باری۔ راز ہے نہ نیاز۔ حال ہے نہ قال۔ ہجر ہے نہ وصال۔ من ہے نہ تو آرزو ہے نہ جستجو ؎

وہی ساجد وہی مسجود تھا اللہ اللہ وہی عابد وہی معبود تھا اللہ اللہ

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ ۔ "ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا"۔ آپ کی نبوت عام ہے کسی قوم کسی گروہ کسی ملک کے ساتھ خاص نہیں (اس وسعت دعوت کا

مقابلہ دعوت مسیحؑ سے کیجئے جیساکہ انجیل متی باب ۱۵ درس ۲۱ تا ۲۸ میں ہے:-

"دیکھو ایک کنعانی عورت وہاں کی سرزمین سے نکل کے اُسے پکارتی ہوئی چلی کہ اے خداوند داؤد کے بیٹے مجھپر رحم کر کہ میری بیٹی ایک دیو کے غلبے سے بیحال ہے۔ اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ تب اُسکے شاگردوں نے پاس آکر اسکی منت کی کہ اُسے رخصت کر کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلی آتی ہے۔ اُس نے جواب میں کہا کہ میں بنی اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا۔ اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ پھر وہ آئی اور اُسے سجدہ کر کے کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اُس نے جواب دیا مناسب نہیں کہ لڑکوں (بنی اسرائیل) کی روٹی لیکر کتوں کو پھینکدیا"

غور کا مقام ہے۔ حضرت مسیح صرف بنی اسرائیل کے لیئے مبعوث ہوئے اور ہمارے حضور پاکؐ سارے جہان کے لیئے۔

حضرت مسیحؑ کے اخلاق کا یہ عالم کہ اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل کو تو لڑکے کہیں دیگر اقوام کو کُتّے کہتے ہیں اور ہمارے حضورؐ کے حسن اخلاق کا یہ عالم تھا کہ خود ذات باری عزّ اسمہٗ نے فرمایا۔ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔

پھر حضورؐ کا یہ ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ حضرت انسؓ دس سال تک حضورؐ کی خدمت میں رہے مگر حضور انورؐ اس مدت دراز میں اُن پر خفا تک نہ ہوئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ بعد فتح مکہ اپنے بوڑھے اور ناتوان باپ کو اسلام کے لیئے لیکر حضورؐ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ فرمایا اسکو ناتوانی میں کیوں تکلیف دی۔ میں تمہارے گھر میں ہی اسلام کی تلقین کر دیتا۔ یہ حال تھا آپ کے حسن اخلاق کا کہ کفار و دشمن تک مداح تھے۔

خداوند کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ "میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں"۔

اور ادھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے لیئے بصیغہ جمع ارشاد ہوتا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ" یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہی ان لوگوں سے جنھوں نے بعد ایمان عمل صالح کیے ہیں کہ ضرور انکو زمین میں خلیفہ بنائے گا +

خداوند عالم نے حضرت ادریسؑ کے لیے فرمایا۔ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ "ہم نے اُسے بلند مکان میں بٹھایا +

اور یہاں عام مومنین کے حق میں ارشاد ہوتا ہی يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ " یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے بلند کرتاہے +

حضرت ابراہیم علیہ السلام خداوند قدوس کی درگاہ میں عاجزانہ دعا مانگتے ہیں:۔

لَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ۔ "پروردگارا مجھے میدان محشر میں رُسوا نہ کرنا" +

ادہر ہمارے حضور انورؐ کو اور حضور انورؐ کے صدقے میں گنہگار اُمت کو بطور وعدہ ارشاد ہوتا ہے۔ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور مومنوں کو رسوا نہ کرے گا +

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ کیا شان ہی آپ کی کہ حضور کی ناچیز امت کی بھی رسوائی اُس میدان میں جہاں انبیاء علیہم السلام تک نفسی نفسی پکارینگے خداوند عالم نے گوارا نہ فرمائی۔ کیوں نہو۔ جب آپ خود فرماتے ہیں۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرآئیل "یعنی میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہونگے ؎

ہم ہوئے خیر امم تجھ سے ہی اے خیر رسل تیرے بڑہنے سے قدم آگے بڑہایا ہم نے

حضرت ابراہیم اپنی خواہش ظاہر کرتے ہیں وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ "خداوندا میرا ذکر خیر آئندہ نسلوں میں جاری رہے +

اور ہمارے رسولؐ کے لیئے ارشاد ہوتا ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ "ہم نے آپکے ذکر کو بلند کیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ "اللہ تعالیٰ اور اُسکے فرشتے نبی پر درود

بھیجتے ہیں مومنو　تم بھی درود اور سلام بھیجو۔

بھلا اس سے بھی بڑھکر ذکر خیر اور یاد کی کوئی اور صورت ہو سکتی ہے؟ اذان میں حضورؐ کا نام بلند آواز سے پکارا جائے۔ محافل میلاد مبارک میں درود شریف پڑھا جائے وغیرہ وغیرہ اوراد میں درود داخل ہو۔ اور ترقی مدارج کا باعث ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کا قول قرآن شریف میں ہے۔ فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم۔ جو شخص میری اطاعت کرے گا وہ مجھ سے ہے اور جو میرا نافرمان ہوگا (اُس کے حق میں کیا کہوں) تو غفور رحیم ہے۔

اور ادہر حضورؐ کے لیے ارشاد ہوتا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔ "خداوند آپ کو وہ دے گا جس سے آپ راضی اور خوش ہو جائینگے۔ اور حضورؐ فرماتے ہیں واللہ لن ارضیٰ حتی یکون رجلاً من امتی فی النار"۔ خدا کی قسم میں کبھی راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت بخشی نہ جائے گی"۔

شفاعتی من امتی لاھل الکبائر"۔ امت کے گنہگاروں کے لیے میری شفاعت ہوگی"۔ ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں۔ الصالحون للہ والطالحون لی"۔ نیک اللہ کے لیے اور بد بخت گنہگار میرے لیے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ بد نصیب گنہگاروں سے پہلو بچاتے ہیں، اور ہمارے حضورؐ گنہگاران امت کو تسکین دیتے ہوئے اپنے بناتے ہیں ؎

گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ تجھ پہ زیادہ　　اخبار میں الطالحون لی ہم نے سنا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کرتے ہیں رب اشرح لی صدری" خداوندا میرا سینہ کھولدے۔ اور ہمارے رسولؐ کے لیے حکم ہوتا ہے الم نشرح لک صدرک"۔ کیا ہم نے آپکے مبارک سینہ کو نہیں کھولا؟

حضرت موسیٰؑ مشتاقانہ لہجہ میں دیدار کا سوال ذات الٰہی سے کرتے ہیں رب ارنی

انظر الیات ۔ اسپر حکم ہوتا ہے لن ترانی ہرگز نہیں دیکھ سکوگے۔ اور حضور انور فرماتے ہیں رئیت ربی فی احسن صورۃ ۔ "میں نے پروردگار عالم کو اچھی صورت میں دیکھا +

پھر خداوند کریم نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو حضرت موسیٰ غش کھاکر گر پڑے ؎

اٹھی نہ تھی نقاب کہ بیہوش تھے کلیم حضرت سے سیکھے کوئی دیدار دیکھنا

یہاں ہمارے حضور کے حق میں آیا ہے ما زاغ البصر وما طغیٰ ۔ آپ کی نظر دوسری طرف نہ پھری اور نہ ہی مقصود سے دوسری طرف متوجہ نہ ہوئی ؎

پڑے ہوئے تھے ہزاروں پردے کلیم کیا تو جب بھی غش تھے

ہم اُسکی آنکھوں کے صدقے جس نے یہ جلوہ یوں بے حجاب دیکھا

حضرت موسیٰ کو خداوند کا ارشاد ہوتا ہے فقلنا اضرب بعصاک الحجر "تم پتھر پر اپنا عصا مارو پانی جاری ہوجائیگا۔ چنانچہ پانی کے چشمے پتھر سے جاری ہوگئے۔ اور ادھر ہمارے حضور انور نے مقام حدیبیہ پر جب لشکر اسلام میں پانی نہ رہا۔ اور پیاس سے صحابہ کرام جاں لب ہوئے تو حضور کی خدمت میں گزارش کیگئی۔ حضرت نے ایک پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالا۔ اور انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے۔ سینکڑوں آدمیوں اور اونٹوں نے پیا مشکیزوں میں پانی بھر گیا حضرت حسان نے اپنے مشہور خطبہ میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور عجیب شاندار الفاظ میں اس مضمون کو باندھا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ولما اشرفوا ھلکا لعطش فانفجرت اصابعہ بماء

سقوا اسقوا الناس والبعیر توضوا اغسلوا املوا اناء

جب لوگ بباعث تشنگی کے ہلاکت کے قریب پہنچے تو حضور کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے۔ آپ نے پیا مردوں اور اونٹوں کو پلایا۔ وضو کیا اور غسل کیا اور برتنوں کو لبریز کیا +

پتھروں اور پہاڑوں سے چشموں کا نکلنا چنداں مشکل نہیں بلکہ ہزارہا چشمے جاری ہیں انگلیوں سے پانی کا بے اندازہ نکلنا ایک عظیم الشان معجزہ ہے +

ایسا ہی حضرت موسیٰ کا دریا کو عصا مار کر پھاڑنا اور ٹکڑے کرنا۔ اور ہمارے حضورؐ کا صرف انگشت مبارک کے اشارے سے چاند کو آسمان پر دو ٹکڑے کرنے انفلاق بحر سے بدرجہا مشکل اور افضل ہے۔

حضورؐ خود اپنی شان مبارک کی نسبت فرماتے ہیں:-

انا اکرم الاولین والاخرین ولا فخر۔	میں اول اور آخر کے لوگوں میں افضل ہوں اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں۔
انا سید ولد آدم ولا فخر۔	میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور یہ کوئی فخر نہیں۔
لواء الحمد بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی ولا فخر۔	حمد کا علم میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔ میں اولاد آدم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب و مکرم ہوں اور یہ کوئی فخر نہیں ہے۔
انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا خطیبہم اذا وفدوا وانا مبشرہم اذا یئسوا۔	میں پہلے نکلنے والا ہوں جب وہ حشر کے لیے اٹھائے جائیں اور میں ہی خطیب ہوں جب وہ جمع ہوں میں ہی بشارت دینے والا ہوں جب وہ ناامید ہوں۔
اعطیت خمسا لم یعطہن احد قبلی ولا فخر بعثت الی الاحمر والاسود وکان النبی قبلی یبعث الی قومہ وجعلت لی الارض مسجدا وطہورا ونصرت بالرعب امامی مسیرۃ شہر واحلت لی الغنائم ولم تکن لاحد قبلی واعطیت الشفاعۃ فادخرتہا لامتی فہی نائلۃ ان شاء اللہ لمن لا یشرک باللہ شیئا۔	مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو ایسی بخشش نہیں ہوئی۔ میں ہر ایک کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں اور مجھ سے پہلے نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے میرے لیے زمین کو پاک اور مسجد بنایا گیا مجھے اسقدر رعب عطا کیا گیا ہے کہ ایک ماہ کی راہ پر دشمن تک مرعوب ہو جاتے ہیں اور میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے اور ہمارے پہلے نبیوں کے لیے نہیں تھا مجھے اذن شفاعت بخشا گیا ہے۔ میری شفاعت ہر اس شخص کے لیے ہوگی جو شرک اور کافر نہ ہو۔

—+—

آنکھ پر اگر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی نہ ہو۔ اور دل حق کا متلاشی ہو اور قوت ممیزہ میں بھی کوئی نقص نہ ہو تو اس شخص کو ضرور ماننا پڑے گا کہ حضرت محمدؐ ہر حیثیت سے ہر ایک پہلو سے ہر ایک سے افضل و برتر ہیں ۔

آپ کی تعلیم علمی اور تمدنی دنیا کے لیئے ایک شفیق راہبر اور ایک کامل ہادی کا کام دیتی ہے۔ یہ اسی تعلیم کا اثر تھا جس نے ان پڑھ شتر بانوں کو دنیا کے ایک بڑے حصہ پر حکومت بخشی۔ اور حکومت اور عام برتاؤ اور تمدن کے گر سکھلائے ۔

آپ کی روحانی توجہ میں وہ اثر اور زور تھا کہ بڑے سے بڑے سنگدل۔ بڑے سے بڑے سرکش بھی آخر فدائی ہو گئے۔ اور فدائی بھی ایسے کہ آپ کے ایک ادنیٰ سے اشارے پر جان[له] دینا دین و دنیا کی بہتری کا تمغہ سمجھتے تھے۔ وضو کے پانی کو بطور تبرک استعمال کرتے تھے پسینہ مبارک کو بیاہ شادی کے موقع پر عطر کی جگہ برتتے تھے۔ کتب تاریخ و سیر میں ایسے ایسے ہزاروں واقعات ہیں۔ کوئی کہاں تک لکھے۔ اب ہم اس مضمون کو اپنے فاضل دوست جناب منشی نبی بخش صاحب نایاب میونسپل کمشنر نکودر کی ایک بلیغ نعت پر ختم کرتے ہیں ؎

ہر ایک رہبر و مرشد کا پیشوا کہیئے — تجھے سفینۂ امت کا ناخدا کہیئے
بٹھایئے تجھے آنکھوں میں توتیا کہیئے — چھپایئے تجھے سینہ میں مدعا کہیئے
تمہارا عرش معلی کو نقش پا کہیئے — تمہاری شان ہی ایسی بڑی کہ کیا کہیئے
قلم کہے کہ تجھے مصدر کرم لکھیئے — زباں کہے کہ تمہیں معدن عطا کہیئے
یہ ہم نے مانا کہ اعلیٰ ہر ایک سے ہی خدا — خدا ہی جس کا ہو مداح اسکو کیا کہیئے
وہ اعتقاد ہے اپنا کہ کہہ نہیں سکتے — خدا کا ڈر ہے وگرنہ تمہیں خدا کہیئے
رہے نہ ورد زباں کیوں محمدؐ اے نایاب — یہ وہ ہے نام مبارک کہ مرحبا کہیئے

له انجیل ملاحظہ ہو۔ ۱۲ حواری حضرت مسیح پر ایمان لائے مگر کیسا ایمان۔ نہ ہونیکے برابر ایک نے تو چند روپیہ لیکر حضرت مسیحؑ کو پکڑوا دیا۔ دوسرے صلیب کے وقت سب کے سب فرار ہو گئے ۔ ملاحظہ ہو قصہ ہجرت۔ اور جانثاری حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

ہادی اعظم (صلے اللہ علیہ وسلم)

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا

تمام اقوام عالم کسی نہ کسی ہادی اور ریفارمر نبی اور پیغمبر کو واجب الاحترام سمجھتی ہیں۔ اور ایک نہ ایک بانی شریعت کی حلقہ بگوش ہیں۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۔

ہر ایک کی ایک شریعت اور ایک راہ ہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن وہ تمہاری آزمائش کر رہا ہے۔ اس لیے بھلائی میں سبقت کرو۔

(قرآن مجید)

عالم اصنام پرستی میں عام سطح انسانیت "عبودیت" اور خاص اشیاء "الوہیت" ہی اس لیے ممتاز اور خاص انسان زبان فطرت پرستی میں (اوتار) یعنی مظہر ربوبیت کہے جاتے ہیں۔ اقوام موحدہ میں بظاہر قلیل تعداد ہی جو ہادیانِ ملل کی اصلاحی تحریکات کو غلط فہمی یا مغالطہ دہی پر محمول کرتی ہی۔ مگر ہمارا مخاطب صحیح اسوقت یہ پست خیال گروہ نہیں جس کی کل ہی کائنات مادے اور مادیات میں منحصر ہے۔ اور نہ ہمکو کوئی معرکۂ استدلال گرم کرنا نہ منطقی پیچ و خم کا دنگل آراستہ کرنا اور نہ خشک تفلسف سے جذبات پسند ناظرین کو پریشان کرنا ہی۔ تاہم بنیادی اصل جبتک حقیقت سنجی کے ساتھ روشنی میں نہ لائی جائے۔ دعوے کی اہمیت اور عظمت پست ہوجاتی ہے'

رکن مشترک مذاہب اور روح نوامیس آلہیہ ایک اعلیٰ وارفع ذاتِ کامل الصفات کا تخیل اور اُسکے ساتھ ارواح انسانی کا رابطہ قدیم ہے، ہادیانِ اُمم کا عالمگیر احترام یہ مقصد نہیں رکھتا کہ اس رابطہ ازلی کی وہ کوئی آخری کڑی ہیں۔ اور جاذبہ فطرت براہِ راست اُنکے عتبات عالیات سے وابستہ ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ احیاء فطرت سنت اللہ نے اُنکے اتباع میں منحصر کردیا ہے جو مادیات کی طرح سلسلہ روحانیت میں بھی قانون اسباب و مسببات علل و معلولات اصل اور وسائل قائم کرکے حکمت بالغہ و تدبیر کاملہ کی شانیں جلوہ گر فرماتی ہیں"۔

وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ۔ جو رسول کا مطیع ہے وہ خدا کا مطیع ہے۔

اگر مردہ اور بے حس مادہ اپنے نباتی استحالہ میں کسی بیرونی عالم کے فیض تحرک و نمو کا محتاج ہے۔ اگر حیوانی ترقی اپنی قوتِ ارادی میں کسی عالم حیات کے فیضان کی دست نگر ہے۔ اور اگر انسانی ارتقا کسی روحانی بارش کا ضرورتمند ہے تو جس آب حیات سے بدو خلقت میں کشتِ فطرت سینچی گئی تھی۔ اسی ماء الرحمۃ سے تکمیل فطرت کا باغ بھی سرسبز و شاداب ہوتا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝	کیونکر خدا کا انکار کروگے حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تم کو زندہ کیا۔ پھر تمہیں مردہ کرے گا۔ پھر زندہ کریگا پھر تم اسی کی طرف رجوع کروگے۔

منکرین نبوت بھی اکثر منکرین روح والوہیت ہیں۔ لیکن اگر کسی تھیوری سے وہ عقدہ حیات کو حل کرسکتے تو روح و ضروریات روح وخالق روح سے انکار کا صحیح حق انہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ مگر کیا سلوار تھیوری "مسئلہ ثبوت" اور کیا ڈارون تھیوری "مسئلہ ارتقا" نے نباتی و حیوانی زندگی کا راز بھی منکشف ہوسکا۔ اور کیا یہ قطعی طور پر ثابت ہو سکا کہ انسانیت صرف دماغی ساخت کا نتیجہ ہے۔ اور انسان روحانی حیثیت سے بھی حیوانیت کی ارتقائی شکل ہے۔ یہ تو بہت مشکل ہے کہ جب اصل مادہ حیات سے خالی ہے تو اسکی ترکیب سے حیات پیدا ہوسکتی ہے

جب منبع میں پانی نہو تو واٹر پمپ میں کس طرح آسکتا ہے۔ اور جسمانی و دماغی ترکیب تیس برس میں بالکل تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور سابقہ ترکیب کا ایک ذرہ بھی جسم میں باقی نہیں رہتا ہے تو انسان کی شخصیت اور انانیت کیوں نہیں منقلب ہو جاتی۔

یہی وہ حد ہے جہاں پر ڈاروِنی ریوالیوشن (ارتقا) کا ڈھانچ روحانی اعتبار سے بالکل چُور چُور ہو جاتا ہے نہیں بلکہ ارباب بصارت و بصیرت کے یقین کے لیے رستہ بھی صاف کر جاتا ہے کہ موالید ثلاثہ کی زندگیاں عالمِ حیات کا جداگانہ فیضان ہیں اور انسانیت ایک ممتاز ترین ہستی ہے جو کم و بیش اپنی روحانیت کو ایک حی القائم ہستی کیطرف متوجہ رکھتی ہے جو حقیقۃً مبدأ حیات ہے۔ تصویر انسانیت کا وہ روشن رخ جو ایک رفیع المرتبت ذات کے ساتھ ہے اسکی تخلیقی و تعبدی ذمہ داریوں کا سرچشمہ ہے اور یہی رشتہ مخفی اسکی قوت ملکوتی سرِّ لاہوتی نورِ ایمانی حاسۂ روحانی فطرت اولے اور دینِ قیّم ہے۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ

کیا وہ جو مردہ ہے اُسے ہمنے زندہ کیا اور اُسمیں ایک روشنی پیدا کی جسکو لیکر وہ لوگوں میں چلتا ہے۔

مگر افرادِ انسانی جس طرح مدارج مادیات میں مختلف ہیں اُسی طرح مراتب روحانیت میں متفاوت۔ وہ بھی ہیں جنکا حاسۂ فطرت مادی اثرات سے ضعیف ہو کر کالعدم ہو جاتا ہے وہ بھی ہیں جن کی مادیت اُنکی روحانیت سے ہمیشہ متصادم رہتی ہے۔ لہذا اس کشاکش میں کلی غلبہ کسیکو بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ قوی الہمت بھی ہیں جو اثرات مادیت کو تقریبًا اپنے مجاہدات اور ریاضات سے فنا کر سکتے ہیں اور وہ کامل الخلقۃ بھی ہیں جنکا یہ رابطہ الٰہی اور جاذبہ ربانی اسقدر ارفع ہوتا ہے کہ اُنکی مادیت روحانیت سے دست و گریباں ہونے کی قابلیت ہی نہیں رکھتی جو نفوس ذکیہ اسقدر قوی الروحانیۃ ہیں وہی مسند آرائے رشد و ہدایت وہی رمز شناس عالم فطرت وہی نکتہ سنج اسرارِ حقیقت وہی مستاصل شقاوت وہی مؤسس سعادت وہی مہبطِ علومِ رسالت اور وہی حامل عقل نبوت ہوتے ہیں۔

انتخاب ازل کا یہ چیدہ اور برگزیدہ گروہ بھی معارف غیبی اور حقائق لاریبی میں مساوی الدرجہ نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ کوئی مشکوۃ نورِ نبوت ہے تو کوئی نیرِ اعظم رسالت۔ الغرض جو روحانیت کا فرد کامل و مکمل ہو اُسی کو ہدایت کبرے حجت عظمے آفتاب تکمیل سرِ تنزیل رسول اکرم۔ ہادیِ اعظم ہونا چاہیئے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ
مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا
مُّبِينًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا
بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ
يَهْدِيْهِمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا

اے لوگو! تمہارے پاس خدا کی حجت اور دلیل آ گئی اور ہم نے کھلی ہوئی روشنی نازل کر دی جو لوگ ایمان خدا پر لائے اور اُس سے چنگل مارا تو وہ اپنی رحمت میں اُن کو داخل کرے گا اور صراط مستقیم دے کر فضل کیا۔

اس مضمون کا عنوان ہادیِ اعظم ہے۔ جس کی ضرورت عقلی واضح ہو چکی۔ اب صرف تشخیص اور تعیین باقی ہے تو وہ ہدایت کبرے کے عقلی معیار سے صاف ہو جائیگی ہدایت عظمی کیلئے امور ذیل عقلاً ضروری ہیں:۔

(۱) عرفان اتم جسکا مقصد یہ ہے کہ حقائق غیبیہ بغیر کسب و اکتساب تعلیم و تعلم اتصال مبدءِ قدس کی وجہ سے بلا شک و تردد حق الیقین کے ساتھ اُسکے قلب پر فائز ہو جائیں گو وہ سائنس و فلسفہ منطق و ریاضی۔ طب اور ہیئت کے مسائل سے بیخبر ہو۔ مگران رموز فطرت کا ماہرِ اعظم ہو۔ جہاں حکماء کی حکمت اور نکتہ وروں کی نکتہ سنجی کے پیر شکستہ اور انسانی تخیل کے پاؤں لنگڑے اور اپاہج ہیں۔

(۲) انجذاب کامل۔ یعنی اُسکی سیرت ملکی صفات الٰہیہ کا عکس اور اسکی صورت ظاہری جمال الٰہی کا آئینہ ہو۔ اُسکی روحانیت کبرے سے تمام سلیم اور سادہ روحیں جنسیت کی وجہ سے طبعی میلان رکھتی ہوں اور یہی بوئے جنسیت جذب صفات کی محرک بنجائے۔

(۳) انقلاب اعظم جسکا یہ مطلب ہے کہ وہ اقالیم نفس کے جغرافیوں اور ممالک الہیات کے

نقشوں میں عظیم الشان تبدیلیاں کرے جسکے بغیر اُسکا منصب ہدایت درجہ تکمیل پر فا
نہیں ہو سکتا ۔

(۴) نصرت غیبی سے یہ مقصود ہے کہ جنود الٰہیہ نُسکے ہمرکاب اور عساکر ملکی جلو ریز سو
ہوں ۔ وہ ایک بالاتر ہستی اور جلیل جبار ذات پر اعتماد کرکے تمام مادی طاقتوں کو بے حقیقت
شیطانی قوتوں کو برباد طاغوتی حکومتوں کو پامال الحادی اسباب الغرض اُس رکاو
اور اُس فتنہ کو جو اُسکے مطمح نظر میں حارج ہو نیست و نابود کر سکے ۔

(۵) تکمیل شرائع جسکا منشا یہ ہے کہ تمام افراد انسانی کو وہ ایک ایسے جامع اور وسعت
پلیٹ فارم پر جمع کرسکے جو ہادیان سلف کی ہدایات کا عطر اور جوہر ہو ۔ اور خصوصیات
و ملک کو نظر انداز کرکے ایسی نافع عام دوا تجویز کرے جو ابدالآباد کے واسطے کافی اور شافی
اسلیے کہ ہدایت عظمیٰ کا تاج جس فرق اقدس پر ہو اُسکا کارنامہ بھی نہایت ارفع و ا
ہونا چاہیئے ۔

(۶) زندہ اعجاز جس سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر سلیم الفطرۃ انسانوں کو معا
کرنیکے واسطے کوئی فوق العادت یادگار چھوڑ جائے جو اُسکی غیبت میں بھی دشمنان ح
کو ساکت و صامت کرسکے ۔ اور سلیم الطبع انسانوں کے واسطے سرچشمہ ہدایت ہو

(۷) خلافت الٰہی جسکے معنی ہیں کہ وہ نظم و نسق کائنات کو ان ربانی ضوابط پر قا
کرے جو حقانیت و صداقت کو تباہی سے بچائیں اور ضمیر و کانشنس کو قتل و خو
سے محفوظ رکھیں ۔ کیونکہ نیابت الٰہیہ ہی حکومت آسمانی کی ضامن اور کفیل ہے ۔

(۸) اعلیٰ قوت تکمیل ۔ یہی وہ مہتم بالشان خصوصیت ہے جو کمالات علم و عمل کا
نتیجہ ہے ۔ کامل بننا آسان ہے مگر کامل بنانا دشوار ۔ فرائض نبوت کو ادا کرنا سہل
لیکن اوروں کو کمالات نبوت سے آراستہ کرنا مشکل اور بہت مشکل ہے ۔ جب تمام ش
سابقہ کسی اعلیٰ روحانیت میں مجتمع ہو جاتے ہیں ۔ اُسوقت قوت تکمیل بدرجۂ اتم پیدا

شروط بالا مسلمات عقلی ہیں اور میں بلند آہنگی سے چیلنج دیتا ہوں کہ اگر کوئی ان شرائط کو غلط ثابت کردے تو میں سب سے پہلے اپنی خیالات کو واپس لینے پر تیار ہوں۔ اسوقت میرے ہاتھ میں ایک آفتاب ہے جس کی روشنی میں حق و باطل کے باریک فرق نظر آسکتے ہیں کاش وہ ہادئ مطلق جس نے مجھے طریق اہتداء پر پہنچایا ہے کسی فطرت صالحہ میں تحقیق و تنقید کا جذبۂ توفیق عطا کرے۔

طبقۂ ارض پر جن مذاہب کا مضبوط تسلط ہے تقسیم اولی کے لحاظ سے دو طرح کے ہیں (۱) مدعیانِ توحید (۲) اربابِ شرک۔

مدعیانِ توحید میں یہود۔ مسیحی اور مسلم ہیں۔ مشرکین میں ہنود۔ بودھ۔ مجوس وغیرہ تمام اصنام پرست ہنود برہما بشن مہیش وغیرہ۔ اور سب سے اخیر میں سری کرشن جی مہاراج کو مظہر الٰہی سمجھکر ہادئ اعظم خیال کرتے ہیں۔ شجر ہندویت سے آخری زمانہ میں ایک ورشاخ نکلا ہے جو ویدک دھرم کے پرچار کا دعوے دار ہے۔ اور ادعائے توحید کیساتھ تبت کے چار مجہول الحالات رشیوں کو ملہمین وید تجویز کرتا ہے۔

اسی سناتن دھرم کی مقطوع شاخوں میں سے پچھلے عہد کا ایک اور نیم فلسفی مذہب ہے۔ جسکے بانی ایک فلسفی منش انسان "راجہ رام موہن بنگالی" تھے۔ بانی برہمو سماج نے الہام اور نبوت کو غیر ضروری اور فطرتِ انسانی کو اصلاح ملک و ملت اخلاق و معاشرت کیواسطے کافی سمجھا ہے۔ تاہم جملہ بانیانِ مذاہب کو نیک نیت اور ہمدرد خلق اللہ سمجھکر انکے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا ہے۔ لیکن اگر اس مذہب کے بانی نے حاسۂ عقل کی عام کمزوریوں اور فلسفی نتائج کے اختلافات اور لاادریت پر توجہ کی ہوتی تو اُن کو تسلیم کرنا پڑتا کہ مادی عقل کسی درجہ پر پہنچ جائے۔ روحانیت کے اصول و قوانین خواص اور اثرات پر حاوی نہیں ہوسکتی۔ یہ صرف حاسۂ روح کے نتائج ہیں اور وہ بھی کامل الروحانیت نفوس قدسیہ کیساتھ مخصوص تھی جو نہ اسپنسر تھے نہ ہکسلے نہ نیوٹن نہ ڈارون بلکہ علم ظاہری میں بالکل صفر تھے۔ مگر جب

اصلاح کے منظر عام نمایاں ہوئے تو دنیا کا بڑا حصہ انکی تسلیمات کے سامنے سربسجود ہے۔

الغرض دنیا کا اکثر حصہ ، رہبر اعظم سری کرشن جی مہاراج - بودھ دیوجی مہاراج - جناب زرتشت - حضرت موسیٰ - حضرت مسیح اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے - ہم اس حیثیت سے کہ مسلم ہیں کسی مخصوص رشی منی کو نبی کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے - جن کی بابت قرآن حکیم خاموش ہو - مگر ہم اُن کی عام عزت سے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتے - ہمارے دل میں بھی ان مشہور ہادیان مذاہب کا احترام موجود ہے - اور میدان تقابل میں اصول ہدایت کے لحاظ سے ان حضرات کو لانا ہے - اسلیئے سب سے اول سری کرشن جی - اور بودھ دیوجی - اور جناب زرتشت کو معیار ہدایت کبریٰ پر جانچنا چاہتے ہیں۔

گیتا کے معارف سری کرشن جی کی یادگار ہیں - اسمیں شک نہیں کہ کرشن جی کا فلسفہ ویدانت روحانیت کی بلند منزل ہے - مگر اس تعلیم سے عبدیت اور معبودیت کا رشتہ بقدر مستحکم نہیں ہو سکتا جسقدر خلق اللہ کو ضرورت ہے - جب عبد اور معبود حقیقۃً ایک ہوں اور تعینات محض وہم وخیال - تو کون عبد کون معبود کیسی عبادت کسکی ترغیب کہاں کی ترہیب - اگر یہی کمال نقطۂ عرفان ہے تو منصور - جنید - بایزید اور شیخ الاکبر وغیرہ حاشیہ بوسان بساط علم محمدی کی سطح اس سے کہیں بلند تر ہے جن کے وحدت الوجود و تنزلات ستہ نے وحدت و کثرت - عبدیت اور معبودیت کے باہمی فرق کو ظاہر کر کے عوام کو آزادروی اور غلط فہمی سے روکدیا ہے۔

بُدھ دیوجی کے معارف غم بینی اور تکالیف میں محدود ہیں - مگر ایسی گدایانہ تعلیم معمورۂ ارض کو کسقدر خوفناک اور افسردہ بنادیگی جو شجر نروان کے نیچے جوگیانہ زندگی بسر کرنیکو کمال انسانیت قرار دیتی ہو۔

جناب زرتشت کا مبلغ عرفان خواہ کسی پایہ کا ہو مگر اہرمن اور یزدان کی غیر منقطع جنگ اور نور و ظلمت کا سلسل تقابلہ عقلی دنیا میں کبھی مقبول نہیں ہو سکتا - اور نہ آتشکدوں کی عظمت

اُن قلوب میں قائم ہو سکتی ہے جن کو تمیز کی روشنی سے حظ وافر ملا ہے۔ انجذاب کامل میں بھی یہ تینوں حضرات کوئی بلند پایہ نہیں رکھتے +

کوروں پانڈوں کی جنگ انجذاب کرشن جی پر اچھی طرح روشنی ڈالتی ہے۔ خاص فریق میں جنگ ہے۔ مگر کرشن جی ایک فریق کے فیور میں ہیں۔ اور آتش کینہ و انتقام کو دبا نہیں سکتے یہاں تک کہ خود اپنے داہنے ہاتھ ارجن کو ترغیب جنگ دیتے ہیں۔ ربانی شان جلوہ گر فرماتے ہیں۔ اور جب تک ساری جگت اپنے شکم میں ارجن کو نہیں دکھا دیتے وہ قتل اعزا کے واسطے تیار نہیں ہوتا +

بدھ دیوجی کی نیم مجذوبانہ زندگی میں ضرور کچھ انجذاب ہے۔ لوگ آپ کی فقیرانہ طرز سے متاثر ہو کر آپ کے مرید ہو جاتے ہیں۔ اور آخر میں بودھ دھرم آریہ ورت کا شاہی مذہب بن کر ایک ہزار برس تک اپنی مسخ شدہ صورت کو سایہ حکومت میں قائم رکھتا ہے۔ جناب زردشت میں اگر کچھ انجذاب تھا تو وہ ان کے نیر نجات و کرامات کا نتیجہ تھا۔ جس نے ایران کے شہنشاہ گشتاسپ پر قابو پا کر شاہی طاقت سے اپنا مذہب مشرق میں شائع کرایا +

نصرت غیبی کے لحاظ سے صرف سری کرشن جی ضرور قابل عزت ہیں۔ جنھوں نے دشمنان حق کو زیر و زبر کرنے میں ہمیشہ غیر معمولی شجاعت اور بسالت کا اظہار کیا۔ باقی جو اور شرائط رہجاتے ہیں اُن پر غور کیجئے تو یہ تینوں رہنمایان سلف اُنسے بمراحل دور ہیں تکمیل شرائع کیا ہوتی جبکہ وقت تکمیل ہی اُنکو نصیب نہ ہوا۔ زندہ اعجاز کی جگہ کراماتی افسانے ضرور باقی ہیں۔ خلافت الٰہیہ کیونکر ہو سکتی جبکہ منشائے ایزدی کے مطابق اصول سیاست وضع نہ کیے جا سکے۔ قوت تکمیل کا یہ ادنےٰ ثبوت ہے۔ کہ ان رہنمایان عہد عتیق کے متبعین میں کوئی بھی اس قابل نہیں جسکا اصلاح خلق میں کوئی خاص کارنامہ ہو +

مشہور ہادیان مذاہب فطرت پرستی کے بعد ہم اُن مقتدر اور نامور مصلحین خلق کو دیکھنا چاہتے ہیں جن کی عزت ہمارا جزو ایمان ہے +

حضرت موسیٰ کا علم و عرفان "رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي" کا نتیجہ اور ثمرہ تھا مگر تعلیمات بائیبل میں صفات الوہیت کا عام پیرایہ تشبیہی ہے اور تنزیہ و تقدیس صفات سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ اگر یہ تعلیم مکمل ہوتی تو آج جبکہ صفات الوہیت تخیل و تعقل کے ہر درجے سے عقلاً بلند قرار دیئے جاتے ہیں۔ الوہیت کا یہ تشبیہی خاکہ کیونکر یقین اور تسکین پیدا کر سکتا ہے۔ اُس خداوند خدا کی روح جو پانی پر جنبش کرے وہ خداوند جسکے واسطے بچھڑا ذبح کیا جائے وہ جو حضرت اسرائیل ایسے پہلوان قدرت سے شب بھر کے مقابلہ میں کشتی کہا جائے۔ کیا ایک فلسفی دماغ کا خدا ہو سکتا ہے! ہم تسلیم کرتے ہیں کہ افہام و تفہیم عوام کے لیئے یہی محسوس پیرایہ ہونا چاہیئے مگر ایک مکمل تعلیم میں وہ تنزیہی اشارات بھی موجود ہونے چاہئیں جو خواص کو استعارات اور مجازات سے نکالکر اصل حقیقت کی طرف متوجہ کر سکیں۔ یہی نقص ہے جو بائیبل کی طرح ویدوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور ایک حقیقت شناس کو اس خیال پر مجبور کرتا ہے کہ اگر یہ آسمانی محفوظ الہامات ہیں تو انہیں ابتدائی قرون کے حسب حال تھے جبکہ انسانی تعقل طفل شیرخوار تھا۔

حضرت موسیٰ کے بعد اُس اعلیٰ اور رفیع المرتبت انسان کا نمبر ہے جسے اقانیم ثلاثہ کا ایک اقنوم اور علم الٰہی کا عظیم الشان مظہر سمجھا جاتا ہے۔ یہ حضرت مسیح کی روحانیت ہے جو عجیب و غریب افعال کے ساتھ جمود یہود کو دور کرنیکے واسطے منظر شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے مگر خود اپنی زبان سے باپ باپ کہکر ایک ایسے عقدہ لاینحل میں دنیا کو مبتلا کر جاتی ہے جو بیس صدیاں گزر جانے پر بھی ہنوز مسیحی مذہب کا راز سربستہ ہی۔ حضرت مسیح اگر خود یہ تشبیہی زبان اختیار نہ فرماتے اور ابوّت و نبوت کے مطلب کو صاف فرما دیتے تو تثلیث و توحید کا گورکھہ دھندا بنانے کا موقع مسیحی مشنریز کو غالباً نہ ملسکتا۔

انجذاب کامل کے لحاظ سے بھی یہ دونوں پیشوایان بنی اسرائیل کوئی پایۂ عظیم نہیں رکھتے حضرت موسیٰ نہ فرعون اور نہ فرعون کی قوم کو جذب کر سکے۔ اور نہ بنی اسرائیل پر پورا قابو پا سکے

قدم قدم پر معاہدے بات بات پر عذاب کی دھمکیاں ۔

حضرت مسیح یہود کو کیا جذب فرماتے خود یہوداآپ کا مشہور حواری آپکے دشمنوں سے جا ملتا ہے اور آپ پر لعنت کرتا ہے ۔

حیثیت انقلابی میں بھی دونوں حضرت کوئی خاص شہرت نہیں رکھتے البتہ نصرت غیبی میں حضرت موسیٰ کا نام بلند ہے کہ بنی اسرائیل بحیرہ قلزم سے صاف گزر جاتے ہیں۔ اور فرعون ولشکر فرعون پانی کے راستے نار جحیم میں پہنچ جاتا ہے ۔

زندہ اعجاز نہ حضرت موسیٰ کا کوئی باقی ہے نہ حضرت مسیح کا۔ حضرت موسیٰ عصا کو ثعبان مبین بناکر دکھاتے رہے مگر کوئی ایسا ید بیضا نہ چھوڑا جو آج بھی مخالفین ملت کی نظر کو خیرہ کر سکتا۔ حضرت مسیح اگرچہ مُردوں تک میں اپنی غیر معمولی روحانیت سے جو حیات روحانی وجسمانی کا منبع تھی حس وحرکت پیدا فرماتے رہے۔ مگر کوئی ایسا نسخہ آپکی یادگار باقی نہیں ہے جو آج بھی مردہ روحوں کو حیات ابدی عطا کر سکے ۔

تکمیل شرائع کا نہ حضرت موسیٰ نے دعوےٰ فرمایا۔ نہ سارے عالم پر مبعوث ہوئے نہ ایسا زمانہ پایا جو تمام عالم کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر سکتا۔ نہ ایسی معتدل شریعت پیش کی جو عام طبائع انسانی کے مناسب مزاج اور حسب حال ہوتی ۔

حضرت مسیح کسی جدید شریعت کے بانی ہی نہ تھے۔ اور دعوت مسیحی عمومی نہ تھی بلکہ بنی اسرائیل کی بھیڑوں کی گلہ بانی کے واسطے آپ مبعوث ہوئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ چالاک دعاۃ مذہب عیسوی نے ایک بت پرستانہ مذہب تراش خراش کر رومی بت پرستوں میں معمائے تثلیث فی التوحید شائع کر دیا۔ اور قیصر روم کی شاہی طاقت سے ایک مسخ شدہ مذہب ملت عیسوی کے نام سے پھیل گیا ۔

خلافت الٰہیہ کے اعتبار سے بھی یہ دونوں برگزیدگان الٰہی کسی منصب جلیل پر فائز نہیں ہوا۔ حضرت موسیٰ نے ضرور حکومت بنی اسرائیل کی باگ اپنے ہاتھ میں لی مگر ایسی

متمرد اور سرکش قوم آپ کے جھنڈے کے نیچے تھی جو عمالقہ کے مقابلہ میں جی ہار کر کہنے لگی۔
اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۔

حضرت مسیحؑ نے تلواریں تو دشمنان ملت سے مقابلہ کے واسطے بنوائی تھیں مگر غالی یہود نے حکومت کا سامان مجتمع ہونے سے قبل ہی آپ کی درویشانہ زندگی کا اس عالم میں خاتمہ کرا دیا۔

قوت تکمیل میں یہ دونوں ہادیان دین الٰہی کوئی برتر شان نہیں رکھتے۔ لاکھوں بنی اسرائیل میں صرف یوشع اور کالب نکلے جو موسوی ہدایت پر کامل طریقے کاربند تھے ورنہ اور اسرائیلی چالیس چالیس برس تک تیہ میں سرگردان رہنے پر بھی حضرت موسیٰؑ کی مخالفت پر کمر بستہ ہی رہے۔ اور قتل انبیاء سے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرتے رہے۔

حضرت مسیحؑ کے حواریین میں وہ بھی تھے۔ جنہوں نے مسیح کو گرفتار کرایا۔ اور لعنت کی۔ وہ بھی تھے جو یہود اور رومیوں کے خوف سے اپنی جانیں بچا کر چھپ رہے۔ اور جناب مسیح کو صلیب پر چڑھنے دیا۔ وہ بھی تھے جو بعد کو مسیحی لیڈر بنکر پیٹ کو سرگ کہنے لگے جس سے اچھا بُرا حلال حرام سب گزر جاتا ہے۔ کفارہ کی چاٹ دیکر معاصی کی راہیں کھولدیں یہانتک کہ اصل نسخہ اناجیل ہی اپنی شکم پرستیوں کے لئے دنیا سے غائب کر دیا۔

ہادیان سلف میں سے تاریخی زمانہ کے وہ رہنما جن کی عظمت اور عزت کا نقش کثیر مردم شماری عالم کے دلوں میں مستحکم ہے اپنی نمایاں خصوصیات کے ساتھ پیش کر دیئے گئے اب صرف فخر کائنات مظہر صفات حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم (روحی فداہ) باقی ہیں آپ کی شان جامعیت بھی انصاف سے ملاحظہ ہو۔

عرفان محمدی

آفتاب علم الاولین والآخرین (اوتیت جوامع الکلم) کا آوازہ بلند کرتا ہوا وسط السماء

عالم پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ اِدھر (رب زدنی علما) کا وظیفہ ہے۔ اُدھر سے (علمک مالم تکن تعلم) کے گھن گرج بادل برس رہے ہیں۔ اِدھر غارِ حرا اور سنگ عزلت ہے۔ اُدھر سے (سنقرئک فلا تنسیٰ) کے جان بخش مژدے سُنائے جاتے ہیں۔ اس طرف (ما عرفناک حق معرفتک) سے غیر محدود علمی تشنگی کا اظہار ہے۔ اُس طرف (الم نشرح لک صدرک) سے اُن معارف غیبیہ کی خبر دیجا رہی ہے جو شان مصطفویت اور مقام اجتبا کے مناسب ہیں اور جن کی وجہ سے سینہ محمدی آفتاب حق نما بن گیا ہے۔

خارستان امیت میں علم لدنی کا درخت اُگتا ہے۔ اور بڑھکر سارے عالم پر سایہ کر لیتا ہے۔ منکرین و متشککین الوہیت کے دعوئیں بکھیر دیئے جاتے ہیں۔ مشرکین کے لات و ہبل توڑ دیئے جاتے ہیں۔ ستارہ پرستوں کے ستارے گردش میں آجاتے ہیں۔ زردشتیوں کے آتشکدے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ یہود کا جمود اور غلو افراط و تعصب خاک میں ملجاتا ہے۔ برہمنوں کا اقنومی طلسم شکست ہو کر دنیا معارف توحید سے بھر جاتی ہے۔ فطرت انسانی کا اعلیٰ ترین جذبہ (توحید کامل) رحمۃ للعالمین کے رنگ میں اسود و احمر ابیض و اصفر اقوام عالم کے سامنے جہالت کدہ عرب کا ایک سلمہ اُمی اُٹھکر پیش کرتا ہے۔ اور اس معجز نما پیرایہ میں کہ افلاطون سے لیکر ایک وحشی تک یکساں طور سے معرفت اور یقین کا پتلا بن جاتا ہے۔ اگر کسی جگہ پر اُسکی تعلیمات میں تشبیہات بائبل کی جھلک ہے۔ تو اُسکی علانیہ تعلیمات میں تنزیہات آلٰہی کی چمک ہے۔ اگر (ان اللہ علی العرش استویٰ) کہکر ایک بدوی کو اُس ذوالجلال ہستی سے مرعوب کیا جاتا ہے تو دوسری جگہ (لیس کمثلہ شیٔ) کہکر انسانی تخیل کو وجوب اور استغنا کے سر بفلک منزل پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ اگر معاد کے نقشہ میں (جنت تجری من تحتہا الانہار) کہکر محسوس پسندوں کو دعوت ترغیب خیر دی جاتی ہے تو دوسرے مقام پر (فلا تعلم نفس ما اخفی لہم) ارشاد فرماکر اس ارتقاء اخروی و بشارت کاملہ کی بشارت سنائی جاتی ہے۔ جس سے عارفین الٰہی کی آخری امیدیں وابستہ ہیں سنہ سرکرشن جی

کی طرح رب مخلوقات ہونیکا دعوے ہے۔ نہ حضرت مسیح کی طرح ابنیت کی تشبیہی زبان ہے بلکہ "انما انا بشر مثلکم" اور "ما محمد الا رسول" کہکر انسانیت اور الوہیت عبدیت اور معبودیت میں ہمیشہ کیواسطے حد فاصل قائم کردی جاتی ہے۔

انجذاب محمدی

منجذب کامل اپنے جمال ناسوتی اور کمال لاہوتی کو لیکر کائنات کی سب سے بڑی سنگدل قصی القلب خونخوار اور وحشی قوم میں آتا ہے اسکی حقانی آواز جس کان میں پہنچتی ہے۔ اسکی ملکوتی صورت اسکا نورانی چہرہ جو کوئی دیکھتا ہے۔ اگر ضد اور تعصب سے خالی ہوتا ہے تو سو جان سے اسپر قربان ہوجاتا ہے ؎

اسکی چشم مست کا صدیق اکبرؓ ہے خراب اسکی تیغ ناز کا فاروق اعظمؓ ہے قتیل

اصحاب محمدی حضرت مسیحؑ کے حواریین نہ تھے کہ دار کے وقت جان چرا جاتے۔ بلکہ ایک طرف اگر حضرت عثمان غنی رضؓ آپ کی احیائے ملت کیواسطے زر بکف ہیں تو دوسری طرف اس پودے کو خون سے سینچنے کے لیے حضرت علی مرتضیٰؓ سر بکف۔ جب طرۂ مشکیں محمدی کی نکہت موج پرور اڑتی ہوئی یمن تک پہنچتی ہے تو اویس قرنیؓ سے مست محبت کے لیے بوئے پیرہن یوسف کا کام دیجاتی ہے۔ جب بلال حبشیؓ پر اس چشم سیاہ کا جادوئے ایمانی چل جاتا ہے تو خون کے شراروں سے تکبیر اور اذان کی آواز بلند ہوتی ہے جب تاثیر جذب حسن مصطفوی ایران میں پہنچتی ہے تو سلمانؓ کو اونے حلقہ بگوش بناکر کھینچ لاتی ہے اور خاک مذلت سے اٹھاکر حرم اہل بیت نبوت میں بٹھا دیتی ہے۔ کیا یہ ذوق جانفروشی۔ یہ جذبۂ سرورہی۔ کسی کے متبعین میں تاریخ عالم دکھا سکتی ہے ؟ نہیں ہرگز نہیں۔

انقلاب احمدی

بانیٔ انقلاب کبر جنود ملکی اور افواج قدوسی کے ساتھ ابلیسیت پر حملہ آور ہوتا ہے طاغوتی علم پست۔ شیطانی چچسم سرنگوں۔ خبائث ارضی پامال عساکر شیطانی روبفرار اور جراثیم نفسانیت فنا ہوجاتے ہیں۔ انقلاب عظمےٰ کا یہ طوفان ساحل عرب سے اٹھتا ہے اور تباہی و بربادی۔ ہلاکت اور خرابی کے فلاح و صلاح۔ آبادی و رحمت۔ علم اور حکمت کے گوہر شاہوار دنیا میں بچھاتا ہوا اس سرے سے اس سرے تک نکل جاتا ہے۔ کثرت وحدت سے تشبیہ تنزیہ سے ظلمت نور سے شرک توحید سے۔ الحاد ایمان سے۔ لاادریت ایقان سے ظلم انصاف سے۔ وحشت تہذیب سے۔ جہالت حکمت سے۔ نجاست طہارت سے لعنت رحمت سے کایا پلٹ ہوجاتی ہے

یہ اسی کا تہا اثر تہا کہ عرب کے رہزن فاش کرنے لگے جبرئیل امیں کے اسرار
یہ اسی کا تہا نتیجہ کہ عرب کے بچے کھیلنے جاتے تھے یوانگہ کسریٰ میں شکار
اسکی برکت تہی کہ صحرائے حجازی کا ہجوم بنگیٔ صحرمیں جاکر چمن آرائے بہار

نصرت غیبی

ایک وقت ہے کہ بے سروسامان صداقت کی زبان حق گوئی سے بند کیجاتی ہے شعب ابوطالب میں مختصر جماعتِ حق کا شاہنشاہ محصور ہے۔ مگر اسکا قلب صبور وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے وعدے سے قوی ہے۔ بعثت سے تیرہ برس بعد دنیا اسکے استقلال و ثبات ہمت اور حوصلوں کے فوق العادت ثمرات کو دیکھ لیتی ہے "لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ" کا غلغلہ عرب میں گونج اٹھتا ہے اور جب "إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا" کا موعودہ وقت آتا ہے تو جس شہر سے آپ صرف اپنے ایک یار غار کو لیکر نکلے تھے اسی شہر کو بارہ ہزار عربی ملکوتی افواج کی طاقت سے فتح فرماکر خزائن کسریٰ اور دفائن قیصر کی تقسیم کا اپنے سرفروش متبعین کو مژدہ سناتے ہیں جن کی جانبازانہ مساعی اور

غرضیکہ جد و جہد سے چند سال بعد ہی "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا" کی تکمیل رونما ہوتی ہے۔

تکمیل شرائع

مثیل موسیٰ دعائے خلیل پسر ذبیح نوید مسیح بحالت شباب معاصی اور کمال شقاوت اقوام متمدنہ میں امت وسط پیدا کرنیکے واسطے مرکز باطل میں مبعوث ہوتا ہے جو عقائد فاسد کا گہوارہ ہے۔ الحاد و شرک تثلیث و تجسم ستارہ پرستی آتش پرستی تناسخ غرض کوئی ایسی بلائے فاسد نہیں جو اس میں موجود نہو خوش قسمتی سے اسکی بعثت کا وقت بھی اس قدر موزوں اور مناسب ہے جب اسکی ربانی صدا بطحا سے چین تک مغرب سے اسپین تک پہنچ سکتی ہے۔ وسائل سفر نے اقالیم بعیدہ کو ایک سلسلے سے منسلک کر دیا ہے۔ اسوقت وہ منظر حقانیت پر نمودار ہو کر بلند آہنگی سے دعوت حق ان الفاظ میں شروع کرتا ہے ؎

یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ

ادیان عالم کا جوہر خالص توحید و صفات اخلاق اور نجات ہے۔ قرآن حکیم آتا ہے اور ان حقائق جامع کو لیسے بلیغ پر معزول نشین اور بادشاہ انداز میں پیش کرتا ہے جو مقصد ملت ابراہیم مآل دعوت موسیٰ اور انجام روحانیت حضرت عیسیٰ ہے۔

قومی اور مقامی خصوصیات حذف کرنے اور تصرفات و تحریفات باطل رد کرنیکے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر جو جیز مثل باقی رہجاتی ہے وہی نجات ابدی اور حیات سرمدی کی کفیل ہوتی ہے۔ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"۔

زندہ اعجاز

سلیم الفطرت انسان کسی خرق عادت کے ضرورتمند نہیں ع

در دلِ ہر امتی کز حق مزہ است   روئے و آوازِ پیمبر معجزہ است

مگر کج منش طبائع جو اثرات شیطانی سے متاثر ہو جاتے ہیں جبتک ید بیضائے موسوی کی چمک نہ دیکھ لیں شک اور وہم سے نجات نہیں پاتے۔ اس لئے قدرت کاملہ انبیاء میں ایسی اعلیٰ روحانیت پیدا کرتی ہے جس کی ہمت قوی کے سامنے ہیولائے عالم اور مادۂ کائنات تو کیا چیز ہے خطرۂ قدس بھی سرٹیک دیتا ہے۔ یہ فوق العادت افعال نبوت انبیاء کے علامات عادیہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ افعال غیر عادیہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کا منصب نبوت سے خاص تعلق ہے جیسے بے مثل تعلیمات بے نظیر اخلاق۔ اعلیٰ قوتِ اجتہاد۔ دوسرے وہ افعال جن کا نبوت کی حقیقت سے کوئی لزومی اور مخصوص تعلق نہیں ہوتا۔ مگر عام جنس افعال سے چونکہ وہ علیحدہ ہوتے ہیں تو عجائب پسند عوام انہیں دیکھکر یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا مصدر ضرور سرچشمۂ صداقت ہے اور خدا ایک کاذب کو ایسے اعلیٰ اور باخبر افعال پر قدرت ہی نہ دیگا۔

ہمارا یہ خیال نہیں ہے کہ دوسری قسم کے معجزات سے روحانیت محمدیہ (نعوذ باللہ) خالی تھی۔ مگر ہم روایت اور درایت کے جھگڑے سے بچتے ہوئے اسی معجزے کو ظاہر کرتے ہیں جو تیرہ سو برس گزر جانے پر بھی آجتک مخالفین کے دانت کھٹے کر رہا ہے۔

ہاں شبہ آپ زندہ۔ آپ کا دین زندہ۔ اور آپ کا اعجاز بھی ابد الآباد کے لیے زندہ ہے جس نے نہ صرف مخاطبین اول کو بلکہ سارے عالم کو "فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ" کا ہمیشہ کے لیے الٹیمیٹم دے رکھا ہے۔ ع

آئے! جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا

خلافت الٰہیہ

اپنی تن پروری کے واسطے عالمگیر جنگ۔ انواع حیوانات کا تنازع البقا طبعی جذبہ ہے۔ اگر وہ قوانین الٰہیہ کے ماتحت نہ ہو۔ صرف شخصی زندگی کے لئے جدوجہد ایک بہیمی حرکت ہے۔ اگر وہ نظم عمرانی ونسق تمدنی سے خالی ہو۔

عالم مادیات کا ناموس اول یہ ہے کہ اپنی زندگی کے واسطے دوسرے ہلاک کر دیئے جائیں، اور اپنی برتری اور سیادت کے لئے کمزور ہستیاں یا فنا کر دی جائیں یا مویشی بنا کر رکھی جائیں۔ عام طور پر دنیا میں پرچم شخصیت اور عَلَمِ استبداد کے نیچے ضمیر اور کانشنس کے خون ہمیشہ ہوتے رہے۔ آزادی اور حریت کا وہ مشہور نشانہ بھی جو رومن امپائر کی یادگار ہے ان سیاہ دھبوں سے خالی نہ تھا۔ مگر جب خلیفۃ اللہ فی الارض دنیا میں آتا ہے تو اس شان سے کہ تکیۂ خاک زیب سر۔ فرش حصیر تہ کمر۔ گلیم فقر زیب بر۔ مگر ہیبت حقانیت یہ ہے ؎

جو صیتش درافواہ دنیا فتاد — تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد

مساوات آپ کے عمل سے زندۂ جاوید ہوتی ہے۔ جمہوریت آپ کے فرمان "شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ" سے حیات ابدی حاصل کرتی ہے۔ حریت کا پرچم بلند ہوتا ہے۔ اور آخر اسی پرچم کو قیامت تک قائم رکھنے کے واسطے یزیدی استبداد کے مقابلہ میں آپ کے فرزند حضرت حسینؓ کا خون دشت کربلا میں بہایا جاتا ہے ؎

دردبستانِ حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید

قوتِ تکمیلِ مصطفوی

جامع صفات تکمیل آفتاب مطلع تنزیل آئینۂ اوصاف الوہیت نقطۂ کمال عبودیت معراج علم وعمل پر فائز ہو کر "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" کہتا ہوا استعداد قلوب امت میں زلزلۂ عظیم پیدا کر دیتا ہے۔ کمالات ولایت وارشاد کے ساتھ مناصب تجدید کمالات نبوت کی تقسیم بھی اسی منبع سے شروع ہوتی ہے۔ جسکا نور خلق اور خدا میں ازل سے برزخ

کبریٰ تھا۔ کبھی فضیلت صدیقی ایک راز پر منحصر بتلائی جاتی ہے۔ کبھی "لَوْکَانَ بَعْدِی نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُؓ" ارشاد ہوتا ہے۔ کبھی "اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" فرمایا جاتا ہے۔ یہ صرف اعتقادی افسانے نہیں ہیں۔ سیر صحابہؓ وخصوصاً خلفائے راشدینؓ بنظر انصاف ملاحظہ طلب ہیں"۔

سلسلۂ فیضِ تکمیل صحابہ واہل بیت سے چلتا ہوا تابعین سفیان ثوری اور ابن سیرین وغیرہ سے حق کو مجتہدین پیدا کر دیتا ہے۔ اور امام مالکؒ۔ امام جعفر صادقؒ حسن بصریؒ امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ ایسے ائمہ روحانیت وفقہ پیدا کرتا ہوا تکمیل دین محمدی کا بیّن ثبوت دیتا ہے۔

تاریخ عالم ہمیں سکندر اور نپولین بہتیرے دکھا سکتی ہے۔ مگر فاروق اعظم اور عمر بن عبدالعزیز کے نمونے نہیں پیش کر سکتی ہے۔ ارسطو اور افلاطون ہمیں ان پچھلی صدیوں میں بہت نظر آجائینگے۔ لیکن امام حجۃ الاسلام محمد بن محمد غزالیؒ اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے کاملین حقائق کسی دوسری ملت میں تلاش سے بھی نہ مل سکیں گے جو اُسی آفتاب ہدایت کبریٰ کے انوار ہیں۔ جس کی زندہ جوت سے صدہا آفتاب اور ماہتاب پیدا ہوتے رہیں گے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّبِعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَہٗ۔ "اے یقین والو! اُس نور کی پیروی کرو یعنی اُس روشنی پر چلو جو آپ کے ساتھ نازل ہوئی ہے"۔

ناچیز۔ برق

چند روشن نکتے

خدا سے واصل اور دنیا میں شامل	رسول اللہ ہیں انسان کامل
محمد مصطفےٰ کا نام لکھ کر	منور ہو گئے میرے انامل
خدا کا قرب ہے گر تجکو منظور	رسول اللہ کی نعمت ہے حاصل

(ستارہ صبح)　　　ظفر علیخاں دہلی

دنیا کا سب سے بڑا روحانی فلاسفر

مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا

رسالت اور نبوت اپنے اندر تبلیغی فرائض کے ساتھ ایسے فضائل اور ایسے مکارم بھی رکھتی ہے۔ جو دنیا کے اُن فضائل اور ان مکارم میں محبوب ہوتے ہیں۔ جو گویا دنیوی یا مادی کمالات کی انتہائی حدود ہیں۔ یا انتہائی حدود سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے فضائل اور ایسے مکارم دماغی اور طبعی رنگ میں وجود پذیر ہو کر تبلیغی رنگ میں لوگوں کی ہدایت اور رشد کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ جو شخص خلعت رسالت سے فیضیاب ہوتا ہے اور علی الخصوص وہ رسول یا وہ نبی جو بفحوائے مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کل قوموں اور کل مخلوق انسانی کے واسطے مبعوث ہوتے ہیں۔ اپنے اندر ہر ایک قسم کی فضیلت اور کرامت انتہائی رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر اُنہیں ایسے فضائل اور ایسے مکارم نہ دیئے جاویں تو وہ وسعت رحمت نہیں رکھ سکتے۔ یا انہیں رحمۃ للعالمین نہیں کہا جا سکتا۔

چونکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری قوموں اور ساری دنیا کے واسطے مبعوث ہوئے تھے۔ اس واسطے لازمی تھا کہ اُنکی طبعی طاقتیں اور طبعی امتیازات انتہائی حد رکھتی ہوں۔

اگر رسول کریمؐ ایک طرف نبی اور مرسل تھے تو دوسری طرف یا اُسکے ساتھ ہی ایک روحانی فلاسفر بھی تھے۔ مذہب چونکہ بجائے خود ایک فلسفہ ہے اور ایک ایسا فلسفہ جو ہمہ گیر اور عالمگیر بھی ہے۔ اس واسطے لازمی ہے کہ رسالت کے ساتھ حضور علیہ السلام مذہبی

فلاسفر بھی ہوں۔ نہ صرف مذہبی فلاسفر ہی بلکہ اُن کا مذہبی فلسفہ اُس فلسفہ کو بھی محیط ہے جو مادی دنیا میں ایک انتہائی ترقی کا درجہ کہا جاتا ہے۔ آیت مندرجہ عنوان میں اُس حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ایک شخص کو رسالت اور نبوت کے ساتھ دی جاتی ہے اِس آیت میں لفظ (خَیْرًا کَثِیْرًا) اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے لوگوں کو جو فلسفہ حکمت دی جاتی ہے وہ اپنی وسعت جامعیت اور صحت کے اعتبار سے خَیْرًا کَثِیْرًا ہوتی ہے ؛

مادی فلسفہ اور مادی حکمت میں گو خوبی۔ عمدگی فضیلت اور وسعت ہوتی ہے مگر صرف مادی رنگ میں جسکا خاتمہ اسی دنیا میں ہوجاتا ہے۔ وہ حکمت اور وہ فلسفہ جو نبیوں اور مرسلوں کو دیا جاتا ہے۔ یا جن سے اُنکی طبیعت مذہبی رنگ میں بھرپور ہوتی ہے مادی حکمت اور مادی فلسفہ سے الگ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ :-

مادی حکمت اور مادی فلسفہ میں بھی دماغی۔ روحانی باتیں ہوتی ہیں مگر اُن کی قیمت اور ان کا رنگ ایسا نہیں ہوتا جسے خَیْرًا کَثِیْرًا کہا جاوے۔ اور حکمت اور فلسفہ وہی خوبی اور عمدگی رکھتا ہے جو خَیْرًا کَثِیْرًا ہو۔ اگر رسالت اور نبوت ایک انتہائی ملکہ انسانی یا فیضان ربانی ہے تو حکمت اور فلسفہ بھی ایک انتہائی ملکہ بشری اور فیضان وہبی ہے ؛

اگر ایک طرف حضور علیہ السلام کامل انسان، مرسل، خاتم، اور نبی عامہ بنائے گئے تھے تو دوسری طرف کامل فلاسفر بھی تھے ایسے کامل حکیم اور ایسے کامل فلاسفر کہ جن کی حکمت اور جن کا فلسفہ اپنے اندر ایک خیر کثیر رکھتا تھا۔ قرآن مجید بجائے خود ایک بحر مذہبی حکمت۔ اور سمندر مذہبی فلسفہ کا ہے۔ یہ کسی عظیم الشان انسان کے دل پر نازل ہوا جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے ؛

جب تک کسی انسان کا ظرف ایک شئے کے ساتھ مناسبت نہ رکھتا ہو۔ تب تک وہ شئے یا وہ مواد اُس ظرف میں سما نہیں سکتا۔ قرآن مجید جب بجائے خود ایک حکمت اور فلسفہ

انتہائی ہے تو لازمی تھا کہ جس قلب و ضمیر پر اُسکا نزول ہو وہ بھی ایک عظیم الشان ضمیر اور عدیم المثل قلب ہو۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو لغت ٹھیک نہیں رہتی۔ قرآن مجید ایک الہامی حکمت ہے یا الہامی حکمت کا خزانہ۔ اور جس عظیم الشان انسان کے قلب و ضمیر پر یہ نازل ہوا۔ وہ بھی الہامی یا ملہم تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اسپر وحی نازل ہوتی تھی جو الہام کی ایک خاص یا ایک انتہائی صورت یا رنگ ہے۔ اور جو صرف اُن ہی لوگوں سے خاص ہے جو رسالت اور نبوت میں بھی خاص درجہ یا خصوصیت رکھتے ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

کامل رسول۔ رسول للعالمین تبلیغی رنگ میں جو قانون اور شریعت اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے یا جسکے واسطے وہ مکلف ہوتا ہے تین رنگ رکھتی ہے:۔

(الف) تبلیغ ذات صمدیت حقیقی رنگ میں۔

(ب) تبلیغ عبودیت و فرائض عبودیت۔

(ج) تبلیغ انجام عبودیت و معاملات عبودیت۔

اگر پہلا رنگ محض روحانی ہے تو دوسرے دو رنگ اپنی ذات میں روحانیت اور مادیت کے ساتھ معاشرتی یا مادی رنگ بھی رکھتے ہیں۔ مادی فلاسفروں یا مادی حکیموں کے فرائض میں یہ تین صورتیں بالخصوص نہیں ہوتیں۔ ایک مادی فلاسفر یا ایک مادی حکیم سرسری رنگ میں ان ضروریات سے مس رکھتا ہے۔ لیکن اُسکا طریق عمل ہمیشہ مادیت تک ہی ختم ہو جاتا ہے۔ وہ عبودیت کے انجام کی بابت کبھی کبھی غور اور بحث کرتا ہے۔ لیکن اُسکا غور اور بحث کوئی انتہائی درجہ نہیں رکھتی۔ کیونکہ وہ خود ہی محض مادیت یا الہام نہ پانے کی صورت میں انتہائی درجہ نہیں رکھتا۔

رسول اور نبی چونکہ مدرسہ صمدی کا تعلیم یافتہ اور خوشہ چیں ہوتا ہے۔ اِسواسطے اُس کی انتہائی حکیمانہ قوتیں دونوں رنگ رکھتی ہیں:۔

"روحانی بھی"۔

"اور مادی بھی"۔

اگر خدا ہے اور ضرور ہے تو جو شخص اُسکے مدرسے تعلیم پاکر نکلے گا۔ اُس کا درجہ اُن لوگوں اور اُن تلامیذ سے کہیں زیادہ اور محترم ہوگا جو محض مادی مکاتب کے شاگرد اور تعلیم یافتہ ہیں۔

چونکہ ہمارے رسول کریم ؐ کل قوموں اور کل دنیا کے واسطے مبعوث تھے اس واسطے ان کی وسعت تعلیم اور وسعت رشد جس پیمانہ پر ہونی چاہیئے اُسکا اندازہ فرائض تبلیغ کے موازنہ ہی سے ہو سکتا ہے۔

حکمت اور فلسفہ کی کئی ایک شاخیں اور شعبے ہیں اور ان سب شعبوں اور شاخوں میں سے عام عملی رنگ میں وہی شاخیں اور وہی شعبے مخصوص اور محترم ہیں جن پر انسانی تمدن اور انسانی زندگیوں کا عملی پہلو سے زیادہ تر مدار ہے۔

رسول کریم ؐ نے اپنی زندگی میں برنگ مرسل اور عبد کے جو کچھ اپنا طریق زندگی اور طریق عمل دکھایا۔ وہ اُنکی سیرت کا مقابلۃً ایک درخشاں اور نمایاں پہلو ہے۔ اگر آنحضرت علیہ السلام کے ملفوظات یا وہ ارشادات جو بلا کم وکاست اور بلا کسی اختلاف کے ہم تک پہنچے ہیں دیکھے جاویں تو ہر انسان آسانی کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اس عظیم الشان انسان کے محترم دل و دماغ میں کس قسم کی حکمت اور فلسفہ بھرا تھا۔ اور خدا نے اس بے نظیر اور عدیم المثیل انسان کو کیا کچھ بے لاگ طبیعت اور صحیح فطرت اور جامع عقل و فراست بخشی تھی۔

حکمت اور فلسفہ کی موٹی موٹی شاخوں میں سے اخلاقی حکمت یا اخلاقی فلسفہ بھی ہے اس شاخ حکمت اور شاخ فلسفہ پر انسانی کیریکٹر اور انسانی سیرت کا مدار ہے۔ اور اسی سیرت اور کیریکٹر کی تقدیس اور جامعیت کی بنیاد پڑتی ہے۔ سیرت اور کیریکٹر ہی انسانی عظمت اور انسانی وقار کا ایک درخشاں جوہر یا تاباں نشان ہے۔ قوموں کی ترقی اور

عروج کا اسی پر انحصار ہے۔ اسی کی ترقی سے مقرب بنتے ہیں۔ اور اسی کے تنزل سے قعرِ ذلت میں گرتے ہیں۔ تمام دنیا کے فلاسفر اور حکیموں کا سب سے اول اسی پر زور رہا اور اسی کی ضرورت خاص کا احساس کیا گیا۔ کون سا ایسا حکیم اور ایسا فلاسفر ہے جس نے اس پر بحث نہ کی ہو۔ یا جس کا اعلےٰ مطمح نظر یہ نہ رہا ہو۔

عمر ہا در پئے آہو نگہاں　　دلِ من مشقِ رمیدن کردہ است

آنحضرت علیہ السلام کے صدہا ایسے اقوال۔ ارشادات اور ملفوظات ہیں جنہیں کسی فلسفی رنگ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ پیش ہی نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ مقابلۃً ان کی فوقیت بھی ثابت کی جا سکتی ہے۔ چونکہ اس میں گونہ طوالت ہو اور وقت کی کمی بھی مانع۔ اس واسطے ہم مختصراً صرف ایک ہی ارشاد مبارک سے ثابت کر سکتے ہیں کہ اس عظیم الشان انسان کے دل و دماغ میں کس قسم کی حکمت اور کس قسم کا فلسفہ نشو و نما پا چکا تھا۔ اور کن کا نقطۂ اعلیٰ اور کس انجم ثریا سے پیوستہ اور آشنا تھا۔

حضور ارشاد فرماتے ہیں: "تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ"

یہ اس مصلحِ اعظم ذاتِ اقدس کا قول اور فرمان ہے۔ جس کی نسبت قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ"

یہ اس موحد کا قول ہے۔ جسے فلسفۂ اخلاق میں کتب صمدی سے ایک عزت اور ایک احترام کے ساتھ یہ ڈپلوما مل چکا ہے۔ جو اخلاقی فلسفہ میں ایک ایمانی سند یافتہ تھا۔ دنیا میں ہزاروں فلاسفر اور ہزاروں ریفارمر اور ہزاروں مرسل و نبی ہوئے۔ کسی ایک نے بھی اخلاقی فلسفہ کے متعلق ایسا جامع اور ایسا وسیع جملہ نہ کہا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کتاب امثال میں کہا ہے کہ "خداوند کا خوف دانش کی ابتدا ہے"۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم نہ پھرو اور بچوں کی

ماننند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوگے"

ان یا ایسے اقوال کے مقابلہ میں رسول عالمین نے جو فقرہ تَخَلَّقُوا بِاَخلاقِ اللّٰہ
کہا ہے۔ اسکی عظمت اور اسکی وقعت وہی لوگ کرسکتے ہیں جو فلسفی سائے رکھتے ہیں جنہیں
فلسفہ کی غایات کا کسی نہ کسی حد تک عملی رنگ میں علم ہے"۔

حضرت سلیمانؑ فرماتے ہیں کہ :۔

"خداوند کا خوف دانش کی ابتدا ہے"۔

حضرت مسیح کہتے ہیں کہ "تم بچے بنو۔ تب آسمان کی بادشاہت میں داخل ہوگے"۔
یعنی بچوں کی طرح بے لوث اور بیگناہ خود کو ثابت کرو"۔

ہمارے رسول مقبولؐ فرماتے ہیں کہ :۔

"اخلاق کا سبق خدا سے لو"۔

"اُن اخلاق (یعنی رنجش) کی پیروی کرو"۔

"جو تمہیں خدا کی قدرتوں کے مناظر اور مظاہر میں نظر آتے ہیں"۔

"جو تم قدرت کے افعال اور تصرفات میں دیکھتے ہو"۔

"جس کا ثبوت تمہیں خود قدرت برنگ افعالی و برنگ الہامی دے رہی ہے"۔

خدا کے اخلاق کیا ہیں ؟

"خدا۔ یا قدرت کے افعال"۔

"خدا کے الہامی صحائف"۔

"اُس صحیح ضمیر کی صدائیں جو خدا نے ہر انسان کو دے رکھا ہے"۔

سو ہیں خدا کے اخلاق۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ ان اخلاق سے خود کو تم متخلق کرو۔ اور اُن کی روش لو۔ یہی طریقہ نجات اُخروی اور تزکیہ اخلاق کا ہے۔ اور اسی سے اخلاق حسنہ کی بنیاد پڑتی ہے۔

خدا کریم ہے! کیسا کریم۔ جو اپنے نہ ماننے والوں اور اپنے منکروں کو بھی بھولتا نہیں اُن پر بھی کرم کرتا ہے +

خدا رزاق ہے! کیسا رزاق! جو رزاقی میں کسی کے ذاتی عیوب اور ذاتی کمزوریوں پر خیال نہیں کرتا +

خدا ستار ہے! کیسا ستار؟ جو ہمارے سدا ہی نہیں بلکہ ہزاروں گناہ روز دیکھتا ہے اور پھر اُنکا اپنے رنگ میں اعلان نہیں کرتا۔ اور کسی ہمارے ابنائے جنس کو اُس سے مطلع اور خبردار نہیں کرتا +

خدا قادر ہے! کیسا قادر؟ جو باوجود قادر مطلق ہونے کے بھی جلدی جلدی بازپرس اور گرفت نہیں کرتا۔ قدرت میں بھی اُسکی ستاری کام کرتی ہے +

خدا رحیم ہے! کیسا رحیم جو باوجود ہماری برائیوں کے علم کے بھی ہم پر بار بار رحم کرتا ہے +

خدا سمیع و بصیر ہے! کیسا سمیع و بصیر؟ جو ہر ایک کی آواز سنتا ہے۔ وہ ہر شے اور ہر محل کو دیکھتا ہے۔ لیکن باوجود اس قدرت سماعت اور بصیرت کے بھی ہم سے بے جو بگی سے معترض نہیں ہوتا +

خدا ہمارے تمام رازوں اور بھیدوں سے واقف ہے لیکن کسی پر اُن کا افشا نہیں کرتا +

خدا ہمیں اس دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں مفت دے رہا ہے۔ جن پر ہماری زندگی کا مدار ہے۔ اگر ایسی چیزیں ہمیں مفت نہ دی جاتیں تو ہم میں سے فیصدی پچانوے کی زندگی دوبھر ہوتی +

خدا منتقم حقیقی ہے! لیکن سوائے وقت خاص اور مہلت دینے کے کسی سے بدلا نہیں لیتا۔ اُسکی رحمت اُسکی انتہائی طاقت پر غالب ہے +

خدا کارساز ہے! کیسا کارساز؟ جو ساری دنیا کی کارسازی کو اٹھائے ہوئے ہے۔ کیا یہی باتیں انسانی اخلاق کی بنیاد۔ نمود اور فضیلت و خوبی کا موجب نہیں ہیں۔ کیا ان ہی کا دوسرے الفاظ میں

اخلاقی فلسفہ نہیں ہو؟ کیا یہی مواد مواد حکمت نہیں ہے؟

کسی نے کہا کہ :-

"تم انسانی اخلاق سے متخلق ہو"

"تم فرشتے رہو"

"تم بچے بنو"

"تم حکیموں اور فلاسفروں کے اخلاق سیکھو"

"تم سوسائٹی اور قوانین تمدن کی عظمت اور پیروی کرو"

رسول عربی فرماتے ہیں کہ :-

تم اتنی راہیں کیوں لیتے ہو۔ آؤ میں تمہیں ایک واضح ایک روشن راہ کا نشان دوں۔ تمہارے سامنے صحیفۂ قدرت کھلا ہے۔ مکتب قدرت کے دروازے بند نہیں ہیں آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ :-

"قدرت تمہیں کیا کچھ سکھاتی" "اور کیا کچھ سمجھاتی ہے"۔ افعال قدرت بجائے خود ایک صحیفہ اخلاق ہیں۔ ان سے سبق لو۔ گو تم ویسے کریم۔ ویسے رحیم۔ ویسے ستار۔ ویسے رزاق اور ویسے قادر نہیں بن سکتے۔ لیکن چونکہ صنعت کو صانع سے ایک قسم کی نسبت اور خصوصیت ہوتی ہے اس واسطے تم ان آثار۔ ان مظاہر اور ان افعال قدرت سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہو اگر قدرت تمہیں بعض اشیاء۔ بعض مواد مفت دیتی ہے تو کیا تم بعض چیزیں اپنے غریب بھائیوں کو نہیں دے سکتے؟ بتاؤ تو سہی خدا تم سے ان اشیاء اور ان نعمتوں کی بابت کیا سود لیتا ہے اور تم پر کیا ٹیکس لگا رکھا ہے۔ پھر تم باوجود مقدرت کے بھی اپنے بھائیوں سے کیوں سود لیتے اور کیوں اپنے ایک ابنائے جنس کی روح شکنجے میں ڈالتے ہو؟

کیا خدا تمہاری عیب پوشی نہیں کرتا؟ اور کیا اس کی ستاری تمہیں مرہون نہیں کر رہی؟ پھر تم کیوں اپنے بھائیوں کی غلطیوں سے اکتاتے اور ان سے کاوش رکھتے ہو۔ حالانکہ تم بھی

وہ گز کی طاقت رکھتے ہو!

خدا ایک ضابطے کا مطالبہ ہے۔ کیا تم بھی ایک ضابطہ اختیار نہیں کر سکتے؟ اور کیا تمہارے واسطے اسکی ضرورت نہیں ہے؟

انصاف سے کہو۔ کسی حکیم اور کسی فلاسفر نے بھی انسانوں کے واسطے اس ضابطہ الٰہی کا اخلاقی رنگ میں نشان دیا ہے۔ اور کسی نے بھی یہ کہا ہے؟ کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ

ایک طرف خدا کی وحدت پر زور دیا اور دنیا کے پردے پر سے شرک و بُت پرستی کو مٹایا۔ اور دوسری طرف انسان کی قدرت سے یہ رسائی کر دی کہ اُسے اُسکے اخلاق۔ اسکی روش پر لگایا۔

صحیح انسانیت یہی ہے کہ انسان انسان رہ کر افعال قدرت سے اپنے واسطے رستہ نکالے اور روش قدرت کا عملی رنگ میں مقتدی ہو۔ نہ صرف افعال قدرت ہی سے بلکہ اقوال قدرت سے بھی۔ قدرت ایک الہامی زبان رکھتی ہے۔ قدرت بولتی ہے۔ جسے دنیا میں سے صرف بعض شاہد ہی سمجھتے ہیں۔ تکمیل انسانی اخلاق کے واسطے یہ دونوں راہیں انسان کو منزل مقصود پر پہنچاتی ہیں۔ اور ان ہی کی وجہ سے انسان مقدس اور کامل بنتا ہے۔ چونکہ خدا کامل ہے۔ اس واسطے وہ چاہتا ہے کہ انسان بھی اپنی حدود میں رہکر اس زیست سے نکل کر کامل ثابت ہو اور اس زندگی میں ہی وہ کمال پاوے۔ یہ بات تب ہی نصیب ہو سکتی ہے۔ جب انسان اپنے ضمیر کو (جو ایک قدرتی پرزہ ہے) قدرت کے دیگر پرزوں سے تزکیہ اور تصفیہ کرے اور اُسکا گُر اور قانون کیا ہے؟ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ دنیا میں اس قانون کا معلم کون ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی ذات مقدس میں روحانی۔ معادی اور معاشری دونوں حکمتیں اور دونوں کمالات رکھتے ہیں اور جنکی نسبت خدا یوں کہتا ہے "وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ" اور جو دونوں جہان یا دونوں زندگیوں میں خَیْرًا کَثِیْرًا کا وارث اور مالک ہے ؎

در عشق دفتر دل ما کارنامہ ایست　　　یک جز ازاں سفینۂ اقوال احمد است

(میرزا) سلطان احمد

رسول اللہ کا احتساب کبریٰ

اور

مدنیۃ صالحہ

(۱)

ہر کس شناسندہ راز است و گرنہ　　اینہا ہمہ راز است، کہ معلوم عوام است

خود غرض، اور مغرور انسان کی آنکھوں پر کتنے بھی غفلت کے پردے پڑ جائیں، اُس کے دل ضلالت منزل پر جہل و سرکشی کی کیسی ہی مُہر کیوں نہ لگ جائے۔ اُسکی قوت سامعہ کسی درجہ بھی بے حس کیوں نہ ہو جائے، تاہم وہ اس قدر اندھا نہیں ہو جاتا، کہ نور و ظلمت کے بدیہی فرق کو محسوس نہ کر سکے، وہ اس قدر جاہل نہیں ہو جاتا، کہ نغمہ ہائے شیریں اور دشنام ہائے تلخ سے اسکے کان کے پردوں میں دو مختلف و متضاد تموج پیدا نہ ہو سکیں!

با ایں ہمہ ہوا یہی ہے کہ وہ اکثر نہیں دیکھتا، وہ اکثر نہیں سُنتا، وہ اکثر نہیں سمجھتا! یہ جمع نقیضین اور اجتماع ضدین نہیں ہے بلکہ یہ کائنات کا ایک معلوم راز ہے جس کا فاش کرنا عیب نہیں بلکہ ہمارے استدرکات صحیحہ کا امتحان ہے! +

اور یہ وسیع الحقیقۃ، اور رفعۃ التصریح عنوان، ؎

ملنا ترا اگر نہیں آساں، تو سہل ہے　　دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

کے مفہوم سے ہم آغوش ہے +

دنیا کی ہر چیز میں خیر و شر ملا ہوا ہے، دامن گل کانٹوں سے اُلجھا ہوا ہے، شہد کا ذخیرہ نیش ہائے زہر آلود سے گھرا ہوا ہے، نور ظلمت سے مخلوط ہے، آب شیریں اور

آب شور کی موجیں ملکے بہتی ہیں۔ اور ایک ساتھ رہتی ہیں، مگر اس اختلاط و التباس کے باوجود، دونوں کے درمیان ایک باریک سا پردہ بھی حائل ہے!

پھر یہ التباس و امتیاز، یہ فرق و تجنیس، عبادات، معاملات، سیاست، اخلاق غرض تمام چیزوں اور سارے شعبہائے اعمال انسانیہ میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے!

نبوت کی حقیقت، اور تنزیل الہام، و بعثت انبیاء کرام کا مقصد بھی صرف یہی ہے کہ خیر و شر کے درمیان جو چلمن پڑی ہوئی ہے۔ انکو صریح ضلالت سے بچائیں تاکہ قانون الٰہی کے تحفظ تامہ کے ساتھ دنیا میں عدل و اعتدال قائم رہے!۔

خیر و شر، ہدایت و ضلالت، اور حق و باطل کا وہ ایک غیر معمولی اختلاط ہے، جبکہ اعتدال قائم نہ رہے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہیں کھل جائیں، اور وہ لوگ جو ان کے درمیان امتیازات قائم کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ انہیں کا نام "امرین بالمعروف والناھین عن المنکر" ہے!

انبیائے عظام کا حقیقی کام یہی ہے کہ وہ اشیاء کے مضار و منافع کو جو سیکڑوں پردوں کے اندر پوشیدہ ہوں۔ بے نقاب و بے حجاب کردیں۔ تاکہ دنیا ضلالت سے نجات پاکر حقیقی امن و سلامتی حاصل کرے!!

مذہب کے تمام اجزا اگرچہ بالواسطہ تمدن سے تعلق و ربط رکھتے ہیں۔ لیکن احتساب خود تمام تمدن پر حاوی ہے، سیاست جو تمدن کا احیاء و ابقاء کرتی ہے۔ بنفسہ کچھ نہیں بلکہ فلسفۂ احتساب کا خلاصہ ہے۔ یہاںتک کہ حکومت کی سیادت بھی حقیقۃً احتساب صحیحہ سے پیدا ہوتی ہے!

فطرت کا یہ قانون غالباً آپ کو معلوم ہے کہ ہر شئے خیر و شر سے ملی جلی ہوئی ہے اس واسطے انسان کو ہر وقت ہوشیار و خبردار کرتے رہنے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ شہد کی جگہ زہر نہ پی لے۔ اور لعل کی جگہ انگارے نہ اٹھا لے، پس اگر کوئی شخص وحی و الہام کے ذریعہ اس فرق کو قائم کرتا ہے تو وہ پیغمبر ہے! اور اگر کوئی فلسفہ و اخلاق کے پیرایہ میں

دیں یاد کر بتاتا ہے تو وہ حکیم ہے، اور اگر کوئی شخص حکومت کی قوت سے امن قائم کر کے نظام
استوار کرتا ہے تو وہ حاکم ہے!

زید نے راہ میں بیٹھکر اندھوں، اپاہجوں، بھولے بھٹکوں کو راہ بتائی تو وہ اللہ کا نیک
بندہ ہے! عمرو نے لوگوں کو بازار کی ہر شے کا ٹھیک ٹھیک نرخ بتایا تو وہ تاجر امین ہے! اور
بکر نے صداقت کی خاطر کلمۂ حق کا نشر و اعلان کیا تو وہ مومن و مسلم ہے!

اسی تعاون و تناصر کی تعریف مدنیت صالحہ ہے۔ اور یہی ہے وہ شے جس کا نام تمدن
ہے۔ اور حقیقی تمدن ہی کے لیے احتساب کی ضرورت ہے، اگر احتساب نہیں تو تمدن کی تعریف
ہی صحیح نہیں۔ تعاون و تناصر ہر متمدن کا فرض ہے! اور چونکہ اسلام ایک مدنیت کبریٰ ہے
پس ہر مسلمان، مدنی الطبع محتسب بھی ہے!

یہ اسلام کی فضیلت کبریٰ ہے کہ ساری دنیا کے ادیان و مذاہب میں وہی صرف ایک
حقیقی نیکی اور اخلاق کی بادشاہت ہے جس نے ایک طرف تو انسان کے ہر عمل کو محکمۂ
احتساب کے ماتحت کر کے سلسلۂ تمدن کی تکمیل کر دی۔ اور دوسری طرف ہر انسان پر احتساب
بین الافراد فرض کر کے قوت محتسبہ کو ایک حقیقی عظمت و زندگی بخش دی: پھر یہ دستور
بالکل عام، اور اعیان و ارکان اسلام میں راسخ کر دیا!!

اب شرح اجزائے احتساب پر نظر ڈالیے، مادیت ہی کچھ منتہائے احتساب نہیں بلکہ
احتساب ایک خالص روحانی ترتیب و تربیت کا پابند ہے، احتساب کی سب سے پہلی منزل
اپنے اعمال کی ٹٹول، اور اپنے کارناموں کی جانچ پڑتال، اپنے تزکیۂ روح اور اپنی ہی اصلاح
حالت و نفس سے عبارت ہے (ان النفس لامارۃ بالسوء)۔

آنحضرت ﷺ کو جب تبلیغ رسالت کا حکم دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے نشر حق کی ہدایت فرماتے
ہوئے طرح و ترتیب احتساب بھی ایما فرما دی "یا ایہا المدثر قم فانذر و ربک
فکبر و ثیابک فطہر والرجز فاہجر" اے چادر پوش میں آسودہ! اٹھ۔ پھر لوگوں کو

ڈرا۔ پھر اپنے خدا کی تکبیر کہہ اور اپنے کپڑوں کو پاک کر اور بتوں سے دوری اختیار کر۔ یہ اصلاح نفس کے بعد آل و اولاد۔ اعزہ اور اقارب کا درجہ ہے (وانذر عشیرتک الاقربین) "اپنے اقرباء و قبیلہ کے لوگوں کو گمراہی و ضلالت کے خسران آمیز نتائج سے ڈراؤ"!

اِن مراتب و مراحل کے بعد قوم کی اصلاح ہے! چنانچہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت خوبی و تکمیل کے ساتھ احتساب کے تمام منازل و مدارج طے فرمائے ہیں۔ اور اعمالِ حیات انسانی کے دونوں پہلو یعنی جس قدر بھی شعبے ہوسکتے ہیں۔ اُن سب میں ہم اپنے مصلح اکبر و اعظم۔ اپنے نبی کرم و محترم کے اسوۂ حسنہ سے جمیل منتفع کرسکتے ہیں اور جو ہماری گم کردہ راہ حیات کے لیے میل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں تمام کا احاطہ ناممکن ہے!

مگر ہم بعض مواقع احتساب و اصلاح پیش کرتے ہیں۔ زمانہ نازک اور وقت تھوڑا، اختصار سے بھی استفادہ کی طویل فہرست تیار ہوسکتی!

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے!

(۲)

یہ مسلمہ امر ہے کہ قومی زندگیوں کے لیے اخلاق بمنزلہ جان کے ہے، مگر اسکے ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار غیر ممکن ہے کہ حریتِ فکر، استقلال آراء، اور آزادیٔ سخن، اخلاق کی روح ہے!

ہرچند کہ اخلاق علیہ کے لیے یہ اسپرٹ مہالک و خطرات سے خالی نہیں، تاہم اہلِ حق نے اس متاعِ عزیز کے لیے ہر طرح کے امتحان دیئے ہیں!

قوموں کے نظام اخلاق و نظام عمل کے لیے اس سے زیادہ کوئی بات شرمناک نہیں کہ شدائد کا خوف، خطرات کا ڈر، عزت کا پاس، متعلقات کے قیود۔ اسکے افرادِ حق کے افکار و آراء کی شکلِ حقیقی کو مسخ کردے، انکا ظاہر باطن کا عکس بردار نہ رہے۔ اُن کا قول اُنکے اعتقاد قلب کا غمّاز نہ ہو، اُن کا مقال حال سے بعید ہو جائے۔ اُن کی زبان دل کی سفارت نہ کرسکے، ان کے

الفاظ اُن کے دل کے ترجمان نہ ہوں، ان کے مقالات صداقت کا عنوان نہ رہتے ہوں۔ اور وہ یکسر اعراض عن الخیر و کتمان حق پر آمادہ ہو جائیں!

حالانکہ مرد صادق اس سے عبارت ہے کہ وہ جب حق و باطل، معروف و منکر، خیر و شر، خدا و شیطان، کا مقابلہ کہیں ہوتے دیکھے تو فوراً بلا رو رعایت، رضائے خدا، نصرت حق، امر معروف اور دعوت حق کی حمایت کرے، اور "لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" (مائدہ) آسمان کے نیچے کسی ہستی کی پرواہ نہ کرے۔

اور اگر وہ دل اور ضمیر کی مصلحت کو مد نظر رکھکر کچھ کہتا ہے جس کا دل شاہد نہیں جسپر ضمیر رضامند نہیں تو یہ شان مسلمان کی نہیں "لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ" (الصف) کہ وہ کہے کچھ اور کرے کچھ!

خدائے اسلام اور مبلغ دین حنیفی کبھی اس بات پر خوش نہیں کہ آپ کا ظاہر و باطن ایک نہ ہو، اور آپ کا اعتقاد قلب کچھ ہو، اور ارادت و پرستش کچھ اور، "كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ" (الصف)۔

آج مدعیان حق گوئی ذرا احتساب نفس کر دیکھیں کہیں وہ اپنے میں اس نوع کی خرابیاں تو نہیں پاتے؟ کہ وہ دوسروں کو تو نیکی کی دعوت دیجا رہی ہو اور خود احتساب سے بھولے ہوئے ہوں "أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ" (بقرہ)۔

اخلاق کا سارا خلاصہ یہ ہے کہ انسان سچا، راستباز، اور حق گو ہو۔ اور اس کا مصداق نہ کہ "يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ" منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہے!

ایک مسلمان تو خدا کی طرف سے، اس دنیا میں احتساب کے لیے ایک سچے محتسب کی شخصیت رکھتا ہے، وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ اس واسطے کہ وہ ہر موقع پر حق کا شاہد ہو، اب یہ بدبختی نہیں تو کیا ہے، جسکو خدا نے محکمہ

احتساب کا رکن خاص بنا دے، اور اسکی اس ممتاز خصوصیت کا اعلان کر دے، اور وہ حق کی گواہی سے اعراض کرے، اور اخفائے حقیقت پر مائل ہو جائے (وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ) حقیقت میں اس سے زیادہ ہم رنگ آپ پر ظلم نہیں کر سکتے! اور (وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ) (بقرہ) کے خلاف عمل کرکے وہ نظام سوسائٹی کو درہم و برہم کر رہا ہے!

ایک حق گو، اور راست باز، انسان ہماری سوسائٹی، اس عام ہیئت اجتماعی کا رکن خاص، اور محافظ و نگہبان ہے، ملک اور حکومت کو اگر حفظ امن، اور تہدید اشرار کے لیے پولیس کی ضرورت ہے تو اس سے زیادہ یقیناً مجمع انسانی کی بدکار اور شریر ہستیوں کے لیے، انکی تہدید و تخویف جائز ہے راست باز، حق گو، انسانوں کی بھی سخت ترین ضرورت ہے، وہ راست باز، اور حق گو افراد، جو غلغلۂ صداقت سے ضلالت کو تھرا دیں جن کی راست بازی شریروں کی شرارت کو مرعوب کر دے: جن کی صداقت شعاری مبتلایانِ اعمال سیئہ کے لیے صدائے تنبہ و تہدید ہو! جو عملاً اس عقیدے کی تمثال ہوں کہ ہر خلوت و تنہائی میں ایک ایسا حاضر اُنکے پاس موجود ہے جو چھپے اور پوشیدہ اعمال کو دیکھ رہا ہے؛ جو ایماناً اس یقین کی تصویر ہوں کہ ہر پردے اور دیوار کی اوٹ میں ایک ایسا ناظر ہے جو اُن کے ہر بُرے اور بد کاموں کو جانتا ہے، دیکھتا ہے، احتساب کی یہ تعریف ہے، اور حقیقی محتسب کی یہ شخصیت ہے!+

افسوس ہے اُس سوسائٹی پر، اور ہزار حیف ہے اُس اجتماع انسانی پر جس میں کسی حق گو اور راست باز روح کا وجود نہ رہے، یا پیدا ہو جائیں ایسے لوگ جو فرض احتساب کو فراموش کر دیں!

عن ابی بکر رضی اللہ عنہ انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان الناس اذا رأو الظالم فلم یاخذوا علی یدیہ اوشک ان یعمہم اللہ بعقاب منہ (ترمذی)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ لوگ جب ظالم و بدکار کو دیکھیں اور اُسکا ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب خدا اپنا عذاب اُن سب پر نازل کرے گا

حمایت حق اور منع عن الشر کی حضور نے بے حد تاکید کی ہے۔ اور اجتماعِ انسانی کے اس اعتساب سے درگزر کو بہت بُرا بتایا ہے، چنانچہ اس سے زیادہ تہدید اور کیا ہو سکتی ہے!

والذی نفس محمد بیدہ لتامرن بالمعروف، وتنهون عن المنکر او لیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عقاباً من عندہ ثم لتدعونہ فلا یستجاب لکم۔ (ترمذی)	اُس ذات اقدس کی قسم جسکے ہاتھ میں محمد کی جان ہے تم فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرو! ورنہ خدا تم پر اپنا عام عذاب نازل کریگا پھر تم پکاروگے۔ لیکن قبول نہ کیا جائے گا! (ترمذی)

(۳)

آج خوفِ بیجا کے بعض موانع ہیں جو ہمکو حق گوئی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دعوت الی الخیر اور منع عن الشر سے اکثر باز رکھتے ہیں!

ہمارا دل حق کے لیئے کیوں آزاد نہیں؟ ہم صداقت کے کیوں حامی نہیں؟ ہم کو استقلال فکر کیوں محبوب نہیں؟ اشخاص کی غلامانہ پرستش کی زنجیروں کو ہم نے اپنے پیروں کا زیور کیوں سمجھ لیا ہے؟

بات یہ ہے کہ یہ سب انجام ہے ہمارے اُس بے جا حُسنِ اعتقاد کا جسکو ہم نے معتقدین کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ ذات ایک ہی ہے جو ہر نقص سے پاک اور ہر عیب سے منزہ و مبرا ہے، یا پھر وہ جماعت ہے جنکو انبیائے کرام کہتے ہیں، جو معصوم اور گناہوں سے پاک بنائی گئی ہے!

حسن ارادت فی نفسہ بُری شے نہیں۔ لیکن انبیاء کے سوا، غیر اولو امر ربانی میں اور کسیکو اتنا رتبہ دینا کہ اُس کا ہر قول و فعل آئینِ تسلیم، اور معیار صداقت ہو ٹھیک نہیں بلکہ شرک فی النبوۃ ہے!

اعیان کرام کی عزت کرنا انسانی حسن اخلاق کا بہترین جوہر ہے۔ مگر یہ حق تو کسی کو

نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے قلوب پر حکمرانی کرے، اور کس حیثیت سے ہم پر مستولی ہو کہ اس کے سارے احکام ہم دائرہ انتقاد سے باہر اور نقص بشری سے پاک سمجھ لیں، اور اگر ہم نے ایسا ہی سمجھ لیا تو پھر خدا کے لیئے ہمارے پاس کیا رہ گیا؟

قوموں کی حیات و ممات سوسائٹی کی جماعتی اسپرٹ کی زندگی، اور بربادی پر موقوف ہے، اور سوسائٹیوں کی زندگی و بربادی افراد کے صلاح و فساد اور معاشرت و اخلاق پر مبنی ہے۔ اخلاق اور آداب معاشرت کی نگہبان و محافظ دو چیزیں ہیں۔ خوف خداوندی، اور شرم انسانی۔ مبارک ہیں وہ قلوب جو خوف الٰہی کے نشیمن ہیں۔ اور عالی ترین ہستیاں ہیں جو انسانیت کے لیے شرم رکھتی ہیں؛

لیکن اگر کسی جماعت میں ایسے لوگ نہیں جو خوف الٰہی اور شرم انسانی رکھتے ہوں تو بتاؤ سوسائٹی کے عام اعمال کا کون نگراں ہوگا؟

کون امر معروف، اور نہی عن المنکر کی خدمت انجام دیگا؟

اور شریر روحوں کی ہدایت کن ہاتھوں سے ہوگی؟ کس کی زبان اعمال سیئہ کی تذلیل کے لیئے وا ہوگی؟۔ دل کا وہ کون گوشہ ہوگا جو بدکاروں کی لعنت و تحقیر کے جذبات سے معمور ہو؟

اور پھر وہ کون لوگ ہوں گے جو خوشی کے ساتھ بدکاروں سے اپنے آپ کو الگ کر لیں۔ احتساب کی ایک نازک ترین تعریف یہ بھی ہے اور یہی مفہوم ہے، مسلم اور ترمذی کی ایک ذیل کی مشہور حدیث مقدس کا:-

قال النبی صلعم من رای منکم منکرا فلینکر بیدہ ومن لم یستطع فبلسانہ ومن لم یستطع فبقلبہ و ذلك اضعف الایمان ۔ (ترمذی و مسلم)

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں جو مسلمان کسی برائی کو دیکھے چاہیئے کہ اُسے اپنے ہاتھ کے زور سے مٹائے اگر یہ نہ ہو سکے تو زبان سے ہی بُرا کہے یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے بُرا سمجھے (مگر) اور یہ ضعیف ترین درجہ ایمانی ہے۔

دنیا میں انسان سیکڑوں قوتوں کا محکوم ہے، ماں باپ کا محکوم ہے، دوست احباب کا مطیع ہے، استاد اور مرشد کا محکوم ہے، امیروں اور رئیسوں کا محکوم ہے، حالانکہ وہ دنیا میں بغیر کسی زنجیر اور بیڑی کے آیا تھا، مگر دنیا نے اُسکے پاؤں میں علائق کی بہت سی قیدیں ڈال دیں!

تاہم مومن ومسلم ہستی وہی ہے جو صرف ایک ہی کی محکوم ہو، اسکے گلے میں اگرچہ چھوٹی چھوٹی بہت سی زنجیروں کے حلقے ہیں مگر ہر سمت نہ کھنچ جانیکے لیے اصلی اور بوجھل ایک ہی زنجیر ہے۔ وہ ماں باپ کی اطاعت کرتا ہے اسلیئے کہ اُسکے حاکم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے وہ دوستوں سے چشم مروت رکھتا ہے اسلیئے کہ اُسکے حاکم نے احباب سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے وہ اسپنے ہر بزرگ کا احترام کرتا ہے۔ اس واسطے کہ اُسکے مولانے، ادب آموز حقیقی نے ایسا ہی کہا ہے، وہ دنیا کے حاکموں اور بادشاہوں کا مطیع ہے، اسلیئے کہ اُسکے حقیقی حاکم نے ایسے حکم ملننے کا حکم دیدیا ہے جو اُسکے حکم کے منافی نہ ہوں؛

لیکن یہ جو وہ سب کچھ کرتا ہے تو اس واسطے نہیں کرتا کہ انکے اندر وہ کوئی ایسی شئے سمجھتا ہو جسکے لیئے اُسکی روح جھکے بلکہ صرف اس لیئے کرتا ہے کہ اپنے ایک حقیقی حاکم کی تعمیلِ ارشاد ہوسکے!

پس بظاہر دنیا میں انسان کے لیئے بے شمار حاکم ہیں، مگر حقیقت میں اُسکے سر کو جھکانے والی ایک ہی قوت ہے۔ اور اسکے سوا کوئی نہیں:۔

ان الحکم الا للہ، امر الا تعبدوا الا ایاہ ۰	تمام جہان میں اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جسکی حکومت ہو، اُسنے ہمکو حکم دیا ہے کہ اسکے سوا اور کسیکو نہ پوجیں اور نہ کسیکو اپنا معبود بنائیں

تمام دعوت الی الحق میں اہم ترین مقصد استیصال شرک اور یہی تفرقِ حق و باطل ہے چنانچہ خدائے اسلام نے یہ کہکر اُن تمام ماسوی اللہ اطاعتوں اور فرمانبرداریوں کی بندشوں سے مومنوں کو آزاد کرکے حُرِ کامل بنادیا ہے۔

تمام مادی علائق اور دنیاوی قیدوں سے جو آزادی کے پاؤں میں بھاری سی زنجیر تھے اس ایک ہی جملہ نے انسانی اطاعت اور پیروی کی حقیقت کو کامل ترین وسعت و احاطہ کے ساتھ واضح کر دیا!

اور اسوقت کے لیے جب کہ بندے کی بات ماننے سے خدا کی بات جاتی ہو! دنیا والوں کا ساتھ دینے سے خدا سے علٰحدگی پیدا ہوتی ہو! ہمارے رسولؐ کے ارشاد نے راہ صاف کر دی؛

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق + بخاری ومسلم	جس بات کے ماننے میں خدا کی نافرمانی ہو۔ اسمیں کسی بندے کی فرمانبرداری واجب نہیں!

یہ اسلامی زندگی کا دستور العمل تھا۔ اور مومن کے تمام اعمال و معتقدات کی مکمل تصویر ہے: جسقدر بھی اطاعتیں، اورجس قدر بھی تسلیم واعتراف ہے۔ اسوقت تک کے لیے جبتک کہ خدا سے رشتہ قائم رہ سکے، اور وہ رشتہ اس سلسلے کو منقطع کرائے اُسکو پہلے قطع کر دو!

اُسوقت پھر نہ ماں، ماں ہے نہ باپ، باپ، نہ پھر دوست، دوست ہے نہ یار، یار، تمام عہدوں اور پیمانوں کی شکست، تمام رشتوں ناطوں کا انقطاع؛

کیونکہ یہ اطاعت اور رواداریاں اُسکی اطاعت کے احیا کا صدقہ ہے جب وہ نہیں تو کچھ نہیں؛ لا طاعۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق۔ الحدیث +

احتساب نفس

اعمال احتساب کے نازک ترین اشارات، اور عرض اجمال مباحث تدقیق، عمیق، کے بعد اب ہم بعض مقالات احتساب عمومی کے جزئیات پیش کرینگے، جو موجودہ حالات کے اعتبار سے بہت زیادہ سبق آموز ہیں!

سب سے پہلے آپ آج اولیائے جمہور اور علمائے امت کی درونی و بیرونی زندگی کا مطالعہ کریں۔ آپ فوراً اُن اقوال و اعمال کے موازنہ کے بعد قول وعمل میں بُعد المشرقین کا فرق

محسوس کرینگے، پھر کیا لیڈرانِ وقت، اور سرداران امت کا بھی حق ہے وہ دنیا کی چند عزت لیکر فراعنہ و نمارده بن گئے، اور یہ حضرات علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد جنت کے وارث اور خوشنودی خدا و رسول کے ٹھیکہ دار بنگئے ہیں۔ اُمت زدہ حال کے سُراغ کہیں سے ملیں گے، اسکے مقابل رسولِ خدا کا اسوہ ملاحظہ کیجئے، باوجودیکہ آنحضرت کی ذات پاک جامع فضائل تھی۔ اور اللہ پاک نے آپ کے تمام زلات کو معاف فرمادیا تھا، باایں ہمہ آپ کثرت سے نماز پڑھتے تھے۔ اور اسدرجہ انہماکِ مجاہدہ تھا کہ حضور کے پاؤں ورم کر آتے تھے، ایک مرتبہ صحابہؓ نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ! خدا نے تو آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کردیا ہے، پھر آپ کیوں اسقدر مصروف عبادت رہتے ہیں"؟ آپنے فرمایا۔

اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ کیا میں خدا کے شکرگزار بندہ ہونے کی کوشش نہ کروں؟ (بخاری)

بزعم مقبول حضرات امت اس سے عبرت پکڑیں

آج تھیٹر اور خصوص بائیسکوپ داخل فیشن ہے۔ اور اس سنتِ مدنیت کا ادا کرنا متمدن ہونے کی علامت ہے، ہم طرح طرح کے نغمہ ہائے دلکش اور روح کو مضطرب کردینے والے مخش مناظر دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، اور کچھ پرواہ نہیں کرتے؛ حالانکہ حضورؐ کے زمانہ میں یہ بدعتیں تو کہاں تھیں۔ مگر پھر بھی جب کبھی اس قسم کے مواقع پیش آتے۔ جن میں قلب کے خدا کی جانب سے غافل ہوجانے کا احتمال ہوتا تھا، یا نفس میں غرور و سرکشی پیدا ہوجانے کا ڈر ہوتا تھا تو آپ سختی کے ساتھ احتراز فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گھر میں ایک پردہ لٹکا رکھا تھا۔ جس میں تصویریں سی بنی ہوئی تھیں۔ آپ کی نظر پڑی تو فرمایا:

امیطی عنا قرامك فانه لاتزال ہمارے سامنے سے اپنا پردہ ہٹالو۔ کیونکہ

تصاویرہ تعرض فی صلاتی		اس کی تصویریں ہمیشہ میری نماز میں خلل انداز ہوتی ہیں ۔ (بخاری)

اس ارشاد حق میں دلدادگانِ تہذیب جدیدہ کیلئے بہت کچھ تہدید مضمر ہے!

امرار، وزراء اور عوام و متوسطین کو آپ میلے تماشوں، تفریح گاہوں میں دیکھئے۔ قاقم و کمخواب، اطلس و حریر سے مرغ زریں اور ایک گروہ آتشیں سب نظر آئیں گے؛ حالانکہ حضور نے ایسے ملبوس سے ہمیشہ اکراہ فرمایا ہے، ایک مرتبہ ایک صحابی نے بطور تحفہ و ہدیہ کے حریر کا ایک جبہ پیش کیا، آپ نے اسکو پہن کر نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونیکے بعد نہایت ناگواری سے اُتار ڈالا۔ اور فرمایا:-

لا ینبغی ھذا للمتقین (بخاری)	یہ لباس پرہیزگاروں کے لیے موزوں نہیں ہے!

میونسپل کمشنری سے لیکر کونسل کی ممبری تک کے لیے آج ہم ووٹ حاصل کرنے کی غرض سے خود آپ اور اپنے حاشیہ نشین احباب سے اپنی مدح و تعریف سے پر مضامین لکھواکر اخبارات میں شائع کراتے ہیں۔ اور خود اپنے قلم خود ستائی سے اپنی تعریف لکھنا یورپ کے صدقے میں جائز بنالیا ہے، اور اپنے تمام اعمالنامے استحسان کی رنگ آمیزی کیساتھ قلمبند کیے جاتے ہیں، اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لیے زمین و آسمان کے قلابے ملا دینا کھیل سمجھا جاتا ہے۔ آہ! آنحضرت اگرچہ خیر البشر تھے، لیکن کوئی شخص آپکو اگر انبیاے سابقین پر ترجیح دیتا تھا تو آپ منع فرماتے تھے، ایک مرتبہ ایک صحابی اور ایک یہودی میں جھگڑا ہوگیا، اشتعام کی توثیق کے لیے صحابی نے قسم کھائی "اُس خدا کی قسم جس نے محمدؐ کو تمام دنیا سے افضل بنایا" اسی طرح یہودی نے کہا "اس خدا کی قسم جس نے موسیٰؑ کو تمام دنیا پر ترجیح دی ہے" صحابی نے غصہ میں بھر کر یہودی کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، اُس نے آنحضرت سے شکایت کی۔ آپ نے حکم دیا "مجھے موسیٰؑ پر ترجیح نہ دو" (بخاری)

کیا اس اسوۂ نبوت میں کچھ راہ ہدایت ہے؟

(۶)

احتساب خاندان

دنیا نے حصول عزت کے لیئے ہزاروں ہتھکنڈے پھیلا رکھے ہیں۔ اور دہوکہ و فریب دہی میں ایک دوسرے کا ممد و معاون بنا ہوا ہے، ایک باعام ہے کہ "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" اور اس جلسازی میں اپنے قریبی رشتہ دار اپنے عزیز اور بھائی بند زیادہ امداد دینے کے قابل سمجھے گئے ہیں گھر میں نقیری باہر ذریات کے ذریعہ اسم مشہور ہیں۔ حقیقت میں درسیات ابجد پر بھی عبور نہیں۔ مگر باہر مولوی اور مولانا لکھے اور لکھوائے جاتے ہیں۔ بھید یہ ہے کہ حضور نے سلوک و طریقت کی ہوا نہیں کھائی ہے۔ مگر مریدوں کے ذریعہ مشتہر کر دیا گیا اور کرایا جاتا ہے کہ جناب۔ قطب وقت اور ابدالِ زماں ہیں۔

اصلاح گھر سے شروع ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا وانذر عشیرتک الاقربین سب سے پہلے اپنے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کے آگے تبلیغ حق کرو، اور انکی اصلاح کرو اور عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورؐ نے اپنے تمام قبیلہ اور تمام افراد خاندان کو جمع کر کے ایک پیغمبرانہ لہجہ میں اس حکم الٰہی کو سنایا:۔

"یا معشر قریش! یا معشر بنی عبد مناف! یا معشر بنی قصی! یا معشر بنی عبد المطلب! اے فاطمہ محمدؐ کی بیٹی! تم سب اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، کیونکہ میں تمہیں قیامت کے دن کچھ بھی نفع و نقصان نہ پہنچا سکونگا۔ اے فاطمہؓ! تجکو مجھ سے صرف جسمانی تعلق ہے۔ اور میں رشتے کی بیل صرف دنیا ہی میں سرسبز و شاداب رکھ سکونگا"

(ترمذی ملاحظہ کیجیے)

آج طرح طرح کے فنڈ اور نئے نئے نام سے فہرست چندہ کھولی جاتی ہے، اور قوم کے

اعیان و اکرام اس کے محافظ و نگراں کہے جاتے ہیں، تاہم بارہا اور اکثر پتہ چلا ہے کہ فلاں فنڈ کا اسقدر روپیہ فلاں حضرت ہضم کر گئے۔ اور صاحب نصاب ہونیکے باوجود فلاں شخص فلاں مسجد کا چندہ کھا گیا۔ مگر حضرتؐ کو دیکھیے۔ آپؐ نے تنزہ نفس اور استغناء و قناعت کی وجہ سے باوجود فقر و فاقہ کے اپنے اور اپنے تمام خاندان کے اوپر صدقہ کو حرام کر دیا تھا ایک مرتبہ امام حسین علیہ السلام نے عالم بچپن میں صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ آپ کی نگاہ پڑ گئی۔ فوراً تھوکا دیا "کخ، کخ،" کیا تم کو خبر نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا (بخاری)

یتامےٰ اور مساکین کے مال بے فکری سے اڑانے والے۔ ذرا دیکھیں، مدرسوں اور یتیم خانوں کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے، رسول اللہؐ کو کیا منہ دکھائیں گے!

(۷)

احتساب عقائد

اس دور فتن و فساد میں آج مختلف مشارب و مسالک بعض بالکل غیر ضروری مسائل میں باہم دست و گریباں ہیں، آپ اگر جانبداری سے الگ ہو کر نفس بحث پر غور کیجئے تو وہ بحث نہ دین کی فلاح رکھتی ہوگی نہ آخرت کی پھر خواہ مخواہ الجھنیں بڑھا کر عقائد خراب کیے جاتے ہیں!

آنحضرتؐ کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد تصحیح عقائد تھا۔ عقائد میں بدترین چیز صرف شرک فی اللہ ہے، آنحضرتؐ نے سب سے پہلے صرف شرک ہی کے مٹانیکے لیے جہاد کیا، جو احتساب کی آخری منزل ہے؛

بہت سے مسائل ایسے ہیں جو عام لوگوں کی قوت تفہیم اور اُسکی دسترس سے باہر ہیں، اگر جمہور کو اُن میں غور و فکر کرنے کا موقع دیا جائے تو مذہبی عقائد میں ہزاروں مفاسد پیدا ہو جائیں۔ اور اسلامی سادگی یکسر فنا ہو جائے۔ اسی غرض سے آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی یہ خصوصیت قرار دی کہ وہ غیر ضروری چیزوں کی بحث اور اُن کے فہم و استفہام سے

جھگڑوں میں وقت ضائع نہ کیا کریں؛

چنانچہ عہد نبوت میں جب کبھی اس قسم کے مواقع پیش آئے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ صحابہ کو زجر و توبیخ کی ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ صحابہ مسئلہ قضا و قدر کے متعلق مباحثہ کر رہے تھے، جس نے حد سے گزر کر مسلمانوں کے دو حریف و مقابل فرقے بنا دیئے۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو چہرہ مبارک غصہ سے سُرخ ہو گیا اور فرمایا:۔

لھذا خلقتم تضربون القرآن بعضہ ببعض لھذا اھلک الامم قبلکم	کیا تم لوگ اسی لیئے پیدا کیئے گئے ہو؟ تم لوگ قرآن کو گڈمڈ کر رہے ہو گزشتہ قوموں کو اسی قسم کے لاینی مسائل نے برباد کیا ہے‘‘
(سنن ابن ماجہ)	

ہماری یاد میں ابھی ایسے واقعات ہیں جنہوں نے لفظی نزاع سے بڑھکر کفر و تکفیر کے فتاوے نویسی کی صورت اختیار کر لی۔ اور اب بھی ہم بعض لوگوں کو ایسے جنون میں مبتلا دیکھتے ہیں؛

(۸)

احتساب عبادات

یہ شعبہ نہایت اہم اور بے حد تفصیل طلب تھا مگر افسوس ضیق وقت کے لحاظ سے ہم زیادہ نہیں لکھ سکتے،

عبادات چونکہ روز کی چیز تھی جس میں سہو و غفلت اور تساہل و بے عنوانی کا پیدا ہو جانا ضروری اور ممکن تھا۔ اس لیئے آنحضرتؐ کو احتساب کی اکثر ضرورت پیش آتی تھی، (بخاری)

اسلام نے ادائے نماز کے لیئے جماعت کو واجب کر دیا تھا، لیکن اکثر لوگ اسمیں غفلت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے جماعت میں چند اشخاص کو تلاش کیا مگر نہیں پایا نہایت برہم ہوئے اور فرمایا۔ جی میں آتا ہے کہ ایک شخص کو امام بنا کر خود اُن لوگوں کے پاس چلا جاؤں اور لکڑیوں کا ڈھیر لگا کر اُن کو آگ میں پھونک دوں‘‘ + (صحیح مسلم)

بعض لوگ جب امامت کرتے تھے تو نماز کو طول دیتے تھے؛ جس سے کاروباری اور ضعیف لوگ گھبرا جاتے تھے؛ ایک شخص نے اسی بنا پر حضرتؐ سے امام کی شکایت کی آپ کو معمول سے زیادہ غصہ آیا اور فرمایا:۔

"تم لوگوں کو مذہب سے متنفر کرتے ہو، امام کو نماز میں تخفیف کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ان میں مریض، ضعیف، (کاروباری)، اور ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں (بخاری)

نماز کا اصلی مقصد خضوع و خشوع ہے، لیکن جب کسی کے طرز عمل سے ان کا ظہور نہیں ہوتا تھا تو آنحضرتؐ اسکو تنبیہ فرماتے تھے، ایک بار ایک شخص نہایت عجلت کے ساتھ آیا، اور وضو کرکے تعجیل کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز پڑھ چکا تو آپؐ نے فرمایا۔ "نماز کو دُہراؤ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ اسی طرح اس نے تین بار نماز دُہرائی۔ اور آپؐ نے تینوں بار ٹوکا اور آخر میں اُس نے کہا۔ اِس سے بہتر اب میں نماز نہیں پڑھ سکتا" پھر آپؐ نے خود تکبیر قرأت۔ رکوع۔ سجود۔ قیام و قعود کے طریقے بتلائے۔ جنسے اطمینان، سکون، وقار اور اعتدال کا اظہار ہوتا تھا (بخاری)

اوپر ہم نے نماز کے متعلق تین احادیث نقل کی ہیں۔ جن میں سے ایک میں تو شرکت جماعت میں غفلت کا ذکر ہے، دوسری میں نقص امامت اور تطویل نماز سے اجتناب کا بیان اور تیسری میں نماز میں خشوع و خضوع کا تذکرہ ہے۔ اس وقت ہمارے واسطے یہی کافی ہیں؛

آج آپ دیکھتے ہیں کہ شرکت جماعت تو ایک چیز اور تکبیر اولیٰ کا ثواب تو ایک شے ہے۔ ہم سرے سے نماز ہی سے دور ہیں اور ہماری یہ وہ سیہ بختی ہے جو ہمیں دین و دنیا میں ذلیل کر رہی ہے، استغفر اللہ! اب تو نماز انگریزی داں طبقہ میں ایک مسئلہ ظرافت بن گئی ہے۔ انہماک اور شوق کہاں: اللہ! اللہ! رہی امامت اور طوالت نماز اس کا بھی خدا حافظ، ہاں کبھی کبھی نمائش لحن قرأت کے لیئے طوالت ہو جائے تو ہو جاتے۔ ورنہ

آنام جی کو اب خود کشتر صاحب کے پاس جانا رہتا ہے، یا پھر حجرے میں ملاقاتیوں کا خیال!
رہا خشوع و خضوع۔ اسکے واسطے ایک لطیفہ حاضر ہے۔ میرے ایک دوست
نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز پڑھنے کی رستہ ہی میں اجازت مانگی۔ میں نے کہا۔ بسم اللہ!
چنانچہ وہ گھانس پر تشریف لے گئے، میں ذرا آگے بڑھ گیا۔ دس بیس قدم کے بعد جو
پلٹا، تو حضرت فارغ تھے! یا اللہ! آپنے نماز پڑھ لی؟
جی ہاں! مجھے حفظ یاد تھی، ناظرہ نہ تھی!

اب خضوع و خشوع، سکون و وقار معلوم!

(۹)

احتساب اخلاق اور سوشل ریفارم

بعثت حضور اکرمؐ سے قبل عرب کی عام اخلاقی حالت جو کچھ تھی اسکا یہاں اعادہ لاحاصل ہے، تاہم یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ اخلاق کے محض اعتبار سے بھی حالت ناگفتنی تھی!

آنحضرتؐ کی بعثت ایک اہم مقصد اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفس بھی تھا، اور یہ اہم و عظیم مدعا آپکے ہر وقت اور ہر لمحہ عمل میں پیش نظر رہا ہے۔ جزوی طور پر بھی جب کسی سے کوئی اخلاقی فروگذاشت ہوتی تھی تو آپ نہایت اہتمام و سختی سے گرفت فرماتے تھے، آپنے درستیٔ اخلاق اور تربیت خصائص افراد اسکے لیئے بے مدسعی و کوشش فرمائی ہے۔ اور خود آپ کا ہی ارشاد بلاغت بنیاد ہے کہ:۔
(انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق) "میں اخلاق کی تکمیل کے لیئے مبعوث ہوا ہوں"۔

آج اسلام کے دائرہ عمل سے باہر کی دنیا انسداد گداگری کے لیئے پریشان، اور قوم کی ملی حالت ہر لحظہ روبانحطاط ہے اور عالم اقتصادیات میں فقدان اعتدال کے باعث ایک گھر نشاط آرائیوں کی تمثال حسین ہے، اور دوسرا گھر وفور غم و ماتم فلاکت سے مجلس عزا کی تصویر ہے۔

اسلام نے اپنے ورود اولین سے زکوٰۃ سسٹم قائم کر کے قوم کے نظام اخلاق و نظام اقتصادیات کو ان ایسی آنے والی تباہیوں سے بچا لیا، ایک جانب مستحقین شرمندگی عسرت سے بچ گئے، اور دوسری جانب استیعمال عزت بچ رہنے کی وجہ سے گداگری پیدا نہ ہوئی، اور اُمت مفت خوری اور گداگری کو ذلیل پیشہ سمجھتی رہی، یہ ایک نہایت عظیم الشان بحث ہے اور بے حد فکر و مطالعہ کا متمنی۔ ہمیں افسوس ہے کہ نامکمل اشارات کے سوا کچھ اور لکھنے کی گنجائش نہیں پاتے، تاہم ذہن نشین کرنا چاہیے۔ آج مسلم محتاج و گداگری کی جائز خدمت و اصلاح اگر ہو سکتی ہے تو اعمال نبوت کا مطالعہ کرو۔

صحیح ادائے زکوٰۃ، اور پُر احتیاط صرف آج بھی قوم کی عسرت کی دوا ہو سکتا ہے اور قوم کے دولتمند افراد، اعظم رجال امت، اگر ذرا اسلام کی اس سکیم پر دل سے گرائیں تو وہ بہت سے بھیک مانگنے والے غریب سائل صورتوں کو شرافت فروشی کی شرمناک حالت سے نجات دے سکتے ہیں۔ اور مثالاً ہم ایک شکل اُسوۂ پاک نبی کریمؐ میں سے پیش کرتے ہیں،

ایک مرتبہ ایک انصاری آپ کی خدمت میں سائل ہو کر پیش ہوا۔ آپ نے پوچھا "تمہارے گھر میں کچھ پونجی بھی ہے"؟ اس نے کہا "ایک ٹاٹ ہے کہ جسکو اوڑھتا ہوں۔ بچھاتا ہوں ایک پیالہ ہے۔ جس میں پانی پیتا ہوں"، آپ نے فرمایا "اسکو جا کر لے آؤ"۔ وہ گیا، اور اٹھا لایا، آپ نے تمام صحابہ کرام کے سامنے اسے بغرض فروخت پیش کیا، ایک صحابی نے ایک درہم پر لینا چاہا۔ دوسرے صحابی نے قیمت میں اضافہ کر کے دو درہم پر لے لیا۔ آپ نے دونوں درہم انصاری کے حوالے کئے، اور فرمایا "ایک درہم کا غلہ لیکر گھر میں دے آؤ دوسرے درہم کا بسولا خرید کر میرے پاس لاؤ" وہ بسولا خرید لایا، آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس میں دستہ لگایا۔ اور حکم دیا کہ "جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹو، اور بیچو ۱۵ دن تک میں تمہاری صورت نہ دیکھوں" وہ لکڑی کاٹتا رہا۔ اور بیچتا رہا۔ دس درہم ہاتھ آئے، وہ لیکر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ اس رقم سے کچھ غلہ

اور کچھ کپڑا خرید لو۔ کھاؤ، پہنو، گداگری سے یہ بہتر ہے، وہ تو آدمی کے چہرے کا داغ ہے، اور صرف اپاہجوں کے لیے جائز ہو سکتی ہے۔" (سنن ابن ماجہ)

ہم کو اخبارات میں انسداد گداگری پر چند آرٹیکل لکھدینا مناسب نہیں۔ بلکہ ضرورت ایسے عملی ایثاروں کی ہو، پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس سے فائدہ مترتب نہ ہو!

احتساب دراز دستی و زیادہ گوئی

بس چلے پر ہاتھ پیر سے بھی کوئی نہیں چوکتا، اور آج عموماً زبان سے تو دل جگر کو زخمی کر ڈالنا، اور نہایت بے دردی و بے مہری سے زخم گہرے کر دینا بالکل عام ہے۔ اور معمولی سی بات سمجھی جاتی ہے؛

مراعات، تلطف، حسن سلوک، خوش اخلاقی، سب پرانے مرض سمجھ لیئے گئے ہیں، مگر اسلام نے معیار مسلمانی کچھ اور ہی قائم کیا ہے:-

المسلم من سلم المسلمون من یدہ ومن لسانہ ۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچے۔

دراز دستی و زیادہ گوئی کے اکثر مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے سے انتقام لے سکتا ہے۔ مگر بعض مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مقابل کی کمزوری حصول انتقام سے بھی محروم رکھتی ہے، اور وہ یوں بھی دل کو تسکین نہیں دے سکتا۔ چنانچہ یہ تمام تعزیل عدل اور قطع مساوات کا ہے۔ اور ایسے مواقع پر آنحضرت ؐ نے جب کسی کو ایسا اخلاقی جرم کرتے دیکھا ہے تو فوراً ٹوکا ہے۔ ایک مرتبہ ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے غلام کو ماں کی گالی دی، آپ نے فرمایا "تم اسکو گالی دیتے ہو؟ تم میں زمانۂ جاہلیت کا اثر باقی ہے؟ غلام، تمہارے بھائی ہیں، جن کو خدا نے تمہارے سپرد کر دیا ہے، جو تم کھاؤ، وہی انکو کھلاؤ، جو تم پہنو، وہی ان کو پہناؤ، اور ان کی طاقت سے زیادہ لینے کام نہ لو، اگر لیتے ہو تو ان کی اعانت کرو۔" (بخاری)

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں "میں اپنے غلام کو مارتا تھا۔ یکایک پیچھے سے ایک آواز آئی کہ اے ابو مسعود! ہوشیار! خدا کو تم پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے جتنی تم کو اس پر ہے۔ ابو مسعود پر اس درجہ اثر ہوا کہ انہوں نے اسیوقت غلام کو آزاد کر دیا" (ابوداؤد)

(۱۰)

احتساب سامان عشرت

جبکہ اونچی اونچی دیواروں کی سر بفلک تعمیر انسان کو بلند پایہ شخصیت عطا کر دیتی ہے، اور آہنی دروازوں کی آبادی بڑھکر خاک نشینوں کی منزلت کم کر دیتی ہے۔ جبکہ نقش و نگار کی بہتات انسانیت کے سادہ چہرے کو مسخ کر دیتی ہے۔ اور آہن کی صنعت کی سب سے مانگ ہو جاتی ہے تو اللہ پاک اپنی محبت کے لیے اور نشیمن تلاش کر لیتا ہے۔ معاشرت کے حسن اور تمدن کی لطافتیں روح انسانی میں کثافت پیدا کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب آنحضرتؐ ایک راستے سے گزرے تو آپ کو ایک بلند عمارت نظر پڑی، آپ خاموش ہو گئے، اور بات کو دل میں رکھ لیا۔ جب وہ انصاری آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا وہ مکان تھا۔ اور اس نے سلام عرض کیا، تو آپنے منہ پھیر لیا۔ انہوں نے کئی بار سلام کیا۔ مگر آپنے بدستور اعراض قائم رکھا اس نے حضورؐ کی خفگی و ناراضی کا سبب دریافت کیا تو لوگوں نے اصل واقعہ بیان کیا، وہ فوراً گیا اور مکان کو اسیوقت منہدم کرا دیا۔ آپ دوسری بار جب ادھر سے گزرے تو فرمایا کہ وہ عمارت کیا ہوئی؟ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! صاحب خانہ نے آپ کی ناراضی کے خوف سے اسکو مسمار کرا دیا۔ آپ خوش ہوئے، اور فرمایا "ہر وہ گھر جو ضرورت سے زائد ہے۔ صاحب خانہ پر وبال ہے" (ابوداؤد ملاحظہ کیجیے)

عفت و پاکبازی

ہم مترنم مجالس، اور حسین تفریحگاہوں میں حظ نظر اور ذوق حسن کے لیے جاتے ہیں اور جائز سمجھتے ہیں۔ انکو حسین و جمیل صورتوں کے مطالعے سے قطعاً پرہیز نہیں اور نفس کو بیباک کر لیا ہے۔ اور اس کے لیے ہزاروں حیلے

زاش نہ کھے ہیں مگر اسلام اجازت نہیں دیتا +

وَالَّذِيْنَ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ + کامیاب مسلمان وہ ہے جو عفیف و پاکباز ہو +

آپنے ایسے مواقع پر خود اپنی آنکھیں ڈھانپ لی ہیں اور امتیوں کا سختی سے احتساب کیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت فضل ابن عباس کو جو نہایت وجیہ آدمی تھے آپنے زمانہ حج میں اپنے ساتھ سوار کر لیا تھا۔ حسن اتفاق سے ایک خوش رو عورت آنحضرت ؐ کی جانب فتوے پوچھنے بڑھی۔ فضل نے اسکو شوق کی نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا۔ حضور ؐ نے خود اپنے دست مبارک سے انکی ٹھوڑی پکڑ کے ان کا منہ دوسری جانب کو پھیر دیا + (بخاری)

یورپ کو اپنی تہذیب پر بڑا ناز ہے کہ وہ انسان کی ہر فرو گذاشت پر سختی سے گرفت کرتی ہے! روس کو اپنے آپ پر بڑا گھمنڈ ہے کہ وہ دنیا کے قوائے متضادہ کو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا! یونان کو اپنے فلسفۂ اخلاق پر بہت فخر ہے کہ وہ اخلاقی قوائے کی تربیت کرتا ہے، مگر ہمکو اُس سے کیا مطلب۔ ہم رسم و رواج کے غلام نہیں جو یورپ کے قوانین معاشرت پر فریفتہ ہو جائیں! ہم ایسی آئینی غلطیوں کے خوگر نہیں جو اپنے ہاتھ کو ہر ہتکڑی کے لیے پھیلا دیں۔ قیاسات عقلی ہمارے خدا، اور غذائے روحانی نہیں کہ ہم یونانیوں کی طلسم آرائیوں میں اُلجھ جائیں۔ بلکہ ہمارے رگ و ریشہ میں تو ایک پاک مذہب کا خون دوڑ رہا ہے ہمارے گوشت و پوست پر تو احتساب محمدی کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ ہمارے واسطے صد باعث شرم ہو۔ اگر اپنے مذہبی غیر متزلزل احساس کو چھوڑ کر مناظر یورپ فلسفۂ غیر سے متاثر ہوں! ہمارے یہ حقیقی غیرت کی وجہ ہے جو ہم خدا کے برحق رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو ترک کر کے فانی اور باطل تہذیبوں کی زنجیریں اپنے پیروں میں ڈال لیں!

ہمیں ایسے اعمال صالحہ کا خزانہ دوسری جگہ نہیں مل سکتا، ہمیں ایسی سعادت اور روشنی دنیا میں اور کہیں میسر نہیں آسکتی!!

ابو المعالی خلیقی دہلوی

حضورؐ کا برتاؤ غیر مسلم اقوام سے

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا　　دلِ دشمنان ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام　　کہ با دوستانت خلافست و جنگ

حکیم الامت حضرت سعدی نے ان دو شعروں میں کس بلاغت، اور کس دل آویز اسلوب سے ہمارے آجکل کے اخلاق کا مقابلہ کر دکھایا ہے، ان اعلیٰ اخلاق سے جن کا سرچشمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے +

آنحضرتؐ نے غیروں سے یگانہ وار سلوک کر کے دنیا کے قلوب کو تسخیر کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ارض حجاز کی ایک کمزور جماعت تھوڑے عرصہ میں دنیا کی زبردست طاقت بن گئی مگر آجکل آنحضرتؐ کے وارثوں میں اصباقوں پر تو خیر اخاص مسائل شرعیہ کے اختلاف پر باہم معرکہ جنگی رہتی ہے۔ جس کا تصفیہ مجسٹریٹ یا سشن جج کی عدالت سے باہر ناممکن ہے۔ فَتَبعثُرِ، وَاغتابُرُ وَابْلتِ عَلَيْهِمْ نتیجہ یہ کہ ہماری رہی سہی طاقت فتفشلوا وتذھب ریحکم کے قانون کے ماتحت روز بروز گھٹتی جا رہی ہے +

دینِ اسلام نے جس عالی پایہ انسان کا اسوۂ حسنہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس کے اخلاق کا دائرہ مسلم و غیر مسلم، یگانہ و بیگانہ سب کے لئے یکساں وسیع ہے۔ سماحت و رواداری اسکے دین کا جزو لاینفک ہیں۔ حریت و مساوات اسکے صرف نام ہی نام پر یورپ کو ناز ہے اسکی تعلیم کی جان ہیں۔ ان امور کا تذکرہ نہ صرف کسی محدث کی شمائل النبوی، یا کسی مسلمان مورخ کی معارج النبوۃ میں محدود ہے بلکہ غیر مذاہب کے اکثر عالی خیال لوگوں کی تصانیف بھی بآواز بلند اسکی تصدیق کرتی ہیں۔ سر جان میلکم صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:-

"با بجملہ محمد را خلقتے نیکو و فصاحتے حاضر و شجاعتے باہر و حکمتے وافر بود و در اں موضع کہ ملک خود را

ص۷۱ تاریخ ایران ملکم صاحب باب ۲۲

دید- و اسبابے کہ جہت انتشار شریعت و استقرار حکومت خود فراہم آورد. اگر کا ینبغی ملاحظہ شود- ہم انصاف اور الازم است کہ اقرار کنند کہ حقوق احسان او بر اعراب ثابت است"

لنڈن کے کوارٹرلی ریویو نمبر ۴۵۲ بابت اکتوبر ۱۹۱۶ء کے اندر ایک آرٹیکل میں جس کا عنوان **الاسلام** ہے لکھا ہے. یورپ کے بڑے بڑے محققین نے تمام جہان پر یہ بات ثابت کی ہے کہ اسلام ایک زندگی بخشنے والی چیز ہے- ہزارہا فائدہ مند جواہرات سے بھرا ہوا ہے- اور یہ کہ **محمدؐ نے مروت کی سنہری کتاب میں اپنے لئے جگہ کر لی ہے"**۔ ...

پنجاب کے مشہور منصف مزاج ہندو مصنف شری دے پرکاش دیو جی نے اپنی کتاب میں جہاں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے زیدؓ پر رحم فرما کر جو بطور غلام آپکی نذر کیا گیا تھا اُسے آزاد کر دیا. وہاں لکھتے ہیں[1]- "محمد صاحبؐ نے ہمدردی بنی نوع انسان کا ایک پورا پورا نمونہ نہ صرف اپنے اہل وطن کو بلکہ کل دنیا کو دکھایا"۔

اب ہم بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کن کن غیر مسلم طبقات سے واسطہ پڑا؟ اور کس کس جہت سے؟ پھر آپنے اُن سے کیا برتاؤ کیا؟۔

آغازِ تبلیغ اور مخالفت عامہ کا طوفان

نزول وحی کے بعد سب سے پہلے جن غیر مسلم لوگوں سے آپکو پالا پڑا وہ آپکے ہم قوم و ہموطن لوگ تھے- جو توحید کی غیر مانوس صدا سنکر چونک اُٹھے. اور اپنے بتوں کی تذلیل گوارا نہ کر سکے یہ لوگ آپکے خون کے پیاسے تھے- قطع علائق، بغض و معاندت، ہتک و توہین، سب و شتم وغیرہ بدسلوکی کی کوئی صنف باقی نہ رہی جسے آنحضرتؐ کو دُکھ دینے کا آلہ نہ بنایا گیا- گویا عداوت عام کی ایک آگ آپکے خلاف بھڑک اُٹھی- اور آپکے معتقدین پر مصیبتوں کا آسمان ٹوٹ پڑا۔

اس زمانہ میں سرزمین عرب وحشیانہ جدال و قتال کے لیے دنیا بھر میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی تھی- لڑائی کی ادنیٰ ادنیٰ سی تکرار ایک خونریز معرکہ کی شکل اختیار کر لیتی تھی- تاریخ عرب کا ایک واقعہ ہے کہ کسی شخص کی اونٹنی ایک محفوظ چراگاہ میں چلی گئی مالک چراگاہ نے اُسکے تیر مارا نتیجہ

[1] سوانح عمری حضرت محمد صاحب صفحہ ۲۷۔

کے مالک نے اس بدسلوکی کو اپنے قبیلہ کی توہین قرار دیا جسکے انتقام کے لیے تمام قبیلہ آمادہ پیکار ہوگیا۔ اُدھر حریف کا جتھا بھی مسلح ہو کر میدان میں آن اُترا۔ اور وہ جنگ شروع ہو گئی جو برابر چالیس سال تک جاری رہی۔ اسی طرح ایک شخص نے کسی بات پر اپنی بیوی کے تھپڑ مارا تو اس نے اپنے بھائی سے اسکی شکایت کی۔ بھائی نے اس بدسلوکی کو اپنے قبیلہ کی تذلیل سمجھکر انتقام لینا ضروری سمجھا۔ اور آخر دونوں قبیلوں میں ہولناک جنگ کی وہ آگ مشتعل ہو گئی جو برسوں تک نہ بجھی ؎

جس ملک میں ایک اونٹنی کے زخم اور ایک عورت کے تھپڑ کا انتقام اس شدومد سے لیا جاتا تھا۔ ہر چند کہ آنحضرتؐ اسی سرزمین کے فرزند تھے۔ اسی آب ہوا میں پرورش پائی تھی اور وہی خون رگوں میں دورہ کر رہا تھا۔ لیکن جب آپ کے سچے پیروؤں کو بے رحمی سے زدوکوب کیا گیا۔ زنجیروں میں جکڑ کر کوڑوں سے پیٹا گیا۔ وہ کھولتے ہوئے پانی میں نہائے گئے۔ پھانسی پر لٹکا کر نہایت اذیتوں سے شہید کیے گئے تو آپ کے دل میں کبھی انتقام کا وحشیانہ جذبہ پیدا نہ ہوا۔ حالانکہ اگر آپ ظالموں کو اُن کے ظلم و ستم کے انجام کا ذائقہ چکھانا چاہتے۔ تو کچھ بڑی بات نہ تھی۔ آپ کا غیور و بہادر قبیلہ بنی ہاشم آپ کی امداد سے کبھی پیچھے ہٹنے [illegible] نہ تھا۔ اس غیر معمولی صبر و تحمل کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی ذات پاک رحمۃ للعالمین تھی آپ دنیا کو اس امن و راحت سے معمور کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ جس میں تمام بنی آدم کا حصہ تھا۔ دوستوں کے لیے دشمنوں کو مٹانا آپ کی مروت سے بعید تھا ؎

ناحق شناسانِ وطن کا سلوک خود آپ کے ساتھ بھی آدمیت سے گرا ہوا اور نہایت ظالمانہ تھا۔ راہ چلتے آپ کے سر پر کوڑا کرکٹ گرا دیا جاتا۔ کبھی بحالت سجدہ آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھی گئی۔ بارہا آپ کے جسم مبارک کو پتھروں سے زخمی کیا گیا۔ اگر کسی سے اور کچھ نہ بن آیا تو آپ کے دروازہ پر ہی خون یا نجاست گرا گیا۔ غیر تو غیر خود چچا کا یہ حال تھا کہ محض اظہار حق کی وجہ سے آپ کا جانی دشمن بن گیا۔ چچی جنگل سے کانٹے جمع کر لاتی اور آپ کی

گزرگاہ پر بکھیر دیتی۔ غرض اس قسم کے بے انتہا مصائب و نوائب تھے۔ جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ اور جنسے متاثر ہو کر ہمارا انصاف پسند ہندو مؤلف آنحضرتؐ کی عالی ظرفی میں یہ شعر وضع کرتا ہے ؎

سیر بخشند بدو او خار و باہمہ — چوں گل شگفتہ بود رخ جانفزائے تو

اور جن پر غور کرنے کے بعد مشہور تند مزاج نکتہ چیں انگریز مصنف سر ولیم میور اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں آنحضرتؐ کے صبر و استقلال پر بڑا تعجب ظاہر کرتا ہے اور اسکو فوق العادہ قرار دیتا ہے"۔ ناسلوکی ان تمام بدسلوکیوں اور جفا کاریوں کے مقابلہ میں آپ نے کبھی غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ نہ انتقام کی خواہش کی بلکہ سب کا جواب آپ کی یہ دعا تھی اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ "الٰہی! میرے ان لوگوں کو ہدایت دے کہ وہ نادان ہیں" +

(سلسلہ حرب کا آغاز اور آنحضرتؐ کا غیر مسلم حریفوں سے سلوک)

مسلمانوں کے لیے مشرکین مکہ کا دائرہ ظلم و ستم جب غیر محدود وسعت اختیار کر گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناچار پیروان اسلام کو پہلے حبشہ کی طرف چلے جانیکا حکم دیا۔ پھر مکہ سے تین سو میل کے فاصلہ پر مدینے ہجرت کر جانا مناسب سمجھا تاکہ جنگ و جدل کی نوبت پہنچے بغیر مخالفوں کی ایذا سے نجات ملے۔ لیکن ان لوگوں کو مدینے میں بھی اسلام کا پھلنا پھولنا گوارا نہ ہوا۔ لہٰذا مدینہ پر فوج چڑھائی کر دی +

اب مسلمانوں کے مصائب کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اور دشمنوں کی تعدی حد تک کو پہنچ چکی تھی۔ ناچار انکو بھی تلوار اٹھانی پڑی۔ وہ بھی جارحانہ نہیں بلکہ مدافعانہ ارادے سے۔ اور کشورکشائی یا انتقام کیلئے نہیں بلکہ دین کی حمایت کے لیے۔ اور اسمیں بھی انکو تعدی اور زیادتی سے سختی کے ساتھ ساتھ منع کیا گیا تھا۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔
(سورۃ بقرہ رکوع ۲۴ پارہ ۲)

اور مسلمانو! جو لوگ تم سے جنگ کریں تم بھی اللہ کی راہ میں (یعنی حمایت دین میں) ان سے لڑو اور زیادتی نہ کرو اللہ کسی طرح زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا +

اب تو ہی ایسی مجبوری کا تھا کہ اسلام کو تلوار ہاتھ میں لیے بغیر چارہ نہ رہا۔ ورنہ مسلمان مخالفوں کی ٹھوکروں سے پامال ہوجاتے۔ معابد و مساجد تباہ ہوجاتیں اور اللہ کا نام تک مٹ جاتا۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۚ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (رکوع ۶ سورۃ حج پارہ ۱۷)

اور اگر اللہ بعض (مفسدین) کو بعض (حامیان امن) کی رفاقت سے نہ ہٹاتا رہتا تو (فتنہ و فساد کے باعث) یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہیں اور خانقاہیں اور مسجدیں جنہیں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے تباہ ہوجاتیں اور اللہ ضرور ہی اس شخص کو مدد دیگا جو اس (کے دین) کی مدد کرتا ہے۔ بیشک اللہ توانا اور غالب ہے۔

گو جفا کار و ستم شعار دشمن سے مقابلہ تھا۔ پھر بھی آنحضرتؐ کی رافت و شفقت اور رحم و کرم کا پہلو انتقام کے جذبے پر ہمیشہ غالب رہا۔ مقابلہ میں ہر طرح یہ کوشش ہوتی تھی کہ جنگ کم ہو پائے اور خونریزی نہ ہونے پائے۔ اگر لڑائی لابدی ہوتی تو حکم تھا کہ دشمن کے بچوں، عورتوں اور بڈھوں پر آنچ نہ آنے پائے۔

عن مالك ان عمر بن عبد العزيز كتب الى عامل من عماله انه بلغنا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا بعث سرية يقول لهم اغزوا باسم الله في سبيل الله تقاتلون من كفر بالله لا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا ولا امرأة وقل ذلك لجيوشك وسراياك ان شاء الله والسلام عليك۔

خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے اپنے ایک عہدیدار کو لکھا کہ مجھکو یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی فوجی مہم بھیجتے تھے تو انکو حکم دیتے تھے کہ اللہ کا نام لیکر جنگ کرو اللہ کے دین کی حمایت میں اللہ سے کفر کرنیوالوں سے لڑو۔ فریب اور دغا نہ دو۔ خیانت نہ کرو مقتولوں کے ناک کان نہ کاٹو۔ اور کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرو (خلیفہ نے لکھا) اور تم بھی اپنے لشکروں اور فوجی مہم والوں کو یہ ہدایت کردو۔ ان شاء اللہ تعالےٰ السلام علیک۔

آجکل کے ماہران جنگ اور مدبران حرب کے نزدیک مغلوب دشمن کی التجائے صلح منظور کرنا اسے آئندہ جنگ کے لیے دوبارہ تیار ہونیکا موقع دینا ہے اسلیے وہ بقول ع "سر زیر سنگ تو وار عکوب" ایک ہی دن اسکا سر کچل دینا بہتر سمجھا کرتے ہیں۔ لیکن محمدؐ امن پسند رسول کو خدا کا یہ حکم ہے کہ دارالسلم کو ہرگز امن و صلح سے محروم نہ رکھا جائے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (سورۂ انفال رکوع ۸ پارہ ۱۰)

اور اے پیغمبر اگر غیر مسلم لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اسکی طرف جھکو۔ اور اللہ پر بھروسا رکھو کیونکہ وہی (سب کی) سنتا اور خوب جانتا ہے ❖

آنحضرت پناہ میں آنے والوں کو ہمیشہ امن بخشتے خواہ وہ مذہبًا مخالف اور اسلام کا دشمن ہی ہوتے

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ (توبہ ع ۱ پ ۱۰)

اور اے پیغمبر مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اُسکو پناہ دو تاکہ وہ اللہ کے کلام کو سُنے پھر اُسکو اُسکی امن گاہ میں پہنچا دو یہ (رعایت اس لیے ہے) کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت سے) واقف نہیں ❖

(غیر مسلم مفتوحوں اور اسیروں سے نیک سلوک)

آجکل ترکوں نے برطانیہ عظمیٰ کے خلاف تلوار اُٹھاکر نہ صرف ایک سیاسی خطا کی ہے بلکہ ہمارے نزدیک وہ ایک اخلاقی و دینی جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک ایسے بادشاہ کو دوری جسکو دنیا میں کسی اسلامی قوم یا اسلامی ملک کا فرماں روا ہونیکا فخر حاصل نہیں اور ایک ایسی گورنمنٹ کے خلاف۔ جسکے زیر سایہ تمام سلطنتوں سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ ترکوں کا یہ جرم تو بیشک بھاری جرم ہے۔ لیکن اس جنگ میں اُنکے ایک خاص وصف کا اہل عالم نے بلکہ خود کئی انگریز فوجی افسروں نے اعتراف کیا ہے۔ اور اخبارات اسکے ذکر میں رطب اللساں ہیں۔ وہ یہ ہے کہ "ترک لوگ میدان میں اُولو العزمی و علو ہمتی کے پُتلے ثابت ہوئے ہیں۔ شدت غیظ و غضب کبھی وحشیانہ جذبات اُن میں پیدا نہیں کر سکتی۔ جوش انتقام ہرگز اُن کو دیوانہ نہیں بنا سکتا۔ مفتوح کے حق میں وہ ایک نیکدل اور عالی ظرف فاتح۔ اور اسیروں کے لیے وہ پورے شفیق و مربی ثابت ہوئے ہیں" ❖

غور کا مقام ہے کہ چنگیز و ہلاکو کے بھائی بند یعنی ترک آج بہترین انسانی اوصاف سے متصف تسلیم کیے جاتے ہیں وہ چنگیز و ہلاکو جنکے وحشیانہ کارناموں سے چشم انسانیت تا بحشر شرمندہ ہے

رہے گی! اس تفاوت عظیم کی وجہ یہ ہو کہ چنگیزی دَور تو گزر چکا۔ اب ترکوں نے ایک اسلامی قوم ہونے کے سبب ہمارے رسول مقبول صلعم کے ساتھ نسبت حاصل کی ہو ع

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا

ایک وحشی قوم نے اسی خلق و مروت و انسانیت کا درشہ پاکر دنیا کی ستایش حاصل کی ہے جو نسبت محمدیہ کی بدولت اُن کے حصے میں آیا ہے +

[illegible]

اہل اسلام و مخالفین اسلام کی سب سے پہلی جنگ یعنی غزوہ بدر میں بہت سے قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے جن میں اکثر وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے اسلام اور اہل اسلام کے نیست و نابود کردینے کے لیے اپنی ساری طاقت خرچ کر ڈالی تھی۔ آنحضرت صلعم نے اِن قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اِس کا جواب ہم اپنے منصف مزاج ہندو مصنف کے الفاظ میں دینا مناسب سمجھتے ہیں :-

"اُدھر مسلمانوں کو سخت تاکید کی گئی کہ اِن قیدیوں کو قیدی نہ سمجھیں بلکہ اُن کے ساتھ بھائیوں کی طرح سلوک کریں۔ اور عزت و احترام سے رکھیں۔ چنانچہ جب تک یہ قیدی مسلمانوں کے پاس رہے مسلمانوں نے اُنکی خاطر و تواضع کی۔ اور اُن کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیں۔ جب اِن قیدیوں میں سے سب سے پہلا قیدی رہائی پاکر مکہ میں آیا تو اہلِ اسلام کی نسبت اُس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ خدا اُنکا بھلا کرے وہ ہمکو سواری دیتے تھے۔ اور خود پیادہ پا چلتے تھے۔ وہ ہمکو گیہوں کی روٹی کھانے کو دیتے تھے اور آپ کھجوریں کھاکر گزارہ کرتے تھے"۔

"اِس لڑائی میں دو قیدیوں کے قتل کرنے سے معترضین نے محمد صاحب پر سخت الزام لگایا ہے۔ اور اِسے شان پیغمبری کے خلاف ٹھیرایا ہے۔ مگر الزام لگانے وقت سب پہلوؤں کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر وہ دو مجرم زندہ رہتے اور بیشمار بندگانِ خدا کے خون بہتے تو اِس خونریزی کا ذمہ دار کون ہوتا"+

قتل عام کی بجائے کرم عمیم

جب سنہ ہجری میں حق کے غالب ہونے اور باطل کے مغلوب ہو جانے کا وقت آگیا۔ اور آنحضرت دس ہزار جاں نثاروں کی زبردست جمعیت کے ساتھ فاتحانہ شان و شکوہ سے مکہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ کو مقابلہ کی ہمت نہ پڑی اور ہر لشکر اسلام کو ہدایت تھی کہ اہل شہر پر ہرگز پیشدستی نہ کی جائے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئے کچھ شہر سے باہر پہاڑوں میں جا چھپے۔ شہر میں رعب و ہیبت کا سناٹا تھا اور وہ عیال پر خوف و ہراس طاری تھے۔ دشمنان اسلام کو اپنے سابقہ اعمال پر قیاس کرتے ہوئے یقین تھا کہ کوئی دم میں قتل عام شروع ہونیوالا ہے گلی گلی میں لاشے تڑپتے ہونگے۔ اور کوچے کوچے میں خون کے نالے نکلیں گے۔ مگر ان سب ہولناک قیاسات اور ہیبت خیز اٹکلات کے برخلاف آپ نے فرمایا۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ اِذْھَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ ۔ یعنی آج تم پر کوئی ملامت نہیں اور وہ (خداوند) سب سے زیادہ رحم والا ہے جاؤ تم آزاد ہو

حضورؐ نے چھ ہزار غیر مسلم قیدی آزاد کر دیئے ۔

بنی ہوازن ایک متمول اور نہایت مغرور قبیلہ تھا۔ اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانیکے درپے تھا۔ فتح مکہ کے بعد اہل اسلام کو ان سے نبرد آزما ہونا پڑا تو کسیقدر زحمت اٹھانیکے بعد فتح حاصل کی۔ اور انکے چھ ہزار زن و مرد گرفتار کر لیئے چند روز بعد عمائد بنی ہوازن نے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اسیروں کی رہائی کے لیئے التجا کی آپ کو انپر رحم آیا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ تمام اسیران جنگ قدیمی دستور کے موافق سپاہ میں تقسیم ہو کر مملوک ہو چکے تھے۔ اب انکو آزاد کرنا یا دوسروں سے آزاد کرانا ایک غیر معمولی اور ناقابل برداشت ایثار کا کام تھا۔ آپ نے ذرا سوچکر ان سے فرمایا۔ مسجد میں جب لوگ نماز کے لیئے جمع ہونگے اسوقت عرض کرنا۔ چنانچہ اگلے روز جب ان لوگوں نے تمام حاضرین کے سامنے وہی عرض کی تو آپ نے برملا فرمایا۔ میں نے اپنے اور تمام بنی عبدالمطلب کے اسیر آزاد کیئے ۔

مہاشہ پرکاش دیوجی اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔ "یہ نیکی اور کشادہ دلی کی مثال ایسی نہ تھی کہ لوگوں پر بے اثر رہتی بلکہ اسی وقت سب خادمان بارگاہ نبوت نے اسکی تقلید کی

اور چند منٹوں میں چھ ہزار آدمی غلام مسلمان مرد اور عورت غلامی سے آزاد کیے گئے۔ اور کسی نے یہ وہم تک نہیں کیا کہ یہ مسلمان نہیں ہیں۔ ہم ان پر کیوں مہربانی کریں۔ یہ رحم اور خیرات کا کام تھا اور اسلام ایسی خیرات میں کوئی تمیز مسلم و غیر مسلم کی پسند نہیں کرتا ۔

حضرتؐ نے اپنے چچا حمزہ اور اپنی بیٹی زینبؓ کے قاتلوں کی جان بخشی کی ۔

جنگ اُحد میں وحشی نے دھوکا دیکر آنحضرتؐ کے بہادر چچا حمزہؓ کو زہر آلود حربے سے قتل کیا۔ اس قتل کی خاص مجرمانہ نوعیت اور مقتول کی منصبی عظمت اس درجہ کی تھی کہ قاتل کو کوئی زاویۂ ارض اور کوئی غار کوہ پناہ نہ دے سکتا تھا آخر جب اُس نے مدتوں خاک چھاننے کے بعد درگاہ نبویؐ میں حاضر ہوکر اپنے آپکو حضورؐ کے رحم کے حوالے کر دیا تو آپنے فوراً معاف کر دیا ۔

ابو سفیان کی بیوی ہندہ اسلام کے کینہ توز دشمنوں میں سے تھی حضرت حمزہ کا قتل اسکی سازش اور تحریک سے ہوا تھا ۔ ہندہ نے انکی لاش کا مثلہ کیا یعنی ناک کان کاٹے اور کلیجہ نکالکر منہ میں چبایا اور پھینک دیا فتح مکہ کے بعد وہ بھی پیش کیگئی ۔ اسوقت اُسنے ندامت کے مارے منہ پر نقاب ڈال رکھا تھا ۔ آپنے اسکو بھی معاف کر دیا ۔

ہبار وہ سیاہ باطن شخص تھا جس نے حضورؐ کی بیٹی زینبؓ پر محض اس عناد سے پتھر پھینکے کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے باپ کے پاس جا رہی ہیں ۔ وہ اونٹ سے گر پڑیں ۔ حمل ساقط ہو گیا ۔ اور مدینہ پہنچکر چند روز کے بعد اسی صدمے سے وفات پاگئیں ۔

کون کہہ سکتا ہی کہ آج آسٹریلیا کے بڈھے فرمانروا نے چند مقاصد پرست حلیفوں کی رفاقت کے بھروسے اپنے مقتول ولیعہد کے خون کے عوض کا جو اندازہ لگایا ہی ۔ مکہ کا مقتدر فاتح جو خاک عرب ہی کا نہیں بلکہ دنیائے قلوب کا حکمران تھا اپنی لخت جگر کے خون کے لیے وہی عقاب قاعدہ عمل میں نہ لا سکتا تھا ؟ مگر نہیں فاتح مکہ کو ملکی فتوحات کی بجائے قلبی فتوحات مد نظر تھیں اسکے فضائل و مکارم کی حدود جو زمین اور زمان دونوں کی ملکی حدود سے وسیع تھیں ۔ چنانچہ ہبار نے جب آپکے حضور میں آکر ندامت کے ساتھ معافی چاہی تو آپنے اسکو بھی معاف کر دیا ۔

حضورؐ نے ایسے غیر مسلم شخص کو قابو پاکر چھوڑ دیا جو آپ کی جان کا قصد رکھتے تھے۔

ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے سو گئے۔ اور تلوار شاخ میں لٹکا دی۔ ایک دشمن ہاتھ میں برہنہ تلوار لیے آیا۔ اور گستاخانہ آپکو جگا کر کہنے لگا۔ بول اب تجھکو میرے ہاتھ سے کون بچائیگا

آپ نے ایک جذبے کے عالم میں جوش کے ساتھ فرمایا۔ اللہ!!!۔ اس کلمہ کی قدرتی ہیبت نے اس سرکش کے رگ و ریشے میں ایک تھرتھری سی ڈال دی۔ اور فوراً اُسکے ہاتھ سے تلوار گر گئی وہی تلوار آپ نے اُٹھا کر فرمایا۔ اب تو بتا۔ تجھے کون بچائیگا۔ وہ شخص عاجزی کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا جاؤ میں بدلہ لینا نہیں چاہتا۔ بلکہ دنیا کو دکھانے آیا ہوں کہ رحم یوں کیا کرتے ہیں۔

ایک یہودن کچھ پکا ہوا گوشت لائی۔ اور ہدیہ کے طور پر آپ کے سامنے پیش کیا جب آپ کھانے لگے۔ تو معلوم ہوا۔ اسمیں زہر ملایا گیا ہے۔ آپ نے یہودن سے بازپرس کی۔ کہ اس شرارت کا سبب کیا ہے۔ اس گستاخ عورت نے صاف کہہ دیا کہ میں نے آپکو زہر دینے کی نیت سے یہ کام کیا تھا۔ آپ نے فرمایا اللہ کو منظور نہ تھا کہ تیری مراد بر آئے۔ صحابہؓ نے چاہا کہ اس مکار بے حیا کی گردن اُڑا دیں۔ مگر آپ نے منع فرمایا اور اُسے چھوڑ دیا[1]۔

ایک باغی جماعت کا حشر

یہ امر روز روشن کیطرح عیاں ہے کہ آنحضرتؐ کا دامن الطاف مسلم و غیر مسلم سب کے لیے یکساں پھیلا ہوا تھا۔ آپ کے عفو و کرم کا دریا موحد و مشرک، اور مسلم و کتابی سب کے جرائم و معاصی کی سیاہی دھو ڈالنے کے لیے وسیع تھا۔ مگر بعض ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں کہ جرائم کی غیر معمولی نوعیت یا خود مجرموں کی اپنی غلطی نے ان لوگوں کو آنحضرتؐ کے رحم و کرم سے متمتع نہ ہونے دیا۔

بنی قریظہ یہود مدینہ کا ایک قبیلہ تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ اُن کا عہد تھا کہ فوجی مہمات میں اُنکا ساتھ دیا کرینگے۔ ۵ ہجری میں جب مشرکین مکہ نے قبائل عرب کا ایک ٹڈی دل جمع کر کے مسلمانان مدینہ پر ایک خونخوار دھاوا بولا یا۔ تو بنی قریظہ نے عین وقت پر مسلمانوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اُسوقت ان لوگوں کی عہد شکنی نے مسلمانوں کیلئے نہایت خطرناک حالت پیدا کر دی تھی۔ لیک

[1] احیاء العلوم جلد دوم کتاب معیشت و اخلاق نبوت بروایت انس رض

دشمن نے شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ دوسرا دشمن (خود بنی قریظہ) شہر کے اندر موجود تھا۔ اور بقول ہمارے حق پسند ہندو مؤلف کے "ایسے نازک موقع پر بنی قریظہ کا جو دوستی اور مدد کا پیمان کر چکے تھے۔ دشمن کے ساتھ مل جانا ایک ایسی کارروائی تھی کہ اگر وہ عمل میں آجاتی تو پھر اہل اسلام کا نام نشان تک مدینہ میں نہ رہتا"۔

آخر اسکی توفیق شامل حال ہوئی اور حملہ آوروں نے ناکامی کے ساتھ اپنی اپنی راہ لی اب بنی قریظہ کی جواب طلبی اور انکی سزا کا وقت آیا۔ اگر وہ بدنصیب لوگ حضورؐ کے دامنِ کرم میں پناہ لیتے تو بقیاس غالب انکی جاں بخشی ہو جاتی۔ مگر انکی جبلی عصبیت اور فطری بداعتقادی پیامِ اجل بن گئی۔ اُنہوں نے نبی عرب کے آگے سر جھکانا اپنے لیے بحیثیت اُمت موسوی اور عاملین توریت ہونیکے باعث توہین خیال کیا۔ اور اپنے قدیمی دوست معاذ بن جبل (صحابی) کو منصف قرار دیئے جانیکی التجا کی جسکو آنحضرتؐ نے منظور فرمایا۔

ہر چند کہ معاذؓ ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ اور اسلیئے عام اہل اسلام انکے منصف قرار دیئے جانیکو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن ایک جلیل القدر صحابیؓ سے یہ کب ممکن تھا کہ اپنی ذاتی دوستی کے لیئے دینی و ملی مصلحت کو قربان کر ڈالے۔ اُنہوں نے صاف حکم دیا کہ یہ لوگ بغاوت کے بدترین جرم کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ ان کی سزا قتل سے کم نہیں ہو سکتی۔

مہاشہ پرکاش دیوجی لکھتے ہیں:۔ "یہ سزا بظاہر بہت بیدردی کی صورت رکھتی تھی لیکن جن حالات میں وہ صادر کیگئی اُن کے لحاظ سے غیر منصفانہ نہ تھی۔ اور اس زمانہ کی مہذب گورنمنٹ کو اگر ایسے واقعات پیش آئیں تو وہ بھی ایسے مجرموں کے لیئے یقیناً یہی سزا تجویز کرے اور کچھ شک نہیں کہ دو ڈھائی سو مفسدوں کی جانوں کے مقابلہ میں تمام ملک کا امن بلحاظ قیمت رکھتا تھا"

(اشاعت اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ)

بیشک یہ کلمات اسلام کے ایک نہایت اعلیٰ مقصد کو ظاہر کر رہے ہیں۔ اور جناب پیغمبرؐ نے اس مقصد کو خود اپنے لیئے مقصد اولین قرار دے رکھا تھا۔ مگر نہ ان معنوں میں جنکو مخالفین نے

سوانح عمری حضرت محمدؐ ۔۔۔ صفحہ ۹۲

اسلام اور شارع اسلام کے بدنام کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے +

اسلام ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ غیر مسلم لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا جائے یا اُن کو مسلمان بنانے کی غرض سے اُن پر چڑھائی کیجائے۔ دین و ایمان کا تعلق دلکے یقین سے ہے۔ جو ہر شخص کی اندرونی نورانیت کی بدولت پیدا ہوسکتا ہے۔ کسی جبار کے دست تصرف یا کسی فاتح کی برش شمشیر میں یہ قدرت نہیں کہ کسی کے دل میں نور ایمان پیدا کردے۔ اشاعت اسلام کا مسنون و مشروع طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی حقیقت کی خبر نہیں ان کو زبانی رہنمائی کی جائے گر اُنکے نصیب میں وہ نورانیت ہوگی تو اسلام کے پرتو سے سینہ جگمگا اُٹھیگا۔ ورنہ انکی بدقسمتی ناصح اپنا فرض ادا کرچکا۔ اور یہی پیغمبر صاحب کی اشاعت اسلام تھی +

ہاں جب بعض معاندین نے اسلام کی اشاعت میں روڑا اٹکانا چاہا۔ اور ہنگامہ دار و گیر برپا کرکے اسلام کو مٹا دینے اور کلمۃ اللہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کو قعر فراموشی میں گرا دینے کا تہیہ کیا۔ تو مجبوراً ان کے دفاع کے لیے اہل اسلام نے تلوار سے کام لینا لازم سمجھا تاکہ اسلام زندہ رہے اور کلمۃ اللہ اپنی حقیقی شان کے ساتھ بلند رہے۔ یہ ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور بس +

مذہبی معاملہ میں جبر و تشدد تو درکنار۔ جب اس قسم کی گفتگو بھی ہوتی تو اس میں بھی ضد اور تحکم کا لہجہ اختیار کرنا آپکے نزدیک ناپسند تھا۔ ایسی گفتگو ہوتی تو آپ کو حلم و معقولیت کے ساتھ دلائل پیش کرنے کا حکم تھا +

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝	(اے پیغمبر لوگوں کو عقل کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور انکے ساتھ بحث (بھی) کرو (تو) ایسے طور پر کہ بہت ہی پسندیدہ ہو جو کوئی خدا کے رستے گمراہ ہوا تمہارا رب اس سے بخوبی واقف ہے اور نیز وہ ان (لوگوں کے حال) سے بخوبی واقف ہے جو راہ راست پر ہیں +
(سورہ نحل رکوع ۱۶ پ۱۴)	

مجھے نہایت افسوس آتا ہے۔ جب میں اپنے کسی ہندو وغیرہ نامسلم دوست سے یہ سنتا ہوں کہ

شاہانِ اسلام نے جبر و تشدد سے لوگوں کو مسلمان بنایا - اور مذہب اسلام کا یہی شیوہ ہو۔ ایسے مواقع پر میں اکثر یہ جواب دیا کرتا ہوں کہ صاحب! اول تو تمام شاہانِ اسلام کو محض تعصب یا کسی پولیٹکل مصلحت سے ناحق بدنام کیا گیا ہے۔ اور بالفرض کوئی مسلمان حکمران صدرجہ کا سفاک خونریز ہو بھی - جس نے اشاعت اسلام کے حیلے سے ملک گیری کی ہوس نکالنی چاہی ہو یا غیر مسلم رعایا کو مسلمان بنانے کے بہانے سے اپنے جور و جفا کی عادت پوری کی ہو تو اِس سے اسلام پر حرف نہیں آسکتا۔ ایک شخص کا ذاتی فعل اپنے فاعل کو قصوروار بنا سکتا ہو نہ کہ اُسکے مذہب کو۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ اسلام نے اپنی اشاعت کیلئے کیا اصول مقرر کئے ہیں۔ اور پیغمبر اسلام نے اِس کیلئے کیا طرزِ عمل اختیار کیا ہو کیونکہ اسلام کی نیک نامی یا بدنامی کا مدار تو صرف اس پر ہو سکتا ہے:-

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ	دین میں زبردستی کا کچھ کام نہیں۔ گمراہی سے ہدایت الگ
مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ	ظاہر ہو چکی تو جو جھوٹے معبودوں کو نہ مانے اور اللہ پر
يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ	ایمان لائے تو اُس نے مضبوط رسی پکڑ رکھی ہے جو ٹوٹنے والی
الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ	نہیں۔ اور اللہ سب کی سنتا۔ اور خوب جانتا
عَلِيْمٌ (بقرہ رکوع ۳۴ پ ۳)	ہے ۔

مذکورہ آیت کو سابقہ آیات کے ساتھ ملانے سے عیاں ہو کہ غیر مسلم لوگوں سے جب کوئی معرکہ ہوا ہی یا اُنپر چڑھائی کیگئی ہے تو اُنکو مسلمان بنانے کی غرض سے نہیں بلکہ اُنکے شور و شر کو توڑنے اور اہل ملک کے امن و امان کی خاطر اِن کی فتنہ انگیز طاقت کو دبانے کی غرض سے کی گئی ہو جب وہ لوگ مغلوب و مفتوح ہو کر گردن اطاعت خم کر دیتے تو اُن کے لیے ایک امن پسند و ضابطہ شناس رعیت کی حیثیت سے اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہنے کی دو صورتیں تھیں یا تو دین حق قبول کریں اور فوجی خدمت اپنے اوپر لازم سمجھیں یا اپنے سابقہ دین پر قائم رہیں۔ اور فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہکر اِس کا عوض نقدی کی صورت میں ادا کیا کریں جس کا نام جزیہ ہو چنانچہ شرعی قانون (فقہ) میں درج ہے:-

فَإِنْ حَصَرُوْهُمْ فَادْعُوْهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَبَوْا فَإِلَى الْجِزْيَةِ فَإِنْ قَبِلُوْا فَلَهُمْ مَا لَنَا وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَيْنَا۔

جب ان غیر مسلم لوگوں کا محاصرہ کیا جائے تو ان کو اسلام کی طرف توجہ دلائی جائے پھر اگر وہ انکار کریں تو جزیہ دینے کیلئے کہا جائے پس اگر وہ قبول کریں تو وہ تمام تمدنی و ملکی نفع و نقصان میں ہمسر ہیں۔

اہل طائف جنہوں نے چند سال پیشتر نبی برحق کی دعوت الی الحق کا جواب اینٹ پتھر کے ساتھ دیا تھا حتیٰ کہ آپ کی پنڈلیاں اور ٹخنے لہولہان ہو گئے تھے۔ فتح مکہ کے بعد مسلمانوں سے آمادۂ پیکار ہوئے۔ اور شکست کھائی۔ مہاتما ممدوح لکھتے ہیں:۔

"اہل طائف کو یہ پورا اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں مذہب اسلام اختیار کریں چاہے نہ کریں۔ اس باب میں جس طرح اور کسی پر جبر نہیں ہوا ان پر بھی مطلق نہ ہوا"[1]۔

(غیر مسلم بادشاہوں کی طرف پیغام ہدایت)

دین اسلام کوئی مختص القوم یا مختص الملک مذہب نہیں ہے۔ خدا نے اسکو دنیا کی ہر قوم و ہر ملک کے لیے نازل کیا ہے۔ پس آنحضرتؐ کافۂ انام کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جس میں زن و مرد، پیر و جوان، امیر و غریب، شاہ و گدا، رومی و حبشی، چینی و افریقی سب برابر ہیں اسی لیے بخلاف دوسرے انبیاء و مرسلینؑ کے جو خاص خاص اقوام کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ آنحضرتؐ کا برتاؤ جمیع طبقات الناس کے لیے جامعیت اور ہمہ گیری کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ آپکے دل میں ہر فرد نوع کے لیے عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم مساوی محبت و شفقت ہے۔ آپکے آگے تمام وہ امتیازی و افتراقی حیثیات جو بعض افراد نوع کو فلک رفعت کے تارے بنا دیتی ہیں۔ اور بعض کو قعر مذلت میں گرا دیتی ہیں کالعدم ہیں۔ آپکے دل میں جو وقعت اپنے چچا عباسؓ کے لیے انکے اسلام لانیکے باعث ہے۔ فارس کے سلمان کے لیے اس میں اسلیے کمی نہیں آسکتی کہ وہ غریب الوطن ہے۔ آپکی صف میں جو مقام قریش کے ایک گورے چٹے سردار عمر بن الخطابؓ کو حاصل ہے حبش کے سیہ فام بلالؓ کے قدم اس سے محض اسلیے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے کہ وہ ایک کم حیثیت غلام ہے۔ ہمارے حق گو دوست فرماتے ہیں:۔

[1] سوانح عمری حضرت محمد صاحب صفحہ ۱۲۳۔

حضرت مسیح ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ میں بنی اسرائیل کی بھولی بھٹکی بھیڑوں کو رستہ دکھانے آیا ہوں۔ چنانچہ اسی کی ہدایت میں لگے رہے۔ لیکن آنحضرتؐ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں بنی اسمٰعیل کی ہدایت کے لیے آیا ہوں انہوں نے بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل سب کو ایک آنکھ سے دیکھا بلکہ انہیں اور تمام دنیا کو اپنا بھائی جانا۔ اور سب کو یکساں محبت اور دردمندی سے پیغام الٰہی سنایا۔ بادشاہوں کی شان و شکوہ کا رعب بھی انکو پیغام الٰہی پہنچانے سے مانع نہیں ہوتا تھا۔ وہ جس آزادی سے ادنیٰ غریب آدمی کو صداقت کی طرف بلاتے تھے۔ اسی آزادی سے بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہوں کو پیغام حق بھیجتے رہے[1]۔

غرض جس طرح آپ نے چند مسافران یثرب کو پیغام الٰہی سنا کر اس شہر میں دین حق کی بنیاد رکھ دی اسیطرح شاہانِ روئے زمین کی طرف پیام ہدایت بھیجکر ان کے درباروں کو عرفان حقیقت کی تجلی سے منور کرنا چاہا۔ ایران کے مغرور و بد دماغ فرمانروا خسرو پرویز کے پاس جب یہ پیغام پہنچا تو وہ اپنے نام کے ساتھ پیغمبر کا نام پڑھکر طیش میں آگیا اور کاغذ کے پرزے کر ڈالے آپنے پیشینگوئی فرمائی کہ عنقریب اسکی سلطنت کے بھی اسیطرح پرزے ہو جائینگے۔ یہ پیشگوئی عہد فاروق رضؓ میں پوری ہوئی۔ سلطنت رومہ کے عظیم الشان بادشاہ ہرقل اعظم نے اس پیغام کے متعلق معقولیت اور دلچسپی کے ساتھ بحث کی مگر مصلحت ملکی سے دین حق کو قبول نہ کر سکا اور سفارت کو بیش بہا تحائف دیکر واپس کیا۔ ابی سینیا کے تاجدار نجاشی نے اس پیغام پر سر تسلیم خم کر دیا اور صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔ بنی غسان کے حکمران نے سفارت کے ساتھ بے ادبانہ سلوک کیا اور سفیر کو قتل کر ڈالا جسکی پاداش میں تھوڑے عرصہ بعد اسکی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے ملیامیٹ ہو گئی۔

(اسلامی تمدن کا سنگ بنیاد۔ اور مسلم و غیر مسلم میں مساوات)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد جاہلیت کے تفرقہ و تنافس کی بساط کو الٹ کر تمدن و عمران کی جو نئی بزم قائم کی۔ اسکا دروازہ مسلم و غیر مسلم سب کے لیے یکساں کھلا تھا۔ بت پرستی کے سوا اور کسی مذہب کے لیے کوئی شرط۔ کوئی قید عائد نہیں کی گئی۔ اور وہ بھی اسلیئے کہ عبادت اصنام جو

[1] سوانح محمدی حضرت محمد صاحب صفحہ ۱۰۱۔

فی الواقع روحانی مفاسد کی سرچشمہ ہو اسوقت اہل عرب کے رگ و پے میں ساری تھی پس اسکا ازالہ خاص مستثنائی طرز عمل اور بلیغ و مئوکد احکام کے بغیر سہل نہ تھا چنانچہ فتح مکہ کے روز مسجد الحرام کو بتوں سے جن کی تعداد ۳۶۰ تھی پاک کیا گیا پھر کچھ عرصہ بعد خدا کے حکم سے اعلان کیا گیا کہ کوئی بت پرست مکہ میں نہ رہے اور نہ کوئی شخص جاہلیت کی رسم کے موافق ننگا ہوکر خانہ کعبہ کا طواف کرے۔

ہاں یہ تمام غیر مسلم اقوام جزو تمدن ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کے ساتھ ایک نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ ان کی جان و مال کے مسلمان محافظ تھے۔ مسلمانوں کے گھروں کے ساتھ انکے گھر تھے مسلمانوں کے بازاروں کے ساتھ انکے بازار تھے۔ ان کا اور ان کا ملکی و دنیوی دستور ایک، ملکی و عرفی قانون واحد، اور معاملاتی تعلقات مشترک تھے۔ غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا کوئی امتیازی پہلو نمایاں نہ تھا۔ بلکہ جہاں تک مدنی بود و باش کا تعلق ہے خود آنحضرت نے ان لوگوں سے جداگانہ کوئی خاص ممتاز شان اپنے لیئے مخصوص نہ کی۔

اِسوقت کہ انسانی تہذیب کا آفتاب سمت الراس پر سمجھا جاتا ہے۔ کونسا مہذب ملک اور کونسی متمدن قوم ہے جو اس مساوات بین الاقوام کا نمونہ پیش کر سکے جو تیرہ سو سال قبل اسلام نے قائم کی ہے۔ بھلا اس سے بڑھکر مساوات کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے کہ اسلام میں ذمیوں[1] کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے۔ علامہ شبلی مرحوم فرماتے ہیں "بے شبہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے من کان له ذمتنا فدمه کدمنا و دیته کدیتنا یعنی ذمی کا خون ہمارا خون اور اسکی دیت ہماری دیت ہے" حضرت علی رضہ پر موقوف نہیں تمام مہاجرین و انصار کا یہی قول تھا اور اسی پر عمل تھا۔ عبید اللہ جو عمر فاروق کے فرزند تھے۔ اُنھوں نے عمرؓ کے زخمی ہونے کے وقت دو شخصوں کو جو کافر تھے اور جنپر انکو شبہ تھا قتل کر ڈالا جب حضرت عثمانؓ مسند خلافت پر بیٹھے تو انھوں نے مہاجرین اور انصار کو بلایا۔ اور اس بارہ میں رائے پوچھی۔ تمام مہاجرینؓ نے بالاتفاق کہا کہ عبید اللہ کو قتل کرنا چاہیئے[2]"۔

[1] ذمی یعنی وہ غیر مسلم اقوام ہیں جو اسلامی عملداری میں آباد ہوں یہ مساوات فی النفس امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے امام شافعی اسکے خلاف ہیں مگر چونکہ امام ابو حنیفہ کا مذہب اسلام میں عالمگیر مذہب ہے اس لیئے اسلام کی طرف سے وہی [illegible] پیش ہونیکا حق رکھتا ہے [2] سیرۃ النعمان

کتابی غیر مسلموں کے ساتھ جن سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ مذہبی مغایرت کے باوجود مسلمانوں کے تمدنی و معاشرتی اتحاد کی اس سے بڑھکر اور کیا صورت ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کے لیے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔ ان کا پکایا ہوا کھانا جائز ہے ان کے گھروں میں آنا جانا جائز ہے ان کی عورتوں سے نکاح درست ہے:-

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ　مسلمانو! آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ　کردیگئیں اور اہل کتاب کا کھانا جو تمہارے مذہب میں ممنوع
طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ　نہو) تمہارے لیے حلال ہے اور مسلمان بیاہتا بیبیاں اور
مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ　جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دیجا چکی ہے انکی بھی بیاہتا
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ　بیبیاں تمہارے لیے حلال ہیں۔ بشرطیکہ ان کے مہر
اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ　انکے حوالے کردو۔ اور تمہارا ارادہ انکو قید نکاح میں لانے
غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ　کا ہو نہ کہ کھلم کھلا بدکاری کرنیکا اور نہ چوری چھپے
(سورۂ مائدہ رکوع ۱۔ پ۶)　آشنا بنانے کا۔

اہل کتاب کے ساتھ اس خیال سے کسی قسم کی زیادتی کرنا روا نہیں کہ وہ مفتوح قوم ہے اور ہم فاتح ہیں۔ ابوداؤد کی ایک حدیث کے ضمن میں یہ الفاظ آنحضرتؐ سے آئے ہیں:-

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا　اور یہ کہ اللہ نے حلال نہیں کیا کہ تم اہل کتاب کے گھروں
بُيُوْتَ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَّلَا　میں بلا اجازت داخل ہو اور نہ انکی عورتوں کو مارنا حلال
ضَرْبَ نِسَآئِهِمْ وَلَآ اَكْلَ ثِمَارِهِمْ　ہے اور نہ انکے پھلوں کا کھانا روا ہے جبکہ وہ تم کو
اِذَآ اَعْطَوْكُمُ الَّذِيْ عَلَيْهِمْ　وہ چیز دے دیں جو انکے ذمہ ہے۔

ایک مرتبہ کسی یہودی اور مسلمان کے مابین کسی معاملہ میں تنازعہ ہوگیا۔ دونوں نے اپنا جھگڑا آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپنے بتقاضائے انصاف یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اسی کے وقت مسلمان نے اس خیال سے کہ حضرت عمرؓ ذرا کفار کے حق میں شدید ہیں، انکے پاس

میرا اپیل شاید مفید ہو۔ حضرت عمرؓ کیطرف رجوع کیا۔ یہودی نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا۔ ہم ابھی حضرت محمدؐ سے فیصلہ لیکر آئے ہیں۔ مگر یہ اُسپر راضی نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی اور مسلمان کا سر اتار کر رکھدیا[1]۔ نہ صرف عام مسلمانوں کو غیر مسلموں سے مساوات کا برتاؤ رکھنے کا حکم تھا بلکہ خود آنحضرتؐ جو ایک ہادی برحق ہونے کے علاوہ حاکم مختار بھی تھے۔ تمدنی معاملات اور سلسلہ مساوات میں اپنے آپکو اُحادِ رعیت کی صف میں شامل رکھتے تھے۔ یہودیوں میں سے ایک عالم شخص کا ذکر ہے کہ اسکا کچھ قرض آنحضرتؐ کے ذمہ آتا تھا۔ اُس نے تقاضا کیا تو آپنے فرمایا۔ اسوقت دینے کو میرے پاس کچھ موجود نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا میں آپکا پیچھا نہیں چھوڑونگا جبتک کہ میرا قرض ادا نہ کرینگے۔ فرمایا تو پھر بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا آپنے بامر مجبوری اُسی جگہ بیٹھے ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء۔ اور فجر کی نمازیں پڑھیں آپکے اصحاب اُس یہودی کو دھمکیاں دیتے رہے مگر وہ ٹلا نہیں۔ آپکو معلوم ہوا تو صحابہ کو اس سے منع فرمایا۔ اصحاب کہنے لگے یارسول اللہ ایک یہودی آپکو باندھے بیٹھا ہے۔ فرمایا اللہ نے مجھے غیر مسلم رعیت پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جب دن چڑھا تو یہودی کلمہ پڑھکر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے جو کچھ کیا اسلئے کیا کہ آپکے حالات آزماؤں جو میں نے توریت میں پڑھے ہیں[2]۔

ابو رافع رضہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوئی مہمان آپکے پاس اترا آپنے مجھے حکم دیا کہ فلاں یہودی سے جا کر کہو۔ ہمارے ہاں مہمان آیا ہے کچھ آٹا رجب تک ادھار دیدے۔ یہودی نے کہا واللہ میں جبتک کوئی چیز گروی نہ رکھ لوں ادھار نہیں دونگا آپنے خادم فرمایا واللہ میں زمین و آسمان بھر میں پورا امانت دار ہوں۔ اگر وہ ادھار دیدیتا تو میں ضرور ادا کر دیتا خیر میری زرہ لیجاؤ اور اُسکے پاس گروی رکھدو[3]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عادلانہ سلوک کا یہ اثر ہوا کہ آپکے بعد خلفائے راشدین بھی مسلم اور غیر مسلم کو ملکی و تمدنی رتبہ میں دوش بدوش سمجھتے تھے۔ ایک یہودی نے حضرت عمرؓ کی عدالت میں حضرت علیؓ پر قرضہ کا مقدمہ دائر کیا۔ اُسوقت حضرت علیؓ اُنکے برابر بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ "ابوالحسن [illegible] کے برابر کھڑے ہو کر جوابدہی کرو" وہ اُٹھے اور چہرہ پر رنج کے آثار تھے۔ جب مقدمہ ختم ہو چکا [illegible] تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اُسوقت آپکے چہرے پر رنج کے آثار کیوں تھے۔ اُنھوں نے کہا [illegible] میں [illegible] خفہ نہ تھا کہ آپ مجھے

---

[1] بخاری شریف [illegible] اخلاق [illegible]
[2] [illegible]
[3] [illegible]

بے دُور کا سلام

رنجور کا سلام مجبور کا سلام۔ او دور رہنے والے۔ بے دُور کا سلام۔ اپنے عشق کو
اُلٹا لیلو۔ میں زمین۔ آسمان۔ سمندر۔ پہاڑ بننا چاہتا ہوں۔ آدمی نہیں بنتا۔ مجھسے یہ بات
نہیں سنبھالی جاتی۔ یہ بھی الفت کا کوئی دستور ہے۔ یہاں تو جان پر بنتی ہے۔ اور کم بخت بپتا
دل زبان کو چھیڑ چھیڑ کر کچھ کہلواتا ہے۔ اندر کی بپتا باہر لاتا ہے۔ اور تمہارے مولوی دربان اُسکو
فتوے کے ڈنڈے سے مارنیکو دوڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں خبردار۔ ایسی جناب میں گستاخ
ہوتا ہے۔ منہ مسل دینگے سر کچل دینگے۔ ع باخدا مستی کن و با مصطفٰے ہشیار باش

ہوشیار تو جب ہوں کہ تم ہوش میرے قابو میں رہنے دو۔ ادب کا لحاظ تو اُس وقت
کروں کہ عقل آداب کو مجھ تک آنے دو۔ دل لیا۔ چھپ گئے۔ عقل چھینی۔ دیوانہ بنایا اور بےخبر ہو گئے
میں تڑپتا پھرتا ہوں۔ پھر کہتا جاتا ہوں سنو دل واپس ملتا ہے نہ عقل و ہوش کی رسائی ہو جاتی کہ
اچھا حضور میں ادب کرونگا۔ توبہ۔ توبہ۔ اپنے ارمانوں کو مسوسونگا۔ کچھ نہ کہونگا۔ کچھ نہ بولونگا
آپ کہکر خطاب کرونگا۔ میرے دل کی جلن مولویوں کو دیدیجیے۔ اپنے ان لٹھ مار دربانوں کو نوازیے
دیکھوں گا۔ کیونکر آپ کے عشق پر بھنتے ہیں۔ اور کیونکر اس کی بو نہیں پھیلتی۔ امتحان کرونگا محبت کے
کانٹوں میں گھسیٹے جائینگے۔ اور اُسکے منہ میں چُپ پڑے رہیں گے واہ جی ایمان تو بلبلا
اُٹھیں گے۔ گریبان پھاڑ ڈالیں گے۔ اور کہیں گے۔ پھر بلا۔ پھر کانٹوں میں گھسیٹ۔ اور چیر ڈال
اور چیر کر دے۔ آہ میں خوب مزہ ہے۔ یہ تو بڑی عجب چیز ہے۔ یہ کہتے کہتے گستاخانہ جملے زبان
پر لائینگے۔ آپکی نوازش پر منہ کہینگے۔ دامن پکڑ کر اپنی طرف کھینچیں گے۔ آپ اوب ادب
فرمائینگے۔ تو یہ [illegible] کیونکہ محبت میں صبر نہیں ہے۔ بہت
ترقی [illegible] جذبات سے بھرپور ہے۔ جذبات کی طغیانی انسان

کو بے عقل کر دیتی ہے۔ دیوانہ بنا دیتی ہے۔

سرکار ذرا انہیں دیجئے۔ محبت اور میرے دلکو واپس نہ فرمایئے۔ پھر غور کروں۔ شاید میں اسکو اُٹھا سکوں۔ کم بخت آسمان زمین۔ پہاڑ سمندر کی ہم جنسی سے شرم آتی ہے۔ میں آدمی ہی رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے دربان مولویوں سے پٹنا منظور ہے۔ میں انکے قدموں پہ سر رکھونگا آخر تو میرے آقا کے دروازے والے ہیں۔ پیلنے کے گھر کا کتا بھی عزیز ہوتا ہے اور یہ تو تاجدارانِ شریعت ہیں۔ آپکے اغنانے کے مومن ہیں۔

لیجئے میں عہد کرتا ہوں۔ اب جی کو سنبھالوں گا۔ بے ادبی کا کوئی فقرہ زبان پر نہ لاؤنگا بہت مہربانی ہوگی۔ بہت نوازش ہوگی۔ اِس دل کو وہیں کہیں کونے میں پڑا رہنے دیجئے۔ اور خدارا مولویوں کو اپنا آزار نہ دیجئے گا۔ انکو بہت کام کرنے ہیں۔ انکے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس درد سے ناآشنا رکھے جائیں۔

نبود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

جوشِ رقابت کے سبب نہیں میں واقعی عرض کرتا ہوں انکو اِس لئے کہ کی ذرا بھی فرصت نہیں ہے۔ کامی آدمیوں کو نکمانہ بنایئے۔ ہم بلاکشان سر فدا کیا تھوڑے ہیں جو اِن غریب ستیوں کو تکلیف دیجائے۔

کیوں مولیٰ! عرض قبول ہوئی؟ شروع میں جو گستاخی ہوگئی تھی۔ اور دل واپس مانگا تھا اِس سے معافی ملی یا نہیں۔ آپ تو رحمت والے ہیں۔ آپ تو مروت والے ہیں۔ آپ تو خفا نہیں ہوا کرتے۔ آپ تو بُرا نہیں مانا کرتے۔ آپ تو خُلقِ عظیم ہیں۔ دیکھئے دیکھئے۔ ادہر دیکھئے مجھ دور دستور کا سلام لیجئے۔ اور سلام کی غرض سُنئے کہ ع سلام عشق بازاں بیغرض نیست

جھومتی کھجوروں میں آئے ہیں۔ چُپ پہاڑوں میں بولتا دل لائے ہیں۔ ینبوع و دمشق اور مکہ کے معروف راستہ سے الگ ایک رستہ نکالا ہے۔ آتو گئے۔ پر اب بھی دور ہیں۔ یا آپ دور معلوم ہوتے ہیں۔ رنگین تصویر دور سے بھلی لگا کرتی ہے۔ دور ہی سہی۔ لو دور کا سلام۔ ایک بدقسمت قوم

کہلاتے ہیں۔ مگر امت مرحوم ہونیکے فخر سے دل کو سمجھاتے ہیں۔ ہندوستان کے پردیس میں رہتے ہیں۔ مگر آپ کی حُب کا وطن دل میں پاتے ہیں۔ اُمت تو ہم دور والے ہیں۔ کیونکہ پاس والے تو اہل بیت ہیں۔ ہمکو امتی امتی فرمایئے۔ جب ہم پکاریں لودور کا سلام۔ تو آپ ارشاد فرمائیں

آ دور کے سلام۔ آ مجبور کے سلام۔ میں تجکو قبول کرتا ہوں۔ میں وعلیکم السلام کہتا ہوں۔ اور امتی امتی کے پاس تجکو اپنی پسندیدگی کے ساتھ آراستہ کرکے بھیجتا ہوں ؂

جہاں پناہ! ہمکو بھولیے گا نہیں۔ ہم بہت غریب ہیں۔ ہم بہت لاچار ہیں۔ نہ آپکے وطن تک آسکتے ہیں نہ دل کی دبی آگ کو دکھلانے کی طاقت ہے۔ ہم آپ ہی کے کہلاتے ہیں۔ ہمارا آسرا آپ ہی ہیں۔ ہماری آبرو آپ ہی کے بلند اور عزت والے نام سے ہے۔ دولت والے۔ علم و ہنر والے۔ خدمتگزار لوگ لائق بچے ماں باپ کو عزیز ہوتے ہیں۔ وہ سپوت کہلاتے ہیں۔ مگر نالائق کپوت بھی آغوش شفقت و رحمت سے محروم نہیں رہتے۔ ہمکو اقرار ہے کہ ہم آپکی کپوت اولاد سے بھی گئے گزرے ہیں۔ نہ دولت ہے نہ علم و ہنر ہے۔ نہ کوئی خدمت بن پڑتی ہے۔ نہ فداکاری و جاں نثاری ہوسکتی ہے۔ کس منہ سے کہیں اُمتِ شہِ لولاک ہیں۔ بڑی بات ہے اور منہ چھوٹا ہے۔ اب تو آپ کی نظرِ کرم ہی لاج کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ اب تو آپ ہی کی نگاہ مہر پر ہم بیکسوں کی آس لگی ہے۔ دنیا ہے تو آپکے سہارے دین ہے تو آپکے سہارے ؂

ایسا نہ ہو ہماری دوری آپکے دل سے بھی ہمکو دور کردے۔ دیکھئے ہمارا سب کچھ لُٹ گیا ہے۔ ہم بیابانِ غربت میں سُنسان اور مایوس بیٹھے ہیں۔ آپکے ہاں سے بھی دوری ہوگئی تو ہمارا دونوں جہان میں کہیں ٹھکانا نہیں رہیگا ؂

قیامت قریب آگئی۔ حساب کا وقت سر پہ پہنچ گیا۔ یہاں نامۂ اعمال گناہوں کا لے ہیں جی سہم رہا ہے۔ کس منہ سے خدا کے سامنے جائینگے۔ اور آپ کی اُمت ہونا زبان پر لائینگے۔ آپنے تو یہ فرمایا تھا کہ ایسے کام نہ کرنا جو حشر کے دن مجکو خدا سے دوسرے نبیوں میں شرمندگی و ندامت ہو

ہائے ہم نے تو وہی کام کیے جن سے منع کیا تھا۔ اب کیا ہوگا۔ یہ کالے منہ آپکے روبرو کیونکر لاسکیں گے ۔

للہ بتاؤ۔ ہمکو پھٹکار تو نہ جائے گا۔ خدارا کہنا ہمکو ٹھکرایا تو نہ جائیگا۔ کیا ہمکو دھکے دے دیئے جائینگے۔ ہم آپکے ہوکر کہاں جائینگے۔ آپکے کہاں کرکے دامن تلے پناہ لیں گے ۔

ہمارے تو تم ہو۔ جیسے ہیں ہماری لاج و شرم تو تمہارے ہاتھ ہے۔ اُمتی اُمتی کہوگے یا نہیں کلیجہ کانپا جاتا ہے۔ خبر نہیں آپ کیا فرمائینگے۔ ہائے ہم نے بڑی غفلت کی افسوس ہم نے عمریں برباد کردیں۔ اور اپنے سید کو یہ منہ دکھانے آئے ۔

دیکھو ہمارا کوئی نہیں ہے۔ اپنے کملی کا دامن ہمارے عیبوں پر ڈال دینا۔ دیکھو ہماری نالائقی کا پردہ ڈھک لینا۔ تم ہمارے۔ ہم تمہارے۔ کسکے آگے رکھیں سر ۔

اپنے یار غار صدیق ذی وقار کی خاطر معاف کردینا۔ عادل کامل عمر فاروق کی عدالت کی طفیل ہم نکموں کا ہاتھ پکڑ لینا۔ صابر و غنی نیکی کے دھنی عثمان کے صدقے میں اپنا کہنا بھائی اور وصی۔ سید خطاپوش علی مرتضٰے کے وسیلے سے قصوروں کو چھپا لینا۔ اپنی مقبول و ملول بیٹی فاطمہ زہرا کا واسطہ۔ اپنی حمیرا عائشہ صدیقہ رض کا واسطہ۔ اپنے گیسوؤں پیاروں حسنؓ حسینؓ کا واسطہ ہم پر مہر و کرم کی آنکھیں رکھنا ۔

نہیں ہم ایک اور وسیلہ لاتے ہیں۔ ایک اور ذریعہ ہاتھ آیا ہے اور وہ آپ کی غریب پروری ہے بیکس نوازی ہے۔ اس مسکین پرور دل کے صدقہ میں جو آپکے سینہ پاک میں ہے۔ اس دارو گیر کے میدان میں ھٰذَا اُمّتِی اُمّتِی کہکر گود میں اٹھا لینا۔ سیاہ اعمال ناموں پر ہاتھ رکھ دینا وہ ناز کی شفاعت۔ وہ انداز کی شفاعت۔ وہ پایہ عرش کے سامنے سجدہ طویل کی شفاعت جبتک نہ ہوگی۔ ہمارا انجام درست نہ ہوگا۔ ہماری سیاہ کاریاں درست نہ ہونگی ۔

یہ سلام ہے۔ ہندی گنہگاروں کا۔ آپکے صادق ظلمکاروں کا جن میں ناتواں ہیں۔ جوان پر ارمان ہیں۔ بچے نادان ہیں۔ عورتیں ہیں۔ مرد ہیں۔ آپکے کلمہ کے اسیر ہیں دنیا

کی بپتا سے دلگیر ہیں۔ یمن عدن۔ کوہستانوں۔ بیابانوں کے ہزاروں ہندو ترک کے جو آپکے در کے ہندی فقیر ہیں ۔

سلام ہو۔ مکہ کے شہریار۔ سلام ہو۔ مدینہ کے شہسوار۔ سلام ہو۔ عرب عجم اور ساری دنیا کے رکھوالے۔ سلام ہو۔ کائنات موجود و معدوم کے خلاصہ کہلانے والے۔ سلام اے باپ۔ سلام سے مولے تو۔ سلام اے سرور۔ سلام اے ہادی۔ سلام اے سلام۔ اے سلیم۔ اے سالم۔ اے سلامتی بخش

اب تیری دستگیری ہو۔ دنیا میں تیرے نام پر جئیں۔ عقبیٰ میں تیرے نام پر اٹھائے جائیں۔ تیری برکت سہارا دے۔ تو اطاعت قرآن۔ اطاعت حدیث و اطاعت اولو الامر نصیب ہو۔ روٹی سے پیٹ بھرے۔ کپڑے سے تن ڈھکے۔ اولاد صالح سے گود بھرے۔ عزت سے دل شاد بنے۔ دشمن مٹیں۔ یار بڑھیں۔ جھنڈا تیرا اونچا چڑھے۔ اسکو اٹھاکر جوش میں آکر نعرہ لگاکر تکبیر پکاریں۔ اور تیرے خدا کو۔ اپنے خدا کو۔ سب کے خدا کو۔ اچھے خدا کو۔ زندہ خدا کو۔ ایک خدا کو۔ ایک خدا کو۔ اور دھوم مچے وحدت رب کی۔ زندہ بنے اسلام ہمارا۔ سلام ہمارا ۔

حسن نظامی

نظم

آغازِ وحی

شنیدم زگفتارِ دانشوراں خرد پروران و سخن گستراں
کہ گفتند آں راستاں داستاں بحالاتِ آں قدوۂ راستاں
کہ در خواب آنچہ نظر آمدش بہ بیداری ازوے اثر آمدش
مگر خواب نیکاں گزافہ مداں تو "ہذا حدیث" "خرافہ" مخواں
کہ خوابِ بزرگاں بیاید چو صبح چناں داں کہ دارد ز الہام بیخ
پس آنگہ ہمی گشت در دشت و کوہ پرستش گہِ جست دور از گروہ
چنیں بود جویائے کارِ بزرگ بکوہِ "حرا" یافت غارِ بزرگ
پرستش گہِ خویشتن کوہ کرد ہمانِ "براہیم" آں نیک مرد
حقِ اہلِ خانہ ہمی کرد ادا ہمی برد از خانہ آذوقہ را
ہمہ شغلِ فکرش بہ تفرید بود بہ تسبیح و تحلیلؐ تحمید بود

نہ یک ماہ گذشتہ ہنوز اندریں کہ آمد فرشتہ زباں آفریں!
کہ روزے نبی بر سرِ کوہ شد کہ اندر تنہائی انبوہ شد
ناگہ شنید از ہوا ایں کلام "من اللہ" ومنی علیک السلام"
سہ نوبت شنید ایں چنیں بار بار بدہشت درآمد دراں روزگار
سوئے آسماں باز دیدن گرفت یکے دید مردے بشکل شگفت
چو خورشید بدتاجِ زر بر سرش یکے حلۂ سبز اندر برش
فرود آمد آں مرد از آسماں یکے داد کاغذ کہ ایں را بخواں
چنیں گفت پیغمبرِ خوش شیم چگونہ بخوانم کہ خواندہ نیم

ملہ عالم رؤیا میں آنحضرتؐ سے ارشاد ہوا ہے کہ تحلیل بہ حائے حطی لکھی جائے نہ بہ ہائے ہوز یعنی "تہلیل" ۱۲ منہ

همان مردِ نورانیِ پاک ذات دگر گفت بشنو ز من کن بیاد
سه نوبت کشیدش ببر پی بپی که چهرِ محمد برآورد خوی
چو تجذیب و تصریف شد در عمل در آمد در آن پرتوِ لم یزل
حکیمانِ دانا و اہلِ کمال همین را بخوانند فعل و انفعال

پس آنگه دگرباره گفتش که بخوان "بتائید نامِ خدائے جہان
توانا و دانا و بیننده تنِ آدمی آفرینندۀ
ز خونِ غلیظ و ز خونِ پلید ببین تا چه پاکیزه شکل آفرید
نگارندۀ خامه و دسترس بیاموخت آنچه نه دانست کس
مگر آدمی آمد از حدِ خویش بشادی و راحت نهد پا به پیش"

همین است قولِ سدید و درست که این پنج آیت در آمد نخست
که در فارسی ترجمه کرده ام در ابیات پنج اندر آورده ام

طبیعت چو چند استماله گرفت پئے جذبِ نور استحاله گرفت
همه یاد کرد آنچه از وے شنید بتوفیقِ پروردگارِ حمید
وزان پس همان مرد پا بر زمین بزد چشمه شد چو حوضِ دفین
طهارت بیاموخت غسل و وضو دوگانه نمازش بر آئینِ نو
به استاد و پس دست بر دست بست خمید و فتاد و بزانو نشست
پس "السلام علیکم" گزار نه آن بزم بود و نه آموزگار

تن و سینه لرزید و آه برکشید رمید و دوید و بخانه رسید
چو آمد بکاشانه تیز و دوان چنین گفت با همسرِ مهربان
که دارم به تن لرزۀ بے شمار بیفگن ز جامه یکے پنبه دار
فرازش همان جامه انداختند زمانے ز گفتار پرداختند

پس انہ ماجرا گفت با جفتِ خویش | کہ اے بانوئے خانۂ خوب کیش

کزیں صدمہ شاید کہ میرم ہمی | مگر با دیم دستگیرم ہمی

خدیجہؓ چنیں گفت کاے رہنموں | توئی کاخ دیں را ستودہ ستوں

تو با آنکہ داری، دل نرم و گرم | بے نیم خنداں رُخے پُر زشرم

نگاہ "بہا ہستیم" تا ایں زماں | ندیدست چوں تو کس اندر جہاں

چنیں شخص محمود و پاکیزہ جاں | کہ ہستی تو اے شوہر مہرباں!

سزاوار باشد "بکارِ بزرگ" | بدانم کہ ایں است رازِ سترگ

بدیں فکر آں بانوئے ہوشمند | ہزار آفریں از "حکیمِ" نژند

ہزار آفریں، زافریں آفریں | بر آں پر خرد بی بی نغز بیں

خدیجہؓ یکے داشت اودر پسر (عم زاد بھائی) | ذہین و ذکی و خجستہ سیر

کہ او بود مردے کشادہ زباں | سخن گو و دانشور و پاک جاں

ہمی بود بر مذہبِ عیسوی | ذکا و مزاج و طبیعت قوی

کہ توریت و انجیل خواندی ہمہ | نوشتے بتازی زباں ترجمہ

خدیجہؓ بگفتش ہمہ داستاں | کہ ورقہ! گذارش کن اندر استاں

بآغاز و انجام ایں کار چیست؟ | ہماں مرد نورانی از آں کیست؟

ہماں آمدنش و ہماں بازگشت (جبرئیل) | چہ چیز است؟ لے مرد باریک بیں

چو ورقہ ہمہ ماجرا را شنید | و از عشق پیغمبرے بو شمید!

چنیں گفت کاے خواہر مہرباں | بہ عصمت و عفت و پاک جاں

ہماں شخص پاکیزہ و خوبرو | کہ ناموس اکبر (جبرئیل) بود نام او

زیزداں سلام و پیام آورد | ز دل دردہائے کہن می برد

ہمہ شادماں، شادمانی بکن! | درختِ غم از بیخ برکن زبن

که اینست بیشک نبی الهدیٰ — چنیں است یادم ز گفتِ خدا

همیں ست "دیں آور تازیاں"! — نمایندۂ راہِ سود و زیاں

بفرمانِ یزدانِ جاں آفریں — لقب یافت "حق خاتم المرسلین"

لقب مرترا آشکار و نہاں — بود نامِ در "مؤمناں" درجہاں

ولیکن ازیں قومِ ناآگہاں — بشورند چوں ابلہاں در جہاں

محمد بسوئے مدینہ رود — کہ او خاتم و ایں نگینہ شود

دریغا کہ تا آں زماں بودمے — بخود کارہائے بفرمودمے

ازیں در پسے گفت بانگِ بو — ہماں "ورقۂ نوفلِ" نیک خو

کہ تا از دلِ بانوئے مستطاب — ستردہ شد آلائشِ اضطراب

نہ یک مہ گذشتہ بریں خوش سخن — کہ "ورقہ" نوردیدہ شد در کفن

زمانہ کسے را بعلم و ہنر — ببالا برد گر ز شمس و قمر

ہم آخر بخاکش فرو افگند — سرانجام نیشش اجل در زند

"حکیما" گر از نور آگندہ — مشو را ایں چنیں زانکہ تو بندہ

ترا بندگی باید و سرنہی — مبادا کہ از دست ایماں دہی

نہ بندد دلِ خود بکارِ جہاں — خردمند و دانا و روشن رواں

رسولِ خدایش بخوابے بدید — کہ پوشیدہ در جامہائے سپید

بفرمود "مبرور و مغفور شد — تن و جانِ او ہر دو پرنور شد"

ہمانا کہ آنکس زدوزخ برست — کہ از مہرِ "احمد" رگِ او پرست

محمد فرستادہ اش راستست — ندانستی دیں بپا راستست

چنین است پایانِ صدق و صفا — ز دل چشم باریک بیں برکشا

دلِ خویش را خوردہ کو چک مبین — سر وُلے ہمین است و یوسے ہمیں
کہ ور ہمہ چو ما و شما ز آب و گل — بیامد ولیکن بیار است دل
بکار خدا باشش در یک دلی — پس آنگہ تونی فرقہ توغلی
ہمی خواہی گر تو بہرہ دو سرائے — بہ تسلیم نیکان و پاکان گرائے
بجا صد محمدؐ کہ پیغمبر است — کہ بعد از خدا از ہمہ برتر است
درین ہر کہ شک آورد کافر است — نہ شک بلکہ گر دغدغہ اندر است
تکیا گل از ہاشمی بوستان — بیامد بہ سندھ و چہ ہندوستان
کہ بینند و بویند و بر سر نہند — درودے و مدحے و سلامے دہند
ہم آب و گل تا محمدؐ بود — درودے خدا بر محمدؐ بود!

غلام غوث بہاولپوری

شفاعت

یوں تو دنیا میں ہیں ادیان بہت سے جاری — عقل مانے جسے وہ دین ہے عینِ فطرت[1]
بسکہ ہے دین سے مقصود فلاحِ دارین — سچے مذہب کی رہا کی ہے یہی بس غایت
قید مذہب کی ہے تقلید جو اس سے نکلو — راہِ تحقیق ہے جس میں ہے نہایت وسعت
کام تو عقل سے سوچ ہے مکلف کس میں — کس میں تکلیف ہے گو ہو گئی اُس کی عادت
ایک یورپ کا حکیم الحکما کہتا ہے — میں نے تحقیقِ مذاہب میں اٹھائی محنت
کچھ نہ کچھ خود غرضی دیکھی ہر اک مذہب میں — بانی فرقہ کی خالص نہیں پائی نیت

[1] فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ۱۲

ہیں بہت زاہد سالوس ہر اک ملت میں — مگر اسلام میں مطلق نہیں رہبانیت[۱]
عقل و حکمت کے موافق ہیں شعار اسلام — عین فطرت ہے کوئی فرض ہو یا ہو سنت
فلسفیانہ عقائد کا ہوں گو میں پابند — اسکا قائل ہوں کہ اسلام میں ہے حقیت
غیر اقوام اگر اس کی کریں گے تحقیق — کبھی پائینگے نہ وہ اس کو خلاف فطرت
جو یہ چاہے کہ مذہب سے اُٹھے اطمینان — کہہ دو اسلام سے بہتر نہیں کوئی ملت
غیر جسکو کہیں اچھا وہ ہے مذہب سچا — ورنہ ہے کونسا مذہب نہیں جسمیں آفت
وہ ہیں وحشی جنہیں مذہب کی ضرورت ہی نہیں — متمدن جو ہے مذہب کی اُسے ہے حاجت
جب کہ دنیا میں بھی چارہ نہیں بے مذہب کے — چاہیئے پھر وہی مذہب جو ہو عین فطرت
ہوتے آئے ہیں نبی بہر ہدایت ہر جا — ان کے مذہب نہ رہے رہ گئی باقی بدعت
غور سے دیکھئے سیرت[۳] کو رسول حق کی — آخری تھی یہی رب دو جہاں کی حجت[۴]
حق تعالیٰ کے رسول امت عاصی کے شفیع — ہے شفاعت[۵] کی سزاوار انہیں کو خدمت
ہیں محمد ہی کہ حق نے انہیں محبوب کیا — دو جہاں کی انہیں دی شوکت و شان عزت
جو ہو محبوب خدا پوچھنا پھر کیا اس کا — تھا وجود آپ کا عالم میں خدا کی رحمت

---

[۱] لا رہبانیة فی الاسلام۔ عن انس قال جاء ثلثة رهط الی بیوت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسألون عن عبادته فلما اخبروا کانهم تقالوها قالوا این نحن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر قال احدهم اما انا فاصلی اللیل ابدا وقال الآخر وانا اصوم الدهر ولا افطر وقال الآخر وانا اعتزل النساء ولا اتزوج ابدا فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا اما واللہ انی لاخشاکم للہ تعالیٰ واتقاکم له ولکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی (بخاری ومسلم)۔ [۲] ان من امة الا خلا فیها نذیر۔ ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ۱۲ [۳] انک لعلی خلق عظیم ۱۲ [۴] انا فتحنا لک فتحا مبینا الخ ۱۲ وما ارسلناک الا کافة للناس ۱۲ [۵] ان الناس یصیرون یوم القیمة جثاء کل امة تتبع نبیها یقولون یا فلان اشفع یا فلان اشفع حتی تنتهی الشفاعة الی النبی صلعم فذلک یوم یبعثه اللہ المقام المحمود ۱۲ الشفعاء خمسة۔ القرآن۔ والرحم۔ والامانة ونبیکم واهل بیته ثم الانبیاء ثم العلماء ثم الشهداء ۱۲ شفاعتی لاهل الکبائر من امتی شفاعتی لامتی لمن احب اهل بیتی ۱۲ انا سید ولد آدم یوم القیمة ولا فخر وبیدی لواء الحمد وما من نبی یومئذ من سواه الا تحت لوائی وانا اول من تنشق عنه الارض ۱۲

بندہ اور بندے سے عصیاں نہ ہو اللہ اللہ — سچ تو یہ ہے کہ خدایا یہ ہے تیری قدرت
حشر[۵۱] کے دن جو کھڑی ہوگی ترازوئے عدل[۵۲] — دل پہ ہر شخص کے ہو جائیگی طاری ہیبت
لمن الملک کی آواز سے سب کانپیں گے — قہر یزداں کی نظر آئے گی ہر سو صورت
ہوگا خورشید جہانتاب سوا نیزے پر — ڈوب جائے گی پسینہ میں سراسر خلقت
مشورے[۵۳] ہونگے چلو حضرت آدمؑ کے پاس — سب نبیوں میں شفیع انکی ہی شان و شوکت
جدا اعلیٰ ہیں ملائک نے کیا سجدہ انہیں — یہ شفاعت جو کریں دور ہو ساری آفت
مل کے سب جائینگے پھر حضرت آدم کے پاس — سب کہیں گے کہ یہ ہی وقت شفاعت حضرت
سن کے فرمائینگے کی میں نے جو نافرمانی[۵۴] — اس گنہ سے مجھے ہوتی ہی ابھی تک خفت

۵۱ یوم ینادی المناد من مکان قریب یوم یسمعون الصیحة بالحق ذٰلك یوم الخروج
۵۲ نضع الموازین القسط (سورہ انبیاء ع ۵) ۵۳ عن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یجمع اللہ الرسل یوم القیامة فیقولون لو استشفعنا علی ربنا حتی یریحنا من مکاننا فیاتون آدم
فیقولون انت الذی خلقك اللہ بیدہ ونفخ فیك من روحه وامر الملائکة فسجدوا لك فاشفع لنا
عند ربنا فیقول لست هناکم ویذکر خطیئته ائتوا نوحا اول رسول بعثه اللہ فیاتونه
فیقول لست هناکم ویذکر خطیئته ائتوا ابراهیم الذی اتخذہ اللہ خلیلا فیاتونه فیقول لست
هناکم ویذکر خطیئته ائتوا موسیٰ الذی کلمه اللہ فیاتونه فیقول لست هناکم فیذکر
خطیئته ائتوا عیسیٰ فیاتونه فیقول لست هناکم ائتوا محمدا صلی اللہ علیه وسلم فقد
غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر فیاتونی فاستاذن علی ربی فاذا رایته وقعت ساجدا
فیدعنی ما شاء اللہ ثم یقال لی ارفع راسك سل تعطه وقل یسمع واشفع تشفع فارفع راسی
فاحمد ربی بتحمید یعلمنی ثم اشفع فیحد لی حدا ثم اخرجهم من النار فادخلهم الجنة ثم اعود
فاقع ساجدا مثله فی الثالثة او الرابعة حتی ما بقی فی النار الا من حبسه القرآن (ای اخبر
بخلودہ نحو قوله تعالیٰ ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ای من وجب علیه الخلود (بخاری شریف)
۵۴ ای اکل الحنطة ۔

عفو گو ہو گئی تقصیر مگر نادم ہوں — نوح کے پاس اگر جاؤ تو نکلے حاجت
لوگ جب اُنکے یہاں جائینگے کیا دیکھینگے — نوحہ و گریہ سے خود غیر ہے اُن کی حالت
دیکھکر لوگوں کو فرمائینگے یہ حضرتِ نوح — وہ گنہ مجھ سے ہوئے جس سے ہے مجکو خجلت
کیا شفاعت میں کروں جاؤ اُدہر ہیں خلیل — حق تعالیٰ سے ملا ہے اُنہیں عزِّ خلت
سب سے فرمائینگے روتے ہوئے یہ ابراہیم — کیا بیاں تم سے کروں اپنا میں حالِ نکبت
مجھ سے بھی تین خطائیں ہوئیں خاطی ہوں میں — جاؤ موسیٰ سے کرو عرض تم اپنی حالت
حق سے کرتے ہیں کلام اُن کا ہے القاب کلیم — میں شفاعت کی نہیں اپنے میں پاتا قدرت
سُن کے فرمائینگے موسیٰ کہ عزیزو مجھ سے — قبطی اک مارا گیا جس سے ہے بے حد خجلت
الغرض سارے نبی عذر ہی فرمائیں گے — حشر والوں کی زبوں اور بھی ہو گی حالت
پھر کہیں گے یہ سب اب چلئے محمد کے پاس — یہ ہیں محبوبِ خدا نکلیگی ان سے حاجت
عرض سب جاکے کرینگے کہ گنہگار ہیں ہم — عاصیوں کی کریں اب آپ شفاعت حضرت
عذرِ تقصیر بھلا کرنے کی قدرت ہے کسے — دیکھ سکتے ہی نہیں قہرِ خدا کی سطوت
رہ گئے زندہ و سالم پسرِ ابراہیم — ہوئے پائی نہیں کچھ ذبح کی ان کو زحمت
ہوئے سبطین شہید آپ کے وہ نورِ عین — جن کے اخلاق نے تھی دونوں جہاں کو زینت
کربلا میں ہوئی کیا کیا نہ قیامت برپا — آلِ اطہار پہ کیا کیا نہیں آئی آفت
ڈبڈبا آئینگے آنکھوں میں یہ سنکر آنسو — جائینگے روتے ہوئے سامنے حق کے حضرت
پوچھیگا خالقِ اکبر سببِ آہ و بکا — آپ روتے ہوئے سب عرض کرینگے حالت
ہوگا پھر رحمتِ غفار کو وہ جوش ذہینؔ — بخشدی جائیگی اِک لحظہ میں ساری امت

ذہینؔ۔ حیدرآبادی

---

۵۱ وهو منع السؤال عما ليس به علم واشتان انه له دعوة محققة الاجابة وقد استغرقها بدعائه على اهل الارض ۱۲ ۵۲ وهو قوله بل فعله كبيرهم وقوله اني سقيم وقوله لزوجته هي اختي ۱۲ ۵۳ من ذا الذي يشفع عنده الا باذنه ۱۲ ۵۴ لا يشفعون الا لمن ارتضى ۱۲

۲۸۶

مدینۃ الرسول ؐ

اے وفورِ شوق دل اے جذبۂ کوئے حجاز — لیچل اے ذوقِ تمنا اب مجھے سوئے حجاز
حور کی آنکھوں سے بہتر چشم آہوئے حجاز — عطر عنبر بیز میں ڈوبی ہو خوشبوئے حجاز

سچ تو یہ ہے درد دل کا چارہ و درماں ہے تو
مرہم کافور زخم خاطر سوزاں ہے تو

اے مقدس سرزمیں اے غیرت خلد بریں — اے بہار باغ رضواں اے فضائے دلنشیں
ہر مکاں کو یہ شرف یہ مرتبہ ممکن نہیں — لامکاں سے کم نہیں تو قیر میں تیری زمیں

تیرا ہر ذرہ چمکتا گوہر نایاب ہے
ضو فشانی میں تو رشک مہر عالمتاب ہے

کسقدر تجھ میں کشش ہے مرحبا خاک حجاز — خالق عالم نے ہیں تجھ میں رکھے پوشیدہ راز
ہو رہا ہے ہر دل مومن ترا پامال ناز — جھک رہے ہیں شوق میں ہر سو سر عجز و نیاز

آنکھیں گو پتھرا گئی ہیں اشتیاق دید میں
ہے چراغ زندگی روشن اسی امید میں

روح پرور ہے تری موج نسیم خوشگوار — دلکشا و جاں فزا ہر سو فضائے لالہ زار
وادیوں میں ہی کیا زینت فزا رنگ بہار — ذرے ذرے میں نظر آتی ہے شان کردگار

بارک اللہ ہر ادا تیری نشاط انگیز ہے
مثل جنت تیرا ہر منظر مسرت خیز ہے

ایک وہ دن تھا کہ تیرا نام تھا وحشت سرا — چارسو تھی جہل کی چھائی ہوئی کالی گھٹا
لات کا بندہ ہبل پر کوئی تھا دل سے فدا — ورد و عزیٰ کا پڑھا جاتا تھا کلمہ جا بجا

جنگ جو قزاق قوموں کا تو مسکن تھا کبھی
کفر و ظلمت جہل و نادانی کا مخزن تھا کبھی

رحمتِ ہادیِ مطلق سے ہوا جب انقلاب　　　جاگ اٹھے کلمۂ توحید سے مصروفِ خواب
ارض بطحا سے ہوا طالع جو روشن آفتاب　　　ہو گیا نورِ ہدایت سے زمانہ فیض یاب

ہو گیا عالم منور خسروِ ذی جاہ سے
کفر و ظلمت مٹ گئی نور رسول اللہؐ سے

وہ نبیؐ جس سے ریاضِ دینِ حق پھولا پھلا　　　وہ نبیؐ جس سے اخوت کا سبق سب کو ملا
وہ نبیؐ جس کا لقب ہے شافعِ روزِ جزا　　　ہو مبارک اُس حبیبِ حق کا تو مدفن بنا

در جوارِ رحمتِ پاکت چو روزے جا کنم
من فدائے نامِ تو دنیا و مافیہا کنم

اوج۔ گیاوی

قصیدہ

(نعت سرکائنات علیہ السلام والصلوٰۃ)

سامنے اپنے ہوا اک مہر محشر آشکار　　　فتنۂ دوراں عدوئے جاں بلائے روزگار
گورے رخ پر زلف کچھ بکھری ہوئی کچھ دوش پر　　　حسن آفت کا قیامت کی ادا ظالم نکھار
آنکھ جو پڑ جائے اس پر نور سے معمور ہو　　　سر سے پا تک نور کا پتلا سراپا برجِ وقار
مسکرا کر ناز سے بیدردنے ڈالی نظر　　　تیر سینے پر پڑا ایسا۔ ہوا جو دل کے پار
میں نے پوچھا کون ہے تو اے شہِ حسن و جمال　　　ہنس کے فرمایا کہ ملکِ دلبری کا تاجدار
میں نے پوچھا نام تیرا کیا ہے اے شمعِ مراد　　　ہنس کے فرمایا کہ میں ہوں رحمتِ پروردگار

تجھ پہ میں نازل ہوئی ہوں حکم سے اللہ کے ۔۔۔ تو ہے معراج جناب احمد عالی تبار
مژدۂ جاں آفریں سنتے ہی وہ مطلع کہا ۔۔۔ مطلع کونین خوبی پر ہوا جس کی نثار

اے رسول ہاشمی اے ماہ اوج افتخار
تو ہے فخر انبیاء تو ہے حبیب کردگار

یا محمد مصطفےٰ قربان تیرے نام کے ۔۔۔ یا محمد مصطفےٰ ہم نام پر تیرے نثار
نور تیرا تھا ازل کو جس نے روشن کردیا ۔۔۔ نور تیرا ہے رہیگا جو ابد تک برقرار
حق کو تجھ سے عشق تھا بھیجا اسی سے سب کے بعد ۔۔۔ انبیاء کرتے رہے دنیا میں تیرا انتظار
یارسول اللہ تو ہے راحت و آرام جاں ۔۔۔ یارسول اللہ تو دلدادگاں کا ہے قرار
یارسول اللہ تیری زلف ہے شام مراد ۔۔۔ یارسول اللہ تیرا نور ہے صبح بہار
تو امام المرسلیں ہے تو شفیع المذنبیں ۔۔۔ تو شفاعت کر تو ہم طوفان محشر سے ہوں پار
یارسول اللہ تو چشم کرم سے دیکھ لے ۔۔۔ یارسول اللہ ہو تے ہیں ترے امیدوار
یارسول اللہ جان و دل ہیں آفت میں پھنسے ۔۔۔ یارسول اللہ آنکھیں ہیں ہماری اشکبار
یارسول اللہ دل کی بیقراری دیکھ لے ۔۔۔ یارسول اللہ دل تیرے لیئے ہی بیقرار
یارسول اللہ تجکو دیکھکر جیتے ہیں سب ۔۔۔ یارسول اللہ کرتی ہے تجھے ہر آنکھ پیار

یارسول اللہ اس ناشاد کو تو شاد کر
یہ جگر یہ خستہ دل تجھپر فدا تجھپر نثار

جگر صدیقی بسوانی

۱۹۲۶

اپنے پیا کی مَیں جوگن بنی

خطاب بلبل سے!

او خوشنوا پرندے فریاد کرنے والے! — او اپنی زندگانی برباد کرنے والے
نالوں سے خوش دلوں کو ناشاد کرنیوالے! — معشوق بیوفا کو او یاد کرنے والے

گل کی تجھے تجسس میں رنگ گل کی جیا
آ۔ مل کے ساتھ ڈھونڈیں، آ۔ عندلیب گویا

خطاب کوئل سے!

او میری کالی کوئل! او غم میں جلنے والی! — آواز تیری دلکش۔ کوکو تری نرالی
ماتم میں کسکے رنگت تیری ہوئی ہی کالی! — کسکی تلاش میں تو یہ رتی ہے والی والی!

دلچسپ میرا نالہ۔ دلکش تری صدا ہے
میں تیری ہمزباں ہوں۔ تو میری ہمنوا ہے

خطاب پپیہے سے!

بیچین کسلئے ہی۔ بیکل ہے کیوں پپیہا! — یہ حال کسکے غم میں۔ ہی ہی ہوا ہے تیرا؟
یہ کالی کالی راتیں۔ یہ وقت راحت افزا — دنیا تو سو رہی ہی۔ تو جاگتا ہے۔ یہ کیا؟

سچ ہے تجھے بھی غم نے برباد کر دیا ہے
تیری زباں یہ پی پی۔ لب پر مرے پیا ہی

خطاب پروانہ سے!

او کشتۂ محبت! غم سے نہ ڈرنے والے! — او ننھے کیڑے! سر کی پروا نہ کرنیوالے!
او شمع محفل غم! جل جل کے مرنے والے — او جان دینے والے! جی سے گزرنیوالے!

شیدا میں نور کی ہوں۔ تو نار پر فدا ہے
منزل تو ایک ہی ہے۔ رستہ جدا جدا ہے

خطاب قیس سے!

او قیس عامری! تو کیوں پھر رہا ہے بن بن؟ ٹکڑے ہی کیوں گریباں؟ صد چاک کیوں ہے دامن؟
کیوں ہی جنوں سے الفت! انسانیت سے اَن بَن؟ دشمن کا دوست ہی تو عقل و خرد کے دشمن!
تو خاک چھانتا ہی لیلےٰ کی جستجو میں
نکلی ہوں میں بھی گھر سے یثرب کی آرزو میں

اپنی حالت!

جوگن بنی ہوں میں بھی اپنے پیا کے کارن چھوڑا ہے دیس میں نے اک لربا کے کارن
کرتی ہوں آہ و نالے اک خوش ادا کے کارن ہی چاک جیب و دامن۔ رنگیں قبا کے کارن
مثلِ حنا جہاں میں اب پائمال ہوں میں
تیغِ مفارقت سے بس کا مثال ہوں میں

کیا شام بیکساں کی یارب سحر نہیں ہے؟ یہ چاندنی کی راتیں۔ رشکِ قمر نہیں ہے؟
کیوں کشتگانِ غم کی اُنکو خبر نہیں ہے؟ کیوں نخلِ زندگانی! تجھ میں ثمر نہیں ہے؟
اے ابرِ رحمت اینک چشمے بتو نہادم
چوں دانہ بر امیدت در خاک او فتادم

رکتا نہیں کسی کے روکے سے منچلا دل سنتا نہیں کسی کی اک بات دل چلا دل
اللہ رے ڈھٹائی۔ جاتا ہے بر ملا دل اے ہمدمو! خبر لو۔ دیکھو کہاں چلا دل
دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا۔ کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا (حافظ)

سونا پڑا ہے پہلو۔ جب سے گئے پیا دل اس تن سے جو نپڑے میں گویا کہ تہا دیا دل

میں۔ اور تجھ سے پوچھوں۔ ایجان کیا کیا دل　　　اب اختیار تیرا۔ میں نے تو دے دیا دل
دل دے کے جان اپنی تیرے لیے گنوائی
پھر بھی مرے کنھیا! تو کہیا نہ یاد آئی

خطاب محبوب سے!

او خسروِ حسیناں! او تاجِ دلربائی!　　　اے رحمت دو عالم! اے علت خدائی!
الفت میں آہ راحت میں نے کبھی نہ پائی　　　مشکل وصال تیرا۔ آفت تری جدائی
من شمع جاں گدازم۔ تو صبح دلکشائی
سوزم گرت نہ بینم۔ میرم چو رخ نمائی (والا علم)

او سروِ ناز آجا! او شہسوار آجا!　　　او سروِ باغ خوبی! اور گلعذار آجا!
آجا مرے چمن میں او نو بہار آجا!　　　قربان تیرے آجا! تیرے نثار آجا!
اے بادشاہ خوباں! داد از غم جدائی
یک دم چو روح در تن۔ بدلِ حزیں بیائی

آئی برہ کی ماری تیرے لیے برہ گن　　　درشن سے اپنے کر دے دلشاد چشم روشن
ماں کب سے رو رہی ہوں میں رکھکے منہ پہ دامن　　　کب سے کھڑی ہے داتا! در پر ترے بھکارن
جوگن کی جھولی بھر دے او رام نام والے!
اس بت کو رام کر دے او رام نام والے!

نکلی ہے گھر سے جوگن کفنی گلے میں ڈالے　　　پاؤں میں پڑ گئے ہیں اب چلتے چلتے چھالے
گرنے کو ہوں زمیں پر ہے کون جو سنبھالے　　　یثرب نگر کے راجہ! او کالی کملی والے!
کرپا کی اک نظر ہو دکھیا پہ اپنے پیارے
بھولی نہیں میں تمکو تم کیوں مجھے بسارے

امجد حیدر آبادی

اے وہ، کہ تو سب کچھ ہے

میں کیا کہوں تو کیا ہے! ہاں پاسِ ادب کچھ ہے — کچھ بھی نہیں کہہ سکتا، اسکا بھی سبب کچھ ہے
ہر رنگِ حقیقت کچھ، اظہار کا ڈھب کچھ ہے — انجیل میں کچھ خطبہ، قرآں میں لقب کچھ ہے

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

سب کچھ ہے ترے آقا! کیا اس میں عجب کچھ ہے — اندازِ تعجب کچھ ہے، اعجازِ طرب کچھ ہے
کل تیری ادا ہی کچھ اور تھی، اب کچھ ہے — مومن کی غرض کچھ ہے، کافر کی طلب کچھ ہے

اے وہ، کہ تو سب کچھ ہے!

اللہ کا بندہ بھی، اور اس کا پیمبر بھی — پابندِ علائق بھی، مسکیں بھی تونگر بھی
آلودۂ غربت بھی، اور خسروِ کشور بھی — خود صاحبِ افسر بھی، خود حاشیہ بر در بھی

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

تو خلق کا مولا ہے، تو سرورِ عالم ہے — تو سرِ معظم ہے، تو خُلقِ مجسم ہے
تو شافعِ محشر ہے، تو شاہِ مکرم ہے — اے وصف سے بالاتر، جو کچھ بھی کہوں کم ہے

اے وہ، کہ تو سب کچھ ہے!

مومن ترے شیدائی، کافر ترے سودائی — آنکھیں تری متوالی، دل تیرا تمنائی
پیدا تری ٹھوکر سے اعجازِ مسیحائی — کرتا ہے فلک تیری چوکھٹ پہ جبیں سائی

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

موسیٰ کا یدِ بیضا ہے دستِ کرم تیرا — یوسف کا رخِ زیبا ہے حسنِ قدم تیرا
بھرتا ہے دمِ عیسیٰ کس شوق سے دم تیرا — خلقت میں براہیمی مسلک ہے اَتم تیرا

اے وہ، کہ تو سب کچھ ہے!

ہو دین ترا ناسخ ادیانِ گزشتہ کا — کچھ اور ترے دم سے نقشہ ہوا دنیا کا
مہماں تجھے کہتے ہیں سب عرشِ معلّیٰ کا — اور عرش کو کہتے ہیں سایہ قدِ بالا کا

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

کہتے ہیں سب تجھے مولا مکّی بھی حجازی بھی — بندے ہیں بخاری بھی خادم ہیں یمانی بھی
مشہور ہے دنیا میں وہ بندہ نوازی بھی — ممنون ہے ٹھوکر کی اعجاز طرازی بھی

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

سایہ کہیں سورج نے دیکھا نہ ترے قد کا — تو نورِ الٰہی ہے غنچہ گلِ سرمد کا
جو حسن ہے بے حد ہے، جو وصف ہے بے حد کا — پھبتا ہے مگر تجھ پر ہر حرف محمدؐ کا

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

اُمت تری عاصی بھی، برباد بھی، رسوا بھی — زحمت کشِ عقبیٰ بھی، ذلت کشِ دنیا بھی
تو رحمتِ عالم بھی، تو راحتِ عقبیٰ بھی — اُمت کی مصیبت کا للّٰہ مداوا بھی!

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

مختار ہے ہر شے کا، اللہ کے گھر میں تو — ممتاز اجابت کے رنگ اور اثر میں تو
بھولا نہیں امت کو تسکین میں ڈر میں تو — پھر ہم کو ہے کیا کھٹکا ہے اپنی نظر میں تو

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

محتاج ہیں مضطر ہیں اے گیسوؤں والے ہم — بے ہمدم و بے یاور ہیں اے گیسوؤں والے ہم
آوارہ ہیں ابتر ہیں اے گیسوؤں والے ہم — بھولے ہوئے تجھ پر ہیں اے گیسوؤں والے ہم

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

امید کے دریا میں طوفان سا برپا ہے — موجوں کا تلاطم ہے، کشتی ہے نہ بیڑا ہے
بدلا ہوا رخ ہم سے دنیا کی ہوا کا ہے — ادبار میں اُمت ہو، منجدھار میں نیّا ہے

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

زل ہے ابھی کوسوں، اور سخت اندھیرا ہے ۔۔۔ چلنا ہے ابھی باقی، اور یاس نے گھیرا ہے
ہتے ہیں جسے دنیا وہ رین بسیرا ہے ۔۔۔ اِس عالمِ فانی میں اک آسرا تیرا ہے

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

سرکار تری مولا دنیا میں نرالی ہے ۔۔۔ محتاج ہیں سب تیرے سب کا تو ہی والی ہے
رجہ ترا اعلےٰ ہے، رتبہ ترا عالی ہے ۔۔۔ امت کا ہر اک خادم تجھسے ہی سوالی ہے

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

سرت یہ ہے آیندہ گردش تعب کچھ دے ۔۔۔ اسباب عنا دے کر سامان طرب کچھ دے
تبی کا نہیں وعدہ، دینا ہے تو اب کچھ دے ۔۔۔ دینے میں تردد کیا، مولا ہمیں سب کچھ دے

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

ہم رنج و مصیبت سے امن اور اماں پائیں ۔۔۔ ہاں اپنے نصیبوں کو دنیا میں جگا پائیں
جو دل کی مرادیں ہیں دنیا میں یہاں پائیں ۔۔۔ مرجائیں تو خالق سے گلزار جناں پائیں

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

ہم ضعف میں ہیں رسوا، خلقت ہے تماشائی ۔۔۔ کہتا ہے کوئی ہمکو وحشی کوئی سودائی
اب ضبط کا یارا ہے ہم میں نہ توانائی ۔۔۔ مُردیم ز استغنا، وقت است کہ باز آئی

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

ہمدم ہے تو بے بس کا، بے کس کا تو یاور ہے ۔۔۔ تو ہادیٔ دنیا ہے، تو شافع محشر ہے
تو حامیٔ اُمت ہے، تو خلق کا رہبر ہے ۔۔۔ تو دل کا مداوا ہے، اب حسرتی پر ہے

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

سب کچھ ترے قبضے میں ہے دین بھی دنیا بھی ۔۔۔ حسرت بھی ترے در پہ لاتے ہیں تمنا بھی
مرنا بھی ہے بے وجہ بیکار ہے جینا بھی ۔۔۔ گر اپنی عنایت سے کچھ کام ہمارا بھی

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

دنیا میں کہیں مبتلائے آفات نہ ہو جائیں — مجبور تہِ دام صیاد نہ ہو جائیں
مقتول جفا ہائے جلاد نہ ہو جائیں — ہم وقت سے پہلے ہی برباد نہ ہو جائیں

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

قوت ہی نہیں ہم میں گر گر کے سنبھلنے کی — اس پیرِ فلک سے کچھ پیری نہیں چلنے کی
امید نہیں آقا، قسمت کے بدلنے کی — معلوم نہیں اتنی کیوں دیر ابلنے کی

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

سب کچھ ہے تجھے آساں سب کچھ ہمیں مشکل ہے — فریادی مظلومی، اسمان بھرا دل ہے
ہم جانتے ہیں کب تو اس حال سے غافل ہے — سب کچھ تجھے آگاہی، اے مرسلِ کامل ہے

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

بس دیر نہ کر آقا، اعجاز نمائی کر — جو در پہ سوالی ہیں ان کی بھی سنائی کر
زندانِ غم و ہم سے امت کی رہائی کر — ہاں عقدہ کشائی کر ہاں عقدہ کشائی کر

اے وہ کہ تو سب کچھ ہے!

سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی

نعت

جن و ملک ہیں خدام درگاہ — رتبے سے تیرے ہو کون آگاہ
مقصد بر آئیں سب حسبِ دلخواہ — یکبارہ ترحم محبوب ربی اے شاہ
بیٹھے ہوئے ہیں ہم بھی سرِ راہ — گزرے ادھر سے شاید وہ دلخواہ
میں اور ولائے کفارِ گم راہ — استغفر اللہ۔ استغفر اللہ
کافی ہیں تیرے سودائیوں کو — جا ہمائے رندشن و لہائے آگاہ
اس نازنیں کی محفل میں اک دن — لے چل مجھے بھی اے شوق ہمراہ
فرقت کی شب میں کیا ہو جو حسرت — آ جائے مجھ تک وہ شوخ ناگاہ

(۱) حسرت موہانی - مرسلہ بیگم صاحبہ حسرت از علیگڈھ

صدقے میں پیمبر کے

اُس عارفِ کامل کے اُس ہادی و رہبر کے
اُس صاحبِ باطن کے اُس مالک و سرور کے
اُس صورتِ زیبا کے اُس روئے منور کے
اُس کاکلِ پیچاں کے اُس زلفِ معنبر کے

صدقے میں پیمبرؐ کے

نام اُسکا محمدؐ ہے وہ رب کا دُلارا ہے
محبوبِ خدا وہ ہے اللہ کا پیارا ہے
ظلمت میں پھنسے جو ہیں وہ اُن کا سہارا ہے
روشن ہی جہاں سارا کیا حُسن جمال آرا ہے

صدقے رُخِ انور کے

اُمّی ہے لقب اُسکا وہ شاہ دو عالم ہے
قرآن ہوا نازل کیا رتبۂ اعظم ہے
معراج ہوئی حاصل یہ مرتبہ کیا کم ہے
اوصاف کہوں تم سے یہ مجھ میں کہاں دم ہے

اُس شافعِ محشرؐ کے

وہ روزِ قیامت کا وہ حشر کا ہنگامہ
سوکھی ہو زباں جس دم ہر شخص ہے گھبرایا
بخشش کا بہا دے وہ ہم سب کے لیے دریا
حیران ہوں میں بیشک افضال کہوں کیا کیا

اُس ساقیٔ کوثر کے

باسطؔ کی تمنا ہے بیمار مدینہ ہو
ہاں پیشِ نظر اُسکے گلزار مدینہ ہو
سودا زدہ یہ سر ہو دیوار مدینہ ہو
بندے کی طرح پہنچوں سرکار مدینہ ہو

صدقے میں اُسی دَر کے

بتلائے کوئی مجھسے کس سمت مدینہ ہے
پہنچوں میں حرم میں اُڑکر یہ دل کا تقاضا ہے
دلمیں ہی باسطؔ کے وہ تجھ پہ ہویدا ہے
پوری ہو مرے مولا یہ میری تمنا ہے

ہوں دفن وہاں مر کے

باسط بسوانی

روحی فداک اے نازنیں

تضمین بر غزل حضرت جامی علیہ الرحمۃ

درکشف سرِّ سینہ ات صد سینہ چاک ای نازنیں　　مثلت ندیدم در جہاں زیر سماک ای نازنیں
سر تا قدم پاک آمدی چوں جان پاک ای نازنیں　　تو جان پاکی سر بسر نے آب و خاک ای نازنیں
واللہ ز جاں ہم پاک تر روحی فداک ای نازنیں

حبل المتین عاشقاں سر رشتۂ گیسوئے تو　　جاں در صدد مژگاں دریک نظر ہندوئے تو
اے پیکرِ معجز نما! دیدم عجب جادوئے تو　　پاکاں ندیدہ روئے تو جاں دادہ اند بوئے تو
اینک بگرد کوئے تو صد جان پاک ای نازنیں

در سینہ از پیکان غم افتادہ زخم کاری　　جان حزیں آمد بجاں بگذشت اندر زاری
ہاں اے مسیحا دم بیا تا چند سہل انگاری　　دارم ز غم بیماری بیمار غم را یاری
گر تو کنی غمخواری از غم چہ باک ای نازنیں

صحرا ز فیض گیسوت دشت غزالان ختن　　از جامۂ زیبائے تو ہر زندہ دل سر در کفن
از فتنۂ رفتار تو برخاست ہر جا صد فتن　　رفتی بگلگشت چمن گل دید لطف آں بدن
از ذوق او بر خویشتن زد جامہ چاک ای نازنیں

صد شکر رحم آمد ترا بر جاں بحال ابترم　　کردی سبکسار از بلا قربان آں دست کرم
سر از تنم انداختی۔ شد دفع ایں درد سرم　　گر شد چو لالہ پیکرم غرقاب خوں کے غم خورم
ایں بس کہ بر دل میبرم داغت بخاک ای نازنیں

جز تو ندیدم ماہ نے۔ گشتم بعالم چار سو　　بر آستانت آمدم بعد از ہزاراں جستجو
سر ہم ندارم از درت اے مایۂ صد آرزو　　جامی کہ دارد با تو خو ہرگز نتابد از تو رو
گر خود زنی بر فرق او تیغ ہلاک ای نازنیں

امجد حیدر آبادی

نعت

شمعِ حرا

ایک فلسفیانہ نعت کی تضمین

وہ غنچہ کھلا جو صورتِ گل وادیٔ عرب کے خاروں میں
وہ گل کہ تھی خوشبو جس کی بسی آباد صبا گلزاروں میں

وہ نور کہ جھلک طور بنا موسیٰ کیلئے کہساروں میں
وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں

اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

گر خانۂ ظلمت باطل میں اُس نورِ خدا کا شور نہ ہو
گر شمس و قمر کی منزل میں اُس ماہ لقا کا شور نہ ہو

گر بحر رواں کے ساحل میں اُس موج صفا کا شور نہ ہو
گر ارض و سما کی محفل میں لولاکَ لَمَا کا شور نہ ہو

یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

بھٹکے ہوئے تھے جو قافلے سب جن کا نہ تھا کوئی رہنما
وادیٔ عرب میں ان کے لئے اک غیب سے آیا خضر نما

جس نکتہ مالاینحل کا کوئی نہ ہوا تھا عقدہ کشا
جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا جو نکتہ وروں سے کھل نہ سکا

وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

اسرارِ الٰہی کھل نہ سکے منطق کی زبانِ فلسفہ سے
توحید کے عقدے حل نہ ہوئے حکمت کے بیانِ فلسفہ سے

مذہب کی ہے منزل دور بہت صحرائے گمانِ فلسفہ سے
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے

ڈھونڈھے سے ملیگی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

توحید کے دامن میں ہی کھلی ہر رنگ کی اک خوش رنگ کلی
اسلام کے گلشن میں ہے شفق اک پھول کی خوشبو سب میں بسی

اک روشنی شمعِ وحدت کی ہر چار طرف ہی پھیلی ہوئی
ہے کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ

ہم مرتبہ ہیں یاران نبیؐ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ

شفق رضوی

میں خوبصورت نوجوان لیڈی ہوں

اور ایک نہایت حسین خوش رو جوان سے شادی کرنا چاہتی ہوں !!!!!!

رنگیلے چھبیلے حسن کے دلدادہ نوجوانو! خبردار ہوجاؤ

حسن خوبصورتی پیدا کرنے والا چہرے کی رنگت سفید چمکدار کرنے والا

پری جمال صابن

جو ایک خاندانی طبیب کی ایجاد ہے جس نے اپنے مفید ہونے کی وجہ سے دنیا بھر میں نام پیدا کر لیا ہے
فوراً منگا کر استعمال کرو یہ صابن تازہ تازہ خوشبوؤں سے تیار کیا جاتا ہے کالا رنگ کملایا ہوا چہرہ صرف
سات روز ملکر نہانے سے گلاب کی پنی کی مانند خوبصورت اور مخمل کی مانند ملائم ہو جاتا ہے مہاسے دور کرتا ہے
فی بکس تین ٹکیہ مع صابن دانی ایک روپیہ (عہ را)

روغن پری بہار گیسو دراز

یہ سر میں لگانیکا خوشبودار پر بہار تیل بالوں کو خوشنما بناتا ہے خشکی رفع کرتا ہے۔ بالوں میں نرمی۔ لچک چمک
بے انتہا پیدا کرتا ہے۔ بال لمبے اور ریشم کی طرح ملائم ہو جاتے ہیں۔ اسکی بھینی بھینی خوشبو سے دماغ
معطر رہتا ہے فی شیشی ۱۰ تولہ قیمت ایک روپیہ (عہ ر)

حکیم محمد یعقوب خاں مالک دواخانہ نورتن دہلی فراشخانہ

شان دار قرآن مجید مصری چھپا ہوا شائع شدہ

یہ قرآن مجید متوسط القلم خط نہایت پاکیزہ چھپائی صاف کاغذ سفید سنہرا ہے۔ ہندوستان کے لیے اس سے بہتر قرآن
مجید شائع نہیں ہوا صحت کا یہ عالم ہے کہ ایک ایک لفظ کی ذمہ داری باوجود کاغذ کی گرانی کے ہدیہ مجلد عہ ر

انگلش ٹیچر یعنی انگریزی سکھانے کی آسان کتاب

اگر آپ انگریزی زبان جلدی عمدہ طور سے سیکھنا چاہتے ہیں تو اس انگلش ٹیچر کو ضرور منگائیے۔ اس کتاب میں
گرامر ٹرانسلیشن ایڈیم اور لیٹر رائٹر وغیرہ درج ہیں لفظوں کے معنی اور تلفظ سلیس اردو میں لکھے گئے
ہیں۔ ہر جگہ روزانہ اور ہر موقع کے فقرے تقریباً تین قسم کے خطوط درج ہیں۔ ضخامت مجلد قیمت صرف عہ

المشتہر ایم۔ محمد یوسف خاں منیجر شہرت ایجنسی دہلی

جلد ۱۱ نمبر [illegible] — ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

نظام المشائخ

قسم دوم — قسم دوم

روحانی تسلی و تسکین کا ماہواری پیام

مذہب، اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ

جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب خواجہ زادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی دھلوی

قیمت سالانہ مع محصولڈاک [illegible] ششماہی [illegible]

مقام اشاعت دار السلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

آجکل

نظام المشائخ دو ہزار

نکل رہا ہے اور روز بروز اسکی اشاعت میں ترقی ہے۔ مشتہرین ضرور اپنے اشتہار اسمیں درج کرا کر فائدہ اٹھائیں

نرخ نامہ

مقدار	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
¼ صفحہ	عہ؍	۲ عہ؍	للعہ	معہ
نصف صفحہ	۲ عہ؍	صہ؍	للعہ؍	صعہ
پورا صفحہ	للعہ؍	عہ	صعہ	سہ

نظام المشائخ کے قواعد و ضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو جو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری کا یوم عرس ہے شائع ہوتا ہے۔ مضامین اسمیں مذہبی، اخلاقی، اصلاحی مگر سب صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تحریروں میں انشاپردازی اور دیگر دلچسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر رسالہ ۱۰ تاریخ تک نہ پہنچے تو دیر سویر کا خیال کرکے دس بارہ تک انتظار کیجیے۔ اسکے بعد فوراً اطلاع دینی چاہیے۔ کیونکہ زیادہ زمانہ گزرنے پر شاید پرچہ ختم ہو جائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو۔ براہ عنایت چوتھی ماہ حالی سے پہلے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں۔ ورنہ پرچہ نہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاک خانہ کو کر دینی کافی ہے (۴) خط و کتابت میں اپنا نام و پتہ نہایت صاف خوشخط لکھیے۔ اور خریداری کا نمبر ضرور بتایئے جوابی امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

نظام المشائخ

نمبر | بابت ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۵ ہجری | جلد ۱۶

فہرست مضامین

یارانِ نظام المشائخ

ذیل میں اُن حضرات کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں جنہوں نے گزشتہ مہینے نظام المشائخ کی نئے خریدار پیدا کر کے یا خود خریدار بنکر مدد فرمائی +

جناب محمد اسمٰعیل صاحب صراف ڈرو نے جناب محمد عمر صاحب ڈرو کو۔ جناب حکیم غلام محمد یوسف صاحب ڈرو نے جناب میاں خان محمد صاحب لاڈیسول کو۔ جناب منشی عبد المجید صاحب نے جناب منشی ذکیر الدین محمد یعقوب صاحب موضع مذنپور کو۔ جناب بابو غلام محمد صاحب جمانسی نے جناب بابو امیر علی صاحب کالی سندہ دریا کو جناب محمد سیاست علی صاحب شاہ نے جناب ر۔خ صاحب قصبہ گڑہی بہلول کو۔ جناب منشی میر امام علی صاحب ڈرائینگ ماسٹر مدرسہ جالندہ کن نے جناب مولوی محمد شریف صاحب مددگار اول مدرسہ مذکور کو۔ جناب منشی عنایت صاحب منگلو ولی نے جناب منشی محمد یار خاں صاحب ضلعدار منگلو والی کو۔ جناب قاضی بدر الحسن صاحب میجلالی (علیگ) نے جناب مولوی ضیاء الحسن صاحب علیگڈہ کو۔ جناب چودہری احمد خاں صاحب نے جناب مستری حق نواز خاں صاحب مقام رحیم یار خاں کو۔ جناب فضل عظیم صاحب مالک جار ج کورونیشل ہوٹل دہلی نے جناب حاجی قدیر علی صاحب درگاہ شریف اجمیر کو۔ جناب محمد یوسف صاحب ناظر چاودنی بنجیہ نے جناب بابو عبد اللطیف صاحب کو جناب فضل الٰہی صاحب نے سیٹھ محمد علی برادرس سوداگران سیتان کو۔ جناب محمد عبد الرشید صاحب نے جناب مولوی ظفر حسین صاحب زمیندار دہام نگر کو۔ جناب محمد حسن صاحب نے جناب محمد شریف صاحب انچی کو۔ جناب محمد عبد الخالق صاحب نائب محاسب محبوب نگر نے جناب سید پیراں صاحب اوکمنڈ کو۔ جناب ماسٹر حمزہ خاں صاحب نے جناب کریم خاں صاحب ناندرہ کو۔ جناب مولوی عبد اسد خاں صاحب نے جناب شیخ محمد صاحب کو۔ جناب مولوی عبد العزیز صاحب راولپنڈی نے جناب شیخ بشیر احمد صاحب تعلقہ شنکر گڈہ کو۔ جناب سید پیراں صاحب نے جناب عبد اللطیف صاحب و جناب عبد الشکور صاحب کو۔ جناب قاضی ابو الحسن صاحب حسن تجارہ نے جناب مولوی قاضی محمد سراج الدین صاحب داروغہ کسٹم و وسہ بگہ۔ جناب ماسٹر محمد حمزہ خاں صاحب ناندرہ نے جناب شیخ امام خاں صاحب ناندرہ کو۔ جناب مولوی سید احمد شاہ صاحب بمبی نے جناب مولانا ابو محمد اسمٰعیل صاحب بمبی کو خریدار بنایا

(باقی بر صفحہ ۶۵)

خاکسار ایڈیٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

فلسفہ توحید

شرک سے خدا کو کیوں نفرت ہے؟

تیرے قدِ زیبا کی قسم، میری آنکھ نہیں چاہتی کہ کوئی دوسری نگاہ تجھ پر پڑے میں ہر رقیب کی شرکت کو ناپسند کرتا ہوں۔ کیونکہ میرا خدا بھی شرک سے نفرت کرتا ہے۔ کیا معلوم نہیں؟ ہر مذہب کی بنیاد توحید ہے۔ اور ہر پیغمبر یہ پیام لیکر آیا کہ خدا کی ذات و صفات میں شرک نہ کرنا۔ توراۃ نے۔ انجیل نے۔ وید نے ہزاروں برس پکارا کہ شرک برا ہے۔ اور قرآن تو اس معاملہ میں اس قدر سخت نکلا کہ اس نے کہا۔ ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ مگر شرک کی معافی نہیں ہے۔ یعنی آخرت میں خدا چاہے گا تو سب گناہوں کی معافی دیدے گا۔ لیکن اُس نے عہد کیا ہے کہ شرک کو معافی نہیں ملیگی۔

کیوں صاحب! مشرک میں ایسی کیا بات ہی - زنا اس سے بُرا ہی - چوری شراب خواری - بیشمار قصہ ہیں جو ظاہر میں شرک سے بڑے نظر آتے ہیں - شرک تو ان گناہوں سے زیادہ نہیں ہی - بس اتنی سی بات ہی کہ خالق کے سوا مخلوق کے آگے ذرا سر جھکا دیا جاتا ہی - خالق جیسی اس مخلوق سے بھی محبت کر لیجاتی ہی +

شرک کا فلسفہ

شرک کا فلسفہ غور کرنیکے قابل ہی - اور ہم اپنے ہی اوپر غور کرنے سے اس فلسفہ کو معلوم کر سکتے ہیں +

پہلے جانوروں کو اور درختوں کو دیکھنا چاہیے - ان میں بھی قدرت نے شرک سے بیزاری کا مادہ پیدا کیا ہی +

جس زمین پر آم کے درخت زیادہ ہوں وہ زمین اجنبی درختوں کو سرسبز نہیں ہونے دیتی - کیونکہ وہ اسکو شرک سمجھتی ہی - جہاں کھجوریں بہت ہوں - نیم بہت ہوں کیکر بہت ہوں - غرض جس جنس کے درخت زیادہ ہوں گے وہاں غیر جنس کے پودے فروغ نہیں پا سکتے - کیکروں میں نیم ہو سکتا ہی اور ہوتا ہی مگر بیچارہ کیکر کی طرح بڑھتا نہیں - سہما سہما - ڈرا ڈرا - سکڑا کھڑا کا کھڑا رہجاتا ہی +

اونچے درختوں کے سایہ میں چھوٹے پودے سوکھ جاتے ہیں - ڈارون اس سے کچھ اور نتیجہ نکالتا ہے - میں تو سمجھتا ہوں - اونچا درخت نیچے پودوں کو مشرک سمجھتا ہی کیونکہ قدرت نے اسکو اس زمین پر اونچا ہونے کا حق دیا تھا - یہ ننھے منھے پودے کہاں سے آگئے - کھیت میں تو خود آدمی اجنبی گھاس کو کھود کر پھینک دیتا ہی - کیونکہ وہ اپنے کھیت کی وحدت میں اغیار کا شرک کھیتی کے لیے نقصان رساں تصور کرتا ہی +

ایک شیر نہیں چاہتا کہ اُسکے جنگل میں دوسرا شیر آئے - ایک بجا گوارا نہیں کر سکتا کہ گائیں کے گلہ میں کوئی دوسرا سانڈ قدم رکھے - جب وہ کسی اور سانڈ کو دیکھتا

ہی تو پھنکارتا ہی۔ پاؤں سے۔ سینگ سے زمین کھودتا ہی۔ نعرے مارتا ہی اور دوڑ کر
ٹکر لڑنے جاتا ہی۔ پھر یا قسمت یا نصیب یا تو دشمن کو مار بھگایا۔ یا خود پٹ کر بھاگ گیا
سب جانوروں میں یہی حال ہی۔ ہر ایک غیرت وحدت رکھتا ہی۔ اور شرک برداشت
نہیں کر سکتا۔ یہاں چند جانور بے غیرت و بے حمیت بھی ہیں۔ مثلاً کتا و سور۔ قدرت
نے ان کو نمونہ بنایا ہی مشرک انسانوں کی حالت کا۔ کیونکہ وہ بھی بے حمیت و بےغیرت
ہوتے ہیں۔ اور اس طرح گویا وہ کتے اور سور ہیں۔ اصل میں جو مرد ہی وہ موحد ہی
جس میں مردانگی کی حرارت ہی وہ شرک کا دشمن ہی۔ خیال نہیں کیا؟ سانڈ مرد ہوتا
ہی۔ شرک سے نفرت رکھتا ہی۔ اور بیل کی مردانگی خراب کر دی جاتی ہی۔ اسواسطے اسکو
شرک کی کچھ پروا نہیں ہوتی +

انسانوں میں بھی غیرت وحمیت اُنہیں قوموں میں ہی جو مردانگی کی قوت زیادہ
رکھتی ہیں اور جو خدا کے مسئلہ توحید پر ایمان رکھتی ہیں +

ایک آدمی اپنے محبوب و مطلوب میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرسکتا اور اس پر
اپنی جان قربان کر دیتا ہی۔ جب اسکو رقیب کی شرکت کا علم ہوتا ہی +

رقابت کا سلسلہ

رقابت کا سلسلہ آدمیوں کے ہر کام میں پایا جاتا ہی۔ کچھ محبت و عشق میں ہی
مخصوص نہیں۔ آجکل کی جنگ یورپ میں دیکھو۔ یہی سلسلہ رقابت خون بہا رہا ہے
ہر قوم چاہتی ہی کہ اُسکی عزت۔ اُسکی آن بان۔ اُسکے بول کی بڑائی میں کوئی دوسری قوم
شریک نہو۔ جو زندہ اور مرد قومیں ہیں وہ شرک کی مخالفت میں جانیں مٹا رہی ہیں
جو مردہ اقوام ہیں انکو شرک کی پروا ہی نہیں ہوتی +

نظارۂ قدرت سے سبق

قدرت و فطرت کے اس عالمگیر نظارہ سے ہم نے سمجھ لیا ہوگا کہ خدا نے اپنی

وحدت کی محبت اور شرک کی عداوت کھول کھول کر سمجھائی ہے +

جیسے تم شرکتِ اغیار برداشت نہیں کرسکتے اور کہتے ہو۔ کہ ؎

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری

اسی طرح تمہارا خدا بھی شرک سے نفرت رکھتا ہے۔ اور اُسکو شرک سے ازحد عداوت ہے۔ محبت کا جوش شرک کا دشمن ہے۔ غیرتِ مردانگی شرک کی مخالف ہے۔ چونکہ خدا بندوں کا عاشق ہے۔ اور سب سے بڑا غیور ہے۔ اس واسطے اُسکو گوارا نہیں ہے کہ اُس کے بندے کسی غیر کا دم بھریں۔ کسی اَور کو خدا کے سوا چاہیں +

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرکت پر اظہار نفرت

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی شرکت اغیار کے مخالف تھے۔ ایک دفعہ کوئی شخص توریت پڑھ رہا تھا۔ آپ نے دیکھا تو نہایت برہم ہوئے +

کیوں؟ برہمی کا کیا سبب؟ توریت تو وہ کتاب ہے جس کی تصدیق قرآن نے کی ہے۔ مگر یہاں بھی وہی شرک کا خیال تھا کہ جب تمہارے پاس قرآن موجود ہے تو دوسری کتاب سے کیوں جی لگاتے ہو؟ +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو تیری بات کو دوسرے کی بات پر تیری صحبت کو دوسرے کی صحبت پر۔ تیری خوشی کو دوسرے کی خوشی پر ترجیح دے وہ تیرا دوست نہیں ہے۔ اُسکی محبت سے ہاتھ اُٹھائے +

اس مقولے میں بھی وہی شرک کا جذبہ کام کرتا ہے یعنی وہ تیرا دوست کیا ہوگا۔ جو دوسرے کی محبت کا دم بھرتا ہے +

نتیجہ

نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ ہم لوگ مُنہ سے لاالٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔ اور قبروں سے۔ پیروں سے تعزیوں سے۔ وکیلوں سے۔ ڈاکٹروں سے۔ حاکموں سے تعلق خدا کا سا رکھتے ہیں

اور اپنے کاموں میں خدا کا اتنا خیال نہیں کرتے جتنا ان اغیار کا رکھتے ہیں +
پھر اگر خدا بسبب جوش رقابت ہماری ناک کاٹ لے۔ ہم کو ٹھکرادے۔ ہم پر قہر نازل کرے تو بالکل حق بجانب ہے +
اے لوگو! اے مسلمانو! تاویل نہ کرو۔ حدیث رسولؐ میں خبر ہے دع مایریبک الی مالا یریبک۔ جس میں شک و شبہ ہو اسکو چھوڑ دو۔ جو بے شبہ ہو اسکو اختیار کر لو +
میں اہل قبور میں پیدا ہوا ہوں۔ مگر جب وحدت کا نام آئیگا۔ شرک کا خیال کروں گا تو کانپ کر اور ڈر کر کہوں گا کہ قبروں میں بھی شرک کیا جاتا ہے۔ اسکو بھی ترک کرنا چاہیئے۔ کسی بزرگ کی قبر کے آگے سر نہ جھکاؤ۔ کسی سے مراد نہ مانگو کہ خدا اس فعل کو اپنی وحدت کے منافی سمجھتا ہے +
آل رسولؐ کی محبت ایمان ہے مگر وہ جب خدا کے ماتحت ہو۔ اتنا نہ بڑھو کہ خدا کو بوئے شرک آنے لگے۔ تم تو اہل بیت اور پیر فقیر کے آگے کبھی خدا کا خیال بھی نہیں کرتے تمہارے دلوں میں۔ تمہاری زبانوں پر خدا کی محبت اور اس کی وحدت کی یاد نہیں سُنی جاتی +
ڈرو۔ خدا اپنی ذات و صفات میں اپنے محبوبوں کی شرکت بھی گوارا نہیں کر سکتا اسی واسطے میں نے یہ فلسفۂ توحید لکھا کہ مجھے اپنے بھائیوں سے حق کی وصیت کرنے کا حکم ہے +

حسن نظامی

نظام المشائخ کے قواعد و ضوابط

ہر نمبر اسکے ٹائٹل کی دوسری طرف شائع کیے جاتے ہیں مگر اکثر حضرات انہیں نہیں پڑھتے۔ یا ان کا خیال نہیں رکھتے۔ اور جب کبھی کوئی موقع شکایت کا آتا ہے تو ہمارے سر ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں اسکی وجہ انکی عدم پابندی قواعد و ضوابط ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ اُن پر ان سطور ہی کا کچھ اثر پڑے +
منیجر

دیباچہ

وارداتِ قلب

حبیبِ خدا کی عدیم النظیر خصوصیات

دینِ حق کا اصل بانی تو خود وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ جس نے ہمیشہ اپنی حکیمانہ مصالح کے ماتحت اور ضرورتِ وقت کے مناسب حال اپنے ہزاروں لاکھوں انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا میں مبعوث فرمائے کہ غافل مخلوق کو دین کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ اور نجات کی سیدھی راہ دکھلائیں۔ اُس نے اُن کی ذات میں گویا آسمان سے ایسے وجود نازل فرمائے جو الٰہی پیغام پہنچانے کی دُھن میں اتنے سرشار و منہمک ہوتے تھے کہ سفلی علائق سے انہیں کچھ واسطہ ہی نہ تھا۔ گو بظاہر دیکھو تو لوازماتِ بشریت بھی اُنکی ذات سے وابستہ ویسے ہی پائے جاتے تھے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ (ما انا الا بشر مثلکم ولکن یوحی الیّ) پس سچا مذہب تو وہی اسلام ہے جس کی تمام انبیاء و مرسلین منادی کرتے۔ اور دنیا کو اسکی طرف بلاتے رہے۔ لیکن آہ۔ کہ اس پاک کے برگزیدوں میں ایک بھی ایسا نہ ملیگا۔ جس کی ہنسی نہ اُڑائی گئی ہو۔ اور جسے روحانی مریضوں سفلی تعلقات و خواہشات کے پابندوں نے ایذا نہ دی اور طرح طرح سے مخالفت نہ کی ہو (یٰحسرۃ علی العباد ما یأتیھم من رسول الا کانوا به یستھزءون)۔

چونکہ حبیب خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) جامع کمالات نبوت و رسالت تھے اسواسطے جو شخص اسلام کی ہسٹری پر ایک نظر ڈالنا چاہے۔ اسکے لئے بالیقین کافی ہوگا کہ آپ کی اکیلی ذات بابرکات کے حالات کا سرسری مطالعہ کرلے۔ یہ کوئی بے بنیاد لاف وگزاف نہیں۔ جسے شک ہو وہ اُن پاک سوانح کی تفصیلات پر تدبر کرکے

انشاء اللہ ضرور پتہ لگا سکے گا کہ جو محاسن دیگر انبیاء میں فرداً فرداً تھے وہ آپ میں سب کے سب جمع تھے۔ اور جو فضائل و محامد انہیں علیحدہ علیحدہ کرکے حاصل تھے اُن کا مجموعہ آپ کو عطا ہوا۔ صداقت کی فتح مبین جن جن صورتوں میں اُن کے وقت یکے بعد دیگرے ہوتی رہی۔ ان ساری صورتوں میں آپکو بکثرت فتوحات دی گئیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

حُسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا داری ۔۔۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کے رسول برحق ہونیکے کُھلے کُھلے نشانات اسقدر ہیں کہ اور کسی نبی کے حالات میں ہرگز نہ ملیں گے ۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں انبیائے سابقین اور اُن کے مخالفوں کے جو جو عبرت انگیز و سبق آموز حالات مذکور ہیں اُن کا بیان فرمانا علیم و حکیم ذات واحد نے ضروری سمجھا تاکہ اُسکے پیارے نبیؐ آخر زماں کی کامیابی اور دشمنانِ دین کی تباہی و ذلت کے لیئے ایک جامع و زبردست نشان کی صدیوں پہلے سے پیشین گوئی قرار پائے جو تا قیامت طرح طرح سے پوری ہو کر آپؐ کے اور اسلام کے لیئے عدیم المثال ما بہ الامتیاز ہو گیا کوئی غیر مسلم اپنے پیشوا کی ذات میں یہ خصوصیت دکھلا سکتا ہے؟ ذرا غور کیجئے کہ کیا خدائے علیم و حکیم کی کتاب پاک معاذ اللہ کوئی قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے؟ یا لایعنی و دوراز کار باتوں کا ایک بے مغز فسانہ ہے؟ لا واللہ لا ۔

غرضکہ ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات تو ساری ہی ایک سے ایک بڑھکر اور بے عدیل ثابت ہونگی اگر کوئی نظر انصاف اور چشم بصیرت سے اُنپر غور کرے۔ لیکن اس مختصر مضمون میں ایک خصوصیت کا ذکر خیر مقصود ہے۔ وہ کیا؟ یہ کہ اسلام اپنے نام اور کام دونوں کے لحاظ سے ایک ہی دین حق اور نجات کا یقینی ذریعہ ہے ۔

نام کی بحث تو بالکل مختصر ہے کہ اسلام کے لغوی معنی ہی خدا و رسول کی طاعت و اطاعت کے ہیں جسکے ذریعہ انسان سلامتی کی منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ ہندو، یہودی

عیسائی۔ بدھ وغیرہ اپنے دین وہرم پر اسا یہ استسیاز و فرق نہیں دکھلا سکتے ۔

اب رہا وہ کام جو اسلام نے دنیا میں کیا یا قیامت تک کرتا رہیگا یا اُس کے پیروکو میدانِ عمل میں جو جو کچھ کرنا پڑتا ہے اسکی تفصیل بلا مبالغہ ایک دفتر بے پایاں ہے۔ ایک شخص واحد کی مختصر زندگی کے حالات اور نتائج و اثرات ہی کا صحیح معنوں میں احاطہ نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ اُس دین متین اور اُسکے رسول امین کے متعلقات زندگی کا فی الواقع جامع طور پر چیز تحریر یا تقریر میں آنا جو ہزاروں لاکھوں معمولی انسانوں کا نہیں بلکہ انبیائے اولو العزم علیہم السلام کی خصوصیاتِ حیات کا جامع ہو۔ جسکے کمالات اور سچائی کے نشانات یوم الآخر تک ختم نہیں ہوسکتے ۔

محض لطیفہ نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے کہ اول تو ہر وہ شخص جنے آپ کو بچشم خود دیکھا اور نہ آپ کی صداقت کے دلائل پر کما حقہ غور کرکے آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہونے کو اپنی سعادت سمجھا ایک کھلا ہوا نشان ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کا ۔

سوال ہوسکتا ہے کہ اس طرح تو تمام انبیائے بانیانِ مذاہب یا خانہ ساز ریفارمر بھی راست باز اور عدیم المثال ثابت ہونگے۔ یہ سچ ہے مگر انکے راست باز ہونے میں تو اسلام کا کچھ نہیں بگڑتا۔ جہانتک وہ فی الحقیقت برحق یا خدام دین حق تھے۔ لیکن پھر ان میں سے ایک پر بھی عدیم المثالی کا اطلاق نہیں ہوسکتا ۔

یوں تو اسلام کے عملی محاسن و برکات جیساکہ اوپر عرض کیا گیا بے شمار ہیں لیکن ایک معمولی خصوصیت جو کسی لفاظی کا کرشمہ نہیں بلکہ بفضل خدا بر بنائے واقعات ہر وقت بآسانی ثابت ہوسکتی ہے۔ یہ ہے کہ آنحضرت کا پیشکردہ دین (اسلام) اپنے حقیقی پیرو کے لیے قدم قدم پر بلکہ بات بات میں ایک سچی تسکین و راحت بہم پہنچاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو شخص بظاہر آپکے غلاموں میں شامل نہو۔ مگر عملی طور پر آپکی شریعت

حقہ کے اصول و احکام پر کاربند ہو۔ وہ بھی اُن فیوض و برکات سے محروم نہیں رہتا۔ جن کے بظاہر تابع اپنے نزدیک واحد اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں۔ اور اس غلط فہمی و غفلت کا عبرتناک انجام یہ کہ خدائے تعالیٰ تو اپنی کتاب مجید میں یہ عالمگیر قانون بیان فرمائے کہ ہم اپنے رسولوں اور اُنکے ساتھ مومنوں کی بھی جیتے جی امداد و نصرت کیا کرتے ہیں (اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا) مگر مسلمانان عالم کی موجودہ دردناک حالت گویا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ قانون معاذ اللہ۔ توبہ توبہ۔ برائے گفتن ہے۔ یا منسوخ ہو چکا۔ اور اصل میں مسلم کا لفظ ہی عبارت ہے اُس قوم سے جس کے افراد قوم موسیٰ کی طرح خدا جانے کیوں ذلت و مسکنت کیلئے وقف کر دیئے گئے ہیں۔ اس بارہ میں مزید غور کرنے سے ساتھ ہی یہ بات بھی نکلتی ہے کہ یا تو اسلام کا خدا اب وہ خدا نہیں رہا جو پہلے کسی وقت تھا۔ یا معاذ اللہ وہ اپنے وعدوں کا پابند نہیں یا اپنے قول و قرار بھول گیا ہے۔ یا سرے سے یہ آلہی قانون ہی نہیں۔ اور یہ تمام صورتیں غیر ممکن لغو اور ازروئے کلام آلہی باطل ہیں۔ ہاں اگر کسیکو ذات باری کی نسبت اور نفس مذہب ہی میں وساوس شیطانی گھیرے ہوئے ہوں تو اسکا ذکر نہیں۔ اور ایسے لوگ ہمارے مخاطب بھی نہیں +

جس راحت و سکینت کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اُسکی ایک عملی مثال ذیل میں ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔ شاید کسی دوست کے لئے سود مند ہو۔ بشرطیکہ غور فرمائیں۔ اور اپنے واقعاتِ زندگی میں سچ مچ اسکا تجربہ کرکے یہ جاننے کے خواہشمند ہوں کہ اسلام درحقیقت قدم قدم پر بلکہ بات بات میں اپنی سچائی اور بے نظیری کے زندہ ثبوت پیش کرتا ہے +

فرض کرو کہ اسلام کا ایک ادنیٰ خادم۔ حبیبؐ خدا کا نہایت ہی ناچیز نام لیوا کسی دوست یا کرم فرما سے ایک وعدہ کرتا ہے[۱]۔ مگر دین و دنیا کے مشاغل و تفکرات میں وہ ایفائے

[۱] یہ ادنیٰ و ناچیز کے الفاظ بطور رسم و تکلف کے نہیں بلکہ اس امر کے اظہار کے لئے ہیں کہ جب حضورؐ کے حقیر ترین غلام

وعدہ کا میعاد معینہ کے اندر باوجود کافی مہلت کے پہلے سے موقع نہیں پاتا اور
جب وقت موعود میں تین چار دن باقی رہجاتے ہیں تو سوء اتفاق سے خرابیٔ صحت
کا بھی عذر واجبی پیدا ہوجاتا ہے۔ مگر تاریخ مقررہ سے صرف دو روز قبل رات کو شدت
تپ کی حالت میں جبکہ اہل و عیال بھی اپنی علالت کے سبب مزید پریشانی و حواس
باختگی کا موجب ہوسکتے ہیں۔ اسے خیال آتا ہے کہ تعلیم اسلام کی رو سے ذکر الٰہی طمانیت
قلب کا باعث ہوتا ہے (الا بذکر اللہ تطمئن القلوب) اور یہ مسلم ہے کہ ذکر سے محض
کسی لفظ یا بعض الفاظ کو رٹے جانا ہرگز مراد نہیں بلکہ دین کی وہ باتیں یا نتیجہ خیز اور مفید
و مبارک کلمات ہیں جنھیں سنکر سامعین کا ایمان باللہ بڑھے۔ دو اور دو چار کی طرح ذات
و صفات باری کے کرشموں یا اسلام کی زندہ برکات کا احساس اور انکی سوجھ بوجھ پیدا ہو
اس خیال کے آتے ہی وہ اپنے بال بچوں کو اسی قسم کی باتیں سنانی شروع کردیتا ہے
جسکا نتیجہ یہ کہ۔ تواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کی تعمیل سے وہ مستحق ثواب ہی نہیں
ہوتا بلکہ خدا کے فضل سے مرض میں بھی تخفیف ہوتی۔ اور اسکی روح کو بیماروں والی پژمردگی
و بدحواسی کی بجائے ایک تازگی اور بیداری حاصل ہوتی ہے۔ اسی حالت میں اچانک
اپنے وعدے کا خیال بجلی کی طرح اسکے دماغ سے ٹکراکر اس کام کی پورے زور سے
تحریک کرتا ہے جو اگر اس رات یا اگلی صبح تک اس سے نہ بن پڑے تو یہی نہیں کہ ایک
کرمفرما کے لیئے ملال خاطر کا موجب ہوسکتا۔ کیونکہ تحریری وعدہ کے درمیانی واقعات
کی بنا پر وہ کوئی عذر معذرت بھی نہیں کرسکا۔ بلکہ اسلام کے ایک حکم صریح مراعات عہود
(والذین ھم لامانٰتھم وعھدھم راعون) کا خلاف ہوتا ہے اسیطرح اس دین و ملت
بھی حرف آتا ہے جسکے ادنےٰ خدام میں ہونے کا وہ فخر کرتا ہے۔ یہ دینی غیرت کا احساس

(بقیہ صفحہ ۱۱) اصول و احکام اسلام کی پیروی سے آپکے دین کی امتیازی خصوصیات کی شکل میں آپکے فضائل کا علی وجہ البصیرۃ یقین بلکہ حق الیقین حاصل کرسکتے ہیں تو آپ کے سچے خاصان خدا کی واردات قلب اور واقعات حیات تو ہر کس و ناکس کے قیاس میں بھی نہیں آسکتے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ کا پاس تپ لرزہ کے تمام لوازمات کو بالائے طاق رکھکر اُسکو
ایفائے وعدہ کے میدانِ عمل میں اُتار دیتا ہے۔ اور جو کام بعض موانع کے سبب ہفتہ
یا عشرہ کی کافی مہلت میں نہ بن پڑا۔ اُسکے دو تین ہی گھنٹوں کے اندر اور ایسی حالت
میں جو اوپر مذکور ہوئی انجام دینے کی توفیق اُس خدائے برحق کی طرف سے عطا ہوجاتی
ہے جو خود بھی اپنے وعدوں کا بڑا پکا اور ایفائے عہد کا اپنے کلام پاک میں صراحۃً
مداح ہے۔ اور اب وہ شخص دیکھتا ہے کہ دینی غیرت کے اِس تجربے سے ایک مفید
وضروری کام ہی نہیں ہوگیا۔ بلکہ وہ طبیعت بھی ایک بڑی حد تک صاف اور سکینت
سے مسرور ہے جو بیماری میں رات کی گھڑیاں عموماً کرب سے گزارتی تھی +

یا مثلاً کوئی شخص خلاف توقع واقعات یا ناگہانی مشکلات میں بعض اوقات سخت
مجبور و ہراساں ہو ہوجاتا ہے مگر وہ دین کی خاطر کبھی اپنے مسلکِ صبر و شکر سے مُنہ
نہیں موڑتا۔ کیونکہ اسلام کی پاک تعلیم (ان اللہ مع الصّٰبرین) اُسے یقین دلاتی
ہے کہ صبر کرنے والوں کا ساتھ خود خدائے قادر وکریم دیا کرتا ہے۔ پھر انجام بخیر کی
جانب سے کیوں اطمینان نہو۔ اور یہ بھی اُسکے پیشِ نظر ہے کہ کلام الٰہی کے مطابق
شکر کا نتیجہ ازدیادِ نعمت ہوتا ہے۔ اور ناشکری کا عذاب سخت (لئن شکرتم لازیدنکم
ولئن کفرتم ان عذابی لشدید) اس حکیمانہ تعلیم کا خیال آتے ہی وہ محکمہ واردات قلب کی
طرف رجوع کرتا اور ان بندگانِ حضرت احدیت کا تصور باندھتا ہے جو کسی نہ کسی طور
پر اِس سے بھی زیادہ قابل رحم حالت میں ہے تو اسکی زبان سے الحمدللہ نکلتا ہے۔ اور
اپنی تکالیف کا بار اُسکے نزدیک کوئی بارگراں نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ ایک مسلّمہ مسئلہ ہے
کہ رنج وراحت کا تعلق احساس سے ہے۔ ایک شخص لوؤں میں مٹی کے ڈھیلوں پر دراز ہوکر
سُکھ کی نیند سو سکتا ہے۔ اور دوسرا پھولوں کی سیج پر بھی خواب راحت کو ترستا ہے
غرض اس قسم کی ہزارہا خصوصیات اسلام کی پاک تعلیم اور حبیب خدا کی

پیروی میں ہیں۔ جن کی نظیر دیگر مذاہب اپنی مسلمہ کتب کی رو سے ہرگز پیش نہیں کر سکتے۔ مگر اِن تمام باتوں کی قدر و قیمت میدان عمل میں آنے کے بغیر جیسی چاہیئے کبھی نہیں معلوم ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق دے کہ اسلام کے محاسن و برکات کا زندہ نمونہ بن کر غیر قوموں کے لیے دین حق کی مجسم تبلیغ بن جائیں۔ اور اپنی غفلت جہالت کے سبب محض چند رسوم و عادات کو اسلام قرار دے کر اُن کے افسوسناک نتائج میں اسلام یا حضرت خیر الانام کا بھی نام بدنام کرنے والے نہ ٹھیریں۔ آمین۔

فقیر احمد حسین فرید آبادی

تتمّہ

امریکہ کے ایک جدید پیغمبر کا معجزہ

طبیعت پر نہ قابو دے تو تسکین مرے یارب
کہ میرے جرم پنہاں کا یہاں نگراں نہیں کوئی

کیلیمین (مسٹر Caliman) امریکہ کا باشندہ ہے؛ قریب قریب اُنیس ۱۹ سال ہوئے کہ اُس نے نبوت کا دعوے کیا۔ اِسکے ثبوت کے لیے اُس نے سب سے پہلے جو معجزہ دکھایا ہم ناظرین کے تفنن طبع کے لیئے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱)

بحر اطلانطک کی خاموش لہروں میں کوریا نامی جہاز لورپول سے روانہ ہوکر نیویارک کو جارہا ہے؛ منجملہ اور مسافروں کے اِس جہاز میں امریکہ کا ایک کروڑپتی بھی مع اپنی بیوی اور اکلوتی بچی کے سفر کررہا ہے؛ یہ بچی زیادہ تر خادمہ کے پاس رہتی ہے۔ جسکا نام برتھا ہے: آج آسمان قدرے ابرآلود ہو رہا ہے۔ اور سورج کی کرنیں فضائے آسمانی میں سے گزر کر معمول سے اسقدر کم گرم رہجاتی ہیں جو تکلیف دہ نہیں معلوم ہوتیں؛ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے جو سمندر کی سطح سے ہم آغوش ہوکر آتے ہیں۔ مسافروں کے دل و دماغ پر عجب فرحت انگیز اثر ڈال رہے ہیں؛ قریب قریب تمام مسافر اِس قدرتی مسرت انگیزی سے لطف اٹھانے کو اپنے کمروں سے باہر نکل آئے ہیں؛ برتھا بھی مس ورین کو گود میں لیئے باہر آتی ہے اور جہاز کے کنارے ایک تختے پر بچی کو بٹھاکر آپ دودھ کی بوتل لینے دوسری جانب بڑھتی ہے۔ اتفاقیہ جہاز کو ایک جنبش ہوتی ہے۔ اور غریب معصوم چھوٹی سی بچی سمندر میں جاپڑتی ہے؛ تمام جہاز میں کہرام مچ جاتا ہے؛ سمندر میں کشتیاں ڈالی

جاتی ہیں لیکن محض بیکار۔ ماں باپ رو پیٹ کر اور اپنی قسمت پر شاکر ہو کر بیٹھ رہتے ہیں؛ سچ ہے کسی کو خبر نہیں کہ ایک لمحہ کے بعد کیا ہونے والا ہے؛

(۲)

جہاز نیو یارک میں پہنچتا ہے؛ اخبارات مسٹر وین کی ماتم پرسی کرتے ہیں ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ کوئی مرکر زندہ نہیں ہوتا۔ لیکن محبت پدری سے مغلوب ہو کر مسٹر وین ایک اخبار کے رپورٹر سے کہتا ہے کہ "اگر دس لاکھ ڈالروں کے عوض بھی میری بچی مجھے ملجائے تو میں بخوشی دینے کو تیار ہوں"۔

(۳)

مسٹر وین کے نیو یارک پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد کیلیمین اسکو ضرورتاً اپنے یہاں بلاتا اور برسر تذکرہ کہتا ہے کہ "رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے"۔

مسٹر وین:۔ "اگر آپنے مجھے محض اپنا خواب سنانے کیلئے بلایا ہے تو بہت بُرا کیا؛ کیونکہ اس طرح میرا بہت وقت ضائع ہوا ہے"۔

کیلیمین:۔ "میرے خواب ہمیشہ سچے ہوتے ہیں؛ مختصراً یہ سن لو کہ تمہاری بچی کو پھر زندہ کر دینا میرے امکان میں ہے"۔

مسٹر وین:۔ (غصہ سے) "شاید آپکے دماغ میں کچھ خلل واقع ہو گیا ہے: آپ اُس بات کا دعوےٰ کرتے ہیں جو سوائے قادر مطلق کے اور کوئی نہیں کر سکتا"۔

کیلیمین:۔ "توبہ کیجیے! میں خدا کا ایک ادنیٰ بندہ ہوں؛ البتہ اُسکا ایک ذریعہ ضرور ہوں، جس سے وہ بہت سے کام لیتا ہے؛ کیا تم پیغمبروں اور اولیائے کرام کے معجزات اور کشف کرامات کے معتقد نہیں"۔

مسٹر وین:۔ "ان کا بھی میں ہر حالت میں معتقد نہیں"۔

کیلیمین:۔ "میں سمجھا، تم زمانہ کے بنے ہوئے ولیوں کے معتقد نہیں"

لیکن میری سچائی کا تم کو اُس وقت یقین ہوگا جب تم اپنی بچی کو اپنی آنکھوں سے زندہ دیکھ لوگے؛ جس وقت میں تمہیں مطلع کروں تم ضرور آنا۔"

مسٹر وین:۔ "فضول مت بکئے؛ یہ ناممکن ہے۔"

(مسٹر وین چلا جاتا ہے)

(۴)

کئی روز بعد کیلیبن کا خط موصول ہوتا ہے کہ "آج خلیج سینڈی ہک پر آؤ۔ تمہاری بچی تم کو واپس ملے گی۔" وین جانا نہیں چاہتا۔ لیکن اُسکا مہر اُسے یہ کہکر مجبور کرتا ہے کہ "آخر وہاں جانے میں آپ کا حرج کیا ہے، یا تو وہ اپنا دعویٰ ثابت کرے گا ورنہ کم از کم اُس کی دغابازی کا ثبوت تو اُسکو دے ہی دیا جائے گا۔" غرض وین مع اپنے چند احباب کے اُس مقام پر پہنچتا ہے؛

شب کا وقت ہے، تارے فضائے آسمانی میں ٹمٹما ٹمٹما کر گنہگاروں کی گنہ شماری کر رہے ہیں؛ باوجودیکہ تارے چاروں جانب چمک رہے ہیں پھر بھی اندھیرا غالب ہے؛ سمندر کا پانی خاموشی سے لہریں مار رہا ہے؛

اِن لوگوں کو کیلیبن کے انتظار کی زیادہ زحمت گوارا نہیں کرنی پڑی کہ وہ آگیا، آج اِس تاریکی میں خلاف معمول اُسکے چہرے سے جلال برس رہا ہے؛ قریب پہنچکر وہ تحکمانہ لہجہ میں کہتا ہے: "تم لوگ پانی سے ایک گز کے فاصلہ پر کھڑے ہو جاؤ۔" اُس کے بعد پھر کہتا ہے۔ "خاموش، خبردار، نہایت صبر سے کام لینا۔" بعدہ وہ کمر کمر پانی میں اُتر کر کچھ ناقابل فہم الفاظ پڑھتا ہے، ایک گھنٹہ کے بعد وہ ہاتھ پھیلاتا ہے گویا کسی کو گود میں لینا چاہتا ہے؛ اللہ غنی! یہ کیا معاملہ ہے؛ کیلیبن سطح سمندر سے ایک بچہ اُٹھا کر مسٹر وین کی گود میں ڈال دیتا ہے؛ حقیقت میں یہ وہی بچہ ہے! ناظرین انصافاً بتائیں کہ کیلیبن کی پیغمبری اور اُسکے معجزے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

وین کو اپنا عہد یاد ہے وہ کیلیمین کو دس لاکھ ڈالر دیتا ہے۔ لیکن وہ اُن کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے جب وین اصرار کرتا ہے تو وہ اِس شرط پر لیتا ہے کہ آدھی نصف وین خود غربا کو تقسیم کردے؛ اس طرح عام لوگوں میں ہر دلعزیز ہو جاتا ہی؛

معجزہ تم نے دیکھ لیا، کیلیمین کی خدائی(۵) قوت تم کو معلوم ہوگئی۔ لیکن اب اِس معجزے کی حقیقت بھی تو دیکھو؛ اسٹرینڈ میگزین کا خدا بھلا کرے کہ اُس نے اِن معمہ جات سے حقیقت کا پردہ اٹھا کر خلقت کو بڑی گمراہی سے بچا لیا؛ وہ لکھتا ہے کہ کیلیمین کو جب اپنا کوئی معجزہ دکھانا ہوتا ہی تو دنوں یا ہفتوں نہیں بلکہ مہینوں پہلے اُسکا انتظام کرتا ہے؛ برتھا اور اُسکا خاوند دونوں کیلیمین کے اشارے پر چلتے ہیں؛ اُسکی جاہ پرستی کی پیاس بجھانے میں وہ بھی بہت بڑا عملی حصہ لیتے ہیں؛ برتھا کو وین کے یہاں ملازمت کرنے کی ترغیب کیلیمین نے ہی دی تھی۔؛ اُس کا خاوند بھی جس سے وین قطعی ناآشنا تھا۔ اُسی جہاز میں موجود تھا؛ مس وین کی شکل کا ایک مومی بت بنایا گیا، موقع پا کر اصل بچے کو کسی طرح چھپا دیا۔ اور اُس مومی بچے کو تختۂ جہاز پر اِس انداز سے رکھا کہ ذرا سے جھٹکے سے نیچے جا پڑے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا؛ بچہ نہایت چالاکی سے چپ چپاتے جہاز میں رکھا گیا۔ اور نیویارک کی بندرگاہ پر نہایت ہوشیاری سے اتار بھی لیا گیا؛ چونکہ جہاز پر برتھا خود موجود تھی اور بچی اُس سے زیادہ مانوس تھی۔ وہ اپنے خاوند کے کمرے میں کسی کسی وقت جا کر اُسکو کھلا پلا آتی تھی؛ غرض یہ تمام کارروائی کچھ ایسی ہوشیاری کے ساتھ کی گئی کہ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی؛ نیویارک پہنچنے پر برتھا اپنے خاوند کے پاس چلی آئی۔ اور اس طرح بچی کی پرورش میں کچھ دقت واقع نہ ہوسکی؛ برتھا کا خاوند کینٹلے (Cantley) نہایت عمدہ تیراک تھا۔ اُس روز رات کو بچہ کو کوئی خواب آور دوا کھلا کر اور اپنا جسم ایسا سیاہ کر کے کہ اندھیری رات میں پاس سے بھی نظر نہ پڑ سکے

کسی دوسری راہ سے بچہ کو لیکر سمندر میں گھس گیا؛ جب کپلین سمندر میں گھسا تو بچہ اسکے ہاتھ میں دیدیا۔ خود بہت زیادہ فاصلے اور تمام جسم سیاہ ہونے کی وجہ سے نہ نظر پڑ سکا؛

(۶)

غور کرو کہ ایک پڑھا لکھا، تہذیب و تمدن سے واقف شخص دعوئے نبوت کرتا ہے، اپنے معجزے دکھاتا ہے۔ لیکن کچھ ہی دنوں میں حقیقت کے منہ سے پردہ اُٹھ جاتا ہے اور سب پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ع

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود

حالانکہ ایک دوسرا خدا کا بندہ جس نے جہالت و وحشت کی گودوں میں پرورش پائی جو تہذیب و تمدن کے نام تک سے واقف نہیں۔ جو محض بے پڑھا لکھا ہے دعوئے نبوت کرتا ہے، معجزے دکھاتا ہے۔ اور آج تیرہ سو برس گزر جانے پر بھی اسکے کسی قول و فعل کو حقیقی معنوں میں کوئی غلط ثابت نہ کر سکا؛ ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

عمیق نگاہوں سے دیکھنے والے ان دو متضاد واقعات کی حقیقت صرف دو لفظوں میں پا سکیں گے یعنی "صدق" و "کذب"۔ پہلے کیلئے خدا کے بیشمار لطف و کرم اور دوسرے کیلیے لعنت و ملامت کے انبار اور دوزخ کی جھلستی ہوئی آگ؛

اے محبوب ایزدِ پاک! اے رسول عربیؐ و ہاشمی! اے نبی اُمّی! اے پیغمبر آخر الزمان! اے ○ پر تو مہر لایزالی ○، اے مثلِ مثال ہمیشالی! تجھپر اور تیرے نام پر، اور تیری یاد پر، میں، اور میرے ماں باپ، میری بیوی بچے، میری دولت، سب قربان، لیکن مشرا اسی مرکزِ مقدس کے طفیل جسکا تو پر تو ہے ○

ہیں جس قدر حبیب مرے اور مہربان   شاگرد اور عزیز اور احباب قدرداں

آلودہ ہیں اگرچہ سراپا گناہ میں   بخشش نہ مانگیے انھیں اپنی پناہ میں

تشذ

زلزلہ اور قرآن

مسلمانوں کا دعوے ہی کہ قرآن میں جس طرح معاد و معاش اور دینی و دنیوی ضروریات کے تمام احکام مشرح موجود ہیں۔ اسیطرح طبعیات۔ علم النفس۔ ریاضیات۔ فلسفہ۔ طبقات الارض۔ علم ہیئت اور علم مابعد الطبعیات وغیرہ وغیرہ علوم کے اصول بھی بیان کیئے گئے ہیں۔ اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مروجہ سائنس سے زلزلہ کی ماہیت اور اسکے موض وقوع میں آنیکے اسباب تحریر کرکے قرآن کریم میں اُن اسباب کو تلاش کیا جائے۔ زلزلہ کی مختصر حقیقت سائنس کی معتبر کتابوں کی روسے حسب ذیل ہی۔

نظام شمسی کا آغاز سب سے پہلے گیس کے ایک بادل سے ہوا تھا۔ اور اُس بادل میں سے زمین الگ ہوکر اپنے موجودہ مقام پر بتدریج سرد ہونا شروع ہوئی۔ اور ایک زمانہ کے بعد یہ آتشین کرہ گرم سیال بن گیا۔ ایک مدت مدید گزرنے پر اُسکا بالائی قشر سرد ہوکر منجمد ہوگیا اس طرح ایک عرصہ دراز کے بعد زمین اس قابل ہوئی کہ اُس پر نباتات اور حیوانات کی پیدائش ہوسکے۔ ہنوز تیس ۳۰ سے چھتیس ۳۶ میل زمین کے نیچے ذوبانی گرم مادہ موجود ہے۔ جب زمین کی سطح زیادہ موٹی نہ تھی۔ اُسوقت زمین کے اندر سے آتشین مادہ بہت بڑی مقدار میں باہر نکلا کرتا تھا۔ جس سے بڑے بڑے پہاڑوں کے سلسلے قائم ہوگئے۔ یہی پہاڑ اُن آتشین موجوں کے نکلنے کے ایک حد تک مانع ہوئے۔ مذکورۂ بالا تمہید کے بعد زلزلہ کی تعریف ہی کہ زمین کے اندرونی گرم اور پگھلے ہوئے مواد اور اُسکے ساتھ دوسرے ہوائی مادہ کے بخارات کی اندرونی حرکت سے قشر ارض پر دھکا لگتا ہے۔ جس سے ایک اضطراب سطح زمین پر پیدا ہوتا ہے۔ اکثر اوقات زلزلہ کے قبل یا بعد ایک گرج سُنائی دیتی ہے۔ اور بعض وقت زلزلہ سے زمین اونچی نیچی ہو جاتی ہے۔ اور مختلف قسم کی درازیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ جن

میں سے بعض زلزلے کے بعد بالکل بند ہو جاتی ہیں۔ اور بعض کھلی رہجاتی ہیں۔ اور بعض وقت اُن میں سے گرم ہوا خارج ہونے لگتا ہے۔ کبھی کبھی یہی گرم مواد کے فوارے ترقی کرکے کوہ آتش فشاں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں *

زلزلہ کے نقصانات

زلزلہ کے وقوع سے بڑے بڑے شہر تباہ ہو گئے۔ اور فلک فرسا عمارتیں زمیں دوز ہو گئیں۔ ندیوں کا رُخ بدل گیا۔ بڑے بڑے غار پیدا ہو گئے۔ ہزاروں آدمی عمارتوں کے نیچے دب کر راہی ملک عدم ہوئے۔ چنانچہ ۱۷۵۵ء میں ایک زلزلہ واقع ہوا۔ جس نے شہر لسبن کو تباہ کر ڈالا۔ اور جب زلزلہ گرم مواد کے اخراج میں منتجر ہوتا ہے۔ اور کوہ آتش فشاں کی صورت اختیار کرتا ہی تو نتیجہ اور ہولناک پیدا ہوتا ہے۔ سیکڑوں میل اور گرد کے شہر کوہ آتش فشاں کی سنگ باری کی زد میں آجاتے ہیں بڑی بڑی عمارتیں منہدم ہو کر سربسجود ہو جاتی ہیں۔ اور لاکھوں جانیں لقمۂ نہنگ اجل ہو جاتی ہیں۔ پومپی آئی جو ایک نہایت عظیم الشان شہر تھا۔ ویسیو ویس کوہ آتش فشاں کی سنگ باری سے بالکل تباہ و برباد ہو گیا *

زلزلہ کے فوائد

زلزلہ کے نقصانات بالاجمال پیش کیے گئے۔ مگر آپ یہ سنکر متعجب ہوں گے کہ ایسے تباہ کن اور قیامت نما عذاب میں بھی کوئی فائدہ مضمر ہے۔ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ زلزلہ جس طرح دنیا کے لیے نہایت خطرناک ہی۔ اسی طرح مفید بھی ہے۔ چنانچہ اس امر کو ذیل میں مختصرا بیان کرتے ہیں *

بارش ہمیشہ سطح ارض پر ہوتی ہے۔ اور بارش کا پانی اپنے ساتھ سیکڑوں من زمین کی اشیاء کو ندیوں اور نالوں کے واسطے سے سمندر میں بہا لیجاتا ہے۔ اسی طرح برف سردی کے موسم میں جمتا ہے۔ اور گرمی میں پگھل کر پانی کی شکل اختیار کرکے مذکورہ بالا عمل

کرتا ہے۔ چنانچہ ہزاروں من سطح ارض کی ملکیت سمندر کے تصرف میں آجاتی۔ ہم یہ عمل اسی طرح جاری رہتا اور اس کے مقابل کوئی اور عمل نہ ہوتا تو ایک وقت ایسا آتا کہ زمین کی خشکی کا ہر ذرہ سمندر کی تہ میں جاکر ٹھیرتا۔ اور تمام صفحہ ارض پر پانی ہی پانی نظر آتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ خشکی کے تمام حیوانات ناپید ہو جاتے +

سطح ارض کو غرقاب ہونیسے بچانے والے کئی اسباب ہیں۔ جس میں سے زلزلہ اور کوہ آتش فشاں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ زمین کا جو حصہ رسوب کی شکل میں زائل بالاسے سمندر میں جاکر تہ نشین ہو جاتا ہے۔ زلزلہ اور کوہ آتش فشاں اپنی خاص قوتوں کی وساطت سے اس کمی کو پورا کر دیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر زلزلہ کے وقوع سے زمین کی سطح مرتفع ہو جاتی ہے۔ اور اس کا اثر سمندر پر پڑتا ہے۔ اور وہ زیادہ عمیق ہو جاتا ہے ۱۸۳۵ء میں جزیرۂ چیلی کے کنارے پر ایک شدید زلزلہ آیا تھا کہ جس کے اثر سے بہت سے شہر برباد ہو گئے۔ مگر جزیرۂ سنتامریا کی سطح مرتفع ہو گئی تھی۔ اور اندازہ کرنے پر معلوم ہوا کہ اسکی سطح کہیں آٹھ فٹ اور کہیں دس فٹ تک بلند ہو گئی ہے۔ اور ابتک جزیرہ اسی حالت میں باقی ہے۔ اور کوہ آتش فشاں کی وجہ سے زمین کی سطح کے بلند ہو جانے کی مثال یہ ہے۔ ایک زلزلہ جزیرۂ چیلی میں ۱۸۲۲ء میں واقع ہوا تھا جو کوہ آتش فشاں میں منجر ہو گیا۔ جس سے مواد حجری کا اس قدر اضافہ ہوا کہ جس کا وزن ایک لاکھ اہرام مصری کے برابر تھا۔ مختصر یہ کہ بارش اور برف ندیوں اور نالوں کی مدد سے زمین کے سطحی مواد کو سمندر میں لیجاتے ہیں۔ زلزلہ اور کوہ آتش فشاں زمین کے اس نقصان کو بوجہ اپنی قوت مرتفع کے دور کرتے ہیں +

زلزلہ اور قرآن

اب سنئے اور غور کیجیے کہ تکوین عالم زلزلہ کے وقوع کے اسباب کے نقصانات و فوائد کو قرآن کریم نے مختلف مسائل کے ضمن میں کس جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے +

قرآن مجید میں لفظ سماء مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کہیں ابر کے معنی میں وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا (سورۂ فرقان) اور ہم نے نازل کیا آسمان سے پاک پانی کو۔

کہیں جو نیلگوں چھت نظر آتی ہے اور جسے ہم آسمان کہتے ہیں۔ اُسے بھی سماء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وزین السماء الدنیا بزینة الکواکب۔ ہم نے زینت دی آسمان دنیا کو ستاروں سے۔

بعض مقامات پر قرآن میں لفظ سماء صرف بلندی کے اظہار کے لیئے استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔ اصلها ثابت وفرعها فی السماء (سورۂ ابراہیم) اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اسکی ٹہنی آسمان میں ہے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ نے سب ابتدائی مادہ کو جس سے نظام شمسی پیدا ہوا ہے۔ سماء کے نام سے موسوم کیا ہے چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ ثم استوی الی السماء وهی دخان فقال لها وللارض ائتیا طوعا او کرها قالتا اتینا طائعین فقضهن سبع سموٰت فی یومین واوحی فی کل سماء امرها (سورۃ السجدہ) پیدا کیا سماء کو اور وہ دھواں تھا اور پھر کہا اُسکو اور زمین کو حکم مانو خوشی سے خواہ ناخوشی سے دونوں نے کہا ہم نے حکم مانا خوشی سے۔ پھر کردیئے سات یا متعدد آسمان دو دن میں اور ڈالدیا ہر آسمان میں اُسکا کام۔ سب سے پہلے خدا نے سماء یعنی دخانی مادہ کو بیان کیا۔ اب یہاں یہ فقرہ حذف ہے کہ اُس دخانی مواد سے زمین کو الگ کیا اور پھر خدا نے دونوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا۔ اور باقی ماندہ مادۂ آتشین سے متعدد سموات اور وجود پذیر ہوئے۔ انکو سماء اس وجہ سے کہا کہ وہ بلندی پر ہیں۔ اور ایک ٹکڑے کو ارض اسلیئے کہا کہ وہ ہمارے پیروں کے نیچے ہے چنانچہ عربی میں ہر نچلی چیز کو ارض کہتے ہیں۔ چنانچہ قاموس میں ہے الارض کل ما سفل۔ ہم نے آیۂ بالا کی تشریح کرتے ہوئے کہا تھا کہ خدا نے ابتدا میں دخانی مادہ کو

پیدا کیا گیا تھا۔ اور اُس کے بعد اِس آتشین کرہ سے اِس دنیا کو الگ کیا۔ اور یہ فقرہ آیۃ بالا میں محذوف تھا۔ اور اسکے بعد کا واقعہ بیان کیا گیا تھا۔ اب اِس امر کا ثبوت سنیئے کہ درحقیقت یہ دنیا اُس سما ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے اولم یر الذین کفروا ان السموٰت والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما (سورۂ انبیاء) آیا انہیں دیکھتے کافر کہ زمین اور آسمان ملے ہوئے تھے۔ اور انہیں ہم نے الگ کیا یعنی ساتوں آسمان جن کا بیان قرآن مجید میں تکرار آیا ہے۔ آپس میں جڑے ہوئے تھے اُن سے ہم نے زمین کو بھی الگ کیا اور ہر آسمان کو جدا جدا کیا ؛

دخانی گیس کا وہ ٹکڑا جو ہزاروں سال کے بعد زمین بننے والا ہی۔ بتدریج سکڑ کر ایک سیال مادہ بن گیا۔ جس طرف قرآن مجید کے ان لفظوں میں اشارہ ہی وکان عرشہ علی الماء خدا کا عرش پانی پر تھا۔ یعنی خدا کی حکومت پانی پر تھی۔ بالفاظ دیگر خدا نے اُس پانی پر جو دخانی حالت کو طے کرکے سیال بن گیا تھا اپنا عمل تدبیر جاری کیا۔

زمانہ گزرتا چلا جاتا ہی اور اگرچہ قرآن کریم میں زمین کے اکثر تغیرات کا بیان موجود ہے مگر تطویل کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہی ؛

جب کہ زمین کا سب سے بالائی حصہ منجمد ہوجاتا ہے اور زمین پر ایک تہی قشر تیار ہوجاتا ہے۔ اور زمین کا اندرونی گرم مادہ متحرک ہوتا ہے تو زلزلے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور چونکہ زمین کا قشر نہایت نازک ہوتا ہے اس لیے وہ مادہ پھوٹ نکلتا ہے۔ قرآن کریم میں ہی۔ اذا زلزلت الارض زلزالھا واخرجت الارض اثقالھا۔ ترجمہ جبکہ زمین اپنے پورے بھونچال سے سخت جنبش میں آجائے اور زمین اپنا بوجھ باہر نکال پھینکے۔" قرآن کا ارشاد ہی کہ جب زلزلہ واقع ہوتا ہے تو زمین اپنے اندرونی مواد کو باہر نکال پھینکتی ہے۔ بالفاظ دیگر زمین کے ہلنے کی وجہ وہی متموج مادہ ہے جو لاوا کی صورت میں کوہ آتش فشاں سے نکلتا ہے ؛

یہ حقیقت کہ زمین کے اندرونی مواد کے متحرک ہونیسے زلزلہ پیدا ہوتا ہی۔ الہامی زبان کے صرف لفظ زلزلہ ہی سے ظاہر ہے۔ زل کے معنی پھسلنا ہے اور جیسا کہ ثابت کیا گیا۔ زلزلہ کا باعث زمین کے اندرونی مواد کا اپنے مقام سے پھسلنا ہے +

اس لفظی تشریح کے بعد آیت مذکور کے معنی بخوبی واضح ہونگے کہ زمین کے اندرونی سواد کے پھسلنے سے زلزلہ واقع ہوتا ہی۔ اور یہ مادہ قشر ارض کو پھاڑ کر باہر نکل جاتا ہے +

زلزلہ کی وجہ سے کوہ آتش فشاں معرض ظہور میں آتے ہیں۔ اور اُن میں سے لاوا بھکر باہر نکلتا ہے۔ اس نظارہ کی تصویر قرآن کی حسب ذیل آیت میں بڑی خوب صورتی سے کھینچی گئی ہے۔ ویوم ترجف الارض والجبال وکانت الجبال کثیبا مھیلاً (سورۂ مزمل) ترجمہ "جس دن کہ زمین اور پہاڑوں میں زلزلہ پڑ جائے۔ اور پہاڑ ریگ رواں ہو جائیں"۔ ایک دوسرے مقام پر خدا نے اسی مضمون کو بڑی فصاحت سے بیان کیا ہی وإذا رجت الارض رجّا وبست الجبال بسّا فکانت هباء منبثا ۔ (سورۂ الواقعہ) ترجمہ "جبکہ زمین جنبش کھا کر تھرا اٹھے۔ اور پہاڑ ٹوٹ ٹوٹ کر ٹکڑے ہو جائیں پھر غبار کی طرح اُڑتے پھریں"۔ ان آیتوں میں خدا نے زلزلہ اور کوہ آتش فشاں کا بیان اس طرح کیا ہی کہ نظروں کے سامنے نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ یہ دونوں آیتیں اکثر حقائق فطرت کی حامل ہیں۔ مگر اس مختصر مضمون میں گنجایش نہیں کہ ان آیتوں کی کماحقہ تشریح کیجائے +

کوہ آتش فشاں سے نکلا ہوا مواد پہاڑوں کی صورت اختیار کرتا ہی۔ اور ان نئیں پہاڑوں کی وجہ سے زمین کی سطح موٹی ہوتی جاتی ہے جس سے زلزلے بہت کم واقع ہوتے ہیں۔ اور اگر واقع بھی ہوتے ہیں تو چونکہ زمین کی سطح بہت موٹی ہوگئی ہے ہمیں بہت ہی کم محسوس ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت قرآن کریم کے مختلف مقامات میں بیان کی گئی ہے چنانچہ دو آیتیں پیش کیجاتی ہیں۔ والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم۔ اور ہم نے

زمین میں پہاڑوں کو پیدا کیا تاکہ زمین میں زلزلے نہ پیدا ہوں ٭

دوسری جگہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بہم اور زمین میں ہم نے ثقل پیدا کیا تاکہ تم کو جنبش نہ دے ٭

اذا زلزلت الارض زلزالھا واخرجت الارض اثقالھا۔ اس آیت میں خداوند عالم نے بتایا کہ زلزلہ ہی سے زمین کا اندرونی مواد نکلکر زمین کے بالائی قشر کے ثقل کا باعث ہوتا ہے۔ اور وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بہم سے بتلایا کہ یہی ثقل زمین سے تزلزل کا ایک حد تک مانع ہوا۔ اور زلزلہ اگر ہوتا بھی ہے تو ہمیں بہت کم محسوس ہوتا ہے۔ زلزلہ کی یہ صحیح فلاسفی قرآن کریم میں تیرہ سو برس قبل بالصراحت بیان کی گئی ہے۔ جن لوگوں کو دعوے ہے کہ ان کی مذہبی کتاب سائنس کے علوم سے معمور ہے میدان میں آئیں اور اسی مسئلہ کو اپنی اپنی کتاب سے ثابت کرکے دکھائیں ٭

پہاڑوں کی پیدائش کی وجہ سے زمین کی دبازت کافی ہوجاتی ہے تب حیوانات اور نباتات کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہوتا ہے چنانچہ یہ مضمون قرآن مجید کے متعدد مقامات میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے مگر چونکہ زمین کی اس حالت کو ہمارے مضمون سے بہت کم تعلق ہے۔ اس لیئے صرف ایک ہی آیت پر اکتفا کیجاتی ہے۔ وجعل فیھا رواسی من فوقھا وبارك فیھا وقدر فیھا اقواتھا الآیة۔ اور زمین کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں برکت رکھی۔ اور اسپر ہر قسم کی کھانے کی چیزیں پیدا کیں ٭

یہاں تک تو زلزلہ کی حقیقت جو کچھ جدید تحقیقات سے ثابت ہوئی ہے بلا کسی قسم کی رکیک تاویل کے قرآن مجید کی آیات بینات سے ثابت کردی گئی۔ اب زلزلہ کے نقصانات سنیئے ٭

زلزلہ کے نقصانات قرآن کی رو سے

زلزلے کے وقوع کے وقت لوگوں میں دہشت اور خوف پیدا ہوجاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے

یوم ترجف الراجفۃ تتبعہا الرادفۃ قلوب یومئذ واجفۃ ابصارھا خاشعۃ
جس دن کانپنے والی زمین کانپ اٹھے اسکے پیچھے لگاتار بھونچال چلا آئے کبھی دل
اُسدن دھڑک رہے ہونگے اور انکی آنکھیں حیران ہونگی +

زلزلہ کے وقوع سے زمین میں بڑے بڑے شگاف پڑجاتے ہیں۔ اور اگر ایسے موقع
پر کوئی بھی شئے موجود ہوگی۔ ضرور ہے کہ وہ شکم مادر میں چلی جائے۔ اور پھر اطمینان سے
اُسمیں قیامت تک آرام کرے۔ اور اگر یہی زلزلہ کوہ آتش فشاں کے ظہور پر منتج ہو تو
پھر اس سے پتھروں کی بارش شروع ہوجاتی ہے۔ اور اُسکے اردگرد کی تمام بستیاں برباد
ہوجاتی ہیں۔ قرآن مجید نے ان دونوں عذابوں کو عجب رنگ سے بیان کیا ہے۔ دیکھو
سورۃ الملک آیت (۱۵-۱۶) ءامنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض فاذا
ھی تمور۔ ءامنتم من فی السماء ان یرسل علیکم حاصبا فستعلمون کیف نذیر۔
ترجمہ کیا وہ جسکی عظمت آسمان میں ہے تم اُس سے بیخوف ہوگئے کہ وہ تم کو زمین میں
دھنسا دے پھر وہ لرزنے لگے۔ یا وہ ذات جس کی ہیبت آسمان میں ہے کیا اُس کے
غضب سے نڈر ہوگئے کہ تم پر پتھر برسادے۔ پھر تم کو معلوم ہوجائے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے +

مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ زلزلہ سے دو باتیں رونما
ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بڑے بڑے غار پیدا ہوجاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ پتھروں کی بارش
واقع ہوتی ہے۔ اور قرآن نے ان دونوں کو دردناک عذاب سے تعبیر کیا ہے۔ اور دراصل جب
کبھی کوئی زبردست زلزلہ واقع ہوتا ہے تو مخلوق خدا کا ایک حصہ کوہ آتش فشاں کی
سنگ باری کے نذر ہوجاتا ہے۔ اور موجودات عالم کا ایک حصہ اُن شگافوں میں جو زلزلہ
کے وقوع سے پیدا ہوتے ہیں دھنس جاتا ہے۔ قوم عاد پر خدا تعالیٰ کا قہر زلزلہ ہی کی
صورت میں نازل ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ فاخذتہم الرجفۃ فاصبحوا
فی دارھم جثمین۔ (سورہ اعراف) پھر پکڑا انکو زلزلے نے پھر رہ گئے صبح کو اپنے گھروں میں

اوندھے پڑے +

زلزلہ کا فائدہ قرآن کی رو سے

تحقیقات جدید سے زلزلے کے وقوع سے ایک زبردست فائدہ ثابت ہوا ہی وہ یہ کہ بارش اور برف کی وجہ سے سطح ارض کی ہزاروں من مٹی سمندر میں چلی جاتی ہے جس سے زمین کی سطح پست ہوجاتی ہے۔ مگر زلزلوں کے واقع ہونیسے اکثر زمین کا حصہ بلند اور کمتر پست ہوجاتا ہی۔ اس طرح زلزلہ سطح ارض کو سمندر میں غرقاب ہونیسے بچالیتا ہے اس حقیقت کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔ اذا وقعة الواقعة لیس لوقعتہا کاذبة خافضة رافعة اذا رجت الارض رجا۔ جس دن وہ بڑا واقعہ وقوع میں آئیگا اُسکے وقوع پر کسی کو مجال انکار نہ ہوگی پست کرنے والا اور بلند کرنے والا جبکہ زمین جنبش کھاکر تھرا اُٹھے" یعنی یہ بات نہایت صحیح ہی اور اس سے کیسکو انکار کی مجال نہیں ہے کہ زلزلہ کے وقوع سے کہیں زمین پست اور کہیں بلند ہوجاتی ہے +

زلزلہ کیوجہ سے کوہ آتش فشاں رونما ہوتے ہیں اور اُس سے پہاڑ پیدا ہوجاتے ہیں جس سے زمین کی سطح بلند ہوجاتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہی۔ واذا الارض مدت والقت مافیہا وتخلت (سورہ انشقاق) اور جبکہ زمین پھیلائی جائے۔ اور جو کچھ اُسمیں ہے اُگل دے اور خالی ہوجائے۔ یعنی زمین کی سطح کا بقا زمین کے اُگلنے پر منحصر ہے۔ اور زمین کے اندرونی مواد کے باہر نکلنے کا ذریعہ صرف کوہ آتش فشاں ہیں مضمون چونکہ بہت بسیط ہوگیا ہے۔ اس لیئے انہیں دو آیتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ جب یہی مضمون الگ رسالہ کی صورت میں شائع کرنے کی غرض سے لکھا جائیگا۔ اُسوقت زلزلہ کے متعلق تمام جزئی باتوں کی توضیح کی جائے گی +

طیب علی عبدالرسول

۴۸۶

الوداع

چل دُلہنیا تورے پیا نے بلائی

ایک عبرت خیز آنکھ ہر پہلو اور ہر بات سے سبق حاصل کرسکتی ہی بشرطیکہ قدرت نے اُس کو بصارت تامہ عنایت کی ہو۔ بعض حضرات ایسے بھی ہیں کہ اُن کا ظاہر واقعی اچھا ہی۔ دیکھنے دکھلانے کے قابل دنیاوی وجاہت بھی معقول۔ قیل وقال میں خاصہ ملکہ۔ لیکن باطن کا اللہ ہی حافظ ہی۔ لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ ایسے حضرات سے تو ہمکو کوئی بحث نہیں اور نہ یہ کسی مطلب کی دوا ہیں۔ البتہ ایک بصیر دل اور عبرت والی آنکھ سے گزارش ہی کہ وہ غور کرے اور دیکھے کہ دنیا کی بہت بڑی شادی میں بھی ایک موت کی جھلک ہی دیکھئے لفظ وداع جسکے لغوی معنی رخصت کرنا ہی۔ یہ لفظ اکثر ایسے ہی موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں رخصت مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً رمضان کے آخری جمعہ کو جمعۃ الوداع اسیوجہ سے کہتے ہیں کہ موجودہ رمضان میں پھر کوئی اور جمعہ نہیں آتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کو اسی لیئے حجۃ الوداع کہتے ہیں کہ اسکے بعد حضور مسلمانوں سے رخصت ہوکر عالم بقا کو تشریف فرما ہوئے۔

اگرچہ دہلی والوں نے اس لفظ کو بگاڑ کر بدہ یا بدا کردیا ہی۔ لیکن اصل لفظ وداع ہے شادی کے موقع پر اس لفظ کا استعمال بیٹی والے کے ہاں ہوا کرتا ہی۔ چونکہ اسکے گھر سے بیٹی رخصت ہوکر اپنے مجازی پیا کے گھر جاتی ہی۔

گو یہ لفظ اپنے معنی کے اعتبار سے اسقدر عام ہی کہ جس طرح بیٹی والے اسکا استعمال کرتے ہیں بیٹے والے بھی کرسکتے ہیں۔ یعنی جس طرح لڑکی اپنے ماں باپ اور سہیلیوں سے رخصت ہوکر دولہا کی ہوگئی۔ اسیطرح لڑکا بھی اپنے یار دوستوں کو رخصت کرکر دُلہن کا ہوگیا۔ پُرانے لوگوں کا یہ قول مشہور ہے جب کسی یار کا بیاہ ہوجائے تو جانو چُھٹ گیا۔ اور جب اُسکے ہاں اولاد ہوجائے تو سمجھو مر گیا

لیکن یہ تمام باتیں ایک حقیقت کا مجاز اور ایک باطن کا ظاہر ہیں۔ ہم جس بات کو اس مضمون میں عرض کرنا چاہتے ہیں وہ حقیقی وداع ہے۔ اُسکے معنی اپنی عمومیت کے باعث بڑے بچے اور جوان سب کو شامل ہیں وہ حقیقی پیا کے گھر کی رخصتی ہے۔ پیا حقیقی اور مجازی کی باتیں ملتی جلتی ہی ہیں۔ لیکن اصل اور نقل کا فرق ہے۔ ہم حتی الامکان اس مضمون کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرینگے +

دنیا میں بعض لڑکیاں لڑکے ایسے ہی ملینگے کہ جن کا آجتک نکاح نہیں ہوا۔ اور عمریں ڈہل چکیں۔ اب شادی کی امید بھی نہیں۔ لیکن حقیقی پیا کے گھر جانیسے کوئی نہ بچیگا۔ تمام سکھیوں کو جانا ہوگا۔ اور ضرور جانا ہوگا۔ حقیقی دو لہا کا سچا پیام سُنیئے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اُنکے قربان جایئے کیسے پیارے الفاظ میں اپنے مشتاقوں کو بشارت دی ہے۔ یہ ایک رقعہ ہے جو ہمارے نام آیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ شادی کی تیاری کرتے رہو ایسا نہو برات آبیٹھے اور تمہارے پاس سامان جہیز بھی نہو +

ناظرین رقعہ کیسا یوں سمجھو کہ منگنی ہوچکی۔ نہیں معلوم کب اور کسوقت حقیقی شادی کا پیام آجائے +

مجازی دُلہن کا مائیوں بیٹھنا

بیٹی والے سات آٹھ دن پہلے لڑکی کو مائیوں بٹھاتے ہیں۔ روز اُبٹنا ملکر نہلایا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ دلہن کو جُھکنے کی عادت پڑ جائے۔ سہیلیوں سے محبت کم ہو جائے پیا کا تصور زیادہ ہو میل کچیل سے پاک ہوکر صورت اُجلی ہو جائے تاکہ دولہا خوش ہو۔ اور سمجھے کہ میری دُلہن خوبصورت ہے۔ حقیقی وداع میں بھی یہ بات موجود ہے۔ موت سے قبل بیماری آتی ہے جسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ گناہوں سے پاک ہوجائے۔ دنیا اور دنیا والوں کی محبت کم کرکے حقیقی مالک سے جی لگائے۔ اور یقین کرلے کہ حقیقی وداع کے دن قریب ہیں حقیقت اور مجاز میں اتنا ہی فرق ہے کہ وہاں میکے آنے کی اجازت ہے اور یہاں سسرال ہی سسرال ہے۔ وہاں اُبٹنے اور کھلی نے اگر ظاہری میل کو دور کیا تھا تو یہاں بیماری نے بندے

کو باطنی آلایش سے صاف کر دیا۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا الحمّی فانها تذهب خطایا بنی آدم کما یذهب الکیر خبث الحدید۔ یعنی بخار کو بُرا مت کہو وہ بنی آدم کے گناہ اس طرح دور کرتا ہے جس طرح لوہے کی میل کچیل کو آگ دور کر دیتی ہے +

مجازی دلہن کا بناؤ

دلہن والے بیٹی کو نہلا دُہلا کر زینت کا سُرخ جوڑا پہناتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں سر گوندہتے اور مانگ نکالتے ہیں۔ آنکھوں میں سرمہ دانتوں میں مسی۔ ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی جاتی ہے۔ زیور سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ کانوں میں بالیاں پتے اور جُہلنیاں ہاتھوں میں پُہنچیاں چوہے دتیاں۔ کنگن وغیرہ۔ گلے میں چمپا کلی۔ گلو بند۔ اور چک وغیرہ پاؤں میں چوڑیاں۔ جہانجن۔ توڑے پازیب۔ بہرحال یہ تمام آراستگی کیوں کیجاتی ہے اسی لیئے کہ مجازی پیا کو یہ تمام باتیں بہاتی ہیں۔ اُسکو وہی مانگ والا سر اور جُہلنیوں والے کان اچھے معلوم ہوتے۔ اُسکو مہندی سے رنگے ہوئے ہاتھ پاؤں بہلے لگتے ہیں۔ اسی غرض سے یہ تمام امور پورے کیئے جاتے ہیں کہ کسی طرح دولہا کو دُلہن پسند آجائے +

حقیقی دُلہن کا بناؤ

سچے دولہا خود ہی نرالے اُنکا بناؤ بہی نرالا۔ دُلہن کو نہلایا۔ خوشبو کی جگہ کافور چھڑکا گیا۔ موضع سجود پر عطر ملا گیا۔ زینت کا جوڑا نہیں تہا۔ اس لیئے کفنی پہنائی گئی۔ مبارک ہیں وہ دُلہنیں جو اپنے سچے پیا کی سچی دلدادہ ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ مولائے حقیقی کو بھی گلِ شفتالو رنگ پسند ہے۔ خود حضور انور روحی فداہ کی اس زینت کے جوڑے کے متعلق یہ تمنا تہی۔ اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل +

اسی طرح فاروق اعظمؓ کی یہ تمنا ان لفظوں میں موجود ہے اللھم اجعل لی شہادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد حبیبک (اصح الکتب بعد کتاب الباری) مبارک ہیں وہ دل جو اس تمنا سے لبریز ہیں۔ اور مبارک ہیں وہ جو کامیاب ہوئے۔ طوبیٰ لھم ثم طوبیٰ لھم +

مولائے حقیقی کو وہ سر پسند نہیں۔ جس میں مانگ نکالی گئی ہو۔ وہ پیشانی پسند نہیں۔ جس پر افشاں لگائی گئی ہو۔ بلکہ وہ سر اور پیشانی محبوب ہے جو اُسکی ذات پاک کے علاوہ دوسرے کے سامنے نہ جھکائی گئی ہو۔ بالی پتوں کے کان پسند نہیں بلکہ وہ کان پسند ہیں جو غیبت جھوٹ اور فحش باتیں سُننے سے پاک ہوں۔ اُنکو سرمگیں آنکھیں محبوب نہیں بلکہ وہ خوف زدہ آنکھ کو جو اُن سے ڈر کر روتی رہتی ہو پیار کرتے ہیں۔ اُنکو مسّی لگے ہونٹ یا دانت پیارے نہیں۔ بلکہ وہ لب پسند ہیں جو ہر وقت ذکر الٰہی سے ہلتے رہتے ہیں۔ انہیں کنگن والے ہاتھ مقصود نہیں ہاں وہ ہاتھ ضرورت اور حاجت کے وقت دوسرے کے آگے نہ پھیلائے جائیں وہ اُنکو دوست رکھتے ہیں۔ مولائے حقیقی کو وہی پاؤں محبوب تر ہیں جو اُسکے راستے میں گرد آلود ہوں جو اُسکے سامنے پچھلی رات کو کھڑے رہیں اور ورم کر آئیں۔ مولا کو سیاہ بالوں والی دُلہن نہیں لُبھا سکتی۔ البتہ جس نے اسلام میں اپنے بال سفید کیے ہوں۔ اُس پر اُنہیں رحم آتا ہے دیکھئے قاضی یحییٰ بن اکثم جو ہارون الرشید کے عہد میں بعہدۂ قضاۃ مامور تھے مرنیکے بعد حقیقی دولہا کے سامنے پیش ہوتے ہیں خفگی کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے یا شیخ السوٗ فعلت کذا و کذا۔ یہ کالی دُلہن لرزتی ہوئی کہتی ہے۔ حضور ایک حدیث یاد ہے اگر ارشاد ہو تو عرض کروں۔ حکم ہوتا ہے سناؤ۔ یہ خوف زدہ عرض کرتے ہیں۔ حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن جبرئیل علیہ السلام عنک یا رب انک قلت انی لاستحی ان اعذب شیبۃ شابت فی الاسلام وانا شیخ کبیر۔ یہ سُن کر فرمایا یحییٰ یہ تمام لوگ سچے ہیں اور ہمارا قول بھی سچا۔ جاؤ ہم نے تم کو بخشا۔ اسیطرح حقیقی دولہا کے نزدیک کالے گورے میں کوئی امتیاز نہیں۔ ہاں اُنکو وہ دل محبوب ہے جو گناہوں سے پاک اور سچی توحید سے لبریز ہو۔ کیا ہی خوش نصیب ہے وہ دُلہن جو ان زیورات سے آراستہ ہو کر پیا کے گھر روانہ ہو۔

دُلہن کا ڈولہ یا پینس

یہاں دُلہن کو پالکی میں بٹھایا گیا۔ ایک ہری بھری بیوی نے جال کا دوپٹہ جس میں
تِل لگے ہوئے تھے۔ پالکی پر ڈال دیا۔ چار کہاروں نے پالکی اُٹھائی۔ بہن بھانجیاں
رونے لگیں۔ بیٹی کے باپ نے سر پر ہاتھ رکھکر خدا کے سپرد کیا۔ ماں نے بھی چلتے وقت کچھ
نصیحتیں فرمائیں۔ بیٹا ہمیشہ خاوند کی تابعداری کرنا۔ کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر بات
نہ کرنا۔ وہی گھر ہے۔ اگر خاوند کی رضا سے آؤگی تو آؤ۔ لیکن اگر ناراض کرکے آئیں تو پھر
اِس گھر میں گزارا نہیں۔ آجکی رات بالکل نہ بولنا۔ نیچی نگاہ رکھنا اور جہاں تک ممکن
ہو۔ آنکھیں نہ کھولنا۔ اگر آج اُسکو کوئی بات بھی تمہاری پسند آگئی تو ہمیشہ سکھ سے رہو گی
مگر خدانخواستہ آج ہی دل نہ ملے تو پھر تمام عمر مصیبت کا سامنا رہیگا۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے
لیکن دُلہن اپنے جی ہی جی میں کچھ کہہ رہی ہو۔ اماں نے تو سب کچھ بناؤ سنگار کر دیا ہے
اب اللہ اُنکے دل کو خوش کرے ٭

دُلہن کے باپ نے آگے بڑھکر لڑکے کو سلامی کے روپے دیئے۔ اور پرنم آنکھوں سے
کہا۔ آپ کو لونڈی دی ہے۔ خدا کی بندی ہو اور میری ماتا ہو۔ چودہ پندرہ برس تک تنکا
بھی نہیں توڑا۔ پہلی پہوڑنی تو کیسی اپنی غریبی موجب اِسکا دل نہیں میلا کیا۔ اب آپکو اختیار
ہے۔ ہم نے تو بیٹی کیا دی سب کچھ دیدیا۔ بہت غریب آدمی ہیں۔ آپکے لائق تو ہے نہیں
لیکن جو کچھ ہو سکا۔ اور جو اسکی تقدیر کا تھا حاضر کر دیا۔ یہ کہکر واپس چلے آئے ٭

حقیقی دُلہن کا ڈولہ

مرتے وقت کچھ لوگ کلمہ پڑھ رہے تھے تاکہ مرنے والیکی زبان پر بھی جاری ہوجائے نہلانے
اور کفنانے کے بعد ایک چارپائی پر جنازہ رکھا گیا۔ اوپر سے ایک چادر ڈالی گئی۔ جسپر چار خانہ
بنا ہوا تھا۔ بیچ میں اللہ اللہ لکھا ہوا جو دور سے دیکھنے والے کو جال کا دوپٹہ معلوم ہوتا تھا
چار آدمیوں نے چارپائی اٹھائی۔ اور کلمہ پڑھتے ہوئے لیکر چلے۔ اِس دلہن کے ساتھ اسکے
نیک اعمال کا جہیز ہے۔ جنگل میں جنازہ کی نماز ہوئی۔ جو الفاظ وہاں بیٹی کے باپ نے کہے تھے

یہاں سب نے ملکر دولہا سے کہے۔ اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا الخ
اس سے فارغ ہوکر دلہن کو سچے پیا کے سپرد کر دیا۔ اور ایک پھولوں کی چادر قبر پر ڈالدی
سب لوگ دعا کرکر واپس اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

سچ ہے اے بادِ صبا این ہمہ آوردۂ تست　　کسی جا سہرے چڑھیں کسی جا چادرِ گل

مجازی دلہن کی پہلی رات

اِدہر ماں باپ دعا کر رہے ہیں۔ الٰہی آج کی رات ہماری عزت تیرے ہاتھ ہی۔ دلہن اپنے دولہا کے دل میں کھب جائے۔ وہاں دولہانے دیکھا دلہن پسند آگئی۔ خوش ہوکر منہ دکھائی میں کوئی چیز چڑھائی۔ اور دُلہن سے کہا۔ تم آج سے تمام باتوں کی مالک ہو۔ جو تمہارا جی چاہے وہ کرو۔ آج میری دعا قبول ہوئی۔ میں خدا سے چاہتا تھا کوئی اچھی عورت ملے جو خوب صورت بھی ہو اور خوب سیرت بھی۔ الحمد للہ تم میری مرضی کے موافق ملیں اب تم جو کہوگی وہی کیا کرونگا۔

اور اگر خدانخواستہ دلہن پسند نہیں تو رات ہی سے لڑائی شروع ہوگئی۔ کبھی طلاق دینے کو تیار ہوتے ہیں کبھی کہتے ہیں سڑا سڑ کرمارونگا۔ جیسی میرے ساتھ چال چلی ہے ویسا ہی میں بھی بدلہ لونگا۔ مشاطہ پر فوجداری دعوے کرنے کو تیار ہیں۔ تمام عمر بیچاری عقوبت میں مبتلا ہے۔ طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں ہیں۔ کوئی بات نہیں کرتا روتی ہے مگر کوئی آنسو پونچھنے والا نہیں۔ اس سے بڑھکر اور کیا عذاب ہوگا کہ پیا ناراض ہو۔

اُدہر بھی یہی حال ہے۔ اگر بندہ پہلی رات اپنے آقا کو پسند آگیا تو ارشاد ہوتا ہے

سلامٌ قولاً من رب الرحیم۔ سلام علیکم طبتم فادخلوھا خلدین۔

ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ لا یمسھم فیھا نصب وما ھم منھا بمخرجین
مجازی دُلہن کو وہ مزہ اور نیند کہاں بہر جو بندہ مومن کو میٹھی نیند اپنی قبر میں آتی ہے۔ کما قال النبی علیہ الصلٰوۃ والسلام یقال للمیت الصالح نم کنومۃ العروس الذی

لایں قطہ الا احب اھلہ الیہ + اِس پیاری آواز کو سُن کر سونے والے قیامت تک بھی کروٹ نہ بدلیں گے۔ جب پیا ہی جگائیگا تو یعبادِ لاخوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون -کی آواز سُن کر اٹھیں گے۔ پیاری اور مبارک ہے وہ دلہن جس سے پیا خوش ہو جائے +

اور اگر خدا نہ کرے۔ سیاں خفا ہو گئے اور کوئی ادا بھی اس پردیسی مسافر کی انکو پسند نہ آئی۔ اور اُنہوں نے کہدیا سب کچھ سہی۔ لیکن صورت شکل تو کسی کام ہی کی نہیں یعنی بیڑا قلب جو میری جلوہ گاہ تھی وہی سیاہ ہو تو بس حیف صد حیف۔ دولہا نے خفا ہو کر مُنہ پھیر لیا۔ اور جھڑک کر سختی کے لہجہ میں فرمایا۔ فاذہبوا من النار و البسوہ من النار و افتحوا له بابا من النار +

اِس ہولناک آواز کا جو کچھ اثر اِس بدصورت دلہن پر ہوگا نعوذ باللہ من ذٰلك اب دیکھنا ہے کون کون سی سکھی پیا کے پاس چلنے کو بناؤ کرتی ہے۔ پیا ظاہر بین نہیں ہے بلکہ پیا کچھ اور چاہتے ہیں۔ وقت کو غنیمت سمجھو۔ موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ جس پر پیا کی نظر پڑتی ہیں اسکو بناؤ سے

کچھ تو کرلو بناؤ سے چلتے وقت جا کے صورت اُسے دکھانی ہو

یہی شادیاں ہیں اگر انہی پر غور کریں تو بہت کچھ راز کا پتہ چلتا ہو + فاعتبروا یا اولی الابصار۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ +

ھٰذہ نبذۃ مما علمنی ربی۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلك +

بندہ سعید دہلوی

۷۸۶

حمد

(سورۂ فاتحہ کا ترجمہ)

ہے نام سے خدا کے آغاز کا اجالا — جو مہرباں بڑا ہے بیحد جو رحم والا
تعریف سب خدا کو جو رب ہی عالموں کا — جو مہرباں بڑا ہے بیحد جو رحم والا
محشر کے دن کا مالک روز جزا کا والی — تجھکو ہی پوجتے ہیں ہم تیرے ہی سوالی
سیدھی ڈگر پہ لے چل ثابت قدم بنا دے — نعمت جنہیں عطا کی اُنکی روش سجھا دے
نے اُن کی راہ جن پر قہر و غضب ہوئے ہیں — نے اُن کی جو بھٹک کر گمراہ ہوگئے ہیں

آغا شاعر دہلوی

۷۸۶

نعت

خاطفِ شرک لامعِ توحید — نکلا غارِ حرا سے اک خورشید
ظلمتِ کفر ہوگئی کافور — نور تھے نور تھے وہ نور النور
ہاں وہ ہیں نور نورِ یزداں ہیں — مہبطِ جبرئیل و قرآں ہیں
نام اُن کا زباں پہ لاتا ہوں — نعمتیں دو جہاں کی پاتا ہوں
اے محمد اے احمد اے محمود ق اے بشیر اے نذیر اے مسعود
رہ نماؤں کا رہنما ہے تو — حق تو یہ ہے کہ حق نما ہے تو
کلمۂ حق سنا دیا تو نے — نقشِ باطل مٹا دیا تو نے

الف دین نفیس وکیل کیمبلپور

۴۶ء

نعتیہ قصیدہ

مطلع اول

ذوقِ جلوہ سے مٹے دہر کے رسم آئیں — دونوں رخصت ہوئے پہلو سے جنون و تمکیں
دیکھنا قوتِ تخئیل کے افعال ہیں — جانچنا طاقتِ اعمالِ نظر کے آئیں
ہیں یہ نقائص محال اور بصیر ممکن — واقف رازِ زماں کاشف اسرارِ زمیں
ہے وجود ان سے ہی تمیز و خرد کا قائم — اور بغیر ان کے کبھی معرفتِ حق بھی نہیں
فیض سے انکے ہی ادراکِ معائب حاصل — ذات سے انکی ہی عالم کے نقائص کا یقیں
انکے اجزا میں ہی پوشیدہ فساد و اصلاح — انکے اندام میں مضمر ہے جہاں کا آئیں
آگیا ان کے احاطہ میں وجودِ عالم — پالیا ان ہی تجارب سے ثبوتِ دارین
ساری ترتیب عناصر کے معلم یہ ہیں — ان ہی کے دم سے ہی اشیا کے حقائق کا یقیں
جتنے اجزا ہے بسیط اور مرکب موجود — انکے رازہائے حقیقت کے تجارب ہی امیں
امرِ مشہود میں کیا دخل توہم کو ملے — اجرِ اعمال کہاں اور کہاں صبر متیں
لائیں ادراک بدیہی میں دلالت کیسی — پائیں اوقاتِ معین میں کہاں سے تلویں
جب کہ ہو جاتا ہے اک شئے کا تیقن کامل — ٹوٹ جاتی ہیں توہم کی حدود و تخمیں
اور یہ کیفیتِ عقل و تمیزِ انساں — ان تعدد سے جسے نعمتیں عرفاں کی ملیں
اس صفت ناقصہ خلق کی وسعت علوم — ہو محیطِ جہتِ غیب یہ تقدیر نہیں
پردہ روسے حقائق ہیں یہ علم جوہر — یعنی وہ مادۂ دہرِ دل مار و طیں
ہست و بود اسکا ہے ترتیبِ عناصر کے سبب — جن کا ہر جزو وجودی ہے تغیر آئیں
کوئی ہے حسنِ حقیقی کہ تماشا اپنا — ہے فروغِ نگہِ خلق جمالِ شیریں
کوئی ہے ذات کہ ہے قادر و حی و قیوم — جس کا ہر عزم نقوشِ صفحاتِ ارضین

ایک بس اُسکا ہے انعامِ حقیقی سب پر   حُسن تمیز دیا تاکہ ہو تمیزِ حسیں
اپنی فطرت بھی اسی امر کی مامور بنی   کیفیت ہائے ترقی بھی اسی سے پائیں
دیکھنا جو ہے اندیشہ کی پرواز ذرا   دورِ ہستی بجز اک وہم کوئی بات نہیں
جس کی آنکھوں میں سمایا ہو محبت کا نظام   اُسکی نظروں میں تو ترتیبِ جہاں کچھ بھی نہیں
شورشِ دہر نہیں مرغِ نظر کی منزل   جس کی پرواز کا ہے پہلا مکاں عرشِ بریں
ہستیٔ دہر کی تکوین بسبیلِ اظہار   کون کہتا ہے نہیں نازشِ اوّل خود بیں
فکرِ حق جو نے غمِ عشق کا پہنا خلعت   جوششِ دل نے سنبھالا علمِ علم یقیں
جس کی تعمیر میں بس صرف ہوا خونِ نیاز   میں ہوں اُس خانۂ خمار کا مستِ دیریں
سرشارِ مئے الفت سے مرا ساغرِ جم   نشۂ شوق میں دل آئینۂ حُسنِ یقیں
گرمیٔ فکر! ذرا ضبط صدائے اعجاز ق خاک بھی فکر تجھے تنگیٔ ہستی کی نہیں
تیرے نغمے ہیں بتوصیف مسیحائے جہاں   تیری ہر بات میں اب جان نہ پڑ جائے کہیں

مطلع ثانی

جس کے ہر امر کی تحریر بنی حبلِ متیں   جسکے احکام کی تفسیر نقوشِ سنگیں
جس کے اندازِ جمالی میں بہارِ فطرت   جسکے اوصافِ جلالی ہیں اثارِ یاسیں
جس کے ہر عزم میں اک شانِ شگوفہ کاری   جسکے ہر جنبشِ مژگاں سے جہاں کی تزئیں
نقطۂ مرکزی پرکارِ جہاں کا وہ ہے   پیکرِ چہرۂ عالم کا ہے خالِ آذریں
بزمِ ایوانِ رسالت کا وہ شمعِ روشن   عرشِ تکمیلِ ولایت کے وہ خورشیدِ مبیں
مجمعِ اہلِ شریعت کے وہ سردارِ اتم   محفلِ اہلِ طریقت کے وہی صدر نشیں
مظہرِ ذاتِ خدا بوسۂ ظہیرِ توحید   مشعلِ نور اگر روحِ روانِ تمکیں
رہبرِ راہِ محبت کے وہی رہبر ہیں   منزلِ دشتِ حقیقت کے وہ خضرِ حق ہیں
موردِ لطف و عنایاتِ خدائے اکبر   ذاتِ اقدس ہے وہی مہبطِ جبریلِ امیں

اولیں موج یم عزم قدیر و خالق | آخریں نقطۂ بیضائے حروف تکویں
دور خود بینی سے اور قرب الٰہی حاصل | شمع فانوس حقیقت سے ہوئے نور آگیں
ذات مطلق سے ملا فیض کا تمغہ اُن کو | جو قریب اُن سے ہوا رب کا وہ حق کے قریں
جن کی تعلیم کا اک راز صریح "ما ینطق" لا | جن کی بس "یوحیٰ الی" سے ہے حقیقی تلقیں

غزل

اے مرے خضرِ ازل آپ سے پوشیدہ نہیں | اپنی یہ حالت ناگفتہ کہ دنیا ہے نہ دیں
ٹھوکریں سارے زمانہ کی کھلائیں مجھ کو | کیسا دشمن ہوا ایمان کا یہ نفسِ لعیں
آپ کے در کے سوا میرا ٹھکانہ ہے کہاں | جا کے یثرب میں نکل جائے مری جانِ حزیں
میرے عصیاں ہیں فزوں حد سے شفیعِ امت | مجھکو رسوا نہ کریں عرصۂ محشر میں کہیں
آپ کے در سے ملوں جا کے میں آنکھیں اپنی | آپ کے نقشِ کفِ پا پہ گھسوں اپنی جبیں
حسرتِ دید میں آنکھوں سے رواں سیلِ سرشک | حسرتِ عرضِ تمنا میں زباں صرفِ امیں
اپنے یثرب میں اے سرکار بلا لو مجھ کو | بدرؔ آشفتہ نوا ہند میں رہتا ہے غریب

ہو گئی حد سے فزوں ہرزہ سرائی تیری | تو کہاں اور کہاں نعت رسولِ برتریں
اے کہ وہ ذات مقدس کہ ہے ممدوحِ خدا | اسکی توصیف و ثنا بدرؔ ترے بس کی نہیں

احقر بدرؔ جلالی

نظم

مصطفےٰ اور ہم

سورج کی روشنی سے ذرات ہیں منور | پھیلا ہوا ہے جگ میں اک فرشِ نور یکسر
پانی کے بل پہ ہستی زرع و نخیل کی ہے | کہتے ہیں مصر جسکو بخشش وہ نیل کی ہے

بادِ صبا کے دم سے ہیں قہقہے گلوں کے — اور چہچہے ، گلوں کے ہنسنے سے ، بلبلوں کے
بادل کے فیض سے ہی آب بساطِ سبزہ — ہے رشحۂ کرم سے اسکے نشاطِ سبزہ
نیساں کی لطف ریزی یعنی صدف کو جاں ہے — موتی کھلا کھلا کر کرتی اسے جواں ہے
موجِ ہوا کے دم سے عالم کے دم میں دم ہے — تاکِ حیاتِ انساں کی رگ میں ابر سے نم ہے

مسلم کی زندگانی ہے نام مصطفیٰ سے
جیتا ہے دل ہمارا پیغام مصطفیٰ سے

مدفونِ خاک یثرب! ہم تجھسے جی رہے ہیں — آبِ حیات تیرے چشمے سے پی رہے ہیں
دانائے راز تو ہے ، ہم رازدا تیرے — تو صاحبِ تسلی ، ہم بے قرار تیرے
رقصاں ہمارے دل میں تجھ سے حرارتیں ہیں — مسلم کی آرزو کی اونچی عمارتیں ہیں
اقوامِ پاستاں کو دوراں مٹا چکا ہے — لکھی ہوئی ہمارے حق میں مگر بقا ہے
سونپے گئے ہیں ہمکو توحید کے خزانے — ہمکو امیں کیا ہے اس گنج کا خدا نے

ہم نام لیوا تیرے اے سرورِ جہاں ہیں
سالار تو ہمارا ، ہم تیرے کارواں ہیں

آئینۂ زمانہ گو پُر صُوَر رہا ہے — تجھ سا نگار اس میں کب رونما ہوا ہے
سینہ امیں ہمارا تیرے پیام کا ہے — جاں سے عزیز ہمکو پیغام یہ رہا ہے
مینارِ نور تو ہے ظلمت گہ جہاں میں — تیری طرف ہیں آنکھیں اس بحرِ بیکراں میں

عصرِ جدید گرچہ ظلمت میں مبتلا ہے
بے اختیار تیری جانب کو آرہا ہے

غلام محمد طور ایم اے

کملی والے ﷺ کی یاد میں

شبِ دیجور ہے اور عالمِ تنہائی ہے — گنبدِ چرخ پہ سنتا ہوں گھٹا چھائی ہے
یہ گھٹا بھی مجھے اک آفتِ بالائی ہے — دل کسی اور ہی سامان کا سودائی ہے
کملی والے کی کملیا مجھے یاد آئی ہے

آج میں خلوتِ تاریک میں گھبرا اُٹھا — درد ایسا کچھ اُٹھا دل میں کہ چلّا اُٹھا
بارہا کشمکشِ درد سے بیٹھا اُٹھا — شبِ تاریک کو مژدہ مجھے سودا اُٹھا
کملی والے کی کملیا مجھے یاد آئی ہے

آنکھ کیا اپنی دکھاتے ہیں یہ آہو مجکو — نافۂ مشک کی سب دیوے ہے خوشبو مجکو
سانپ ہیں حور کے بکھرے ہوئے گیسو مجکو — اے زباں کرنے بھی سنے نعرۂ یاہو مجکو
کملی والے کی کملیا مجھے یاد آئی ہے

ٹھہر اے بختِ سیہ آئی تباہی تیری — دیکھ کافور ابھی ہوتی ہے سیاہی تیری
کیا ہے سنبل جو یہ تصویر ہے آہی تیری — دلکو بھاتی نہیں نزدیدہ نگاہی تیری
کملی والے کی کملیا مجھے یاد آئی ہے

لے چلو چارہ گرو سوئے حریمِ کعبہ — سنگِ اسود ہوں وہاں ایک ندیمِ کعبہ
خاک اُڑاتا پھروں بن جاؤں نسیمِ کعبہ — کملی والے سے ملا دے گا کریمِ کعبہ
کملی والے کی کملیا مجھے یاد آئی ہے

لیلیٰ محملِ طیبہ کا تماشائی ہوں — خرقۂ سیدِ ابرار کا شیدائی ہوں
نہ میں دیوانہ نہ وحشی ہوں نہ ہرجائی ہوں — مستِ گیسوؤں والے کا میں سودائی ہوں
کملی والے کی کملیا مجھے یاد آئی ہے

ارشاد نظامی چشتی اکبرآبادی

نظم

یار کے جلوے

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۱۷)

باغ میں آگیا ہے موسم گل　　داروئے دردِ سینۂ بلبل
نافۂ چیں ہوا میں پھیل گیا　　جب کھلا پیچ طرۂ سنبل
برگ گل نے بھی یار کی خاطر　　باغ کی نالیوں پہ باندھا پل
ڈالی مالی نے توسن گل پر　　چادرِ گل کی ایک رنگیں جل
دیکھئے چشم نرگس مخمور　　کہ ہوئی مست یک قلم بے کل
چہکیں گلشن میں بلبلانِ سحر　　نکلا شیشہ سے نعرۂ قلقل
باز و دُرّاج کے گلستاں میں　　گل لالہ سے لال ہوئے چنگل
ایسی مستی میں ہو کے میں مخمور　　سر جھکائے ہوئے تھا از سر فرل
سوچتا تھا کہ یار سے میں ملوں　　ناگہاں یہ پکارا تھا صلصل

کہ بچشمانِ دل مبیں جز دوست
ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست

(۱۸)

جو کہ رکھتا ہے تیرے عشق کا دھیان　　ہیچ ہے اُس کے آگے سارا جہان
تیرے تیر نگہ سے دل میرا　　دیکھ رکھتا ہے سیکڑوں ہی نشان
میرا صوفی بھی ہے عجب آزاد　　کہ ہے عشاق سے بھی رو گردان
ہیں خطائیں مری جو لا محدود　　یار کا رحم بھی ہے بے پایان
دلبر کو دل نہ دیگا وہ　　جس کا دلبر ہو تجھ سا جانِ جہان

گر وہ دوست میں تو اپنا سر — کر دے قربان کچھ نہ ہو نقصان
عمر بھر جب رسائی کر کے ملے — تجکو بھی یار بزم مہرویان
قتل کرنے کو میرے ترک مرا — ساتھ رکھتا ہے تیغ خون افشان
جو نہیں جانتا اس اک کے سوا — یہی کہتی ہے ہر دم اسکی زبان

کہ بچشمانِ دل مبیں جز دوست
ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست

(۱۹)

قرب اُس کا وصال کہتے ہیں — وصل اُس کا محال کہتے ہیں
چاند کی طرح دیکھتے ہیں منہ — ابروؤں کو ہلال کہتے ہیں
اُس کی زلف و دہان کو کاتب — سہو سے میم و دال کہتے ہیں
میرے دل کے شرار کا ہی داغ — اُسکے منہ پر جو خال کہتے ہیں
لب لعلین کے جو ہیں میخوار — جام جم کو سفال کہتے ہیں
تخت شاہنشہی کو تیرے گدا — پائے وصف فعال کہتے ہیں
ناقص العقل جاہ دنیا کو — پائیگاہِ کمال کہتے ہیں
قصۂ ناقبول و قول قبیح — بیہدہ قیل و قال کہتے ہیں
صوفی ہر دم سے صفا میں یہی — از سر وجد و حال کہتے ہیں

کہ بچشمانِ دل مبیں جز دوست
ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست

چند سروپ چاند۔ لاہور

دل مجروح کے ٹکڑے

(دربار فریدؒ میں)

تیری شانِ بندہ نوازی کے صدقے۔ تو نے کھینچا اور یہ مستانہ فقیر آرزو کی جھولی میں زخمی دل کے ٹکڑے رکھکر آپہنچا۔ شوق نے کہا فریدؒ کا دربار سخی کی سرکار ہے کہو من مانی مرادیں پاؤ گے۔ بیتاب دل اُٹھا اور زبان کو ترجمانی کی خدمت کیلئے بولایا +

وظیفہ ہو کے زبانوں پہ نام ہے تیرا ۔۔۔ سرور بن کے دلوں میں مقام ہے تیرا
کِھلے ہوئے ہیں گلِ چشت جا بجا آقا! ۔۔۔ مثالِ نکہتِ گل فیض عام ہے تیرا
ترے غلاموں میں دیکھا ہے رنگ محبوبی ۔۔۔ نظامِ دینِ محمد نظام ہے تیرا
عیاں ہے شان ایوبی ترے مریدوں میں ۔۔۔ وہ سید صابرؒ عالی مقام ہے تیرا
مجھے بھی بادۂ الفت سے کچھ عنایت ہو ۔۔۔ کہ پُر شراب حقیقت سے جام ہے تیرا
کرم کرم کہ مصیبت زدہ ہے یہ سید ۔۔۔ غریب و بیکس و مضطر غلام ہے تیرا

مٹا مٹا مرے دل سے تو نقش کثرت کا
دکھا دکھا مری آنکھوں کو جلوہ وحدت کا

گِرا ہوں در پہ ترے حرفِ آرزو ہوکر ۔۔۔ میں آبِ چشم سے آیا ہوں باوضو ہوکر
خدا کا شکر ہے پہنچا ہوں آستانہ پر ۔۔۔ دکھائی دیتا ہے مجکو وہ آج "تو" ہوکر
تمہارے پاس میں آیا ہوں دیکھنے اُس کو ۔۔۔ جو چھپ رہا ہے قریب رگِ گلو ہوکر
خیالِ ہستیٔ باطل مٹا مرے دل سے ۔۔۔ پھنسا رہا ہے مجھے وہم ما و تو ہوکر

نگاہِ لطف و کرم سے اُدھر اشارہ ہو — زمانہ دشمن جاں ہے مراعدو ہوکر
زباں پہ میری ہو جاری ترانۂ منصورؔ
ہو ایک میری نظر میں یہ اکرو ندکرو

محمد حنیف چشتی (اسیدؔ)

لمعہ

رباعیات امجدؔ

سبحانہٗ اعظم شانہٗ

اے خالق دو جہاں! خدائے اکبر! — از چشم کرم بحال زارم بنگر
در حالتِ اضطرارِ عبد بیکس — یا رب سواک من یجیب المضطر

استرحام

تن ہست کہ دادہ ایم یارب در خاک — سر ہم بنہادہ ایم یارب در خاک
تا بر ترحم تو سر سبز کند — چوں دانہ فتادہ ایم یارب در خاک

اذکرونی اذکرکم

غم سے ترے اپنا دل نکیوں شاد کروں؟ — جب تو سنتا ہے۔ کیوں نہ فریاد کروں؟
میں یاد کروں۔ تو تو مجھے یاد کرے — تو یاد کرے۔ تو میں نکیوں یاد کروں؟

امن یجیب المضطر

تا چند مصیبت میں گزاروں یارب! — کیونکر ترے در پہ سر نہ ماروں یارب!
لے دیکے غریب کو سہارا ہے ترا — جب تو نہ سنے کسے پکاروں۔ یارب

مجیب الدعوات

بیتاب کو تاب دے مجیب الدعوات! — لب تشنہ ہوں۔ آب دے مجیب الدعوات!

سو مرتبہ میں تجھے پکاروں لیکن — تو بھی تو جواب دے بحبیب اللہ عوات ا

جواب

دل سے تجھے کیوں نہ چاہوں بلی بلی — میں تجھ پہ نہ کیوں فدا ہوں بلی بلی
عبدی عبدی اُدھر سے آتی ہے صدا — میں درد میں کہہ رہا ہوں دبی دبی

امجد حیدرآبادی

تازہ غزلیں اور نعتیں

(۱)

نتیجۂ فکر ہز اکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت جی سی آئی ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی المتخلص بہ شاد تلمیذ حضرت آصف غفران مکان علیہ الرحمۃ

کان عرب سے لعل نکلکر تاج بنا سرداروں کا — نام محمدؐ اپنا رکھا سلطان بنا سرکاروں کا
باندھکے سر پر سبز عمامہ کالی کملی اوڑھکر نکلی — ساری خدائی اپنی کر لی مختار بنا مختاروں کا
تیرا چرچا گھر گھر ہے جلوہ دل کے اندر ہے — ذکر ہی تیرا لب پر جاری دلدار بنا دلداروں کا
روپ ہے تیرا سچی سچی نور ہے تیرا سچی سچی — مہر و مہ کو تجھ سے رونق نور بنا سیاروں کا
اُمی گو سب کہتے تھے علم لدنی کا تھا عالم — راز بھرا تھا سینے میں قرآن کے سیپاروں کا
بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ تھے چار عناصر ملت کے — کثرت وحدت میں دیکھے حال ہے تھا ان چاروں کا

بادۂ عرفاں دیتا ہے ساقی وحدت کے میخانے سے
شاد مقدر فضل خدا سے جو انکا اب میخواروں کا

(۲)

(از جناب سید محمد جعفر صاحب قدسی جائسی)

نظر سے دور تر ہو یا قریں ہو ۔ تمہارے ساتھ دل ہے تم کہیں ہو
خدا ہے چاہنے والا تمہارا ۔ تمہیں محبوب رب العالمیں ہو
نہیں کونین میں ثانی تمہارا ۔ تم اس دفتر میں نقش اولیں ہو
نزولِ وحی باری ختم تم پر ۔ کلام اللہ کی منزل تمہیں ہو
نہ کیوں دامن سے وابستہ ہوں عاصی ۔ تمہیں تو رحمۃ للعالمیں ہو
تمہیں ہو طلعت سیمائے آدمؑ ۔ تمہیں اک نور عالم آفریں ہو
تمہیں سے انبیاء کا نام روشن ۔ تمہیں اس سلک میں دُرِ ثمیں ہو
کوئی سر ہے بظاہر فصل تمکین ۔ حقیقت میں تم اس سے بھی قریں ہو
تمہیں یوسف سے کیا نسبت مری جاں ۔ عزیز خاطرِ حسن آفریں ہو
تمہارا ہی میں کلمہ پڑھ رہا ہوں ۔ جہاں بھر میں مرے سب کچھ تمہیں ہو

کوئی پہلو میں قدسی اور بھی ہے
تمہیں اک اُس کے شیدائی نہیں ہو

(۳)

(از جناب ابو البیان محمد رضا صاحب رضا صدیقی ۔ الہ آبادی)

مرنے کی کچھ خوشی ہے نہ جینے کی آرزو ۔ ہے کوئی آرزو تو مدینے کی آرزو
دریائے معصیت میں پھنسا ہوں میں المدد ۔ ہے آپ کے کرم کے سفینے کی آرزو
جنت کا کچھ خیال نہ حوروں کی خواہشیں ۔ دل میں بھری ہے دشت مدینے کی آرزو
سودائے عشق احمد مختار سر میں ہے ۔ سینے میں ہے ہمارے مدینے کی آرزو
کعبہ کو جاتے جاتے قدم آج پھر گئے ۔ دامن کشاں ہوئی جو مدینے کی آرزو

تھا یہ سے سفر سوئے طیبہ نصیب ہو	اک عمر سے ہے ایسے مہینے کی آرزو
کنج لحد پہ طور کے جلوے نثار ہیں	دلمیں جھلک رہی ہے مدینے کی آرزو
ہم بیخودوں کو کوثر و تسنیم سے غرض	ہاں اُنکے ہاتھ سے تو ہے پینے کی آرزو
پہلو میں تیرے طور کا جلوہ ہے اے رضا	ہے جلوہ ریز دل میں مدینے کی آرزو

(۴)

از جناب ڈاکٹر محمد قمرالدین صاحب قمرؔ ہلالی شاہ نظامی حیدرآبادی

محبت مصطفےٰ کی دلمیں اے ناداں پیدا کر	اگر انسان ہے انسانیت کی شان پیدا کر
تری عمر رواں ہے پا بجولاں تو ہے غفلت میں	سفر درپیش ہے عقبےٰ کا کچھ سامان پیدا کر
صفائی قلب کی کر لے کسی پیر طریقت سے	مکاں خالی ہے رہنے کیلئے مہمان پیدا کر
مرے گھر آج آیا ہے وہ دلبر بعد مدت کے	نہ اسمیں انقلاب گردش دوران پیدا کر
تری شہ رگ سے بھی نزدیک تر وہ یار رہتا ہے	فدا کر غور دلمیں اور اسکا دھیان پیدا کر
ترے آئینۂ دلمیں تماشا ہے خدائی کا	مراقب ہو فدا گردن جھکا پہچان پیدا کر
نہ سو کھ اے دیدۂ تر یاد محبوب الٰہی میں	سمندر کیطرح اپنے میں اک طوفان پیدا کر
قمرؔ کیا غم ہے دنیا کا کرم اسکا ہے بے پایاں	بھروسہ اُسکی رحمت کا ہے اطمینان پیدا کر

(۵)

از حضرت قسطاس مراد آبادی

یہ سب حق ہی حق ہے نہ میں ہوں نہ تو ہے	اَنَا اَنتَ کی یہ غلط گفتگو ہے
یہ حیرت ہے جس کی مجھے جستجو ہے	وہ آئینہ رو خود مرے روبرو ہے
نہیں سوجھتا کچھ بجز دوست مجکو	جسے دیکھتا ہوں وہی ہو بہو ہے
وہی خود ہے لیلیٰ وہی خود ہے مجنوں	وہی سرخ رو ہے وہی زرد رو ہے
سنایا تھا جس نے الست کا نغمہ	خدا کی قسم تو وہی خوش گلو ہے
من و تو نہ قسطاس وہم و گماں ہیں	یہ تفصیل اجمال کی ہو بہو ہے۔

رسالۂ

اسرار الصلوٰۃ

مصنّفہٗ

حضرت خواجہ میر درد رحمہ اللہ دہلوی

مترجمۂ

جناب مولوی حکیم ناصر نذیر فراق دہلوی

سنہ ۱۳۳۵ھ

مُلا محمد الواحدی نے اپنے
درویش پریس دہلی میں طبع کرا کے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اس چھوٹے سے رسالہ کے مصنف حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ دہلوی ہیں جنکے نام نامی سے سارا ہندوستان واقف ہے۔ آپ میر تقی صاحب میر۔ اور میرزا رفیع السودا صاحب کی طرح اردو زبان کے ایک رکن اور موجد ہیں۔ میر حسن دہلوی مثنوی سحر البیان کے مصنف یا میر انیس صاحب لکھنوی کے دادا آپکے شاگرد تھے۔ میرے استاد شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے تذکرہ آب حیات میں اگرچہ آپکے کچھ حالات لکھے ہیں۔ مگر آپکے کمالات اور مقامات معرفت کے لکھنے کے لیئے دفتر درکار ہیں۔ اُنکا علمی تبحر اور آپکے فقر و عرفان کے درجوں کا پتہ آپ کی تصنیف سے خوب چلتا ہے۔ مجھ ناچیز کے قلم سے اُن کا ایک شمہ بھی نہیں لکھا جا سکتا۔ البتہ یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اگلے زمانہ میں ہوتے تو حضرت امام غزالی اور محی الدین بن عربی جیسے اہل سلوک و معرفت میں گنے جاتے۔ آپ حسینی سید اور خواجہ سید بہاء الدین نقشبند رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن عسکری علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نواب احمد علیخاں صاحب کی دختر نیک اختر تھیں۔ یہ وہ نواب احمد علیخاں ہیں جن کی مدح میں میرزا رفیع السودا نے

قصیدے لکھے ہیں۔ اور نواب صاحب نے اُنہیں اُنکے صلہ میں بہت کچھ دیا ہی۔ نواب صاحب پانی پت کے مقام پر نادر شاہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ اور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ دلی میں تین گھرانے سادات کے ضرب المثل تھے۔ ایک جناب امام حسن کا دوسرا فوجدار خاں کا۔ تیسرا خواجہ میر درد صاحبؒ کا۔ مگر غدر ۱۸۵۷ء کے بعد تمام خاندان پر ایسا زوال آیا کہ ساری خوبیوں پر پانی پھر گیا۔ اور آپ کے متوسلین نے نئے نئے طریقے اور نئے نئے چلن اختیار کرلئے۔ خواجہ میر درد صاحب اپنے والد بزرگوار خواجہ سید محمد ناصر عندلیب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں اور خواجہ محمد ناصر صاحب کو ظاہری بیعت خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ یعنی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے پڑوتے صاحب سے تھی۔ مگر ایک خاص نسبت نے واسطہ اور بالمشافہ حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔ جسکا نام نسبت محمدیہ ہے۔ اسی واسطے خواجہ میر درد صاحبؒ اپنی تصنیف میں جابجا فرماتے ہیں۔ "ما محمدیان خالص مستیم"۔ اگرچہ آپ نقشبندی ہیں۔ مگر سماع آپنے اس دھوم دھام سے سُنا ہی کہ حضرات چشت کو حیرت ہوتی تھی۔ آپ محمد شاہ کے عہد میں گزرے ہیں۔ میرزا جان جاناں مظہر رحمۃ اللہ علیہ اور جناب مستطاب حضرت مولانا فخر الدین چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ آپکے ہمعصر ہیں۔ فقیر حقیر ناصر نذیر فراق دہلوی بھی آپ کا نواسہ کہلاتا ہے۔ مگر بزرگوں کے جوہر اور کمالات سے نابلد ہے "میراث پدر خواہی علم پدر آموز"۔ حضرت ممدوح نے ۲۴ صفر ۱۱۹۹ھ جمعہ کے دن ۶۳ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ ترکمان دروازہ کے باہر جہاں آپکا مزار مبارک ہے وہ جگہ باغیچی کہلاتی تھی۔ مگر ہوائے بے تمیزی نے اُسے ویران کردیا۔ چونکہ فی زمانہ اردو کا مذاق جوش مار رہا ہے۔ اور عربی فارسی کے خزانے اردو کے قالب میں ڈھلکر رائج ہو رہے ہیں۔ اِس لئے میں نے رسالہ اسرار الصلوٰۃ کا ترجمہ اُردو میں

سلہ یعنی آپکے رسالہ نظام المشائخ کے اڈیٹر ملا واحدی صاحب کا خاندان ۱۲

لکھکر اپنے محب صادق مولانا سید محمد ارتضیٰ صاحب واحدی سلمہ اللہ تعالیٰ اڈیٹر رسالہ نظام المشائخ ومالک درویش پریس دہلی کی خدمت میں پیش کیا ہے تاکہ وہ اِسے جس طور سے مناسب سمجھیں اپنے پریس میں چھاپ کر شائع فرمائیں۔ اور ترجمہ کے سقم کو وہ خود بھی نیز جملہ ناظرین بھی میری کم سوادی پر محمول فرماکر معاف کریں۔

(وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین)

فقیر حقیر ناصر نذیر فراق دہلوی

ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

روڈگران۔ مدرسہ اراد تمند خاں مکان میر ظریف صاحب

دہلی

اسرار الصلوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الذی ھو افضل المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ٭ **اما بعد** بندہ پُرتقصیر خواجہ **میر محمدی** المتخلص بہ **درد** غفراللہ عرض کرتا ہے کہ جب معبود برحق اور ہادی مطلق نے حضرت قبلہ گاہی مدظلہ العالی کے طفیل اور توجہ سے مجھ عاجز پر نماز کے بھید میرے حوصلہ اور میری استعداد کے موافق کھولے تو مجھے اُنکے لکھنے کی توفیق بھی عنایت کی۔ اور جب اُن کا ایک چھوٹا سا رسالہ بن گیا تو میں نے اُسکا نام **اسرار الصلوٰۃ** رکھا۔ یقین ہے کہ اِسکے مطالعہ سے عابد اور عارف لوگ لطف بھی اُٹھائینگے اور اپنے مقامات میں ترقی بھی کرینگے۔ اسرار الصلوٰۃ میں باب کے بدلے میں نے سِتر کا لفظ لکھا ہے اور چونکہ نماز کے سات رکن ہیں۔ اِسلیئے میں نے بھی اسمیں سات ہی سِتر قائم کیے ہیں۔ مگر اِسکا فلسفہ اور حکمت خدا ہی جانتا ہے کہ نماز میں خاصکر سات ہی رکن کیوں رکھے گئے ہیں۔ اِسلیئے کہ عبادت کے امور میں عقل کو دخل نہیں ہے۔ مگر یہ دوسری بات ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے کسی بندہ پر کچھ اسکے نکتے کھولدے۔ ذرا غور فرمائیے۔ خدائے تعالیٰ نے اِس جہان کی بنیاد سات ہی سات چیزوں پر رکھی ہے۔ آسمان سات ہیں۔ سیارے سات ہیں۔ زمین کے طبقے سات ہیں۔ دنیا کی ولائتیں سات ہیں۔ حضرت انسان کہ عالم صغیر اُسے کہہ سکتے ہیں۔ اُسکے ظاہری جسم میں ہفت

اندام ہیں۔ اور اُسکی باطنی ہستی کہ عالم امر سے بنائی گئی ہے اسمیں لطیفے سات ہیں ہفتہ کے دن سات ہیں۔ اسی طرح خداوند کریم نے نماز کو سات رکن سے اس طورسے بنایا کہ بغیر اُنکے نماز پوری نہوگی۔ وذٰلك تقدیر العزیز الحکیم جس صوفی نے اپنے ہفت اندام کو سنوارا اور تزکیہ کے سات اُنہیں ٹھیک کیا۔ اور اپنے سات لطیفوں کو بھی ماسوی کی آلودگیوں سے پاک کرلیا تو اُسوقت وہ درحقیقت نماز پڑھنے کے قابل بنا۔ اور اُسکی نماز پوری اور قبولیت کے لائق ہوگئی۔ اور اگر ہفت اندام یا ساتوں لطیفوں میں سے ایک لطیفہ کے اندر بھی کچھ خلل رہا تو ساری نماز اُسکی اینڈ ہو جائیگی اور نماز کی شرطوں اور اُسکے ارکان میں فتور پڑجائے گا۔ اور اہل دل کے نزدیک اُسکی نماز ناقص ہوگی۔ جس طرح نماز کے رکن سات ہیں۔ اسیطرح نماز کی شرطیں بھی سات ہیں۔ ہفت اندام کی درستی نماز کی شرطوں سے واسطہ رکھتی ہے اور لطیفوں کا وسوسوں اور خطروں سے پاک کرنا نماز کے ارکان سے تعلق رکھتا ہے ٭

پہلا سِرّ

نماز کی حقیقت اور نماز کی فضیلت اور عروج کے بیان میں جو نماز کے اندر حاصل ہوتا ہے اور نیت اور تکبیر تحریمہ اور خدائے پاک کے اُس نام کے ذکر میں جسکا اسوقت پر توہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ارشاد کرتا ہے ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی۔ دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے اقم الصلوٰۃ لذکری۔ ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ نماز بالطبع فحش اور بُرے کاموں اور غفلت سے ہٹنے والی ہے۔ اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ لگن لگانے والی۔ نماز کے اندر ساری عبادتوں کا مزا ہے۔ اور تمام بندگیوں سے بڑھ چڑھکر ہے۔ جس طرح نماز کے ظاہری جزوں میں سے قرآن کا پڑھنا۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے۔ اسی طور سے

نماز کے باطنی مرتبوں میں سے قرآن کی حقیقت اور کعبہ کی حقیقت تک پہنچنا ہی نماز عالم امر میں سے ایک چیز ہے۔ اور خاص ملائکہ اور ملاء اعلےٰ کا شغل ہے۔ نماز کی اصلیت اللہ تعالی کے اُس نام سے متعلق ہے جیسے یا جامع کہتے ہیں۔ اور نماز کی اصل الاصل اُس معبود برحق کی صفت الحیات ہو۔ کوئی طالب العلم اس اصل کا نام سُنکر یہ نہ سمجھے کہ اسکے مقابلہ میں فرع بھی ہوگی۔ حاشا و کلا۔ یہ اصل اُس جزو فرع سے جو طلبا کی منطق اور حکیموں کی حکمت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ پاک ہو۔ مگر جب مکاشفہ میں معلوم ہوا کہ نماز میں بہت سے باطنی مقامات ہیں۔ اور ایک مقام دوسرے سے بڑھ چڑھکر ہے اور اُن سب مقاموں میں ایک مقام فوق الفوق یعنی چوٹی کا یا سب سے اوپر ہے۔ اور عالم مثال میں اُسکا رنگ حقیقت جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس لیئے اصل الاصل کہدیا ہے اور اب شائقین کی سمجھ میں آجائے گا کہ اس پاک مرتبہ میں تبعض اور تجزی یعنی ٹکڑہ ٹکڑہ ہونے یا جزو جزو ہو جانے کو اصلاً دخل نہیں ہے تو جس طرح یہ حیات خدا کے صفاتی نام کی جامع ہے اسی طرح نماز کی حقیقت سب اعیان اور حقیقتوں کی جامع ہو اسی لیئے نماز ہر شخص پر فرض کی گئی ہے۔ اور اُسکا ادا کرنا لازم ہو گیا ہے۔ اور آدمی تو آدمی ہے نماز ساری مخلوق پر واجب کی گئی ہے۔ آدمی اگر پوری نماز ادا کرتا ہے تو نماز کے بعض بعض رکن اور مخلوق کے حصہ میں آگئے ہیں۔ چاند سورج اور ستاروں کی پیشانی زمین کی طرف جھکی ہوئی ہے۔ گویا وہ سجدے میں مشغول ہیں۔ پہاڑ اور درخت قیام کی حالت میں ہیں۔ چارپایہ جانوروں کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہی سب رکوع میں ہیں۔ چنانچہ خدائے تعالی اسکی طرف اشارہ کرتا ہے الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السمٰوٰت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب کثیر من الناس۔ اور وجدان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کی اصل الاصل صفت حیات ہو۔ اور صفت الحیات خدا کے سارے صفاتی ناموں کی

جامع اور اُنسے رتبہ میں اعلیٰ ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ خدا کے صفاتی نام بھی نماز سے خالی نہیں ہیں۔ اگر اسمائے صفاتی کے نماز ادا کرنیکے معنی نہ سمجھے ہو تو سمجھ لو کہ اسمائے صفاتی کا خدا کی ذات مطلق کی طرف رجوع کرنا ہی اُنکی نماز ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی اسکی گواہ ہے۔ قف یا محمد ان ربك يصلي۔ جب حضورؐ معراج کی شب کو پردہ وحدانیت کے پاس پہنچے تو آواز آئی "محمدؐ ذرا ٹھیرئیے تمہارا رب نماز ادا کرتا ہے"۔ اس صفت حیات کے کہنے سے کوئی یہ نہ خیال کرے کہ جیسی ہماری تمہاری حیات ہے ایسی ہی خدا کی حیات بھی ہوگی۔ ہماری تمہاری حیات کے مقابلہ میں ممات موجود ہے۔ خدا کی حیات اُس سے مبرّا و منزہ ہے۔ وهو الحي القيوم۔ جن حضرات کے قدم منصب امامت تک پہنچے ہیں اُنہیں نماز کی پوری پوری حقیقت کھلی ہے اور وہی حضرات۔ اولیاء اللہ اور مقربین درگاہ کے پیشوا مانے گئے ہیں۔ اور ان حضرات کی پیروی سب پر لازم ہوگئی ہے اور اسی مرتبہ عالیہ کے رئیس اور سردار جناب حسنین علیہما السلام ہیں۔ یہ حدیث اس کی طرف اشارہ کرتی ہے سيدا شباب اهل الجنة الحسن والحسين۔ اگر کسیکو منصب امامت کی تفصیل دیکھنے کا شوق ہو تو وہ مکتوبات امام برحق مدظلہ العالی کو دیکھے اُنکے مطالعہ سے اِس مقام کی حقیقت اُسے خوب معلوم ہو جائے گی۔ الغرض عارف جب نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اُسے اپنی حقیقت سے اوپر عروج حاصل ہوتا ہے۔ اور ان تجلیات فوق الحقیقۃ سے قسرۃ[1] سراہ حظ وافر اٹھاتا ہے۔ اور یہ شبہہ بالکل نامناسب ہے کہ قسر کے لیے میل طبعی لازم ہے۔ اس مقام عروج میں میل طبعی سے کچھ سروکار نہیں ہے میں عرض کرتا ہوں۔ ہرچند کہ عالم باطن میں کہ وہ مجردات سے ہے میل طبعی نہیں ہے مگر میل ذاتی ضرور ہے۔ آپ قرآن مجید کو دیکھئے والی اللہ ترجع الامور کلها۔

---

[1] زبردستی کسیکو کسی کام پر لگانا۔ اور حرکت قسری وہ حرکت جسکا محرک کوئی دوسرا ہو +

۶۸۹

اصنام العرب

مؤلفہ

جناب مولوی سید ظفر احسن صاحب علوی
ناظم دائرۃ الادب دہلی

جس میں عرب کے علم الاصنام پر نہایت تفصیلی اور تاریخی معلومات جمع کردیگئی ہے۔ اسکے ملاحظہ سے آپکو معلوم ہوگا کہ دنیا میں بُت پرستی کیونکر پیدا ہوئی۔ اور اسکا موجد کون تھا۔ اور پھر خانہ کعبہ میں ان بتوں نے کیونکر رسوخ اور دخل پایا۔ کون بُت کہاں بنا۔ کہاں نصب ہوا۔ اور کب کس نے اسکو توڑا اور اہل عرب کیا سمجھکر ان بتوں کو پوجتے تھے

ملا واحدی نے اپنے درویش پریس دہلی میں چھاپکر شائع کیا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریب

دنیا میں ہمیشہ، ہر قوم نے اپنے اکابرِ سلف، اور ماضی کے عظیم الشان واقعات کی یاد زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور ایسے بزرگترین لوگوں کی عظمتیں، یادگاروں عمارتوں، تاریخوں، تہواروں اور مجامع ملیہ کے ذریعہ قائم و محفوظ رکھی گئی ہیں!

۔ یہی وہ چیز ہے جس کو اقوام متمدنہ نے آج "مشاہیر پرستی" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

مگر یہ ایک دلخراش کہانی ہے کہ انسانوں نے ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں اپنے زندہ شرف کو پتھروں کے ناجائز احترام میں غارت کر دیا ہے!

چنانچہ وہ ارباب نظر جنکو اصنام پرستی کی افسوسناک تاریخ پر عبور ہے، اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہی مشاہیر پرستی جو تذکارِ اعمال کے مقصد واحد سے اِستعدادِ حیات پر ور ہے، آگے چلکر، دو تین نسلوں کے بعد، افراد و اسماء کی پرستش محض

سکھا کر انسانی جماعتوں کو، کیونکر بت پرست بنا دیتی ہے ؟

اسلاف پرستی کا مادہ فطری ہی، مگر نہایت خطرناک، یہ بسا اوقات اپنے معتدل حد تفہم سے ہٹ گیا ہے، اور اس طرح اسلاف پرستی کے زنجیر عمل کی کڑیوں سے ہمیشہ اصنام پرستی کی ایک دوسری کڑی ہم رشتہ ہوتی گئی!

اسلاف پرستی، با اصنام پرستی تک منجر ہوتی ہے: اور یہ سب ظاہر ہے، چنانچہ اسی ضلالت عمل کی ایک عمیق، مگر واضح ترین مثال یہ بت پرستی ہی!

یہ موضوع حقائق و معارف کے لحاظ سے نہایت اہم ہی۔ مگر ہمارے مکرم دوست سید ظفر حسن صاحب علوی نے ایک سرسری نظر تاریخی حیثیت سے اس مسئلہ پر ڈالی، اور ایک موزوں اختصار کے ساتھ اس مبحث کے جملہ کوائف، قلمبند فرمائے اور اس طرح اصنام العرب کے نام سے حشو و زوائد سے پاک اپنی تالیف پیش کر دی!

علوی صاحب میرے محترم دوست ہیں، اور یہ ان کا حسن اخلاق ہے کہ مجھ سے اس تالیف پر تبصرہ کے خواہشمند ہیں!

اس تحریر پر کسی مقدمہ کی ضرورت نہیں، سوائے اسکے کہ میں بارِ ثانی یہ عرض کروں کہ آپ تالیفات کی تلخیوں سے واقف ہیں، اور آپ اس مشقت و زحمت سے بھی خبردار ہیں جو ایک مؤلف کو اپنے موضوع سخن کے لیے بڑی بڑی ضخیم کتابوں کی ورق گردانی، اور اخذ و اقتباس، نیز تزئین و ترتیب، میں اٹھانا پڑتی ہیں!

پس یہ تحریر اسی قدر و منزلت سے مطالعہ کے قابل ہے، جسکے لیے حقیقۃً ایسی تحریریں موزوں ہوں +

خلیقی دہلوی

۲۴- اکتوبر ۱۹۱۶ء

اصنام العرب

بُت پرستی کا آغاز

تمہید

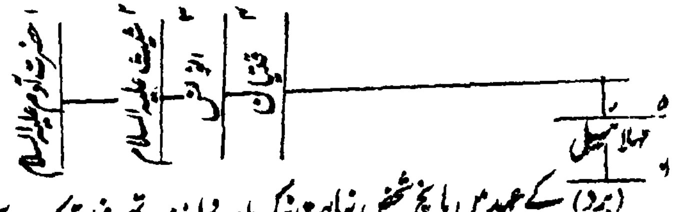
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

اس عنوان کے تحت میں یہ عرض کیا جاتا ہے کہ دنیا میں بت پرستی کا موجد کون ہوا، اور ان پتھر کی صورتوں نے رفتہ رفتہ پرستش کی عزت کیونکر پائی +

(۲)

حضرات! اس لاعینی بدعت کا رواج، حضرت آدم علیہ السلام کی پانچویں پشت کے عہد میں اسطرح پر آغاز پذیر ہوا +



(یرد) کے عہد میں پانچ شخص نہایت نیک اور ہر دلعزیز تھے. مخلوق کو ان سے بیحد فوائد و آرام پہنچتے تھے،

تقدیر الٰہی نے (ود) (سواع) (یغوث) (یعوق) (نسر) ان پانچوں کو ایک ہی ماہ کے اندر مخلوق سے چھین لیا،

مرنے والوں کا ماتم بہت زور شور سے ہوا، متوفیوں کے اعزہ و احباب کیلئے یہ صدمہ جب ناقابلِ برداشت معلوم ہوا تو اولادِ قابیل میں سے ایک شخص نے متوفیوں کے اعزہ و احباب سے تحریک کی کہ "اگر آپ لوگ پسند کریں، تو ان لوگوں کے ہمشکل پانچ مورتیں پتھر کی میں بنادوں۔ بلحاظ شکل و صورت تو کوئی فرق معلوم نہ ہوگا، البتہ نقل و حرکت اور نطق جسکا تعلق روح سے ہی یہ نہ ہوسکیگا"،

متوفیوں کے ورثا، و احباب نے اس تحریک کو اس لحاظ سے بہت زیادہ پسند کیا کہ شاید ہمارا غم کچھ اسی سبیل سے غلط ہو۔ اور ہم کسی بہانہ سے کسی دوسرے شغل میں مصروف تو ہوسکیں،

چنانچہ محرک نے حسب وعدہ پانچ مجسّمے بناکر ایک خاص مقام پر کچھ عرصہ بعد کھڑے کردیئے،

جن لوگوں کی خواہش پر۔ یہ مجسّمے تعمیر ہوئے تھے وہ نہایت محبت کے ساتھ انکو دیکھتے تھے۔ واقعی طور پر غم غلط کرنے کی یہ ترکیب بہت مفید ثابت ہوئی،

ان کی محبت میں رفتہ رفتہ تعظیم نے بھی دخل پایا۔ مگر انکے بعد جب انکی نسل نے ہوش سنبھالا، تو محبت و تعظیم کے ساتھ ساتھ عقیدت نے بھی رنگ جمایا،

غرضیکہ محبت، تعظیم، عقیدت ان تینوں چیزوں نے ملکر ان مجسّموں کا وہ رتبہ نہ رکھا جو انکے پیشروں نے قائم کررکھا تھا،

جب یہ نسل بھی رخصت ہوئی، اور تیسری نسل نے ہوش سنبھالا تو جو کچھ یہ اپنے بزرگوں کا برتاؤ، و سلوک ان مجسّموں سے دیکھتے آئے تھے اسپر بہت کچھ مبالغہ کیا و فورِ تعظیم و عقیدت نے یہ عقیدہ دلمیں پیدا کردیا کہ یہ بُت ضرور خدا سے ہماری سفارش

کرینگے،

اِس جہالت نے اِسقدر استقلال کے ساتھ اشاعت پائی کہ تمام آدمیوں نے اُنھیں کی پرستش شروع کردی،

یہانتک کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں خدا کو کوئی جانتا بھی نہ تھا حضرت نوح علیہ السلام سابقہ وحدانیت کو ہر چند زندہ کرنا چاہتے تھے۔ اپنی قوم کو ہر طرح سمجھاتے تھے مگر اُنکے وعظ کے مقابلہ میں ان کی قوم کے سردار اپنی قوم کو یہ ہی سمجھاتے رہے کہ

لا تذرن الهتكم ولا تذرن ودًّا — نہ چھوڑیو اپنے ٹھاکروں کو۔ اور نہ چھوڑیو وَدّ کو

ولا سواعًا ولا يغوث ويعوق ونسرا — نہ سواع کو اور نہ یغوث کو نہ یعوق کو نہ نسر کو

(سورۂ نوح پارہ تبارک)

اِس کفر پروری کا نتیجہ اور خدا کے رسول کو جھٹلانے کا منظلمہ غیرت الٰہی کو حرکت میں لایا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام نے پکار کر کہا:۔

رب لا تذر على الارض من الكٰفرين دیارا۔ (سورۂ نوح پارہ تبارک) — اے رب نہ چھوڑیو زمین منکروں کا ایک گھر بسنے والا۔

چنانچہ غضب الٰہی طوفان کی شکل میں نازل ہوا۔ اور دنیا غرق ہوگئی۔ پانی کے زور و تموج نے اُن پانچوں مجسموں کو جو کل تک ہی معبود تھے اُنکی جگہ سے اکھیڑ کر "حدود جدہ میں پہنچا دیا" طوفان کا پانی خشک ہوجانے کے بعد، یہ خدائی گم کردہ بت وہیں پڑے رہے۔ جہاں انکو پانی کی موجیں ڈال گئی تھیں۔ اس کے بعد جو ہوا چلتی تھی ایک چادر ریگ اُنپر چڑھا جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک روز یہ مخلوق کی نگاہوں سے قعر زمین میں چھپ گئے،

بُت پرستی کی ایجاد و ابتدا صرف اِس واقعہ پر مبنی ہے جو اوپر عرض کیا

جا چکا۔ ہر زمانہ میں اس عقیدہ نے مختلف قسم کی ترقیاں پائیں۔ یہاں تک کہ خدا کے گھر میں بھی یہ جا پہنچے،،

• یہ بُت خدا کے گھر میں کیونکر پہنچے ؟

اس کی تفسیر یہ ہے کہ بانی کعبہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب اپنا وقت پورا کر چکے تو سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام نے باپ کی خدمت کو سنبھالا،

اُن کی اولاد نے اپنے جد بزرگوار کی دعا سے اسقدر ترقی پائی کہ مکہ کی زمین تنگ نظر آنے لگی،

آخرش اولاد اسمٰعیل نے ہجوم عام کے ساتھ "عمالیق" کو مکہ سے نکالا۔ لیکن پھر بھی ضروریات پوری نہوئیں۔ انجام کار جب کوئی دوسرا مقابل نرہا تو آپس ہی میں زمین، زن، زر کے لیے کشت و خون کرتے رہے،

زبردست و صاحب قوت نے مغلوب و کمزور کو اس طرح نکال دیا جس طرح پہلے عمالقہ کو جلاوطن کر چکے تھے،

مغلوب و معذور تلاش امن و معاش میں چاروں سمت پھیل گئے زبردست مکہ کے مالک بنے رہے،

جو لوگ جلاوطن ہوئے تھے۔ انکو کعبہ کے ساتھ ویسا ہی محبت و عشق تھا خانہ کعبہ کی عظمت، حج، عمرہ، ان مذہبی امورات کو اُنہوں نے نہ چھوڑا۔ جلاوطن ہوتے وقت انہوں نے یہ سمجھا کہ اب ہم بھلا خانہ کعبہ تک کیونکر پہنچ سکیں گے، یہاں کی جو چیز بھی لے جا سکیں ضرور لے جائیں۔ چنانچہ چلتے وقت بعضوں نے حرم کے پتھروں میں سے ایک ایک پتھر اٹھا لیا، جب اُن کا جی چاہتا، وہ اس پتھر کو آگے رکھکر کعبہ کی طرح اُس پتھر کا طواف کرتے، اور وہ تمام رسومات بجالاتے جو وہ کعبہ میں ادا کیا کرتے تھے، اُن کی اولاد نے اس رمز کو نہ سمجھا کہ ہمارے بزرگ ان پتھروں کی

تعظیم کس خیال سے کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملت ابراہیمی کو چھوڑ کر بُت پرستی میں مبتلا ہو گئے، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جس پتھر کو چاہا معبود سمجھ لیا، رفتہ رفتہ بہت کم لوگ باقی رہے، جنہوں نے ملت ابراہیمی کو زندہ رکھا۔ جلا وطن اسمٰعیلیوں کے اس فعل نے تھوڑے ہی عرصہ میں دو پشتوں کے بعد اطراف مکہ میں بت پرستی کو عام کر دیا،

خاص مکہ میں یہ ہوا

کہ "عمرو بن لحی خزاعی" جس نے اپنے نانا عمرو بن حارث سے تولیت مکہ پائی تھی، بحالت تولیت مکہ یہ شخص نہایت طویل علالت میں گرفتار ہوا۔

کسی نے اُسے مشورہ دیا کہ "بلقا رشام" میں ایک حمام ہے تجکو وہاں جاکر غسل کرنا چاہیئے۔ ضرور آرام ہوگا،

چنانچہ عمرو بن لحی خزاعی وہاں گیا اور غسل سے صحت یاب ہوا۔ وہاں کے لوگوں کو اسنے بتوں کی پرستش کرتے دیکھا، اُسنے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں اور تم کیا کرتے ہو، اُنھوں نے بتلایا کہ یہ ہمارے معبود ہیں۔ انہیں سے ہم مینہ برسنے کی استدعا کرتے ہیں۔ اور انہیں کے ذریعہ سے ہم اپنے دشمنوں پر فتح پاتے ہیں؛

عمرو نے خواہش کی کہ مہربانی ہوگی مجکو بھی ان میں سے ایک معبود دو۔ یہ درخواست حمام والوں پر بہت شاق تھی۔ تاہم مہمان نوازی سے مجبور ہو کر اُنھوں نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اور ایک بُت جس کا نام "ھبل" تھا عمرو کو دیدیا، جکو وہ اپنے ساتھ مکہ میں لایا، اور خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا،

اسکے بعد عمرو نے کسی سے سُن پایا (جیسا کہ ہمارا خیال ہے) یا صاحب "بلوغ الارب فی احوال العرب" کی تحقیقات کے موافق، عمرو بن لحی خزاعی متولی مکہ کو جو اپنے وقت کا زبردست کاہن بھی تھا۔ ایک "جن" نے جو اسکا تابع تھا۔ بتلایا، کہ یہاں سے جلد روانہ ہو، جدہ جاؤ وہاں تو چند بُت (معبود) بنے بنائے پائیگا، انکو لے آ، اور بلا خوف تمام عرب کو انکی پرستش

یاران نظام المشائخ

(بقیہ صفحہ ۲)

خریدار دینے والے حضرات کی فہرست

جناب محمد عبد الرزاق صاحب ڈاکخانہ کوبٹہ نے جناب مولوی شاہ معین الدین صاحب آرہ کو خریدار بنایا
جناب محمد شریف مالک صاحب لہریا سرائے نے جناب مولوی محمد زین الدین صاحب زمیندار لہریا سرائے کو،
جناب عنایت علی صاحب اختر نے جناب فیض علی صاحب موضع موئی کو، جناب منشی عبد العزیز صاحب
طالب علم نے جناب محمد اکبر صاحب آمراؤتی کو، جناب ڈاکٹر محمد قمر الدین صاحب حیدرآبادی نے
جناب مولوی سید محمد صاحب شطاری کو، جناب مولوی محمد کفایت اللہ صاحب قریشی مقام مدینہ
نے جناب رحمت خان صاحب کو، جناب غلام احمد صاحب نے جناب سید احمد شطاری صاحب مدراس کو، جناب
منشی محمد فیض الدین صاحب مختار بنارس نے جناب محمد سلیمان خان صاحب سب اوور سیر نہر بنارس کو،
جناب ماسٹر محمد حمزہ خان صاحب نا ندورہ نے جناب دوسے خان صاحب مقطعہ دار مہترون ضلع اکولہ کو،
جناب عزیز الرحمن صاحب کلکتہ نے جناب عبد الحلیم صاحب ڈھاکہ کو، جناب ماسٹر محمد حمزہ خان صاحب نا ندورہ نے
جناب شیخ محی الدین صاحب ملکاپور کو، جناب عبد الصمد صاحب صوفی دہلوی نے جناب فضل احمد صاحب کانپور کو،
جناب محمد غلام رسول صاحب موضع ڈیہی نے جناب شیخ صغیر الدین صاحب موضع بلوا کو، جناب محمد عبد الخالق
صاحب نائب محاسب آبپاشی ٹپہ خانہ جام سیٹھ نے جناب مولوی غلام محمد رضا صاحب مترجم دفتر آبپاشی
مذکور کو، اور جناب مولوی سید احمد اللہ حسینی صاحب قادری اہلکار دفتر مذکور کو، اور جناب مولوی محمد نظیر الدین
صاحب وکیل ٹپہ خانہ جام سیٹھ کو، جناب صوفی ارشاد صاحب وانون نے جناب قمر الدین صاحب نیشاد گنج کو

جو خود خریدار ہوئے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

جناب محمد عثمان صاحب سوداگر چالیس گاؤں، جناب محمد خان صاحب شنٹنگ فینی پور، جناب
احمد نواز خان صاحب عاجز عطا پوری، جناب محمد فقیر خان صاحب سب انسپکٹر پولیس الہٰ آباد

جناب محمد نصیر احمد صاحب متعلم مدرسۃ العلوم علی گڈھ، جناب شیخ عنایت کریم و حاجی شیخ یار علی صاحب سوداگر گودام ، جناب اے۔ کے۔ عادل شریف صاحب رنگون، جناب حافظ سید عبدالرحیم صاحب تحصیلدار پیپرتی، جناب کے غلام نبی صاحب پالے پنو، جناب شمشیر علی صاحب بیتاووڑا، جناب چودھری محمد ظہیر الدین حسین صاحب قصبہ دیوی، جناب حافظ محمد قاسم صاحب پٹواری موضع گولڑیا، جناب رام نرائن سنگھ صاحب موضع بیسر پور، جناب سید صغر علی صاحب سب اوورسیر جالندھر، جناب قاضی غلام جیلانی صاحب صوبیدار پنشنر ڈاکخانہ بادشاہان، جناب عبداللطیف صاحب موضع گگ سلطان، جناب ایم بی مصطفےٰ صاحب کولمبو، جناب محمد حنیف صاحب کارنجہ، جناب میر احمد علی صاحب عادل آباد، جناب آنریری سکرٹری صاحب مسلم انسٹی ٹیوٹ اجمیر شریف، جناب محمود الرب صاحب خالد ڈاکخانہ لولائی، جناب سید صاحب مدرس ہاشمی، جناب عبدالوہاب صاحب قریشی کلکتہ، جناب شیخ سردار علی صاحب نقشبندی کیمتل، جناب ایم اے رحیم ایم۔ اے باری صاحب ڈاکخانہ پاسان، جناب محمد صاحب مرج، جناب محمد یٰسین خان صاحب تاجنا پٹہ، جناب ولی میاں چاند بھائی صاحب پرنتیج، جناب عبدالغنی صاحب ڈاکخانہ وارسا، جناب بی ایس قمر الدین صاحب نو پورہ سورت، جناب محمد حسین صاحب نظامی مغلسرائے، جناب محمد عبدالخالق خان صاحب بیندار مرشد پور، مسٹر عبدالعزیز صاحب بنگلور چھاؤنی، جناب پریسیڈنٹ صاحب مسلم ٹیچرز کانفرنس ریا، جناب غلام نبی صاحب پٹواری کوٹلی بھوٹہ، جناب عبدالعزیز صاحب بنگلور، جناب فتح محمد صاحب ناتھہ دوارہ، جناب منشی رمضان خان صاحب مہرونی، جناب یوسف علی ملا علی محمد صاحب ناسک جناب عبدالمجید خان صاحب رئیس گوتنی ضلع پرتاب گڈھ، جناب سید شجاعت حسین صاحب کلرک مغلسرائے، جناب بشیر احمد صاحب صوفی باغ کلکتہ، جناب محمد جان اخون صاحب ارمڑ ضلع ہوشیار پور، جناب بابو نظیر احمد صاحب مغلسرائے، جناب غلام محی الدین صاحب پھلور، جناب ایم نذیر احمد صاحب بھاگلپور، جناب محمد عبدالرحمن خان صاحب ٹھٹکی، جناب منشی محمود میاں شہاب الدین صاحب کیرا، جناب شریف اللہ خان صاحب شاہجہانپور، جناب اسحٰق حاتم سیٹھ صاحب مدراس، جناب منشی عبدالاحد بیگ صاحب تحصیل گھوسی، جناب محمد کرامت اللہ خان صاحب ملکاپور، جناب ایس ایم احمد صاحب بریلی، جناب شفیق احمد صاحب غازی پور،

جناب علی اکبر صاحب پوسٹ ماسٹر منشی چاہ، جناب محمد عبد الصمد صاحب ہیڈ ماسٹر حسین آباد، جناب ثناء اللہ خان صاحب چوڈہراں، جناب ایس رحمت علی صاحب کلکتہ، جناب محمد عبد الرحیم صاحب مدگری، جناب مولوی محمد منور صاحب شکرگڑھ، جناب محمد عبد الغفور صاحب کولا، جناب چودھری اکرام اشرف صاحب زمیندار گڑھی، جناب محمد بہادر خان صاحب چشتی چھاؤنی لاہور، جناب سلطان محمود صاحب کشکوری محمد پور، مسرز ابا عبد الشکور اینڈ سنز میسور، جناب محمد سلیمان خان صاحب چکیا، جناب تجمل حسین صاحب اورنگ آباد، جناب مولوی محمد نعمان صاحب مقام بقہ، جناب منشی محمد بشیر الحق صاحب سب انسپکٹر پولیس سوت رسا، جناب شیخ عبد الرحیم صاحب سب انسپکٹر مدارس مدے پورا، جناب چندو دہر صاحب سکنہ راجن پور کلاں، جناب سید محمد واعظ الدین صاحب مختار ڈالٹن گنج، جناب منشی نیاز احمد صاحب لائبریرین راجندرا وکٹوریہ لائبریری پٹیالہ، جناب سید نظیر المحمود صاحب رجسٹرار ڈاک خانہ ٹیگرا، جناب ایم محمد عبد الحی صاحب کچہری کدپا، جناب ای۔ وائی ابراہیم صاحب مانڈلے، جناب عبد القادر صاحب سوداگر حیدر آباد دکن،

مردِ زن کرشمہ کی مشین

ناظرین یہ مشین المعروف بہ اکسیر قوت مشہور و معلوم ہے۔ خوراک و شیخ طلائی، سستی کمزوری ضعف قوت مردمی

بچپن کی غلط کاریوں کے نتائج سرعت، رقت، ضعف دل و دماغ و جگر کی بیماری، ضعف گردہ و مثانہ، ضعف اعصاب، سستی کمروں کی درد، کثرت پیشاب، ذیابیطس، لا دلدی، جریان وغیرہ وغیرہ کی دنیا بھر میں ایک نہایت مجرب بے نظیر تریاق کامل شرطیہ حکیمیہ مفید ثابت ہوئی ہے۔ ہزاروں لوگوں نے جو مندرجہ بالا امراض میں مبتلا ہو کر بظاہر زندہ مگر بباطن مردہ تھے اور ہر طرح علاج کر کے مایوس ہو چکے تھے ان کو اس دوا سے پورا آرام ہو گیا گویا وہ دوبارہ زندہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ انگریزوں مہاراجوں ڈاکٹروں حکیموں وغیرہ نے منگوا یا اور مفید پایا۔ ہر موسم ہر طبیعت ہر ملک میں مفید و بے ضرر ہے اگر آپ بھی خدانخواستہ ان امراض میں مبتلا ہیں تو ہم یقین سے کہتے ہیں کہ بکس **اکسیر قوت** کو بھی استعمال کر کے شرطیہ لوہے کی لاٹھ مرد کامل بن جائیں۔ یہ دنیا بھر کی چوٹی کی بے ضرر مفید و مقوی دوا ہے ساتھ ہی شرط ہے کہ اگر باقاعدہ استعمال سے آرام نہ ہو قیمت واپس ہوگی۔ قیمت سالم بکس اکسیر قوت ... مردوں کو زندہ کرنے کا نسخہ بالتجربہ ... کے مزید اسرار کے لئے مفت ... **حکیم دوست محمد خان** ...

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی

کاؤنزی جنتری

کاؤنزی جنتری ۱۹۱۵ء کی نہایت خوبصورت اعلیٰ درجہ کے چکنے کاغذ پر چھپ رہی ہے اور جنوری ۱۹۱۵ء کے پہلے ہفتہ سے بلا قیمت کو محصول ڈاک قدر دانوں کے پاس بھیجی جائے گی اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ پر دس متفرق جگہ کے شریف لکھے پڑھے اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھ کر بھیج دیجئے اور جنتری بلا کرایہ وقت پر آپ کے پاس بھیجی جائے گی۔

جلدی بیماری کی دوا

یہ تیل کئی ایک مفید یسی اور ولایتی ہسپتال کی تجربہ کی ہوئی دوائیاں ملا کر بنا ہے اس سے ہر اقسام کی جلدی بیماری یعنی چمڑے کا مرض مثلاً خارش کھجلی۔ چھاجن۔ برص وغیرہ دفع ہو جاتے ہیں۔ برص سے خراب ہوئے چمڑے میں اچھا فائدہ دکھلاتا ہے چمڑے کی بیماری سے اکثر خون میں بھی نقص آ جاتا ہے اس حالت میں تیل لگانے سے پورا نفع نہیں ملتا اسلئے تیل لگانے کے ساتھ ہی خون صاف کرنیوالی دوا ایڈ ڈوائنز سالسہ بھی حسب ہدایت استعمال کرنا چاہیئے۔

قیمت فی شیشی ۸ر محصول ڈاک ایک سے چار تک پانچ آنہ۔ سالسہ قیمت دو روپیہ علاوہ محصول چھ آنہ ۶ر

کان بہنے کی دوا

کان کے اندر ریم آتا ہو پنا یا ٹیا ہو وہ تین مرتبہ استعمال سے بہنا بند ہو جاتا ہے قیمت ۸ر پچکاری کان صاف کرنیکی ۸ر خرچ ہر دو چیز کا پانچ آنہ (۵ر)

کلوروڈاین

یہ انگریزوں کی ایک خانگی دوا ہے پیاس دردِ مروڑ خواہ کسی صورت سے ہو اسکی ایک ہی دو خوراک سے جاتی ہے۔ آؤں دست اور پیچش کے لیے نہایت مفید ہے۔ ڈاکٹر برمن نے انگلستان کے ایک نامی دوا خانہ سے بنوایا ہے اور دیگر کلوروڈاین سے کہیں بہتر ہے۔

اسلئے بازاری کلوروڈاین نہ خرید کرکے اس کلوروڈاین کو خریدیں قیمت ۸ر اور ایک درجن کے علاوہ چار روپے۔ محصول ڈاک پانچ آنہ (۵ر)

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی

دانت کے درد کی دوا

لگاتے ہی درد مٹاتی ہے سوڑے کو ہٹاتی ہے۔ ایک باریک مضبوط تنکے کے سینک کے سرے پر روئی لپیٹ کر اسے دوا میں ڈبو کر ٹھیک درد کے مقام پر لگائیے۔ اور اگر دانت کی جڑ میں درد ہو تو ذرا سی روئی ڈبو کے اسمیں بھر دیں فوراً درد بند ہو جائیگا قیمت چار آنے ۴ر محصول ڈاک ایک سے آٹھ شیشی تک چھ آنہ (۶ر)

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ

[illegible] نہایت

حصہ چہارم شیخ سنوسی مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قیمت ۴ر

ناگفتہ بہ

حصہ پنجم شیخ سنوسی مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قیمت ۴ر

شیخ سنوسی کا پہلا دوسرا تیسرا حصہ [illegible] ہے جن [illegible]
[illegible] جنگ کے [illegible] انجام کے حالات ہیں

مختصر فہرست تصانیف حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

سفرنامہ مصر و شام و حجاز با تصویر	۷ر	[illegible] شہادت	۱ر
ایضاً ایضاً بلا تصویر	[illegible]	خواجہ حسن نظامی کا [illegible]	۱ر
روزنامچہ خواجہ حسن نظامی صاحب	۸ر	ایضاً [illegible]	۸ر
[illegible]	۸ر	ایضاً [illegible]	۸ر
[illegible]	۸ر	[illegible] جنگ	۱ر
[illegible]	۸ر	[illegible]	۸ر
[illegible]		[illegible]	۸ر
[illegible]	۲ر	[illegible] یعنی شہیدات کی کتاب	۸ر
[illegible]		[illegible] جنگ	۸ر

[illegible] دفتر [illegible] المشائخ دہلی سے طلب فرمائیے

نظام المشائخ

نمبر ۵ بابت ماہ جمادی الاولی سنہ ۱۳۳۵ ہجری جلد ۱۶

فہرست مضامین

خوبصورت اور نوجوان خاتون

بھی اگر ان پڑھ بے ہنر اور پھوہڑ ہو تو وہ ایسی ہی جیسے گہن لگا چاند۔ اور پھر وہ جب کسی لکھے پڑھے شریف کی شریک زندگی بنا دی جائے تو کیا طوطی را با زاغ در قفس کردند کی کہاوت ان کے حسب حال نہو گی؟ ان حالات کو پیش نظر رکھکر کتاب **اتالیق نسواں** نامی کہ جسکا ثانی ہندوستان کی کسی زبان میں موجود نہیں ہے بار دوم دس حصوں میں طبع ہوئی ہے جسکے ۱۴۰۰ صفحوں میں ۱۲۰۰ شکلیں اور نقشے۔ مگر ان تمام علمی علوم و فنون کو بہت آسان اور سلیس اردو میں سکھلانے کی کوشش کی ہے۔ جو ہر لحاظ قوم کی بہو بیٹی کو سگھڑ بننے کیواسطے درکار ہیں فہرست مضامین کے لیے ۲۶ صفحے اور ریویوز کے لیے ۴۰ صفحے درکار ہیں۔ زنان خانہ میں ناپسند ہونے پر ایک ہفتہ تک واپس۔ قیمت مکمل دس حصوں کی رعایتاً چار روپے للعہ محصولڈاک ذمہ خریدار

ضرورت ہے

ہر شخص کو ڈرائنگ یا فن نقشہ کشی سیکھنے کی کیونکہ دنیا کے تمام فنون کی جان یہ علم ہے۔ کوئی ہنر اس سے کام خالی نہیں اور ہمارا اردو زبان میں اسوقت تک کوئی کتاب شائع ہوئی جو فن مذکورہ کی تمام شاخوں پر حاوی ہو۔ کتاب کلید نقشہ کشی کی بہت تھوڑی جلدیں رہ گئی ہیں۔ قیمت حصہ اول عمہ حصہ دوم عہ۔ باقی حصے زیر طبع ہیں

مرقع الوان

کے نام سے ظاہر ہے کہ رنگ بنانے سے متعلق ہے۔ اسمیں رنگوں کی اصلیت ماہیت اور انکے بنانیکے مفصل طریقے اور استعمال واضح طور پر سکھایا ہے۔ رنگسازوں مصوروں نقشہ نویسوں اور ان لوگوں کے واسطے جنکو رنگ سے کام پڑتا ہو لاجواب کتاب ہے کیونکہ اس میں ۲۷ رنگوں کے نمونے بھی چھاپے ہیں رعایتی قیمت ۱۲/

ہفت عجائبات عالم ایسی کتاب ہے جس میں پانچ ہزار سال پیشتر کی ان عجیب و غریب عمارتوں اور صنعتوں کا ایسے دلچسپ پیرایہ اور رنگین عبارت میں ذکر ہے کہ شروع کرکے بغیر کتاب ختم کیے ہاتھ سے رکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ رعایتی قیمت صرف عہ

المشتہر سکندر علیخان کوچہ پنڈت گلی عزیز الدین دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

نیم پیر

خطرہ ہر آن

الٰہی! اس ہاتھ کی خیر۔ یہ تو دست مرشد کی طلب میں بے طرح بیقرار ہوا جاتا ہے یہ آدمی کا ہاتھ ہے۔ مسلمان کا ہاتھ ہے۔ اُسکا ہاتھ ہے جسکے سر پر بڑی بڑی ذمہ داریوں کا بوجھ ہے۔ ایسا نہ ہو کسی ایسے پیر کے ہاتھ میں پھنس جائے جس سے اُسکی آدمیت کو بٹہ لگے مسلمانی تباہ ہوجائے۔ سر کے بوجھ کی جواب دہی کرنی پڑے۔

دنیا میں شور ہے مادیت۔ دہریت۔ فلسفۂ الحاد نے پیری کا۔ روحانیت کا۔ طلب حق کا خاتمہ کر دیا۔ اب پیروں کا چل چلاؤ ہے۔ پہلے سَو تھے تو اب دس پیر نظر آتے ہیں شام کو سات رہجائینگے۔ رات بڑھے گی تو صرف پانچ نظر آئینگے۔ صبح کو ان پانچ کا بھی

نام نہ ہوگا۔ نہ اسم رہیگا نہ مسمّٰے۔ نہ قال رہیگا نہ حال ؛

میں کہتا ہوں۔ اندیشے غلط ہیں۔ خطرے بے اصل ہیں۔ پیری۔ مرشدی۔ حقانیت و ہدایت نابود نہ ہوگی۔ بلکہ بڑھے گی۔ مادیت لاکھ نقارے بجا بجا کر غلغلے اُٹھا اُٹھا کر آواز حقانی کو دبائے۔ یہ صوت سرمدی نہ دبے گی۔ بلکہ اور گونجے گی اور گرجے گی۔ اسکا چرچا اور بڑھے گا۔ پہلے سَو پیر تھے اب ہزار ہونگے۔ ہزار کا عدد ہُو ہُو کا نعرہ لگائے گا اور کئی نقطے بڑھائے گا۔ لاکھ ہونگے۔ دس لاکھ ہونگے۔ کروڑوں تک نوبت پہنچے گی۔ ہر گھر میں انہی کا ڈنکا بجے گا ؛

کیوں؟ دلیل مادی کی رو سے عقل سلیم کے غور کرنیسے نظر آتا ہی کہ یہ زمانہ جو ہمارے آس پاس سانس لے رہا ہی۔ مکان بڑھاتا ہی۔ روپیہ بڑھاتا ہی۔ عقل بڑھاتا ہی۔ علم بڑھاتا ہی تو فکر بھی بڑھاتا ہی۔ ضرورتوں میں بھی اضافہ کرتا ہی۔ بے اطمینانیوں میں بھی اسکے دم سے ترقی ہوتی ہی۔ بے چینیاں اسکے باعث گھر گھر میں نمودار ہوتی ہیں۔ کیونکہ خود اسکی ترقی بے چینی و بیقراری کی چنگاریوں سے ہوتی ہی۔ پس جب "بیکلی" "ہر گھر گیر" ہوگی تو انسان کی قدرتی خصلت مجبور کرکے اسکو ایسے لوگوں کے سامنے جھکائے گی جو اضطراب دل کی دوائیں جانتے ہیں۔ تصورات و تخیلات کے طوفان جن کو تھما دینے آتے ہیں۔ جذبات و افکار کے شعلے بجھا دینے پر جن کو قدرت ہی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ فطرت اور نیچر جو ضروریات انسان کی کفیل و کارساز ہی۔ اور آدمی کے حالات و میلان طبع کی چیزیں از خود بے طلب بنایا کرتی ہی۔ مہیا کیا کرتی ہی۔ اولاد آدم کو روح کے اصلی قرارگاہ کا جویا دیکھے گی تو دوڑ کر ہادی و مرشد و گرو و روحانی اشخاص بنانے لگے گی جو بے قراروں کا مرکز بنیں۔ بے اطمینانوں کا سہارا اُن پر ہو ؛

آئندہ کیا۔ یہ تو اب بھی نظر آرہا ہی کہ نئی روشنی کی ترقی کے ساتھ پرانی روشنی کے تمام اوضاع و اطوار ترقی کر رہے ہیں۔ پیروں کی تعداد بھی زیادہ بڑھ رہی ہے ؛

گزشتہ وقت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہی کہ بڑے بڑے شہروں میں دوچار بزرگ ہوتے تھے۔ اب چھوٹے چھوٹے قصبے اور گاؤں بھی انسے خالی نہیں ٭

پہلے درگاہوں کے عرس اس ہجوم سے نہ ہوتے تھے ایسے بڑے بڑے مجمعے درگاہوں میں نظر نہ آتے تھے۔ اب دس گنے بیس گنے آدمیوں کا ہجوم عرسوں میں ہوتا ہے ٭

اسکی وجہ ایک تو ذرائع آمدورفت کی سہولت ہی۔ اور دوسرے یہ کہ خلقت نہایت بے چین ہی۔ اور اسکو مزارات و فقیروں کے سوا کوئی دروازہ تسلی و تسکین نہیں ملتا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ جوں جوں نئے زمانہ کو ترقی ہوگی پیروں کی تعداد بھی بڑے گی۔ اور برابر بڑہتی چلی جائے گی۔ جیسے کہ آجکل اسکی رفتار مشاہدہ میں آرہی ہی۔

مگر ڈر اس کا ہے

کہ زمانہ فریب کا ہی۔ وقت سراسر دہوکہ بازہی۔ ایسا نہو۔ پیر بھی دہوکہ بازی میں پڑجائیں اور وقت کی افتاد میں ڈہل ڈہل کر باہر آنے لگیں ٭

اوپر اشارہ کیا ہی۔ فطرت خود انسان کی ضرورتیں مہیا کیا کرتی ہے۔ وہی پیر بھی تراش تراش کر لوگوں کے سامنے لائے گی۔ اوسان کی تعداد بڑہائے گی۔ لیکن فطرت اسکی پروا کبھی نہیں کرتی کہ چیز کھوٹی ہی یا کھری۔ کیونکہ اسکا مدار خود انسان کی عقل اور پرکھ پر ہوا کرتا ہی فطرت نے دیکھا کہ انسان کی ضرورت زہر چاہتی ہے۔ وہ فوراً زہر بنادیتی ہے۔ پھر یہ کام آدمی کا ہی کہ اس زہر سے ایسا کام لے کہ وہ مضر نہو۔ اور فائدے ہی کے مقصد میں اس سے مدد لے ٭

لہذا اہل عرفان کا فرض ہونا چاہیئے کہ اس وقت کہ پیروں کی کثرت تولید کا ہی ستویا غور کریں۔ اور نقصان رساں پیروں کو اپنی جماعت سے صاف کرتے رہیں تاکہ دنیا کی روحانی پیاس تو بجھے مگر الٹی گمراہی نہ پھیلے ٭

عنوان میں دیکھا ہوگا۔ نیم پیر خطرۂ ہرآن۔ لکھا ہی۔ میرا مقصد انہی نومولود پیروں کے معاملات کے ایک حصہ پر بحث کرنا ہے جو پیری کی بنیاد ہی ٭

پہلے ہماری بول چال میں صرف دو لفظ تھے۔ جو نیم کے تحت میں بولے جاتے تھے نیم حکیم خطرۂ جان ۔ نیم ملا خطرۂ ایمان ۔ اب تیسرے فقرہ کا وقت آیا ہے۔ وہ خود آگیا تھا ۔ زبردستی بول چال میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ میں نے تو اسکو صرف وزن اور طرز ادا میں شریک کرنے کا فخر حاصل کیا ہے ؛

کچھ شک نہیں نیم حکیم فقط جانوں کا خطرہ ہے۔ نیم ملا صرف ایمان کی بلائے جان ہے ۔ مگر پیر اگر آدھا ہو تو اُس سے ہر آن کا خطرہ ہے۔ نیم حکیم وہ ہے جو طب پوری نہ جانتا ہو نیم ملا اُسکو کہتے ہیں جسکو دین کی پوری واقفیت نہو۔ نیم پیر نہ ہوا جو نیم حکیم بھی ہو۔ نیم ملا بھی ہے اور پھر نیم پیر بھی ہے۔ کیونکہ نیم پیر نسخے بھی بتاتا ہے ۔ دوائیں بھی تقسیم کرتا ہے۔ اور مسائل دینی میں بھی دخل دیتا ہے۔ مولویت کے میدان میں بھی قدم مارتا ہے۔ اور پیری تو اسکا اصل شیوہ یا پیشہ ہے اسکا ذکر ہی کیا۔ زمانہ نے۔ چھاپہ خانوں نے طرح طرح کی ایجادوں نے نیم پیری بہت آسان کردی ہے ۔ اردو کے حرف پہچاننے والا بہت جلد حکیم، مُلا اور پیر کی مجموعی قوتوں کا مالک مشہور ہو سکتا ہے۔ اور بغیر کسی دشواری کے اس تثلیث میں وحدت کا جلوہ دیکھنے والوں کی جماعت اپنے آس پاس جمع کرسکتا ہے ؛

اے لوگو! اگر تم طبقۂ مشائخ میں ہو اور حقوق و اختیارات پیری رکھتے ہو تو جلدی خبردار ہو۔ اور ان نیم پیروں سے اپنے حلقوں اور دائروں کو بچاؤ ۔ ورنہ یہ وبا تمہاری آبادیوں کا ستیاناس کردے گی ؛

اور اگر تم اس فرقہ میں ہو جو سر کو جھکاتا ہے۔ پیروں کے ہاتھوں کو چومتا ہے۔ اُن کے فیض باطن سے اپنے مقاصد دارین میں آسرا چاہتا ہے تو تم پیروں سے زیادہ ہوشیار ہو جاؤ۔ کہیں نیم پیروں کے پھندے میں نہ پڑجانا ۔ اُنھوں نے بڑے بڑے اور نہایت مخفی دام بچھا رکھے ہیں ؛

کہنے کو تو سیکڑوں برس پہلے بھی بزرگ فرماگئے ہیں۔ کہہ گئے ہیں کہ بہت فرشتہ صورت

شیطان سیرت پیر ہیں۔ ذرا دیکھہ بھال کر ہاتھ دیا کرو۔ ذرا سوچ سمجھکر مرید ہوا کرو۔ مگر آجکل تو حشر برپا ہو گیا ہی۔ قیامت آگئی ہی جسکو نوکری نہیں ملتی۔ پیر بن جاتا ہی۔ قرضہ کی زیرباری ہوتی ہے۔ قرض خواہ ستاتے ہیں۔ مقروض صاحب خرقۂ درویشی پہن لیتے ہیں۔ کاہلی و آرام طلبی سے کچھہ کام نہیں ہو سکتا تو پیری کو آسان و آرام بخش پیشہ سمجھکر اختیار کر لیتے ہیں یہی نیم پیر ہیں۔ جنھوں نے اُردو کی چند کتابوں سے کچھہ الفاظ یاد کر لیئے ہیں۔ چند دعائیں اور اعمال زبانوں پر چپڑ ملیئے ہیں۔ کپڑے۔ رنگ کر تسبیحیاں ہاتھہ میں لیکر عرسوں میں جاتے ہیں۔ مصلے بچھا کر ایسے کے آدمی آس پاس بٹھا کر دوکانیں سجاتے ہیں۔ اور پیری کو بہت ہی سستے داموں فروخت کرتے ہیں ٭

بچو! بچو!! ہٹو! ہٹو!! - انکے ہاتھ میں یہ خدا کا پسندیدہ ہاتھ نہ دینا۔ یہ تمہارا ہاتھ خدا کو کیا جواب دیگا۔ اِس کی خدا کے دربار میں بڑی عزت ہی۔ بڑی قدر ہی۔ خدا ہرگز گوارا نہیں کرے گا کہ تمہارا یہ برگزیدہ ہاتھ ایک ناقص ادہورے نیم پیر کے ہاتھ میں جاکر اسیر ہو۔ تم ہاتھ دیکر اسکے غلام بن جاؤ۔ اور پھر ہر آن کے خطرے کا تم کو سامنا کرنا پڑے

نیم پیر نہ یہ جانتا ہی کہ تصوف و پیری کی بنیاد کیا ہی۔ مراسم و اشغال کی کیا تعلیم ہی۔ حالات و کیفیات کے کیا کیا مقام ہیں۔ وہ کہیں کی اینٹ لیتا ہی۔ کہیں کا روڑا اُٹھاتا ہی۔ اور اپنی ہنرمندی سے ایک گھر چُن کر تمہارے سامنے رکھہ دیتا ہی۔ اور تم اُس میں قید ہو جاتے ہو۔ اور یہ قید تمہاری زندگانی دنیا اور حیات آخرت کو برباد کر دیتی ہی

نیم پیر اُبل پڑے ہیں۔ نیم پیر سیلاب کی طرح بہتے پھرتے ہیں۔ نیم پیروں کی آگ ہر صوبہ۔ ہر شہر۔ ہر بستی۔ ہر محلے میں بھڑکتی جاتی ہی۔ ہوشیار ہو۔ بہاس ہستی اور خرمن ایمان کو بچاؤ۔ ورنہ پھر دونوں جہان میں کہیں ٹھکانا نہ رہیگا ٭

نیم پیر وہی ہے جو شریعت اسلام کے خلاف عمل رکھتا ہے اور طریقت و فقیری کو شریعت سے الگ ایک مخفی راز اور کہنی حقیقت بیان کرتا ہے۔ اور اس آڑ میں اپنے

عیب کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے ؛

تم خدا سے عقل لیکر آئے ہو۔ تم کو اسلام نے دانش اور سمجھ کے حقیقت نما آئینے دیدیئے ہیں۔ انسے کام لو۔ اور نیم پیروں کے وبال وجال سے بچو ؛

جو شریعت کی بے حرمتی کرتا ہو۔ اُس کے احکام کی۔ اسکے مناہی کی تقلید سے الگ ہو۔ وہ ہرگز کامل پیر نہیں ہے۔ نیم پیر ہے۔ ایسے پیروں نہیں پورا پاہراور پیروں از طریقت بیچ شریعت کے بعد سے معاملات کو دیکھو۔ پیر کا کمال اُسکے اعمال حسنہ ہیں جو انسانوں کے ساتھ زبان کا برتاؤ اچھا کرے۔ اُنکے دُکھ درد میں مدد دے۔ انسے لین دین میں صاف سچا۔ کھرا۔ دیانت دار ہو۔ وہی آجکل کامل پیر ہے ورنہ ناقص۔ میرے عنوان کا مصداق نیم پیر ؛

خیال رکھو یہ نئی روشنی کا زمانہ ہے سب سے بڑی کسوٹی معاملات پیر کے پرکھنے کی ہے آجکل پیروں کی سب سے بڑی کرامت یہ ہی کہ وہ کسی کو فریب نہ دیتے ہوں۔ ظاہر و باطن یکساں رکھتے ہوں۔ اور خاصکر یہ کہ اُن کا لین دین اور معاملہ صاف ہو۔ معاش اپنے قوت بازو پر رکھتے ہوں۔ مریدوں کے دست نگر نہوں۔ کیونکہ اب وہ زمانہ نہیں ہی جب پیروں کو حُب خدا میں نذریں دیجاتی تہیں۔ آجکل پیروں کو جھوٹا گواہ بنانے کے لیئے نذریں دیجاتی ہیں۔ لہذا تم دیکھو کہ پیر روٹی کپڑے میں کسی غیر کا محتاج تو نہیں ہے اور حقوق العباد میں اُسکا کیسا طرز عمل ہی ؛

اگر صاف پاؤ مذکورہ شرائط کے اندر دیکھو تو بڑہاؤ۔ بڑہاؤ۔ ہاتھ بڑہاؤ۔ اس کامل کے دست مبارک میں اپنے ہاتھ کو دیدو کہ وقت ایسا نازک آیا ہے کہ بیکامل کی دستگیری کے بغیر نہ دنیا میں ٹھکانہ ملیگا نہ آخرت میں ؛

حسن نظامی

ناول

سجدۂ ندامت

یوسف زئی اور موسیٰ خیلی دونوں خاندانوں کی منافرت جو بالآخر بتدریج ترقی کرتے کرتے حد عداوت سے بھی دو چار ہاتھ آگے تجاوز کر گئی۔ نتیجہ تھا چند افراد کے بغض و عناد، کینہ و حسد اور کد و کاوش کا جو وجہ ہوئی فریقین کی تباہی و روسیاہی کی۔ اس خاندانی جنگ کی ابتدا یوسف اور موسیٰ کے دَور سے ہوئی ورنہ سلسلۂ نسب کی زیادہ دور نہیں ساتویں ہی کڑی میں جلال الدین ابن ابی عیسیٰ ایک ایسا شخص نظر آتا ہے جسکے تیرہ لڑکوں میں سب ایک دوسرے کے جاں نثار رہے۔ یہ امیر نصر بن احمد کا زمانہ تھا۔ جب امیر فتح خراسان کے بعد ہرات کو اپنا دارالخلافہ بنا چکا تو یہ خاندان اس کے ساتھ تھا۔ اور نہ صرف امیر بلکہ تمام اُمرا و روٴسا، ان بھائیوں کی صحبت کو نظر استعجاب سے دیکھتے اور خوش ہوتے کہ ہرات کا ایک گوشہ اسلام کی سچی تعلیم پر لبیک کہہ رہا ہے۔ یوسف اور موسیٰ حقیقی چچازاد بھائی ماؤں کی گود میں رشک کے دودھ سے پلے حسد کی چھاؤں میں بڑھے اور چادر فساد پر پروان چڑھے۔ سلیمان بن رودکی کا عہد سلطنت تھا اور اشہب دوران تین صدیاں آگے طے کر چکا تھا۔ اٹھارھویں صدی کے آخر میں امیر پر بڑھاپے میں آکر یورپ کا کچھ ایسا رنگ چڑھا کہ ملک کے کونہ کونہ سے مغربی تمدن ٹپکتا تھا۔ خیلی سیدھے سادے مسلمان تھے۔ کنارے ہوئے۔ مگر یوسفی امیر سے بھی دو قدم آگے بڑھے۔ اسی خاندان کی بیٹی سمیعا بنت حارث جوان ہونے کے بعد مسیحی ہو کر اور مسلمان رہکر سومینیا ہیرس کے نام سے مشہور ہوئی۔ اگر کھلم کھلا عیسائی ہو کر باپ بھائی کی ناک کاٹ دیتی تو ایک ہمکو کیا تمام اُس برادری کو جو خاندانی بہادری کے گیت گاتی تھی صبر آجاتا۔ مگر اُس نے تو اسلام کی آڑ میں احکام الٰہی کا ایسا بھاڑ بھونا

کہ جو دیکھتا وہ ہنستا جو سنتا وہ روتا۔ عورت ذات دہرے سے سگار پیئے اور بیدہڑک سگرٹ اڑائے۔ باپ سنے اور اُف نہ کرے۔ بھائی دیکھے اور ٹال جائے۔ مان لیا۔ سیانی بچی کون منہ لگتا اور باتیں سنتا۔ مگر یہ کیا بے (بھائی ہے کہ ماں غریب۔ اس نہ پاس اور سارا الزام اسی بدنصیب کے سر تھوپ دیا۔ کلیم النساء وہ عورت کہ مرتے دم تک اسکی اشراق تہجد ناغہ نہ ہوئی۔ گرمی کے پہاڑ سے دن جمعہ جمعرات کا روزہ۔ چلوں کی کڑکڑاتی سردی اور ٹھنڈے پانی سے وضو۔ خدا کی شان ہے۔ ولیوں کے ہاں بھوت۔ کلیم النساء کی گود سے سمیعًا جیسی سپوت بیٹی پیدا ہو۔ مگر اسکا بھی کیا قصور۔ جو سنا وہ جانا۔ جو دیکھا وہ سیکھا۔ باپ کو آنکھ کھولکر دیکھا تو اللہ کا بندہ مذہب سے ایسا اندھا کہ نماز روزہ تو در کنار اسکو اسلام کے نام سے عار۔ بھائی تھا تو بڑا۔ مگر اسپر بھی باپ کا ایسا اثر پڑا کہ ڈیڑھ ناکہ کا اوقاف صاف ہضم کر گیا۔ اور ڈکار تک نہ لی۔ باپ سچ مچ کا کرشتان بھائی مجسم شیطان۔ حارث کی بیٹی سمیعًا۔ سمیعًا نہیں تو اور کیا ہوتی +

ہٹ دہرمی ہوگی اگر یہ نہ کہا جائے کہ خاندان یوسفی جسکے نقائص زیر بحث ہیں اس امتیاز سے قطعًا محروم تھا جس کا موجودہ اسلامی تمدن ہندوستان کے ہر کونے سے بیٹی کی پیدائش میں پتہ دے رہا ہے۔ اسی لیئے سمیعًا کی پیدائش پر نہ گھر میں مصیبت کی گھٹا چھائی نہ کوئی ناگہانی بلا آئی۔ ہاں۔ حارث کا چہرہ باغ باغ تھا۔ خوشی اسکے ہر قول و فعل سے ٹپک رہی تھی اور وہ اس لیئے کہ بیوی جس کی جان خطرے میں تھی۔ بخیر و عافیت تمام سبکدوش ہوئی۔ سمیعًا پہلوٹھی کی بیٹی نہ تھی۔ اور بھی بہن بھائی موجود تھے۔ مگر کیا مجال جو کھانے میں پینے۔ لینے میں۔ دینے میں۔ غرض کسی چیز میں بھی بیٹا بیٹی کا فرق ہو جائے +

(۲)

پانچویں سال سمیعًا مکتب میں بٹھا دی گئی جہاں تیس بتیس لڑکیاں پڑھتی تھیں استانی

ایک چالیس برس کی ادھیڑ عورت تھی جسکے دو بچے اور ایک نکھٹو شوہر تھا۔ اپنی اپنی حیثیت کے موافق شاگردوں کا فرض تھا کہ علی الصباح والدین سے پیسے لیتے اور ناشتہ لیکر مکتب پہنچتے۔ آتے۔ استانی کے آگے ناشتہ پیش کیا۔ انہوں نے جتنا سمجھ میں آیا لے لیا اور باقی چھوڑ دیا۔ آٹھ بجے تک استانی جی کے پاس کابلی چنوں اور قندھاری بوریوں کا خاصا ڈھیر لگ جاتا۔ وہ بیٹھی حکومت کرتیں۔ اور شاگردیں گھر کے کام دھندے میں مصروف رہتیں۔ کوئی بچھونے اُٹھاتی۔ کوئی مصالحہ پیستی۔ کوئی پاؤں دباتی کوئی استانی جی کے بچوں یعنی خلیفوں کو گود میں لیے پھرتی۔ شام کے وقت تھوڑا سا سبق بھی ملجاتا۔ اور چھٹی ہو جاتی۔ تقریباً تین سال سمیعًا کے اسی طرح برباد ہوئے۔ اس تمام صرف و ریاض کا نتیجہ پوری طرح نماز بھی نہ آسکی۔ مجبور مکتب کو سلام کہنا پڑا۔ مس فیلوسی خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف تھی۔ تھوڑے سے قطعۂ زمین پر خوشنما باغیچہ دلکش کو بھی تیار کرلی تھی۔ گو بعض رؤسا اسکے مخالف تھے مگر پھر بھی چھ سات لڑکیاں ڈھب چڑھ چکی تھیں تعلیم کا انتظام معقول۔ اسپر مس صاحب کی شفقت وہ بجوئی سونے پر سہاگہ تھی۔ لڑکیوں کو کیا ضرورت تھی کہ گلاب کے کھلے ہوئے پھول چھوڑ کر سڑے ہوئے ٹاٹ پر جا کر بیٹھیں۔ جو بچی ایک دفعہ بھی یہاں پہنچ جاتی۔ وہ مکتب تو رہا در کنار گھر کا نام بھی مشکل سے لیتی۔ باپ بھائی کے خیالات کا اثر چپکے ہی چپکے سمیعًا کے دل میں اثر کر رہا تھا۔ مس فیلوسی کی صحبت نے اس بنیاد پر خاصا اچھا محل چن دیا۔ کیا باعتبار بو و باش اور کیا بلحاظ خورد و نوش ایک پانچ ہی سال میں سمیعًا دوسری مس فیلوسی تھی ؎

(۳)

مس ہیرس: نہیں نہیں مسٹر وانڈ (واحد) مجکو افسوس ہے کہ میں آپ کی شادی میں شریک نہ ہو سکی ؎

سمیعًا۔ ہاں آپ مجبور تھیں۔ آپ لوگوں کی زندگی عجیب ہے آپ شادی کے بعد

شوہروں کے ہاتھ فروخت ہو جاتی ہیں۔ قدرت نے اگر آپ کو باعتبار قوائے جسمانی کمزور کیا تھا تو آپنے اس کمزوری کو قبول کر کے اور بھی اپنی مٹی پلید کی +

سعیدہ۔ کیا آپکے خیال میں اسلام نے عورت کے حقوق کمزور کر دیئے اور ہمارا تمدن آپ کی رائے میں ٹھیک نہیں؟

سمیعًا۔ کیا آپ کو اسمیں شبہ ہے۔ بیشک اسلام میں عورت کی کوئی وقعت نہیں ہم رات دن مسلمان بیویوں کی زندگیاں اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ تنخواہ دار نوکروں سے کچھ ہی بہتر ہیں۔ مگر اس بہتری سے بہت زیادہ اُن کی ذمہ داری بڑھی ہوئی ہے۔ مجکو آپ سے شکایت نہیں۔ آپ بغیر اپنے آقا سے اجازت لیئے کیونکر میری شادی میں شریک ہو سکتی تھیں؟

سعیدہ۔ آپ جن بیویوں کی زندگی پر مُنہ آرہی ہیں اُنکے ذمہ دار اُنکے شوہر ہیں نہ کہ اسلام۔ مجکو اپنے رفیق عمر سے چھٹی لینے کی ضرورت نہ تھی۔ شاید آپ کو اپنی جھوٹی محبت اور ناپائدار حالت میں ایسا پیش آتا ہو۔ بلکہ مجکو اس لیئے ان کی اجازت کی ضرورت تھی کہ وہ میرے شوہر ہیں۔ اور میں اپنی رائے سے اُن کی رائے بہتر سمجھتی ہوں میں اس لیئے بھی آپ کی شادی میں شریک نہوئی کہ آپ کی شادی شرع اسلام کے بالکل برخلاف ہوئی ہے +

سمیعًا۔ افسوس آپ اپنی ذلیل حالت میں خوش ہیں۔ میری شادی میری مرضی سے ہوئی ہے۔ کسی دوسرے شخص کو اسمیں دخل نہ تھا۔ میں نے اٹھارہ مہینے کورٹ شپ کیا۔ آپ اسکو شرع کے خلاف بتاتی ہیں۔ میں وہ زندگی بسر کر رہی ہوں جو آپکے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی +

سعیدہ۔ ہمکو ہمارے پاک مذہب نے کورٹ شپ سے زیادہ اختیار دیا ہے والدین ہماری شادی کے ہرگز اُسوقت تک مجاز نہیں جبتک ہم خود رضامند نہ ہوں

البتہ اٹھارہ مہینے کی یک جائی قبل از نکاح سے خدا ہمکو محفوظ رکھے۔ آپ کی شادی کو ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کے آمدی و سگے پیر شدی دو ہفتہ ہوئے ہیں۔ آپ ابھی تیل دیکھیے تیل کی دہار دیکھئے۔ مجھے امید نہیں کہ آپ ۹ آدمے کے ساتھ اچھی زندگی بسر کریں۔ میرا شوہر جس نے مجھ بدصورت کو چار چاند لگا دیئے شاید میری پرستش کا مستحق ہے اور دنیا آپ کو دکھا دے گی کہ مسٹر واٹڈ آپ جیسے گلاب کے پھول کو تر و تازہ نہ رکھ سکیگا۔ میری شادی کو پانچواں برس ہے۔ میں تین بچوں کی ماں اور اپنے گھر کی ملکہ ہوں۔ مجھے چند عزیزوں کے سوا غیر مرد کی صورت دیکھکر تکلیف ہوتی ہے ۰

سمیگا۔ اوہو۔ معاف کیجئے گا۔ میں اسوقت آپکے پاس نہیں بیٹھ سکتی۔ میں نے آپ کو وقت دیدیا تھا۔ مگر مجھے مطلق خیال نہیں رہا۔ یہ چاء کا وقت ہے۔ اور میں چاء ہمیشہ واٹڈ کے ساتھ پیتی ہوں۔ آپ بیٹھیے۔ مجھے چاء میں ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ لگے گا ۰

سعیدہ۔ آپ شوق سے جائیے اور مجھے بھی اجازت دیجئے ۰

سمیگا۔ مجھے غلطی ہوئی معاف کیجئے گا ۰

سعیدہ۔ کوئی غلطی نہیں آپ کا تمدن ہی یہ ہے۔ البتہ ہمارے یہاں غلطی ہے ۰

(۴)

میاں واحد انگریزیت کے دلدادہ تو ازلی تھے۔ بیوی کے رجحان نے جو تھوڑا بہت بزرگوں کا لحاظ یا دنیا کی شرم باقی تھی۔ اس کا بھی خاتمہ کیا۔ باپ کی زندگی میں کہ وہ مرحوم کے ملتے تھے دونوں میں سے ایک کی ہمت نہ ہوئی کہ کینچلی بدل لیں۔ شراب اُسوقت بھی اُڑتی تھی مگر چوری چھپے۔ ہارمونیم جب بھی بجتا تھا۔ لیکن کبھی کبھار۔ مرنیوالے کا رعب اتنا زبردست تھا کہ گتے ایک چھوڑ چند پلے ہوئے تھے مگر اتنی مجال نہ تھی کہ انگنائی میں قدم دھر لیں اِن غریب کی آنکھ بند ہوتے ہی دونوں کھل کھیلے۔ جس خاندان میں کو اسی بیٹی گھر کی

چوکھٹ تک نہ لانگ سکے۔ اُسکا چراغ بی سمیعًا دن دہاڑے بغیر برقع اور نقاب علی الاعلان سیروں کو جاتی۔ میاں بیوی نے تو ایک تین ہی سال میں وہ طوفان برپا کیا کہ کنبہ کیا سارا شہر چیخ اٹھا۔ نماز قسم۔ روزہ گناہ۔ نذر و نیاز حرام۔ نوکر بددل۔ مامائیں پریشان۔ بیرے حیران۔ میمیں اور مسیں۔ انگریز۔ عیسائی۔ گوری اور کالی۔ کواری اور بیاہی سیکڑوں ہی دیکھیں اور سنیں۔ مگر یہ رنگ ڈھنگ دیکھے نہ سُنے کہ اللہ کی بندی تایا کے پھولوں میں بھی آئی تو میٹے اور سایہ ہی پہنکر۔ موت کا گھر۔ بیسیوں عورتیں بھری ہوئیں۔ سمیعًا تو سب کو تماشہ ہوگئی۔ چاروں طرف دیکھا۔ بیٹھنے کو کوئی چیز نہیں۔ ٹوٹا سا ایک تخت پڑا تھا وہ میں ٹیکی کھائی

تائی اندر کے دالان میں تھیں۔ قالین کا فرش تھا۔ اندر جانے کا ارادہ کرتی ہے تو پاؤں میں ڈاسن کا بوٹ۔ اُترے کیونکر۔ اور اُتارے کون۔ بیویوں نے ٹھٹھے لگانے شروع کیے۔ تائی نے آواز دی کہ بیٹی یہاں آؤ۔ تو جوتی سمیت لگی چلنے۔ برابر میں کھڑی تھیں چچی۔ اُنہوں نے ٹوک دیا۔ بوا نمازی قالین ہیں۔ مُنڈے اتار لو۔ جلی بھُنی اور کہا۔ تائی صاحب۔ مجھے افسوس ہے تایا صاحب کی موت کا۔

اتنے ہی میں چچی بول اُٹھیں۔ بیٹی تایا کیا؟ زبان کیوں موٹی ہوگئی؟

سمیعًا۔ ویل چچی صاحب آپ تہذیب سے بولیے۔

چچی۔ تہذیب؟ اچھی بیٹی پھر کہیو۔ تہذیب اور تائی۔

سمیعًا میں اب تاب کہاں تھی۔ بیویوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ گھیرے ہنس رہے تھے جلکر لگی اُول جلول بکنے۔ اور چلی دروازے کی طرف یہ کہتی ہوئی۔

اتنا بدتمیز لوگ ملنے کے لائق نہیں۔

چچی۔ تمیز!

اب تو بیویوں کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑگئے۔ جو بے وہ لوٹے جارہی ہے جل تو رہی ہی تھی۔ غضب یہ ہوا کہ لڑکوں نے تالی بجادی۔ اور سمیعًا جلتی بھُنتی اپنی

گاڑی میں آ کوٹھی روانہ ہوئی +

(۵)

وائڈ اور سوسینیا دونوں میاں بیوی نے تقریباً نوبرس اسطرح زندگی بسر کی مگر دسویں سال کچھ ایسے پے درپے اتفاقات پیش آئے کہ واحد واٹم کے چھکے چھوٹ گئے چمڑے کا کام تھا۔ کارخانہ میں آگ لگی۔ رہنے کا مکان گرا۔ گھوڑی اپنی موت سے مری گاڑی سائیس کے ہاتھوں چکنا چور ہوئی۔ اب وہ طمطراق اور شوں شاں کس برتے پر کوٹھی چھوڑ شہر میں آئے۔ نوکروں کو جواب دینا پڑا۔ مگر چار بچے۔ دو میاں بیوی۔ ایک بڑھیا۔ ایک رشتہ کی خالہ آٹھ آدمیوں کا خرچ۔ کال پڑا ہوا۔ حال بگڑا ہوا۔ وائڈ صاحب کے تو ہوش اُڑ گئے۔ نوبت فاقوں تک پہنچی۔ بڑی بی وائڈ کی ماں اگلے زمانہ کی دیندار عورت۔ لاکھ بیٹے کی صورت سے متنفر۔ اور عادت سے بیزار تھیں۔ مگر ماتا بری چیز ہے مصیبت دیکھکر سٹ پٹا گئیں۔ جس شخص نے سیکڑوں روپیہ روز خرچ کیے ہوں اب اُس کے پاس ایک پیسہ کا بھی سہارا نہ تھا۔ کوٹ پتلون کے بدلے ایک میلی سی فرغل لائی دن بھر اوڑھے اٹوائی کھٹوائی لیے پڑا رہتا۔ بیٹے کا یہ رنگ دیکھ بڑی بی دنگ رہ گئیں بڑھاپے کے دن۔ اس صدمہ نے بڑھیا کو نہ پنپنے دیا۔ اور بخار شروع ہوگیا۔ رشتہ کی خالہ عمر کی تو خاصی تھی مگر ایسی ظالم کہ پندرہ دن پہلے بڑی بی کی موت کا یقین دلا دیا بخار تو بے شک چڑھا ہوا ہے مگر خاصی اچھی طرح باتیں کر رہی ہیں کہ خالہ نے رو کر واحد سے کہا۔ بیٹا بس اب چلنے ہی کو ہیں۔ ارے تو بچہ ہے ان کا تو بولتے بولتے دم نکلے گا جا پلک کے اگر کی بتیاں اور لوبان لے آ۔ بیٹی تو کیا بیٹھی دیکھتی ہے ڈھاٹے کی دھجیاں جلدی سے نکال +

لوبان منگ گیا۔ بتیاں جل گئیں۔ دھجیاں آ گئیں۔ مگر بڑی بی خاصی اچھی۔ اصل میں خالہ کو خود موت سے ڈر لگتا تھا۔ وہ یہ ڈرتی تھیں کہ کہیں رات بیرات کو یہ

مر مر گئیں۔ اور میں اکیلی ہوئی تو مجھے نہ چمٹ جائیں۔ اسلئے چاہتی یہ تہیں کہ یہ دونوں
بھی میرے ساتھ لپٹے رہیں۔ کھانے کی شوقین تہیں۔ مگر یہ دیکھکر کہ اس طرح کام تو بن
گیا لیکن فاقہ برے پڑے یہ چال کی کہ جہاں صبح ہوئی اور انہوں نے کہا۔ بیٹا اِن کا تو
کسی چیز میں دم اٹک رہا ہے۔ جا کچھ مٹھائی لے آ۔ نیاز دونگی +

واحد لاکھہ فرنگی تہا مگر اِس معاملہ میں تو ایسا بودا نکلا کہ توبہ بہلی۔ مگر اصل بات یہ تہی
کہ انتہائے مصیبت نے اسکے اوسان باختہ کر دیئے تھے۔ اور اسی وقت میں خدا زیادہ
یاد آتا ہے۔ جو خالہ منگوا تیں وہ لاتا۔ اور جو کہتیں وہ کرتا۔ ان داموں خالہ کو بھی یہ سودا
برا نہ تہا۔ آدہی رات کیوقت ایک دن واحد رات بھر کا جاگا دن بھر کا تھکا ہارا۔ آنکھ
لگ گئی۔ بڑی بی نے سیلئے بھر آسٹے۔ خالہ کو لگا ڈر۔ ایک چیخ ماری اگنائی میں آگریں
بچے اُچھل پڑے۔ سمیعًا ہوشیار ہوئی۔ واحد جاگا تو خالہ اکڑوں بیٹھی ہائے ہائے
کر رہی ہیں +

واحد۔ کیوں خالہ صاحب خیر تو ہے؟

خالہ۔ خیر! ہائے خیر ہاں میاں خیر ہے! بُوا اپنے گھر۔ ہاریں ابن سے
زیادہ خیر کیا ہو گی۔ اسی دن کو بیٹے کا ارمان کرتے ہیں کہ ماں ترستی ہوئی جائے۔ واحد
تم پڑے آرام کرو۔۔۔ ہے ہے واحد!

واحد۔ کیا بتاؤں خالہ صاحب میری آنکھ لگ گئی تہی +

خالہ۔ اب عمر بہر آرام کرنا۔ وہ تو گئیں۔ قسم اپنے ایمان کی چوتہی ہچکی میں دم
نکلا ہے!

واحد۔ اب جو فرمایئے وہ کروں +

خالہ۔ کرو گے کیا گلاب جامنوں کو کہتی ہوئی مری ہیں۔ لادو۔ نیاز دیدونگی +
کیا مصیبت کا وقت تہا۔ آدہی رات کو مٹھائی کہاں۔ مگر بدنصیب بہاگا بہاگا گیا دکان

دکان کھلوائی اور ہاتھ پیر جوڑ گلاب جامنیں لایا تو بی خالہ نے لیلیں۔ وضو کیا اور پھر کونے میں جاکر آٹھ دس گلاب جامنیں چکھیں۔

موت کی خبر سنکر بچے بھی اُٹھ بیٹھے۔ سمیعًا بھی آگئی۔ بڑی بی بیمار تو تھیں ہی۔ مگر اس وقت بیٹی کچھ اس طرح تھیں کہ خواہ مخواہ مردہ معلوم ہوتی تھیں۔ خالہ۔ واحد۔ سمیعًا اور بچے بیٹھے بڑی بی کا ذکر خیر کر رہے تھے کہ مُردے نے کروٹ لی۔ اور سب سے پہلے خالہ یہ کہتی ہوئی بھاگیں۔

اسے ہے کوئی سا گیا!

سب سٹ پٹا گئے۔ اِدھر بچے۔ اُدھر میاں بیوی گدّا ایک پر ایک گرا۔ کلیجہ دھڑ دھڑ کر رہا ہے۔ بڑی بی سب کو آوازیں دے رہی ہیں۔ مگر جو ہے وہ کونے میں گُھسا جاتا ہے آخر بڑی بی جوں توں اُٹھیں اور باہر نکلیں۔ دیکھا تو سب دبکے سکڑے ادھر اُدھر کھڑے ہیں۔ بڑی بی سب سے پہلے سمیعًا کی طرف لپکیں۔ بڑی بی کا آنکھیں نکالنا تھا کہ سمیعًا چیخیں مارتی ہوئی بھاگی۔ آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے خالہ اور واحد اور ان دونوں کے پیچھے بچے۔

(۶)

جس شخص کے ہاتھوں میں روپیہ کی ریل پیل ہو کر یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ اب اسکو ایک پیسہ بھی اشرفی ہو۔ اسی کے دل سے پوچھنا چاہئیے کہ کیا گزر گئی۔ مگر واحد پھر مرد تھا جس طرح ہوا زندگی کے دن دے۔ اور جو کچھ مصیبت تھی اس کمبخت سمیعًا کی تھی۔ دل بڑا ہوا۔ آنکھیں بیٹھی ہوئی۔ مادمیں کچھ مزاج کہیں یا وہ دن تھے کہ نوکروں سے بھی سیدھے منہ بات کرنی قسم تھی یا یہ وقت آیا کہ تین سیر آٹا بیلچہ دھوپ میں تھوپ کر چولہے کے آگے سے اُٹھتی تو ٹکڑا نصیب ہوتا۔ وہ بھی کہیں سے ہاتھ لگ گیا تو۔ ورنہ دو دو وقت صاف گزر جاتے۔ اکتا گئی۔ زندگی وبال اور جینا اجیرن

تھا۔ اس انقلاب کا یقینی نتیجہ میاں بیوی کی رنجش تھا جو بڑھتے بڑھتے نفرت کی حد کو پہنچا۔ دونوں ایک دوسرے کی صورت سے بیزار ہوگئے۔ مگر واحد اس معاملہ میں زیادہ گنہگار نہیں۔ وہ اپنے افعال پر نادم اور حرکات پر پشیمان تھا۔ نماز پڑھتا۔ روزے رکھتا روتا۔ گڑگڑاتا۔ سجدے کرتا۔ اور عفو قصور کا طالب ہوتا۔ اُسنے اس حالت میں بھی بیوی کی دلجوئی میں اور سمجھانے میں دقیقہ نہ چھوڑا۔ لیکن اسکے عادات کا لطبیعۃ اور خیالات راسخ ہو چکے تھے۔ وہ واحد کی ندامت پر ہنستی اور توبہ کا مضحکہ اُڑاتی۔ فاقہ کو اتفاق مصیبت کو امکان اور اس انقلاب کو اُسکی غلطی سے تعبیر کرتی۔

(۷)

مصیبت نے واحد کے تکلے کے سے بل نکالدیئے وہ ایک ہی جھکولے میں خدا کے آگے گر پڑا۔ مگر وہ پکی چھتیسی اِس حالت میں بھی نہ جھکی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر سمیعًا واحد کے ساتھ توبہ پر آمادہ ہوتی تو کیا ہوتا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس کی ہیکڑی اور نافرمانی اسکی زندگی کی قربانی ہوگئی۔ تین چھوٹے چھوٹے معصوم لڑکے مشن میں بھیجدیئے گئے گو اس وقت سمیعًا نے دل بہت کڑا کیا۔ اور یہ سمجھکر کہ بچے پڑھیں گے۔ لکھینگے مصیبت سے بچیں گے۔ فاقوں سے محفوظ۔ کپڑوں سے مطمئن ہونگے۔ میاں سے بھی بگاڑلی مگر ایک دو ہی مہینے بعد اُسکو معلوم ہوگیا کہ بچے ہمیشہ کو چھوٹ گئے۔ اور مجھے یہ پتہ بھی نہیں چل نہیں سکتا کہ وہ ہیں کہاں۔ اب البتہ سمیعًا کی حالت خراب تھی۔ صرف ایک بچہ گود میں تھا۔ اور دنیا کی تمام خوشیاں۔ زندگی کی کل امیدیں اسکے دم سے وابستہ۔ بچوں کا فراق ایسا نہ تھا کہ سم سنبھلی رہتی۔ کلیجہ ٹکڑے اور پھلواسے لال تھے ایک دو نہیں اوپرتلے کے تین ہ۔ جیتے۔ جاگتے۔ کھیلتے مالتے ہنستے بولتے۔ اِسکی گود خالی اِس کا گھر سونا۔ اور اسکی آنکھیں اُجاڑ گئے۔ رات دن روتی۔ اور دو دو تین تین وقت کھانا نہ کھاتی۔ واحد قریب قریب قطع تعلق کرچکا تھا۔ بے ثباتی دنیا۔ اُسکے دلپر جم چکی تھی

بیوی کی بے اعتنائی تو بین خیال کو ایک مہمیز تھی۔ دن بھر مولانا شاہ رحمت اللہ کے مشہور مزار کی جھاڑو دیتا۔ اور رات کو وہیں پڑا رہتا۔

ممتا کی ماری ماں نے بچوں کا پتہ لگانے میں کسر نہ چھوڑی۔ جہاں سُراغ ملتا وہیں جاتی۔ مگر جہاں جاتی ناکام آتی۔ آخر گھر کو خیر باد کہا۔ بچہ کو ساتھ لیا اور اُنکی تلاش میں روانہ ہوئی۔ خطرناک جنگلوں میں جہاں مردوں کے دل دہلتے ہیں راتیں اُس کے سر پر صبح ہوتیں۔ اور صبح کا نکلا ہوا سورج اسکی آنکھوں کے سامنے ڈوب جاتا۔ دونوں آنکھوں میں روتے روتے ناسور پڑ گئے۔ پاؤں چھلنی ہوئے۔ سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ آخر وہ وقت بھی آگیا کہ سمیعا زندگی سے بیزار ہو کر موت کی طلبگار ہو۔ مگر مصیبت کا ابھی خاتمہ نہ ہوا تھا۔ اور اپنی سرکشی کی اور سزا بھگتنی تھی۔ صبح صادق کا سہانا وقت تھا دریا آنکھ کے سامنے لہریں لے رہا تھا۔ کنارے پر بیٹھی رو رہی تھی کہ بچہ گود سے بہک کر دریا میں گرا اور چشم زدن میں آنکھ سے اوجھل ہو گیا۔

یہ تھا وہ صدمہ جس نے سمیعا کی کمر ہمت توڑ دی اور کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ایک چیخ ماری اور یہ کہکر بے ہوش ہو گئی۔

"اے کمبخت دنیا! آج جو تھا لال بھی چھین لیا!"

ہوش میں آئی تو آفتاب سر پر چمک رہا تھا۔ گود خالی تھی۔ بچہ کا خیال آتے ہی دیوانہ وار اُٹھی۔ چاروں طرف دیکھا۔ آوازیں دیں۔ مگر کچھ نہ تھا۔ خیال آیا کہ مجھ سے زیادہ بدنصیب ماں کیا ہو گی۔ آنکھیں اُن تینوں ہی کی صورت کو ترس رہی تھیں کہ آج یہ بھی رخصت ہو گیا کلیجہ کے داغ۔ آنکھوں کے ناسور۔ پاؤں کے زخم سب اکارت گئے۔ کون ہے جو بھٹکتی ہوئی ماں اور ترستی ہوئی آنکھوں کو ان پیاروں کی صورت دکھائے۔ آسمان کروٹ لے رہا تھا۔ پرند بسیرے میں تھے۔ اُٹھی اور کہا۔

"فضا میں اُڑنے والی چڑیو! بچوں کو کلیجے سے لگا کر رات گزارنے والے پرندو!

بتہ میرے بچھڑے ہوئے لال مجھے ملادو"۔

"سعید۔ حمید۔ رشید۔ کہاں گئے۔ ان کی بھولی صورتیں۔ انکی پیاری باتیں میری آنکھوں سے چھپ گئیں۔ ہائے مجید بھی گیا۔ نہیں وہ موجود ہے۔ آ۔آ۔آ مجید! دودھ پلاؤں۔ آ خاموش میرے لال۔ میں دکھیاری ماں ہوں۔ اے مجید! بدنصیب ماں پر رحم کر۔ لے دودھ پی۔ آ آ۔ کلیجہ سے لگ جا۔ لپٹ جا۔ مجید چمٹ جا"۔

"ہائے نہیں ہے۔ گیا۔ ہمیشہ کو گیا۔ اب نظر نہ آئے گا۔ نہیں۔ زندہ ہے۔ ادھر سے آواز آرہی ہے"۔

اٹھی بھاگی۔ مجید مجید کہتی ہوئی دوڑی۔ راتوں دوڑی۔ دنوں بھاگی۔ ہر طرف آوازیں دیں۔ ہر جگہ چیخی چلائی۔ روئی پیٹی۔ دنیا چھان ڈالی۔ مگر وہ صورت نظر نہ آئی ایک روز آدھی رات کے وقت جب چاندنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ کلیجہ کی آگ بھڑکی کائنات کا ہر ذرہ قدرت کی زبردست طاقت کا پتہ دے رہا تھا۔ وہ سرجو اکیس سال فرنٹ رہا جنگل بیابان میں منتظم حقیقی کے آگے جھکا۔ آنسو کا دریا آنکھ سے جاری تھا سجدے میں گری۔ اور عرض کیا۔ مجھ سے زیادہ بدنصیب۔ مجھ سے بڑھ کر گنہگار۔ مجھ جیسا سرکش اے مالک حقیقی اپنے افعال پر نادم۔ اپنی حالت پر پشیمان آج تیرے حضور میں حاضر ہے مولا! گنہگار ہوں مگر تائب۔ سرکش ہوں مگر شرمسار۔ اعمال کا ذخیرہ خراب۔ صورت روسیاہ۔ میرے پاس کچھ نہیں۔ ہاں تحفہ ندامت میرے ساتھ۔ اور عفو تقصیر تیرے ہاتھ۔ احکم الحاکمین! رحم۔ کرم۔ عفو۔

حکیم علی الاطلاق! شرمسار کنیز گنہگار بندی۔ بدنصیب ماں۔ تیرے عفو کی منتظر کرم کی امیدوار ہے۔ حاکم حقیقی! مجھ کو نہ دیکھ۔ تیرا دربار بڑا۔ تیری حکومت سچی اپنے حبیب کا طفیل۔ اپنے رحم کا صدقہ۔ اسلام پر میرا خاتمہ کر؟ اے دونوں جہان کے بادشاہ! میری التجا قبول۔ میرے بچھڑے ہوئے لال مجھ سے ملادے۔ قدرت والے

عزت والے۔ حکومت والے بادشاہ! میری آنکھیں ٹھنڈی کردے ✦

آج پہلا اتفاق تھا کہ سمیعؔا کا دُکھا ہوا دل خلوص کے آنسوؤں سے رقیا۔ روتے روتے بیہوش ہو گئی۔ صبح کے قریب ہوش آیا تو پھر آگے بڑھی۔ بھوک لگتی تو جنگلوں کے پھل کھا لیتی اور پیاس سے بیتاب ہوتی تو چشموں کے پانی سے پیاس بجھاتی۔ بچوں کا خیال دم بھر کو بھی مفارقت نہ کرتا۔ مردہ پہلے ہی ہو چکی تھی۔ مجید کے فراق نے رہا سہا اور بھی خاتمہ کیا۔ اسپر مصیبت اور نسنا۔ ہاتھ پاؤں جواب دے گئے۔ طاقت سلب ہوئی۔ ایک ڈھانچ رہ گیا۔ خراسان کے جنگلوں میں ایک دن شام کے وقت بچوں کی یاد میں کلیجہ منہ کو آرہا تھا کہ ایک شخص سامنے آتا ہوا دکھائی دیا۔ دیوانوں کی طرح اُسکی طرف لپکی اور کہا۔ اے جنگل کے نصیبی میرے بچوں کو مجھسے ملا دے؟ ✦

نووارد کو اسکے سوال پر تعجب ہوا۔ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ یہ واحد تھا۔ دونوں میاں بیوی کی نظریں ملیں اور ساکت رہ گئے۔ کچھ سکوت کے بعد واحد نے کہا۔

"سمیعؔا! تیرے چاروں بچے میرے پاس موجود ہیں۔ اور اس سامنے والی جھونپڑی میں اب ہم پانچوں اپنی عمر گزشتہ کے نقصانات کی تلافی خدا کی حمد و تسبیح میں کرتے ہیں ✦

یہ سُنتے ہی سمیعؔا ایک چیخ مار کر گری۔ واحد اُسکو اُٹھا کر جھونپڑی میں لایا۔ بچے باہر نکلے تو سمیعؔا نے آنکھ کھولی بچوں کو کلیجہ سے لگایا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"سچے بادشاہ! میری التجا قبول کی۔ تیرا راج سچا اور تیرا دربار حقیقی۔ میری امتا ٹھنڈی کی۔ میری آنکھیں روشن کیں۔ جس طرح بچھڑے ہوئے لال مجھسے ملائے میرے گناہوں کو بھی معاف کر۔ کہ تیرے حضور میں سر خرو حاضر ہوں ✦

راشد الخیری

مؤثر

جذباتِ محبّت

عشق و محبت کے جذبات سچے بھی ہوتے ہیں اور جھوٹے بھی۔ بہت پیا ز و شوار ہے اہل باطن کی نرالی شان کا کیا پوچھنا؟ وہ مجاز سے بھی حقیقت کا لطف اٹھاتے ہیں مگر اہل ظاہر حقیقت نشناس جب طریق ہوس پرستی اختیار کرتے ہیں تو جادۂ راستی سے کوسوں دور جا پڑتے ہیں۔ چاہ اُن کے حق میں ایک چاہ بن جاتی ہے۔ ڈوبتے ہیں تو پھر اُبھرتے نہیں۔ محبت آدمی کو آدمی سے ہو ہی جاتی ہے۔ مگر خدا سے آدمی کو محبت پیدا کرنی مشکل ہے۔ خدا کو مانتے سب ہیں۔ مگر اُسکے جاننے والے بہت کم ہیں۔ جانتے اور ماننے میں فرق ہے اس اعتبار سے عارف کے سوا خدا کی محبت کا دم کوئی نہیں بھر سکتا اور معرفت حق خدا کا فضل ہے۔ یؤتیہ من یشاء۔ وہ کیا نہیں کر سکتا؟ چاہے تو ذرہ کو آفتاب قطرہ کو دریا۔ رائی کو پربت بنا دے۔ مشت خاک انسان کو افلاک پر پہنچا دے۔ آدمی کو فرشتہ کر دے۔ صورت انسانی کو سیرت رحمانی کا جامہ پہنا دے۔ وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

عشق و محبت کے جذبات و خیالات ظاہر کرنے والوں میں کوئی خدا بیں ہے۔ کوئی خود بیں۔ کوئی صاحب دل ہے۔ کوئی بے دل۔ کوئی عالی دماغ۔ کوئی بے دماغ۔ اور مستمعین و متاثرین کی بھی یہی حالت ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ حقیقی جذبات سے بھی متاثر نہیں ہوتے: اور بعض صاحب حال ہیں کہ صورت مجاز اُن کے سامنے جلوۂ حقیقت کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے۔ "ہر کہ آید در نظر از ود پندارم توئی" دیوانہ را ہوئے بس ست ؎

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

ہر رنگ میں اُسی کی نیرنگی کا خیال ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را مے شناسم

عشق و محبت کے بارہ میں بہت سے بلند خیالات ہیں۔ ایک صاحب دل یوں گل افشانی فرماتے ہیں ؎

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن
دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

ایک بزرگ کامل ارشاد فرماتے ہیں ؎

عشق کیا شئے ہے کسی کامل سے پوچھا چاہیئے
کس طرح جاتا ہے دل بیدل سے پوچھا چاہیئے

ناصر علی کہتے ہیں ؎

محبت جادۂ دارد نہاں در خلوتِ دلہا
چو تار سبحہ گم گردیدہ این رہ زیر منزلہا

ایک تجربہ کار کہتے ہیں ؎

عشق تا خام ست باشد بستۂ ناموس و ننگ
پختہ مغزانِ جنوں را کے حیا زنجیر پاست

حضرت جامی نواسنجی فرماتے ہیں ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

حضرت لسان الغیب سخن سرائی فرماتے ہیں ؎

فاش میگویم و از گفتۂ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

حافظ صبور باش کہ در راہ عاشقی
ہر کس کہ جاں نداد بجاناں نمی رسد

پھر فرماتے ہیں ؎

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں
مانمیخواہیم ننگ و نام را

غنی کہتے ہیں ؎

جنونے کو کہ از قید خرد بیروں کشم پارا
کنم زنجیر پائے خویشتن دامانِ صحرا را

غالب نواسنجی کرتے ہیں ؎

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا حال کروں خون جگر ہونے تک

ایک اہلِ دل فرماتے ہیں ؎

پر توِ حسنت نگنجد در زمین و آسماں　　　در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہ

ایک صاحبِ دل ارشاد فرماتے ہیں ؎

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ　　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ایک دلفگار جگر تمام کے کہتا ہے ؎

دروں سینۂ من زخمِ بے نشاں زدہ　　　بحیرتم کہ عجب تیرِ بے کماں زدہ

ایک روشن ضمیر مشاہدہ کی یہ تدبیر بتاتا ہے ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار　　　جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

کوئی خود رفتہ محوِ تصور ہو کر یوں نوا سنج ہے ؎

دلربایانہ اگر بر سرِ ناز آمدہ　　　از دلِ ما چہ بجا ماند کہ باز آمدہ

ایک بزرگ ہادیٔ طریقت ہدایت فرماتے ہیں ؎

وصالِ دوست طلب میکنی ز خود بگذر　　　کہ درمیانِ تو و او بجز تو حائل نیست

ایک بزرگ حقیقت آگاہ فرماتے ہیں ؎

آں راز کہ در پردۂ اسرار نہاں بود　　　از عالمِ بیعین آمد و از گوش تا بگوش

ایک واقفِ اسرار بزرگ راز کی بات صاف بتا دیتے ہیں ؎

ہر جا زلی در ہمہ ہشیار ساری است　　　ورنہ برگِ گل زردے بلبل بیدل فریاد

ایک بزرگ فنا و بقا کے راز کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں ؎

عشق آمد و شد چو خونم اندر رگ و پوست　　　تا کرد تہی مرا و پُر کرد از دوست

اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت　　　نامے ست ز من بر من باقی ہمہ اوست

اس طرح کے ہزاروں ہی جذبات ہیں جن سے کوئی حقیقی لطف اٹھاتا ہے کوئی بام مجاز سے گر کے سر پھوڑ لیتا ہے۔ کوئی محیطِ عشق میں غوطہ لگا کے گوہر مراد پاتا ہے۔ کوئی دریا کے بہاؤ میں

گو کے آبرو ڈبوتا ہے ؎

کسانیکہ یزداں پرستی کنند برآواز دولاب مستی کنند

ع سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند

شیر و شیر لکھنے میں یکساں ہیں مگر ؎

شیر آں باشد کہ آدم مے خورد شیر آں باشد کہ آدم ما خورد

کوئی جھوٹے عشق کے دعوے کرتا ہے۔ کوئی سچے عشق کو چھپاتا ہے کوئی کہتا ہے میں خدا میں ہوں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں سب کچھ ہوں ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اہل باطن فنا کے طالب ہیں اور اہل ظاہر بقا کے متمنی۔ وہ فنا فی اللہ میں منہمک۔ یہ بقا باللہ سے ناواقف۔ ہمہ اوست کے وہ قائل۔ اور یہ ہمہ از وست کے سمجھنے سے عاجز اور خود میں خدا کو دیکھتے ہیں کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ اور یہ خودی سے خدا کو بھلا بیٹھے ہیں۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجاست

اہل دنیا کی محبت ہوس پرستی غرض پر مبنی ہے۔ محبت خدا کی مانع ہے محبت خدا ترک دنیا کا نام نہیں کہ لا رھبانیہ فی الاسلام ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بودن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

بارخدایا!

با صنع تو ہر مور رہ رانے دارد با شوق تو ہر سوختہ سازے دارد
اے خالق ذوالجلال نومید مکن آنرا کہ بدرگہت نیازے دارد

سید غلام مصطفےٰ ذہین

جنتِ سبا

اور

قرآن مجید کے ثبوت اعجاز کی کچھ قدیم شہادتیں

ب کے صوبہ یمن میں حضرت مسیحؑ سے تقریباً بارہ سو برس پہلے سبا کے نام سے ایک
یم الشان حکومت قائم تھی، یمن کی مشہور شہزادی بلقیس[1] اسی مملکت سبا کی فرمانروا تھی
ان مجید، تورات اور انجیل ان تینوں صحیفوں میں اس ملکہ سبا کا مفصل و مجمل تذکرہ
جو دے، حضرت سلیمانؑ کی بارگاہ میں پہنچنا اور تحائف پیشکش کرنا بھی سب کو معلوم ہے

سبا کا دارالحکومت شہر مارب تھا، اسکے افتادہ اور منہدم آثار ابتک موجود
ں، یورپ کے علمائے آثاریں سے ارناؤ، گلازر، اور ہالوی نے اٹھارہویں صدی کے
لف سنین میں ان آثار باقیہ اور منہدم یادگاروں کا بچشم خود معائنہ کیا، اُن کے کتبات
ل کیا، اور عمارتوں کے نقشے تیار کیے۔

سبا ایک صلح پسندانہ اور امن و مسرت کی حکومت تھی، یہی سبب ہے کہ اُس نے اپنی
ت کا زیادہ تر حصہ اسلحہ کی بجائے عمارتوں پر صرف کیا، ان میں سے بعض عمارتیں عہد اسلام
، باقی تھیں، مسلمان مورخین نے خود دیکھا ہے اور اپنی کتابوں میں اُنکے حالات لکھے ہیں
انی نے اکلیل کا ایک باب صرف انہیں عمارتوں کے لیے مخصوص کیا ہے، بلکہ
لم جو کتبات ملتے ہیں، وہ زیادہ تر انہیں عمارتوں کی یادگاری لوحیں ہیں، نشوان بن
ید حمیری نے قصیدہ حمیریہ میں تقریباً ۲۵ عمارات شاہی کا ذکر کیا ہی، یورپین سیاح
ان عمارات کے کہنہ بدن سے عجیب و غریب حالات بیان کرتے ہیں، قصر سلحین جو دنیا کا

[1] یہ نام مشہور ہے لیکن صحیح نہیں،

شاہی تھا، اسکا نشان بھی اب تک موجود ہے۔

اسی سلسلۂ عمارات میں ایک "بندآب" ہے، جسکو عرب حجاز "سد" اور عرب یمن "عرم" کہتے ہیں، عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں، صرف سلسلۂ کوہستان ہے پانی پہاڑوں سے بہکر ریگستانوں میں خشک ہوجاتا ہے اور ضائع جاتا ہے، زراعت کے مصرف میں نہیں آتا، سبا نے مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیئے تھے کہ پانی رک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے مصرف میں آئے۔ مملکت سبا میں اس قسم کے سیکڑوں بند تھے، ان میں سب سے زیادہ مشہور سد مارب تھا جو دار الحکومت کے اندر واقع تھا۔

شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں، جن کا نام کوہ ابلق ہے۔ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وادی اذنیہ ہے، پہاڑوں اور نیز ادہر ادہر سے پانی جمع ہوکر وادی اذنیہ میں ایک دریا جاری ہوجاتا ہے، سبا نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان تقریبًا ۸۰۰ق م میں سد مارب کی تعمیر کی تھی، یہ بند تقریبًا ۱۵۰ فٹ لمبی اور ۵۰ فٹ چوڑی ایک دیوار ہے، اسکا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے، لیکن تاہم اسکی ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے، ارناؤ ایک یورپین سیاح نے اسکی موجودہ حالت پر ایک مضمون فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے اور اسکا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا۔ اس دیوار پر جا بجا کتبات ہیں، وہ بھی پڑھے گئے ہیں۔

عام مسلمان مورخین چونکہ ہر قدیم عمارت "بنائے سلیمانی" کہنے کے عادی ہیں۔ اس لیے اس سد کا بانی وہ بلقیس ملکۂ سبا و حضرت سلیمانؑ کو قرار دیتے ہیں، لیکن سد مارب کے بقیہ حصہ پر جو کتبات ہیں، ان میں بانیوں کے نام بھی خوش قسمتی سے باقی رہ گئے ہیں ان میں سے یثع امر بین بن سمہعلی ینوف مکرب سبا، سمہعلی ینوف بن ذمرعلی مکرب سبا، کرب ایل بین بن یثع امر مکرب سبا، ذمرعلی ذرح ملک سبا، اور یدع ایل وتار کے

نام پڑ گئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سد ایک زمانۂ ممتد میں مختلف سلاطین یمن کے عہد میں تعمیر ہوا ہے، اسکا پہلا بانی شمع امر تھا جو آٹھویں صدی ق م میں تھا۔ اس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں۔ اوپر سے نیچے تک کی کھڑکیاں حسب ضرورت کھولی اور بند کیجاتی تھیں، سد کے دائیں بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے، جن سے پانی تقسیم ہوکر چپ و راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا، اس سد کے حالات ہمارے مفسرین نے جو بیان کئے ہیں[1] بعینہ ارناؤ کے بیان سے اسکی تصدیق ہوتی ہے[2]۔ نقشہ کے دیکھنے سے صورت حال اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیگی +

اس نظام آب رسانی سے چپ و راست دونوں جانب اس ریگستانی و شور ملک کے اندر ۳۰۰ میل مربع میں سیکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے، اُن کی خوشبو دور تک پھیلی رہتی تھی۔ قرآن مجید ان آیات میں انہیں باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے:-

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ، جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ، كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ، بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ (سبا ۲۰)

سبا کے لوگوں کے لیے خود انکے گھر میں قدرت خدا کی ایک عجیب نشانی موجود تھی، دو باغوں کا سلسلہ دائیں بائیں، سبا کے لوگو! اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور شکر کرو، شہر ہے پاکیزہ، اور پروردگار بخشنے والا۔

ہمارے مخالفین تفسیروں میں اس بہشت زار کے عجیب و غریب قصے جو مذکور ہیں اُنکو پڑھکر خندۂ تحقیر کے ساتھ کہتے تھے کہ کیا عرب کے خشک ریگستان میں بھی کبھی یہ باغ و بہار تھی ہم اس شکر خند ہنسی کو سنکر خاموش ہو رہتے تھے، لیکن الحمد للہ کہ اب حاملین قرآن کی آنکھیں جسقدر کھلتی جاتی ہیں، اور انکو قدیم و جدید یورپ کے سربمہر خزانوں پر دسترس ہوتی جاتی ہے، قرآن مجید کے ثبوت اعجاز کی نئی نئی شہادتیں اُنکے سامنے آتی جاتی ہیں +

---

[1] تفسیر آیت مذکور، طبری، بغوی، [2] فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کا رسالہ ۱۸۷۴ء،

پہلی صدی ق م سے چوتھی صدی ق م تک یونانی مصر کے حکمران تھے۔ اُن کے عہد میں مصر کا دارالحکومت "اسکندریہ" تمام مشرقی اور مغربی تاجروں کا مرکز تھا، سبا اس عہد کی سب سے بڑی تاجر قوم تھی، اِن تعلقات کی بنا پر یونانی سیاح اور تاجر یمن تک پہنچا کرتے تھے، یمن کا نام اُن کی زبان میں "عربیا فیلکس" یعنی خوش قسمت اور خوشحال عرب" ہے۔ اس خوش حال اور خوش قسمت قطعہ عرب کے حالات جو انہوں نے اپنے زمانہ میں لکھے، اُن سے "سبا کی جنت کی" داستان کے عجیب وغریب احوال منکشف ہوتے ہیں، اور انکو پڑھکر قرآن مجید کے اعجاز کا ایک تعجب انگیز باب ہمارے سامنے آجاتا ہے، اور ہمکو اپنے معترضین کے خندۂ تحقیر پر اب خود ہنسی آتی ہے،،

اراٹوستھینس Eratosthenes (۱۹۴ ق م) ایک یونانی مورخ بیان کرتا ہے:-

عرب کی انتہائی حد پر سمندر (بحر ہند و عرب) کے پہلو میں ... سبا کے لوگ ہیں، جن کا دارالحکومت مارب Mariaba ہے .... یہ قطعہ زمین معتدلہ سے بڑا ہے، گرمیوں میں بارش ہوتی ہے، اور دریا جاری ہوتے ہیں، جو میدانوں اور تالابوں میں جاکر خشک ہوجاتے ہیں۔ اسی سبب سے زمین اسقدر سرسبز و شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دو بار ہوتی ہے،

حضرموت سے سبا کے ملک تک ۴۰ روز کا راستہ ہے اور معین سے سوداگر ۷۰ دن میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں، حضرموت، معین اور سبا کے ملک خوش و خرم ہیں، اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔

ایک یونانی مورخ اگاتھرشیڈس Agarthar chides (۱۴۵ ق م) جسکی تصنیف کا زمانہ دوسری صدی ق م ہے، بیان کرتا ہے:-

سبا عرب آباد ان (Arabia Flex) میں رہتے ہیں، جہاں بہت

اچھے اچھے بیشمار میوے ہوتے ہیں، زمین متصل بحر میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں۔ جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں اندرون ملک میں بخورات، دارچینی، چھوہارے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں، اور ان درختوں سے نہایت شیریں بو پیدا کرتی ہے، درختوں کے اقسام کی کثرت و تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے، جو خوشبو اُس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں، اور جن کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہوسکتی۔ جو اشخاص اس زمیں سے دور، ساحل پر سے گزرتے ہیں، وہ بھی جب ساحل کی طرف ہوا چلتی ہے، تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں۔ ان مسالوں کو وہاں کاٹتے نہیں، اور کاٹ کر ان کا انبار نہیں لگاتے، لیکن چونکہ شگفتہ اور تازہ رہتے ہیں، اس لیے جو شخص اس ساحل سے گزرتا ہے، وہ آب حیات کا گویا لطف اٹھاتا ہے، یہ تشبیہ بھی اسکی قوت و لطافت کے لحاظ سے ناقص ہے،

سبا میں حکومت وراثۃً منتقل ہوتی ہے، اُن کا بڑا شہر مارب ہے جو ایک پہاڑ پر واقع ہے (جبل الملق) بادشاہ اسی شہر میں رہتا ہے، جو لوگوں کو فیصلہ دیتا ہے، لیکن اُسکو کبھی اسکی اجازت نہیں کہ وہ اپنا قصر چھوڑ کر نکل سکے اگر وہ اسکے خلاف کرتا ہے تو وہ حسب حکم مذہبی سنگسار کردیا جاتا ہے،

سبا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولتمند لوگ ہیں، چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے، بُعد کے سبب سے کسی نے انکو فتح نہیں کیا ہے، اس لیے خصوصًا انکے دار الحکومت میں سب نے چاندی کے برتن ہیں، تخت اور پیشگاہیں ہیں، جن کے ستون زرنگار اور نقرئی و طلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں ایوان اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں، اس قسم کی زیب و زینت پر

نہایت ہنرمندی و محنت وہ صرف کرتے ہیں"

مشہور سیاح آرٹی میڈوروس (Artemedorus سنہ ق م) باشندۂ شہر افسوس (Ephesus) جو سبا کے عہد آخر میں تھا، لکھتا ہے:-

سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے جو ایک پر اشجار پہاڑ پر زمانۂ خوش حالی (عیش آرایش و مسرت) میں واقع ہے، میووں کی کثرت کے سبب سے لوگ سست اور ناکارہ ہوگئے ہیں، خوشبودار درختوں کی جڑوں میں لیٹے پڑے رہتے ہیں، جلانے کی لکڑی کے بدلے دارچینی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہیں، کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے اور کچھ ملکی اور غیر ملکی مالوں کی تجارت کرتے ہیں، یہ مسالے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں، جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں میں بیٹھکر دریا کے پار چلے جاتے ہیں، قرب وجوار کے قبائل سبا سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں، اور وہ اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں، اور اسی طرح دست بدست وہ شام اور جزیرہ تک پہنچتے ہیں[۱]

ان قدیم شہادتوں کے بعد جنت سبا کی واقعیت سے کسکو انکار ہوسکتا ہے، اس حقیقت کے متعلق شکوک و شبہات کا جو انبار تھا، ان شہادتوں کی ایک چنگاری ان کو جلا کر خاکستر کر سکتی ہے۔

ذرۂ عشقے جہانے عقل را غارتگر است
پنبہ گر صد تودہ باشد آتشے یک اخگر است

(معارف)

---

[۱] یہ تمام بیانات تاریخ قدیم کے مستند ترین ماخذ ڈنکر کی ہسٹری آف انٹیکوٹی سے ماخوذ ہیں۔ جلد ۱ صفحہ ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۱۳۔

نوٹ

شام زندگی

دلی کی خاک پاک سے پیدا ہونے والے وہ اقلیم سخن کے شاہنشاہ جن کی زندگی پر جہان آباد کو ناز تھا، آج اسکی آغوش میں بے خبر پڑے سوتے ہیں، کیسا مبارک ہوگا وہ وقت جب یہ مجلس جمی ہوئی ہوگی، اور کیسی پر لطف ہوگی وہ صحبت جس میں وہ باکمال موجود ہونگے۔ جن کے منہ سے موتی جھڑے اور قلم سے پھول برسے، اب وہ جلسے درہم برہم اور وہ صحبت ختم ہوئی، ہاں صحبت شب کی یادگار دو ایک افسردہ شمعیں باقی رہ گئی ہیں، جنھوں نے رات بھر ساتھ دیا، اور ان میں ایک مولانا راشد الخیری مدظلہ العالی کے پیکر میں دکھائی دے رہی ہے۔ اس بلبل خوش الحان کی نواسنجیاں ایک عالم کو مسخر کر چکی ہیں۔ سائرہ، صلحات، انشاء، صبح زندگی وغیرہ مولانائے ممدوح کے قلم سے ایسی کتابیں نکلیں کہ اہل علم ادب نے ان کو سر آنکھوں پر رکھا، مخزن کو مولانا کے قلم سے معراج نصیب ہوئی عصمت کی ہر دلعزیزی مولانا کی ذات سے تھی، اور اسوقت ہندوستان کا کوئی پرچہ ایسا نہیں جسکو یہ آرزو نہو کہ مولانا کی دو سطریں ملجائیں تو عزت افزائی ہوجائے مگر مولانائے ممدوح کی زندگی ایک عجیب زندگی ہے، نام و نمود، شہرت و تشہیر سے الگ تھلگ، گوشۂ قناعت میں دنیا کے بکھیڑوں سے دور۔ اللہ اللہ کرنا، اور صنف نسواں کی ممکن خدمات انجام دیدینی صبح زندگی مولانائے موصوف کی کتاب پر جب سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب جیسے مشہور و ممتاز ادیب خواہشمند ہوئے کہ اسکا دوسرا حصہ لکھوایا جائے تاکہ بیٹیوں کے علاوہ بیویاں اور بہوئیں بھی مولانا کے فیض سے مستفیض ہوں تو ہم نے جسارت کی اگر بیدار شاہ ولد و ایک

نوطوں میں ہاتھ آنے والے نہ تھے، **المختصر** جس طرح ہوسکا۔ مولانا کا وہ چھپا شام زندگی لکھوا کر چھوڑ گیا، کتاب اس پایہ کی لکھی گئی ہے کہ کوئی ٹکڑا ایسا نہیں جسکو پڑھکر سنگین سے سنگین دل کی بھی ہچکی نہ بندھ جائے۔ ٹریجڈی (داستان غم) لکھنے میں مولانا اسوقت اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ اور اس رنگ میں حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے عم بزرگوار ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم پر بھی سبقت لے گئے ہیں، کتاب ابھی پریس سے باہر نہیں آئی۔ مگر دنیائے ادب میں اسکی وہ دھوم مچ گئی ہے کہ ہندوستان کا تار بندھا ہوا ہے، اسلیئے کہ ناظرین نظام المشائخ اس سے محروم نہ رہیں۔ ہم شام زندگی کا ایک مختصر ٹکڑا درج ذیل کرتے ہیں۔ اور اعلان کرتے ہیں کہ اگر ناظرین نے اس کتاب کے لینے میں (جس سے کوئی پڑھا لکھا گھر خالی نہ رہنا چاہیئے) جلدی نہ کی تو دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ ہم نے ۱۴۔ فروری سنہ رواں کے خطیب میں شام زندگی کا ایک بڑا ٹکڑا نقل کیا ہے، اور ناظرین نظام المشائخ کو بھی آگاہ کردیا ہے کہ ان کو شکایت کا موقع نہ رہے +

ایڈیٹر

بہنوں! میں نے آج تم سب کو تکلیف دی۔ مگر مجبور ہوں۔ جی چاہتا تھا کہ ایک دفعہ تمہاری صورتیں اور دیکھ لوں۔ موت کی تمنا مذہباً درست نہیں۔ مگر مجھے اب اپنی موت کا یقین ہے۔ اس لیئے ضرور تھا کہ سب سے ملکر رخصت ہوتی۔ میں آجتک چون برس چار مہینے اور اٹھارہ روز اس دنیا میں رہی۔ یہ عرصہ کہنے کو تو بہت بڑا اور ظاہر میں تما صا بہت ہے۔ مگر انسان جو فانی دنیا کی جلوں پر شاہ ہوتا ہے۔ آنکھ بند کرکے گزار دیتا ہے، یہی حال آج میرا ہے۔ پچپن برس کے قریب زندہ رہی مگر جینے سے دل سیر نہوا، وقت کافی، زمانہ معقول، اور عرصہ پورا ہے مگر ہر کام ادھورا۔ ہر بات ناقص۔ اور ہر معاملہ غیر مکمل۔ چھوڑ رہی ہوں۔ گویا نہ موت آنی تھی۔ نہ مجھے جانا۔ بیکار آئی۔ بار دیکھا۔ رہی،

شرمسار مرتی ہوں، ورگنہگار جاتی ہوں۔ اعمال کی بھلائی، اورافعال کی کمائی میرے ساتھ ہوتی۔ مگر کچھ نہیں۔ ابتدائی پانچ چہار سال کا حال تو یاد نہیں مگر جب سے ہوش سنبھالا ایک کام بھی ڈھنگ کا نہ کیا۔ پھوپی جان جیسی شفیق ماں کی خدمت جنہوں نے اپنی زندگی میرے برباد کی۔ مجھ سے خاک نہ ہوسکی۔ کتنے کو تنگ گزر گئے مگر نہیں مجھے وہ دن یاد ہیں جب میں انکو سختی سے جواب دیتی تھی اور وہ خاموش ہوجاتی تھیں۔ آج یہ ہاتھ پاؤں جنپر گھمنڈ تھا بیکار ہیں۔ اور عمر جسپر ناز تھا ختم ہوگئی۔ مگر اسکی یادگار آج ندامت پشیمانی میرے پاس ہیں۔ اور اب سوائے رونے کے کوئی چارہ نہیں۔ اماں جان کی نصیحتیں میں نے کیں۔ ابا جان کے حکم بارہا میں نے ٹالے۔ بہن بھائیوں پر شفقت مجھ سے نہ ہوئی۔ بڑوں کی طاعت میں نے نہ کی۔ آہ اے عمر گزشتہ۔ اس کٹھن رستے میں جہاں ایک ایک قدم اٹھنا مصیبت ہے۔ تونے عذاب کا ایسا انبار سر پر رکھدیا کہ کسی طرح ہلکا نہیں ہوتا۔ مامائیں مجھ سے ناخوش، لونڈیاں مجھسے نالاں نوکر مجھ سے پریشان الٰہ العالمین۔ الامان الامان +

اسوقت نسیمہ کی ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ اور بیویوں میں سے کوئی بھی ایسی نہ تھی جو نہ رو رہی ہو۔ کچھ ضبط کیا اور پھر سلسلہ شروع کیا۔

کل کی بات ہو کہ پھوپی جان نے مجکو پالکی میں سوار کرایا۔ اُسوقت بیسیوں عورتیں سفید بالوں والی مجھے رخصت کرنے میں شریک تھیں۔ آج وہ سب قبروں میں جاسوئیں اور میرا سر سارا سفید ہوگیا۔ یہ انقلاب قدم قدم پہ مجھے موت کا سبق دیتے تھے لیکن غفلت کی انتہا بیخبری کی حد کہ کبھی بھولے سے بھی موت کا خیال نہ آیا۔ پندرہ برس کی بیاہی آئی۔ چالیس برس اس محلہ میں رہ چلی۔ مگر ایک کو بھی پوری طرح خوش نہ کرسکی اماں جان اللہ غریق رحمت کرے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے خوش گئیں یا رنجیدہ۔ رابعہ ہاجرہ دونوں نندیں میرے سپرد تھیں۔ مگر ان کا حق خدمت کچھ بھی ادا نہ ہوا۔ بیموقع

گھرکا۔ بلاوجہ ڈانٹا۔ بے سبب خفا ہوئی۔ خواہ مخواہ بگڑی۔ اب بھی سمجھتی ہوں تو اس غصہ میں اصلاح کا خیال کم اور نفسانیت زیادہ تھی۔ مگر مجھے اِن بچیوں کی سعادتمندی سے امید ہے کہ یہ مردہ بھاوج پر عذاب نہ ہونے دیںگی۔ اور عند اللہ میری غلطیوں کو معاف کر دیں گی +

نندیں یہ سُنتی ہی چیخیں مار کر بھاوج کے قدموں پر گر پڑیں۔ اور کہا خدارا بھابی جان یہ نہ فرمائیے۔ آپنے ہماری ماں کو ہمارے دل سے بُھلا دیا آپ ہی نے ہمکو انسان بنایا۔ اور ہم آپ ہی کی بدولت دنیا میں رہنے کے قابل ہوئے +

دونوں نندوں کو نسیمہ نے گلے لگایا۔ اور پھر کہنا شروع کیا۔ کنبہ کی ایک دو نہیں بیسیوں اللہ کی بندیاں میرے رحم کی مستحق تھیں۔ محلہ کی بہت سی مخلوق بھوکی سوئی اور میں نے پیٹ بھرے۔ مسافر میرے دَر سے خالی گئے۔ یتیم میری چوکھٹ سے ناکام پھرے رانڈوں نے اِس بند ہونیوالی زبان سے جھڑکیاں سنیں۔ بڑی بوڑھیوں نے میرے طعنے سہے۔ نوکروں نے میرے غصے اُٹھائے۔ ہائے اللہ۔ گناہوں کی گٹھڑی اتنی بڑی۔ رحم آقا رحم!

(ایک متفقہ آواز نکلی)

اے بیگم تیرے رو میں رونئیں ہیں خدا جان دے۔ ہمکو بے کس نہ چھوڑ۔ یتیموں کا باپ تو۔ رانڈوں کا وارث تو۔ اپاہجوں کا سہارا تو۔ مفلسوں کا گزارہ تو۔ اے بیگم تو +

نسیمہ اِسکے بعد کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ مگر تکان زیادہ ہوئی۔ بخار شدت سے چڑھا اور بولنے کی ہمت نہ رہی۔ بیویوں نے اُسکی بلائیں لیں۔ بچوں نے اُسکو دعائیں دیں شام قریب تھی۔ بیویاں روتی دھوتی اپنے گھروں کو سوار ہوئیں۔ رات کے نو بجے بخار کچھ ہلکا ہوا تو نسیمہ نے قسیم کو اپنے پاس بُلایا اور کہا۔

خوش نصیب ہوں میں بیوی کہ تمہارے ہاتھوں پیوند زمین ہوتی ہوں جس چہرے

سے گھونگھٹ اُٹھایا تھا۔ اُسکو اپنے ہاتھ سے خاک میں چھپا دینا۔ سیاہ بال تمہارے گھر میں سفید ہوئے۔ اور جوانی تمہارے سامنے بڑھاپے سے بدل گئی۔ تم آقا تھے میں کنیز تھی۔ تمہارا رتبہ زیادہ اور حق بڑا تھا۔ مگر ہزاروں مرتبہ بگڑی ہوں۔ اور بُرا بھلا کہا ہے آج اپنے بچوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں۔ اپنی عنایت سے اسکو معاف کر دینا تاکہ خدا کے حضور میں تمہاری گنہگار نہ رہوں۔ نسیم بیوی کی زبان سے اتنا سنتے ہی بیتاب ہوگیا۔ روتا ہوا آیا۔ اُسکے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگائے اور کہا :-

تم جیسی بیوی۔ دنیا چراغ لیکر ڈھونڈے تو نہ ملیگی۔ تم نے وہ کیا کہ میرا دل تم کو دعائیں دے رہا ہے۔ تم نے مجکو پچاس روپیہ کی نوکری سے صدر الصدور بنادیا اور جس گھر میں کتے لوٹتے تھے تمہارے دم سے آجتک گلزار بنا ہوا ہے میرا منہ نہیں کہ تمہارا شکریہ ادا کرسکوں۔ ہاں میں تم سے نادم ہوں اور اس خیال سے جو پہلو ل میں نے کیا میری روح کانپ رہی ہے۔ بیگم نسیمہ بیگم اپنے بچوں کا صدقہ۔ مرے ہوئے وسیم کا صدقہ مجکو بخشدے +

نسیمہ نے شوہر کا ہاتھ اپنے سر پر کھا۔ اپنے ہاتھ سے اُسکے آنسو پونچھے۔ اور کہا خدا اُسے برحق تم کو معاف کرے۔ میں پہلے ہی معاف کر چکی ہوں اور اب پھر کہتی ہوں۔ میں نے معاف کیا۔ اب میں تم سے اِسقدر اور کہتی ہوں۔ اگر میرے بعد ضرورت تم کو دوسرے نکاح پر مجبور کرے تو بیشک کر لینا۔ میں منع نہیں کرتی۔ لیکن دو معصوم بچیاں تمہاری محتاج چھوڑتی ہوں۔ لڑکے سیانے ہیں اور کماتا دھن۔ مگر یہ بھولی چڑیاں سوتیلی ماں کے قبضے میں نہ جائیں۔ "تسنیم" اِن کی پرورش کرے گی۔ ماں کا پکھوا چھوٹنے کے بعد تسنیم سے بہتر رفیق اِن کا کون ہوگا۔ وہ دشمنی میں انکی دوست اور بدخواہی میں انکی بہترین خیر خواہ ہوگی۔ تمہاری تنخواہ میں سے جو کچھ مجکو آج تک جمع ہوا۔۔۔ یہ دس ہزار کے نوٹ ہیں جو اِن دونوں کی شادی کے واسطے محفوظ تھے۔ اور اب تمہارے سپرد کرتی ہوں

بچے گو ہشیار ہیں۔ مگر میرے بعد دیوار سے سر پھوڑیں گے۔ اِن کو کلیجہ سے لگا کر کہنا اگر میدان حشر میں ملاقات ہونی ہے تو میں اپنے بچوں کے دُکھ کا مواخذہ تم سے ضرور کروں گی ٭

بخار پھر تیز ہوا۔ اور بارہ بجے تک ۱۰۶ درجہ سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ تسنیم ماں کے پاؤں سے اور قسیم بیوی کے ہاتھ سے آنکھیں مل رہا تھا کہ نسیمہ خاموش ہو گئی۔ صبح کے وقت جب قسیم بالکل ہی نا امید ہو گیا تو ایک چمچہ شربت لیکر بیوی کے پاس آیا۔ اُسوقت نسیمہ نے اُسکے آگے ہاتھ جوڑے۔ آنکھوں سے قصور کی معافی چاہی۔ قسیم شربت دینا چاہتا تھا کہ اُسنے شوہر کا ہاتھ ہٹا دیا۔ اور یہ کہکر ہمیشہ کو خاموش ہو گئی :۔

دیکھو میرے لال کی روح میرے استقبال کو آئی۔ وسیم ہاتھ پھیلائے مجھے گود میں لینے کھڑا ہے ٭

راشد الخیری

بہدیہ

رباعیاتِ امجد

ان رباعیات کا اول حصہ اردو میں دوسرا حصہ فارسی میں ہے۔ ان رباعیات کے دیکھنے کے بعد نوجوان مصنف کی قابلیت و ذہانت و جدت پسندی و خیال آفرینی کی داد ضرور دینی پڑتی ہے۔ قدیم فارسی شاعری کا ایک بڑا حصہ خط و خال۔ زلف و کمر کے دقائق و موشگافیوں پر محدود تھا۔ لیکن بعض شاعر ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے اس قدیم حد سے تجاوز کرکے انسانی جذبات و فلسفہ اخلاق و معرفت الٰہی و پند و مواعظ کے اعلےٰ نمونے بھی اپنی نظموں میں دکھلائے ہیں۔ ایسے مضامین حافظ کی غزلوں۔ سعدی کی نظم و نثر۔ ابن یمین کے قطعات۔ مولانائے روم کی مثنوی و غزلیات۔ عمر خیام و سحابی نجفی کی رباعیات میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ اور زبان زد خاص و عام ہیں۔ فلسفہ عملیہ و افادیہ جس کا موجد اہل یورپ لارڈ بیکن کو تصور کرتے ہیں۔ اُس سے صدیوں پیشتر ان نامور شعرائے ایشیائی کی تصانیف میں موجود تھا۔

شاعری کی اس صنف میں جسکو رباعی کہتے ہیں جو خاص بحر ہزج میں ہوتی ہے۔ اور اُسمیں بھی اُسکے اوزان و زحافات محدود و مخصوص ہیں۔ میری رائے میں سحابی نجفی سے زیادہ کسی شاعر نے نہ لکھا ہوگا۔ اس شاعر نے اپنی عمر تجرد اور گوشہ نشینی میں بسر کی اور اسیوجہ سے عوام میں زیادہ مشہور نہوا۔ لیکن اُسکا کلام فلسفہ اور معرفت کے دقائق سے مملو تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اُسنے ستر ہزار رباعیاں تصنیف کی تھیں لیکن اُن کا ایک بڑا حصہ اُسنے ایک فوری اور مجنونانہ خیال کی تحریک سے دریا کی نذر کر دیا۔ اور دنیا کو اُنکے استفادہ سے محروم رکھا۔

گویا حافظ شیرازی علیہ الرحمتہ کے اس شعر پر عمل کیا ؎

مرا بکشتیِ بادہ درافگن اے ساقی — کہ گفتہ اند نکوئی کن و در آب انداز

ہندوستان میں اردو جدید رنگ کی فطری اور فلسفیانہ شاعری کا باوا آدم حضرت حالی کو کہنا زیبا ہے۔ جناب اکبر الہ آبادی کے قطعات اور رباعیوں نے بھی قوم کو اپنے بعض عیوب پر مطلع اور متنبہ ہونے میں بہت کچھ مدد دی ہے۔ ہمارے امجد صاحب کی بھی رباعیاں اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں +

یورپ میں اخلاقی اصلاح ایسی ہی تصنیفات کے ذریعہ شروع ہوئی تھی جس کا نتیجہ آج دنیا پر روشن ہے۔ جو کام جناب اکبر الہ آبادی شمالی ہند میں کر رہے ہیں۔ وہی کام ہمارے امجد صاحب نے جنوبی ہندوستان میں شروع کیا ہے۔ یہ دونوں فلک شاعری کے قطبین کہے جا سکتے ہیں۔ البتہ شمالی اور جنوبی کا فرق ہے +

اب میں امجد صاحب کی بعض بعض رباعیات کے مضامین پر سرسری نظر ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں +

ناپائداری عمر

ہر لحظہ سوئے ممات مائل ہے حیات　　سچ پوچھو اگر تو نقش باطل ہے حیات
خطی تجنیس سے سبق لو امجد!　　دیکھو کہ حباب کے مماثل ہے حیات

اس رباعی میں حباب و حیات کی باہمی مماثلت صنعت تجنیس خطی سے نہایت عمدہ طور پر ثابت کی گئی ہے +

پردہ

بی بی کو مناسب نہیں شوہر سے خلاف　　آئینہ کو زیبا نہیں جوہر سے خلاف
مستور رہیں۔ ستر سے انکار کریں　　مشتق سے موافق۔ اور مصدر سے خلاف

یہ رباعی پردے کے متعلق ہے۔ مشتق سے موافق اور مصدر سے خلاف بالکل انوکھی اور نئی بات ہے۔ اور مخالفین پردہ سے عجب پرمعنی سوال کیا گیا ہے +

عجز دشمن

مشکل ہی جہاں میں نیک گوہر ملنا بہتر ہے جفاکار سے کمتر ملنا
دشمن کی تواضع پہ نجا اے امجد جان لے لیتا ہی تلوار کا جھک کر ملنا

اس میں اس شعر کا مضمون ایک دوسرے پیرائے میں عمدگی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے

برتواضع ہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست
پائے بوس سیل از پا افگند دیوار را

محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

واللہ محمدٌ رسول بشرٌ من وجہہ یخجلان شمسٌ قمرٌ
ہو عارض و گیسو و کمر کا کیا وصف دورٌ و تسلسلٌ و فیہ نظرٌ

اسمیں عارض کے متعلق دور اور گیسو کے متعلق تسلسل اور کمر کے متعلق فیہ نظر کے الفاظ نہایت موزونیت کے ساتھ لف و نشر مرتب کی صنعت میں استعمال کرکے قدیم ایشیائی شاعری کی داد دی ہے +

علم و عمل

جب علم و عمل ہمکو نہیں یاد بہم سمجھو کہ وہ ہو جائینگے برباد بہم
ہی علم عمل سے - اور عمل علم سے ہی ہیں علم و عمل دونوں کے اعداد بہم

اس رباعی میں علم و عمل کے ہم عدد ہونیسے اچھا نتیجہ نکالا گیا ہے - حدیث شریف میں ہے کہ علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے موجب ضلالت ہی +

بیدردی

عسرت ہی پریشانی ہی بدحالی ہے افسوس عجب قوم کی پامالی ہے
خودسر کو کسی کے درد دل سے کیا کام فانوس حباب شمع سے خالی ہے

اس رباعی میں ایک اچھوتا مضمون باندھا گیا ہے جو قابل تعریف ہے +

رباعیات فارسی

ضرورت خاطر جمعی

میپندیر و اظل ہمہ کے اسباب   استادہ مشو زیر ہمائے اسباب
بے خاطر جمع ، جمع اسباب مکن   کن خاطر خویش جمع بجائے اسباب

اسباب کے بجائے خاطر جمع رکھنے کے اچھی ہدایت کی گئی ہے جو ایک عمدہ اخلاقی سبق ہے

مبداء و معاد

بزلیست چند ساعتے چوں بدوست   بیغائدہ غافلا چرا غازہ بدوست
زیر غالیہ و عطر چہ خوشبو باشد   مبداء و معادت از تعفن ملوست

دائرہ حیات انسانی کی ابتداء اور انتہا کا یکساں ہونا خوب ثابت کیا گیا ہے +

وحدت مبداء و معاد

چوں بندہ بہ رب فنا شود رب گردد   آثار ربوبیت مرتسب گردد
حب از صور برگ و ثمر برگشتہ   آخر بمثال اولیں حب گردد

اسمیں انسانی زندگی کا دور و تسلسل فلسفیانہ طور پر بیان کیا گیا ہے +

حرص

ممسک پئے مال چوں گدا میگردد   بزر بہزار جاں فدا میگردد
طامع ز حصول مال طماع شود   چوں دانہ بیا بد آسیا میگردد

حرص کے پھیلتے ہیں پاؤں بقدر وسعت" کے مضمون کو عمدہ تمثیل سے ثابت کیا ہے

عزت شغا

یکسا قسعد بہ بر و بحر تا بہ گوہر   از موج نہ بشکند حباب گوہر

از سیل بلا آبرو ما نه رود — که شستہ شود در آب آب گوہر

اخلاقی فلسفہ کے ایک عمدہ مضمون کو ایک نہایت موزوں اور برجستہ تمثیل سے ثابت کیا جو قابل داد ہے،

ہر کس بخیالِ خویش

در جرم وگناہ فرقہ خوار وزبوں — جمعے بعبادتِ خداے بیچوں
کافر بصنم خوش و مسلماں بجرم — کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ

قرآن مجید کے ایک مشہور جملہ (آیت) پر موزوں اور مناسب مصرعے لگا کر فلسفیانہ تفسیر لکھی گئی ہے۔ دریا کوزے میں سما دیا گیا ہے، اللھم زد فزد،

محمد ابو الحسن صدیقی فرشوری بدایونی

میلاد نامہ

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی تصنیف ہے۔ اردو زبان میں آجتک جسقدر مولود کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں یہ کتاب اُن سب سے نرالی ہے اور اسمیں تمام معتبر اور صحیح روایتوں کو جمع کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے حالات سے شروع کیا ہے اور ولادت کا بیان نظم و نثر کی زبان میں سے قلمبند کرکے بچپن، جوانی کے کل واقعات لکھے ہیں۔

پھر دوسرے حصے رسول بیتی میں رسالت سے لیکر وفات تک کے حالات ہیں گویا آنحضرتؐ کی مختصر لیکن پوری سیرت وسوانحعمری ہے۔ آخر میں آپ کے اخلاق وعادات، لباس، طعام وغیرہ کی کیفیت ہے۔ دونوں حصے ایک ہی جلد کے اندر ہیں۔ میلاد نامہ کی زبان ایسی آسان و دلچسپ ہے کہ بچے اور عورتیں بے تکلف پڑھتی چلی جاتی ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان بھر میں مقبول ہوئی ہے۔ شائع ہوتے ہی آٹھ دن میں ہاتھوں ہاتھ پانسو سے زیادہ فروخت ہوگئی۔ اگلے ربیع الاول تک شاید دوبارہ چھپوانی پڑیگی کیونکہ لگاتار مانگ چلی آتی ہے۔ قیمت علاوہ محصول صرف ۱۲؍

مینیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی سے طلب کریں۔

توحید

ہر گھڑی مدِ نظر مجکو ہے جلوہ تیرا — نظر آتا ہے ہر اک شے میں تماشا تیرا
جب کہ خود ناظر و منظور سے مقصود ہے تو — کون ہے تیرے سوا دیکھنے والا تیرا
لبِ سالک پہ کبھی ہجر کی فریاد نہیں — مجکو ہمراہ سمجھتا ہے شناسا تیرا
تیری وحدت میں ہے کثرت کی کہاں گنجایش — دوسرا تیرے سوا کون ہے شیدا تیرا
اُس نے اے دوست ابھی تجکو نہیں پہچانا — جو یہ کہتا ہے کہ میں بھی ہوں فنا سا تیرا
امتیازِ من و تو کیا ہو ترے عرفاں میں — ایک ماخذ سے ہو ماخذ یہ میرا تیرا
آپ کو تجھ سے سمجھتا ہو جدا جو نا اہل — قابلِ طے ہی نہیں فاصلہ اس کا تیرا
برزخِ چشم کے پیچھے بھی تو آگے بھی تو — اس مرقع کے پس و پیش ہے نقشہ تیرا
عشق پس ماندہ ہے کوسوں تری یکتائی سے — کسکا معشوق ہے تو کون ہے شیدا تیرا
مبنی آئین دوئی پر ہے کلامِ عرشی — خامشی ذکر ہے اے ہستیٔ یکتا تیرا

عرشی امرتسری

ماہ عرب

جوہرِ صنعتِ صناعِ ازل ہے احمد — جلوۂ لمعۂ عرفاں کا محل ہے احمد
بیگماں ناسخِ ادیان و ملل ہے احمد — منبعِ جود و سخا علم و عمل ہے احمد

آں سیہ چہرہ کہ شیرینیٔ عالم با اوست
چشمِ میگوں لبِ خنداں دلِ خرم با اوست

دہر کو نغمۂ توحید سنانے والا — اثرِ خلق سے ہر دل کو لبھانے والا
اپنے بیگانوں کو آپس میں ملانے والا — شبِ معراج میں افلاک پہ جانے والا

شرک اور کفر کو دنیا سے مٹانے آیا
جانبِ جادۂ حق سب کو بلانے آیا

گرچہ اُمّی کا لقب دہر سے پایا اُسنے — دہر کے فلسفہ دانوں کو پڑھایا اُسنے
بزمِ حکمت کا آہنگ بجایا اُسنے — سیکھنے والوں کو کیا کیا نہ سکھایا اُسنے

مانعِ کفر ہوا شارعِ اسلام ہوا
جامعِ قوم ہوا موردِ الہام ہوا

جلوہ گر ہوگئی پھر سنتِ زہرائے خلیلؑ — کُھل گیا پردۂ توریت و زبور و انجیل
نئے انداز نئی شان سے آیا جبریلؑ — یعنی وہ حاملِ ارشادِ خداوند جلیل

پھونکنے والا نئی روح دمِ عیسےٰ میں
پرتو اندازِ ضیا حسن یدِ بیضا میں

لیکے مخلوق کی سمت آیا پیامِ خالق — خلق کو کر دیا آگاہ کلامِ خالق
لبِ ہر شخص ہوا ذاکرِ نامِ خالق — ہو گیا کون شناسانہ جامِ خالق

ساغرِ دین سے بادۂ توحید خوشا
ساقیِ ذکر بمیخانۂ تجرید خوشا

اِک طرف مست مئے شوق بلالِ حبشیؓ — اِک طرف عاشقِ شیدا تھے اویس قرنیؓ
کہیں بوبکر فدا تھے کہیں گرویدہ علیؓ — واہ اے خُلقِ جہانگیرِ رسولِ مدنی

ہر شہنشہ کو غلام اپنا بنایا تو نے
خود فراموش کیا جلوہ دکھایا تو نے

ہر زبان ورد تھا وان زمزمہ پیرائے نماز — دل ہر انسان کا تھا عاشقِ شیدائے نماز
سر ہر اک شخص کا تھا ناصیہ فرسائے نماز — وادیٔ یثرب و بطحا تھی مگر جائے نماز

حکم دیتا تھا ہر اک کو یہی وہ شاہِ عرب

انہیں انوار سے تھا جلوہ نما ماہِ عرب

کیوں نہ بڑھ جاتی ہر اقلیم سے پھر شانِ عرب — جبکہ محبوبِ الٰہی تھا وہ خاقانِ عرب

بشرِ کامل و قابل تھا ہر انسانِ عرب — ذکرِ اللہ کا تھا شمعِ شبستانِ عرب

حق نے فرمایا رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ اِس کو

مستند شانِ نبوت ہے ابد تک اس کو

کر دیا خانۂ ظلمت میں اجالا اس نے — گرنے والوں کو عنایت سے سنبھالا اس نے

کفر میں جو تھے گڑے انکو نکالا اس نے — مَے توحید کو ہر خُم سے اچھالا اس نے

صدق! مدحِ شہِ کونین نہ آساں کا ایست

نسبتِ ذرہ بخورشید فلک ممکن نیست

صدق امرتسری

حاضر و ناظر سمجھ اللہ کو

تھے سفر میں ایک دن حضرت عمرؓ — اک گڈریئے کا غلام آیا نظر

ڈار رہا تھا بکریاں وہ کوہ سے — الغرض نیچے وہ جب آیا اتر

اس سے فاروقِ معظمؓ نے کہا — ایک بکری بیچ دے دونگا میں زر

اس غلام باوفا نے عرض کی — ملک یہ میری نہیں اے نامور

ان کا مالک دوسرے ہیں میں غلام — کس طرح پھر بیچ دوں اے خوش سیر

امتحاناً آپ نے اس سے کہا | تیرا آقا اس گھڑی ہے اپنے گھر
غیر حاضر ہے نہیں وہ دیکھتا | کس طرح پھر اس کو ہوگی یہ خبر
بیچدے اور اس کو کہہ دینا یہی | لے گیا بکری کو گرگِ بد گہر

عرض کی رو رو کے عبدِ زار نے | اے بزرگ نیک اے مردِ سفر
گو مرا آقا نہیں ہے دیکھتا | گرچہ وہ اس سے ہی بالکل بیخبر
لیکن آقائے حقیقی ہر جگہ | دیکھتا ہے اور کرتا ہے نظر
حاضر و ناظر ہے ذاتِ ذوالجلال | اُس سے پوشیدہ نہیں حالِ بشر
ظاہر و باطن سے وہ آگاہ ہے | اُس سے کچھ پنہاں نہیں سمع و بصر
غصب لئے دل کا کروں حق کس طرح | مجکو حقا۔ حق کا ہی خوف و خطر
حق نہ بخشے گا کبھی حق العباد | چاہئے ہر عبد کو اُس سے حذر

سُن کے یہ قولِ غلامِ نیک زاد | خوفِ حق سے رو پڑے حضرت عمرؓ
اس غلامِ نیک کو پھر آپ نے | اُسکے مالک سے خریدا دیکے زر
کردیا آزاد اُس کو بعد ازاں | اور دعا اُسکو یہ دی با چشمِ تر
حق کرے آزاد دوزخ سے تجھے | تو رہے محفوظ از نارِ سقر

واقفی ہے عالم الغیب اُسکی ذات | ہے خدا دانندۂ عیب و ہنر
وہ چھپے بھید دل کے سے واقف خوب ہے | دیکھتا ہے ہر جگہ شام و سحر
حاضر و ناظر سمجھ اللہ کو | کوٹری تو عیب چپ چپکے نہ کر

(چوری) او لطام کوٹری

حلم

کابل تھا اک غلام جناب امیر کا	حضرت پکارتے رہے اُسنے نسنی خبر
آئے خود اُٹھکے آپ کہ دیکھیں کہاں ہے وہ	دیکھا اُسے تو چین سے لیٹا ہے فرش پر
پوچھا یہ آپنے کہ صدا کیا سُنی نہ تھی	کیا بات ہے کہ ناشنوائی ہے اس قدر
بولا ضرور میں نے سُنی آپ کی صدا	اُٹھنا مگر گراں تھا بچھونے کو چھوڑ کر
پوچھا یہ کیوں۔ کہا کہ ہیں حضرت بہت حلیم	کھٹکا عتاب کا ہے نہ مجکو سزا کا ڈر
آزاد کر کے اُسکو یہ فرمایا آپ نے	اب جا کے اپنی عمر کرو چین سے بسر
لوگوں نے عرض کی کہ یہ کیا بات ہے جناب	بدلے سزا کے اسپہ ہوئی رحم کی نظر
فرمایا آپنے کہ یہ سمجھا ہے مجھے حلیم	امیدوار حلم کو پہونچاؤں کیا ضرر
اب ایک دوسرے کا کسی کو نہیں ہے غم	آزاد وہ اُدھر ہے تو آزاد ہے اِدھر

شوق قدوائی

قطعات صابر

عشق کی آتش کے بھڑکانے کو یاں آیا ہے تو	آکے اس دُنیائے فانی میں و لاحیراں نہو
دور کچھہ دن دلربا سے تجکو رہنا تھا ضرور	وصل کی لذت ہی کیا گر صدمۂ ہجراں نہو

ہر بلا لکھ کیجیے پرہیز و احتیاط	اس عاشقی میں زور ہی اب کے باحتیاط
جس بار کو اُٹھا نہ سکے آسمان و زمیں	انساں اُسے سنبھال سکا کسی کیا بساط

یہ تری آہ و بکا قہر و ستم ہے صابر — دل پہ آخر ترے کس بات کا غم ہے صابر
دہر میں عیش کی توفیق میسر ہے تجھے — چین و آرام مگر تجکو قسم ہے صابر

علی احمد صابر

غزل

نشۂ حسرت سے کر بیٹھے مستانہ ہمیں — حاجتِ مے ہی نہ ہے درکار پیمانہ ہمیں
پردے پردے میں نمایاں ہو گئی بے پردگی — کوئی دکھلاتا ہے جلوہ بے حجابانہ ہمیں
کیسا شیشہ؟ کیسی مے؟ کیسا سبو؟ ساغر ہی کیا — ہو عنایت وصل کے شربت کا پیمانہ ہمیں
چشم مجنوں دید لیلیٰ کے لیے درکار ہے — یاں نظر آتا ہے بُت خانہ خدا خانہ ہمیں
اوٹ ہو سکتا نہیں تو، ہم جہاں چاہے رہیں — جیسے بستی ہو نظر میں ویسا ویرانہ ہمیں
بے سبب صحرا نوردی کون کرتا ہے پسند — آپ خود مجنوں ہو، جو کہتا ہو دیوانہ ہمیں
جس طرف دیکھا نظر آنے لگا جلوہ ترا — خانۂ دل ہے ہمارا، آئینہ خانہ ہمیں
ہم گنہگاروں کو رحمت سے تری امید ہے — خلد پہنچا دیں گے، انداز کریمانہ ہمیں

ہم تو اس قابل نہ تھے پر شکر ہے اُسکا سلیم
رزق پہنچاتا ہے وہ رزاق روزانہ ہمیں

سلیم کدوروی

پس نماز عارف کو اُسکی حقیقت سے اوپر لے جاکر صفت حیات تک کہ اُسکی اصل الاصل ہے پہنچا دیتی ہے۔ اور اس مقام پر پہنچکر عارف کو فنائے کل کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ اور نماز کی مدد سے عارف یہانتک ترقی کرتا ہے کہ عروج کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی لیئے ارشاد کیا گیا۔ سر الصلوٰۃ معراج المؤمنین۔ یعنی نماز کا بھید یہ ہے کہ وہ مومنین کو معراج تک پہنچا دیتی ہے۔ مگر جبتک کمالات نبوت کے فیضان سرکار خاتم المرسلینؐ سے عطا نہیں کیئے جائینگے۔ معراج کا مرتبہ اُسے کبھی نہ ملیگا۔ اور معراج المومنین سے مراد یہی ہے کہ نماز مومنوں کو ظاہری اور باطنی ترقی دیتی ہے۔ گویا کہ عرصہ دنیا سے عالم آخرت میں پہنچا دیتی ہے۔ اور اسوقت عارف کے اوپر معاملات آخرت کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں۔ اور جو کچھ عالم آخرت میں موعود ہے عارف نماز میں ہی اُس کا حصہ پانے لگتا ہے۔ اور قرب الٰہی اور محبت الٰہی کا معاملہ عارف کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور نسبت حضوری اور نسبت شہودی کو اپنی نظر سے دیکھ لیتا ہے حدیث قرۃ عینی فی الصلوٰۃ انہیں باتوں کی تو خبر دیتی ہے۔ نماز انبیا علیہم السلام کا شیوہ ہے۔ جو لوگ انبیائے مرسلینؑ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور نماز کو ادب اور قاعدے کے ساتھ بجالاتے ہیں تو اُنہیں کمالات نبوت کے فیض سے مالا مال کردیتے ہیں اسی سبب سے بہت کم اور بہت تھوڑے ایسے فقیر ملینگے جنہیں نماز کے سبب سے باطنی ترقی حاصل ہوتی ہو۔ کیونکہ جبتک سالک مرتبہ سلوک میں ہے۔ اُسے مراقبہ اور شغل زیادہ نفع دیتے ہیں۔ بہ نسبت نفل نماز کے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ سالک فرض نماز کو چھوڑ کر مراقبہ وغیرہ شغلوں کو کرنے لگے۔ کیونکہ فرض نماز تو ہر حال میں فرض ہے البتہ جب نماز فرض ادا کر لیتا ہے تو آگے اسکی ترقیاں نماز کے ہی سبب سے ہوتی ہیں جسقدر چاہے قرأت کو طول دے اور جتنے چاہے نفل ادا کرے +

بیان

ارادہ قلبی کی تفصیل - نماز کی نیت تکبیر تحریمہ اور وہ اشارہ جو تکبیر تحریمہ سے تعلق رکھتے ہیں - خدا کا وہ نام مبارک جو نیت کے وقت پر توہ ظہور ڈالتا ہے ۔

حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں - انما الاعمال بالنیات یعنی اعمال کی درستی نیتوں کے ساتھ ہے - کیونکہ نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں اور کام جو دل کے تابع ہیں بغیر نیت کے وقوع میں نہیں آتے ہیں - اگر ارادہ نیک ہی تو سب کام نیک ہیں - اگر ارادہ برا ہی تو سب کام برے ہیں - گو ظاہر میں کیسے ہی بھلے دکھائی دیں اور جسے ارادہ کہتے ہیں وہ دل کی ایک صفت ہی - اور نیکی اور بدی دل کی ہر بننے اور بگڑنے پر منحصر ہے وکما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان فی جسد ابن آدم لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب - یعنی انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے - اگر وہ لوتھڑا ٹھیک رہتا ہی تو آدمی کا سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو آدمی کا سارا بدن بگڑ جاتا ہی - اور وہ لوتھڑا دل ہے اسلیئے ہم پہلے ارادے کا بیان کرتے ہیں کہ اسکی کتنی قسمیں ہیں، اور اسکی نیکی بدی کس طور سے پہچانی جائے گی - اور ارادہ باطل اور ارادہ حق میں کس طرح تفریق کیجائے گی - اور عبادت قلبی اور گناہ قلبی سے کیا مراد ہے؟ اسکے بعد ہم نماز کی نیت کا ذکر کریں گے کیونکہ وہ عبادت قلبی سے تعلق رکھتی ہے - ارادہ قلبی کی دو قسمیں ہیں - ارادہ خالص اور ارادہ مشترک - ارادہ خالص ساری نیکیوں کا سردار ہے - اور ارادہ مشترک ساری بدیوں کا استاد ہی - آدمی کے قلب اور آدمی کے اجزائے بدن (اعضاء و جوارح) میں ایک ایسی نسبت اور ایسا علاقہ ہے کہ ایک کی دوسرے میں تاثیر جاری ہوتی ہے - یعنی دل سے آنکھ - کان - ہاتھ - پاؤں اور تمام اعضاء میں تابڑ توڑ ایسی اعانت اور قوت پہنچتی رہتی ہے جسکے ذریعے سے جو کام جس عضو کے مناسب ہوتا ہے وہ بجا لاتا ہے - اسیطرح ان اعضاء کی تاثیر میں بھی قلب میں داخل ہوتی رہتی ہیں - مثلاً آنکھیں جو رنگ اور

ان میں تمیز کرتی ہیں۔ وہ دل معلوم کرلیتا ہے جو باتیں کان سنتے ہیں اُن سے دل
گاہی حاصل ہوتی ہے۔ اسیطرح تمام اعضاء اور جوارح اور حواس کے آثار اور علم قلب
ذکر لیتا ہے۔ اس واسطے تمام خواہشیں طبعی و نفسانی اپنے غلبہ کے سبب سے قلب میں
رکرتی ہیں۔ اور اُسے اُبھارتی ہیں کہ وہ ایسا ارادہ فعلی کرے جو اُنکی مرضی کے موافق
و۔ تو اب جو ارادہ اِن شہوتوں اور خواہشوں سے دل میں پیدا ہوگا اُسے ارادہ
شترک کہیں گے۔ کیونکہ اُنکے اشتراک سے ہی اِس قسم کی شہوتیں پیدا ہوتی ہیں اِسکا
دوسرا نام ارادہ باطل ہی۔ جس طرح اعضاء دل کے تابع ہیں اسیطرح دل روح کا تابع ہی
وراسکے جمال دلفریب کا آئینہ ہے۔ اور روح عالم امر اور عالم ملائکہ میں سے ہی۔ اسی لحاظ
سے اِسکا نام روح رکھا گیا ہے۔ ملائکہ کے حق میں وارد ہوا ہے۔ لا یعصون اللہ ما
امرھم ویفعلون ما یؤمرون۔ اسلئے جو ارادہ القا سے روح سے بے نفس کی چھیڑ
چھاڑ کے دل میں پیدا ہوگا وہ نیک ہوگا۔ اور اسیکا نام ہم نے ارادہ خالص رکھا ہی
اور ارادہ باطل کے مقابلہ میں ارادہ حق بھی اسکا دوسرا نام ہے۔ اب صوفی اِس کسوٹی
پر کس کر دیکھ لے کہ جو ارادہ دل میں پیدا ہوتا ہے مشترک ہی یا خالص ہی۔ اگر ارادہ مشترک
ہے تو اسکے مٹانے اور اُسکے دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ نفس انسانی کی بالطبع
یہ خاصیت ہی کہ بُرے اور بھلے کاموں اور بُرے اور بھلے ارادوں سے اطلاع دیدیتا
ہے۔ جیساکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہی ونفس وما سوّٰھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا
اگر رائی برابر بھی اِن شہوتوں کا اشتراک ہوگا۔ تو فوراً اس سے آگاہی ہو جائے گی
اب سمجھ لینا چاہیے کہ عبادت قلبی سے ارادہ خالص سے مراد ہے۔ عارف کو
چاہیئے کہ اپنے ارادہ خالص کو اُس ذات پاک کے ارادے میں محو رکھے۔ اسکے حضور
اور شہود میں اپنے تئیں بالکل فنا کردے۔ اور ماسوا اسکے ارادوں کی طرف سے قطعی
منہ موڑ لے عبادت قلبی کے مقابلہ میں معصیت قلب اُس ارادہ مشترک کو سمجھنا چاہیے۔

جس کی تشریح ہم نے آپ کو اوپر سمجھا دی ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ عبادت قلب ارادہ خالص کا نام ہے تو نماز جو تمام عبادتوں کی سرتاج ہے اوّل دل سے ہی شروع کرنی چاہیئے۔ تاکہ ظاہری اٹھک بیٹھک بھی ٹھیک ہوجائے کیونکہ سارے اعضاء اور جوارح دل کے غلام ہیں۔ جب دل نماز پڑھے گا تو اُسکے غلام بھی ہاتھ باندھکر اُسکے پیچھے نماز پڑھنے کے لیئے کھڑے ہوجائینگے۔ یعنی پہلے نیت کرنی چاہیئے اور سب بُرے ارادوں کو اپنے دل سے بُھلا دینا بلکہ مٹا دینا چاہیئے۔ اور ارادہ خالص کے ذریعہ سے کعبہ مقصود کا احرام باندھنا چاہیئے۔ کعبہ مقصود سے ہماری مراد معبود حقیقی کی کبریائی سے ہے۔ اور اللہ اکبر کے وسیلہ سے درگاہ کبریائی کیطرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اور تکبیر کہکر نفس بد کے گلے پر چھری پھیر دے۔ لان ھٰذا ذبح عظیم۔ اور ماسوا کو قطع کرکے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاکر یہ ثابت کردے کہ میں دین اور دنیا دونوں سے اسوقت کچھ واسطہ نہیں رکھتا ہوں۔ کانوں پہ ہاتھ دھرنے سے یہ غایت ہے کہ میں اپنے کانوں کو تمام جہان کی آوازوں کے سُننے سے محفوظ کرتا ہوں جبتک میں نماز میں مشغول رہونگا کوئی کھٹکا میرے کان میں نہ آنے پائے گا۔

فقط نماز کی نیت سے عارف کو بہت سے مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ اور اس خدا کے نام یا صمد کی تجلی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس تجلی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ عارف کے دل میں نماز کے پڑھنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے نیت کے بعد تکبیر تحریمہ سے فنائے قلب اور فنائے نفس حاصل ہوتے ہیں۔ جو سچے صوفی ہیں اور جو اس طرح نیت اور تکبیر تحریمہ ادا کرتے ہیں وہ اس بیان کی تصدیق کرینگے۔

دوسرا سرّ

قیام کسے کہتے ہیں؟ اور قیام کے وقت خدا کے کس نام کی تجلی ہوتی ہے

نماز کے ارکان میں سے قیام بھی ایک رکن ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے قوموا لِلّٰہِ قانتین یعنی قائم ہو جاؤ خدا کے واسطے مضبوطی اور پائداری کے ساتھ۔ اور ظاہر میں تو قیام یہی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد نمازی سیدھا ہاتھ اپنے اُلٹے ہاتھ پر رکھکر باندھ لے۔ مرد ہے تو ہاتھ ناف کے نیچے اور عورت ہے تو ہاتھ سینے پر دھرے جائینگے۔ مگر عارفوں کے نزدیک قیام سے یہ مراد ہے کہ مالک حقیقی کے سامنے دست بستہ بہت ادب اور نیاز کے ساتھ بندہ حاضر ہو۔ اور باریتعالیٰ کے حضور و شہود میں ڈوب کر ظاہر و باطنی قیام کو اُسکی علت غائی سمجھے اور اپنے کھڑے ہونے کی قوت کو اپنے طرف سے بالکل نہ سمجھے بلکہ اُس فاعل حقیقی کی قدرت اور توانائی جانے۔ اور اپنی ذات اور ما سوا سے اپنے تئیں خالی کر کے خدا کا مظہر قبولیت بجا لائے اور حرف الف کی طرح تعدد اور کثرت اسمائے صفاتی سے آزاد ہو کر اپنی لگن مرتبہ احدیت مجرد...... سے لگائے۔ اور اگر اس حالت قیام میں خدانخواستہ قرب الٰہی اور شہود میسر نہو تو جبر کر کے دیر تک قیام کرے۔ اور قرأت کو طول دے تاکہ نفس کی مخالفت حاصل ہو اور اجر و ثواب ہاتھ سے نہ جائے۔ یہ نماز ابرار لوگوں کی ہے۔ اور اگر اس ضمن میں اُس نسبت کا ظہور ہو جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اور مقربین کی نماز کا کچھ حصہ ملجائے تو خدائے تعالیٰ کا شکر بجالائے کہ یہ معاملہ اُسکی رحمت اور عنایت سے تعلق رکھتا ہے واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ اور قیام میں بھید ہے۔ ہاتھ کو اُلٹے ہاتھ پر رکھنے میں یہ نکتہ ہے کہ نیک کام سیدھی طرف سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لیے نیکی کے لکھنے والے سیدھے ہاتھ کی طرف رہا کرتے ہیں اور قیامت کے دن تمام مومن اصحاب الیمین کہلائینگے۔ اور برے کام بائیں طرف سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اسواسطے بدی کے لکھنے والے فرشتے بھی ہمیشہ اُلٹے ہاتھ رہا کرتے ہیں۔ اور محشر میں تمام بے دین اور گنہگار بائیں ہاتھ کی جانب ہونگے

وہ انکا لقب اصحاب الشمال ہوگا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِن الحسنات یذھبن السیئات
جنی نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اسلیئے جب نماز میں سینہ ہا ہاتھ اُلٹے ہاتھ پر رکھا
گیا تو گویا بھلائی کے پلڑے نے بُرائی کے پلڑہ کو دبا لیا۔ اور ظاہر میں بھی ہر عاقل سیدھے
ہاتھ کو اُلٹے ہاتھ سے اچھا جانتا ہے۔ اور داہنے کو بائیں پر ترجیح دیتا ہے۔ اور یہ قیام کا
رکن پوری مناسبت عالم بالا کے عروج سے رکھتا ہے۔ اور صوفی کو اِس سے بہت
سے نتیجے بقا اور ترقیوں کے حاصل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ نظر کشفی سے دیکھا جاتا ہے
کہ انسان کے جسم کے اربعہ عناصر بھی حالت قیام میں عالم بالا کی طرف جاتے ہیں
عارف کو اِس قسم کے قیام میں ظاہری اور باطنی طور پر اُن مقامات مقررہ سے جہاں
وہ سکونت اور استقرار رکھتا تھا ترقی ہوتی ہے۔ اور اُسوقت اسم القیوم کی تجلی
ہوتی ہے۔ اور اُسے اسرار قیومیت سے خبردار کرتے ہیں۔ اِس مختصر رسالہ میں اتنی
گنجایش نہیں ہے جو اُن بھیدوں کی تفصیل لکھی جائے مگر اتنا سمجھائے دیتے ہیں کہ
صفت قیومیت بمقابلہ اور صفات کے صفت حیات سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اور
سوائے قیومیت کے نہ کوئی اور صفت حیات سے متصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ
اِن دونوں صفتوں کو قرآن مبارک میں متصل بیان فرماتا ہے الحی القیوم۔ اِس وجہ سے
رکن قیام کہ اسم القیوم کے ظہور کا محل ہے۔ اصل الاصل نماز کہ صفت حیات ہے
تمام رکنوں سے قریب تر اور سب رکنوں سے اولیٰ بھی ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ اختلافی ہے
بعض کہتے ہیں۔ سجدہ قیام سے بہتر ہے۔ بعض کہتے ہیں قیام سجدہ سے افضل ہے لیکن
حضرت امام ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی اعتقاد ہے کہ قیام سجدہ سے فضیلت
رکھتا ہے۔ اور فقیر یہ کہتا ہے کہ ہر رکن ایک جداگانہ خصوصیت اور قربت رکھتا ہے
جیسی جس رکن کی حقیقت پر خدائے تعالیٰ نے آگاہی دیدی ہے۔ وہ اسی رکن کو
اور رکنوں سے ترجیح دیتا ہے۔ اور جس شخص کو سب رکنوں کی خوبی اور برکات سے

خبردار کرو یا ہے۔ اُسکے نزدیک سب ارکان بہتر اور افضل ہیں ؎

بس کنم خود عارفاں را ایں بس است

نکتہ کافی ست گر سامع کس است

تیسرا سر

نماز میں قرآن کیوں پڑھا جاتا ہے؟ سورۂ فاتحہ کی جامعیت اور اُسکا ہر رکعت میں سورۃ سے ملانا اور اُس نام کا ظہور جو اُسوقت صوفی پر تجلی کرتا ہے ﴿

قرأت یعنی قرآن شریف کا نماز میں پڑھنا فرض بھی ہے اور نماز کا ایک رکن بھی ہے۔ اور الحمد شریف کا نماز میں پڑھنا اور اُسکے ساتھ سورۃ کا ملانا واجب ہے چونکہ فرض واجب سے فضیلت رکھتا ہے۔ اسلیے پہلے قرأت کی فرضیت کے اسرار بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ نماز میں بندہ کو اپنے معبود سے قربت اور نزدیکی حاصل ہوتی ہے۔ اور بہت بڑی قربت خدا کے ساتھ بندہ کے لیے یہ ہے کہ وہ اُس سے ہمکلام ہو اور بات چیت کرے۔ اور آقا کے الہامات اور انعامات سے مشرف ہو۔ اس لیے قرآن پڑھنا نماز میں فرض ہوا تاکہ رب العالمین سے ہمکلامی پیدا ہو۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ بہت سے اولیاء اللہ کو نماز میں خدا کی طرف سے الہام ہوتے ہیں۔ اور خدا اُن سے باتیں کرتا ہے تو پھر قرآن پڑھنے کی کیا خصوصیت باقی رہی۔ کیونکہ یہ صورت تو ایسی ہے کہ اس میں بے واسطہ عارف کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی نصیب ہوتی ہے۔ مگر نہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اولیاء اللہ کے کاروبار اور کارخانۂ ولایت انفس کا ایک معاملہ ہے۔ اسی سبب سے حضرت خواجہ سید بہاء الدین نقشبند رضی اللہ عنہ ارشاد کرتے ہیں کہ عارف جو کچھ دیکھتا ہے اپنی ہستی میں دیکھتا ہے اور جو کچھ پاتا ہے اپنے اندر سے ہی پاتا ہے۔ حالانکہ

بعض اولیاء اللہ باکمال کو قربت الٰہی انفس و آفاق سے پرے حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ جن لوگوں کو کمالات نبوت کے فیضان سے حصہ ملتا ہے بہ نسبت اُن حضرات کے جو محض مرتبہ ولایت سے مشرف ہوتے ہیں اُنکے درجے بہت اعلیٰ ہوتے ہیں مگر پھر بھی اُنکی قربت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت انفسیت اور آفاقیت کی آلائش پائی جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معاملات کو ولی ہرگز نہیں پا سکتا ہے۔ کیونکہ اُنکے کام انفس و آفاق سے ماوراء بلکہ وراءالوراء ہوتے ہیں تو جب قرآن مجید کلام الٰہی ہے اور مرتبہ اعلیٰ کو پہنچانے والا ہے تو اُسے نمازمیں پڑھنا ضرور ہوا تاکہ اصلی مرتبہ کی نزدیکی حاصل ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام حقیقی سے فیضیاب ہوں۔ اور جو بات جیسے الہامات میں خدا کی سُنی جاتی ہے وہ اِس رتبہ کو کبھی نہیں پہنچتی ہے ٭

سوال۔ اِس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کا معاملہ انفس سے خالی نہیں ہے۔ اور انبیاء کا معاملہ انفس و آفاق سے اعلیٰ ہے۔ اسلیئے یہ کلام جو ہمیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملا ہے خدائے تعالیٰ کا کلام حقیقی ہے اسلیئے اِسکا نمازمیں پڑھنا بھی فرض ہوا۔ اور اُسکے ذریعہ سے ہمیں قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ مگر جب انبیاء علیہم السلام کا معاملہ اولیاء اللہ سے بڑھ چڑھ کر اور انفس و آفاق کی آلودگی سے پاک ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازمیں قرآن کیوں پڑھتے تھے۔ جو کچھ الہامی طریقہ پر خدا آپ سے ہمکلام ہوتا وہی کافی تھا ٭

جواب۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب دو قسم کا ہے۔ ایک قرب نبوت۔ اور ایک قرب ولایت۔ قرآن کا معاملہ قرب نبوت سے تعلق رکھتا ہے اسلیئے حضور صلعم کو بھی قرآن کا پڑھنا فرض تھا۔ کیونکہ قرآن کی ہمکلامی انفس و آفاق سے آگے ہے۔ اور حدیث قدسی قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اِس لیئے خدا کی

کی دعوت دے ؟

جن یا یوں سمجھئے کہ شیطان کا یہ سمجھانا خالی نہ گیا، عمرو فوراً تہامہ سے جدہ کو روانہ ہوا۔ اور حسب نشان دہی، نہر میں سے کھدواکر ان پانچوں بتوں کو نکلوایا جنکو طوفان نوح پھینک گیا تھا،

عمرو نہایت خوشی خوشی بڑے احترام کے ساتھ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر، کو تہامہ میں لایا،

جب حج کا موسم آیا، اطراف و جوانب سے تمام قبائل عرب مکہ میں جمع ہو تو تمام قبائل کو پوری عقیدت کے ساتھ پرستش کی دعوت دی،

(حسب تحقیقات صاحب بلوغ للارب فی احوال العرب) عمرو چونکہ نہایت زبردست کاہن، دولتمند، فیاض، مہماں نواز، قابو یافتہ اصحاب اقتدار و حکومت تھا۔ ہجوم عام کے ساتھ لوگوں نے اسکی دعوت پر لبیک کہا،

سب سے پہلے عوف بن عذرہ بن زید اللات نے بت پرستی کو قبول کیا، اور اس سبقت کے صلے میں عمرو نے ایک بت جسکا نام وَدّ تھا عوف کو بخشدیا،

عوف نے وَدّ کو دومۃ الجندل کی وادی القریٰ میں لاکر نصب کیا۔ اور جب بیٹا پیدا ہوا تو اسکا نام اسی بت کے نام پر عبد وَدّ رکھا۔ اور اپنے بڑے بیٹے عامر کو اسکی مجاوری سپرد کی، چنانچہ ظہور اسلام تک عوف ہی کی اولاد میں وَدّ کی مجاوری رہی

اوپر کے مضمون کا خلاصہ یہ ہوا کہ یرد کے زمانہ سے بت پرستی کی ابتدا ہوئی اولاد اسمٰعیل نے طوفان نوح کے بعد اسکو پھر زندہ کیا۔ اور حرم شریف میں عمرو بن لحی خزاعی کی ذات سے بت داخل ہوا۔ پہلا بت جو خانہ کعبہ میں نصب ہوا وہ ہبل تھا بت پرستی کا آخری داعی عمرو بن لحی خزاعی تھا،

بت پرستی کی بنیاد انہیں واقعات پر تحقیق ہوئی ہے، اسکے بعد دوسرے ممالک میں مختلف اشکال و سائل کے ساتھ رواج ہوتا گیا، اور اب بھی ہے، چین اجاپان ہندوستان میں اس بت پرستی نے وہ عروج پایا کہ اب تک موجود ہے اور اس کی ترقیوں پر نگاہ ڈالنا بہت مشکل ہے،

عرب کے بتوں کی تعداد معلوم کرنا آج ناممکن ہے۔ ہر قبیلہ کا بلکہ ہر شخص کا بُت جدا جُدا تھا،

خانہ کعبہ میں فتح مکہ تک تین سو ساٹھ بُت پوجے جا رہے تھے۔ اس مختصر بیان میں ہم صرف اُن بتوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ جن کی عظمت و احترام و پرستش میں بہت زیادہ مبالغہ کیا جاتا تھا، اور ہجوم عام کے ساتھ بلا اختلاف پوجے جاتے تھے،

(۱)

اساف

یہ بُت خانہ کعبہ کے قریب صفا پر نصب تھا، خزاعہ اور قریش بمقابلہ تمام قبائل عرب کے زیادہ پوجتے تھے، صرف قریش اسپر قربانی بھی چڑھاتے تھے،

(۲)

نائیلہ

یہ بُت خانہ کعبہ کے قریب مَروَہ پر نصب تھا اسکو بھی خزاعہ و قریش دیگر قبائل عرب کے مقابلہ میں زیادہ پوجتے تھے، قریش اسکے نام کی بھی قربانی کرتے تھے،

(۳)

وَدّ

یہ بُت طوفانِ نوح سے پہلے کا بنا ہوا تھا، رومۃ الجندل کی وادی القریٰ میں عوف بن عذرہ نے اسکو نصب کیا تھا، بنی کلب کا یہ معبود تھا (حلیہ) دراز قد۔

تہمد باندھے ہوئے، چادر اوڑھے ہوئے، گلے میں تلوار، ہاتھ میں کمان زہ کی ہوئی
آگے بھرا ہوا ترکش رکھا ہوا، لڑائی کا جھنڈا برابر کھڑا ہوا،

اس حلیہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی پانچویں پشت میں
انسان تیر ترکش، جھنڈا، دھوتی یا تہمد، تلوار، سے آگاہ ہوکر اس سے کام لینا
جان گیا تھا، اور مصوری و سنگ تراشی بہت کچھ ترقی پا چکی تھی، اس وقت کو جناب خالد
ابن ولید مشہور اسلامی فاتح نے حسب الحکم جناب سرورکائنات بنی عذرہ و بنی عامر کو
قتل کرکے پارہ پارہ کیا۔ پوجنے والوں نے دیکھا کہ ہمارا معبود خالد سے نہ ہمکو بچا سکا
نہ خود ہی بچ سکا۔۔۔۔

(۴)

سُواع

یہ بت بھی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے کا تھا، ینبع میں نصب
تھا، اسکے مجاور بنی لحیان، مضر، ہذیل تھے اور اسکے گرد و پیش کے رہنے والے
اسکی پوجا کرتے تھے، بنی مذحج کا یہ مشہور معبود تھا،

(۵)

یغوث

یہ بُت ارضِ یمن کے کسی بلند مقام پر نصب تھا، مذحج اور جرش والے اسکو پوجتے
تھے، یہ بھی نوح علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے بنا تھا، قبیلہ بنی مراد کا یہ مشہور معبود تھا،
رانگ کا بنا ہوا تھا، پھر اسکے پوجنے والوں نے اسکو اسکے مقام سے اکھاڑ لیا تھا
اور شتر پر بار کیئے ہوئے پھرتے تھے۔ جہاں اونٹ خود بیٹھ جاتا، وہیں اسکی پرستش
شروع کردیتے، اور خیال کرتے تھے کہ ہمارا پروردگار اس منزل سے خوش و راضی ہے
ابو عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکو بچشم خود دیکھا بھی تھا،

(۶)

یعوق

یہ بت بھی حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے کا تھا، خیوان میں نصب تھا، یہ گاؤں، صنعا سے دو منزل ہے، ہمدانی۔یمنی اسکو پوجتے تھے۔ بنی ہمدان کا یہ مشہور معبود تھا،

(۷)

نسر

یہ بُت بھی حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے کا تھا، بلخع میں نصب تھا، حمیر اسکی پرستش کرتے تھے، اور انہیں کا یہ مشہور معبود تھا،

(۸)

منات

یہ بُت مکہ اور مدینہ کے درمیان قدید میں سمندر کے ساحل پر نصب تھا، تمام قبائل عرب اسکی بہت تعظیم کرتے اور قربانیاں چڑہاتے تھے۔ خصوصاً اوس و خزرج اسکی تعظیم و پرستش میں بہت مبالغہ کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد ۸ھ ہجری میں حسب الحکم صاحب شریعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسکو منہدم فرمایا،

(۹)

لات

یہ بُت طائف میں اُس جگہ نصب تھا۔ جہاں اب مسجد طائف کا بایاں مینار ہے اس کے مجاور بنی ثقیف تھے،

(حلیہ) ایک مربع پتھر تھا، سرخ سیاہی مائل رنگ تھا، بنی ثقیف نے اسکے اوپر ایک مکان بھی بنادیا تھا، قریش و دیگر قبائل عرب اسکی تعظیم و پرستش کرتے تھے،

حسب الحکم صاحب شریعت جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اسکو منہدم کرکے آگ لگادی تھی،

(۱۰)
عزّیٰ

یہ بُت ذات العرق سے چار فرسنگ مخلہ شامیہ کی وادی میں ظالم بن سعد کے ہاتھوں نصب ہُوا تھا اور قبہ کے اندر تھا۔ قریش کا سب سے بڑا بُت یہی تھا کعبہ کا طواف کرتے وقت لاتؔ، عزّیٰ، مناتؔ کی قسم کھایا کرتے تھے۔ ان کو خدا کی بیٹیاں اور اپنا شفیع جانتے تھے، اشراف قریش نے اِسکے نام پر وادی حرض کا ایک حصہ وقف کر رکھا تھا۔ اِس کی قربانی کے لیئے قربان گاہ بنا رکھی تھی۔ اس وقف شدہ زمین کو اِسکا حرم قرار دے رکھا تھا۔ قربان گاہ کا نام "غبغب" تھا،

اس بت کے مجاور بنی شیبان تھے، فتح مکہ کے روز سرکار رسالت ﷺ نے جناب سیف اللہ کو اسکے انہدام کے لیئے مامور فرمایا، چنانچہ موصوف نے نہ صرف اس بت کو توڑا بلکہ وہاں جو درخت کھڑے تھے، اُنکو بھی کاٹ ڈالا۔ جس طرح خصوصیت سے ثقیف کا معبود لاتؔ، اور اوس خزرج کا خاص معبود مناتؔ تھا۔ اسی طرح قریش کا مخصوص معبود عزّیٰ تھا۔ لیکن عزّیٰ کو بنی ثقیف اور اوس خزرج بھی پوجتے تھے،

(۱۱)
ہُبل

یہ بُت خانہ کعبہ میں نصب تھا اگرچہ ابتداءً اسکو عمرو بن لحی خزاعی بلقائے شام سے لایا تھا۔ مگر اسکو دوبارہ خزیمہ بن مدرکہ کے مناسب مقام پر نصب کیا۔ اسی لیئے اُسکو ہبل خزیمہ بھی کہا جاتا تھا،

(حلیہ) بشکل انسان، سُرخ عقیق کا بنا ہوا تھا، کسی وقت میں اُسکا داہنا ہاتھ

ٹوٹ گیا تھا، تو قریش نے خالص سونے کا ہاتھ لگوادیا تھا۔ ازلام کا محافظ یہی تھا مکہ کی فتح کے روز یہ بھی اوروں کے ساتھ جلکر خاک ہوگیا،

(۱۲)

مناف

اسی بت کے نام پر عبد مناف، نام تصنیف ہوا، یہی قریش کا نہایت معزز بت تھا، لیکن جائے نصب و نصب کنندہ کا حال معلوم نہو سکا۔

(۱۳)

ذو الخلصہ

یہ بت مکہ سے سات منزل پر مدینہ کے رستہ میں نصب تھا اور اسپر قبہ بنا ہوا تھا (حلیہ) سپید پتھر کا بنا ہوا تھا۔ سر پر تاج کی شکل کندہ تھی، حشم، اوس، بجیلہ اسکو پوجتے تھے۔ اور نذریں چڑہاتے تھے۔ جریر رضی اللہ عنہ نے حسب الحکم سرکار شریعت اس کے مکان کو منہدم کیا۔ اور اس میں آگ لگادی جس سے یہ خاکستر ہوکر اڑ گیا،

(۱۴)

سعد

یہ بت ساحل جدہ پر نصب تھا، کنانہ کی اولاد نے اسکو نصب کیا تھا، (حلیہ) صرف ایک طویل پتھر تھا، گرد و نواح کے لوگ اسکو پوجتے تھے،

(۱۵)

منات ثانی

یہ بت قبیلہ بنی سلمہ کے سردار عمرو بن الجموح کے گھر میں نصب تھا، (حلیہ) یہ لکڑی کا بت تھا،

حضرت معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرو صحابہ اسکو ہر شب گندگی میں موقع پاکر ڈال دیتے

تھے، عمرو بن الجموح روزانہ اسکو غسل دیکر معطر کرکے پھر اسکی جگہ رکھدیتے تھے،
جب عمرو بن الجموح مشرف باسلام ہوئے تو اسکا فیصلہ بھی آگ نے کردیا،

(۱۶)

ذو الکفین

یہ بت قبیلہ اوس کا تھا، جب یہ قبیلہ مسلمان ہوگیا، تو حسب الحکم سرکار شریعت
طفیل بن عمرو اوسی نے اسکو آگ کے سپرد کردیا،

(۱۷)

ذو الشری

یہ بت بنی حارث بن یشکر کا تھا، اور یہی قبیلہ اسکو پوجتا تھا،

(۱۸)

قیصر

یہ بُت مشارف شام میں تھا، قراعہ، لخم، خدام، عاملہ، غطفان اسکو پوجا
کرتے تھے،

(۱۹)

نہم

یہ بُت قبیلہ مزینہ کا تھا، خزاعی بن عبد نہم اسکا بڑا مجاور تھا، توفیق الٰہی
شامل حال ہوئی، نہم کو توڑ سرکار شریعت کے غلاموں میں داخل ہوگیا،

(۲۰)

عایم

یہ بُت ازد السراۃ کا تھا،

(۲۱)

سعیر

یہ بت عنزہ کا تھا، وہ اس کے نام پر قربانی بھی کرتے تھے، اور اسکے گرد طواف بھی کیا کرتے تھے،

(۲۲)

عوض

یہ بت بکر بن وائل کا تھا،

(۲۳)

عُمیانس

یہ بت خولان کا تھا، وہ اپنی مویشی و زراعت میں سے ایک حصہ خدا کے نام کا مقرر کرتے تھے۔ اور ایک حصہ اس بت کے نام کا "عمیانس کے حصہ میں تغیر و تبدل ناممکن تھا، ایسی ضرورت ہوتی تو خدا کے حصہ میں سے ایسا کتر بیونت کر لیا جاتا تھا۔

(۲۴)

یعبوب

یہ بت جدیلہ طے کا تھا۔

(۲۵)

باجر

یہ بت بنی طے اور قضاعہ کا تھا،

(۲۶)

دوار

یہ بت بھی اپنے پرستاروں کے لحاظ سے بہت مشہور تھا، مرد عورت سب اسکو

یاران نظام المشائخ

ہندوستان ہی کا نہیں انگلستان کا پریس چیخ اٹھا ہے

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پریشان کر دیئے!

آپ جس پرچے کو جی چاہے اٹھا دیکھ لیجئے اس کے چہرے زرد ملیں گے۔ اب خطیب اور نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ کوئی سرخ و سپید نظر آتا ہو تو آتا ہو۔ **لیکن**

کب تلک یارب چھپائیں شعلۂ دل

خطیب و نظام المشائخ کے مالک کے پاس قیصر ولیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اٹھائے چلا جائے۔ ناظرین اگر خطیب و نظام المشائخ کو اپنی موجودہ شان میں دیکھنے کو خواہشمند ہیں تو خود بھی کچھ تکلیف اٹھائیں،

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک مستقل امداد پیش کرتا ہوں۔ یعنی جب تک جنگ ہو ۵ر سالانہ کم از کم سب کو دینا پڑیگا اور اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو۔

خاکسار واحدی

شکریہ

ان حضرات کا جنہوں نے اس مہینے نظام المشائخ کے دوسرے خریدار پیدا کئے یعنی جناب ماسٹر محمد خان صاحب تاذر وسے جناب بسم اللہ خان صاحب سوداگر نانکہ جناب قیوم صاحب اکونٹنٹ وٹیچری افسر علاقہ بھاگلپور نے جناب عبدالستار خان صاحب حیدرآباد دکن کو۔

جناب سید حشمت علی شاہ صاحب امرنا تھ نے جناب منشی شیخ غلام حسین صاحب سب ڈویژن آفس شاہجہاں
جناب منشی صفت علی صاحب میاں منشی کفیل الدین صاحب پورنیہ نے جناب منشی اظہر علی صاحب پورنیہ کو۔
جناب ڈاکٹر محمد قمر الدین صاحب سکندرآباد دکن نے جناب شاہ امیر احمد حسینی صاحب جاگیردار کو۔
جناب محمد امیر خان صاحب گرداور قانونگو الہ آباد نے جناب منشی عزیز احمد صاحب الہ آباد کو۔ جناب
منشی استاد احمد صاحب نائب امیر منشی ملیشیا نے جناب مولوی شیر محمد صاحب اسکول ماسٹر دانو کو۔ جناب
مولوی سید احمد شاہ صاحب بمبئی نے جناب ایس۔ ایم یاسین صاحب کورلا کو۔ جناب سید امین الدین
صاحب منگرول نے جناب محمد لقمان صاحب دھامن گاؤں کو۔ جناب مولوی محمد حسین صاحب
جبل پور نے جناب رفیق محمد صاحب بیرسٹر نابھہ کو۔ جناب مولوی محمد عبدالوسیع صاحب آسی بالگاؤں نے
جناب سید سعادت علی صاحب بالگاؤں کو۔ جناب سید غلام جیلانی صاحب نے جناب سید
نثار علی صاحب سنگرور کو۔ جناب فتح محمد صاحب دوست محمد صاحب نے جناب خدا بخش صاحب
کانپور کو۔ جناب غلام حیدر صاحب سب پوسٹ ماسٹر سالپور نے جناب بابو عبداللہ صاحب سالپور کو
جناب مولوی حکیم محمد عبدالغفور خان صاحب گورکھپور نے جناب شیخ بسم اللہ صاحب گورکھپور کو۔
جناب حق نواز صاحب رحیم یارخان نے جناب ضیاء الدین صاحب رحیم یارخان بہاولپور کو۔ جناب
احمد حسین صاحب سیغہ دار محکمہ سوم گنگناؤتی نے جناب محمد فاضل بیگ صاحب دفعدار پولس
ناکہ عمری کو۔ جناب قاضی محمد حمید الدین صاحب گرداور رائے چور کو **خریدار بنایا**
اور جو خود خریدار ہوئے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

جناب سید غلام شاہ صاحب ابن سید شرف الدین صاحب، جناب امیر خان صاحب گرداور
قانون گو الہ آباد۔ جناب محمد ایوب صاحب بک سیلر بمبئی۔ جناب سید ظہور احسن صاحب جام پیٹھ
جناب محمد لطف اللہ خان صاحب بی۔ اے کوئٹہ، جناب عبدالرحمٰن صاحب مدرس آدم پور۔ جناب
سید ظہیر الحسن صاحب ٹھاکر ڈونڈلہ۔ جناب شیخ محبوب علی صاحب گلچین رسول پور۔ جناب منشی
فضل الدین صاحب کارخانہ روٹی چکی لاہور۔ جناب محمد علی صاحب ہیڈ ماسٹر مرلی والہ گوجرانوالہ

جناب فضل کریم صاحب مردان پشاور، جناب محمد مظفر اللہ صاحب سکریٹری ینگ مینس یونین حیدرآباد
جناب غلام نبی صاحب بمبئی، جناب زین العابدین خان صاحب سکندر آباد دکن، جناب محمد مولی
صاحب رام پور کوئل کنڈہ، جناب عبدالوہاب صاحب کوٹھی نمبر نواب گنج، جناب علی محمد صاحب
امام مسجد ملتان شہر، جناب سید عبدالعلی صاحب عرائض نویس وہمپتری، جناب سید مبارک شاہ
صاحب بخاری حیدری سارجنٹ پولس اوچ شریف، جناب عبدالغفور صاحب ٹھیکیدار کیسور
جناب محمد عباس علی خان صاحب ہریا، جناب محمد صادق صاحب خالب کلم سپر کوٹ، جناب حبیب
صاحب پراری اونچہ کلاں، جناب عبدالقدوس صاحب مقام حسن صوبہ میسور، جناب ایم عثمان
بیگ صاحب پبلک انسپکٹر نارتن ڈیورکری، جناب سید محمد رضا صاحب بمبئی، جناب پیش امام
سید ضامن علی صاحب ہریا، جناب عبدالکریم خان صاحب سٹورکیپر کوہ منڈل پیٹ، جناب
منشی احمد خان صاحب معلم مدرسہ سجارہ شریف ڈاکخانہ محمد پور ریرواں، جناب محمد حسین صاحب ہنراد
جناب عبدالحفیظ صاحب سندیلہ ضلع ہردوئی، جناب شیخ حسین صاحب نیمچہ، جناب سید عمر علی صاحب
تانگلوی، جناب فیروز الدین صاحب لاہور، جناب سید احمد شریف صاحب ایلندور نگل،
جناب سید رونق علی صاحب الہ آباد، جناب قمر الدین صاحب کلا ہاما یہ ڈاکخانہ، جناب عزیز الدین
صاحب عزیز بہراؤن، جناب عبدالصمد میاں صاحب برانچ، جناب خان صاحب چودہری
سلطان احمد صاحب بہاور لاہور، جناب فضل کریم صاحب پیران شاہ سانے لکڑی، جناب
عبدالحی صاحب وکیل لودھیانہ، جناب محمد عبدالغفور صاحب ہندوپور، جناب شیخ محمد کرم الٰہی
صاحب انصاری ملتان، جناب مسٹر محمد ابراہیم صاحب دعلیگ، بنگلور، جناب شیخ عبدالوہاب
شیخ محی الدین صاحب بی اے عرشی، جناب شیخ عبدالعزیز صاحب کوہاٹ، جناب مولانا سید
شاہ محمد حسن القادری صاحب ضلع بیربھوم، جناب محمد کفایت اللہ صاحب قریشی بدنیرہ ٹکڑگنج،
جناب سید اعجاز الحسن صاحب سب انسپکٹر مدارس کاٹھیاواڑ، جناب سلطان خان صاحب سب انسپکٹر
بھکیا بنارس، جناب عزیز احمد صاحب موضع بینیپور، جناب ایم۔ اے سلیمان صاحب احمدا

تین پر ایک

حصہ چہارم شیخ سنوسی مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قیمت ۴/

ناگفتہ بہ

حصہ پنجم شیخ سنوسی مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قیمت ۴/

اور شیخ سنوسی کا پہلا ۔ دوسرا ۔ تیسرا حصہ فوراً منگائیے جن میں آئندہ زمانہ کے انقلابات اور موجودہ جنگ کے پُراسرار انجام کے حالات ہیں ۔

مختصر فہرست تصانیف حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی یہ ہے

سفرنامہ مصر و شام و حجاز ۔ با تصویر ۔ ۔ ۔	۲/	فلسفہ شہادت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	ا/
ایضاً ایضاً ایضاً بلا تصویر ۔ ۔ ۔	۱۲/	خواجہ حسن نظامی کا توپ خانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	ا/
روزنامچہ خواجہ حسن نظامی صاحب ۔ ۔ ۔	۸/	ایضاً بم دو پیسہ ۔ ر بہشت دق ۔ ۔ ۔	۰/
تسخیر مہر و قمر یعنی اعمال حسب البحر ۔ ۔ ۔	۸/	ایضاً ہوائی جہاز دو پیسہ ۔ ر جرمن کچھ رادھکی ہوش	۰/
پیغمبری لشکر کی اُردو دعائیں ۔ ۔ ۔	۴/	قیصر کا اعلان جنگ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	ا/
غدر دہلی کے افسانے با تصویر	۴/	دل کی مراد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	ا/
رسول کی جیبی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲/	اسرار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴/
مختصر سوانح عمری حضرت امیر خسرو ۔ ۔	۳/	آہ دل یعنی ہند معید انت کی کتاب	۸/
انتخاب اخبار توحید شہید	۵/	ٹکی کا میدان جنگ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۰/

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی

کافوری جنتری

کافوری جنتری ۱۹۱۵ء کی نہایت خوبصورت اعلیٰ درجے چکنے کاغذ پر چھپ رہی ہے اور مارچ ۱۹۱۴ء کے پہلے ہفتہ سے بلاقیمت و بلا محصول ڈاک قدردانوں کے پاس بھیجی جائے گی، اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ پر دوتین متفرق جگہ کے شریف لکھے پڑھے اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھ کر بھیج دیجئے اور جنتری مذکورہ وقت پر آپ کے پاس بھیجی جائے گی +

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی بنائی ہوئی

جلدی بیماری کی دوا

یہ تیل کئی ایک مفید دیسی اور ولایتی استعمال کی تجربہ کی ہوئی دوائیاں ملا کر بنا ہے اس سے ہر اقسام کی جلدی بیماری یعنی چمڑے کا مرض مثلاً خارش کھجلی، چھاجن، برص وغیرہ دفع ہو جاتے ہیں، برص سے خراب ہوئے چمڑے میں یہ اچھا فائدہ دکھلاتا ہے، چمڑے کی بیماری سے اکثر خون میں بھی نقص آجاتا ہے، اس حالت میں تیل لگانے سے پورا نفع نہیں ملتا اس وجہ سے تیل لگانے کے ساتھ ہی خون صاف کرنیوالی دوا ایجو ڈائیر سالسہ بھی حسب ہدایت استعمال کرنا چاہیئے،

قیمت فی شیشی ۱۰ محصول ڈاک ایک سے چار تک پانچ آنہ سالسہ قیمت دو روپیہ ۲ محصول چھ آنہ

کان بہنے کی دوا

کان کے اندر ریم آتا ہو یا پرانا ہو گیا ہو وہ تین مراتب استعمال سے بہنا بند ہو جاتا ہے قیمت ۱۲ پچکاری کان صاف کرنیکی ۱ خرچ ہر دو چیز کا پانچ آنہ (۵) +

کلوروڈائین

یہ انگریزی کی ایک خانگی دوا ہے ریاحی درد مروڑ خرابی کی صورت سے ہو اس کی ایک ہی دو خوراک سے جاتی ہے آنو دست اور ہیضہ کے لیے نہایت مفید ہے، ڈاکٹر برمن نے انگلینڈ کے ایک نامی دواخانہ سے منگوایا ہے اور دیگر کلوروڈائین سے کہیں بہتر ہے + اس لیے بازاری کلوروڈائین نہ خرید کر کے اس کلوروڈائین کو خریدیں قیمت ۱۰ اور ایک درجن کے ۱ محصول ۱۲

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی

دانت کے درد کی دوا

لگاتے ہی درد مٹاتی ہے۔ درد کو ہٹاتی ہے۔ ایک باریک و مضبوط تنکے کی سینک کے سر سے پر روئی لپیٹ کر اسے دوا میں ڈبو کر ٹھیک درد کے مقام پر لگائے، اور اگر دانت کی جڑ میں درد ہو تو ذرا سی روئی میں ڈبو کر اسمیں بھر دیں۔ فوراً درد بند ہو جائے گا۔ قیمت ۴

محصول ڈاک ایک سے آٹھ شیشی تک چھ آنہ ۶

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ

لوح مبارک

مزار پُر انوار سرور کائنات

خلاصۂ موجودات حضرت محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قبروں کے غیبی نوشتے

جن کو

سیدی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

کی

نظر حال نے پڑھ کر لکھا ہے

منیجر نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

قیمت ۸ر علاوہ محصول

لوح مزار
ام المومنین حضرت
بی بی خدیجہ رضی
اللہ تعالی عنہا

لوح مزار
سیدنا حضرت
علی رضی اللہ
تعالے عنہ

لوح مزار
حضرت بی بی
فاطمہ رضی اللہ
تعالی عنہا

لوح مزار
حضرت امام
حسین رضی
اللہ تعالی عنہ

لوح مزار
حضرت بی بی
زینب رضی اللہ
تعالی عنہا

لوح مزار
سیدنا حضرت
علی اکبر رضی اللہ
تعالی عنہ

لوح مزار
سیدنا حضرت
علی اصغر رضی
اللہ تعالی عنہ

لوح مزار
حضرت بی بی
شہربانو رضی
اللہ تعالی عنہا

لوح مزار
فدائی رسول
حضرت بلال رضی
اللہ تعالی عنہ

لوح
قبر
فقیر
حسن نظامی غفرلہ

لوح
یزید

لوح
ابولہب

لوح
ابوجہل

لوح
ابن زیاد

لوح
شمر

لوح
عمر سعد

دنیا کی آبادی میں چوتھائی حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے — رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۱۲

جلد ۱۶ — رجب ۶ — جمادی الاول — ۱۳۳۵ھ

باسمین — پیچاک

نمبر ۶

نظام المشائخ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

قسم دوم — قسم دوم

روحانی تسلی و تسکین کا ماہوار پیام

مذہب اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ

جو سیدی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب خواجہ زادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ۱۲ ششماہی ۶

مقام اشاعت دار السلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

نظام المشائخ

نمبر ۶ | بابت ماہ جمادی الاخری سنہ ۱۳۳۳ ہجری | جلد ۱۶

فہرست مضامین

جگ بیتی

پُراسرار افسانوں کا مجموعہ

سیدی ومولائی حضرت خواجہ حسن نظامی نے لکھی ہے۔ نہایت دلچسپ نہایت پراثر، نہایت مفید کہانیوں کی کتاب جس میں مذہب، تصوف، معاشرت اور انسانی کیرکٹر پر عجیب انداز سے بحث ہوئی ہے۔ زبان ایسی آسان کہ عورتیں اور بچے بے تکان پڑھ لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں قیمت ۶ر

میلادنامہ

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی تازہ تصنیف ہے۔ اردو زبان میں آجتک جسقدر مولود کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ کتاب اُن سب سے نرالی ہے اور اسمیں تمام معتبر اور صحیح روایتوں کو جمع کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے حالات سے شروع کیا ہے اور ولادت کا بیان نظم و نثر کی زیبایش سے قلمبند کر کے بچپن جوانی کے کل واقعات لکھے ہیں +

پھر دوسرے حصہ سوّل بیتی میں رسالت سے لیکر وفات تک کے حالات ہیں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر اور پوری سیرت و سوانحعمری ہے۔ آخر میں آپکے اخلاق و عادات و لباس و طعام وغیرہ کی کیفیت ہے +

میلادنامہ کی زبان ایسی آسان اور دلچسپ ہے کہ بچے اور عورتیں بلا تکان پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان بھر میں مقبول ہوئی ہے، شائع ہوتے ہی آٹھ دن میں ہاتھوں ہاتھ پانسو سے زیادہ فروخت ہو گئی۔ اگلے ربیع الاول تک شاید دوبارہ چھپوانی پڑے گی، کیونکہ لگاتار مانگ چلی آتی ہے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ علاوہ محصول +

مینیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب فرمایئے

نظام المشائخ

فقراء کے دشمن

کمال حزن و ملال۔ اور کمال فخر و مسرت کا وقت ہے کہ فقراء درویش۔ مشائخ بڑھتے جاتے ہیں تو اُنکے اعدا میں بھی ترقی ہو رہی ہے ✤

فقرا کے دشمن کئی طرح کے ہیں۔ ایک اہل ظاہر علما۔ دوسرے خواہ مخواہ کے حاسد۔ تیسرے پیشہ ور دنیا دار۔ چوتھے سیاسی نگہ دار۔ پانچویں خود فقرا کے کردار ✤

علماء کی مخالفت اور عداوت نئی نہیں ہے پُرانی ہے۔ ان ظاہر پرست مدعیان علمیت نے ابتدائے عروج اسلام سے فرقۂ خاموش اہل تصوف کا عناد اپنے طرز عمل کا ضروری حصہ قرار دے رکھا ہے۔ حضرت ابن عربی۔ اور حضرت غوث الاعظم جیسے پیشوایان ملت تک

اِن کی زبان اور قلم سے محفوظ نہیں رہتے ہے +

اِن لوگوں کی دشمنی کے دو پہلو تھے اور وہی دونوں اب بھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان لوگوں کو بسبب غلبہ علم ظاہر اور ناواقفیت اسرار باطن تصوف کا طریقہ شریعت اسلام کے خلاف نظر آیا۔ اور انہوں نے حمایت شریعت کے باعث گروہ صوفیہ کی مخالفت کو ضروری سمجھا اور دوسرے یہ کہ انکو مشائخ کے اثر عالمگیر اور ہر دلعزیزی سے حسد ہوا +

پہلے سبب کی ہر شخص تعریف کرے گا۔ اور میں بھی اس نیت کی ستایش پر مجبور ہوں مگر دوسرا پہلو سراسر ناروا ہے۔ اور افسوس ہے کہ اکثر اوقات یہی ناجائز جذبہ باعث عداوت فقرا ہوا کرتا ہے +

خواہ مخواہ کے حاسد رہیں عموماً ہیں ہر زمانہ میں ایسے اشخاص پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے دنیا میں اپنا گروہ بنانا چاہا۔ دینی حیثیت سے یا دنیاوی حیثیت سے ان لوگوں کو اہل تصوف سے دشمنی کرنی پڑی۔ کیونکہ بغیر اس کشمکش کے صوفیوں کے اثر عام میں انکی ترقی بہت دشوار ہوتی تھی۔ اُن کو خواہ مخواہ کا حاسد میں نے یوں کہا کہ انکی عداوت و مخالفت کبھی کامیاب نہیں ہوئی۔ اور یہ بیچارے اپنے حسد و رشک کی آگ میں خود ہی جل جل کر مر گئے +

اس موجودہ زمانے میں دو تحریکیں اہل تصوف کے خلاف اُٹھیں۔ ایک دینی شکل میں تھی۔ ایک دنیاوی۔ مگر دونوں ناکام رہیں۔ اور منہ کے بل اوندھی گر پڑیں +

علی گڈھ کالج کی تحریک درحقیقت ایک علمی تحریک تھی مگر باعتبار تاثیر حالات اسکی مخالفت علمائے عربی سے اتنی نہ تھی جتنی صوفیوں سے۔ اور لوگوں کے دلوں پر ان کے جمائے ہوئے اثر سے وہ ٹکرانا چاہتی تھی۔ وہ بہت ٹکرائی۔ اس نے دوستی اور محبت کے انداز سے اور رعب بیبت کی کمال اور زور کے ساتھ صوفیوں کی مرکزیت کو گرانا اور اسکی جگہ اپنی عمارت کو بنانا چاہا۔ لیکن اسکو اپنی بڑی بارگوں کی ایک اینٹ کی برابر بھی کامیابی نہ ہوئی اور وہ خود ہی الٹی مضمحل ہو کر رہ گئی +

دوسری تحریک، قادیان سے دین کے لباس میں کھڑی ہوئی۔ اسکی بنیاد بھی بیعت پر تھی گو وہ بیعت ایک مفروضہ دعوے عجیبکے ماتحت بیان کی جاتی تھی تاہم اسکا ایک فرقہ عظیم سے ٹکرانا لازمی تھا۔ جسکے ہاں تیرہ سو برس سے باضابطہ بیعت کا طریقہ رائج ہوتا آیا ہے ۔

قادیان کے سب بڑے بڑے فرقہ سازوں نے اپنے بڑے بڑے آہنی پنجوں سے فقیری خرقوں کو پھاڑنا اور روحانی جماعتوں کو پراگندہ کرنا چاہا۔ مگر انکے نوک دار تیز ناخن ٹوٹ کر رہ گئے۔ لوہے کے ہاتھ موم ہو کر پگھل گئے۔ وہ کچھ بھی حاصل کرنے نہ پائے تھے کہ موت نے ان سب کو ختم کر دیا ۔

اب ان کے جانشینوں نے نئے نئے روپ بدلے ہیں۔ اور پچھلے مسلسل فرار کے بعد تھکن کے لمبے سانس لینے کے باوجود پھر آگے بڑھنے کی ہمت کی ہے۔ انکے داعی اور انکے اخبار پیر صوفیوں اور انکے اصولوں پر اپنے کانپتے اور لرزتے پیروں سے چھپٹنا مارنا چاہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے میں سید الاعظم حضرت خواجہ اجمیری کا مثیل ہوں۔ کوئی کہتا ہے سب سلسلے منسوخ۔ اب پیغمبر قادیان کے "موروثی" نبی زادے کی بیعت کرنی چاہئے ۔

پر ہائے افسوس۔ انکی لگاتار چیخ پکار کوئی نہیں سنتا۔ انکی آگ بجھ رہی ہے اور حلقہ صوفیہ کا کوئی فرد اپنی ھو کی پھونک سے اسکو زندہ نہیں کرتا۔ وہ کاغذوں کو اپنی فرضی تاثیرات اور ترویج عام کے کپڑے پہنا کر بٹالہ کے کنارے خوش ہو لیتے ہیں مگر ان کا خواہ مخواہ کا حسد فقراء کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ انکی جماعت ایک معمولی فقیر کے مریدوں کی گنتی کے برابر بھی نہیں آسکی۔ اور ایک دن آئیگا کہ یہ بھی اپنے سلف کے پاس اسی حسرت و یاس سے چلے جائینگے۔ اور میری طرح کوئی لکھنے والا خواہ مخواہ کے حاسدین فقراء کے زمرہ میں انپر قلم فرسائی کر دیگا ۔

فقراء کے تیسرے دشمن پیشہ ور دنیادار ہیں۔ پیشہ وریوں کہا گیا کہ حقیقت میں

یہ دنیا دار نہیں ہیں۔ بلکہ بطور پیشہ کے دنیادار ہونا چاہتے ہیں۔ اصلی دنیادار تو وہ ہیں جن کو یہ دعا تعلیم ہوئی ہے :۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ

پیشہ ور دنیادار۔ دہوکہ سے فریب سے۔ مکر سے۔ دغا سے دنیا میں بسر اوقات کرنی چاہتے ہیں۔ اسکے پیش نظر دنیا کی حسنات نہیں ہوتیں۔ انکی زندگی سراسر حق تلفیوں اور دل آزاریوں پر مبنی ہوتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کی صحبت سے فقراء کو منع کیا گیا ہے۔ یہی وہ دشمن فقراء ہیں جن کو میں نے تیسرے درجہ کا "عدو درویش" قرار دیا ہے ۔

ان پیشہ ور دنیاداروں کی جماعت باعتبار معنی فقرا کی دشمن ہے۔ الفاظ اور ظاہر کے اعتبار سے تو یہ فقراء کے مرید نظر آتے ہیں۔ اُن کے محب و معتقد کہلاتے ہیں۔ مگر انکی مکروہ اور گندی خواہشوں اور سراپا عصیان دعا طلبیوں کے ہجوم فقراء کو گھیرے رہتے ہیں۔ جن کے اثر مشائخ کی دشمنی میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور درویش اس اندرونی عداوت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ فقراء کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ آستین کے ان سانپوں نے اُنکو کسقدر نقصان پہنچایا۔ وہ تو ان کو طالب حق تصور کرتے ہیں۔ مگر حقیقت اسکے خلاف ہوتی ہے۔ فقراء کی باطنی خوبیوں پر ان پیشہ ور دنیاداروں کی کثافتیں بادل بنکر چھا جاتی ہیں۔ اور آخر یہ فقیر بھی ان جیسے پیشہ ور دنیادار بن جاتے ہیں ۔

گو میں نے فقراء کے دشمنوں میں پیشہ ور دنیاداروں کو تیسرے درجہ پر لکھا ہے مگر یہ اول قسم میں آنے کے قابل تھے۔ کیونکہ ان کی عداوت کامیاب ہوتی ہے انکی عداوت پوشیدہ نشتر اور مخفی زہر کی طرح کام کرتی ہے ۔

میں آج کے خطبہ میں بے سوچے اور بلا کسی پس و پیش کے فقراء سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ پیشہ ور دنیاداروں کی ہولناک عداوت سے اپنے احوال و اطوار کو بچانے پر

متوجہ ہوں کہ یہی ایک متعدی بلا ہے جس سے ہم اپنی آبادی کو ملیامیٹ ہوتے دیکھ رہے ہیں ؂

درویشوں کے چوتھے دشمن سیاسی نگہدار ہیں۔ ہر زمانہ کے اہل سیاست نے فقرا کو سیاسی شبہ اور شک کی نظروں سے دیکھا ہے۔ اس شک و شبہ سے فقرا کی جانیں گئی ہیں۔ آبروریزی ہوئی ہے۔ زندگیاں تلخ ہو گئی ہیں۔ گو مشائخ اپنی سعی سے سیاسی نگاہداروں کی عداوت کا علاج نہیں کر سکتے۔ تاہم اُنکو احتیاط کرنی چاہیئے کہ دنیا کی ہر سیاست ملکی سے اپنے دامنوں کو بچائیں۔ اور ایسی صحبتوں سے پرہیز کریں جن کا انجام اسیری سیاست ہو ؂

پانچواں دشمن فقرا کا خود اُن کا طرز عمل ہے۔ اس سے میری مراد وہ حالت ہے جو درویشوں نے مسلک شریعت و طریقت سے الگ ہو کر قائم کی ہے۔ شیخ سعدی نے کہا تھا:۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید　　　　که ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اور سچ کہا تھا۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ٹھیک طرح صوفیوں ہی نے عمل کیا ہے۔ اور صوفی ہی وہ عالم ہیں۔ جو علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل کے مصداق ہیں مگر آجکل ان میں کچھ ایسے ناتراشیدہ پیدا ہو گئے ہیں جو راہ پیمبر کے خلاف چلنا درویشی سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا طرز عمل خود ان کا دشمن ہے۔ باہر کے دشمن تو اُن کے عروج اُن کی عام ہر دلعزیزی سے حسد کر کے اُنکی مخالفت کرتے ہیں مگر ناکام رہتے ہیں۔ اور یہ اندر کے دشمن جنمیں پیشہ ور دنیادار اور خود صوفیوں کے بُرے کردار شامل ہیں۔ اعدا سے خطرناک ہیں۔ ایسے اعدا جن کا کچل ڈالنا ہمارا فرض ہے۔ جن کو ہمیں فوراً اپنے وجود سے کاٹ کر پھینک دینا ہمارا پہلا کام ہونا چاہیئے ؂

ہم علمائے ظاہر۔ خواہ مخواہ کے حاسدین اور سیاسی شبہ کرنے والوں کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ قدرت نے ہماری ٹھوکروں میں وہ طاقت دی ہے کہ ہم ان سب کے

گیند کی طرح اچھال کر دور کر سکتے ہیں۔ غدران آخری دو دشمنوں کا ہے جو دبال دین و ایمان اور خطرہ سلامتی ہستی و جان ہیں +

بچو اے فقیرو! بچو اے درویشو! بچو اے صوفیو! ان دونوں دشمنوں سے بچو۔ اور جلد ہی خبر لو۔ ایسا نہو کہ انکے مخفی ہتیاروں سے تم مجروح ہو جاؤ۔ اور پھر باقی کے تینوں دشمن تم پر ٹوٹ پڑیں۔ خدانخواستہ تمہارا کام تمام کردیں۔ اگرچہ خدا ایسا نہیں کریگا۔ کیونکہ تم ہی اُسکے سچے دین کی اصلی جان ہو +

حسن نظامی

۸۶

رفاعی

ہم کسی طرح بھی رفاعی کا یہ عذر قابل پذیرائی نہیں سمجھتے کہ پیرس کا خوشنما منظر تمدن کی جدت۔ حُسن کی کثرت۔ نیا شوق اور مطالعہ کا ذوق۔ یہ مجموعہ خیالات کی تبدیلی کا باعث ہوا۔ وہ اگر سنبھلنے کی کوشش کرتا اور سمجھتا کہ دور کے ڈھول سہاونے۔ یہ ظاہری جلیے اندر سے زہریلے ہیں۔ اوپر کی مٹھاس تہ کی کڑوی اور اس جگمگاتی روشنی کے آگے اندھیرا گھپ ہے تو یقیناً اُسکے پاؤں نہ ڈگمگاتے۔ اسکی ابتدائی تعلیم ایسی ہوگئی کہ آج اچھے اچھے مسلمانوں کو نصیب نہ ہوگی۔ نو برس کی عمر میں کلام اللہ حفظ کیا۔ پانچوں وقت کا نمازی روزے کا پابند مگر خدا بھلا کرے سُسرال کا نہ اتنا مال ہاتھ لگتا نہ پیرس کی سیر ہوتی ✚

(۱)

سعیدہ میاں یہ پردیس ہے۔ اگر کچھ ایسی ویسی ہوگئی تو فرمایئے۔ میں بڑے ابا کو کیا مُنہ دکھاؤں گا؟ آپ ان کمبختوں کے پھندے میں نہ پھنسئے۔ اور جس طرح ہو ہندوستان چلئے۔ آپ کا دل ڈانواں ڈول ہو رہا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں حالت زیادہ خراب نہ ہو جائے ✚

رفاعی او مسٹر سعید! کل رات کو نکلسن ریسٹورانٹ میں میں نے ایک ایسی صورت دیکھی کہ ہندوستان اور ہندوستان کی تمام کائنات قربان کر چکا۔ میری زندگی اُسکے ہاتھ ہے۔ آج شام کو پھر ملنے کا وعدہ ہے۔ مگر دیکھو کیا خدا کا ظلم ہے کہ کسی طرح شام نہیں ہوتی ✚

سعید۔ خدا کو تو کچھ نہ فرمایئے۔ آپ جس صورت کا ذکر کر رہے ہیں مجھے سب معلوم ہے وہ ایک امیر کی لڑکی ہے۔ آپ جیسے چرکتے اُسکے ہاں سیکڑوں آتے ہیں

اپنی حالت پر رحم کیجئے۔ ورنہ یاد رکھئے۔ بہت ہی مٹی پلید ہوگی +

رفاعی۔ آپ کی گفتگو نہایت لغو ہے۔ آپ وہی پرانے زمانہ کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ میرے بھائی دنیا ترقی کر رہی ہے مگر ایک آپ کی قوم ہے کہ وہی پرانا رگڑا جھگڑا اور کچھ نہیں۔ کیوں آپ لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ آخر خدا کو بھی منہ دکھانا ہے یا نہیں +

سید۔ پھر آپ نے خدا کا ذکر کیا۔ ان باتوں میں اسکا ذکر نہ کیجئے +

رفاعی۔ تو آپ مسلمان نہیں ہیں +

سید۔ ہوں۔ ضرور ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہوں کہ خدا کی حقارت پسند کروں +

(۳)

مسٹر رفاعی ریسٹورانٹ میں تشریف فرما ہیں۔ یہاں کی مالک ایک نوعمر لڑکی بہ مرتبہ ایک نئے انداز سے اُنکی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور اس طرح کہ خفیف سی مسکراہٹ ہونٹوں پر۔ دریافت کرتی ہے کہ کیا حاضر کروں +

ایک ، دو ، تین ....

وسکی کے تین پیگ ختم ہوگئے۔ شام سے رات ہوئی۔ رات بھی ڈیڑھ دو گھنٹے گزر گئی مگر ایلینا نہیں آئی۔ مسٹر رفاعی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہے ہیں۔ حسن کے ذخیر سامنے سے گذر رہے ہیں۔ مگر ان کا دل جس چہرے کا متلاشی ہے نگاہیں جس دلربا کی متجسس ہیں اسکا پتہ نہیں۔ دل کی گھبراہٹ زیادہ ہوئی۔ اُٹھے۔ ادھر ٹہلے اُدھر ٹہلے۔ اس میز پر گھوڑا اس سیٹ پر بھاپا۔ اور پھر پھر اگر پھر آ بیٹھے +

کجا پیرس کا ریسٹورنٹ کجا حافظ محمد رفاعی۔ یہاں دل کی لگی اور ہندوستان

کی گھبراہٹ۔ دو پہنگا و آہٹ پر نظر۔ دنیا ہی تھی ... [illegible]

خوش ہے بھائی رفاعی تو تماشہ ہو گئے۔ اتنے ہی میں ایلینا ایک شخص کے ساتھ آتی ہوئی دکھائی دی تو بے تحاشا لپکے۔ کیسا سلام اور کہاں کی نیٹ۔ الا اللہ کہکر مصافحہ کو ہاتھ بڑھا ہی تو دیا۔ ایلینا جھجکی۔ ہمراہی کو غصہ آیا۔ پہلے سمجھا جو کرنے۔ پھر خیال کیا دیوانہ ہے۔ مگر یہ دیکھکر کہ بھائی رفاعی کا ہاتھ پھیلے کا پھیلا رہ گیا اور باچھیں اتنی کھلیں کہ دانتوں کے ساتھ مسوڑے بھی جھلک گئے۔ تو دونوں ہنس پڑے ایلینا نے بھی مصافحہ کر لیا۔ ہاتھ ملانا تھا کہ بھائی رفاعی سے ضبط نہو سکا۔ اور بھرے بازار میں ہمراہی کے سامنے اور سیکڑوں کے روبرو لپک کے ہاتھ کو چوم آنکھوں سے لگا لیا۔ لوگ ہنس پڑے۔ ان دونوں کو ناگوار ہوا۔ اور تجویز یہ ہوئی کہ بھائی رفاعی کو اسکی سزا ملنی چاہیئے۔ ہمراہی کسی بہانہ سے مل گیا۔ اور ایلینا بھائی رفاعی کو لیکر ایک ہوٹل (تعمیر)

رفاعی آپ اتنی اچھی اردو بولتی ہیں کہ مجھے تعجب ہوتا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ عین مین ہندوستانی عورت بول رہی ہے۔ خدا نے صورت تو دی ہی تھی زبان بھی اللہ پاک نے اتنی ہی شیریں عطا فرمائی +

ایلینا۔ درست ہے میں نو برس ہندوستان رہی ہوں۔ اس لیے ٹوٹی پھوٹی بول سکتی ہوں۔ چار برس مصر بھی رہی ہوں۔ کچھ تھوڑی سی عربی میں بھی بات چیت کر سکتی ہوں +

رفاعی۔ اوہو! اور میں تو حافظ ہوں، خدا کی قسم! آپ سنتی کیوں ہیں جو رکوع کہئے سنادوں +

ایلینا۔ بجا ہے! آپ ضرور حافظ ہونگے۔ یہاں آپ کا پڑھنا مناسب نہیں ہے گھر پر سہی +

رفاعی۔ جب کہئے۔ جہاں کہئے اور جس قرأت میں کہئے۔ سن نہ کر دوں تو سہی کہ

ایلینا۔ خوب،

رفاعی (کھڑے ہوکر) میں آپ کے لیئے کچھ پینے کو لاؤں ؟

ایلینا۔ آپ تشریف رکھیئے دیکھئے وہ سامنے بوائے آرہا ہے۔ اسکو حکم دے دیجئے +

رفاعی۔ ابھی میں اپنے سامنے ٹھیک لاؤنگا۔ ان کا اعتبار نہیں خبر نہیں کیا کا کیا دے دیں +

ایلینا (ہنسی ضبط کرکے) نہیں ایسا نہوگا۔ آپ مطمئن رہیئے +

ایک دو، اور بس +

ایلینا صاحب! میرا تو کچھ جی متلا رہا ہے۔ عو عو عو۔ ہائے کلیجہ نکلا۔ ذرا میرا سر پکڑ لو،

میز، چادر، برتن، گلاس، فرش، زمین غرض کوئی چیز ایسی نہ تھی جو حافظ صاحب کے اثر سے محروم رہی ہو۔ رضا بہ قضا رسٹورنٹ والے غریب کیا کرتے۔ پانی دیا۔ کلی ہوئی۔ غرارہ اس زور سے کیا کہ پاس کی سیڑھیں بھی گونج اٹھیں۔ ذرا اطمینان ہوا تو حافظ صاحب نے رومال نکالکر بازو باندھا۔ اور بوائے سے کہا کہ "استاد! جب جانیں کہیں سے الائچی داریان لاؤ"

بوائے کیا خاک سمجھتا اور کیا پھر جواب دیتا۔ ایلینا کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ گئے۔ اور اسکے منہ مالک۔ رسٹورنٹ کو کوئی چارہ نہ تھا کہ اُسنے آکر نہایت نرمی سے کہا،

جنٹلمین! آپ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ سواری موجود ہے۔ آپ اپنے گھر تشریف لیجائیئے،

بھائی رفاعی، یہ ہے تہذیب کہ زبردستی نکالتے ہو،

حافظ صاحب کی تے دیکھکر ایلینا بھی دور چلی گئی تھی۔ اب جو حافظ صاحب اُٹھے چاروں طرف دیکھا تو ایلینا کا پتہ نہیں۔ زور سے سینہ پر ایک ہاتھ مارا اور دروازہ کی طرف چلے تو رستہ میں ایلینا موجود تھی۔ دونوں ہاتھوں سے بلائیں لیں اور کہنے لگے-
پھر کس وقت سنو گی۔ کب حاضر ہوں؟

ایلینا۔ آپ کا مکان ہے جب چاہیں تشریف لے آیئے۔

رفاعی۔ پتہ بتا دیجئے۔ میں ابھی کھانا کھا کر آتا ہوں۔

ایلینا۔ ایڈورڈ پارک کے پاس سول لائن کے مقابل کوٹھی نمبر ۱۲۷۔

(۳)

قرآن سننے کا تو فقط بہانہ ہے۔ درحقیقت ایلینا مجھسے تخلیہ میں ملنا چاہتی ہے اس کی ہر نگاہ میں محبت اور ہر ادا میں فریفتگی پوشیدہ تھی۔ بات یہ ہے کہ کل جدید لن یذ۔" اُسنے آجتک ایسی صورت دیکھی کا ہیکو ہوگی کیا بتاؤں بڑی غلطی ہوئی جو کہیں غسلے کی اچکن پہن کر آتا تو لٹو ہی ہو جاتی۔ خیر اب پہلے میں منہ ہاتھ دھو کر کنگھی کر لوں۔

سیّد صاحب! سیّد صاحب! او یو سیّد!

سید۔ بھائی صاحب! فرمایئے؟

رفاعی۔ ادہر آیئے۔ گرم پانی، تولیہ، صابون، دانتوں کا منجن، چنبیلی کے تیل کی شیشی، صندل کا کنگھا، حنا کا عطر، ململ کا کرتہ، رومی مخمل کی لال اچکن، کارچوبی ٹوپی، وہ نیا پاجامہ۔ یہ سب چیزیں ابھی رکھدیجئے۔ ہاں...... کمر بند لاہوری ریشمین ڈال دیجئے گا۔

سید۔ لیجئے آپ منہ ہاتھ دھویئے سب چیزیں تیار ہوتی ہیں —— مگر یہ تو کہئے قصد کدہر کا ہے؟!

رفاعی۔ اسکے متعلق کچھ نہ کہو۔ اور ہرگز کچھ مت پوچھو۔ میں وہ ہندوستانی نہیں ہوں جو یہاں آکر خالی چلا جاؤں۔ مجکو خدا نے شکل دی۔ صورت دی علم دیا دولت دی۔ تم دیکھنا میں اپنے ساتھ کیا لیکر ہندوستان جاتا ہوں +

(۴)

آپ کا اسم مبارک؟

ہڈسن!

آئیے، میں آپ کا منتظر ہوں، مجکو حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو اس سامنے والے کمرہ میں پہنچا دوں +

رفاعی۔ ہاں ہاں ایلینا صاحب میری راہ دیکھ رہی ہونگی +

ہڈسن۔ ہاں وہ منتظر ہیں +

رفاعی۔ چلئے چلئے۔ حضرت! ہم لوگ اپنے وعدہ کے بڑے پکے ہوتے ہیں بھلا یہ تھوڑی ہو سکتا تھا کہ جب میں نے وعدہ کر لیا تھا تو پھر نہ آتا۔ میری تو میاں ہڈسن یہ عادت ہے۔ اور کچھ آج ہی سے نہیں بچپن سے۔ کہ جو بات زبان سے نکل گئی پتھر کی لکیر ہے۔ مڈل میں کیوں فیل ہوا۔ اس زبان کے کارن۔ امی جان نے کہہ دیا تھا کہ لاکہہ کوشش کرو اور بند سے ایک پاس ہوتے نہیں۔ بھائی مسٹر۔ وہ تو بہ توبہ بھولگیا کیا نام بتایا۔ ہاں تقدیر کی بات دیکھو۔ پرچے ایسے کر دم بھر میں پانی کر کے رکھدوں۔ مگر مردوں کی زبان ہی تو ہے بیٹھا ہوا۔ کاغذ پر ولایتی چوہے تو بناتا رہا۔ مگر مسلمان ہو تو یقین کیجئے مانتا جو ایک سوال کا جواب لکھا ہو۔ اچھا آپ تشریف لیجائیے۔ میں اندر جاتا ہوں۔ آداب عرض ہے۔

جنرل ہڈسن۔ آداب۔

کمرے میں قدم رکھتے ہی جو اوپر نگاہ اٹھا کر میاں رفاعی دیکھتے ہیں تو ایک قد آدم سینچ

لگا ہوا ہے۔ جسپر لکھا ہے "جنرل ہڈسن"۔ دیکھتے ہی روح فنا ہوگئی۔ آدھی رات کا وقت۔ بُت کا پہلو۔ ڈرے بہت۔ مگر یہ سمجھکر کہ اب ایلینا آکر تمام خیال غلط کردیگی، سنبھل گئے۔"

پندرہ منٹ، آدھ گھنٹہ، ایک گھنٹہ،

سکتہ، خموشی، سنسان،

"کیا بات ہے۔ ایلینا کو کیا ہوگیا۔ وہ تو اتنی دیر میرے بغیر صبر نہیں کرسکتی"۔

باہر نکلے تو آدمی نہ آدم زاد اندھیرا گھپ۔ ڈر لگا تو پھر اندر گئے، آدھ گھنٹہ اور گزر گیا۔ سٹ پٹا گئے۔ کمرہ کیا ایک عجائب خانہ تھا۔ ہر طرف تصویریں، کہیں شیروں کی کھال، کہیں چیتوں کے سر، چیزوں کی دیکھ بھال شروع کی۔ ایک بٹن کو دباتے تھے کہ چاروں دروازے دھڑسے بند ہوگئے۔ دل ہوا ہوگیا۔ سہم گئے۔ پھر بٹن کے پاس پہنچے۔ اور زور کیا گھسیٹا، دبایا، اُچکایا قریب ہی ایک اور بٹن تھا اُسکو گھسیٹا تو ہاتھ وہیں چپک کر رہ گیا۔ زور کرتے ہیں تو ہاتھ سکتا نہیں۔ چلاتے ہیں تو کوئی سنتا نہیں برابر سے ٹیلیفون کی آواز گھڑ گھڑ گھڑ۔

"جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔ صاحب کمال تو۔ قدرت جلال تو"۔

بھائی رفاعی تو بڑی مصیبت میں پھنسے۔ ہاتھ ہلتا نہیں مُنہ سے بات نکلتی نہیں مجھے تو ٹیلیفون سے آواز آئی۔ "ایلینا ابھی آتی ہیں۔ آپ صبر کیجئے"۔

رفاعی۔ وہ غالباً کپڑے پہن رہی ہونگی۔ مگر بہت دیر ہوگئی۔ ہاں.....میرا ہاتھ!"

ٹیلیفون۔ ہاتھ کیا!

رفاعی۔ شاید کسی غلطی سے میرا ہاتھ ایسی جگہ پڑگیا کہ ہٹ نہیں سکتا،

ٹیلیفون۔ آپ کوئی رکوع فرمایئے،

رفاعی۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ پھر عرض کرونگا،

ٹیلیفون۔ کیوں کیسی طبیعت ہے۔ خیر تو ہے؟

رفاعی۔ اس ہاتھ میں چوچک گیا ہے۔ درد معلوم ہوتا ہے،

ٹیلیفون۔ آپ دوسرے ہاتھ سے میز کے نیچے دائیں طرف تیسرے بٹن کو اونچا کیجیے۔

رفاعی (دلمیں) خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

گبرا تو رہے ہی تھے بٹن کا ہندسہ کوئی دس منٹ میں پڑھا۔ بٹن کو اونچا کرتے ہی سر پر سے ایک پھنکار کی آواز آئی۔ نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو ایک اژدہا منہ پھاڑے جھوم رہا ہے۔ اے اللہ مصیبت سے بچا۔ اب یہ چھوڑنے والا نہیں بمشکل تمام کا دونہ تیرے نام کے روپے یا اللہ کیا کروں۔ اے میاں ٹیلیفون! اے بھائی ٹیلیفون!

جواب ندارد،

ہائے مجھے یہاں کی مٹی کھینچ کے لائی تھی۔ ڈر اتنا غالب تھا کہ اوپر نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔ مگر پھنکاروں کا زور شور وہی تھا،

ٹیلیفون۔ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟

رفاعی۔ اجی حضرت! اچھا سلوک کیا۔ طبیعت کو پھونکیے۔ للہ اس اژدہے کو تو یہاں سے ہٹا دیجئے!

ٹیلیفون۔ طبیعت کا کیا حال ہے؟

رفاعی۔ لاحول ولا قوۃ۔ طبیعت ہی طبیعت پیٹے جا رہے ہو۔ میاں میری جان نکل رہی ہے۔ دو وار تو اژدہا کر چکا۔ اب کے بس خاتمہ ہے،

ٹیلیفون۔ اچھا کوئی رکوع فرمایئے بصری قرأت سے۔

رفاعی۔ آپ آدمی ہیں یا خبط۔ ارے میاں وہ آگیا۔ آن پہنچا پہنچا۔ خدا کیلئے ہٹاؤ۔

ٹیلیفون۔ آپنے غلطی سے کوئی اور بٹن کھینچ لیا۔ جہاں آپ کا ہاتھ چپکا ہوا ہے

ے برابر ایک گھنٹی ہے اُسکو اپنی طرف گھسیٹ لیجئے ۔

رفاعی۔ بہت اچھا بھائی صاحب ۔

ٹی کا گھسیٹنا تھا کہ روشنی غائب۔

آیت الکرسی، دعائیں۔

ایک دو تین پھنکاروں کی بوچھاڑ ۔

ے میاں ٹیلیفون! اے بھائی ٹیلیفون! اجی حضرت ڈرسن صاحب! جنرل صاحب!

ے واسطے۔ اللہ کے واسطے۔ روشنی تو کر دیجئے۔ اللہ کے بندے بول تو سہی ظالم!

ٹیلیفون۔ کیا آپ مجھ سے کچھ فرما رہے ہیں؟

رفاعی۔ اور یہاں کون میرا باپ بیٹھا ہوا ہے جس سے کچھ کہونگا۔ آج سے

ن پکڑا۔ اب ادھر کا رخ نہ کرونگا۔ مگر اب تو رحم کیجئے ۔

ٹیلیفون۔ میں آپکے پاس صبح دس بجے آنے کی کوشش کرونگا ۔

رفاعی۔ صبح دس بجے سے پہلے تو میں کبھی کا مر چکا ہوں گا۔ اجی حضرت جواب

ایت کیجئے! ۔

ٹیلیفون۔ آپ سگرٹ پیجئے۔ پشت کی میز پر بکس رکھا ہوا ہے ۔

رفاعی۔ آپ نہایت نالائق آدمی ہیں کہ میں مر رہا ہوں اور آپ ہنسی اڑا رہے ہیں۔

روشنی نمودار ہوگئی۔ اور ایلینا کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اوہو حافظ صاحب آپ کا

، اس بجلی میں اٹک گیا۔ لیجئے آیئے اس کرسی پر تشریف رکھیئے ۔

الٰہی تیرا شکر ہے۔ بس ایلینا صاحب میرا تو سلام ہو آپ مجھے بسم اللہ کہکر چھوڑ دیجئے

ایلینا۔ بہت اچھا تشریف رکھیئے ۔

رفاعی۔ بس جناب بہت تشریف رکھی ۔

ایلینا۔ آیئے ۔

(۵)

ہندوستان

حافظ صاحب مجھے آپکے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ میں آپ کی داستان مصیبت سے بہت متاثر ہوا۔ جوکچھ میرے امکان میں ہے۔ میں حاضر ہوں۔ آپکے والد میرے دوست ہی نہیں بھائی تھے۔ اور سچ یہ ہے بھائی سے زیادہ تھے۔ آپ شوق سے یہاں رہیئے میں ہر خدمت کے واسطے حاضر ہوں ۔

رفاعی۔ میرا منہ نہیں کہ آپکا شکریہ ادا کرسکوں۔ مجھے درحقیقت بیوی کی موت اُجاڑ گئی۔ ورنہ میری حالت ایسی زندہ نہ ہوجاتی۔ وہ زندہ تھی تو ساری جائداد میرے قبضہ میں تھی۔ ڈیڑھ مہینہ ولایت میں رہا۔ گیارہ ہزار روپیہ برباد کیا۔ تقدیر کی خبر نہ تھی کہ ایک ایک کوڑی کو اس طرح محتاج ہوجاؤنگا ۔

احمد رسول خاں انسپکٹر پولس اگلے زمانہ کے لوگ بڑوں کے ملنے والے آنکھ میں مروت۔ دل میں رحم۔ ہاتھ کے سچے زبان کے اچھے رفاعی کو اپنے بچوں سے زیادہ سمجھنے لگے۔ دیکھتے اور خوش ہوتے مگر رفاعی کے پیچھے بیخواری اور بدچلنی کا ایسا مرض پڑا تھا کہ کسی طرح نہ چھوٹا۔ سوئی گنتی تھی نہ دوسوکی۔ پانی کی طرح روپیہ بہاتا اور کوڑیوں کی طرح اشرفیاں اُٹھاتا۔ احمد رسول خاں نے جہاں تک ہوسکا اسکی نازبرداری میں کمی نہ کی مگر تابکے۔ سمجھدار آدمی تھے۔ ہاتھ روکا۔ کہ شاید سنبھل جائے۔ مگر سنڈے لوہے کیا پٹنے سے درست ہوتے ہیں۔ نمک حرام طوطے کی طرح دیدے بدل گیا۔ اور کچھ ایسے اُلٹے سیدھے پیچ لاکر ڈالے کہ ساٹھ ستر ہزار روپیہ کی تجارت ایک دو ہی ہفتے میں دو کوڑی کی رہ گئی یہ صدمہ احمد رسول خاں کو ایسا پہنچا کہ اندر ہی اندر گھلنے لگے۔ رفاعی کی طرح چھچھورے نہ تھے

رنہ شہر کی کوتوالی ایسی چیز نہ تھی کہ رفاعی اتنا بڑا کام کرجائے اور وہ اُف نہ کریں بچارے
نوشرا شرا کر جلیجانے میں مار ڈالتے۔ مگر صد آفرین اُنکے ضبط وتحمل کو۔ بڑوں کی بری بات میں
اسپر بھی خفا کار سامنے آجاتا تو اُٹھکر گلے لگالیتے۔ اور سمجھانے بیٹھ جاتے ۔

ضرورتیں بدستور، عادتیں وہی۔ روپے پر آئی تباہی۔ اب میاں رفاعی کیا کرتے اور کہاں جاتے۔ کوشش کی کہ کسی طرح پھر خانصاحب کو پھانسوں۔ مگر اب یہاں کیا رکھا تھا۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈہائے۔ تیرہ برس سے کمبخت ساتھ رہتا تھا۔ ہر راز سے واقف ہر معاملہ سے آشنا آنکھوں میں غبار دل میں بخار۔ حرف بحرف تمام واقعات انسپکٹر جنرل جا لگائے۔ وقت کی بات ہے۔ زمانہ موافق نہ تھا۔ داؤں بھرپور ہوا۔ اور رفاعی کے ہاتھوں احمد رسول خاں ملازمت سے علیحدہ کر دئیے گئے۔ جو کچھ پلے تھا۔ وہ پہلے ہی خانصے لگ چکا۔ اب لے دیکر ایک نوکری رہ گئی تھی۔ وہ بھی گئی۔ تو آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ سوچا کہ وطن جاکر کیا منہ دکھاؤں۔ جہاں امیری کے ٹھاٹھ رہ چکے ہیں اب وہاں فقیری میں ۔۔۔ بھی میسر نہیں۔ جن لوگوں سے ہمیشہ سلوک کیا اب انکا دست نگر بنکر کیا رہونگا۔ بیوی بچوں کو لیکر آگرہ چلے گئے۔ اور ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیکر رہنے لگے۔ آمدنی رہی نہیں۔ کال کے دن۔ چھ بچوں کا ساتھ۔ دو دو تین تین وقت صاف نکل جاتے اور کہیں سے کچھ میسر نہ آتا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ خانصاحب تاج گنج میں بیٹھے تھے جمنا آنکھوں کے سامنے لہریں لے رہی تھی۔ خیال آیا کہ دنیا سے بے ثبات کی نیرنگیاں بدستور ہیں۔ قدرت اپنے فرائض اسی طرح انجام دے رہی ہے۔ کائنات کا ہر فرد اپنے کام میں منہمک ہے۔ مگر میں اور صرف میں وہ زندہ روح ہوں جسکے معصوم بچے اور پردہ نشین بیوی فاقوں کی مصیبتیں اور افلاس کی سختیاں اُٹھاتے اُٹھاتے تھک گئے۔ موسم کی ترکاریاں فصل کے میوے آم۔ انار۔ خربوزے۔ تربوز ان سات دموں پر حرام ہوئے۔ فانی دنیا۔ مصائب وعیش کا مجموعہ ہے۔ اور ہر شخص اپنے اعمال وافعال کا ذمہ دار۔ کیا دل کہتا ہوگا اس ضعیفہ کا جو ایک

متمول رئیس کی بیٹی۔ جسکے ہاں اب بھی سب کچھ موجود ہے فاقوں پر صبر اور مصیبتوں پر شکر کرے آج دو مہینے سے زیادہ ہوئے کہ ایک پیسے کے آنولے نصیب نہیں کہ سر پر [illegible] آن بان کی عورت ہے کہ میرے ساتھ سختی بھگت رہی ہے۔ ورنہ اُسکے اور اُسکے بچوں کو کیا اُسکے کتوں کو روٹی کی کمی نہیں۔ آج میکے چلی جائے تو لالوں کی لال ہے۔

اتنا خیال آتے ہی خانصاحب کی طبیعت بگڑ گئی۔ انہوں نے جیب میں سے پنسل نکالی اور دو خط اس طرح لکھے:-

(۱) بیگم! احمد کا زمانہ بدل گیا۔ وہ کل تک رئیس تھا اور آج دو دو دانوں کو محتاج ہے دنیا اسی کا نام ہے مجھے خبر نہ تھی کہ جو وعدے میں نے تم سے گھونگھٹ میں کیے تھے وہ جھوٹے اور جو اقرار شادی سے قبل کیے تھے وہ غلط ہونگے۔ اور میں ایک شریف بیوی کو نکاح کرکے ایسی سخت مصیبتوں میں پھنسا دونگا۔ میں انسان ہوں۔ پہلو میں دل اور دل میں احساس رکھتا ہوں۔ مجھ سے زیادہ شرمندہ کون ہوگا کہ ایک خاتون کی زندگی بگاڑ دی۔ اور نوکروں پر حکومت کرنے والی بیوی اسوقت پانی کے دو گھونٹوں کو ترس رہی ہے۔ بڑھاپا آگیا۔ اب یہ نہ پاؤں کام کے قابل نہیں کہ اس نقصان کی تلافی کر سکیں۔ اور تمکو سکھ دیں۔ تمہارا صبر شکر تمہاری اطاعت و رضامندی میرے دل پر نقش ہے۔ مگر آہ! اے بیگم! کس منہ سے [illegible] آج بیس برس کی رفیق کو چھوڑتا ہوں۔ اور اس دنیا سے رخصت ہوتا ہوں۔ [illegible] مفلس بیگم! بدنصیب شوہر اس سزا کا مستوجب تھا۔ وہ بیشک قصوروار ہے۔ اسکی خطا معاف کرنا۔ غلطیوں سے درگزر مجرموں پر رحم۔ ملزموں پر کرم تمہارا شیوہ۔ آج تمہارا مجرم شوہر محمد رسول [illegible] آخری وقت میں بخشش کا خواستگار ہے۔ بچوں کو کلیجہ سے لگا کر [illegible] میری آنکھوں [illegible] گھر میں [illegible] خدمت۔ اور پرورش کے قابل نہیں یہ [illegible] تمہاری [illegible] محتاج [illegible] تمہاری محبت سے میری روح خوش [illegible] اچھا بیگم! ہمیشہ کو خدا حافظ۔

(۲) میاں رفاعی! تمہارے اور صرف تمہارے ہاتھوں آج احمد رسول اپنی بھولی بیوی اور معصوم بچوں سے ہمیشہ کو رخصت ہوتا ہے۔ رفاعی! یہ بیوی میری تیس برس کی رفیق تھی جو آج پردیس میں مجھسے چھوٹتی ہے۔ میں نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا اسپر فخر نہیں۔ وہ انسانیت کا فرض تھا۔ مگر میں اسکے معاوضہ میں اس سزا کا سزاوار نہ تھا کہ میرے لال اکبرآباد میں مجھسے بچھڑیں۔ بیوی پرائے شہر میں مجھسے جدا ہو۔ اور اسلئے کہ وہ کفن دینے کے لائق نہیں۔ جمنا کی لہریں میرے گنہگار جسم کی پردہ پوشی کریں۔ یہ فانی دنیا جس سے میں آج رخصت ہوتا ہوں تمکو مبارک ہو۔ اسکی سختیاں تمہارے لیئے راحت۔ اور اسکی مصیبتیں تم کو آسایش ہوں۔ مگر خدا کا فیصلہ برحق ہے قدرت تمکو اسی دنیا میں تمہارے افعال کا بدلہ دے گی۔ اور وہ وقت بھی دور نہیں کہ تم اپنے کیئے پر پچھتاؤ اور اپنی حرکتوں پر روؤ۔

(۶)

رفاعی کی عادتیں روز بروز خراب ہوتی گئیں۔ جو اس بری طرح ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا کہ دن رات اسیمیں بسر ہوتا۔ چوری۔ دغابازی۔ لُٹیے ہاتھ کا کھیل تھا۔ ایک دستاویز کے فرضی دستخطوں میں گرفتار ہوا۔ ہر چند کوشش کی کہ چھٹکارا ہو جائے۔ مگر معاملہ سنگین تھا اور جرم ثابت۔ دس سال کے واسطے مقید ہوا۔ چوتھا روز تھا کہ داروغہ جیل نے اُس کو بلاکر کہا:۔

ظالم و جفاکار انسان! جس خاندان کو تو نے برباد کیا تھا جسکی آٹھ زندہ روحیں تیری بدولت فاقہ کر رہی تھیں۔ آج اُنکے مصائب کا خاتمہ ہو گیا۔ اور تیرا محسن محمد رسول آج خودکشی کر چکا تو جو کچھ بھگت رہا ہے یہ اُس فعل کی سزا نہیں تیرے کرتوتوں کا ثمرہ ہے لیکن تو اسوقت کے واسطے بھی تیار رہ جب خدا کا زبردست ہاتھ تجھکو تیری اس حرکت کی بھی سزا دیگا کہ تو نے ایک محسن کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ اور منتظر رہ اُسوقت کا جب خدا کا غضب تیری ہستی

خدا کا ہندو تصور

مشرقی تہذیب کی شاندار روایات پر حکومت ہندوستان نے علامہ ابوریحان بیرونی کی معرکۃ الآرا تصنیف "کتاب الھند" کو عربی سے انگریزی میں ترجمہ کرانے سے جو احسان کیا ہے۔ اُس کے اعتراف کے لیئے ہمارے پاس کافی الفاظ موجود نہیں ہیں +

بیرونی نے کتاب الہند کے دوسرے باب میں جناب باری کی ذات و صفات اور اُنکے متعلق ہندوؤں کے عقائد سے بحث کی ہے ۔ جسے ہم اپنے الفاظ میں بحذف درج ذیل کرتے ہیں +

خدا کی ماہیت

ہر قوم میں لکھے پڑھے اور اَن پڑھ لوگوں کے عقائد مختلف ہوا کرتے ہیں۔ تعلیم یافتہ جماعت مجردات عقلیہ کے تصور کو ذہن میں لانے اور کلیات کی تعریف کرنے پر زور طبیعت صرف کرتی ہے ۔ لیکن جُہلا دائرہ محسوسات سے باہر نہیں نکلتے بلکہ ان قواعد پر قناعت کرتے ہیں ۔ جن کا استخراج ہو چکا ہے ۔ اور اُن کے جزئیات کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے ۔ خصوصاً جبکہ مسائل زیر نظر مذہب اور قانون سے متعلق ہوں جن کے بارے میں آرا و اغراض متخالف و متعارض واقع ہوتے ہیں۔

خدا کے متعلق ہنود یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ یکتا ہے ۔ ابدی ہے ۔ نہ اسکی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا ۔ عامل بالاختیار ہے ۔ قادر مطلق ہے ۔ عقل کل ہے ۔ حی و قیوم ہے زندگی کا بخشنے والا ہے ۔ کائنات کا حاکم ہے ۔ حافظ حقیقی ہے ۔ اسکی شہنشاہی بے عدیم المثال ہے ۔ وہ ہر مشابہت سے بالا ہے ۔ نہ اُسکو کسی چیز سے مثال دی جا سکتی ہے

اِس بیان کی تائید میں ہم ہنود کے لٹریچر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ ورنہ ممکن ہے کہ اِس کتاب کے پڑھنے والے ہماری نسبت یہ گمان کرنے لگیں کہ ہم نے محض سُنی سنائی باتیں لکھ ڈالی ہیں +

پاتنجلی کے شاستر کا اقتباس

پاتنجلی کے شاستر میں چیلا سوال کرتا ہے :-

"وہ کون ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور جس کی عبادت کرنے سے برکتیں حاصل ہوتی ہیں"۔

گُرو جواب دیتا ہے :-

"وہ وہ ہے جو ازلی و ابدی اور عدیم المثال ہونے کے لحاظ سے انسان کے کسی ایسے فعل یا عمل کا محتاج نہیں ہے۔ جس کے صلہ میں اُسکی طرف سے خوشی اور سُکھ کا انعام ملے۔ جس کی اُمید اور آرزو کی جاتی ہے۔ یا جس کی پاداش میں اُسکی طرف سے دُکھ بھری زندگی کی سزا صادر ہو جو باعث خوف و خطر ہے۔ خیال کی اُس تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ اُس کی شان سراسر عدم مماثلت سے اونچی ہے جو موجب استکراہ ہو۔ اور وہ سراسر مماثلت سے بلند تر ہے جو باعث استحسان ہو۔ اُسکے جوہر ذاتی کا تقاضا ہے کہ ازل سے لیکر ابد تک ہر چیز کا اُسکو علم ہو۔ انسانی مفہوم کے لحاظ سے علم کے موضوع میں وہ شئے داخل ہے جو پہلے غیر معلوم تھی۔ اور عدم علم کا اطلاق کسی زمانہ اور کسی حالت میں خدا پر نہیں ہو سکتا۔

چیلا۔ علاوہ اُن صفات کے جو آپنے اُس سے منسوب کی ہیں۔ کیا اُس کی اور بھی کوئی صفتیں ہیں ؟" +

گرو۔ "وہ رفعت مطلق ہے۔ نہ مکان میں بلکہ خیال میں اِس لئے کہ وہ تمام موجودات سے جو کون و مکان میں سما سکتی ہے کہیں اونچا ہے۔ نہ خیر محض و مطلق ہے

جس کی ہر مخلوق ہستی کو آرزو ہے۔ وہ علم ہے۔ لیکن فراموشی اور عدم معرفت کی آلائشوں سے مبرا ہے"۔

چیلا۔"کیا اُسمیں تکلم کی بھی صفت ہے؟"

گرو۔"چونکہ وہ علیم ہے اس لیئے بےشبہ کلیم بھی ہے"۔

چیلا۔"اگر اُسکے ناطق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ عالم ہے تو پھر اُسمیں اور اُن ودّیا وان رشیوں میں جنہوں نے اپنی ودّیا کی ہمیں آگیا دی کیا فرق ہوا؟"

گرو۔ فرق کی نوعیت صرف زمانی ہے۔ رشیوں نے ودّیا کو بقید زمان حاصل کیا۔ اور اُسکا اظہار بذریعہ نطق اِسی قید کے ساتھ کیا۔ پہلے وہ نہ علم آشنا تھے۔ نہ نطق آشنا۔ یہ کمال اُنھوں نے بعد میں حاصل کیا۔ نطق کے ذریعہ سے اُنھوں نے اپنی معلومات دوسروں تک منتقل کی ہیں۔ اس لیئے اُن کی نطق اور اُن کا حصول علم زمانہ سے محدود ہے لیکن چونکہ ایشور بانی کا کوئی تعلق زمانہ سے نہیں ہے اِس لیئے خدا ازل سے ذی علم اور ذی نطق ہے۔ خدا ہی تھا جو برہمن سے اور دوسری اولین ہستیوں سے مختلف طریقوں میں ہمکلام ہوا۔ ایک کو اُس نے کتاب عطا کی۔ دوسرے پر اُس نے معرفت و مکالمہ آلہیہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور تیسرے کو اُسنے الہام کا تحفہ عنایت کیا۔ تاکہ خدا کے دین کو گیان اور دھیان سے پائے"۔

چیلا۔"اُنہیں یہ ودّیا (علم) کہاں سے آئی؟"

گرو۔"اُس کا علم ازل سے ایک چلا آتا ہے۔ اور ابدالآباد کے لیئے ایک ہی چلا جائے گا۔ عدم علم کی حالت اِسپر کبھی بھی طاری نہیں ہوئی۔ اُسکو اپنی ذات کا علم ہے۔ اور کسی ایسے علم کا اُس نے اکتساب نہیں کیا جو اُسے پہلے سے حاصل نہ تھا۔ وہ وید میں بول رہا ہے جو اُس نے برہمن پر اِن لفظوں میں اُتارا تھا۔ اُسی کی تعریف کر۔ اور اُسکی ہے منا۔ جسکے بول وید میں موجود ہیں۔ اور جو وید سے پہلے موجود تھا

چیلا۔ "جب حواس سے وہ محسوس نہیں ہو سکتا تو آپ اسکی پرستش کس طرح کرتے ہیں"؟

گرو۔ "خدا اُس کا نام اُسکی ہستی کا ثبوت ہے۔ کسی خبر کا وجود اس امر کی دلیل ہے کہ کوئی شئے ایسی ہو گی۔ جس سے وہ خبر متعلق ہے۔ اسی طرح کسی نام کا موجود ہونا بتاتا ہے کہ کوئی شئے ضرور ایسی ہوگی جسکا وہ نام ہے۔ جس پردہ خفا میں خدا مستور ہے۔ اُسے حواس اُٹھا نہیں سکتے۔ اور حواس کے ذریعہ سے اُس کا ادراک محال ہے۔ لیکن آتما (روح) اُس کا ادراک کر سکتی ہے۔ اور خیال اُسکی صفات سے واقف ہو سکتا ہے پس یہی دھیان (تصور) اسکی عبادت ہے۔ اور اگر اس میں خلل یا رکاوٹ واقع نہو تو سُکھ حاصل ہو جاتا ہے"۔

ان اقتباسات سے واضح ہو گیا ہو گا کہ خدا کے متعلق ہندو اپنی اس نہایت ہی مشہور کتاب میں اپنے معتقدات کو کس طرح ظاہر کرتے ہیں۔

گر تو انم گفت ہندوے توام ہندوئے خاکِ سر کوئے توام
ہندوے جاں بر میان دارم ز تو داغ ہمچو حبشیاں دارم ز تو
ہندوے بے داغ را مفروش تو حلقہ کن ایں بندہ را در گوش تو
ذرۂ درد تو دہ اے درمانِ من زانکہ بے درد تو میرد جانِ من
کفر کافر را و دیں دیندار را ذرۂ دردت دلِ عطار را

گیتا کا اقتباس

حسب ذیل اقتباس کتاب گیتا کے اُس باب سے کیا جاتا ہے جو بھارت سے متعلق ہے۔ واس دیو اور ارجن میں مکالمہ ہو رہا ہے جس کے ذیل میں معبود برحق کی

تصویر ان لفظوں میں کھینچی گئی ہے :-

"میں کائنات ہوں۔ نہ ولادت کی وجہ سے میری کبھی ابتدا ہوئی اور نہ موت کے باعث میری کبھی انتہا ہوگی۔ جو کچھ میں کرتا ہوں اس سے میری مراد یہ کبھی نہیں ہوتی کہ مجھے اس فعل کا کوئی حصہ ملے۔ میں مخلوقات میں سے کسی ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح نہیں دیتا بلکہ سب کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہوں اور میرے طرز عمل سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ میں ایک فریق کو اپنا دوست سمجھتا ہوں اور دوسرے کو دشمن جانتا ہوں۔ میں نے اپنی مخلوقات میں سے ہر ایک فرد کو اس کے جملہ ملکات کے لحاظ سے ہر چیز جو اس کے لیئے وجہ کفاف ہوسکے عطا کر رکھی ہو۔ پس جو کوئی اس حیثیت سے مجھے جانتا ہے۔ اور خواہشات کو افعال سے الگ رکھکر میرے جیسا بن جانے کی کوشش کرتا ہے اس کی بیڑیاں کاٹ ڈالی جاتی ہیں۔ اور وہ بآسانی نجات اور آزادی حاصل کر لیتا ہے"۔

اس عبارت سے ہمارے ذہن میں فلسفہ کی اس تعریف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے کہ فلسفہ اس کوشش کا نام ہے جو خدا کے ساتھ ممکن سے ممکن مشابہت پیدا کرنے کے متعلق عمل میں لائی جائے ۔

گیتا میں واسدیو کا حسب ذیل قول بھی درج ہے :-

"خواہش اکثر انسانوں کو رفع حوائج زندگانی کے لیئے خدا تک لیجاتی ہے۔ لیکن اگر ان کی حالت پر غور کی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ انہیں خدا کی ہستی کا صحیح صحیح علم نہیں ہے اسلیئے کہ خدا کچھ حواس سے محسوس نہیں ہوسکتا جو ہر کس و ناکس پر ظاہر ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کی معرفت سے عاری ہیں۔ بعض اشخاص کا علم محسوسات سے آگے بڑھنے نہیں پاتا۔ بعض اس حد سے گزر جاتے ہیں۔ لیکن قوانین فطرت کے رمز شناس ہو کر رک جاتے ہیں۔ اور اس حقیقت سے ناآشنا رہتے ہیں کہ ان قوانین کے وراء الورا ایک

ایسی ہستی بھی ہے جو علم یافتہ ہے کہ کوئی اُس سے پیدا نہیں ہوا۔ اور علاوہ ازیں وہ بھی ہے کہ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوئی۔ اِس ہستی کی کُنہ پر کسی کا علم محیط نہیں۔ بلکہ اُس کا علم ہر شئے پر محیط ہی ہے"۔

حرکت ارادی اور فاعل مختار کے تصورات

فعل یا حرکت ارادی کسے کہتے ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جسکے ہندوؤں نے مختلف جواب دیئے ہیں۔ بعض ہندو جن کے نزدیک خدا تمام افعال یا حرکات ارادی کا منبع ہے اُسے علۃ العلل یا علّت عمومی تصور کرتے ہیں۔ اور اسپر دلیل یہ لاتے ہیں کہ چونکہ انسان بحیثیت فاعل مختار ہونیکے اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ لہٰذا اُس کے افعال کی علّت اوّلین بھی خدا ہی ہے۔ بالفاظ دیگر جو کچھ انسان کرتا ہے وہ اصل میں خدا کا فعل ہوتا ہے۔ انسان محض واسطہ صدور فعل ہے۔ فاعل حقیقی خدا ہے۔ بخلاف اسکے ایک جماعت ہنود کی ایسی بھی ہے جو خدا کو منبع افعال نہیں سمجھتی بلکہ اُن کا ماخذ دوسرے مصادر کو قرار دیتی ہے۔ اور ان مصادر کو ان اسباب خصوصی سے تعبیر کرتی ہے جو باعتبار مشاہدہ تاریخی افعال زیر بحث کے بدیہی طور پر ظہور میں آنے کا باعث ہوتے ہیں۔

سانکھیا کا اقتباس

سانکھیا کے شاستر میں چیلا سوال کرتا ہے "کیا فعل اور فاعل کے متعلق کوئی اختلاف رائے موجود ہے"؟

گرو جواب دیتا ہے:- "بعض لوگوں کا قول ہے کہ نہ روح زندہ ہے اور نہ مادہ بلکہ ان دونوں میں زندگی پائی جاتی ہے۔ ان دو نوں میں اتحاد اور افتراق پیدا کرنا خدا کا کام ہے

جو قائم بعقیدہ بالذات ہو۔ پس حقیقت میں خود ہی فاعل مختار ہے۔ فعل اس سے اس طور پر صادر ہوتا ہے کہ روح و مادہ دونوں میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسکی مثال بعینہ ایسی ہے۔ جیسے کوئی زندہ اور طاقتور ہستی اُسکو جو مردہ اور کمزور ہو جنبش میں لائے ۔

بعض اشخاص کا یہ عقیدہ ہے کہ فعل اور فاعل کا اتحاد قدرتی قوانین کے ذریعے ہوتا ہو۔ اور ہر بڑھنے اور گھٹنے والی شئے اسی عام طریقۂ عمل کے تابع ہے"۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ فاعل مختار روح یا نفس ناطقہ انسانی ہی اس لیئے کہ وید میں آیا ہے کہ ہر ہستی پُرش ہو جاتی ہے۔ ایک اور جماعت کے خیال میں فاعل زمانہ ہے۔ اس لیئے کہ دنیا زمانہ سے اسی طرح وابستہ ہو۔ جیسے کوئی بھیڑ کسی مضبوط سی رسی سے بندھی ہوئی ہو۔ رسی ڈھیلی ہوگی تو بھیڑ چلے پھرے گی۔ اور تنگ ہوگی تو اُس کی حرکت محدود ہو جائے گی۔ ایک اور گروہ کا بیان ہے کہ فعل محض کسی ایسے واقعہ کے اجر یا صلہ کا نام ہے جو سابق میں ظہور پذیر ہو چکا ہو۔

" یہ تمام رائیں غلط ہیں۔ حقیقت اصلی یہ ہے کہ فعل مطلقاً مادہ سے متعلق ہی۔ اسلیئے کہ مادہ ہی روح کو اپنے قابو میں لاتا ہے۔ اُسے مختلف شکلوں میں ادہر اُدہر پھیراتا ہے۔ اور بعد میں اُسے قید جسم سے آزاد کر دیتا ہے۔ پس مادہ فاعل ہے۔ اور ہر وہ شئے جو مادہ کے متعلقات سے ہو۔ ارتکاب فعل میں اسکی معاون ہوتی ہے مگر روح میں شان فاعلیت موجود نہیں ہے۔ اس لیئے کہ وہ قوائے و ملکات مختلفہ سے معرا ہے

خدا کی ماہیت کے بارے میں فلسفیانہ اور عامیانہ خیالات

تعلیم یافتہ لوگوں کے عقائد خدا کے بارے میں حسب ذیل ہیں :۔ " وہ اپنی اصطلاح

میں خدا کو ایشور رکھتے ہیں۔ یعنی وہ جو قائم بالذات ہی۔ رحمٰن ورحیم ہے۔ داتا ہی جو دیتا ہے مگر لیتا نہیں۔ خدا کی وحدانیت کو وہ علی الاطلاق تصور کرتے ہیں۔ اور خدا کے سوا باقی ہر شئے کو جو بظاہر وحدت کے رنگ میں نظر آتی ہو۔ حقیقۃً پیکر کثرت مانتے ہیں۔ اُن کے نزدیک خدا کا وجود حقیقی ہے۔ اس لیئے کہ ہر شئے موجود ہے۔ اس کی وجہ سے وجود پذیر ہوئی ہے۔ اس بات کا تصور محال عقلی نہیں ہے کہ موجودات نہیں ہے۔ اور وہ ہے۔ لیکن ناممکن ہی کہ یہ بات ذہن میں آسکے۔ کہ وہ نہیں ہے اور موجودات ہی +

تعلیم یافتہ ہنود کے خیالات سے واقفیت حاصل کرنیکے بعد جب ہم عوام کے عقائد پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی کثیر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ان عقائد میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ دیکھکر گھن آتی ہے۔ لیکن ایسی ہی خیالات دیگر مذاہب کے پیرووں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور تو اور حلقہ بگوشانِ اسلام میں بھی ہم یقیناً بعض باتوں کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً تجسیمی عقائد، فرقۂ جبریہ کی تعلیم۔ مذہبی مسائل پر گفتگو کرنے کی ممانعت، ونحو ذالک +

مذہب کے متعلق ہر ایک تحریر جس کا روئے سخن عوام کی جانب ہو نہایت احتیاط سے سپرد قلم کی جانی چاہیئے۔ جیسا کہ ذیل کی مثال سے واضح ہوگا۔ ایک ہندو فلسفی خدا کی ذات وصفات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خدا ایک نقطہ ہے جس سے مراد فقط یہ ہے کہ ذات باری صفات اجسام سے مبرا ہے۔ اس تحریر پر کسی عامی کی نظر پڑتی ہے۔ اور چونکہ اسے اتنا دماغ نہیں دیا گیا کہ "نقطہ" کی لِم کو پہنچ سکے لہٰذا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سے تو خدا کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ بھلا پرمیشور سو اور بندی جتنا باریک ہوا۔ اُسے کم از کم بارہ انگل لمبان میں اور دس انگل چوڑان میں تو ضرور ہونا چاہیئے۔ اس طور پر کوتاہیٔ فہم اُس ہستی بے چون و بیچگوں کے تصور کو

جو ہزار در صد ہزار حمد و ثنا ہے اور ناپ اور گنتی سے اونچی ہے۔ مسخ کرکے رکھ دیتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی غیر تعلیم یافتہ شخص یہ سنے یا یہ سن لے کہ خدا علیم و خبیر ہے۔ اور کائنات کی کوئی بات اس سے مخفی نہیں ہے۔ تو وہ جھٹ یہ سمجھ لیگا کہ خدا کو یہ علم بذریعہ بینائی کے حاصل ہوا ہے۔ اور چونکہ بینائی کے لیے آنکھ کا ہونا لازمی ہے۔ اور ایک آنکھ میں اتنا نور نہیں ہوتا جتنا دو میں ہوتا ہے۔ اس لیے حاضر و ناظر اور خبیر و بصیر خدا کی ضرور ایک ہزار آنکھیں ہونی چاہئیں۔

اسی طرح کے مکروہ اور بے سروپا افسانے بعض ہندو حلقوں میں بھی پھیل گئے ہیں۔ خصوصاً ان طبقوں میں جنہیں علم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

(ستارۂ صبح)

درختوں کی درویشی

نئی روشنی والوں کو عربی نہیں آتی۔ قرآن شریف کو نہیں سمجھتے۔ حدیثوں سے بےخبر ہیں۔ اسپر بھی اُنکو معاملاتِ دین میں دخل دینے کا شوق ہے۔ اپنے مطلب کی چند آیتیں۔ حدیثیں غلط سلط یاد کر لیتے ہیں۔ اور لکچروں میں۔ خانگی تقریروں میں نمائش قابلیت کے لیئے انکو اسی طرح استعمال کرتے ہیں جس طرح نئی روشنی کے مولوی اور درویش انگریزی فقرے بولکر انگریزی دانوں میں باعث ہنسی ہوتے ہیں ؀

لارھبانیۃ فی الاسلام نیچر پرستوں کو بہت یاد ہے۔ درویشوں اور صوفیوں کے منہ آنا اور اُنپر حملہ کرنا ہوتا ہے تو اسکو پڑھتے ہیں۔ اور اپنی دانست میں تصوف کی بُنیاد یہ فقرہ پڑھکر کھود ڈالتے ہیں۔ رہبانیت کس کا نام ہے۔ اسلام کیا چیز ہے۔ اِسکی نہ اُنہیں واقفیت۔ نہ جاننے کی ضرورت۔ کیونکہ انکی زیست کا مدار تو محض دنیا اور اُسکے فانی کر و فر پر ہے ؀

میں مانتا ہوں رہبانیت اسلام میں نہیں ہے اور نہ ہونی چاہیئے۔ مگر اسلامی تصوف کو رہبانیت سے کچھ سروکار نہیں۔ ہمارا تصوف تو وہ نیچرل فلسفہ ہے جس پر تمام کائنات کی بنیاد ہے ؀

گو تصوف کا نتیجہ عالم آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن ہماری حیات جسمانی کے تمام حصے اصولاً درویشی کے طرزِ عمل میں از خود اسیر ہیں۔ خواہ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے آدمیوں اور حیوانوں کی زندگی تو بڑی چیز ہے۔ نباتات یعنی زمین سے اُگنے والے پودے تک احوال درویشی سے آزاد نہیں ہیں۔ فطرت اور نیچر نے ان کو بھی طریق درویشی و تصوف کے ماتحت پیدا کیا ہے۔ اور ان کی ساری زندگانی حقیر تی

کی پابند ہے +

درویشی کیا ہے ؟

یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے ! اسکی حقیقت میں بہت اختلافات ہیں۔ ہندو کہتے ہیں۔ ترک کل اور اسباب حیات سے جدا ہونا درویشی ہے۔ مسلمان کہتے ہیں۔ ترک کے لفظ تک کو ترک کر دینا چاہیئے۔ مگر معیشت دنیا کو چھوڑنا ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ رہبانیت ہے +

تاہم توکل علی اللہ۔ ایثار۔ دوسروں کے کام میں اپنی زندگی خرچ کرنا۔ اور کسی دل کو نہ ستانا۔ درویشی کے ظاہری جوہر ہیں۔ اور انہی باتوں کے نیچے وہ احوال وکیفیات ہیں جو درویشوں کے مقامات باطنی کہلاتے ہیں +

ان اصول درویشی کو مدنظر رکھکر اور ان ظاہری جوہروں کا خیال کرکے ذرا

درختوں پر تصور

کیجئے جنگل کے خود رَو وجودوں کو خیال میں لایئے تو معلوم ہوگا کہ وہ سب درویشی زندگی بسر کر رہے ہیں +

اوّل توکل علی اللہ ہے۔ ہر درخت اپنے پاؤں کے بھروسے پر کھڑا ہے۔ کوئی دیوار اُسکو سہارا نہیں دیتا۔ دس گز زمین کے اوپر پانچ کیکر ہیں مگر ہر ایک اپنے کام میں مشغول۔ نہ دوسرے کی غذا سلب کرنے کا ارادہ۔ نہ اپنی بھوک میں دوسرے کے سامنے سوال کا خیال۔ قدرت کے دستر خوان پر ہر ایک مہمان ہے جو مِل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا +

ان پانچ میں کسی ایک پر مصیبت آئے تو وہ فریاد نہیں کرتا۔ دُہائی نہیں دیتا۔ اور

پورے صبر و اطمینان سے قدرت کا بوجھ سر پر لیتا ہے۔

درختوں کے پیروں میں مٹی کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے۔ خشک سالی ہو تو تر زمین کی آرزو میں یہ نہیں کہتے کہ الٰہی! ہم کو اس سوکھی زمین سے ہٹا۔ اور ایسی جگہ لے جا جہاں خوب سیلابی ہو۔ تاکہ ہماری خوراک میں کمی نہ پڑے۔ اور ہم فاقوں کے مارے مر نہ جائیں۔ کیونکہ درخت درویشی کے اصول توکل پر عمل کرتے ہیں اور فریاد و شکوہ اسکے خلاف ہے۔

انسان درویش بھی رضائے الٰہی پر شاکر ہے۔ مصائب دنیا پر صبر کرنا اور پورے اطمینان سے ذات خدا پر توکل رکھنا اسکا شعار ہے۔

کیا درختوں کی زبان نہیں ہے؟ تمہارے کان اُن کی آواز نہ سن سکنے کے باعث یہ خیال کرتے ہیں کہ درخت زبان نہیں رکھتے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ انکی زبان ہے۔ انکے کان ہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں۔ ان میں جذبات ہیں۔ ان میں ہر قسم کی خواہشیں ہیں جن کو درختوں کی ان طاقتوں کا علم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ درخت باوجود ان تمام قوتوں کے از حد متوکل ہیں۔ اور اُنکی زبان پر کبھی خدا کی شکایت نہیں آتی۔

جس جگہ پاس پاس کئی کئی درخت ہوں۔ اور اُن میں ایک خشک ہو جائے تو پڑوسی درخت جھوم جھوم کر خدا کی حمد کرتے ہیں۔ اور اپنے پڑوسی کے عبرتناک انجام سے ذکر خدا کا شکرانہ بھیجتے ہیں کہ اُس نے اُنکو ہرا بھرا کر رکھا ہے۔ اور سوکھ کر مر جانے کا عذاب اُنپر نہیں بھیجا۔ اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ آخر میں ہر موجود مخلوق کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔ ہر شئے فانی ہے۔ لیکن قبل از وقت موت سے وہ بھی پناہ مانگتے ہیں۔ درختوں کا توکل غذا کے معاملہ پر منحصر نہیں ہے وہ ہر وقت دشمنوں میں گھرے رہتے ہیں مکان بنانے والے انکے دشمن۔ آگ جلانے والے انکے دشمن۔ پھل پھول کے شیدائی انکے حریف لیکن کیا مجال جو انکو دشمنوں کا خیال کبھی آئے۔ رضائے پروردگار کے تصور میں ہر وقت

گمن بیٹھے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارے فکر سے کچھ نہ ہوگا۔ ہم کو خدا پر توکل رکھنا چاہیے جو اس نے قسمت میں لکھدیا ہی۔ پورا ہوکر رہیگا۔

دوسرے ایثار کو دیکھئے۔ درختوں کا ایثار آدمیوں سے بڑھا ہوا ہی۔ ٹہنیاں اور پتے انکے جسم کے ٹکڑے ہیں۔ جن کو آدمی بے دردی سے کاٹ ڈالتے ہیں۔ اور وہ اُف نہیں کرتے۔ پھل پھول انکی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں مگر انسان ہمیشہ پھلوں اور پھولوں کو ان کی گود سے جدا کردیتا ہے۔ اور اپنی گود بھر لیتا ہے۔ درخت جتنی آہ وزاری کریں تھوڑی ہے۔ لیکن وہ یہ سمجھکر ہماری پیدایش اسی لیے ہی کہ دوسروں کے کام آئیں اپنی شاخوں۔ اپنے پتوں۔ اپنے پھلوں۔ اپنے پھولوں اور اپنی لکڑیوں سے انسانوں اور جانوروں کی ضرورتیں پوری کریں خدا سے شکوہ نہیں کرتے بلکہ خوش ہوتے ہیں آپس میں مبارکباد دیتے ہیں کہ ہم مخلوق خدا کی خدمت کے قابل سمجھے گئے۔ اور خدا نے اپنے بندوں کا کام ہم سے لیا۔

انسان درویش بھی اگر اسکو بصیرت کی آنکھ ملی ہے۔ اور وہ درختوں سے گیا گزرا نہیں ہے۔ خدمتِ خلق میں ایثار اور قربانی کو لازمۂ حیات۔ اور فرض زندگانی سمجھتا ہی اور غیروں کے کام آتا ہے۔ اپنا سب کچھ دوسروں پر نثار کردیتا ہے۔

درخت جنگل میں۔ گھروں میں۔ سڑکوں اور رستوں پر خود دھوپ میں جلتے ہیں مگر اپنی پناہ میں آنے والوں کو سایہ میں بٹھاتے ہیں۔ اپنے نازک نازک ہاتھوں سے پنکھا جھلتے ہیں۔ اور پھر جب اُنکے نیچے آرام پانے والا ان کی ٹہنیاں توڑتا ہے۔ اُنکے پھلوں پر پتھر مارتا ہے تو جھک جاتے ہیں۔ اپنے زخمی بچوں (پھلوں) کو پتھر مارنیوالے کی گود میں ڈال دیتے ہیں۔

انسان درویش بھی کباب کی طرح جلتا ہی۔ بھنتا ہے۔ اور دوسرے اُس سے مزا اٹھاتے ہیں۔

دس درویش ایک کمبل میں اور دس درخت ایک جنگل میں۔ یقین نہو تو دیکھ لو فقیر بھی کسی سے حسد نہیں کرتا۔ درخت بھی ایسا ہی ملنسار ہے۔ دس درخت پاس پاس کھڑے ہیں۔ ایک دوسرے کی شاخیں آپس میں اُلجھی ہوئی ہیں۔ کیا مجال جو کوئی درخت یہ کہے کہ میاں ذرا پرے ہٹ کر کھڑے ہو۔ مجھپر چڑھے کیوں آتے ہو۔ یہ درختوں کی درویشی ہے۔ ورنہ انسان کو جانتے ہو۔ کسقدر خود غرض اور اکل کھرا ہے۔ اپنے سوا کسی کی راحت و آسائش کو خاطر میں نہیں لاتا۔ درویش آدمی البتہ درختوں کی طرح خلیق اور پڑوسی کے دلنواز ہوتے ہیں +

درختوں کی عشق بازی

عشق لازمہ درویشی ہے تو درخت اس سے کیونکر محروم ہوتے۔ وہ بڑے عشق باز ہیں۔ خزاں کا موسم ان سب کے فراق و ہجر کا زمانہ ہے۔ زار و نزار ہو جاتے ہیں کپڑے پھٹے ہوئے۔ چہرے سُتے ہوئے۔ آشفتہ و افسردہ +

بہار کا وقت ان کا یوم الوصال ہے۔ جھومتے ہیں۔ شاخوں کو بل دیتے ہیں پتوں اور پھولوں کو سینہ سے لگاتے ہیں۔ اور آہ آہ کرتے ہیں +

نسیم سحر ان کی محبوبہ ہے۔ پچھلی رات کو خلقت کی آنکھ بچا کر آتی ہے۔ اور اپنے ان عشاق سے اٹکھیلیاں کرتی ہے۔ پھولوں کو ستاتی ہے۔ شاخوں کے گدگدیاں کرتی ہے۔ اور سورج نکلنے تک درختوں کے سب ارمان پورے کرنے میں مصروف رہتی ہے لیکن جوں ہی اغیار بیدار ہوئے اور یہ منہ چھپا کر بھاگی۔ درویش درخت نشہ عشق کے متوالے ہیں۔ سارا دن یادِ نسیم میں بے خود کھڑے رہتے ہیں۔ تصور یار میں انکو دنیا کی کسی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا +

اوپر میں نے درختوں کے توکل و ایثار کی کہانی سنائی ہے۔ جانتے ہی ہو۔ یہ توکل و

ایثار کس سبب کے اوپر قائم ہے! لو بتائے دیتا ہوں۔ کہ عشق کی محویت درختوں کو متوکل و متواضع بنا دیتی ہے۔ درویش انسان بھی دنیا کے دکھ سکھ خیال عشق کی سرشاری میں بھول جاتا ہے۔ اور توکل علی اللہ کا ثواب کماتا ہے۔ اور دوسروں کی خدمت بجالانے یا بغیر دل پر نشا رہنے کی نیکی حاصل کرتا ہے ٭

خیال کرنے والے کہہ سکتے تھے کہ جب سب انسان برابر ہیں تو درویشوں میں یہ مخصوص خوبیاں کہاں سے آجاتی ہیں؟ اسکا حل درختوں کے احوال سے ہو سکتا ہے کہ جیسے وہ عشق کے خاطر اپنی ہستی مخلوق خدا پر فدا کرتے ہیں۔ اسیطرح درویش انسان بھی قوت عشق سے یہ فوقیت عام آدمیوں پر رکھتا ہے کہ جو وہ کر سکتا ہے غیر درویش میں اسکی طاقت نہیں ٭

حرام کار درخت

عشق مجازی کی دو حالتیں انسانوں میں ہوتی ہیں۔ جائز اور ناجائز۔ وہی حال درختوں کے عشق کا ہے۔ جائز عشق تو یہی ہے۔ جس کا ذکر ابھی سن لیا۔ یعنی نسیم سحر کی محبت۔ جو بالکل قدرتی اور نیچرل عشق ہے ٭

مگر دوسرا حصہ اسکا ناجائز بھی ہے جس سے درخت تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس عشق کو درختوں کی حرامکاری کہنا چاہیئے ٭

حرامکار درختوں کی ایک فاحشہ معشوقہ ہے جسکو عام لوگ اگاس بیل کہتے ہیں یہ زرد رنگ کی ایک جالدار بیل ہوتی ہے۔ چاول سے ذرا موٹی۔ اسکی جڑ نہیں ہوتی۔ اسی واسطے اسکا نام آکاش بیل۔ یعنی آسمانی بیل رکھا گیا ہوگا۔ عوام نے بگاڑ کر اگاس بیل بنا لیا۔ یہ بیل اکثر خاردار درختوں پر جیسے کیکر ہے۔ پھیلا کرتی ہے۔ درخت اس بیل کو سینہ سے لگا کر بہت خوش ہوتا ہے۔ اور اپنی ساری غذا اور جینے کی قوت اس فاحشہ کو

دیدیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بیل تو تروتازگی میں بڑھتی جاتی ہے اور درخت سوکھنا شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بالکل خشک ہوکر مر جاتا ہے۔ اسوقت یہ منحوس بیسوا بھی مرجھاتی ہے اور سوکھہ سوکھہ کر مر جاتی ہے +

صحبت کا اثر

درختوں میں بھی بُری صحبت کا اثر قبول کرلینے کی صلاحیت ہے۔ جب ایک درخت اگاس بیل سے حرامکاری کرتا ہے تو آس پاس کے درخت بھی بگڑجاتے ہیں۔ اور چپکے سے اِس بیل کو اپنے اوپر کھینچ لیتے ہیں۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ اِس بیل نے جنگل بھر کے درختوں کا ستیاناس کردیا +

درویش صفت درختوں کو حرام کاری سے تباہ ہوتے دیکھکر اور بُری صحبت سے متاثر ہوتا پاکر انسان درویشوں سے اگر یہ کہا جائے کہ وہ بازاری عورتوں سے اپنے دامن بچائیں۔ اور ناجائز عشق سے احتیاط کریں تو کچھ بے جا نہو گا +

بزرگوں کی درگاہوں پر جو طوائفیں آیا کرتی ہیں۔ اور فقراء اُن کے ناچ گانے دیکھتے سنتے ہیں بھلا اس سے خرابی کیوں نہ پیدا ہو۔ جب درخت تک اِس سے برباد ہو جاتے ہیں۔ ناگ پھن ایک بڑا زہریلا درخت ہو۔ اِسکے کانٹوں سے سب آدمی پناہ مانگتے ہیں سانپ کا زہر اور اِسکے کانٹے کا زہر برابر ہے۔ اِسیواسطے اِسکو ناگ پھن کہتے ہیں۔ مگر کم بخت اگاس بیل اِس شریر درخت کا بھی خاتمہ کردیتی ہے۔ جب اِس کا قدم ناگ پھن کے گنجان بَن میں جاتا ہے تو اِس سرے سے اُس سرے تک ویران کردیتا ہے اور ناگ پھن کا بن جل کر خاک ہوجاتا ہی +

قصہ مختصر درختوں کی درویشی معیار ہے۔ درختوں کی درویشی مثال ہے درختوں کی درویشی نمونہ ہے۔ فطرت شناس انسانوں کے لیئے۔ اگر وہ اِدھر توجہ کریں

کہ وہ ایش صفتی تمام کائنات میں محیط ہے اور اُسکے انکار کرنے والے عالم نیچر میں اسکے خلاف کوئی دلیل پیدا نہیں کر سکتے ۔

اے آدمی درختوں سے عبرت حاصل کر۔ ان کی درویشی پر غور کر۔ تجھکو ہزاروں انکے بے شمار اسرار۔ ان خاموش ہستیوں میں نظر آئینگے۔ میں نے تو صرف تخیل کا ایک راستہ اس مضمون میں دکھایا ہے۔ ورنہ درختوں کی درویشی کے اصلی محاسن پر تو ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے ۔

حسن نظامی

۸۶ء

حمد و نعت

کیوں نہ دعوے ہو تجکو وحدت کا — کون ہے تیرے عظم و شوکت کا
ہے تصور یہ کس کی صورت کا — دل ہے آئینہ بزم وحدت کا
دیدۂ تر میں جل گئے آنسو — اثر اتنا ہے سوزِ فرقت کا
کوچۂ یار چھوڑ کر جاؤں — مجھ کو سودا نہیں ہے جنت کا
زندگی میں محال ہے آرام — مرگ ہے نام خوابِ راحت کا

اوج یہ فیضِ سوزِ الفت ہے
ہوں میں پروانہ شمعِ وحدت کا

اللہ کا بندہ ہوں شیدا ہوں میں حضرت کا — توحید پر ایماں ہے قائل ہوں رسالت کا
طالب ہوں نہ حوروں کا خواہاں ہوں نہ جنت کا — مشتاق بہت ہوں میں طیبہ کی زیارت کا
بھولا ہے عبث منعم تو دولتِ دنیا پر — کیوں دھیان نہیں تجکو تنہائی تربت کا
ہر وقت مرے دل کو دیدار کی حسرت ہے — جو لمحہ ہے فرقت میں وہ دن ہے قیامت کا
گلزارِ مدینہ کا سودا ہے مرے سر میں — دلچسپ نہایت ہے عالم مری وحشت کا

اے اوج ہے چکر میں سر مثلِ قدم اپنا
گز بن گیا ہوں گویا میں عرصۂ وحشت کا

اوج گیاوی

نظم

فریادِ ارشاد

یا الٰہی! تری درگاہ میں آیا ہوں میں
اپنی شرمندگیاں نذر کو لایا ہوں میں

ہاں گنہگار ہوں قسمت کا ستایا ہوں میں
ہوں وہ ناکام کہ اپنا نہ پرایا ہوں میں

نہ تو دنیا کا کوئی کام کیا ہے میں نے
اور نہ عقبےٰ کا سرانجام کیا ہے میں نے

رات دن نفس کے ہاتھوں سے رہا میں برباد
ہائے افسوس کبھی قت نہ کی تیری یاد

ہو کے اب قیدِ تعلق سے جہاں کی آزاد
تیری درگاہ میں لایا ہوں الٰہی فریاد

سُن کہ سُنتا ہی تو ہی اپنے گنہگاروں کی
واسطہ گنبدِ گردوں کا، قسم تاروں کی

رحم کر رحم کہ دنیا تجھے کہتی ہی رحیم
اور کرم کر کہ ترا نام ہے رحمان و کریم

نہ کوئی ہے ترا ہمسر نہ کوئی تیرا ندیم
تو ہے خلاق جہاں اور تری ذات قدیم

صمد و واحد و معبود ہے غفار ہی تو
وارث و ماجد و مسجود ہے ستار ہی تو

یا الٰہی! تجھے ارواحِ حجازی کا طفیل
صدقہ روحِ نبیؐ حیدرِ غازی کا طفیل

اے حقیقت کے دھنی عشق مجازی کا طفیل
اور ہر مسجد کعبہ کے نمازی کا طفیل

اپنی الفت میں مجھے غیر سے بیگانہ کر
آپ کو شمع بنا دے مجھے پروانہ کر

اے خدا تجکو حسینؑ ابنِ علیؑ کا صدقہ
اور بہ حضرتِ سجادِؓ ولی کا صدقہ

تجھے دیتا ہوں اویسِ قرنی کا صدقہ
جس قدر گزرے ہیں ہر ایک نبیؐ کا صدقہ

کوئی اٹکی نہ رہے دہر میں مشکل میری
اور مر جاؤں تو آسان ہو منزل میری

غوث الاعظمؒ کی تجھے شانِ ولایت کا طفیل   یا خدا خواجہ اجمیریؒ کی تربت کا طفیل
تجھے محبوبِ الٰہی کی محبت کا طفیل   عشق میں حضرتِ خسروؒ کی عقیدت کا طفیل

ہاں شگفتہ مری ہر ایک تمنا ہو جائے
دلمیں پیدا ہو جو ارمان وہ پورا ہو جائے

نہ کہوں تجھ سے تو پھر کس سے کہوں حالِ دلی   آہ! فریاد سنے تیرے سوا کون مری
تو ہی معبود ہی میرا تو ہی میرا والی   آس ہر وقت لگی رہتی ہے مجھ کو تیری

مجھے دنیا کے سہاروں سے سروکار نہیں
کوئی بھی تیرے سوا میرا مددگار نہیں

رحم کر مجھ پہ مرے رحمتوں والے مولا   میرے بگڑے ہوئے سب کام بنا لے مولا
قید غفلت سے مجھے کون نکالے مولا   تو ہی چاہے تو مصیبت سے بچا لے مولا

بیکسی میں ہے بہرحال ضرورت تیری
ساری دنیا کے لیے عام ہے رحمت تیری

ہو تری مہر تو ہر رنج سے آزاد رہوں   تو محافظ ہو تو میں خلق میں آباد رہوں
تو مجھے یاد رہے اور میں تجھے یاد رہوں   عمر بھر خوش رہوں بے فکر رہوں شاد رہوں

پاس میرے نہ کوئی صدمۂ دنیا پھٹکے
گلشن دہر کی میں سیر کروں بے کھٹکے

دلِ ارشاد میں ضو عشق کی پیدا کر دے   یہ جو قطرہ ہے کرم سے اسے دریا کر دے
ابھی ہو جائے یہ سب کچھ جو اشارہ کر دے   تو اگر چاہے تو پیدا نئی دنیا کر دے
مہر ہو تیری تو ہر ذرہ ستارہ ہو جائے   ہو ترا حکم تو کیا جانیے کیا کیا ہو جائے

ارشاد چشتی نظامی از اکبر آباد۔

کلامِ عزیزؒ

رباعی

خود حسن ازل ہوا جو شیدائے نبی
کی رب نے شب معراج تمنائے نبی
محبوب کسی کو تاکہ برابر دو خدا
سمجھے نہ کوئی ہوا ہے جائے نبی

قطعہ

ثنائے نعت رسول آپ ہی کا ہے سطوت و شرح
ثنا کی نعت ہے منصب پیمبر کا سخن
صفت ہے ان کی نہ یہ ان کی
سمایا ہی ہمارے اللہ اکبر ہی ہمارا ہی
از قدماے مشائخ احمد نامے مصطفیٰ

عید بعثت

محمد ابن عبداللہ ازل سے ہی ہو والا ہی
ایسا یہ عرش ہی ہو والا ہی
سر سلامت تیری ہو نبی ہی
حجاب جو بن سکے ہی ہو والا ہی
یہ محبوب نیا ہیں ہیں ہو والا ہی

عید بعثت

چھپا ہے کوئی آثار ہی پیمبری کے لیے
چلا ہے سعی جہاں نہ ہو پیمبری کے لیے
چلا ہی سعی جہاں ہوا وجود خدا
اسی نگاہ سے ثابت ہوا ہے کسی کے لیے
جہاں مخصوص کعبہ جہاں تا پیمبری کے لیے

از نتیجۂ فکر ہادی عزیز لکھنوی

سلہ لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی۔

۴۸۶

ایک صحابیؓ

حضرتِ خبیبؓ خاصۂ اصحابِ پاک تھے / مکہ کے مشرکوں کے کہیں آگئے وہ ہات
زنجیر میں جکڑ کے دیا دار پر چڑھا / کوئی تھپیڑ مارتا تھا اور کوئی لات
وہ اپنا منہ بجانبِ کعبہ کیے ہوئے / ذکرِ خدا میں غرق تھے پڑھتے تھے ادعیات
اعدا نے اُن کا رُخ سوئے یثرب بدل دیا / آپس میں ستمگروں کے تھے اِک طنز کے نکات
بولے وہ خیر اُدھر نہیں موقع اِدھر سہی / رُخ میرا جس طرف ہو اُدھر ہے خدا کی ذات
نیزوں کے وار ہونے لگے ہر طرف سے پھر / بڑھ چڑھ کے ظلم کرتے تھے اپنا مشرکات
اتنے میں اک شریر لگا کہنے اے خبیبؓ ق / اب تو ضرور جی میں ترے آتی ہے یہ بات
میری جگہ رسولؐ ہو اسوقت دار پر / اور مجکو اس عذاب کے دکھ سے ملے نجات
اس طعن سے خبیبؓ کے دل پر لگی جو چوٹ / واقع میں ضربِ نیزہ بھی تھی اسکے آگے مات
فوراً تڑپ کے بولے کہ بکتا ہے کیا فضول / میں پُر گنہ کہاں کہاں حضرتؐ کی پاک ذات
وہ پاک ذات صلِّ علیٰ اور لفظِ دار! / مردود! تیرا منہ تو ہے چھوٹا بڑی ہے بات
اس شرط پر بھی مجکو رہائی اگر ملے / اک خار کا الم سہیں سرکارِ کائنات
تھوکوں گا اس حیات پہ جو اِسطرح ملے / سمجھوں گا زخم نیزہ کو میں شربتِ نبات

حکیم عرشی از دہلی منقولہ

۵۶؎

دن کو خادم قوم کا اور رات کو سجدہ گزار

دیکھو کیسے ہیں فریب عالم ناپائدار　　ہستی موہوم مطلق جسکے ہیں نقش و نگار
جلوہ اُسکے حُسن کا ہر وقت با نوع دگر　　رات دن ہم دیکھتے ہیں صورت شام و سحر

مبتلائے عشق دنیا ہو کے رسوائی ہے
باوجود اِسکے بھی لیکن پھر تمنائی ہے

تھی مگر باقی جہاں میں ایک ایسی پاک ذات　　زبدۂ ارباب ہمت انتخاب کائنات
گلشن عالم کو سمجھا جس نے اک موج سراب　　جانتا تھا عالم ہستی کو جو نقش حباب

قوم کی خدمت تھا جسکا اکتساب زندگی
حشر میں جس سے نہ ہوگا کچھ حساب زندگی

قوم کی ٹوٹی ہوئی کشتی کا تھا اک ناخدا　　خطرہائے موج طوفاں میں نہ ہوتا تھا جدا
مستقل تھی جسکی ہمت منتظم تھا جس کا کام　　جادۂ صدق و صفا میں تیز رو تھا جسکا گام

بس یہی اک شمع بزم سید مرحوم تھا
جو ہماری دردمندی کے لیے مغموم تھا

دل پھٹا جاتا ہے ہائے کیسے اُسکا نام لوں　　ہاں بتاتا ہوں مگر پہلے کلیجہ تھام لوں
افتخار قوم یعنی مولوی مشتاق حسین　　لیگئی جسکی جدائی دل سے سب آرام چین

بے نیاز جاہ و عزت قافلہ سالار تھا
سونے والوں کو جگانے کیلئے بیدار تھا

حامی ایمان و ملت متقی پرہیزگار　　دن کو خادم قوم کا اور رات کو سجدہ گزار
خاکساری چونکہ ہر حسن عمل کا غازہ تھی　　اسلیئے ہیبت بھی سب کے دلمیں بے اندازہ تھی

رہبران قوم کہ اشرا ہیں گر معدوم ہیں
جن کے سارے کارنامے قوم کو معلوم ہیں

ہم تو اُسکو ڈھونڈتے ہیں جسکے ہر اک کام میں — روشنی ایماں کی ہو اور غرق ہو اسلام میں
شوق اب تو ترک کر یہ گفتگوئے بے محل — موج طوفاں ورنہ پھر آنکھوں سے آئیگی نکل

جس نے دیکھی ہے تپش پروانۂ جانسوز کی
اُسکو حاجت ہی نہیں زنبور شہد اندوز کی

ہاں دعا کر صدق دل سے پیش رب ذو الجلال — اے کریم کارساز و واقف دانائے حال
باغ جنت ہو وقار الملک کی آرامگاہ — عفو کر رحمت سے اپنی انکے تو سارے گناہ

رہنمائے قوم ہو اب اُن کا فرزند رشید
قدرت کامل سے تیری کچھ نہیں ہے یہ بعید

شوق بچھرایونی

۴۸۶

یار کے جلوے

وسیلے کیلئے دیکھو نظام المشائخ بابت ربیع الثانی ۳۵ھ

بستم

کوئی رکھتا ہو گر ستارہ یقیں — انکی آنکھیں کیسے ہوں حق بیں
یہی ہے خاتم بلند ہمت — مہرۂ آسماں بجائے نگیں
عارفوں کی نظر میں غیر از حق — اور مقبول کوئی چیز نہیں
دائمی عیش پائے گا آخر — جو جہاں میں رہے ہمیشہ حزیں

گر کوئی خواجگی سے درگزرے — اُسکی دنیا ہے اک غلام نہیں
جو ہوا محرم سرائے صفات — حرم ذات اُس سے دور نہیں
تو کہ یاد خدا سے غافل ہے — تجکو بے دیں کریگا تیرا دیں
جس نے چکھا ہے تیرا ساغر وصل — اُسکو دائم ہوا نپے آپ سے کیں
عشق کی داستان کا مطلب — عاشقوں کے لیئے ہی ختم نہیں

کہ بچشمان دل مبیں جز دوست
ہرچہ بینی بدانکہ مظہر اوست

بست و یکم

کل گیا میں کہیں بسوئے حمام — اُس جگہ دیکھا ایک دل آرام
چست و چالاک شوخ اور بیبا — ماہ رُخ۔ نازک اور گل اندام
سرو قد گلعذار نرگس چشم — سرکش و پُر غرور اور خودکام
مردم آزار۔ تُند خو۔ ظالم — نرگسیں چشم مست و مے آشام
ناز و انداز میں تھا علامہ — حیلہ سازی تھی ختم اُس پہ تمام
اپنے عشاق کو دکھاتا تھا — زلف اور رُخ سے کفر اور اسلام
دیکھکر مجکو پاس بُلوایا — تاکہ مجکو عطا کرے انعام
غرق حیرت میں ہو گیا ایسا — نہ رہا مجھ میں عقل و ہوش کا نام
نہیں معلوم چاند کس نے دیا — یہ دِکھائی کو اُس گھڑی پیغام

کہ بچشمان دل مبیں جز دوست
ہرچہ بینی بدانکہ مظہر اوست

چند سروپ چاند از لاہور

۱۹۱۶ء

یاران نظام المشائخ

ہندوستان ہی کا نہیں

انگلستان کا پریس بھی چیخ اٹھا ہے

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پراں کر دیئے!

آپ جس پرچے کو جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ سب کے چہرے زرد ملیں گے۔ اب خطیب اور نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ ہی کوئی سُرخ و سپید نظر آتا ہو تو آتا ہو۔ لیکن

کب تلک یارب چھپائیں دردِ دل

خطیب نظام المشائخ کے پاس قیصر ولیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اُٹھاتا چلا جائے ناظرین اگر خطیب نظام المشائخ کو انکی شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو خود بھی کچھ تکلیف اُٹھائیں،

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک تدابیر امداد پیش کرتا ہوں۔ ایسیں جبتک جنگ ہے ۸ رسالانہ سب کو دینا پڑیگا اور اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو۔

خاکسار **واحدی**

شکریہ

اُن حضرات کا جنہوں نے اس مہینے نظام المشائخ کی دوسرے خریدار پیدا کر کے یا خود خریدار بنکر مدد فرمائی ہے۔

جناب غلام محمد رضا صاحب میر منشی دفتر جرم آبپاشی محبوب نگر نے جناب بشیر الدین صاحب صیغہ دار محکمہ آبپاشی محبوب نگر کو خریدار بنایا۔ جناب ماسٹر ممنون خانصاحب ندوہ نے جناب غلام رسول صاحب نگر کمپنی گھام گاؤں کو۔

جناب محمد امام الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ کروڑ گیری نے جناب محمد عبدالحکیم صاحب صیغہ دار عثمان آباد کو
جناب امیر الدین صاحب آرام نظامی سورت نے جناب نواب زادہ محمد عبدالکریم یا قوت خان صاحب بیجن کو
جناب محمد فضل صاحب قریشی پاکپتن شریف نے جناب مولوی محمد رمضان صاحب پاک پٹن شریف کو
جناب ماسٹر محمد حمو خان صاحب نا ندورہ نے جناب محمد عبدالرحیم صاحب نا ندورہ اور جناب مولوی عبدالسلام صاحب بیگاؤں کو خریدار بنایا +

جناب مولوی محمد عبدالحق صاحب مقصود گر سیانگ نے جناب منشی عبدالغفار کر سیانگ اور جناب منشی محمد عارف صاحب کر سیانگ اور جناب منشی مصلح الدین صاحب کر سیانگ کو خریدار بنایا ،

جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب چک نمبر ۷۲ نے جناب میاں محمد سلیمان صاحب چک نمبر ۱۰۴ کو
جناب محمد ابراہیم صاحب کلرک لہریا سرائے نے جناب ہیڈ ماسٹر صاحب ہائی اسکول رسرہ مدھے پور کو
جناب حکیم یوسف صاحب کہروڑ و نے جناب میاں ولی محمد صاحب مدپور کو خریدار بنایا
جناب محمد کفایت اللہ صاحب بڑنیرو نے جناب شیخ لال صاحب بڑنیرہ کو خریدار بنایا +

جو خود خریدار ہوئے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں

جناب صاحبزادہ سید شمس محی الدین صاحب بٹالہ ۔ جناب محمد فیاض حسین خانصاحب اودے پور
جناب حاجی فتح محمد صاحب بمبئی ۔ جناب قاضی شرف الدین صاحب بھوساول جناب محمد بشیر الدین خانصاحب طالب علم چنگو پہ ۔ جناب شیخ حمید علی صاحب تحصیلدار مرادباغ ۔ جناب چودھری محمد نصیر اللہ صاحب سب انسپکٹر پھلور ۔ جناب حکیم جو شی محمد صاحب چک مغلانی جناب فورمن جلال الدین احمد صاحب محبوب نگر ۔ جناب سکرٹری صاحب لائبریری ندوۃ الاحبار اودے
جناب عزیز احمد صاحب سکرٹری بہرائچ ۔ جناب عبدالغفور صاحب سہوکار بیری ۔ جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب سردا لکی ۔ جناب فضل محمد صاحب چک مغلانی ۔ جناب راجہ فضل الٰہی صاحب نوشکی
جناب سید میر محمد شاہ صاحب فورٹ سنڈیمن ۔ جناب نواب محمد ولایت علیخان صاحب بہادر حیدرآباد
جناب محمود احمد صاحب حیدرآباد ۔ جناب منشی عبدالعزیز خانصاحب حیدرآباد ۔ جناب محمد حسین عنا

اِس ہمکلامی کو حدیث قدسی کہتے ہیں نہ فقط کلام الٰہی نہیں کہتے ۔ اور سورۂ فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا اور اُسکا سورۃ سے ملانا اِس لئے واجب ہے کہ سورۂ فاتحہ کے اندر کمالات قرآنی اور اسرار قرآنی بھرے ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ افاض اللہ علینا فیوضات علمہ فرماتے ہیں **تمام اسرار القرآن فی فاتحۃ الکتاب** یعنی قرآن کے تمام راز الحمد شریف کے اندر ہیں تو جب ہر بار نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی گئی تو گویا تمام قرآن نمازی نے پڑھ لیا ۔ اور اُسکا سینہ سارے قرآن کے انوار سے لبریز ہوگیا قرآن مجید اگر دائرہ ہے تو سورہ فاتحہ اس دائرہ کا مرکز ہے۔ اجمال و تفصیل جب دونوں ملائی جائیں تو کس قدر آسانی اور فائدہ کی بات ہوگی۔ سورۂ فاتحہ کو عروج کے ساتھ بڑی مناسبت ہے اور اس سورۂ شریف کے اسرار صوفی پر اُسوقت کھلتے ہیں۔ جب اُسے کمال عروج اور قرب ولایت میسر ہوتا ہے۔ اِس باعث سے اِس سورہ کے اسرار حضرت شاہ ولایت پر کھولے گئے تھے ۔ اور سورہ فاتحہ کو نماز میں کسی دوسری سورۃ سے ملانے کا یہ بھید ہے کہ مرتبہ اجمال اور تفصیل دونوں کا فیض عارف نمازی کو حاصل ہو جائے ۔ اور کلام الٰہی کی برکات سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اِس وقت نمازی پر خدا کے اسم المتکلم کا پرتوہ پڑتا ہے اور فنائیت حاصل ہو جاتی ہے۔ نمازی کو چاہیئے کہ جب وہ قرأت میں مشغول ہو تو اپنے تئیں وادی ایمن کا وہ درخت سمجھے جسکے پردہ میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کا کلام سُنا تھا۔ یہ خیال کرے کہ میں نا چیز ہوں اور میری آواز ایک ساز قدرت ہے اور میری زبان اُس ساز کی مضراب ہے ۔ جسے چھیڑنے والا چھیڑ رہا ہے۔ اور اُس میں سے کلام الٰہی نکل رہا ہے ۔ اور اسقدر فنائے کلی اور استغراق پیدا کرے کہ جس طرح نَے اندر سے خالی ہوتی ہے اور کسی دوسرے کے بجانے سے بجتی ہے۔ اور جب اِس حال میں سانس لے تو نفخت فیہ من روحی کا دھیان کرے ۔

چوتھا سِرّ

رکوع کیوں کرتے ہیں؟ رکوع کے مناسبات۔ رکوع میں خدا کے کون سے نام کی تجلی ہوتی ہے

حق تعالیٰ فرماتا ہے واركعوا مع الراكعين ۔ اس لئے رکوع فرض ہی اور نماز کا ایک رکن بھی ہے ۔ رکوع کی صورت یہ ہے کہ نمازی اپنی پشت اور کمر کو جھکا لیتا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ نہایت ادب سے اپنے تئیں خدائے تعالیٰ کی عظمت کے آگے پست کردے اور تمام مخلوقات کی عظمت اور بزرگی کو بے حقیقت سمجھکر یہ خیال کرے کہ تمام جہان کیا زمین کیا آسمان کیا جن کیا فرشتہ سب رکوع میں ہیں ۔ اور اُس وحدہٗ لاشریک کے آگے جھکے ہوئے ہیں صورت مثالی اس رکن کی اس عالم مثال میں قوس ہی ۔ یا نصف دائرہ کی شکل ۔ اور جب نمازی نظر کشفی سے دیکھیگا تو دائرہ کا دوسرا آدھا حصہ بھی اُسے دکھائی دیگا ۔ اور معلوم ہوگا کہ نصف دائرہ جو ہر ایک کو نہیں دکھائی دیتا ہے ۔ اس کا سبب یہ ہی کہ اُسے لطافت تنزیہی نے چھپا رکھا ہے ۔ اور رکوع کی اصلیت اور حقیقت مرتبہ برزخ کا رکھتی ہی جو عروج اور نزول اور تنزیہ اور تشبیہ سے تعلق رکھتی ہے ۔ اس سبب سے پہلے نصف دائرہ کہ نزول اور تشبیہ سے مناسبت رکھتا ہی ظاہر ہوا اور وہ قوس اعلیٰ یا نصف دائرہ پوشیدہ رہا ۔ اور رکوع میں بہت سے معرفت کے نتیجے اور استغراق وغیرہ کی حقیقت کھلتی ہی ۔ اور رکوع میں عارف پر عظمت الٰہی کا ظہور ہوتا ہی ۔ اور اُسکے اسم العظیم کی تجلی پیدا ہوتی ہی ۔ اسلیئے رکوع میں سبحان ربی العظیم کا ورد رکھا جاتا ہی ۔ اور قیام کے بعد رکوع کرنے کا بھید یہ ہی کہ قیام کو عروج کے ساتھ پوری مناسبت ہی ۔ اور عارف کو قیام میں پورا عروج ہوتا ہی ۔ جیسے ہم اوپر بیان کرآئے ہیں ۔ اور رکوع عروج اور نزول دونوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہی تو قیام کے رکوع سے یہ مراد ہے کہ جب عروج ہو چکا تو اب نزول کی طرف بھی متوجہ ہونا ضرور ہے +

پانچواں سر

سجدہ کی کیا حقیقت ہے ؟ سجدہ میں صوفی کو کیا عروج ہوتا ہی ؟ اور اُس وقت خدا کے کونسے نام کی تجلی ہوتی ہے ؟

سجدہ نماز کے ارکان میں سے ایک رکن اور فرض ہے۔ اور سجدہ کی جو صورت ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ اور ساری کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ مگر اسکی حقیقت اکثر آدمیوں سے پوشیدہ ہے۔ سوائے اُن چند حضرات کے جو محض عنایت الٰہی سے اُسکی اصلیت تک پہنچے ہیں۔ اور اُسکے عروج سے اُنہیں حصہ ملا ہے۔ اور سجدہ بجالا کر اُنھوں نے ترقیاں حاصل کی ہیں۔ اور معشوق کی قدمبوسی اُنہیں نصیب ہوئی ہے۔ ہر چندکہ رکوع میں عروج اور نزول ہے مگر سجدہ میں بھی عروج و نزول دونوں ہیں۔ رکوع میں عروج کا پلہ بھاری ہے اور نزول کا پلہ ہلکا۔ اور سجدہ میں بہ نسبت عروج کے نزول کا پلہ بوجھل اور قوی ہوتا ہے کیونکہ اسمیں تبہ نزول کو اجزائے زمین سے زیادہ مناسبت ہے۔ اور عروج میں **لطیفہ اخفٰی** میں تعلق بہت ہے۔ اس باعث سے شیطان نے سجدہ نہ کیا۔ کیونکہ اُسکی خلقت آگ سے تھی اور آگ کا میلان خاک کی طرف نہیں ہو سکتا ہے۔ اور وہ بدنصیب سجدہ کی حقیقت سے محروم رہا اور اسفل السافلین میں جا پڑا۔ چونکہ یہ رکن باعتبار نزول کے سب رکنوں سے نیچے اور پست واقع ہوا ہے اور ساری عبادتوں کا خاتمہ اسی پر ہوتا ہے۔ اسواسطے جو عروج سجدہ کے ذریعہ سے ہوگا وہ بہت اعلیٰ اور فوق الفوق سب عروج اور ترقیوں سے ہوگا۔ اور اسکا التزام صوفی کو اچھے اچھے نتیجوں تک پہنچائے گا۔ اور نزول کے مرتبے اور عبودیت کی حقیقت خوب روشن ہوگی۔ اگرچہ سجدہ کی حالت میں خدا کے اور بہت سے ناموں کی تجلی پڑتی ہے۔ مگر خاصکر اصل الاصول اس سجدہ کے رکن کا اسم العلی ہے اور اسکی تجلی زیادہ محسوس ہوتی ہے اور یہی باعث ہے کہ سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ۔ سبحان ربی الاعلیٰ** کہا جاتا ہے۔ اور سجدہ کو فرشتوں کی ولایت علیا سے عروج کی حالت میں مناسبت ہے اور نزول کی طرف عبودیت کی حقیقت سے کہ کمالات نبوت اس سے ملے ہوئے ہیں بہت تعلق ہے۔ قیام میں جو عارف کو عروج ہوتا ہے۔ وہ سر کی طرف سے اور اوپر کیجانب ہوتا ہے۔ اور اُسکی ابتدا ہوا کے کرہ سے ہو کر کرۂ آتش تک اور وہاں سے آسمان اول

اور آسمان اول سے دوسرے اور تیسرے آسمان تک اور جہاں تک اللہ چاہتا ہے نوبت پہنچتی ہے۔ اور سجدہ میں جو عروج ہوتا ہے وہ کرۂ زمین سے ہوتا ہے۔ اور اسکی ابتدار نیچے کی طرف سے ہوتی ہے گرچہ ساری دنیا تحت اور پستی سمجھتی ہے۔ اسے میرے والد بزرگوار حضرت قبلہ کونین خواجہ محمد ناصر صاحب ایدنا اللہ بنصرہ سرہ وقدسنا ببرکتہ بیرہٗ نے اپنے مکاشفہ اور تحقیق باطنی کے ذریعہ سے بلندی ثابت کیا ہے۔ آپ اسکی تفصیل مدلل نالۂ عندلیب میں دیکھ سکتے ہیں۔ کمالات نبوت کا عروج تحت کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج اسی طرف سے شروع ہوئی۔ اور آپ بیت الحرام سے کہ (ناف زمین کہلاتا ہے) اور بہ نسبت ملک شام کے اونچا ہے۔ بیت المقدس کی طرف کہ بہ نسبت مکہ کے پستی میں ہے۔ تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے ہوائے کرہ اور آگ کے کرہ اور تمام آسمانوں کو طے کرکے اُس مقام تک پہنچے جہاں تک ہمارے علوم کی رسائی نہیں ہے چنانچہ سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی برکنا حولہ لنریہ من آیتنا۔ اسکی شاہد ہے تو اب ثابت ہوگیا کہ عروج نبوت نیچے کی طرف سے متعلق ہوا کرتا ہے۔ اور عروج ولایت اوپر کی طرف سے۔ اور ان دونوں عروجوں میں یہ فرق ہے کہ عروج ولایت عالم علوی کی معرفت اجمالی کو کہتے ہیں اور عروج نبوت عالم علوی اور عالم سفلی کی معرفت تفصیلی سے مراد ہے۔ اس سے زیادہ تشریح مناسب نہیں ہے ؎

بس کنم خود عارفاں را ایں بس است ۔۔۔ نکتۂ کافی ست گر عارف کس است

چھٹا سرّ

قعدہ کسے کہتے ہیں؟ قعدہ میں کیا معارف ہیں؟ اور قعدہ کے وقت خدا کے کس نام کی تجلی ہوتی ہے؟

قعدہ نماز کے رکنوں میں ایک رکن ہے اور اُسکی ایک صورت بھی ہے اور اُسکی
ایک حقیقت بھی ہے۔ جو اسکی صورت ہے۔ اُسکے تو بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے سب دیکھتے
ہیں مگر قعدہ کی حقیقت علما تو علما اکثر اولیا رامنیر پر بھی نہیں کھلی۔ کیونکہ نماز کے اور رکنوں کے
مقابلہ میں اسکی کچھ قدر نہیں سمجھی جاتی ہے۔ اسلیئے ضرور ہے کہ قعدہ کی حقیقت بیان کرکے
خدا کے حکم کی تعمیل کیجائے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے واما بنعمۃ ربک فحدث۔ گوش ہوش
سے سُننا چاہیئے کہ قعدہ نماز کے مرتبہ آخر کی حقیقت اور اصلیت ہے۔ اور اسے مرتبہ اطلاق
ولا تعین سے تعلق ہے۔ اور حالات کی تبدیلی سے پاک ہے۔ پوری پوری تمکین اسکے اندر ہے
اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ عارف اپنے دل کو اُن خطروں کی گردش سے بچائے جو ترقت وانوال
ڈول سکتے ہیں۔ اور خدا کے حضور و شہود سے اُسے تسکین اور آرام پہنچائے۔ اِس رکن کی
برکت سے صوفی کو بہت سی نعمتیں اور اطمینان نفس اور متانت اور بردباری حاصل ہوتی ہے
اور اس وقت اسم المتاین کی تجلی ظہور کرتی ہے۔ قعدہ کو اس عالم سے نزولی مناسبت ہے۔
اور عروج میں تنزیہ خالص سے اسے تعلق ہے۔ اور اسکی تمکین کی شرح یہ ہے کہ سالک جب
سلوک میں آتا ہے اور ترقی کرتا ہے تو اول اُسے ایسے ذوق اور حال کے دروازے پر پہنچایا
جاتا ہے جہاں تلوین جلوہ آرا ہوتی ہے۔ اور یہ سب منزلیں طے کرتے کرتے کعبہ مقصود تک
پہنچ جاتا ہے۔ اُسوقت تلوین کی ساری رنگ آمیزیاں فنا ہو جاتی ہیں۔ اور تمکین و اطمینان کے
خلعت سے اُسے مشرف کیا جاتا ہے۔ گو ارکان نماز کی تجلیاں پیہم اور متواتر ہوتی ہیں اور
سالک کو حیرت میں ڈالتی ہیں۔ مگر خدا کے فضل سے صوفی جو سب رکنوں کی عروج اور نزول
سے گزر کر نماز کے مرتبہ حقیقت کی انتہا تک پہنچتا ہے۔ اسواسطے اس رکن کی اصلیت جیسی چاہیئے
ویسی ظاہر ہوتی ہے اور اطمینان نفس اور تمکین کلی میسر ہوتی ہے۔ اور عارف حالات کی اُلٹ
پلٹ سے نکلکر تنزیہ خالص تک پہنچ جاتا ہے +

ساتواں سر

کسی قول یا فعل کے ذریعہ سے کیوں نماز کو ختم کیا جاتا ہے؟ سلام دونوں طرف کیوں
کیا جاتا ہے؟ اور اُس وقت کون سے نام پاک کی تجلی ہوتی ہے؟

نماز کو کسی قول یا فعل سے پورا کرنا فرض بھی ہے - اور نماز کا ایک رکن بھی ہے - اور سلام دونوں طرف پھیرنا واجب بھی ہے جیسے سب جانتے ہیں اور کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے۔ مگر اِسکے بھید کی کوئی خبردار نہیں ہے۔ مگر حضرت سلام کی توجہ سے اس رسالہ میں مختصر و مجمل طور پر لکھا جاتا ہے پہلے سر میں ہم نے سمجھایا ہے کہ نماز عالم امر میں سے اور فرشتوں کے کاموں میں سے ہے - جب انسان نماز پڑھتا ہے تو گویا ملائکہ اور ملاء اعلیٰ میں جا کر مل جاتا ہے۔ اور اس عالم سے ترقی کرتے کرتے عالم بالا میں اُس حد تک پہنچ جاتا ہے جسے اسکے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا ہے۔ مگر نمازی کا نماز میں عالم ملائکہ تک پہنچنا ایک عارضی رسائی ہوتی ہے۔ کیونکہ ہنوز اُس میں بشریت اور دنیاوی حیات ہوتی ہے۔ اُس عالم میں سوت کے ابدالآباد قیام نہیں ہو سکتا ہے۔ اسلئے ضرور ہے کہ تھوڑی دیر میں عالم ملکوت سے پھر عالم ناسوت میں آجائے۔ اور عالم ناسوت میں واپس آنا دو حال سے خالی نہیں ایک یہ کہ کوئی بات کرے اور نماز کی حدود سے نکل آئے۔ یا کوئی کام کرے اور نماز کے دائرہ سے باہر آجائے۔ اس لیئے خدائے تعالیٰ اور حکیم حقیقی نے فرمادیا ہے کہ اگر تم بات بات یا کوئی کام کروگے تو تمہاری نماز ٹوٹ جائے گی۔ یعنی عالم بالا سے نیچے اُتر آؤ گے اور انسانی حیثیت میں رہجاؤگے یا تم جب اُس عالم سے اس عالم میں رجوع کرنا چاہو تو کام یا بات کرو فوراً نزول ہو جائیگا۔ جس طرح عام لوگوں کی نماز بات کرنے یا کام کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے اسی طرح سے مقربین اپنے دل کو نماز میں خطروں اور خیال سے پاک رکھتے اور اپنے جی سے بھی باتیں نہیں کرتے ہیں ؎

قول و فعلم یکے ست چوں خامہ — آنچہ کردم ہماں ہمیگویم

سلام آخر نماز میں اسلیئے واجب ہے کہ جب کوئی شخص کسی مجلس سے اُٹھتا ہے تو رخصت

کے لیئے سلام کیا کرتا ہے۔ اسی طرح عارف جب اس عالم ناسوت کی طرف ہو تو ارواح اور ملاء اعلےٰ کو سلام بجالائے۔ سیدہے ہاتھ کو اس سیئے کہ اُدھر بھی ملائکہ ہوتے ہیں اور اُلٹے ہاتھ کو اسلیئے کہ ادہر بھی ملائکہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر امام ہے تو وہ مقتدیوں کو داہنے بائیں سلام میں ملحوظ رکھے اور مقتدی ہے تو اپنی جماعت کے داہنے بائیں نمازیوں کو سلام میں شامل کرلے +

حضرت امام جعفر صادق شرفنا اللہ بواثقۃ نسبۃ باطنہ۔ فرماتے ہیں کہ نمازی نے جب نماز پڑہی تو اُس نے خدا اور رسول کے حکم کی تعمیل کی۔ اُسکے بدلہ میں اُسے یہ انعام دیا جاتا ہے کہ وہ ہر طرح امان پائے۔ اسلیئے اُسے خدا کی طرف سے لفظ سلام کیساتھ جتایا جاتا ہی کہ تیرے داہنے بائیں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ اور سلامتی بھی وہ سلامتی کہ دُنیا کے مکافات سے سلامتی۔ عذاب آخرت سے سلامتی۔ دوسرے خدا کا نام بھی سلام ہے جب نمازی اس نام کو لے تو اُسکے معنی میں غور کرے اور اپنے تمام معاملات اور امانتوں میں اُسکے ذریعہ سے سلامتی پیدا کرے۔ اور جب تو سلام کے معنی سمجھ لے تو تجھے لازم ہے کہ تو اُس خدا سے ڈرے بھی۔ کیونکہ اگر تو نے اپنی ذات یا اپنے قلب یا اپنے دین یا اپنی عقل کو سلام کیا ہی تو اُنہیں کسی گناہ اور ناپاکی کی ظلمت سے بگاڑے بھی نہیں۔ اور اگر تو نے ملائکہ کو سلام کیا ہی تو بُرے کام کرکے اُنہیں رنجیدہ نہ کر۔ کیونکہ جب تو نے اُنہیں سلام کیا تو وہ اُس وقت تجھ سے بہت خوش ہوئے تھے۔ مگر جب تو گناہ کریگا تو وہ اُسے تیرے اعمال نامے میں لکھتے ہوئے رنجیدہ ضرور ہوں گے۔ اسی طرح سلام کرکے اپنے دوستوں اور عزیزوں اور دشمنوں کو بھی تکلیف نہ دے۔ کیونکہ جب تو نے کسی کو سلام کیا تو پھر اُسے ستانا سلام کے معنی کے برخلاف ہی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اسوقت میں صوفی کے اوپر اسم السلام کی تجلی پڑتی ہے۔ اور خدائے تعالےٰ بھی اُسپر سلام بھیجتا ہے اور یہ رکن سلام کی مدت نبوت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اس

زیادہ لکھنا مناسب نہیں ہے ؎

گر کشائیم بحث ایں رامن بساز تا سوال و تا جواب آید دراز
دفتر اسرار ابتر مے شود نقش وحدت نقش دیگر میشود

اب میں یہ اور عرض کرتا ہوں کہ جب ارباب کمال ایسے ملاحظہ فرمائیں اور اس میں سے کوئی بات پسند آئے تو اس ناچیز کو یاد فرمائیں اور نہایت نیاز و عاجزی کے ساتھ اس بندۂ پر تقصیر کے لیئے دعا کریں کہ وہ ذات پاک اس فقیر کے ہاتھ کو اپنی بے پروائی کے دامن سے جھٹک نہ دے اور ہمیشہ اپنے حضور اور شہود میں سب مزاحمت اغیار کے مستغرق رکھے اور زمرۂ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ میں داخل نہ فرمائے اور بموجب علم کے عمل بھی نصیب کرے ۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع الدعاء و السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

چونکہ فقیر طبع موزوں اور درد تخلص رکھتا ہے ۔ اس واسطے اس رباعی کو بطور یادگار اس رسالہ میں تحریر کرتا ہے رباعی

اے درد زمردمان اہل عرفاں از ضع کلام میتوان یافت نشاں
مارا مطلب بجز میان تصنیف مانند معانی بکتابیم نہاں

بالخیر

پوجتے تھے۔ امرأ القیس کے معلقہ میں اسکا ذکر ہوا ہی۔ وہ کہتا ہی:۔

فعن لنا سرب کان نعاجہ — ہمیں جنگلی گایوں کا ایک گلہ نظر پڑا جسکی گائیں حسن
عذاری دوار فی ملاء مذیل — و لطافت اور خوش فعلیوں میں ایسی معلوم ہوتی
تہیں کہ گویا وہ دوشیزہ لڑکیاں ہیں جو لمبی چوڑی چادروں
میں دوار کے گرد طواف کر رہی ہیں:

یہ بُت ہمیشہ میلوں اور بڑے بڑے جلسوں میں نکالا جاتا تہا۔۔۔ :

عرب کی بُت پرستی پر ایک سرسری نظر!

اوپر جو کچہ ہم لکھ آئے ہیں، وہ خلاصہ ہے اُن بڑی بڑی کتابوں کا جن کا مطالعہ آج ہر شخص کو نصیب نہیں ہو سکتا،

عرب کی تاریخ یوں تو سمندر ہی لیکن غور کیجئے۔ سمندر میں سے ایک موتی یا موتی نہ سہی ایک پہوٹی کوڑی کا نکالنا غواص کے لئے کسقدر مشکل ہے:

بت پرستی کی ابتدا اور عرب کے مشہور مرجع انام بتوں کے حالات جسقدر جمع ہو سکتے تھے وہ اس مختصر بیان میں بدرجہ جمع کر دیئے گئے ہیں:

مگر موضوع سخن تشنہ رہجائے گا اگر اہل عرب کے مذہبی خیالات۔ معتقدات اور لوازم بت پرستی کا یہاں ایک اجمالی تذکرہ بھی نہو:

گئی جدید مذہب نہیں ہے بلکہ وہی مذہب ہے جس کو سیدنا آدم علیہ السلام لائے تھے

اگرچہ اس کی تکمیل منشائے قدرت میں حضور ختم المرسلین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی سے وابستہ تھی۔

وحدانیت کا وعظ ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ کبھی دنیا اس سے خالی نہیں رہی۔ بت پرست اگرچہ بتوں کو پوجتے تھے۔ ان کے لیے حج اور قربانیاں نہایت ذوق شوق اور خلوص سے کرتے تھے۔ ان سے مرادیں مانگتے تھے۔ سبھی کچھ تھا، مگر ساتھ ہی خالق کے وجود کو بھی تسلیم کرتے تھے۔

خدا کو بادشاہ جانتے تھے۔۔۔

مرنے کے بعد ایک قسم کے اعادہ پر یقین رکھتے تھے۔

جائز و ناجائز۔ حرام و حلال کے بھی قائل تھے۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اُنکا

"رزاق"

"خالق"

"لوگوں کے کام سنوارنے والا (مسبب الاسباب)"

"نفع نقصان پہنچانے والا"

"پناہ و نجات دینے والا"

صرف ایک خالق ہے۔ اور اسمیں اُسکا کوئی شریک نہیں"۔ اس بیان پر خود ربّ العزّۃ شاہد ہے:-

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	اگر تو ان سے پوچھیگا کہ آسمان و زمین کس نے پیدا
وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ	کیے تو کہیں گے اللہ نے"۔ اگر یہ پوچھیگا کہ خود
مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۔ قُلْ لِمَنِ	اُن کو کس نے پیدا کیا تو اسکے جواب میں بھی یہی
الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ	کہیں گے کہ اللہ نے۔ تو ان سے کہہ کہ زمین اور

سَيَقُوْلُوْنَ اللّٰہ - قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ - اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ - فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰہ

اُسکے اندر کی چیزیں کس کی ملک ہیں اگر تم کو علم ہے تو بتلاؤ وہ اسکا یہی جواب دیں گے کہ اللہ کی۔ تو اِن سے پوچھ بھلا تمہیں آسمان و زمین میں سے روزی کون دیتا ہے۔ اور بھلا شنوائی و بینائی کا مالک کون ہے، اور مردے سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو کون نکالتا ہے اور لوگوں کے کام کون سنوارتا ہے تو یہی جواب دینگے کہ اللہ

اِس علم و اقرار کے ہوتے ہوئے اہل عرب جو بتوں کو پوجتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ بتوں کی پوجا کے ذریعہ سے وہ خدا کا قرب ڈھونڈھتے تھے۔ اور بتوں کو خدا رسی کا واسطہ جانتے تھے، +

اگرچہ پرستش کی وجوہات ہر گمراہ فرقہ کی جدا جدا ہوتی تھیں لیکن یہ تمام مختلف راستے اُسی ایک شاہ راہ اعظم پر ختم ہوتے تھے جس کا نام قرب الٰہی ہے، +

اِس دعوے پر رب العزت گواہ ہے:-

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى + — ہم اِن بتوں کو اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ خدا سے ہمارا قرب بڑھا دیں +

بعض کا عقیدہ تھا کہ:-

"خدا کی درگاہ میں فرشتوں کا قرب زیادہ ہے"
"اس لیے ہم فرشتوں کی صورتوں پر بُت بنا کر پوجتے ہیں تاکہ"
"اِس ذریعہ سے ہمارا قرب خدا سے ہو جائے"

بعض کا عقیدہ تھا کہ:-

"ہم نے بتوں کو خدا کی عبادت کے لیے اپنا قبلہ مقرر کیا ہے

"جیسا کہ اُسکی عبادت کے لیئے کعبہ ایک قبلہ ہے"۔

بعض کا یہ عقیدہ تھا کہ:۔

"ہر بت پر خدا کے حکم سے ایک شیطان مامور ہے۔ پس جو شخص
بُت کی عبادت خوب جی لگا کر اور صدق دل سے کرتا ہے
خدا کے حکم سے شیطان اُسکی تمام حاجتیں پوری کر دیتا ہے
جو ایسا نہیں کرتا تو خدا کے حکم سے شیطان اس کو تکلیف
دیتا ہے"۔

غرضکہ بُت پرستی کے وجوہات مختلف ہیں۔ ہر گھر نے ہر قبیلہ نے کوئی نہ کوئی وجہ قرار دے رکھی تھی۔ مگر سب کے سب اس ذریعہ سے قرب الٰہی کے جویا تھے۔ بعض براہ راست بعض کسی قدر اور خیال سے،

جس طرح سے کسی زمانہ میں ہم مسلمانوں کے گھروں میں ایک جگہ ضرور ایسی ہوتی تھی جو نماز کے لیے مخصوص ہو۔ اسی طریق پر عرب کے ہر گھر میں ایک بُت ضرور ہوتا تھا۔ اور اُس کی پرستش مختلف طریقوں سے کی جاتی تھی۔ مثلاً

(۱) جب سفر کے لیئے گھر سے چلے تو سب سے آخری کام یہ ہوتا تھا کہ بُت کو سجدہ کر لیا یا اُسکے پاؤں چوم لیئے یا اُسکو ہاتھ لگا دیا۔

(۲) جب سفر سے گھر واپس آئے تو سب سے پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ بُت کو سجدہ کر لیا یا اُسکو چوم لیا۔ یا ہاتھ لگا دیا۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بتوں کے اقسام بھی بیان کر دیئے جائیں:۔

(الف) تصویر والے۔ خواہ یہ پتھر کے ہوں یا لکڑی کے یا کسی دھات کے۔ اُنکی مختلف شکلیں اور قد و قامت ہوتے تھے۔ اور اُنکو "اصنام" کہا جاتا تھا۔ انسانوں کی شکلوں پر

بھی ہوتے تھے ۔ اور جانوروں کی صورتوں پر بھی بعض مشترک صورتوں میں ہوتے بعض خیالی فرشتوں کی صورتوں پر ہوتے تھے ۔

(ب) بلا تصویر - یہ پتھر کے ہی ہوتے تھے ۔ کوئی خوب صورت رنگ کا ہوا کوئی عمدہ ترشا ہوا ، ہوا ۔ کوئی چمک دار ہوا ۔ اِسکو سامنے رکھا اور پرستش شروع کردی ایسے پتھروں کو "انصاب" کہا جاتا تھا ۔

طبری کا بیان ہو کہ مراتب میں اصنام اور انصاب دونوں یکساں ہوتے تھے ۔ دونوں پر قربانیاں دی جاتی تھیں ۔

(ج) تیسرا طریقہ بت بنانے کا یہ بھی تھا کہ : جب کوئی سفر پر جاتا تو چار پتھر اپنے ہمراہ ضرور لے جاتا یا منزل پر پہنچکر تلاش کرکے مہیا کرلیتا ۔ تین پر ہانڈی پکاتا ۔ ایک کو قبلہ بناتا اور پوجنے لگتا "

اگر کسی جگہ پتھر نہ ملتا تو ریت کا ایک تودہ بناتے ، اور ایک دودھ والی اونٹنی لاکر تودے پر اِس طریق سے لاکھڑی کرتے کہ اُسکے تھن اُس تودے پر ہوجاتے ، پھر اُس کو دوہتے ۔ یہاں تک کہ وہ تودہ دودھ سے خوب تر ہوجاتا ۔ جب تک اُس جگہ قیام کرتے اُسکو پوجتے ۔

مقصود اِن تمام باتوں یا طریقوں سے یہی ہوتا تھا کہ عبادت الٰہی میں خیالات و توجہ کو یکسو کرنیکے لیے کوئی چیز بظاہر آنکھوں کے سامنے ہو ۔

اہلِ نجران ایک لمبے درخت کی پوجا کرتے تھے ۔ سالانہ ایک ہجوم ہوتا تھا ، خوشی منائی جاتی تھی ۔ جب مقررہ دن آتا تو اس درخت پر نہایت عمدہ بیش قیمت پارچہ جات لپیٹے جاتے ۔ عورتوں کے زیورات اُسپر آویزاں کیے جاتے ۔ پھر اُسکو پوجتے ۔ اُسپر قربانیاں چڑہاتے تھے ۔

اس درخت کو جب ایک عیسائی نے اُسکے متولیوں سے خرید لیا۔ اور کچھ دن بعد ایک آندھی نے اسکو اُکھیڑ کر گرا دیا تو اُن کی خدائی ہی موقوف ہوئی ٭

بعض کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ "بت گو کسی دوسرے کا ہو۔ مگر اُسکو اپنا کیا جا سکتا ہے"۔ مثلاً "زید" نہایت خوش حال و بامراد شخص ہے اور سب طرح کی اُسکو قدرت ہے جو چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے تو اب دوسرا حاجتمند شخص یہ خیال کریگا کہ کسی طرح اسکا بُت اُڑاؤ۔ یہ بڑا اچھا بت ہے۔ چنانچہ وہ کسی نہ کسی ترکیب سے اُڑا لیا جاتا اور پھر اُسکی نہایت عقیدت کے ساتھ کثرت سے پوجا کرکے اپنا کر لیا جاتا۔ اسپر قربانیاں دے کر اپنا مالکانہ حق قائم کیا جاتا تھا، ٭

اسی تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے کسی بت سے اپنے خلاف منشار کوئی کام یا بات دیکھکر ناراض ہوتے تھے تو اُن کی ہجو کہتے تھے۔ انکو مارتے تھے اور گالیاں دیتے تھے، ٭

امرءالقیس جو اپنی شاعری کے سبب سے ہندوستان میں بھی مشہور ہے جب اپنے مقتول باپ کا انتقام لینے کے لیے نکلا تو ذی الخلصہ کے پاس پانسے ڈالے۔ اتفاق سے قرعہ خلاف ارادہ نکلا، تو امرءالقیس نے بت کو گالیاں دیں اور ایک پتھر اُٹھا کر کھینچ مارا اور یہ شعر پڑھتا ہوا چل دیا ؎

لم کنت یا ذا الخلص الموتورا	اے ذوالخلصہ! اگر میری طرح تجھے صدمہ پہنچا
لم تنہہ عن قتل العداۃ ذورا	تو تو فریب یکر دشمنوں کے قتل سے منع نہ کرتا ٭

مگر ایسا شاذ و نادر ہوا ہے، امرءالقیس کوئی مذہبی آدمی نہ تھا، مذہبی لوگ بتوں کی جسقدر عظمت کرتے تھے۔ اُسکا اظہار انہیں الفاظ میں ہو سکتا ہے کہ وہ اُنھیں اپنا معبود خیال کرتے تھے اور بس ٭

خانہ کعبہ میں، حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کھنچی ہوئی تھی، اُن کے ہاتھ میں استخارہ کے تیر تھے جنکو ازلام کہا جاتا تھا۔ اسی کے قریب ایک بھیڑ کا بچہ لٹکا ہوا دکھلایا گیا تھا۔ غرضکہ قبل اسلام عرب میں جو مذہب سب سے زیادہ قوی تھا وہ یہی بُت پرستی تھی +

ستارہ پرست، خدا پرست، لامذہب، معتقد مذہب الہامی، یہ سب کم زور اور کہیں کہیں تھے، +

لزوماتِ پرستش

لزومات پرستش کا جاننا بھی خالی از دلچسپی نہو گا۔ ذیل میں لکھے جاتے ہیں:۔

(۱) حائضہ عورتیں، بتوں کے قریب نہ جا سکتی تھیں۔ نہ ہاتھ لگا سکتی تھیں +

(۲) سجدہ کرنا +

(۳) خانہ کعبہ کی طرح اُنکے گرد طواف کرنا (یا تصدق ہونا) +

(۴) نہایت تعظیم سے قدموں پر یا کسی اور مقام پر بوسہ دینا +

(۵) نام پر قربانی دینا خواہ کوئی جانور ہو +

(۶) مکھن، دودھ اور عمدہ عمدہ چیزیں اُن پر چڑہانا +

(۷) اونسے لپٹنا +

(۸) اچھے زیورات، ملبوسات نذر چڑہانا +

(۹) بُت کی جانب پشت نہ کرنا، پیٹھ نہ کرنا +

(۱۰) اپنی ہر مویشی کا پہلا بچہ بطور نذر اُن پر چڑہانا +

(۱۱) بتوں کے نام پر جانور آزاد کرنا +

(۱۲) اپنی پیداوار و تجارت میں بحالت نفع ایک رقم معین کرنا +

(۱۴) بتوں کے نام پر خیرات کرنا۔

اب مختصر بیان ختم کیا جاتا ہے۔ یونانیوں کا علم الاصنام دیکھکر مجکو خیال ہوا کہ یہ چیز اہل عرب اور اہل ہند کے پاس بھی تھی اور ہے۔ لیکن عرب کے پاس یونانیوں کی سی تفصیلی کہاں۔ یہاں مذہبی سادگی تھی۔ خیال ہوا کہ انکو ایک مختصر بیان میں جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ ہوا۔ مختلف مقالات و کتب سے لیکر معلومات کے لئے جمع کر دیا گیا ہے مبالغہ اور ذاتی قیاس سے گریز کیا گیا ہے۔

سید ظفر احسن علوی
ناظم دائرۃ الادب دہلی

ایڈیٹر کا حشر ایک عبرت ناک افسانہ ہے مصنفہ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے سابق ایڈیٹر زمیندار۔ قیمت ۲ر

حالات خضر حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے عجیب و غریب اسرار کا مجموعہ مولفہ جناب ملا محمد الواحدی صاحب ایڈیٹر خطیب و نظام المشائخ مع ضمیمہ یادگار خواجہ میر درد حکیم ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی قیمت ۸ر (آٹھ آنہ)

چند دن بعد کیا ہوگا ایک چھوٹا سا اخلاقی رسالہ ہے ضخامت ۳۲ صفحے قیمت ۲ر

شکوہ و فریاد اللہ اور اللہ کے رسول سے راز و نیاز کی باتیں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم۔ اے اور مولانا سیماب کی دو مشہور نظمیں ضخامت ۳۲ صفحے قیمت ۲ر

کہانیوں کی پہلی کتاب جناب مولوی حکیم غلام غوث صاحب نے اس میں سبق آموز اخلاقی اور سچی کہانیاں درج کی ہیں لوگ اپنے بچوں کے لئے اسے ہاتھوں ہاتھ خریدتے ہیں۔ آپ بھی ضرور منگائیے۔ قیمت صرف ۱ر

عرس نامہ اس میں جناب ارشاد اکبر آبادی مریدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے نامور بزرگان دین کے مدفن اور تاریخ عرس کا بیان کیا ہے۔ اور دعائیں اور اولیائے کرام کے مناقب درج کئے ہیں، نظامیہ چشتیہ قادریہ کے شجرے نظم کر کے لکھے ہیں حضرت خواجہ صاحب کے مریدین کو لازم ہے۔ کہ اس کی ایک کاپی ضرور اپنے پاس رکھیں دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہ مفید چیز ہے۔ قیمت ۴ر

عقائد صوفیہ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے عربی رسالہ کا اردو ترجمہ ہے جس کے ساتھ عربی متن بھی شریک ہے

دلی کی عید غدر سے پہلے کیسی ہوتی تھی اور اب کیسی ہوتی ہے۔ قیمت ۱ر

زہر عشق نہایت دردناک مثنوی ہے جس کے اندر عشق بازی کی حیرت انگیز و عبرتناک انجام کا فسانہ ہے کہ اعتبار شاعری یہ مثنوی بہت اعلیٰ درجہ کی ہے جس میں ستم کے مارے عاشق و معشوق کی قبر کی تصویر بھی دی ہے۔ قیمت ۴ر

آئینۂ قیامت اس کتاب میں واقعہ کربلا کو نہایت معتبر اور درد انگیز پیرایہ سے بریلی کے ایک مشہور عالم نے لکھا ہے۔ نظم بھی ہے اور نثر بھی۔ قیمت صرف ۴ر

ذکر رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح حالات اور اعلیٰ درجہ کی نعتیہ غزلوں کا مجموعہ ہے ۴ر

حقیقت السماع گانا سننے کے ثبوت میں حضرت شہاب الدین احمد بن غزالی کا مشہور رسالہ ہے ۴ر

تحقیق السماع اس کتاب میں بھی ایک مشہور چشتی عالم نے حدیثوں سے گانا سننے کا ثبوت لکھا ہے ۴ر

تنقید لطیف بر خیالات ظریف پروفیسر محمد ظریف کے دہریانہ خیالات کی تردید ہے جس سے اسلامی عقائد عقلی دلیلوں سے ثابت ہوتے ہیں۔ قیمت ۴ر

شمائم امدادیہ تصوف کی ایک زبردست کتاب ہے۔ قیمت ۴ر

تائید الاسلام اردو یہ کتاب ترک اسلام کا نہایت مدلل جواب ہے۔ قیمت ۴ر

تذکرۃ الرشید محدث اعظم جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی مکمل کیفیت زندگی ہے جس میں ان کی غدر ۵۷ء میں گرفتاری و حراست کے حالات نہایت موثر ہیں پڑھنے سے خیر و برکت کا تذکرہ ہے۔ قیمت بغیر جلد ۲ مجلد ۲ر

زیارات الشام اس سفرنامہ میں مصر اور بیت المقدس، دمشق، مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، بغداد، کربلائے معلی وغیرہ مقامات میں سفر کرنے کا ہدایت نامہ دو سائز پر ہے۔ ایک چھوٹا جیبی اور ایک بڑا۔ تذکرۂ مقامات کی چشم دید کیفیت نہایت دلچسپ ہے قیمت ۸ر

التذکیر مشہور واعظ جناب مولانا اشرف علی صاحب کے وعظوں کا مجموعہ تین حصوں میں ہے گھر بیٹھے وعظ سنتا ہو تو یہ کتاب دیکھئے۔ قیمت ہر حصہ ۸ر

امداد السلوک تصوف کی نہایت نفیس کتاب ہے۔ قیمت ۴ر

قول الصواب عورتوں کے پردے کے متعلق تمام اسلامی احکام قیمت ۴ر
اعمال سورہ مزمل طریقہ زکوٰۃ کے ساتھ نہایت مجرب اعمال جمع کئے گئے ہیں قیمت ۴ر
فتاوی اشرفیہ جناب مولانا اشرف علی صاحب کے فتووں کا مجموعہ قیمت ۸ر
اعمال سورہ یٰسین محبت و عداوت اور تمام مقاصد دارین کے لئے اعمال ہیں قیمت ۴ر
اعمال آیت الکرسی اس مجموعہ میں آیۃ الکرسی کے علاوہ نادعلی کے اعمال بھی ہیں قیمت ۴ر
حل مشکلات نام سے ظاہر ہے کہ مفید اعمال کا مجموعہ ہے قیمت ۲ر
دوائے دل سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ محمد چشتی کی کتاب تسنیم الاداد کا اردو ترجمہ ہے ۴ر
دعائے سریانی اس میں دعائے سیفی اور تعویذ و نام بھی ہیں قیمت ۴ر
خواص سورہ ہائے فرقان تمام قرآن شریف کی سورتوں کے خواص و فوائد ہیں قیمت ۲ر
عجائب البیان اسمیں بھی فضائل و فوائد و خواص قرآن شریف ہیں قیمت ۴ر
جواہر خمسہ کلاں۔ اعمال کی مشہور کتاب ہے۔ بڑی کی قیمت عہ اور چھوٹی کی قیمت ۵ر
اعمال سورہ قل ہو اللہ، سورہ اخلاص کے اعمال مجربہ کا مع طریق زکوٰۃ با موکل عجیب مفید مجموعہ ہے ۲ر
اعمال سورہ فاتحہ اس مجموعہ میں سورہ الحمد شریف کے نہایت مجرب اور دین و دنیا کی ہر ضرورت کے واسطے اعمال اور ان کے طریقے ہیں۔ قیمت ۳ر
سوانح عمری کلاں خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے حالات زندگی قیمت ۱ر
فضائل غوثیہ حالات حضرت غوث الاعظم رضہ قیمت ۲ر
سوانح عمری حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح قیمت ۸ر
حیات فریدی حالات حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رح ۲ر
شواہد نظامی سوانح عمری کلاں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قیمت ۱۰ر
اردو تاریخ عالم جسمیں تمام آسمان و زمین اور کل پیغمبروں اور سب نامور بادشاہوں کا تاریخی

نیز دنیا کے تمام عجائبات کی دلچسپ کیفیت ہے۔ قیمت ۱۲؍

تاریخ اسپین اردو مولوی محمد احمد صاحب جج برادرزادہ سر سید نے اس کتاب کا ترجمہ انگریزی سے کیا ہے۔ تمام ملک اسپین کے اسلامی عروج و زوال کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے تقریباً نو سو صفحے کی کتاب ہے پہلے اس کی قیمت للعہ تھی اب صرف عا ر مجلد کی قیمت ۲؍

فلسفہ شہادت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا مشہور رسالہ ہے۔ کئی دفعہ چھپا۔ اب پھر تیار کرایا ہے جس کو ضرورت ہو منگالے۔ قیمت ۲؍

دیوان غرۃ الکمال سلطان الشعرا حضرت امیر خسرو کے نایاب چیدہ چیدہ قصائد غزلیات قطعات رباعیات مطائبات، چیستان وغیرہ کا مجموعہ ہے قیمت ۱۲؍

یہ سب کتابیں منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجئے

مرد زندہ کرنے کی مشین

المعروف بہ عجیب اکسیر قوت یعنی گولیاں خوراک کی روشنی طلائی ۔ مشمولہ ہم

سستی، کمزوری، ضعف قوت مردی، بچپن کی غلط کاریوں کے بد نتائج، سرعت و رقت، ضعف دل و دماغ و جگر کی خرابیاں، خون، ضعف گردہ و مثانہ، ضعف اعصاب، درد کمر، دل کی دھڑکت، دل و براز، ذیابیطس، جریان وغیرہ وغیرہ کی دنیا بھر میں ایک نہایت تیر بہدف تریاق کامل شرطیہ حکیمیہ مفید داخلی دوا ثابت ہوئی ہے ہزاروں لوگوں نے جو صد ہا امراض میں مبتلا ہو کر بظاہر زندہ مگر بے جان ہو رہے تھے ہر طرح علاج کر کے مایوس ہو چکے تھے ان کو اس دوا سے پورا آرام ہو گیا۔ گویا وہ دوبارہ زندہ ہو گئے یہاں تک کہ انگریزوں، مہاراجوں، ڈاکٹروں، حکیموں نے منگوایا۔ اور مفید پایا۔ ہر موسم ہر طبیعت ہر ملک میں مفید بے ضرر ہے۔ اگر آپ بھی خدانخواستہ ان امراض میں مبتلا ہیں تو ہم یقین سے کہتے ہیں۔ کہ اس عجیب **اکسیر قوت** کو بھی استعمال کر کے شرطیہ لوہے کی لاٹھ ہو جائیں۔ یہ دنیا بھر کی چوٹی کی بے ضرر مقوی و بہی دوا ہے۔ اگر باقاعدہ استعمال سے فائدہ نہ ہو تو قیمت واپس قیمت ۵ مگر خریداران نظام المشائخ سے ۴ پتہ **حکیم دوست محمد خاں** مالک کارخانہ اکسیر ماندہ ضلع ہوشیارپور

دو نایاب گوہر

اکسیر دماغ

دماغی اور دماغی ریاضت کرنے والوں کے لیے ایک نایاب تحفہ ہے۔ جو پیٹ کے اندر پہنچتے ہی دماغی رگ پٹھوں کی مقناطیسی جاتی ہے۔ دماغ کی گرمی۔ خشکی۔ کمزوری۔ چہرے کی بے رونقی۔ درد سر۔ چکر آنا۔ اٹھتے بیٹھتے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جانا۔ کھانسی۔ نزلہ۔ زکام دائمی۔ آنکھوں اور ناک سے پانی بہنا۔ وحشتناک خواب دیکھنا۔ طبیعت کا متفکر رہنا وغیرہ وغیرہ

آنکھوں اور دماغ کی بیماریوں کو یہ معجون جڑ سے کھو دیتی ہے۔ لذیذ اور خوش گوار ہے۔ طلبا کے لیے بھی ایک اکسیر اور بمنزلہ آب حیات ہے ایک ڈبیہ میں دس روز کی خوراک معہ قیمت معہ محصولڈاک وغیرہ سوا روپیہ (عہ) ہے۔

عطاری

اس نایاب کتاب میں یونانی مرکبات الطریفل۔ معجونیں۔ اچار۔ مربے۔ جوارشین۔ روغن۔ عطر۔ خمیرے۔ شربت۔ عرق۔ حبوب۔ لعوق۔ سفوف۔ قرص۔ تیزآب۔ رُب۔ مار اللحم۔ یسی۔ وغیرہ تیار کرنے کے لیے مجرب المجرب اور کارآمد نفع بخش نسخے درج ہیں۔ علاوہ ازیں مصنوعی اشیاء۔ مثل شہد۔ موم۔ کافور۔ زعفران۔ کستوری۔ رسوت۔ عنبر۔ شنگرف۔ کوئین۔ سرکہ۔ دارچکنا۔ رسکپور۔ زنگار۔ سندھور۔ سفیدہ۔ سہاگہ۔ تلوطیا۔ کسیس وغیرہ بنانے کی صحیح ترکیبیں اور مشک۔ عنبر اور کافور وغیرہ کے بنانے کی صحیح ترکیبیں۔ اور مشک عنبر اور کافور وغیرہ کے اصلی نقلی کی شناخت الغرض سوا دو سو کے قریب ایسے نسخے لکھے ہیں جن کی کامیاب عطاروں کو ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ تعداد صفحہ ۸۰ کاغذ سفید عمدہ۔ قیمت فی کتاب معہ محصولڈاک وغیرہ ۱۲؍

نوٹ۔ کتاب تحفۃ المشتاق قیمتی ۴؍ خریدار کو اس کے ہمراہ مفت ملتی ہے۔

پتہ۔ فیض چشتی دینا نگر ضلع گورداسپور

کلورا ڈائن

یہ انگریزوں کی ایک خانگی دوا ہے۔ ہیضہ کی درد و مروڑ۔ خواہ کسی صورت سے اسکی ایک ہی دو خوراک سے جاتی ہے۔ آؤں دست اور پیچش کے لئے یہ نہایت مفید ہے۔ ڈاکٹر برمن نے انگلینڈ کے ایک نامی دوا خانے سے بنوایا ہے۔ اور دیگر کلوراڈائن سے کہیں بہتر ہے۔ اس لئے بازاری کلوروڈائن کو نہ خریدیں۔ قیمت ۸ر اور ایک درجن کے چار روپے محصولڈاک ۵ر

دانت کے درد کی دوا

لگاتے ہی ستاتی ہے درد کو ہٹاتی ہے۔ ایک باریک و مضبوط تنکے یا سینک کے سرے پر روئی لپیٹ کر اسے دوا میں ڈبو کر ہلکے ہلکے درد کے مقام پر لگائے۔ اور اگر دانت کی جڑ میں درد ہو۔ تو تھوڑی سی روئی ڈبو کر اسمیں بھر دیں۔ فوراً درد بند ہو جاتا ہے۔

جلدی بیماری کی دوا

یہ تیل کئی ایک مفید دیسی اور ولایتی اسپتال کی تجربہ کی ہوئی دوائیوں سے بنایا گیا ہے۔ اس سے ہر اقسام کی جلدی بیماری یعنی چمڑے کا مرض مثلاً خارش کھجلی بچاجن ابرس وغیرہ رفع ہوتے ہیں۔ برس سے خراب ہوئے چمڑے میں یہ اچھا فائدہ دکھلاتا ہے۔ اس حالت میں تیل لگانے سے پورا نفع نہیں ملتا۔ اسوجہ سے تیل لگانے کے ساتھ ہی خون صاف کرنے والی دوا ایڈو ڈاکیر ڈسالسہ بھی حسب ہدایت استعمال کرنا چاہیئے۔ قیمت فی شیشی ۸ر محصولڈاک ایک سے چار تک ۵ر سالسہ قیمت ۱؎ر محصول ۶ر

نوٹ ادویات ہر جگہ دوکانداروں اور دوا فروشوں سے مل سکتی ہیں۔ ہمارے کارخانہ سے منگائیو

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ

پہلی

یمین

یسار

لوح مبارک

مزار پُر انوار سرور کائنات

خلاصہ موجودات حضرت محمدؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لوح مزار
ام المومنین حضرت
بی بی خدیجہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہا

لوح مزار
سیدنا حضرت
علی اکبر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ

قبروں کے غیبی نوشتے

لوح مزار
سیدنا حضرت
علی رضی اللہ
تعالےٰ عنہ

لوح مزار
سیدنا حضرت
علی اصغر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ

جنکو

سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

کی

نظر حال نے پڑھ کر لکھا ہے

لوح مزار
حضرت بی بی
فاطمہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہا

لوح مزار
حضرت بی بی
شہر بانو رضی
اللہ تعالیٰ عنہا

لوح مزار
حضرت امام
حسین رضی
اللہ تعالیٰ عنہ

لوح مزار
فدائی رسول
حضرت بلال رضی
اللہ تعالیٰ عنہ

منیجر نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

قیمت ۸ر

لوح مزار
حضرت بی بی
زینب رضی اللہ
تعالیٰ عنہا

لوح
قبر
فقیر
حسن نظامی عفی عنہ

لوح
یزید

لوح
ابو لہب

لوح
ابو جہل

لوح
ابن زیاد

لوح
شمر

لوح
عمر سعد

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۲۷

رجب ۱۳۲۵ھ

جلد ۱

قسم سوم

نظام المشائخ

قسم سوم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روحانی تسلی و تسکین کا ماہواری پیام

مذہب، اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ

جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب خواجہ زادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقرا محمد الواحدی دھلوی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک عہ ششماہی ۸؎

مقام اشاعت دارالسلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دھلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

آجکل
نظام المشائخ دوہرا

نکل رہا ہے اور روز بروز اسکی اشاعت میں ترقی ہے مشتہرین ضرور اپنے اشتہار اسمیں درج کرا کر فائدہ اٹھائیں

نرخ نامہ

مقدار	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
¼ صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
نصف صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
پورا صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

نظام المشائخ کے قواعد وضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو جو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری رحہ کا یوم عرس ہے شائع ہوتا ہے۔ مضامین اسمیں مذہبی، اخلاقی، اصلاحی مگر سب صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تحریروں میں انشاپردازی اور دیگر دلچسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر رسالہ ۶ تاریخ تک نہ پہنچے تو دیر سویر کا خیال کرکے دس بارہ تک انتظار کیجئے۔ اسکے بعد فوراً اطلاع دینی چاہیئے۔ کیونکہ زیادہ زمانہ گزرنے پر شاید پرچہ ختم ہو جائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو۔ براہ عنایت چوتھی ماہ ہلالی سے پہلے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں۔ ورنہ پرچہ نہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاک خانہ کو کردینی کافی ہے (۴) خط و کتابت میں اپنا نام و پتہ نہایت صاف خوشخط لکھیئے۔ اور خریداری کا نمبر ضرور بتائیے جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجئے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

نظام المشائخ

نمبر ۱ | بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۳۵ھ ہجری | جلد ۷

فہرست مضامین

[1] یہ کتاب ایک ایک جزو کر کے چار نمبروں میں ختم ہوگی ۔ (ایڈیٹر)

پیپر ریلیف فنڈ — گرانیٔ کاغذ کا مقابلہ

الحمد للہ میری تحریک کو ناظرین نظام المشائخ نے قبول کیا اور کئی حضرت نے ۸ ر سے زیادہ رقمیں بھیجی ہیں مثلاً جناب عبد الرحمن صاحب اسسٹنٹ انجنیر مردان (سرحد) ہے ؛ جناب مولوی سعید الرحمن صاحب کا نپور ہے۔ آٹھ آٹھ آنے ادا کرنے والے اصحاب کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں

جناب چودھری سلطان سکندر خان صاحب کاہنہ کا چھہ	جناب اسمٰعیل بٹ صاحب ہیڈ کلرک عملی گھرامرتسر
جناب بابو محمد حسین صاحب آ سر ستوڈنٹ - پنڈی بہاؤالدین	جناب عبد الرحمن خانصاحب منشی مدرسہ عثمانیہ بلارم
جناب سپرنٹنڈنٹ بنک میندارہ ڈاکخانہ رانوت	جناب عبد الحق صاحب مسجد کوچہ قاصدان امرتسر
جناب محمد لیاقت صاحب طالب علم حیدرآباد دکن	جناب بابو بدر الدین صاحب انسپکٹر آف ورکس ریکو نیون
جناب منشی نیاز علیخان صاحب قائم سوہن لعل گنج لکھنو	جناب علی بخش صاحب بانگی بمبئی
جناب میر محمد صاحب اجلاس بابو بشن ناتھ پرشاد بنارس	جناب مقبول خانصاحب خانساماں بنوں
جناب محمد عبد العظیم صاحب تاجر دری گورکھپور	جناب رحمت علی خانصاحب گماشتہ کوٹھی افیون کانپور
جناب منشی محمد خان صاحب معرفت وحید خانصاحب	جناب عبد الکریم فقیر محمد صاحب انسپکٹر پولیس بروچ
جناب عبد القیوم صاحب امرادتی کیمپ	جناب من خانصاحب مین پور
جناب مولوی عبد الغفار صاحب سکندرآباد	جناب سید وحید الدین صاحب این کرور گیری سیلو
جناب محمد رحمت اللہ صاحب مدرس فارسی پونہ	جناب محمد فرید خانصاحب بی اے ناگپور
جناب عزیز بخش صاحب زیرہ ۔ فیروزپور	جناب آنریری سکریٹری صاحب اجمیر شریف
جناب منشی احمد حسین صاحب بلاری	جناب جعفر کریم صاحب اندور
جناب محمد عبد الغفور صاحب ہیڈ بانکا بھاگلپور	جناب سید محمد مسعود صاحب فیض آباد بستی
جناب منشی غلام غوث صاحب	جناب منشی ننھے خانصاحب انبالہ
جناب محمد احسان علی صاحب جے پور	جناب عبد القوی صاحب ناگپور

جناب محمد عزیز اللہ صاحب قصبہ فرخ ۔ ضلع متھرا

نظام المشائخ

وحدانیت اور بُت پرستی

خداکو ازلی وابدی مان کر بھی یہ سوال زیر بحث آجاتا ہے:-

"وحدانیت یا خداپرستی کے بعد بت پرستی کی نوبت آئی"

یا "بت پرستی سے خداپرستی کا رستہ نکلا"؟

اگر ہم اس تھیوری پر یقین کریں جو ڈارون اور دیگر بعض فلاسفروں نے پیش کی ہے تو کہنا چاہیئے کہ انسان شروع میں جس طرح خود بڑھتے بڑھتے درجہ انسانیت پر فائز ہوگیا۔ اسی طرح اُسکے جذباتِ خداپرستی نے بھی ترقی پائی ہے +

اگر انسان پہلے کچھ کا کچھ تھا۔ تو اُسکے مذہبی یا معادی خیالات بھی کچھ کے کچھ تھے

اور جیسے اُسنے رفتہ رفتہ مختلف حقائق کائنات سے علمی اور عملی رنگ میں واقفیت حاصل کی ہو ویسے ہی بتدریج وہ خدا اور اُسکی وحدانیت سے بھی آشنا ہوا۔ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ جب انسان نے ہوش سنبھالا۔ یا جب وہ پہلی حالت میں تھا تو اُس نے چاروں جانب عجائبات کا ایک مجموعہ دیکھکر یہ کوشش کی کہ اُن میں سے بعض چیزوں اور بعض طاقتوں کا سہارا تلاش کرے یا اُن پر ایک قسم کا اعتقاد رکھے۔ کیونکہ اُسکی فطرت میں یہ ولولہ تھا کہ :۔

"کوئی ہستی اِس سے اعلیٰ تر بھی ہونی چاہیئے۔ جو باعتبار عظمت وقوت اُسکا تکیہ گاہ یا اُسکا معبود بنے" ۔

"کاروبار دنیوی اور زندگی کے مخمصوں سے جب اُسے فرصت ملے یا جب مہمات امور میں کسی کی مدد کی اُسے ضرورت ہو تو وہ اُسکی طرف رجوع لائے" ۔

یہ جذبات و خیالات انسان کے دل و دماغ میں اسلیئے متموج ہوئے کہ وہ اپنے ماحول کو دیکھ دیکھ کر سوچتا تھا کہ اتنا بڑا کارخانہ بغیر کسی اعلیٰ طاقت کے وجود پذیر ہونا ممکن نہیں۔ یقیناً کوئی اسکا خالق ہو۔ اور وہی افکار و حوادث میں ہماری تسکین کا باعث ہو سکتا ہی ۔

یہی باتیں انسان کی طبیعت میں بہ اختلاف مدارج آجتک پائی جاتی ہیں۔ آپ کسی بچے کو لیجئے اور اُسکی کیفیات پر غائر نظر ڈالیئے۔ اُسکی نگاہ ہمیشہ اپنے ارد گرد کی اشیاء پر حیرت سے پڑے گی۔ اور وہ عقل دوڑائے گا کہ :۔

"یہ چیزیں کس طرح بنی ہیں" ۔

"اِن میں خالق کون سی ہے" ۔

"میں کس کس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہوں" ۔

"کون سی شئے یا کون سی طاقت بیا بر اعتماد ہے" ۔

لازمی ہے کہ ان سب کی کوئی نہ کوئی علت ہو"

ہر بچے کے دل و دماغ میں اس قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں بچے کی طبیعت میں امید اور حوصلہ کے ساتھ ایک قسم کی دہشت اور دور بینی بھی ہوتی ہے۔ یہ دہشت اور یہ دور بینی بچوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ان اردگرد کی اشیاء میں سے کسی کو اپنا سہارا قرار دیں۔ بچے کا انتخاب اکثر صاف اور روشن یا صحیح نہیں ہوتا۔ وہ غلطی کرتا ہے اور آخر تجربہ اور مشق کے بعد اس پر اسکی گرہیاں کھل جاتی ہیں۔ اسکی ذہنی رفتار ٹھیک اور تیز ہوتی جاتی ہے۔ اور ایک وقت وہ کسی صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا ہے +

حساب میں طالب علم اول اول غلطیاں کرتے ہیں۔ اور سوال ٹھیک نہیں نکال سکتے لیکن مشق اور تجربے کے بعد سوالات کے جواب درست نکلنے لگتے ہیں اور انہیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ:-

اصل گر صحیح جواب نکلنے کا کیا ہے؟

جس طرح سے زبان نے آہستہ آہستہ ترقی کی ہے اور جس طریقے سے دنیا کی تمام چیزیں رفتہ رفتہ ترقی یاب ہوئی ہیں۔ اسی طرح خدا پرستی کا باب بھی بتدریج کھلا ہے مدتوں انسان توہمات میں رہکر اصنام پرستی پر آیا۔ پھر ٹھیر ٹھیر کر وحدانیت اور خدا پرستی تک پہنچا۔ باوجودیکہ خدا موجود ہمیشہ سے تھا مگر انسان نے اُسے یکایک نہیں پہچانا۔ جیسا کہ اس زمانہ میں حکمت اور سائنس کی جو جو دریافتیں ہوئی ہیں وہ بطور علت سبب بے وجود کبھی بھی نہ تھیں۔ لیکن ان علل اور نسبتوں کے ظاہر ہونے کی نوبت ابھی آئی ہے اور اب ہی انسان ان مخفیات سے مستفید ہوا ہے +

خدا پرستی یا خدا شناسی کی نوبت اُسوقت آئی جب انسان زوال پذیر عجوبات اور طاقتوں کی پرستش کرتے کرتے تھک گیا۔ اور اُسے پتہ لگ گیا کہ اُن کی ہستی تو خود اُس سے بھی کمتر ہے اور بمقابلہ اُن سب کے خود اُسکو ایک شرف حاصل ہے +

اگرچہ انسان عجائب پرست ہی۔ مگر جب اُس پر کسی شئے اور کسی عجوبہ کی کیفیت اور کمزوری کہل جاتی ہے تو وہ اُسکے ترک پر بہی مستعد ہو جاتا ہی۔ جن جن اقوام میں ایک خصوصیت کے ساتھ توہم پرستی اور بت پرستی کا کسیوقت زور تہا وہ قومیں عرصہ دراز کے بعد اُس سے مجتنب ہو گئیں۔ اور خدا پرستی یا خدا شناسی پر آگئیں +

اگر اتفاقی رنگ میں اوپر کی توجیہات دیکہی جاویں تو بادی النظر میں یہی ماننا پڑے گا کہ:۔

"ایک عرصہ کے بعد بت پرستی یا توہم پرستی کرتے کرتے انسان خدا شناس ہوا ہے پہلے پہل وہ عجائب پرست ہی رہا ہے"۔

"خدا پرستی یا خدا شناسی کا نور اُس وقت چمکا جب انسان ایک بڑی حد تک بہٹک چکا"

یہاں کر فوراً ہمارے دل و دماغ میں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا۔ "خدائے کریم نے انسان کو پیدا کرکے یوں ہی چہوڑ دیا۔ اور اُس کی فطرت میں خدا شناسی کا مادہ نہ رکہا؟"

"اور اس وجہ سے بہت سی انسانی نسلیں ظلمت اور گمراہی میں رہیں اور اُن کا انجام نیک نہ ہوا"+

جب ہم دوسری طرف ذات صمدی کو نور اور سراسر نور مانتے ہیں تو ہماری سمجہہ میں نہیں آتا کہ کیسے ہمیں پیدا کرکے اِس ظلمت اور گمراہی میں ڈال دیا گیا۔ اور عرصہ دراز کے بعد کس لیئے راہ دکہائی؟

یہ گمان خدا کی نسبت درست نہیں معلوم ہوتا۔ خصوصاً جب ہم دوسری طرف پاتے ہیں کہ ہمیں پیدا ہونے کے ساتھ ہی فطری تمیز اور عقل و فراست اور ذہن دیدیا جاتا ہی گو یہ قوتیں ہی رفتہ رفتہ ترقی پذیر ہوتی ہیں۔ لیکن دی تو جاتی ہیں ازل ہی۔ پہر کیسے ممکن ہے کہ خدائے عادل و رحیم نے ہمیں شروع میں ہی خدا شناسی کا مادہ نہ بخشا ہو اور ہم محض اپنی کوشش سے اُس تک پہنچے ہوں۔ یہ خیال ایک کفران نعمت ہی اُس قادر

مطلق نے ہمیں جس طرح اور قوتیں اور جذبات فطرتاً دے رکھی ہیں۔ اُسی طرح خداشناسی اور خداپرستی و وحدانیت کا جذبہ بھی فطرتاً ہی دے رکھا ہے۔ انسان کی فطرت میں ہی یہ جوہر خداشناسی موجود ہے۔ پیدا ہونے کے ساتھ ہی نہ اس جذبہ سے کام لیتا ہے۔ اور شروع ہی سے اُسکی طبیعت میں یہ ولولہ موجود ہوتا ہے۔ بت پرستی کے بعد وہ رفتہ رفتہ خداپرستی۔ وحدانیت اور خداشناسی کی جانب نہیں آیا بلکہ شروع میں ہی وہ اپنے دل ودماغ میں یہ خیال اور یہ ولولہ رکھتا تھا۔ اور قوائے اندرونی کے ساتھ ہی یہ قوت اور یہ جذبہ بھی اُسکو دیا گیا تھا۔

آفتاب وحدت شروع ہی میں اُسپر طلوع ہوا اور چمکا اور قدرت نے اُسکو اس سے اور اُس کی ضرورت سے آشنا کیا۔ اور پھر وہ خارجی فریب دہ اسباب کی پیروی سے رفتہ رفتہ بُت پرستی کی طرف آتا گیا۔ اور بُت پرست یا توہم پرست بن گیا۔

یہ کہنا کہ یہ عمل یا یہ صورت اصول ارتقائی کے خلاف ہے اور ایسا ہو نہیں سکتا ایک غلط خیال یا پُر فریب اجتہاد ہے۔ اور اس اجتہاد کی تصدیق اور تائید اُس قدرت کاملہ کے منافی ہے جو ہم پر ہر ایک پہلو سے روشن ہے۔

قطع نظر تمام صحف آسمانی اور کتب مذہبی کے عقلاً بھی یہ ثابت ہے یا ثابت ہونا چاہیئے کہ خداشناسی اور وحدانیت کا خیال انسان کی فطرت میں ہی ڈالا گیا ہے۔ اب یہ سوال ہو کہ کیوں لوگ بت پرست یا توہم پرست ہو گئے یا اب بھی ہو جاتے ہیں؟ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ کمزوری اور گمراہی صرف مذاہب میں ہی نہیں ہے۔ انسان کے ہر ایک کام میں پائی جاتی ہے۔ انسان کی فطرت اس بات کی مؤید نہیں ہے کہ:۔

ایک شخص دوسرے شخص کی تکلیف کا باعث ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو لازم ہے کہ دکھ دینے والا یا مجرم اُس وقت بھی خاموش رہے جب اُسکے مقابلہ میں کسی جرم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ ایک مجرم کا اپنے مقابلہ میں ارتکاب یا اقدام جرم دیکھ کر

خاموش نہ رہنا دلیل ہے اِس بات کی کہ انسان فطرتاً ہی جرائم اور ارتکاب و اقدامات سے متنفر ہے۔ پھر لوگ ایسے کیوں ہو جاتے ہیں۔ کیا انسان کی فطرت میں ہی ایسا مادہ رکھا گیا ہے؟ نہیں۔ انسان کی فطرت تو صاف واقع ہوئی ہے وہ تو ایسا نہیں چاہتی لیکن جب انسان کی طبیعت پر غبار آجاتا ہے تو وہ ایسا بن جاتا ہے۔ ایک بچہ الگ رکھکر دیکھہ لو۔ وہ اگرچہ اور باتوں میں کمزور ہوگا مگر جرائم کی بابت اُسے کوئی علم اور کوئی حوصلہ نہوگا۔ نہ تو وہ چوری سے آشنا ہوگا۔ اور نہ سرقہ و رہزنی سے اور نہ ڈاکہ سے نہ غمازی سے اور نہ فتنہ و شرارت سے۔ بیشک وہ بدخو ہوگا۔ بے رحم ہوگا وحشیانہ مزاج ہوگا۔ لیکن انسانی جماعتوں میں جو جرائم سرزد ہوتے ہیں۔ اُن سے وہ ایک بڑی حد تک ناآشنا ہوگا۔ اِس کی وجہ سوائے اِسکے اور کیا ہوسکتی ہے کہ اُسکی فطرت اور مقتضیات فطرت اُس وقت تک صاف اور غیر آلودہ ہو رہے ہیں۔

یہ تمثیل ظاہر او ثابت کرتی ہے کہ:-

انسان کی فطرت بالکل صاف اور روشن ہوتی ہے۔ بعد میں اردگرد کے غبارات سے اُسپر غبار آجاتا اور وہ آلودہ یا مکدر ہو جاتی ہے۔ جو انسان شروع میں پیدا ہوا یا جو انسانوں کا مورث ہے۔ اُسکی فطرت میں وحدانیت اور خدا پرستی و خداشناسی کا جوہر ضرور رکھا گیا تھا وہ اِس سے بے بہرہ اور ناآشنا نہ تھا۔ فطرتاً ہی وہ خداشناسی کی طرف جا رہا تھا۔ اور خدا کا جویاں اور پرستار۔ پھر جنی آلودگیوں اور غبارات سے وہ توہمات میں پھنس کر بت پرست یا ستک بن گیا۔ اگر اُس کی طبیعت میں خداشناسی اور خدا پرستی نہیں ہے یا نہیں تھی تو وہ کیوں نہ رہ کر اِس طرف آتا اور یہ راہ لیتا ہے۔ اِس واسطے کہ وہ اپنی فطرت میں ہی یہ ولولہ اور یہ مادہ رکھتا ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ:-

اردگرد کے غبارات اور آلودگیاں اُسپر غالب آسکتی ہیں اور وہ اِس خاصہ کو قائم رکھنے پر بعض اوقات قادر نہیں ہوسکتا۔ اب ہم بالفاظ دیگر یہ کہیں گے کہ جس جس رنگ میں

بت پرستی یا توہمات عقیدت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اُن سب میں خدا کی ذات یا خداشناسی کی روح تو پائی جاتی ہے۔ ایک بت پرست بھی اخیر پر کہہ اٹھتا ہے کہ میری بت پرستی یا میرے بت صرف ایک ذریعہ پرستش یا عبادت میں یہ ایک آئینہ ہیں جن میں اُس ذات کا عکس پاتا یا شائبہ دیکھتا ہو کہ جو ایک پر فریب ہستی ہو۔ اور جو اخیر تک نادیدہ ہے۔ چونکہ انسان یا انسان کا دل و دماغ ہمیشہ ایک سہارا اور ذریعہ ڈھونڈھتا ہے۔ اس واسطے طمانیت قلب کے واسطے اُس نے یہ بت تراش لیئے ہیں۔ ورنہ مدعا اور غرض وہی ذات ہے۔ ایک دہریہ اور ایک ناستک جو بظاہر خدا یا خدا کی ہستی کا انکار کرتا ہے وہ بھی دہر میں ایک موثر کا معترف ہے۔ اور ایک اعلیٰ طاقت سے انکار نہیں کرتا۔ اُسکے عقیدہ میں بھی خدا کی ذات ملی جلی ہے۔ جب ان صورتوں میں بھی اُس ذات کا تماشا ہورہا ہے تو پھر یہ کیوں نہ کہا جاوے کہ :-

"انسان کی فطرت میں ہی خداشناسی کا مادہ رکھا گیا ہو۔ اور انسان فطرتاً ہی خداشناس ہے"

"ہر رنگ میں اس کا ثبوت فطرت دے رہی ہو۔ اور اس سے گریز نہیں کرتی"

اس سے ثابت ہوا کہ "وحدانیت یا توحید مقدم ہے"

"خدا شناسی اور خداپرستی فطرت انسان میں ہے"

"بُت پرستی کی نوبت بعد میں آئی۔ اور وہ بیرونی غبارات کا اثر ہے"

"اور اس میں بھی خداپرستی اور خداشناسی اور وحدانیت کا جزو خارج نہیں"

اور مصداق آیہ کریمہ کان الناس امۃ واحدۃ سب کے سب پہلے خداپرست اور خداشناس ہی تھے۔

سلطان احمد

مضمون

ہماری فاقہ مستی

بے شبہ سچی عزت اور حقیقی شرف علم کے بغیر ناممکن ہے۔ مگر اسکے ساتھ ایک اور مسالے کی بھی ضرورت ہے۔ جسکے بغیر اکیلا علم ذریعہ عزت نہیں ہو سکتا۔ وہ کیا؟

مرا بہ تجربہ معلوم شد پس از سی سال   کہ قدر مرد بعلم ست و قدر علم بہ مال

یعنی ایک نکتہ رس کا تیس سالہ تجربہ ہے کہ علم آدمی کے لیئے جبھی باعث قدر و منزلت ہو سکتا ہے کہ اُسکے ساتھ تمول و دولتمندی بھی ہو۔ ایک مالدار آدمی جو اقتصادی حیثیت سے ارباب اموال کا مرجع ہو۔ اور تجارت کی منڈیوں میں اُسکے نام کا سکہ چلتا ہو۔ اور بیسیوں محتاج اُس کے دروازے سے روزی پاتے ہوں۔ وہ جو سوچیگا۔ جو تجویز نکالے گا۔ اور جو مضمون لکھیگا لوگ اُسکو آنکھوں سے لگائینگے۔ بخلاف اُس فاضل اجل کے جس کی گزراوقات امامت مسجد کی تنخواہ یا واعظانہ پیشہ میں محدود ہو۔ وہ خواہ غزالی و رازی کا نمونہ ہی کیوں نہو۔ اُسکے بیان کا اثر منبر وعظ سے ایک بالشت بھر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

یہ تو صرف تیس سال کے تجربے کا نتیجہ تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ساٹھ سالہ تجربہ کی بنا پر فرماتے ہیں کہ مالداری بہترین نعمت ہے اور محتاجی بدترین شئے ہے

بَلَوْتُ صُرُوْفَ الدَّهْرِ سِتِّيْنَ حِجَّةً   وَجَرَّبْتُ حَالَيْهِ مِنَ الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ

فَلَمْ أَرَ بَعْدَ الدِّيْنِ خَيْرًا مِنَ الْغِنٰى   وَلَمْ أَرَ بَعْدَ الْكُفْرِ شَرًّا مِنَ الْفَقْرِ

معلوم نہیں کہ کس منحوس ساعت میں یہ خیال ہمارے لوگوں کے اندر ہمیشہ کے لیئے سما گیا کہ دنیا کا مال و دولت قابل نفرت چیز ہے۔ اور اس سے گریز کرنا شرط ایمان ہے۔ اور تنگدستی یعنی مفلسی و ناداری وہ مبارک حالات ہیں جن کی تہ میں آخرت کے باغ و بہشت لہلہاتے ہیں۔ یہ خیال نہ صرف جاہل فقیروں اور جوگیوں نے مسلمانوں میں پیدا کیا ہے بلکہ لطف یہ ہے کہ

خود ہمارے واعظین کی مقدس جماعت رات دن ترک مال و منال کا سبق پڑھانے میں مصروف ہے۔ اسپر بھی طرہ یہ کہ

ترک دنیا بمردم آموزند خویشتن سیم و غلہ اندوزند

ہماری دانست میں تو ترک دنیا کا مضمون جسکو آج حضرت واعظ نے محفل آرائی کا مشغلہ بنا رکھا ہے اُسوقت وضع ہوا تھا جب مسلمانوں کے ہاتھ میں ہفت اقلیم کی بادشاہی تھی۔ جب کہ اقوام عالم ان کی باجگذار تھیں۔ جبکہ ان کا تمول اوج کمال کو پہنچگیا تھا۔ جبکہ ان کی شوکت و ثروت اعتدال سے بڑھ چلی تھی۔ اور اندیشہ تھا کہ یہ غدارسیدہ اُمت کہیں آجکل کے یورپ کی طرح مادی بھول بھلیاں میں پڑکر صراط مستقیم نہ کھو بیٹھے۔ اس لیے حکمائے امت نے وقتی مصلحت کے لحاظ سے زہد و قناعت اور فقر و فنا کا وہ منوم و مسکن نسخہ تجویز کیا جس سے تنافس تکاثر کی بڑھتی ہوئی حدت کو روکنا مقصود تھا۔

آجکل جبکہ مسلمان انقلاب کا لقمہ ہوچکے ہیں اور افلاس و احتیاج کے نیچے دب رہے ہیں۔ انکو مال و دولت سے متنفر کرنا اور جاہ و ثروت کے حصول سے باز رکھنا مرے کو مارے شاہ مدار کا مصداق ہے۔ لیکن یہ ہمارے جنتی نقیب اس ناداری و بے زری کے زمانے میں بھی وہی ترک دولت کی ہانک لگائے جاتے ہیں۔ بیمار کے جسم میں لہو کی ایک بوند باقی نہیں رہی۔ مگر ہمارے ان مہربان حکمائے ملت نے وہی فساد خون کا مرض سمجھ رکھا ہے۔ اور فصد کے ساتھ اس کی رہی سہی جان لینے کے لیئے تلے بیٹھے ہیں۔

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ اُسکے سرہانے آگ روشن ہے۔ صبح کو کسی مرد دانا سے اسکی تعبیر پوچھی تو اُسنے فرمایا کہ تم اپنے سرہانے کی زمین کھود کر دیکھو۔ کیا انعام الٰہی ملتا ہے۔ جب اس نے زمین کھودی تو وہاں سے ایک خزانہ نکل آیا۔ مدت کے بعد کسی اور شخص نے بھی ویسا ہی خواب دیکھا۔ کسی سادہ لوح نے اسکو بھی وہی تعبیر بتادی کہ تمہارے سرہانے خزانہ مدفون ہے۔ جب اُس بدقسمت نے اپنے سرہانے کی زمین کھودی تو خزانہ کی

بجائے وہاں ایک زہریلا سانپ موجود تھا۔ جس نے فوراً اُس شخص کو ڈس کر ہلاک کر دیا۔ لوگ اُس بزرگ کے پاس گئے جس نے پہلے خواب کی تعبیر بتائی تھی۔ اور اس تفاوت عظیم کا موجب پوچھا۔ فرمایا خواب کی تعبیر ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی۔ بیرونی حالات اور خارجی کیفیات سے تعبیر بدلتی رہتی ہے۔ اسلئے تعبیر بتانے والا وہ شخص ہونا چاہیئے جو مقتضیات اوقات کا اسلئے نباض ہو تاکہ تمام قرائن وشواہد پر نظر کرکے وہ صحیح تعبیر بتا سکے۔ پہلے شخص نے سردی کے موسم میں آگ دیکھی تھی۔ جبکہ یہ چیز ایک نعمت عظمیٰ سمجھی جاتی ہے۔ اس لیئے اسکی تعبیر مال وزر ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے شخص نے گرمی کے موسم میں خواب دیکھا تھا جبکہ وہی آگ بلائے مہیب کا حکم رکھتی ہے۔ پس اسوقت اسکی تعبیر میں ایک زہریلے سانپ کی طرف قیاس دوڑانا کچھ مشکل نہ تھا +

غرض ہمارے واعظین کرام یوں تو ماشاء اللہ عذب البیان ہیں فصیح اللسان ہیں اور سب کچھ ہیں۔ لیکن کمی ہے تو یہ ہے کہ اس دوسرے تعبیر بتانے والے صاحب کی طرح مقتضیات اوقات کے نباض نہیں۔ اور اُنھوں نے قوم کے خواب کی صرف ایک ہی تعبیر صدیوں سے ورد زبان بنا رکھی ہے +

ہماری قناعت پسند و مآل فراموش قوم کے کیا کہنے! جو حلل بہشت و فواکہ جنت کی طرف کچھ ایسی چشم بردوختہ بیٹھی ہے کہ تن ڈھکنے کے لیئے چیتھڑے اور سد رمق کیلئے لقمے کی فکر کرنا بھی اپنی اس دلچسپی میں حارج سمجھتی ہے۔ اور جب کبھی اسکو حریف قوموں کی مالی و اقتصادی تفوق کی بکرسنے کا موقع پیش آتا ہے تو لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ کہہ کر اپنا دل بہلا لیتی ہے +

ہمارے اس فقرے سے کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ معاذ اللہ ہم دنیوی دولت کے مقابلہ میں امور اُخروی کی تخفیف شان کرنی چاہتے ہیں۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو آخرت کا اہتمام ہر چیز سے زیادہ کرنا چاہیئے۔ اور یہی ایک امتیاز خاص ہے کہ جو مسلمانوں کو تمام

اقوام عالم کے مقابلے میں زندہ رہ دانیت رکھنے والی قوم ثابت کر رہا ہے لیکن التماس یہ ہے کہ آخرت کے کام بھی تو مال و زر کے بغیر بخوبی انجام نہیں پاسکتے۔ بقول سعدیؒ

فراغت با فاقہ نہ پیوندد و جمعیت در تنگ دستی صورت نہ بندد یکی تحریمہ عشا بستہ و دیگرے منتظر عشا نشستہ ہرگز این بداں کے ماند ؎

خداوند روزی بحق مشتغل   پراگندہ روزی پراگندہ دل

اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ آج روئے زمین کے اہل اسلام غیر اقوام کے سامنے رتبۃً پست و حقیر ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ اس زمانہ میں سلمانی اور افلاس لازم و ملزوم ہوگئے ہیں۔ بھلا اسکی کیا وجہ ہے کہ سلمانوں کا کوئی اجتماعی کام اور کوئی قومی انسٹیٹیوشن اپنے مقاصد میں پورا کامیاب نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مسلمان اسکو روپیہ کی طرف سے مطمئن نہیں کرسکتے۔ کیا وجہ ہے کہ سلمانوں کی کوئی سلطنت وہ جلال و جبروت نہیں رکھتی جو بعض دیگر غیر مسلم سلطنتوں کو حاصل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسکے خزائن مال و زر سے خالی ہیں؟

الغرض وہ قوم اسلام جسکے جاہ و جلال کے آگے کبھی تمام دنیا کی گردن جھکتی تھی آج جو وہ حریفوں کے سامنے ایک عاجز و درماندہ اور پست و زبون حال قوم کی حیثیت رکھتی ہے تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ مفلس ہے۔ اسکے اندر تمول و فارغ البالی کی روح نہیں۔ بقول حضرت اقبال ؎

اے فراہم کردہ از شیراں خراج   گشتۂ روبہ مزاج از احتیاج

جملہ اسقام تو از ناداری است   اصل علت ہا ہمیں بیماری است

سلمانوں کی مسکنت و تباہ حالی کی شکایت نہ صرف ان ممالک میں پائی جاتی ہے۔ جہاں انکے سابقہ اقبال و اقتدار کا خاتمہ ہوچکا ہے۔ اور وہ ایک محکوم جماعت کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بلکہ جو ملک آجکل سابقہ اسلامی جاہ و جلال کی رہی سہی یادگار سمجھے جاتے ہیں۔ یہ افسوسناک منظر وہاں بھی موجود ہے۔ علامہ شبلی اپنے روم و شام و مصر کے

سفرنامہ میں جابجا یہ شکایت کرتے ہیں کہ میں بیروت وغیرہ میں - جب کوئی شاندار کارخانہ دیکھتا تھا - یا کوئی فلک نما عمارت نظر آتی تھی تو یہ معلوم کرکے مجھے بڑی مایوسی ہوتی تھی کہ کسی عیسائی کی ہے +

بے شبہ وہ مفلس مسکین قوم مالدار اقوام کے آگے کچھ بھی منزلت نہیں پا سکتی جس کی نہ صرف بستیوں اور محلوں پر فقر و ناداری برس رہی ہو بلکہ اسکی قبروں پر بھی شب و روز ذلت و خواری کی گرد اُڑتی ہو +

مَسَاكِنُ اَهْلِ الْفَقْرِ حَتّٰى قُبُوْرُهُمْ — عَلَيْهَا تُرَابُ الذُّلِّ بَيْنَ الْمَقَابِرِ

جناب شیر خدا حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مالداری وہ خداداد چیز ہے جو مالدار کے تمام عیوب کو چھپاتی ہے - اور مفلسی نہ صرف ذلت و خواری کا سرچشمہ ہے بلکہ وہ خود سراسر عیب ہے - اور وہ مفلس کے لئے اسیقدر باعث ننگ و عار ہے - جیسے شرابی کے لئے شراب +

كَتَبْتُ الْمَالَ لَيْسَ لَهٗ عَوَارٌ — وَلَا فِیْ كُلِّ مَا يَاتِيْهِ عَارٌ

لِاَنَّ الْمَالَ تَسْتُرُ كُلَّ عَيْبٍ — وَفِی الْفَقْرِ الْمَذَلَّةُ وَالصِّغَارُ

كَذَالِكَ الْفَقْرُ بِالْاَحْرَارِ يُزْرِیْ — كَمَا اَزْرَتْ بِشَارِبِهَا الْعُقَارُ

یہ تو رہا حضرت علی کا قول - اب ہم دوسرے صحابہ کرام کا فعل دکھاتے ہیں کہ وہ کس درجہ تک متمول و متنعم بن کر رہے تھے - اور کسقدر مالداری کو عزیز رکھتے تھے - اور ان کے مال نے اسلام کو کیسا عظیم الشان نفع پہنچایا +

حضرت عثمانؓ کے تمول کا یہ عالم تھا کہ ایک بار انکے ایک ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے آئے - اور انہوں نے سب کے سب فی سبیل اللہ دے دیئے - غزوہ تبوک کے لیئے آپنے نو سو پچاس اونٹ پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار دیئے - مسجد نبوی میں اضافہ کرنے کے لیئے آپنے پچیس ہزار درہم میں ایک زمین اپنے صرف سے خرید کر وقف کی جب

آپ شہید ہوئے تو آپ کے خزانچی کے پاس تین کروڑ پانچ لاکھ درم اور ایک لاکھ دینار موجود تھے +

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے چالیس ہزار نقد اور پانسو گھوڑے ڈیڑھ ہزار اونٹ مختلف موقعوں پر حفاظت و اشاعت اسلام کے لیئے صرف کیئے۔ ایک جگہ حضرت کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کی۔ اور یہ سب مال اللہ کی راہ میں صرف کیا جب آپنے وفات پائی تو ہزار اونٹ تین ہزار بکریاں اور سو گھوڑے چھوڑے۔ اسکے علاوہ خالص طلا کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی چھوڑے۔ جن کو کلہاڑی کے ساتھ کاٹ کاٹ کر تقسیم کیا گیا۔ مرنے سے پہلے آپنے وصیت کی کہ پچاس ہزار درم فی سبیل اللہ صرف کیئے جائیں +

حضرت زبیر رضہ نے تین کروڑ باون لاکھ درہم کی جائداد چھوڑی۔ چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بتیسواں حصہ یعنی کئی کئی لاکھ درہم ملے +

حضرت طلحہ رضہ کو عراق کی کاشت سے کئی لاکھ درہم وصول ہوئے تھے وہ بنو تیم کے ہر محتاج کو کافی خرچ دیا کرتے تھے۔ اور بیوہ عورتوں کا نکاح کر دیتے تھے قرضداروں کی طرف سے قرض ادا فرماتے۔ صبیحہ تیمی پر تیس ہزار درہم قرض تھے وہ حضرت طلحہ رضہ ہی نے ادا کیئے +

صحابہ کرام کی اس ثروت و فراغت کا اصلی راز وہی چیز تھی جس سے آجکل مسلمان کوسوں بھاگتے ہیں۔ یعنی تجارت۔ افسوس۔ رزق کا وہ بابرکت صیغہ جسکو پیغمبر صحابہؓ اور اکثر صلحا اختیار کرتے چلے آئے ہیں۔ اور جو رزق کے دس حصوں میں اکیلا نو حصوں پر حاوی ہے۔ آجکل مسلمانوں میں قریباً کالعدم ہے +

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بنفس نفیس تجارت کی اور اسکے لیئے ملک شام تک سفر کیا حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے فرمایا۔ میں قریش میں سب سے بڑا

تاجر تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح جن کو دنیا سے روشناس کرانے والا خاص تدوین فقہ کا مقدس کارنامہ ہے۔ اور جو قانون اسلام کی مرتب کرنے والی عظیم الشان کمیٹی کے صدر نشین ہیں۔ وہ محض علمی عجائبات کے نمونہ نہ تھے۔ بلکہ ریشم کے تاجر تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جب ہجرت کرکے مدینے پہنچے تو جناب رسالت مآب نے سعد بن ربیع انصاری سے ان کی مواخاۃ کرادی۔ سعد نے گھر لے جاکر اُن سے کہا کہ میں اپنا آدھا مال تم کو بطور امداد دیتا ہوں۔ اُنہوں نے جواب دیا تمہارا مال خدا تم کو مبارک کرے مجھے یہاں کا بازار بتادو۔ بازار گئے اور تجارت شروع کی۔ وہ خود کہتے ہیں کہ خدا نے مجھے تجارت میں وہ برکت دی کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو اُسکے نیچے سے چاندی سونا ملنے کی امید ہوتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رض ملک بحرین سے چار لاکھ درہم لائے۔ حضرت فاروق اعظم نے دریافت فرمایا۔ کیا کسی پر تم نے ظلم کرکے تو یہ مال نہیں لیا؟ جواب دیا کہ نہیں پھر آپنے پوچھا کہ تم اپنا مال کسقدر لائے ہو۔ کہا بیس ہزار درہم۔ حضرت عمر رض نے پوچھا اتنا مال کیونکر حاصل کیا؟ انہوں نے کہا۔ میں وہاں تجارت کرتا تھا۔

حکیم عرشی

۳۳۔

حضرت مصعب بن عمیر رضؓ

(داعئ یثرب)

صحابہ کرام میں بڑے بڑے ارباب فضائل اور بڑی بڑی خوبیوں کے بزرگ گزرے ہیں، حضرت خالد سیف اللہ تھے، حضرت علی اسد اللہ تھے، حضرت ابن عباس حبر الامۃ تھے، حضرت ابوذر مسیح الاسلام تھے، حضرت ابوعبیدہ امین الملۃ تھے۔ لیکن جن بزرگ کا نام میں نے سرعنوان پر لکھا ہے اُنکے محاسن کا سرعنوان صرف ایک ہی۔ یعنی یہ کہ وہ یثرب کے معلم اول تھے،

سنہ ۱۲ نبوی میں سرزمین یثرب کے صرف ۱۲۔آدمیوں نے حضرت داعی اسلام علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی، اسکے ایک سال بعد یہ تعداد بہتر تک پہنچگئی، اور چند مہینے کے بعد جب آپنے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو شہر یثرب کا کوئی گھر ایسا نہ تہا جو پرتو اسلام سے منور نہ ہو، یہ حیرت انگیز انقلاب صرف ایک تربیت یافتہ، نبوت کی کوششوں کا نتیجہ تہا، انکا نام مصعب، کنیت ابو محمد، باپ کا نام عمیر، ہاشم کے پوتے، اور عبد مناف کے پرپوتے تھے، مکہ وطن تہا، نہایت حسین وخوشرو، اور ماں باپ کے بہت لاڈلے تھے، خدا نے گھر میں دولت بھی دی تھی، دونوں نے لخت جگر کو آغوش محبت میں نہایت نازونعمت سے پالا تہا۔ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ میں میسر آسکتی تھی وہ اُنکے لیئے مہیا ہوتا تہا، نازونعمت سے پل کر بچہ نے جب شباب کی منزل میں قدم رکہا، آوازہ اسلام کانوں میں آیا، خدائے پاک نے حسن ظاہر، سلامت ذوق، اور طبع لطیف کے ساتھ اُنکے آئینہ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تہا، صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ لیلائے حقیقت کے خط وخال نے فریفتہ کر لیا، اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہو کر شیدائیان اسلام میں داخل ہو گئے[1]،

[1] اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیر رضؓ ۱۲

یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزیں تھے اور خدا کا ارانِ اسلام کے لیے مکہ کی سرزمین مصیبتوں کا آسمان بن رہی تھی، اس بنا پر حضرت مصعبؓ نے ایک عرصہ تک اپنے نئے عقیدہ کو مخفی رکھا، چپ چپ کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے، اور جمال مبارک سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے، ایک دن اتفاقاً عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا، انکی ماں اور اہل خاندان کو خبر کردی، اس کفرستان میں اس وقت معبود حقیقی کے آگے سر نیاز خم کرنا کوئی خفیف جرم نہ تھا، والدین نے سنا تو تمام مادرانہ محبت اور پدرانہ شفقت غیظ وغضب اور تبغض وانتقام سے مبدل ہوگئی، اور بالآخر اپنے لاڈلے اور نازپرور فرزند کے لیے قید تنہائی کی سزا پسند آئی[1]، اسلام کے شیدا نے یہ گوارا کیا، لیکن ایک کو دو نہ کیا،

فراج قدرتاً لطافت پسند تھا حضرت مصعبؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال فرماتے، حضرمی جوتا جو اس زمانہ میں صرف امراء کیلئے مخصوص تھا، وہ انکے روزمرہ کام میں تھا غرض انکے وقت کا اکثر حصہ آرایش وزیبایش اور زلف شکیں کے سنوارنے میں بسر ہوتا تھا لیکن جب اسلام لائے تو شراب توحید نے کچھ ایسا مست کردیا کہ تمام تکلفات بھول گئے، ایک روز دربار نبوتؐ میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لیے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس میں جا بجا سے پیوند لگے ہوئے تھے، صحابہ کرام نے دیکھا تو سب نے نیت سے گردنیں جھکالیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، الحمد للہ، اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہیے، یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکے میں کوئی نازپرور دانہ تھا لیکن نیکوکاری کی رغبت اور خدا رسولؐ کی محبت سے اسکو تمام چیزوں سے بے نیاز کردیا[2]

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب سے تنگ آکر بالآخر ترک وطن پر آمادہ ہوئے، اور متلاشیان امن وسکون کے ساتھ سرزمین حبش کی راہ لی یہاں نازپرورد	ہجرت حبش

[1] اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیر ۱۲

نوجوان کو اب نہ تو نرم اور نازک کپڑوں کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق، اور دنیاوی عیش و تنعم کی فکر، جلوۂ توحید کے صرف ایک نظارہ نے تمام فانی سامان سے بے نیاز کر دیا، ایک مدت کے بعد حبش سے پھر کے واپس آئے تو خود انکی ماں کو اپنے نورِ نظر کی اس پریشان حالی پر رحم آگیا، اور گزشتہ مظالم کے اعادہ سے باز آگئی،[1]

[illegible]

اس اثنا میں خورشید اسلام کی ضیا افگن شعاعیں کوہ فاران کی چوٹیوں سے گزر کر وادیٔ یثرب تک پہنچ چکی تھیں، اور مدینہ منورہ کے ۱۲ معززین نے موسم حج میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، چونکہ رسم بیعت ایک گمانی کے اندر ادا ہوتی تھی اسلیے تاریخ اسلام میں یہ واقعہ بیعت عقبۂ اُولیٰ کے نام سے مشہور ہے،

مدینہ کی اس نومسلم جماعت نے دربار نبوت میں درخواست بھیجی کہ انکی تعلیم و تلقین اور گمراہانِ یثرب کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کسی معلم دین و ہادیٔ باخبر کا تقرر فرمایا جائے حضرت سرور کائنات کی نگاہ جوہر شناس نے اس خدمت کے لیے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو منتخب کیا، اور چند اسرار و نکات کی تعلیم کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا، اسوقت تک تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام مہبط وحی و الہام علیہ السلام کے سوا اور کسی سے انجام نہیں دیا گیا تھا، یہ پہلا موقع ہے کہ فیض یافتگان نبوت میں سے ایک کو نیابت کا شرف عطا کیا جا رہا ہے مصعب اب مصعب نہ تھے، وہ نائب رسول تھے، وہ اسلام کے سب سے پہلے داعی بنکر سرزمین یثرب کو سدھارتے ہیں، آؤ دیکھیں کہ وہ اس نیابت کا فرض کس طرح انجام دیتے ہیں، اس سرزمین میں جو موسیٰ کی شریعت کا مرکز اور بنی اسرائیل کی حکومت کا تخت گاہ تھی لوائے محمدی کس طرح بلند اور آسمان کی ایک بادشاہی کا کس طرح اعلان کرتے ہیں،

حضرت مصعبؓ مدینہ پہنچکر حضرت اسعد بن زرارہ کے گھر جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے، فروکش ہوئے۔ یہ خیال فضول تھا کہ تمام اہل یثرب استماع حق کے لیے کسی مجمع میں خود

[1] طبقات ابن سعد ق جلد ۳ صفحہ ۸۶، ۳ بخاری،

جمع ہو سکیں گے، حضرت مصعبؓ نے پُر درد اور اثر پذیر قبول کی گھر گھر تلاش شروع کی، دعوت و تبلیغ کے لیے انہوں نے پُر زور دلائل کا انتخاب نہیں کیا، توحید کی سچائی پر انہوں نے فلسفیانہ براہین کی جستجو نہ کی، قرآن کی حقانیت پر اُسکی بے نظیر فصاحت و بلاغت کا دعوٰے نہیں کیا، رسالت کی تصدیق کے لیے انہوں نے پیغمبرؐ کے معجزات نہیں گنائے، صرف ایک ہی چیز اُنکے پاس تھی، قرآن حکیم کی چند سورتیں، جو اُس وقت نازل ہو چکی تھیں، جہاں جاتے پڑھکر سناتے، یہی اُنکے دلائل کا ذخیرہ، فلسفیانہ براہین کا سرمایہ، اور محیر العقول معجزات کا خزینہ تھا، مخالفت کے مادہ ہائے فاسد پہاڑ بنکر سامنے آئے۔ لیکن اُنکی تاثیر سے چند منٹ میں ذرات بن کر اُڑ گئے۔

اس طرح جب یثرب میں اسلام نے گھر کر لیا تو تلاوت قرآن اور تبلیغ کے لیے حضرت اسعد کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے محلہ میں لوگوں کو جمع کرتے، ایک دن وہ حسب معمول بنی ظفر کے محلہ میں چند مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلہ عبد الاشہل کے سردار سعد بن معاذ نے اپنے رفیق اُسید بن حضیر سے جو قبیلہ کے سوار اور معزز تھے۔ کہا:- اس اسلام نے، دو شخص جو یہاں آکر ہمارے ضعیف الاعتقاد عزیزوں کو گمراہ کرتے ہیں اپنے محلہ سے نکال دو۔" اگر اسعد سے مجکو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں تم کو اسکی تکلیف نہ دیتا، یہ سنکر اُسید نے نیزہ اُٹھایا، اور حضرت مصعب اور حضرت اسعد کے پاس کر خشم آلود لہجہ میں کہا، تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے کہ بے وقوفوں کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو بہتر ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔" حضرت مصعبؓ نے اس آگ کو آگ سے نہیں روکا، انہوں نے اس پر پانی کے چھینٹے دیئے، اور نرمی کے ساتھ کہا "ایسا تم پہلے بیٹھکر ہماری باتیں سُنو، اگر پسند آئیں قبول کرو، ورنہ ہم خود چلے جائیں گے"، اُسید نے کہا "ہاں یہ سچ ہے، اچھو کیا کہتے ہو" یہ کہکر اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر بیٹھ گئے، حضرت مصعبؓ نے حسب دستور قرآن کی چند آیتیں پڑھکر سُنائیں، سننا تھا کہ پتھر کا دل موم تھا،

بیتاب ہو کر بولے، کیسا اچھا مذہب ہے! کیسی بہتر ہدایت ہے! مجھے جلد بتاؤ کہ اس مذہب میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

حضرت مصعبؓ نے کہا، پہلے نہاؤ ہو کر صاف ستھرے کپڑے پہنو، پھر صدق دل سے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا اقرار کرو، انہوں نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی، اسلام زندگی کا سرچشمہ ہے، ابھی حضرت اسیدؓ کے اسلام کو چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ فرض تبلیغ کا احساس خود اُنکے دل میں بھی پیدا ہوا، بولے، میرے بعد ایک اور شخص ہے جسکو راہ راست پر لانا ہوگا، اگر وہ اس دائرہ میں داخل ہو گیا تو تمام قبیلہ عبدالاشہل اسکی پیروی کرے گا، میں ابھی اُسکو آپکے پاس بھیجتا ہوں۔

حضرت اسیدؓ اب بزم احباب میں واپس آئے، تمام مجمع نے دیکھا کہ غیظ و غضب کی جگہ چہرے پر عشق و محبت کا نور تاباں ہے، سعد بن معاذ نے دور ہی سے دیکھکر کہا۔ "خدا کی قسم اس شخص کی حالت میں ضرور انقلاب ہو گیا ہے، اور جب قریب آئے تو پوچھا کہو، کیا کر آئے؟ حضرت اسیدؓ نے جواب دیا، خدا کی قسم دونوں ذرا بھی خوف زدہ نہ ہوئے، میں نے انکو منع کیا تو بولے کہ ہم وہی کرینگے جو تم پسند کرو گے، لیکن میں نے سنا ہے کہ بنی حارثہ تمہارے خالہ زاد اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہیں۔ تاکہ اس طرح تمہاری تذلیل ہو"۔

چونکہ بنی حارثہ اور عبدالاشہل میں دیرینہ عداوت تھی، اسلئے حضرت اسیدؓ کا افسوں کارگر ہو گیا، سعد بن معاذ جوش غضب سے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور تخالف مذہبی کے باوجود اسعد کی مدد کے لیے روانہ ہو گئے، لیکن یہاں بالکل امن و سکون تھا، سمجھ گئے کہ اسیدؓ نے ان دونوں سے بالمشافہ گفتگو کرنیکے لیے ایک موقع پیدا کیا، نسبی ترحم فوراً مذہبی تعصب سے بدل گیا، اور خشمگیں لہجہ میں بولے، ابو امامہ! خدا کی قسم اگر رشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتا، تمہیں کیونکر ہمارے محلہ میں ایسے عقائد

پھیلانے کی ہمت ہوئی جسکو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں!

حضرت مصعبؓ پھر آگے بڑھے، اور کانوں میں وہ افسوں پھونکا جو بارہا تجربے کامیاب ہوچکا تھا، سُنتے کے ساتھ حضرت سعد محو اسلام تھے۔ اُسیوقت اسلام کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہوئے۔ اسلام نے پھر اپنا کام کیا۔ اور وہی تبلیغ کا نشہ اب اُن کے سر میں بھی تھا، جوش اور ولولے سے لبریز اپنے قبیلہ میں آئے، اور سوال کیا، "اے بنی عبدالاشہل! بتاؤ میں تمہارا کون ہوں؟ سب نے بیک آواز کہا، تم ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو" بولے، خدا کی قسم تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے گفتگو کرنا مجھپر حرام ہے، جبتک تم خدا اور اُسکے رسول پر ایمان نہ لاؤ" یہ الفاظ ابھی ہوا میں گونج رہے تھے کہ عبدالاشہل کا تمام قبیلہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔

حضرت مصعب ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہ کے مہمان رہے، لیکن جب بنی نجار نے اپنر تشدد شروع کیا، ہاں وہ بنی نجار جو چند ہی روز کے بعد اسلام کے دست و بازو، اور خیر مقدم رسولؐ کے لیئے سب سے زیادہ بیتاب تھے، تو حضرت سعد بن معاذ کے مکان پر اُٹھ آئے، اور یہیں سے خورشید اسلام کی آمد آمد کا مژدہ سُناتے رہے یہانتک کہ خطمہ، وائل اور واقف کے چند گھروں کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر اس نور سے روشن ہوگئے[1]۔

(باقی دارد)

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۲۹-۲۳۰ وخلاصۃ الوفا صفحہ ۹۱۔

دردِ اہلِ موکل

نظام المشائخ کی نسبت شاید بعض لوگوں کا گمان ہو کہ یہ بھی دوسرے صوفیانہ رسالوں کی طرح محض پیروں فقیروں کا آرگن ہے۔ اور خانقاہ نشینوں اور کملی پوشوں کے خوش کرنے کا سامان مہیا کرنا اسکا مقصد ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل مضمون کو پڑھکر وہ اپنی رائے براہ کرم بدل لیں۔ نظام المشائخ بیشک تصوف و اہل تصوف کا حامی ہے۔ اور اس خدمت گزاری کو سعادتِ دارین جانتا ہے، تاہم اسے جس طرح یہ منظور ہے کہ تصوف کا احترام مٹنے نہ پائے۔ اور اسکی اصلی شان دنیا کے سامنے پیش کرتا رہے۔ اسی طرح آجکل کے بنے ہوئے درویشوں کا اس سے بڑھکر نمائیا کوئی دشمن نہیں۔ کیونکہ ایسے بزرگوں کا جتنا اسکے ایڈیٹر نے مطالعہ کیا ہے۔ کسی نے کم کیا ہوگا۔ دردِ اہلِ موکل کے راقم مولوی ظہور الدین صاحب مراقب۔ خواجہ غریب نواز اجمیری۔ سلطان نظام الدین اولیا دہلوی۔ جیسے حضرات سے انحراف کرنیوالے وہابی یا غیر مقلد علماء میں نہیں ہیں ان کا قلب ایسے اولیاء اللہ کی قدر و عظمت سے معمور ہے۔ اور آج کی دنیا کو بھی وہ ان جیسے پاک نفس بندگانِ خدا کے وجود سے خالی نہیں سمجھتے۔ مگر انہیں تکلیف ہوتی ہے جب ایک سیلاب اسلاف کے بدنام کنندوں کا دیکھتے ہیں۔ اور اسی کی تصویر نہایت عمدہ پیرایے میں انھوں نے یہاں کھینچی ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہر معقول اور سچا صوفی جناب مراقب کا ہمنوا ہوگا۔ اور خلق اللہ کو اچھے اور برے کی تمیز بتانے کی کوشش کرے گا۔ ضمناً جو باتیں اس مضمون میں آگئی ہیں وہ بھی امید ہے۔ دلچسپی سے پڑھی جائیں گی۔

(ایڈیٹر)

محرم الحرام کا مہینہ ہر پھر کر خواہ موسم بہار ہی میں کیوں نہ آجائے۔ مگر اسکی فطرتی اُداسی اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہتی۔ تماشہ گاہ عالم اگرچہ غضب کے دلفریب نظارے رکھتا ہے۔ لیکن اس ماہ میں ملگجا ہُو کا عالم ہوجاتا ہے۔ میں اور کسی کی کیا کہوں اپنا تو حال یہ ہوجاتا ہے کہ نہ جنگل میں دل لگا کرتا ہے نہ آبادی میں۔ سبزہ زار ہو خواہ لالہ زار۔ سب وحشتناک معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اور کبھی کبھی بازاروں میں گھبراہٹ اور بے چینی نظر آنے لگتی ہیں اب کے برس بوجہ اسکے کہ وطن سے دور بادیہ پیمائے غربت ہوں طبیعت نے ایسا دیرپا اثر لے رکھا ہے کہ چار ماہ سے زائد عرصہ عشرہ کو گزرے ہوئے ہوگیا مگر طبیعت بدستور اتار چڑھاؤ میں مبتلا ہے۔ وہی اُداسی ہے اور وہی بے چینی۔ وہی وحشت ہے اور وہی حسرت! اکثر راتوں کو قبرستان میں چلا جاتا ہوں۔ اور دس گیارہ بجے تک شہر خموشاں کے سناٹے کا تماشا دیکھا کرتا ہوں۔ اس قبرستان میں پرانے طرز کی ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور اسکی بغل میں بصورت تہ خانہ ایک عبادت گاہ بنی ہوئی ہے۔ جس میں اکثر اللہ والے لوگ رہا کرتے ہیں۔ چنانچہ آجکل بھی اُسمیں ایک بزرگ رونق افروز ہیں جو بظاہر میں نہایت خلیق اور باوقار صابر و شاکر معلوم ہوتے ہیں۔ آنے جانے والے لوگوں سے کوئی طمع یا غرض نہیں رکھتے۔ میری عرصہ کی آمدورفت سے اُن کو میرے ساتھ بہت اُنس ہوگیا ہے۔ مجھے بھی چونکہ ابتدا سے ایسے حضرات کی صحبت کا شوق ہے اکثر دیر تک اُن کی خدمت میں بیٹھا رہتا ہوں۔ اور عملیات و دعوات کے متعلق ذکر و تحقیق ہوا کرتی ہے۔ اسوقت یہ درویش دعوت دعائے سیفی سے فارغ ہوئے ہیں۔ اور اب اُن کا ارادہ دکن کی جانب جانے کا ہے۔ غالباً اسی ہفتہ میں چلے جائیں گے۔ اِسلیئے پچھلی جمعرات کو میں ساری رات اُنکی خدمت میں رہا۔ اور اس دعائے سیفی کے کرشمے سُنتا رہا۔ فرمایا کہ میں کئی بار اس دعا کی دعوت بشرائط کامل دے چکا ہوں۔ مگر حسب دلخواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ نہیں معلوم کیا سبب تھا کہ اِکی بار یہ عمل نہایت ٹھیک اُترا ہے جسکی کیفیت اس طرح پر ہے کہ پچھلی جمعرات کو

جبکہ میرے چلہ کا اُنتالیسواں دن تھا۔ یکایک تمام حجرہ اس طرح ہلنے لگا۔ جیسے اپریل ۱۹۰۵ء کا زلزلہ آگیا ہو۔ اور سخت سخت مہیب آوازیں سنائی دینے لگیں۔ محسوس ہوتا تھا کہ آسمان آرہ بنکر کرۂ ارض کو چیر رہا ہے۔ یا انجن کے برک گرنے ہوئے پہیہ کی طرح زمین کسی آفت میں پھنس گئی ہے۔ یہ آواز ہولناک دم بدم رو بہ ترقی ہوتی تھی۔ اور میری جان بدن سے سمٹ کر سینہ میں فنا ہو رہی تھی کہ یکایک حجرہ کے دروازے کو سخت دھکا لگا اور دونوں کواڑ بغلی سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئے۔ اگرچہ اُس گیرودار میں میں بالکل حواس باختہ تھا۔ مگر کواڑوں کی آہٹ سنے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور میری نظر اُدھر کی جانب پھر گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قوی ہیکل جوان نہایت بارعب اور مسلح خلوت میں داخل ہوا۔ اور حصار کے گرد تین بار طواف کرکے میرے روبرو تلوار سونت کر کھڑا ہوگیا۔ اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ کہتا رہا جسکو میں نہیں سمجھ سکا۔ اُسکے اندر داخل ہونیکے بعد وہ رعد و کڑک زلزلہ وغیرہ یک قلم موقوف ہوگیا۔ اور وہ بگڑ کر یوں مخاطب ہوا کہ "او عامل! تو ہمکو کیوں دق کرتا ہے۔ اور ہمارے تسخیر کرنے کی کیوں بے فائدہ کوشش کرتا ہے۔ اور ناحق تکلیف گوارا کر رہا ہے۔ ایک عرصہ ہوگیا تو ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کہ کیا کہتا ہوں۔ تیری ہٹ نے ہمیں تنگ کر دیا"۔

عامل۔ آپ کا کیا نام ہے اور کیا کام آپکے سپرد ہے؟

موکل۔ جو مطلب ہو ظاہر کرو۔ اسے تمہیں کیا غرض۔ فضول سوالات میں وقت ضائع نہ کرو!

عامل۔ نہیں تاوقتیکہ آپکا پورا پورا پتہ نہ سُن لوں اظہار مطلب کی اس عمل میں اجازت نہیں ہے۔

موکل۔ دیکھو۔ اب ہمارا عملیات سے بہت کم تعلق رہ گیا ہے۔ دنیا طلب عاملوں کی دعوتوں سے دق ہو کر ہم نے عہد کر لیا ہے کہ عملیات کی بابرداری ترک کر دیں۔ اسوقت

نہ جانے کیا دل میں آگئی کہ ہم تمہارے پاس آگئے۔ ورنہ جیسے تم پہلے چلّوں میں ناکام رہے ہو
ایسے ہی ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو جاتے۔

عامل۔ تو خیر جہاں آپنے تشریف آوری کی تکلیف گوارا کی ہے مہربانی فرما کر اپنا
پتہ بھی ارشاد فرما دیجے۔

موکل۔ خیر تم نہیں مانتے ہو تو سنو۔ میرا نام دردائیل موکل ہے۔ اور ہم جسقدر
موکلات ہیں۔ ہمارا سب کا کام امورات قضا و قدر کی انجام دہی ہے۔ اب تم کہو تمہارا کیا
مطلب ہے؟

عامل۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مجکو ایک بڑا بھاری خزانہ ملجائے۔ اور دولت سے مالا مال
ہو جاؤں +

موکل۔ یہی تو نامعقول مطالبات ہیں۔ جن کی وجہ سے ہمارا ناک میں دم آگیا اور عملیات
کی دعوتوں سے تعلق چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ ہمارے لیئے بڑی بات نہیں کہ دو چار سو من سونا
یا جواہرات لادیں۔ مگر فضول اور لغو کام کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ اپنی حیثیت اور لیاقت کے مطابق
کوئی کام کہو تو ممکن ہے +

عامل۔ میرا مطلب تو محض دولت ہے۔ اور محض اسی کی خاطر یہ محنت اٹھا رہا ہوں جب
دولت ملجائے گی تو تمام خواہشیں پوری ہو سکتی ہیں۔ مگر افسوس آپ اس سوال کو رد کیئے دیتے
ہیں۔ اچھا خیر ایک دم نہ سہی تو بطور دست غیب دس پندرہ روپے روزانہ ملجائیں +

موکل۔ وہ تو ایک ہی بات ہے۔ اسقدر فرصت کہاں سے لائیں کہ تمہاری خاطر معدن
سے چاندی لاکر اسپر ضرب لگائیں۔ اور مصلے کے نیچے رکھجایا کریں۔ ایسے فضول کام میں اپنا
وقت ضائع کریں +

عامل۔ آپ کو فرصت ہر وقت ہے۔ یہ کیا کہا کہ فرصت کہاں سے لائیں۔ آپکا رکنا
تقضا [illegible] ہے۔ عدیم الفرصتی کا بہانہ تو انسان ہی کے لیئے زیبا ہو سکتا ہے۔ [illegible] کل اور پھر

عدیم الفرصتی؟

موکل۔ ہاں پہلے تو یہ بات ضرور تھی کہ شب و روز قضا و قدر کے کام سے سرکار تھا لیکن آجکل وہ بات نہیں رہی۔ کیونکہ کچھ عرصہ سے ہمارا سب عملہ حضرت عزرائیل کی ماتحتی میں آگیا۔ اُن کی توقیعات بڑی سخت ہیں جن کی بجاآوری میں ایک دم کی بھی فرصت نہیں مل سکتی۔ آج بڑی مشکل سے رخصت حاصل کرکے آنا ہوا ہے۔

عامل یہ تو نہایت خلاف قیاس بات ہے۔ کیا حضرت عزرائیل کا عملہ کچھ کم ہے جو موکلات کی بھی نوکری اُدھر لگادی گئی۔ اب تو خدا کے فضل وکرم سے طاعون وغیرہ سے بھی امن وامان ہے۔ پھر اسکی کیا ضرورت پڑی تھی۔؟

موکل۔ جب سے جرمنی شیاطین نے غداری شروع کی ہے تب سے حضرت عزرائیل سرزمین یورپ میں خیمہ زن ہیں۔ اُن کا عملہ تو سارے کا سارا جرمنی کو گھیرے ہوئے ہے اور ہم موکلات جسقدر ہیں۔ وہ حفاظت اتحاد پر مقرر ہیں۔ جرمنی ترکتاز سے بیگناہ جانوں کو بچاتے ہیں۔ اور ہوائی تاخت سے بیخبر مسکین غریبوں کے بچوں اور مکانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

عامل۔ آپ کی حفاظت اور پہرہ داری تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ بلجیم اور سرویہ کے لیے آپ کہاں تشریف فرماتھے؟ جرمنی عفریت سے انکو کیوں نہ بچایا۔ اور رومانیہ پر شاید آپ کی تقرری نہیں ہوئی؟

موکل۔ ہاں بیشک تمہارا یہ اعتراض درست ہے۔ لیکن تم کو حقیقت حال معلوم نہیں ہے سنو۔ اول اول جب جرمنی قزاق نے خواہ مخواہ فتنہ و فساد برپا کرنا شروع کیا۔ اور غریب بلجیم کا رخ کرکے لوٹ مار مچادی۔ اور اُسکے جوڑی دار آسٹریا نے سرویہ کو تاخت وتاراج کرنا شروع کردیا تو اُسوقت قضا و قدر نے اسلیئے توجہ نہ کی کہ ذرا سا ٹکڑا زمین کاٹ کرنے کے بعد جب جرمنی شوق پانی میں پاؤں ڈالے گا تو نہنگ اجل برطانیہ کا بحری بیڑا ایک ہی پیٹ میں اسے ہضم کرجائے گا

مگر چونکہ جرمنی گم کردہ بستیطان سے درغلا رہا تھا۔ اُسنے فوراً سمجھا دیا کہ اگر بحری قزاقی کا ارادہ کروگے تو فوج بحری تو پ سمیت غرق کردیئے جاؤگے۔ اُلٹے پاؤں پھرو۔ اور رومانیا میں کی جانب پرستان کا ملک ہے اُسے لوٹو۔ پیر و مرشد کا یہ فرمانا تھا کہ قزاقوں کا گروہ فوراً پیرس کیجانب پلٹ پڑا اور جزو جال کی طرح دولتیاں چاروں طرف مارنی شروع کیں۔ اُسکی دیکھا دیکھی اُسکا پیر بھائی بھی بقول "ہرچہ آدم میکند بوزنیہ ہم" سرویہ کو نوچنے لگا۔

اس ظلم و ستم کو دیکھکر قضا و قدر کو اپنا سابقہ بجٹ بدل دینا پڑا۔ نیا بجٹ تیار ہونے لگا۔ تیاری بجٹ میں آخر دن لگ ہی جاتے ہیں۔ اس عرصہ میں انکو موقع مل گیا۔ اچھا خاصا حصہ زمین کا دبا لیا۔ اس بجٹ میں ہماری یونی ہی محکمہ جنگ میں ماتحتی حضرت عزرائیل مقرر ہوگئی۔ جب سے اس بجٹ کے بموجب ہمارا چوکی پہرہ یورپ میں لگا ہے۔ جرمنی قزاق گروہ کا سولھواں حصہ بھی آگے بڑھنے نہیں پایا۔ اور دن بدن پیچھے ہٹتا رہا۔ اور ہٹتے ہٹتے اسقدر ہٹا کہ رومانیا تک آلگا۔ جیسے کسی میلہ میں بھاگڑ پڑجائے اور غریب بساطی کی دکانیں ہجوم غفیر کے پاؤں کے نیچے پامال ہوجائیں۔ اسیطرح اُن کی سب اوساں میں رومانیا کا کچھ حصہ اُنکے پاؤں تلے دب گیا۔ کوئی ذکر تھوڑا ہی لیا ہے۔ اُدھر سے مُنہ کی کھائی ادھر آکر دم مچالی فتح تو اب جرمن کو خواب میں بھی نظر نہ آئے گی۔

عامل سبحان اللہ۔ کیا کہنا۔ سچ ہے۔ فی الواقع اگر اُسکو فتح حاصل ہوتی تو ضرور اخباروں میں درج ہوتی۔ اگرچہ آجکل کاغذ بہت گراں ہے اور مصارف پریس معرض گرانی میں ہیں۔ مگر آخر اخبار اسی لیے تو ہیں جرمن کی فتوحات جب کبھی ہوتی تھیں تو اخباروں نے بھی سب لکھیں۔ اب عرصہ سے شکست ہی شکست ہو رہی کا اعشد ہی ہے کہ کارکنان قضا و قدر بھی اُسکے برخلاف ہو رہے ہیں۔ لیکن ایک شبہ اور ہوتا ہے یعنی لارڈ کچنر بہادر کی موت قبل از وقت کیوں تقدیر نے روا رکھی۔ اور آپ کی حفاظت کیوں کام نہ دے سکی۔ شاید حضور آپ رخصت پر ہونگے یا ممکن ہے تکان سے آنکھ لگ گئی ہو۔

موکل (غصہ ہوکر) ہم کو بناتے ہو اور مذاق کرتے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تقدیر کے کارخانے کسی کی سمجھ میں نہیں آتے۔ اور نہ ہر شخص اُنکے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ انسان کا شک رفع کرنا تو آسان نہیں۔ ایک رفع کیا جائے گا۔ دوسرا پیدا ہو جائے گا۔ یاد رکھو۔ یہ سانحہ لارڈ موصوف کا بالکل قضا و قدر کے موافق منشا رہوا ہے۔ لارڈ کچنر بہادر کی سعی و کوشش سے جو کامیابیاں ظاہر ہوئیں اُنکو دیکھکر دنیا یک زبان پکار اُٹھی تھی کہ یہ سب لارڈ بہادر کی معاملہ فہمی اور تجربہ کاری کا نتیجہ ہے۔ اور جرمنی کی روز افزوں کامیابیاں اور پسپائیاں اُنہیں کے جوڑ توڑ سے ہو رہی ہیں۔ مگر تقدیر ہنس رہی تھی۔ اور دنیا کی عقل پر مُسکرا رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ نہیں نہیں۔ تمہاری سمجھ پر پردہ پڑ گیا۔ ہر ایک سلطنت کا اقبال و ادبار ہمارے قبضہ و اختیار میں ہے۔ کسی انسان میں یہ صفت نہیں ہو سکتی کہ اُس کی تجربہ کاری اور معاملہ فہمی کسی کامیابی کا باعث ہو سکے بلکہ ہماری طرفداری کام کرتی ہے۔ لو ہم لارڈ کچنر کو بلوائے لیتے ہیں۔ پھر کیا خدانخواستہ برطانیہ کی کامیابی بند ہو جائے گی؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ یاد رکھو۔ جب ہم کسی کی کامیابی کے ذمہ دار ہو جائیں تو شخصیت درمیان میں لانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ اب دیکھ لو کہ آیا لارڈ موصوف ہی کامیابی کا باعث تھے یا کہ خود برطانیہ کا زبردست اقبال کامیاب ہے! جو کچھ سے محتاج دلیل نہیں ہے +

عامل۔ خوب خوب۔ آج ایک بڑا بھاری شبہ رفع ہو گیا۔ دل تو چاہتا ہے کچھ اور بھی دریافت کروں۔ مگر اصلی مدعا فوت ہوا جا رہا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر میرے افلاس کے قفل کو جستجو کی کلید سے کھولکر الگ کر دیجئے +

موکل میرے خیال میں یکدست دولت حاصل کرنے کا خیال قطعی ترک کر دیجئے اور اس ہوس سے باز آئیے۔ بلکہ کوئی کام ایسا اختیار کیجئے جس سے دولت کی راہ کشادہ ہو جائے۔ سوا پیشے کے لینے کی کام بلحاظ زمانہ بہتر معلوم ہوتے ہیں مثلاً طبابت

وکالت۔ وعظ گوئی۔ ایڈیٹری۔ پیری مریدی وغیرہ۔ ان میں سے جس فن کو پسند او راختیار کروگے میں انہیں مدد دینے کو ہر طرح تیار ہوں ۔

عامل یہ سب کام میری نظر میں ہیں۔ اور خوب غور کر چکا ہوں۔ بالکل وہی مثال تا تریاق از عراق آوردہ شود۔ مارگزیدہ مردہ شود۔ ایک عرصہ چاہیئے کہ انسان ایسے کاموں میں کامیابی حاصل کرکے دولت جمع کرسکے۔ اور شاید دکان چلے یا نہ چلے ۔

موکل۔ واہ۔ چہ خوب۔ میاں ان سے بڑھ کر کامیابی کی تیز رفتاری کسی کام میں نہیں۔ دیکھو طبابت پیشہ لوگ جب اخباروں میں اپنے اشتہار شائع کرتے ہیں اور مقابل میں سندات کی فہرست دیتے ہیں تو ہزاروں عقل کے اندھے گانٹھ کے دہنی درخواستیں ارسال کرتے ہیں۔ دور دراز کی بات ہوتی ہے۔ اور پرچہ ترکیب استعمال کی شرائط سخت ہوتی ہیں۔ مریض سے اُن کی پابندی ہو نہیں سکتی۔ اسلیئے فائدہ اگر نہیں ہوتا تو مریض اپنا ہی قصور تصور کرتا ہے۔ اگر بفرض محال فائدہ ہو گیا تو اسکی دیکھا دیکھی۔ اور بیسیوں آدمی منگواتے ہیں۔ اسیطرح چند دنوں میں دکان کوٹھی بن جاتی ہے۔ اور سال کے خاتمہ پر جب نصف قیمت کا اشتہار نکالا جاتا ہے تو سارے سٹاف کو رات اور دن ایک کر دینا پڑتا ہے۔ اور گلی سڑی دوائیں سب چشم زدن میں وی پی بھیجکر مطلع صاف کردیا جاتا ہے اور سال بھر کی روٹیاں ایک مہینہ میں وصول ہوجاتی ہیں۔ اول اول صرف دو چار اسراری صدری دواؤں کا اشتہار شائع کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مقوی۔ سرمہ دافع عینک۔ طلائے رگ ماہی وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ آجکل انکی بہت ضرورت ہے۔ بات کچھ بھی نہیں۔ نسخے سب کے قرابادینوں میں موجود ہیں۔ یہی دس پانچ روپے سے کام شروع ہوسکتا ہے۔ پھر انہیں کا جوتہ اور انہیں کا سر بہت تھوڑے عرصہ میں اچھا خاصا انکم ٹکس دینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے ۔

وکالت میں اگرچہ پاس کرنے کا جھگڑا ہے۔ کیونکہ شرائط تعلیم ذرا سخت ہو گئی ہیں مگر اس میں بھی مزے بہت۔ کامیابی ہوئی تو کیا ہی کہنا ہے۔ ورنہ آوارہ گردی۔ بہ مہمیں

گیا ہی نہیں نہ نمک لگا نہ پھٹکری۔ کوئی ہارو کوئی جیتو۔ یاروں کی جیب گرم۔ ان سب سے بڑھکر عمدہ اور آسان اور مزیدار کام پیری مریدی کا ہے۔ جس کے لیئے میں بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں اور پختہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں کامیابی کے لیئے سرتوڑ کوشش کرونگا۔ اگرچہ میں نے کئی ایک کام پیش کیئے ہیں۔ مگر ان سب کو الگ کرکے محض اس کام کی رائے دیتا ہوں اور اسکو سب پر ترجیح دیتا ہوں۔ کیونکہ دوسرے کاموں میں اگرچہ کامیابی کا ہونا یقینی ہے لیکن ان میں مشکلات اور محنت بھی کچھ کم نہیں ہے۔ مثلاً طبابت۔ اسکے لیئے کچھ نہ کچھ علم طب کی واقفیت یا کم سے کم اصطلاحوں کا جاننا ضروری ہے۔ اور وکالت کا تو مشکل ہونا ظاہر ہی ہے اسمیں یہ مشکل نہیں ہے کہ مقدمہ ہارجانے کی ندامت ہوتی ہے۔ یہ تو شروع میں پہلی دفعہ ذرا سی محسوس ہوتی ہوگی۔ پھر روز کی ہار جیت سے دل سخت ہو جاتا ہے ورنہ اگر ہر روز ندامت ہوتی تو وکیلوں اور پہلوانوں سے کنوئیں بھر گئے ہوتے۔ البتہ اسمیں مشکل بات قانون کا حفظ کرنا۔ اور اُسکو سمجھنا ہے +

ایسا ہی وعظ گوئی بھی ذرا مشکل ہے اسکے لیئے بھی قوت حافظہ اور قوت بیانیہ اور طرز ادا کی سخت ضرورت ہے۔ قصے کہانیاں۔ لطیفے۔ مثالیں۔ پھڑکتی ہوئی نعتیں۔ دلگداز مناجاتیں ذومعنی اشعار۔ مثنوی معنوی کے چیدہ چیدہ شعر اور حکایتیں۔ تحفہ فقیر کی غزلیں صحابہ کرام کی کارگزاریاں حضرت موسے اور فرعون کی لڑائی۔ حضرت ایوب کے صبر کی کیفیت۔ دوزخ اور جنت کی فرد موجودات وغیرہ وغیرہ کا ایک کافی پشتارہ ذہن میں ہونا چاہیئے۔ یہ ذرا مشکل اور مشق کا محتاج ہے۔ اگرچہ دعوتیں اور نذریں اور چندے بہت ملجاتے ہیں +

رہی ایڈیٹری سو اگرچہ گزشتہ ایام میں نہایت آسان اور زرخیز کام تھا۔ مگر آج کل اسکی مشکلات سب سے زیادہ ہوگئی ہیں۔ جب سے ایڈیٹری میں پالیٹکس نے قدم مبارک رکھا ہے اُسوقت سے یہ کام بہت کٹھن ہو گیا ہے۔ ایڈیٹر نہ گھر پر ٹیکنے میں عزت سے رہ سکتا ہی نہ سسرال میں آرام سے بسر کر سکتا ہے۔ حلیم الطبع اور سرد مزاج ہو تو چچا۔ بھائی۔ بھتیجے بیٹا بنگئے

شوخ گستاخ ہوکر دھمکیاں دیتے ہیں۔ اور بے ادبیاں کرتے ہیں۔ اور سالے سالیاں آگرد دنوں ضیافتوں سے ناک میں دم کردیتے ہیں۔ تند اور گرم مزاج ہو تو گھر کے لوگ خود پسند اور متکبر کہکر کوسنے لگتے ہیں۔ اور سسرال والے سالے سالیاں دق کرنا شروع کردیتی ہیں۔ کوئی ہولڈر چھین لیتا ہے۔ کوئی پتھر پھوڑ ڈالتا ہے۔ کوئی پریس کے پرزے بھاگتا ہے۔ کوئی دفتر میں آگ لگانے کی شرارت کرتا ہے۔ کوئی منہ چڑاتا ہے۔ کوئی آنکھیں دکھاتا ہے۔ قانون کی ذمہ داریاں اور خریداروں کی نازبرداریاں ان کے سوا رہیں ۔

ان سب کے مقابلہ میں پیری ہی ایک ایسا ترقمہ ہے کہ جس میں ایک بھی مشکل پیش نہیں آتی۔ ہر وقت پانچوں گھی میں رہتی ہیں۔ اس کی ترکیبیں نہایت آسان ہیں۔ بس ذرا سفر میں رہنا ضرور پڑتا ہے۔ سو آجکل وسائل سفر بہت سہل ہوگئے ہیں۔ سردی کے موسم میں سفر کرو یا گرمی کے موسم میں۔ ہر ایک طرح کا سامان آسایش اس عادل اور رعیت پرور گورنمنٹ کی بدولت مہیا ہے۔ ایسا کرنا چاہیئے کہ سبز رنگ کا عمامہ سر پر باندہو۔ اور ٹخنوں تک لمبا بادہ یا جُبّہ زیب تن کرو۔ اور مختصر سا بیگ یا ٹرنک ساتھ لو۔ اور پان کی ڈبیہ چھالیہ کا بٹوہ کار صوفیانہ بٹوا۔ اور زرد کہربا کی تسبیح اور گول موٹہہ کا معمولی سادہ پھل دار عصا۔ آئینہ سُرمہ دانی کنگھا۔ یہ سامان بھی پاس رکھو۔ اور گیروے رنگ کی چادر کندھے پر ڈالے ہوئے بسم اللہ مجریہا و مرسیہا پڑھکر سفر کو چلدو۔ ایک تعویذات کی کتاب اور ملفوظات چشت بھی ضرور بیگ میں رکھ لو۔ اور یکہ میں تنہا سوار ہوکر ریل پر پہنچو۔ اور ریل کے مسافروں سے بھولی بھولی باتیں کرو۔ سر پر یا تو لمبے بال ہوں جن پر چار گوشے کی کلاہ مکلف ہو۔ ورنہ بالکل صفاچٹ ہو جس پر سبز عمامہ ہو۔ کسی شہر یا قصبے میں کوئی شناسائی ہو تو اسکے یہاں۔ ورنہ جامع مسجد میں جا ٹھیرو۔ لوگ زیارت کو آئیں گے۔ انکے ساتھ سوائے ذکر الہی یا کرامات اولیا۔ اور کوئی بات نہ کرو۔ پولیٹکل بات اگر کوئی ضمن میں آجائے تو فوراً ٹالدو۔ اگر کوئی آدمی نذر نیاز یا شیرینی وغیرہ لاوے تو باصرار رکھ لو۔ نقدی ہو تو جیب میں داخل کرو۔ شیرینی یا خوردنی چیز ہو تو

فاتحہ کہکر حاضرین میں بطور تبرک تقسیم کردو۔ اگر کسی کے ساتھ خورد سال بچہ ہو تو اُس کو خوب پیار کرو۔ اور بار بار دعائیں دو۔ اور قیافہ دانی کی بھی ٹانگ اڑادو کہ نہایت ہونہار اور صاحب قسمت ہوگا۔ اور ایسا ہوگا اور ایسا ہوگا۔ اپنی صورت وہیئت مستغرق اور متفکر بنائے رکھو۔ سکوت کے بعد جب کوئی بات چھڑے تو ایسے چونکو جیسے کوئی کچی نیند سے چونکتا ہے۔ لمبی لمبی سانس اور درد بھری آہیں کھینچے اور ذرا ذرا سی بات پر مسکرا دینے کی عادت کرو۔ دعوتوں اور ضیافتوں میں مرغوب کھانے کو بے رغبتی سے کھاؤ اور اچھی اچھی چیزیں اپنے آگے سے چن کر دوسرے ساتھ کے کھانے والوں کو دیتے جاؤ۔ اور خود بہت کم کھاؤ۔ مسجد میں نماز کے لئے زیادہ جانا پیروں کے حق میں سخت مضر ہے۔ اس کی خاص احتیاط رکھنا۔ خیر بحالت مسافری مسجد میں ٹھیرو تو مجبوری ہے پھر بھی جہاں تک ہو سکے بہت جلدی تعارف پیدا کر کے کسی کے مکان پر اُٹھہ جانا اور پھر مسجد میں سوائے جمعہ کے قدم نہ رکھنا۔ ورنہ پیری کی بجائے مُلا۔ مولوی بن جاؤ گے اس لئے کوئی لاکھہ اصرار کرے۔ امامت۔ جماعت۔ وعظ کا نام نہ لینا۔ اسکے اصرار کو خاکساری سے مسترد کر دینا۔

جسقدر معتقدین زیارت کو یا ملاقات کو آئیں۔ اُنکے ظاہری اعمال اور لباس پر ہرگز رد و قدح نہ کرنا۔ خصوصاً ڈاڑھی اور پائجامہ پر تو بھولکر بھی ہاتھ نہ ڈالنا۔ عورتوں کی مریدی بھی جائز ہے۔ مگر اس میں رانڈوں کو زیادہ ترجیح ہے۔ اور بخلاف اسکے رنڈوے آدمی کو ہرگز مرید نہ کرنا۔ کیونکہ اسمیں دین و دنیا کا ایک ہی فائدہ نہیں ہے۔ یہ مختصر سا قانون پیری مریدی کا ہے۔ اسکو یاد رکھو۔ باقی اور ضروریات خود تجربہ سے تمکو معلوم ہو جائیگی۔

عامل کام تو آپنے ٹھیک بتایا۔ مگر اس قانون کی پابندی اور احتیاط کرنا اپنے آپ کو قید کرا دینا ہے۔ آپ ان مشوروں سے معاف فرما دیجئے اور اللہ کے واسطے دست غیب جاری ہونے کا انتظام کر دیں۔ زیادہ نہیں تو دو روپیہ روزانہ ہی سہی۔

موکل۔ دست غیب تو ایک کوڑی کی بھی ممکن نہیں۔ میاں دست غیب کس کی پیر بن جاؤگے تو آنکھوں میں سرسوں پھول جائے گی۔ دست غیب اور خزانے سب بھول جاؤگے۔ جب مریدنیوں کا جُھرمٹ پاؤں دبا دبا کر مرادیں طلب کریگا تو پیر صاحب حورسے آنکھ ملانا بھی کسرِ شان خیال کرینگے۔ اور جب اندرسے ورق کا لپٹا ہوا پان اور کیوڑے و گلاب کا معطر گلاس ماما لا کر دے گی تو آپ کو شرابِ طہور کے جام زہر ہو جائیں گے۔ پیری میں وہ عیش ہے جو بادشاہ کو بھی نصیب نہیں +

عامل۔ اچھا میں آپ کی تعمیل حکم سے انکار نہیں کرتا۔ پیری مریدی شروع کرونگا اور مجھے اپنے پیر صاحب سے اجازت بھی ہے۔ لیکن یہ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ میری کس طرح کی امداد کرینگے۔ اور میری کامیابیوں کی راہ کس طرح کشادہ کرینگے؟

موکل۔ اس میں آپ کچھ دخل نہ دو۔ میں جب وعدہ کرتا ہوں تو آپ کو اطمینان رکھنا چاہیئے۔ ہمکو ہزاروں طریقے معلوم ہیں۔ تسخیر قلوب ہماری ہی معرفت حاصل ہوتی ہے دنیا کی دنیا تمہاری طرف کھچی چلی آئے گی۔ اور جب پیری چمک جائے گی تو پھر دست غیب کی بھی امید دلاتا ہوں۔ لیکن جنگ کا خاتمہ ہونیکے بعد دیکھا جائے گا۔ ابھی تو ہماری فرمہ داریاں دن بدن بڑھتی ہی چلی جارہی ہیں۔ خدا جانے کب اس اُوٹ نائم سے رہائی ہوگی۔ اب وقت پورا ہو چکا۔ ہم جاتے ہیں۔ یہ کہکر موکل غائب ہوگیا۔ اور عامل ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہوگیا +

محمد ظہور الدین مراقب از بریلی

تبصرہ

نورجہاں کا مزنا

سیدی حضرت خواجہ حسن نظامی کے مضامینِ ظرافت کا ایک مجموعہ حال میں شائع ہوا تھا۔ جس کا نام **چٹکیاں اور گدگدیاں** ہے۔ اور جو آٹھ آنے کو دفتر حلقۃ المشائخ دہلی میں فروخت کیا جاتا ہے۔ اب بقول حضرت خواجہ صاحب کفاو نظرافت میں ایک نئی کتاب "کم تو موت" انہوں نے تحریر فرمائی ہے جس میں تمام مضامین موت کے متعلق ہیں۔ اور عجب دردناک تحریریں جمع ہوئی ہیں۔ گویا موت کو سامنے لاکر کھڑا کر دیا ہے۔

کم تو موت میں زیادہ حصہ خواجہ صاحب کے مضامین کا ہے اور باقی میں جناب مولانا راشد الخیری۔ جناب مولانا عارف ہسوی۔ حضرت اکبر الہ آبادی۔ جناب یاس اکبرآبادی وغیرہ نامور بزرگوں کے نظم و نثر مضامین ہیں۔

پہلے اعلان کیا گیا تھا کہ کتاب کی قیمت ۶ رہوگی۔ مگر اب اسکی ضخامت اسقدر بڑھ گئی ہے کہ شاید ایک روپیہ قیمت رکھی جائے گی۔ چھپ رہی ہے۔ اس کتاب کم تو موت میں ایک مضمون "نورجہاں کا مزنا" لٹریچر تاریخ اور متصوفانہ حیثیت سے اس قابل نظر آیا کہ نظام المشائخ میں لیا جائے۔ گو مجموعہ "کم تو موت" کا ہر مضمون عجیب و غریب ہے۔ اور اسکے پڑھنے سے دل میں توانائی آتی ہے۔ اور مرنے کا خیال ذہن سے دور نہیں ہونے پاتا۔ اور یہی وہ چیز ہے جسکو درویشی کیا بلکہ تمام مذاہب کی بنیاد کہنا چاہیئے۔

یہ کتاب غالباً اس مضمون کی اشاعت کے وقت تک یعنی ۶۔ رجب تک شائع ہو جائیگی اور ایک روپیہ کے اندر قیمت ہوگی۔ کارکن حلقۃ المشائخ ڈاکخانہ عرب سرائے دہلی

شاہی محل میں دم توڑنے والی نور جہاں کو دیکھنا۔ یہ نلاکت زدہ ایرانی امیر کے گھر میں اُسوقت پیدا ہوئی۔ کہ وہ بیابان کا مسافر نان شبینہ سے محتاج مارا مارا ہندوستان آرہا تھا۔

ہوش سنبھالا تو شہزادہ جہانگیر ابن اکبر شاہ بادشاہ کی محبوب نظر ہوئی۔ اسی وجہ سے شیر افگن خاں گورنر بنگالہ سے بیاہ کرکے پایہ تخت سے دور بھیجدی گئی۔

اکبر مرا۔ جہانگیر تخت نشین ہوا تو نور جہاں شہنشاہ بیگم بنی۔ ہند میں سونے چاندی کے سکے اسکے نام پر چھپے۔ اور شہنشاہ نے دو کباب اور ایک پیالہ شراب کے عوض سلطنت اسکے ہاتھ فروخت کرڈالی۔

یہ وہی نورجہاں ہے جو ایک چُپ چاپ کوہستان میں پیدا ہوئی تھی۔ اور ماں نے اسکو جنگل میں اکیلا ڈال کر آگے کو راستہ لیا تھا۔ یہ وہی نورجہاں ہے جو اکبر کے شاہی باغ میں کھڑی تھی۔ جہانگیر سے اسی کی نگاہ لڑی تھی۔ بھولپن سے اسی نے کبوتر ہاتھ سے اڑا دیا تھا۔

یہی وہ عورت ہے جس کی خاطر شیر افگن خاں جہانگیر کے ہاتھوں مارا گیا۔ اسی دم توڑنے والی نے سلطنت ہند کے واعیہ داروں کے دم خم توڑ کے رکھدیئے تھے۔ طوطی کی طرح چہکنے والی۔ بلبل کی مثل بولیاں بولنے والی۔ بزم شاہانہ کی شمع۔ رزم رستانہ میں شیروں کی مانند آگے بڑھ کر گرجنے والی۔ اسی کی تدبیروں نے بڑے بڑے عالی دماغ حکمرانوں کے جوڑ توڑ کو نیچا دکھایا تھا یہی دریا کے کنارے ایک عظیم الشان لشکر سے تیر کمان ہاتھ میں لیکر لڑی تھی۔ یہی ہے جسکے گلے میں سونے کا طوق اور ہاتھ پاؤں میں طلائی ہتکڑیاں بیڑیاں ڈالی گئی تھیں پھر وہی یہ ہے جس نے تلوار کے منہ سے اپنی جان بچاکر حریفوں کو پاش پاش کرکے رکھدیا تھا۔

آج اسکی موت آئی ہے

آج اس نے سفر آخرت پر کمر باندھی ہے۔ اب کوئی تدبیر۔ کوئی لطیفہ۔ کوئی شعر۔ کوئی نگاہ ناز۔ کوئی سخن شیریں۔ اس کی جان کو پنجۂ اجل سے بچا نہیں سکتا۔

وہ شالہ اوڑھے لیٹی ہے۔ چھت پر نگاہیں ہیں۔ دلمیں آہیں ہیں۔ سر کا وارث نورالدین جہانگیر بادشاہ خاک میں جا سویا۔ شاہ جہاں جو ساری عمر نور جہاں کی آنکھہ میں کھٹکا۔ سریر آرائے سلطنت ہی۔ مدتوں کے رنڈاپے کے بعد آج موت اس کی زندگی مانگنے آئی ہے۔

نور جہاں سوچتی ہے۔ میں کیسی بدنصیب تھی۔ اسوقت کہ مصیبت کے ایام میں پیدا ہوئی اور ماں باپ نے صحرا میں اکیلا ڈال دیا۔ اور کیسی خوش قسمت تھی اُسوقت کہ میری بدولت ماں کی نوکری ہوئی۔ پھر باپ کو امیری ملی۔ اور کیا زمانہ تھا وہ کہ مجھپر جوانی نے طلسم کا غازہ ملا تھا۔ دنیا کی ہر شئے مست نظر آتی تھی۔ میں چلتی تھی تو پیروں تلے خلقت کے دل مسلے ہوئے۔ روندے ہوئے۔ کچلے ہوئے پاتی تھی۔ نرگس کو دیکھتی تو اُسکو شرما کر گردن جھکاتا ہوا اخیال کرتی اور مجکو گھمنڈ ہوتا کہ اس پھول سے میری چشم بیمار کی دید برداشت نہو سکی۔ گل لالہ پر نگاہ جاتی۔ اُسکے داغدار سینہ کو دیکھتی تو جی المقرین سے کہتا کہ شاید میری فرقت نے اسکا سینہ داغ دار بنایا ہے۔ یا میری طرح کسی اور حسین پر اسکا جی آیا ہی۔

چمن میں سرو و شمشاد کے سایہ تلے جاتی تو اپنے قد رعنا کی زیبایش پر آپ ہی آپ اتراتی۔ اور کہتی مجسے زیادہ نہیں ہیں یا اونچے ہیں یا نیچے ہیں۔

ہوا چلتی۔ پھولوں کی ڈالیاں جھومتیں تو میں کہتی۔ انکو تو ہوا جھکاتی ہے۔ مجھپر کیا بلا آتی ہے کہ چلتے چلتے جھکی پڑتی ہوں۔ اندر کوئی چیز ہے۔ جس کے نشہ سے بے قابو ہوئی جاتی ہوں۔

میں ہی نور جہاں ہوں۔ ریشمی قبا کے دامن کھینچتی۔ تختۂ چمن پر ہری گھاس کو اپنی شوخ ٹھوکروں سے ٹھکراتی۔ سوتے فتنوں کو جگاتی۔ دبی قیامت کو اٹھاتی جا رہی تھی۔

سامنے سے شہزادے ولیعہد کبوتر ہاتھ میں لیئے تشریف لائے۔ آداب کو جھکی شرم نے بھی جھکایا۔ جوشِ شباب نے نظروں کو نگاہوں سے ملایا۔ وہ دم بخود ہو کر کھڑے ہو گئے میں بے اوسان ہو کر پیچھے ہٹی۔ نہ اُن کا قدم آگے بڑھا اور نہ میرا قدم پیچھے ہٹ سکا۔ آخر وہ بولے۔ اور کہا:۔

لڑکی! میرے کبوتر لیلے۔ میں اتنے ذرا پھول توڑتا ہوں۔ میں نے بسر و چشم کہا۔ مگر کیونکر کہا۔ دل کا اُسوقت کیا عالم تھا آج اُس کیفیت کو کیونکر تصور میں لاؤں۔ اب وہ وقت ہی نہیں رہا۔

ایک کبوتر پھڑک کر اُڑ گیا۔ شہزادے واپس آئے۔ اور بولے۔ ہائیں میرا کبوتر کیا ہوا میں نے عرض کی۔ صاحب عالم اُڑ گیا۔ بولے۔ کیونکر۔ میں نے۔ ہاں شاید میں نے ہی بہت سادگی۔ بہت بھولپن سے دوسرے ہاتھ کا کبوتر اڑا کر کہا۔ جناب۔ اس طرح۔

شہزادے پھر چپ ہو کر۔ اور کچھ دیکھ دیکھ کر۔ اور ایک ہلکا سا سانس لیکر جس سے میں نے گرمی خشکی۔ اور سب ہی کچھ محسوس کیا۔ اُلٹے پھرے۔ اور محل کی طرف بڑھے۔ میں کھڑی رہ گئی۔ میری برابر ہوا گلاب کی شاخ کا سر ہلاتی تھی۔ بیتاب پتیوں کو فرش خاک پر گراتی تھی۔ میں نے دل کی ایک نامعلوم حالت سے بے چین ہو کر برگ گل کو دیکھا۔ مگر شاید کچھ نہ دیکھا۔ میری آنکھوں پر ایک خمار نے پردہ تان دیا تھا۔ ابھی میں اپنے ہوش کی اس نیرنگی پر غور کرنے نہ پائی تھی۔ ابھی میرے دل نے اس ہوش ربا منظر کی لذت کو اپنے لب سے دور نہ کیا تھا کہ شہزادے پھر لوٹ کر آئے۔ اور فرمایا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے قبا کے دامن کو اسطرح مضبوط پکڑ کر کہا گویا میں ایک بھاری چیز پر سہارا دیتی ہوں۔ میرا نام مہر النساء ہے۔ امیر غیاث کی بیٹی۔

شہزادے نے پھر ایک مایوس مگر آنکھ کھنچی نظر مجھ پر ڈالی۔ اور محل کی جانب چلے گئے۔

(۲)

میں وہی مہرالنساء ہوں۔ بنگالہ کی ملکہ بنی بیٹھی تھی۔ شوہر بنگالے کا حاکم۔ زائچہ دیکھکر بولا۔ بیگم! تاج تمہارے سر پہ قربان ہوتا نظر آتا ہے۔ خاوند کا یہ کہنا تھا۔ یہ غم والی بات کانٹے کی طرح دل میں کھٹکی۔ مگر زبان نے پردہ کیا۔ بولی۔ میرا تاج شاہی تمہاری ذات ہے۔ تم سلامت ہو تو ملکۂ ہند ہوں۔

جہانگیری تیغ نے "شیر افگن خاں" شوہر کا کام تمام کیا۔ میں قیدی بنی۔ حرم شاہی میں آئی۔ شاہ نے پیام نکاح بھجوایا۔ میرے دل نے غم بھلایا۔ مگر زبان پر پھر یہی آیا کہ لونڈی غمگین ہے۔ اس سے یہ چیز خلاف آئین ہے۔

وقت بدلا۔ بستر شاہ تک پہنچی۔ محل کی ملکہ بنی۔ فرمانوں اور سکوں پر نورجہاں درج ہوا۔ تلواریں قدموں پر سر ٹیکنے لگیں۔ سرکش اُمراء گردنیں جھکا کر سلام کرنے لگے اور میرے سوا اتنے بڑے ہندوستان میں کوئی عزت والا۔ عیش وراحت والا۔ اقبال وقسمت والا نہ رہا۔

شوہر تاجدار۔ یا شوہر تاج نثار کی حالت آخری دیکھی تو اپنی اولاد کی حکمرانی کا خیال سامنے بلایا۔ فکر و تدبیر کو آگے بڑھایا۔ کانٹے توڑے۔ ٹیلے اکھیڑے۔ میدان برابر کیے مگر قسمت میں یہ نہ تھا۔ شاہ جہاں بڑھ گیا۔ میرے منصوبے گر پڑے۔ بادشاہ کے مرتے ہی رانڈ قیدی بنی۔ گو لائق شاہجہاں نے ہر آسایش کا سامان مہیا کر دیا۔

(۳)

اب میں وہی نورجہاں زندگی موت کو دیتی ہوں۔ اپنی بھول بھلیاں کھائی دل سے کہتی ہوں اور مرتی ہوں۔

آہ۔ میری اجل آئی ہے۔ جسکا طفلی۔ جوانی۔ اور شہنشاہی کے ایام میں خیال بھی نہ آتا تھا۔

مرجاؤنگی۔غریبوں اور محتاجوں کی طرح گور میں جاؤں گی۔ وہاں نہ کافوری شمع ہوگی۔نہ پھولوں کے انبار۔نہ بلبل ہوگا نہ پروانہ ؎

برمزار ما غریباں نے چراغے نے گلے ۔ نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

یہ سوچتے سوچتے کروٹ لی۔شال کو سمیٹا۔چپ چاپ لونڈیوں کو دیکھا جو پلنگڑی کے آس پاس سر جھکائے بیٹھی تھیں۔اور بولی:۔

شہناز کچھ بول۔نیک قدم زبان کھول۔دردانہ تو بھی کچھ کہہ۔اسے میں مرتی ہوں۔دیکھو میرا وقت آخر آپہنچا۔کیا موت سب کو آیا کرتی ہے۔کیا مرنا ہر جاندار کو لازم ہے۔کل نفس ذائقة الموت۔میں کیا میرا نفس بھی مراد تھا:۔

مجھے اٹھاؤ۔تکیہ سے لگاؤ۔شربت لاؤ۔دو گھونٹ دو۔جان لبوں پر آئی ہے اس محل میں کیسی کیسی خوشیاں میں نے دیکھیں۔یہ اجل ان سب کو ختم کرنے آئی ہے باہر جاؤ۔کیا سب باغ اجڑ گئے؟ کیا سب نہریں سوکھ گئیں؟ کیا تمام بلبل خاموش ہوگئے؟ شمع کو دیکھو کیا وہ بھی پگھل چکی؟ پروانہ پر نظر اٹھاؤ اس میں کچھ دم ہے؟ یا وہ بھی چل بسا؟:۔

اف۔اس زندگی کی داستان کیسی ادھوری رہ گئی۔میں نے تو ابھی کچھ نہ سنا تھا۔داستان گو کیوں خاموش ہوگیا:۔

مجھے لٹاؤ۔پنکھا جھلو۔پسینہ پونچھو۔ذرا سہارا دو۔میں ایک بڑی منزل طے کرنے چلی ہوں۔بتاؤ کون کون میرے ساتھ چلیگا۔قبر کی تنہائی میں کون میرا جی بہلانے ہمراہ جائے گا۔کوئی نہیں بولتا۔کوئی نہیں کہتا۔بی بی ہم چلیں گے۔ملکۂ عالم ہم حاضر ہیں۔ارے کیا تم سب بیوفا ہوگئے؟ کیا تم نے ایکا کر لیا؟ مجھکو اکیلا جانے دینے پر راضی ہوگئے لا الہ الا اللہ۔الملک للہ۔التحیات للہ۔موت بہت جلدی آگئی۔میں نے تو ابھی دنیا میں کچھ بھی نہ دیکھا۔اسکا نقارہ ایسی جلدی بج گیا؟:۔

کفن منگاؤ۔ میں اسکو دیکھوں۔ ایسا نہو بُرا کپڑا ہو۔ ایسا نہو۔ میرے بدن پر ٹھیک نہ آئے۔ کیا تم کافور میں اسکو بسا ؤگے؟ کیا مجکو معمولی تختے پر لٹاؤگے اور کھینچ کھینچکر نہلاؤگے!

اُف! میرا دم کھنچتا ہے میرا سانس رُکتا ہے۔ کیا موت اسی کا نام ہے؟ مجھے چکر آتا ہے۔ میرا سر پھرا جاتا ہے۔ میرے دلپر کسی چیز سے چوٹ لگ رہی ہے۔ اور ا ان دھماکوں کی تاب نہیں لاسکتا۔ میرے ہاتھ پاؤں کی رگیں دماغ کی طرف سمٹ رہی ہیں۔ میرے سینہ سے کوئی چیز سانس کے ساتھ حلق میں آکر ٹکراتی ہے۔ بدن میں سن سن کی آواز آتی ہے۔ مجھے جمائی لینے دو۔ مجھے انگڑائی آتی ہے۔ اس جمائی نے۔ اس انگڑا نے میرا جسم مردہ کردیا۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ اور نیند کا سا غلبہ آنکھوں پر چھاتا چلا آتا ہے۔ خدا لینا۔ خدا لینا۔ میں چلی۔ میں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلُ اللّٰہِ *

یہ کہتے کہتے ہندوستان کی یہ مشہور تاریخی کتاب۔ مشہور اشعار کی کتاب۔ مشہور فلسفہ حیات کی کتاب۔ مشہور تمدن و معاشرت کی کتاب۔ اور حسن و عشق کی پتلی۔ حکم اُنکے جذبات کا بولتا ہوا نوشتہ۔ غم دہر۔ اور سُرُور کائنات کی بے نظیر بہار دکھانے والی۔ ملکہ۔ مرگئی۔ اور کہہ گئی کہ مرنا سب کو ہے۔ اور مرنا ہی وہ چیز ہے جس سے راحت یا زحمت دوامی میسر آتی ہے *

حسن نظامی

اللہ اکبر

کہوں تم سے کہ کیا شے نعرۂ اللہ اکبر ہے
ہوا ہوں تر زباں باسط کہ ذکر رب برتر ہے

ہمیں لازم ہی صبح و شام وِردِ اسکا برابر ہو
سراسر پاک ہو جائے زباں گر اسکی خوگر ہو

صدا یہ وہ ہے جس پہ اہل دل کو ناز ہوتا ہے
یہی وہ سوز ہے جسکا نتیجہ ساز ہوتا ہے

یہ وہ ہے نور ظلمت میں جسے مہر عرب لایا
یہ اسم پاک ہم تک سید امی لقب لایا

خدا جانے کہ کیا تھی بات اس اللہ اکبر میں
کہ جس نے نور حق پھیلا دیا دنیا کے ہر گھر میں

عرب سے چار دانگ عالم میں یہ تنویر پہنچی ہے
جبل میں کوہ میں صحرا میں یہ تکبیر پہنچی ہے

ہزاروں آج یورپ میں ہیں اسکے جاننے والے
کروڑوں اب ہیں افریقہ میں اسکے ماننے والے

ہیں مسلم چین و جاپان و روس میں بھی فخر عالم ہیں
خدا رکھے ہمیں تا حشر قائم ہند میں ہم ہیں

یہی تکبیر مسلم کے لیئے ہے جنگ کا کڑکا
کہ کافر جسکو سن کر مرغ بسمل کی طرح پھڑکا

قدم اکھڑے ہوے جم جائیں بیشک وہ صدا یہ ہے
نہ ہو کیوں آہ میں یہ طاقت کہ اسم خدا یہ ہے

تعجب کیا ہی دشمن سن کے گر بیتاب ہوتا ہے
کہ شیر نر کا بھی زہرہ اس صدا سے آب ہوتا ہے

لرزتے گونجتے ہیں سب کہسار کیا کہنا
سنو اللہ اکبر کی صدا تکرار کیا کہنا

مؤذن نے وہ ذکر خیر سے اپنی زباں تر کی
صدا مسجد سے وہ آنے لگی اللہ اکبر کی

ابھی کوئی سن کے لیلیٰ پردۂ محمل سے نکلیگی
مراد یہ جائے گی جس وقت باسط دل سے نکلیگی

باسط بسوانی

۸۶ء

نعتیہ قصیدہ

اے کہ ترا شہود ہے وجہِ نمودِ کائنات — اے کہ ترا فسانہ ہے زینتِ محفلِ حیات
اے کہ ہیں تیری ذات میں جمع زمانے کے صفات — سب ملکی تصرفات سب فلکی تجلیات

سلطنتِ اک جہاں کی ہے تیری نگاہِ التفات

بادۂ معرفت سے جب تو نے بھرا خمِ الست — بزم میں آ کے جھک پڑے سارے جہاں کے مے پرست
تھا یہ عجیب انتظام تھا یہ عجیب بندوبست — ہو گئے مست ہوشیار بن گئے ہوشیار مست

سلطنتِ اک جہاں کی ہے تیری نگاہِ التفات

تیرے غلام ہو گئے سارے جہاں کے شہریار — مظہرِ کائنات تو اور وہ زمیں کے تاجدار
صبحِ ازل سے ڈھونڈتی تھی جسے چشمِ انتظار — تیرے قدم کے فیض سے باغ میں آ گئی بہار

سلطنتِ اک جہان کی ہے تیری نگاہِ التفات

شرق ہی تجھ سے مستفیض غرب ہے تجھ سے فیضیاب — دونوں جہاں کی رحمتیں ہو گئیں تیری ہم رکاب
جو ترے در کی خاک تھے ہو گئے آسماں کے آفتاب — لطف ترا ہے بے شمار فیض ترا ہے بے حساب

سلطنتِ اک جہاں کی ہے تیری نگاہِ التفات

تیرے نوال میں نہاں مبدءِ [illegible] آل — تیرے کمال سے عیاں شانِ خدائے ذوالجلال

قدرتی ہے بیمثال درس ترا ہی لازوال — نور ترا فوق کل نور نبات اصوب المنال

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

خلق ہوئی تھی میمنت تیرے قدم کے لیئے — وضع ہوئی تھی معرفت تیرے علوم کے لیئے

فیض نہ تھا ترا فقط قوم ظلوم کے لیئے — بلکہ ترا خصوص تھا وقف عموم کے لیئے

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

گردن خلق ایک ساتھ جھک گئی رب کے سامنے — چل نہ سکا چراغ جن سب کے سامنے

گرد ہوئی ہے کیمیا خاک عرب کے سامنے — تو نے یہ گنج شایگاں رکھدیا سب کے سامنے

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

چین سے تا بہ اندلس بادہ فروش تو ہی تھا — بادہ کشوں کے واسطے چشمۂ نوش تو ہی تھا

شاہد علم و فضل کا حلقہ بگوش تو ہی تھا — سارے جہان کے لیئے دیدہ ہوش تو ہی تھا

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

سارے جہاں کی حکمتیں تیرے کلام پر نثار — سارے جہاں کی دولتیں تیرے نظام پر نثار

ہم تیری ذات پر فدا ہم تیرے نام پر نثار — تیری گلی میں ہوں مقیم تیرے مقام پر نثار

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہ التفات

(ستارہ صبح ص ۱۲)

ظفر علی خان

حقیقۃ الحقیقہ

مکرمی منشی چند سروپ صاحب جالندھری کی ایک نظم "یار کے جلوے" نظام المشائخ کے کئی نمبروں میں چھپنے کے بعد پچھلے نمبر میں ختم ہوئی ہے۔ اسے ناظرین نے بہت پسند کیا اور لطف لے لے کر پڑھا۔ اب جناب موصوف نے یہ دوسرا سلسلہ شروع فرمایا ہے جسکا پہلا ٹکڑا درج ذیل کیا جاتا ہے۔ یقین ہے کہ اسکی دلچسپیاں بھی کچھ کم ثابت نہ ہوں گی ✦

ایڈیٹر

تمہید بہ تحمید

تجھے زیبا ہے شانِ کبریائی — ہے تجھ ہی کو بس سزاوارِ خدائی
تو دادی نیست را ہستی نمودے — عدم را مرحمت کردی وجودے
بشر میں ہے کہاں طاقت کہ بولے — تری توصیف میں لب اپنے کھولے
کرا خیزد و یارائے کہ داند — جز الآن کما کان بخواند
بیاں تیرا بری شرح و بیاں سے — نشاں تیرا الگ نام و نشاں سے
بہر رنگے توئی ہر آنچہ ہستی — مگر در چشم ظاہر بیں نہانی
نہیں اس بارگہ میں فکر کو راہ — نہیں دانش تری منزل سے آگاہ
بنادانی خرد شد معذرت خواہ — برفعت ماند دستِ وہم کوتاہ
ہے کعبے میں تو بتخانے میں تو — ہیں سب تیرے مسلماں اور ہندو
میانِ بادہ و پیمانہ ہستی — بجانِ شمع و پروانہ ہستی
کہیں غافل کہیں دیوانہ ہے تو — کہیں یار اور کہیں بیگانہ ہے تو

گہے در عاشقانِ خستہ جانی — گہے در دلبراں با ناز و آنی
کہیں تیرے گلے میں ہار زنار — کہیں صورت میں مومن کی ہو دیندار
گہے در دیرِ ہستی بے نقابی — گہے اندر حرم وقفِ حجابی
ہے بتخانے میں ہندو تیرا جویاں — ہے کعبے میں مسلماں تیرا خواہاں
زمیں را عجز تو دادی بہ پستی — فلک را سرفرازی از بلندی
تری بخشش ہے پانی میں روانی — عطا کی آگ کو شعلہ زبانی
بلطفِ باد را کردی تو آزاد — برحمت خاک را دادی تو افتاد
کرم سے تو نے بخشا آنکھ کو نور — حضوری سے کیا ہے دل کو معمور
عطا کردی بشر را فہم و ادراک — کہ جو یہ رمز سِرِّ مَا عَرَفْنَاکَ
کدورت سے ہوئی یہ خاک بے باک — تو بخشی اسکو رفعت تا بہ افلاک
بظلمت آبِ حیواں آفریدی — بہ دلہا گنجِ عرفاں آفریدی
ہے کوئی مست تیرا کوئی مخمور — کوئی نزدیک تجھسے اور کوئی دور
یکے را در حضورِ خود بخواندی — یکے را از جنابِ خود براندی
دیا گہ طور پر موسےٰ کو دیدار — کبھی منصور کو کھینچا سرِ دار
ز کرمت ہست در ہر غنچہ طورے — بہ لطفت ہست در ظلمات نورے
وہ سر دے جس میں ہو تیرا ہی سودا — زباں وہ دے کہ ہو تیری ہی گویا
بہ چشمے کہ بینائے تو باشد — عطا کن دل کہ دانائے تو باشد

چاند لاہوری

۲۱ خود نظام المشائخ کا رجسٹرڈ نمبر ہے جو ڈاک خانہ کیطرف سے مقرر کیا گیا ہے آپکو اس سے کچھ مطلب نہیں۔ آپ تو خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھدیجئے جو آپکے پتہ کی چٹ پر آپکے نام کے بالکل شروع میں ہمیشہ چھاپا جاتا ہے۔ (منیجر)

یاران نظام المشائخ

ہندوستان ہی کا نہیں

انگلستان کا پریس بھی چیخ اٹھا ہے

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پراں کر دیئے ہیں!

آپ جس پرچے کو جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ سب کے چہرے زرد ملیں گے۔ ایک خطیب اور نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ ہی کوئی سرخ و سپید نظر آتا ہو تو آتا ہو۔ **لیکن**

کب تلک یارب چھپائیں دردِ دل

خطیب و نظام المشائخ کے پاس قیصر ولیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اٹھاتا چلا جائے ناظرین اگر خطیب و نظام المشائخ کو ان کی شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو خود بھی کچھ تکلیف اٹھائیں۔

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک مدِ **امداد** پیش کرتا ہوں۔ اِسمیں جبتک جنگ ہے ۸ ؍ سالانہ سب کو دینا پڑے گا اور اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو۔

خاکسار واحدی

شکریہ

اُن حضرات کا جنہوں نے اِس مہینے نظام المشائخ کی دو دو سر خریدار پیدا کر کے یا خود خریدار بنکر مدد فرمائی ہے

جناب منشی حسام الدین صاحب گیلانی مظفر آباد نے حسب ذیل خریدار دیئے۔

جناب سید محمد یعقوب صاحب گیلانی ٹھٹھہ جناب بابو الٰہی بخش صاحب مظفر آباد ... بابو لال دین صاحب ... کشمیر دو میل ...

جناب خواجہ عبد اسد صاحب مظفر آباد۔ جناب قاضی عبد الحمید صاحب ناظر عدالت مظفر آباد۔ جناب بابو محمد صدیق صاحب منیجر سنگر کمپنی مظفر آباد۔ جناب مستری نظام الدین صاحب مظفر آباد کو خریدار بنالیا اور جناب منشی محمد صاحب بمبئی نے جناب ہیڈ ماسٹر محمد عبد العزیز صاحب خطیب مدینہ۔ اور جناب ہیڈ ماسٹر شیخ احمد صاحب بمبئی کو خریدار بنایا۔

جناب محمد ابراہیم صاحب سکندرآباد نے جناب محمد عبد الجلیل صاحب حیدرآباد کو۔ جناب عبد الرحیم صاحب موٹر ڈرائیور الہ آباد نے جناب مرزا احمد بیگ صاحب ڈرائیور الہ آباد کو۔ جناب شیخ ہارون صاحب کلرک تریسی نے جناب محمد مولانا صاحب دکاندار نبواسی کو۔ جناب سید عطاء اللہ صاحب چن پٹن نے جناب سید مبارک علی صاحب و جناب سی۔ ایم بڑے میاں صاحب چن پٹن کو۔ جناب مولوی ارشاد احمد خاں صاحب ارشاد نظامی آگرہ نے جناب ظفر حسین صاحب آگرہ کو۔ جناب ایس حکیم الدین صاحب آتش نے جناب مسٹر نذیر محمد خاں صاحب کو۔ جناب ماسٹر محمد حمزہ خاں صاحب نانڈورہ نے جناب حسام الدین صاحب پانڈے مقام آگر کو۔ جناب محمد اکرام حسین صاحب صدیقی اہلکار اصطبل سنگاریڈی نے جناب محمد غلام دستگیر صاحب سنگاریڈی کو یجناب فدا حسین صاحب حیدرآبادی نے جناب محمد غوث صاحب مدراس کو۔ جناب محمد شریف ملک چشتی نے جناب مولوی نصیر الدین صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری سنگھیا کو۔ جناب مولوی محمد حنیف صاحب زمیندار کو۔ اور جناب حافظ عبد الحمید صاحب چونہ فروش کو۔ جناب حسام الدین صاحب گیلانی مظفر آباد نے۔ جناب قاضی محمد اکبر صاحب پٹواری مظفر آباد کو اور جناب محمد شریف خان صاحب مظفر آباد کو خریدار بنایا۔ جو حضرات خود خریدار ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔

جناب ڈاکٹر عنایت مسیح صاحب بیاس۔ جناب محمد الدین صاحب نائب سٹیشن ماسٹر تنواری۔ جناب سراج الدین صاحب طالب علم کالو لائکی۔ جناب بدیا بھائی صاحب چشتی لائبریری گدک۔ جناب چوہدری فضل کریم صاحب نمبردار میرپور نمبر ۸۔ جناب شیخ ہیبت اللہ صاحب بھائی و شیخ شمس الدین عامل صاحب رنگون۔ جناب قاضی نور محمد صاحب گتہ دار تعمیرات عامہ ماوہیدرام کھتل دیہہ سید احمد صاحب کولار کو منٹل گولڈ فیلڈ۔

(باقی آئندہ)

چرا کردم انشا چنین دفتری

تعلیم نسواں کا مسئلہ فی الحال اسلیئے کسی قدر بحث طلب ہو رہا ہے۔ کہ عام رائے کے موافق نصاب اردو میں حاضر نہیں ہے۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات لڑکیوں کو بھی اسی معیار پر تعلیم دلانا مفید سمجھتے ہیں، کہ جس معیار پر خود انہوں نے تعلیم پائی ہے مگر عام رائے اسکے خلاف ہے۔

اگر کوئی غلطی سے یہ سمجھے کہ مسلمان تعلیم نسواں کو عمومیت کے ساتھ پسند نہیں کرتے، یا جائز نہیں سمجھتے ہیں تو یہ اسکی غلطی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ طریق تعلیم اور نصاب کے مخالف ہیں اور شاید یہ اختلاف کبھی دور نہ ہو ✦

بہت زیادہ مسلمانوں کی تعداد ایسی ہے جو لڑکیوں کو رابعہ اور فاطمہ بنانا چاہتے ہیں، وہ انگریزی طرز تعلیم اور مذاق کو قطعی اپنی لڑکیوں کے لیے ناروا خیال کرتے ہیں، نہ وہ اسکی ضرورت خیال کرتے ہیں کہ ان کو ڈگریاں حاصل کرنے کی ضرورت ہے ✦

میں خود بھی انہیں میں سے ہوں جو ہر لڑکی کو صرف رابعہ اور زاہرہ دیکھنا چاہتے ہیں، اور انہیں سے نہیں ہوں جو ہر لڑکی کو مس صوفیہ اور مس رسل دیکھنا چاہتے ہیں کہ ایسی خواہش خودکشی کے برابر ہے ✦

نصاب نسواں کے لیئے میں خود بھی عرصہ سے مضطر ہوں لیکن زمانہ نے مجکو اس قدر فرصت نہیں دی کہ ابتدائی جماعتوں کے لیئے، اسلامی تعلیمات و جذبات، پر مرتب کر کے پیش کرتا یہ کام فرصت اور صرف چاہتا ہے۔ جبکو معاش کی الجھنوں نے میرے لیئے عنقا کر رکھا ہے، مگر اکثر احباب نے ادھر رخ کیا ہے اور دو ایک کتابیں عورتوں کے لیئے بہت مفید لکھی گئی ہیں تو مکمل نصاب ابتدائی اور متوسط اور اعلیٰ جماعتوں کا اب تک مرتب نہ ہو سکا۔ تاہم ابتدائی جماعتوں کے لیئے کچھ مواد ضرور پیدا ہو گیا ہے۔ میرے خیالات تو خدا جانے کیا کیا ہیں (شاید ہی پورے ہوں)

ایک روز خیال پیدا ہوا کہ اصول اخلاق پر اب تک کوئی ابتدائی کتاب لڑکیوں کے لئے نہیں ہے۔ ایسے دقیق فن کا حصول موجودہ کتابوں کو اور استعداد حاضرہ کو دیکھتے ہوئے مشکل کیا بلکہ لڑکیوں کے لئے ناممکن ہے اس صنف پر اب تک کچھ بھی مواد نہیں، لہٰذا مبادیات سے آشنا بنانے کے لیے مختصر کتاب مرتب کرنے کی خدانے مجکو توفیق دی، (الحمد للہ علی احسانہ) +

کہیں کیا ہے؟ زبان نہایت سلیس، الفاظ وہی جو روزمرہ بولے جاتے ہیں، عبارت نہایت سہل عام فہم الفاظ کیا تم ان خیالات کو جو حکما و علمائے متقدمین کی نہایت مشکل اور ادق کتابوں میں تفصیلات کے ساتھ درج تھی، یہاں اختصار کے ساتھ دہرا دیا گیا ہے، اور کچھ نہیں +

کہ ان باتوں کو نہایت اختصار اور عام فہم طرز بیان میں ادا کیا اور لکھا گیا ہے، جو انسان کو رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ کرتی ہیں۔ علم الاخلاق کے اونچے درجوں کی کتابوں کا خلاصہ اس میں بھر دیا گیا ہے تاکہ ملک کی معزز بہنیں اسکی روشنی سے نفوس کی پاکی اور گھر کی درستی کر سکیں۔ عورتوں کو زیادہ تر نفوس کی پاکی اور تدبیر منزلی اور سیاست خانگی سے کام پڑتا ہے،

ہر گھر **قلعہ** ہے، اور اسکے انتظامات **سلطنت** ہے جسکا بادشاہ **شوہر** ہوتا ہے اور وزیر **بیوی** ہوتی ہے ارکان دولت **اولاد** ہوتی ہے رشتہ دار اور خدام **رعایا** ہوتے ہیں،

پس اخلاقی تعلیم، تدبیر منزلی اور سیاست کی ہر عورت و مرد کو اپنے گھر میں ضرورت ہوتی ہے،

پس ایسی لڑکیوں کے لیئے جو ابتدائی تعلیم سے فراغت کر چکی ہیں اور کسی سلطنت کی مدار المہامی یا وزارت پر جلنے والی ہیں یا فائز ہو چکی ہیں۔ اُن کے لیئے اسکا مطالعہ خواہ از خود ہو یا مشورہ کیا گیا یا سبق کے طور پر بیحد مفید اور کار آمد ہوگا۔ (اگر ایسا ہی ہو جیسا کہ میں نے سوچا اور جانا ہے) تو میری انتہائی خوش قسمتی اور سعادت ہے۔ اور میں اپنے مقصد کو پہونچ جاؤں گا +

دریا بکوزہ کردن، کی ... اور یہی ہے کہ قبول عام اسکو حاصل ہو، موجودہ زمانہ کی سب سے زیادہ روشن خیال مصنفہ خاتون علیا حضرت فرمانروائے بھوپال کے معزز نام نامی سے اسکا نام **اخلاق سلطانی** رکھتا ہوں کہ اس رنگ نسبت سے اس کتاب کو عزت ... عام حاصل ہو۔ آمین +

سید ظفر حسن علوی

وَمَن یُؤتَ الحِکمَۃَ فَقَد اُوتِیَ خَیراً کَثِیراً

جسکو حکمت دیگئی بلاشک اسکو بڑی نعمت ملی

بسم اللہ الرحمن الرحیم و نصلی علی رسولہ الکریم

اے عزیز بہن! آدمی کے حالات کی بھلائی کے لیے اسکے، اختیاری کاموں، حرکتوں، ارادوں، کو جاننا حکمت عملی کہاتا ہے جس کا جاننا ہر بہن پر فرض کے برابر ہے

سنو

اسکی تین قسمیں ہیں

الف۔ایک وہ کہ ہر آدمی پر لازم ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسکا نام تہذیب اخلاق ہے

ب۔ایک وہ کہ ہر گھر کے۔ رہنے والوں سے علاقہ رکھتی ہے ۔ ۔ ۔ اسکا نام تدبیر منزل ہے

ج۔ ایک وہ کہ تمام افراد پر یکساں عاید ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسکا نام سیاست ہے

ان پر عمل کرنے کے لیئے تین طریقوں پر قاعدے بنائے گئے ہیں:۔

پہلا طریقہ، وہ قواعد ہیں جنکو خدا نے مقرر کیا اور اسکے رسول نے ہم تم کو بتلائے ۔ ۔ ۔ انکو شریعت کہتے ہیں یعنی مذہب +

دوسرا طریقہ، وہ قواعد ہیں جنکو عقلمندوں حاکموں نے مقرر کئے ۔ ۔ ۔ انکو قانون عقلی یا صرف قانون کہتے ہیں +

تیسرا طریقہ، وہ قواعد ہیں جنکو باہمی رواج، چال چلن کے ماتحت کثرت عمل نے مقرر کردیا ۔ ۔ انکو ۔ ۔ ۔ رسومات کہتے ہیں +

اب اس لیئے کہ تم آسانی سے ان باتوں کو سمجھ سکو ہم سب کو جدا جدا بیان کرتے ہیں +

(الف)

تہذیب اخلاق

(حسن معاشرت)

تکمیل نطق

وہ تمام چیزیں جو ہاتھ سے چھوئی جا سکتی ہیں (محسوسات) جسم کے لحاظ سے سب برابر ہیں کسی کو کسی پر بڑائی (فضیلت) نہیں، کیونکہ جسم کی پہچان سب پر یکساں پوری ہو جاتی ہے اور جسم کی جنسی شکل تمام پر ایک ہی طرح وارد ہے اگر ان میں بڑائی (شرف وفضیلت) نوعی قوتوں کا پورا ہونا یا بلند ہونا پیدا کرتا ہے۔ دیکھو

"پیتل" اور "سونا" زمین میں رہنے والی چیزوں میں (جمادات)
"خربوزہ" اور "کدو" زمین سے اگنے والی چیزوں میں (نباتات)
"کوا" اور "باز" پرند اور حیوان مطلق میں ۔ ۔ ۔ ۔
"بے وقوف اور عقل مند" انسان حیوان ناطق میں ۔ ۔ ۔ ۔

مستند الیہ ہیں

مگر انسان قوت نطق میں مخصوص ہے اگرچہ قوت غضب وشہوت میں حیوان مطلق میں شریک ہے پس انسان کا کمال قوت ناطقہ کا پورا ہونا یا بہتر وبلند ہونا ہے۔ یہاں تک کہ قوائے مشترکہ ہمیشہ ماتحت یا قابو میں رہیں اور ان میں سرکشی کا احتمال باقی نہ رہے۔

تکمیل نطق کی غرض

اے عزیز بہن تم کو معلوم ہی ہوگا کہ:۔
ہر کام کی ایک نہ ایک غرض ضرور ہونی چاہیئے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ کام جو کسی غرض سے خالی ہوگا بے کار (عبث) کہلائے گا۔ اسی طرح تکمیل نطق کی بھی کوئی غرض ہونی چاہیئے۔

اسکی غرض یہ ہے کہ نفسانی قوتوں میں اعتدال قایم رہے۔

اعتدال یعنی برابری (مساوات) کا جاننا بدون وحدت کی نسبت جانے مشکل ہے

وحدت بڑائی (شرف) ہی نہیں بلکہ کل موجودات کے قائم رہنے کا سبب ہے۔
کثرت (زیادتی) مساوات کا سبب ہے +

جیسا کہ وحدت بزرگی و بہتری (شرف و کمال) کی اعلیٰ منزل ہے ویسا ہی جو شخص ہی جو وحدت سے نزدیک تر ہے۔ اچھا اور بہتر ہے +

انسان کے لیئے کوئی نسبت عدالت سے بہتر نہیں کیونکہ حقیقی اعتدال عدالت ہے۔ نتیجہ اعتدال، وحدت کا ثمر ہے۔ جو کمی اور خسارہ اور کثرت کے فسادات و برائیوں سے انسانی قوتوں کو پاک کرکے، کمال انسانی اور علم و عرفان تک پہونچا دیتا ہے اور اس نعمت سے حصہ پاتا۔ انسان کی سب سے بڑی سعادت ہے اور فضایل چارگانہ یہیں سے پیدا ہوتے ہیں +

اخلاق فطری و اخلاق اکتسابی

اے عزیز بہن " تہذیب درست کرنے کو سنوارنے کو بنانے کو کہتے ہیں اور خُلق، ملکہ کو کہتے ہیں، اور ملکہ نفسانی کیفیت کا نام ہو یعنی وہ اعمال جو سہولت کے ساتھ بلا تامل نفس سے صادر ہوتے رہیں اور یہ کیفیت جلد جانے والی نہ ہو۔ اگر جلد زایل ہو جائے گی تو حال کہلائے گی اور اگر جلد جانے والی نہ ہوگی تو وہ ملکہ کہلائے گی +

ملکہ دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے، ایک طبیعت، دوسری عادت طبیعت نام ہے فطری کیفیت کا اور عادت نام ہے۔ اکتسابی کیفیت کا۔

عزیز بہن خوب یاد رکھو۔ مزاجی کیفیت یعنی اخلاق فطری کا دُور ہونا اگرچہ ناممکن ہے۔ لیکن عادت کی کثرت سے بیشتر معدوم ہو جاتا ہے۔ اور عادتی کیفیت کا عادت کی تکمیل سے فطری کیفیت کے مثل ہو جانا ممکن ہے۔ پس اسی اصول کی بنا پر فطری کیفیات کی اصلاح کی جاتی ہے۔ اور خصائص فطرت کی یہی اصلاحات ہیں جو تزکیہ روح تک منجر ہوتی ہیں اور کیفیات نفسانی کی یہی وہ اصلاح ہے جس کا دوسرا نام تہذیب نفس ہے؛

بہن یہ بھی یاد رکھو کہ نفس ذاتی طور پر جملہ ملکات سے خالی ہے جس قسم کے وسایل و اسباب پیش آتے ہیں اسی قبیل کے ملکات نفس میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ پھر جس قسم کے ملکات نفس سے پیدا ہوں گے، اسی قسم کے اعمال کا سرزد ہونا یقینی ہے!

جس قدر اخلاق داخلی و اسباب وسایل سے نمو پاتے ہیں انکو اخلاق مزاجی کہا جاتا ہے " جو خارجی اسباب وسایل سے پیدا ہوتے ہیں، انکو اخلاق کسبی کہتے ہیں"

نوٹ:"خارجی اسباب سے مراد یہاں ارادہ اور واقعات پیش آمدہ ہیں۔

فضایل چہارگانہ اے عزیز بہن تمہیں یاد ہوگا تکمیل نطق کی بحث میں میں نے کہا تھا کہ اسی سے فضایل چہارگانہ پیدا ہوتے ہیں۔ وہ فضایل چہارگانہ یہ ہیں:-

(۱) حکمت۔ (عقلمندی)

(۲) عدالت۔ (برابری)

(۳) شجاعت۔ (بہادری)

(۴) عفت۔ (پاکی)

اب ذرا اس بحث کو یہیں ملتوی کرکے یہ بات بھی سمجھو۔

کہ ہر آدمی میں تین "قوتیں" جداجدا دیکھی جاتی ہیں، اور انہیں قوتوں کے لحاظ سے ہر کام، اور اثر یعنی نشان (آثار) مختلف ارادونکی شرکت و مدد سے پیدا ہوتا ہے۔

(۱)۔ نطق۔ یعنی بات کرنے کی قوت (قوت ناطقہ) اسیکو انسانی نفس کہتے ہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے فکر و تمیز پیدا ہوتی ہے اور تمام موجودات کی حقیقتوں کے دریافت کرنے کا ذریعہ ہے۔

(۲)۔ دفع۔ یعنی غصہ اور دلیری کی قوت (نفس سبعی بھی اسکو کہتے ہیں) ۔ بڑائی اور افتخار کی خواہش یہیں سے نمو پاتی ہے۔

(۳)۔ جذب۔ یعنی لذتوں کے چاہنے کی قوت (نفس بہیمی بھی اسیکو کہتے ہیں) شہوات اور عمدہ دار خواہشات یہیں سے نمو پاتی ہے۔

پس جب یہ تینوں قوتیں باہم برابر ہوتی ہیں تو فضایل چہارگانہ یعنی انسان میں چار سب سے بڑی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں +

(قوت ناطقہ) کی برابری (اعتدال) سے عقل و حکمت حاصل ہوتی ہے +

(قوت دفع میں برابری رکھنے سے شجاعت (بہادری) حاصل ہوتی ہے +

(قوت جذب) کے برابر رکھنے سے پاکی (عفت) حاصل ہوتی ہے +

جب یہ تینوں قوتیں برابر کا ملاپ (اشتراک عتدالی) پاتی ہیں تو عدالت کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ برابر کے ملاپ کے معنی یہ سمجھو کہ ہر قوت اپنے اپنے اندازے اور حد کے ساتھ اپنی جگہ میں رکھی جائے۔ اسی کا نام اعتدال ہے۔ یوں سمجھو، غصہ اور شہوت یعنی قوت دفع و جذب قوت ناطقہ کی خادم یا لونڈی ہیں ان کو باندیوں کے طرح اس طرح پر دبا کر رکھا جائے۔ کہ سر نہ چڑھ سکیں۔ اور پوری فرمانبرداری سے اپنی اپنی خدمت ادا کرتی رہیں یعنی نفس ناطقہ کو حقایق اشیا کے ادراک میں مدد دیتی رہیں۔ نافرمان، خودرائے نہ ہو جائیں۔ اس مطلب کو قریب کی مثال میں یوں سمجھو:۔

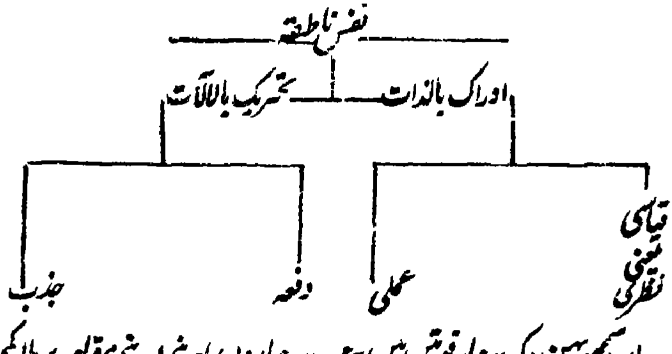
کہ کل تمہارے بڑے بھائی، گھوڑے پر سوار ہو کر، اور شکاری کتے یا چیتے کو ساتھ لیکر ہرن یا بھیڑیے کے شکار کو جنگل میں گئے۔ اب اگر شکاری کتے، اور چیتے، تمہارے بھائی جان کے حکم میں رہیں گے اور فرمانبرداری کرینگے۔ تب تو اُن کی امداد سے ہرن یا بھیڑیئے کا شکار وہ کر سکیں گے +

اگر کہیں خدانخواستہ جنگل کی ہوا کھاتے ہی چیتا سرکش ہو گیا اور تہذیب اخلاق کسبی باقی نہ رہے، اور کتے بھی ایسے ہی سرکش ہو گئے، تو شکار رہو ہی نہیں سکتا بلکہ ایسی حالت میں تو ان کو اپنی سلامتی خطرہ میں نظر آئے گی +

قوت دفع اور جذب جب تک قوت ناطقہ کے ماتحت رہیں گے۔ جب تک خیریت ہے ورنہ شرافت انسانی کی موت واقعہ ہوجاتی ہے۔ اور یہ ہی اس دنیا میں سب سے بڑی بدبختی ہے +

دوسری بات اسی سلسلہ میں یہ بھی، بہن یاد رکھو، کہ ہر انسان کے نفس میں دو قوتیں دریافت ہوتی ہیں، ایک اپنی ذات سے کسی حقیقت کا دریافت و معلوم کرنا (ادراک بالذات)، دوسری کسی ذریعہ سے کوئی حرکت پانا (تحریک بالآلات) +

اب ان دونوں قوتوں کی آگے دو دو شاخیں ہوگئی ہیں، قوت ادراک کی ایک شاخ نظری (قیاسی بروئے تجربہ) دوسری عملی اور تحریک بالآلات کی ایک شاخ قوت دفعہ ایک شاخ قوت جذب +



اب سمجھو بہن، کہ یہ چار قوتیں ہیں۔ جب یہ چاروں اپنے اپنے مقام پر بلا کمی یا زیادتی بقدر ضرورت اعتدال کے ساتھ کام کرتی رہیں گی، تب کہیں جاکر ایک ایک بھلائی پیدا ہوگی، چونکہ یہ قوتیں چار ہیں اسی لئے بھلائیاں (فضائل چہارگانہ) بھی چار ہی ہوئے۔

قوت نظری (قیاسی) کے سنوارنے سے عقل و حکمت پیش بینی پیدا ہوتی ہے +

قوت عملی کے سنوارنے سے عدالت پیدا ہوتی ہے +

قوت دفعہ کے سنوارنے سے شجاعت پیدا ہوتی ہے +

قوت جذب کے سنوارنے سے عفت (پاکی) پیدا ہوتی ہے +

انہیں سے نفس کی تکمیل ہوتی ہے، علم الاخلاق میں انہیں باتوں کو فضایل اربعہ یا فضایل چہارگانہ کہا گیا ہے +

ہاں یہ نکتہ بھی بہن یاد رکھو :-

کہ اللہ میاں، یا خالق عوالم نے آدمی کو عقل وانصاف کی غرض سے نفس ناطقہ اور نفس بہیمی کی روک تھام کی غرض سے نفس سبعی اور بقائے انسانی کے لیئے نیز حفاظت جسم کے لیئے نفس بہیمی دئے ہیں +

نفس ناطقہ، نفس بہیمی، نفس سبعی اور جسم کی تعریفیں تم اوپر پڑھ چکی ہو +

فضایل چہارگانہ کی ماتحت شاخیں

میری عزیز بہن یہاں تک تمہیں فضایل چہارگانہ کا خلاصہ معلوم ہوا۔ اب اس کی ضروری تفصیل بھی معلوم کرلو سنو۔ فضایل چہارگانہ کی ہر شق کی بہت سی شاخیں ہیں۔ اگر سب کو تفصیل وار بیان کیا جائے تو فی الحال سمجھنے میں مشکلات پیدا ہونگی۔ اسیلئے اس مقام پر صرف اُن شاخوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو زیادہ قریب اور مشہور ہیں، ذرا غور سے سمجھو:

(**الف**) **حکمت** یعنی عقل مندی اسکی پانچ شاخیں بہت مشہور ہیں :-

(۱) پہلی (صفائی ذہن) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بلا تکلف وفکر کے لازم سے ملزوم کی جانب جا پہونچتا ہے +

(۲) دوسری (ذکاوت) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس نہایت جلد وسہولت کیساتھ نتائج معلوم کرلیتا ہے +

(۳) تیسری (سہولت تعلم) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس باطل اندیشوں سے بے پرواہ ہوکر مطلوب کی جانب پوری توجہ کرتا ہے +

(۴) چوتھی (حسن فہم) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بحث کلام میں برابر کے حدود و اندازہ کو نگاہ میں رکھتا ہے۔

(۵) پانچویں (حفاظت) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس ان صورتوں کو اُن خیالات کو محفوظ رکھتا ہے۔ جو بروئے قیاس وادراک پیدا ہوتی ہیں +

(ب) عدالت۔ اسکی سات شاخیں بہت مشہور ہیں :-

(۱) صداقت (سچائی) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس دوستوں کو آرام ومسرت پہونچاتا ہے

(۲) وفا۔ یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بدوں انکار وحیلہ جوئی مستحق کے ساتھ مال سے۔ جان سے مدد کرتا ہے +

(۳) مکافات (بدلا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس انصاف کے ساتھ عوض تجویز کرتا ہے

(۴) حسن قضا (تقسیم بموجب حصہ) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس احسان وشرمندگی کے بدوں حقوق ادا کرتا ہے +

(۵) تسلیم (راضی رہنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس ناگوار ولاعلاج امورات پر بلا انکار راضی رہتا ہے +

(۶) توکل (خدا پر بھروسہ کرنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس غیر اختیاری کاموں میں خدا پر بھروسہ کرتا ہے +

(۷) عبادت (درماندگی وعاجزی ظاہر کرنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس خدا اور مقبولان خدا کی عزت کرتا ہے +

(ج) شجاعت۔ اسکی مشہور شاخیں آٹھ ہیں :-

(۱) حلم (برداشت وقبول کرنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس اپنی خواہش کے خلاف بموقع برہم نہیں ہوتا +

(۲) کبر (بڑائی) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بھلائیوں کے حاصل کرنے میں، گوارا وناگوار

کی کچھ فکر نہیں کرتا +

(۳) بلند ہمتی - یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس اپنی بھلائی کی طلب میں فنا ہو جانے والی اُمور کی جانب متوجہ نہیں ہوتا +

(۴) ثابت قدمی - یا استقلال - یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بھلائیوں اور نیکیوں کی طلب میں پیش آنے والی تکلیفات پر تحمل کرتا ہے +

(۵) شہامت (بزرگی) بڑائی، توانائی) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بھلائی پر زیادہ دوڑتا ہے +

(۶) تواضع (عاجزی کرنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس اپنے سے کم درجہ والے اور کم حیثیت والے پر بڑائی نہیں کرتا +

(۷) حمیت (پرہیز کرنا اور حفاظت کرنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس شعایر و روایات (مذہبی یا خاندانی یا قومی) کی حفاظت کرتا ہے +

(۸) رقت (پتلا پن) یہ وہ ملکہ ہے جس نفس بدون گھبراہٹ و فکر کے دوسروں کے درد و دکھ سے اثر پذیر ہوتا ہے +

(۹) عفت (پرہیزگاری) اسکی مشہور شاخیں نو ۹ ہیں:-

(۱) حیا (شرم) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بُرے کاموں کے کرنے سے پرہیز کرتا ہے +

(۲) ہدایت (راہ دکھانا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس کوئی اچھا اور نیک کمال حاصل کرنے کی خواہش میں خوش آیند و پسندیدہ حیلے اور ذریعے تلاش کرتا ہے +

(۳) مسالمت (سلامتی پر رہنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس جھگڑوں میں نیک اور اچھی رائے دیتا ہے -

(۴) قناعت (تھوڑے پر راضی رہنا) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس جو چیز اور جس قدر بھی اسکے پاس ہو راضی رہتا ہے -

(۵) صبر، یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بُرے کاموں کے لیئے شہوات کے بھڑکانے پر صبر کرتا ہے یعنی وہ نہیں کرتا جو خواہشات رذیلہ اور شہوات کی تحریک ہوتی ہے۔
(۶) وقار (بھاری پن) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس خواہشوں کی طلب میں جلدی یا سبکدماغی یا اوچھاپن یا غیر مستقلی سے باز رہتا ہے۔
(۷) ورع (پرہیزگاری) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس بلا خرابی و فتور اچھے کام اپنی عادت کر لیتا ہے۔
(۸) حرّیت (آزادی) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس نیکی اور عزت کیساتھ نام حاصل کرتا ہے۔
(۹) سخا (دنیا، سخاوت) یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس آسانی سے خرچ کرتا ہے۔
اب اور سنو اس سخا کی بھی شاخیں ہیں یعنی اس شاخ کی کئی اور شاخیں ہیں۔
(۱) مروّت یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس اوروں پر احسان (بھلائی) کرتا ہے۔
(۲) کرم۔ یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس سب کو بلا امتیاز و تخصیص نفع پہونچاتا ہے
(۳) مواسات۔ یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس مستحقین کو اپنی نعمتوں میں شریک کر لیتا ہے۔
(۴) عفو۔ یہ وہ ملکہ ہے جس سے نفس خطاکاروں کو بدلا لینے کی قدرت رکھتے ہوئے معاف کر دیتا ہے۔
اِس کے بعد ایک بات بھی اور یاد رکھو۔
نفسانی ملکات کی تین قسمیں ہیں۔
(۱) الف۔ وہ کہ جو اچھے ہی اچھے ہیں یعنی ہر حالت و موقعہ پر پسند کیے جائینگے مثلاً حیا، عفو وغیرہ جو اوپر بیان ہوئے۔ اُنکو ملکات محمودہ کہا جاتا ہے۔
(۲) ب، وہ کہ جو بعض حالات و مواقع پر اچھے اور پسندیدہ خیال کیے جاتے ہیں اور بعض حالات و مواقعہ پر ناپسندیدہ و بُرے سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے تکبر وغیرہ (جن کا بیان

تم آگے پاؤگی ان کو ملکات مشترکہ کہا جاتا ہے۔

(۳) ج، وہ کہ جو ہر حالت و مقام پر بُرے ہوتے ہیں اور ناپسندیدہ خیال کئے جاتے ہیں۔ جیسے عجُب وغیرہ جسکا بیان تم آگے پاؤگی، ان کو ملکات مذمومہ کہا جاتا ہے

اب یہاں تک تو بھلائیوں کی بحث تھی۔ اسکے مقابلہ میں اب برائیوں کا حال بھی معلوم کرنا چاہیئے۔

یوں سمجھو بہن، کہ فضایل چارگانہ جنکو تم خوب سمجھ چکی ہو ان کے مقابلہ میں معایب چارگانہ بھی ہونے چاہئیں تھے۔ مثلاً

عدالت کے مقابلہ اور ضد میں جور۔

شجاعت کے مقابلہ میں یا ضد میں جبن (بزدلی) نامردی۔

عفت کی ضد اور مقابلہ میں حرص (لالچ)۔

مگر فضیلتوں کے لیئے حد و اندازہ مقررہ ہے۔ دوسرے طریقہ پر یوں سمجھو کہ آٹھ اور دو اور ۲ دھا سب ملکر گیارہ کے قریب ضرور ہی ہو جاتے ہیں۔ مگر گیارہ کسی طرح نہیں ہوتے۔ اسی طرح ہر فضیلت جبھی فضیلت سمجھی جائے گی۔ جب وہ اپنے مقررہ اور معروف اندازہ اور حدود میں پوری ہو جائے گی، پس یہ ثابت ہوا کہ فضیلت ایک وسط ہے یعنی درمیانی نقطہ ہے اور اسکی سمتیں دو ہیں ایک کمی ایک زیادتی

زیادتی ——————— فضیلت ——————— کمی

(۲) (۱) (۳)

تو اب یوں سمجھو کہ ہر وہ فضیلت جسکی سمتیں ناقص ہونگی وہ ذمائم میں منتقل ہو جاتی ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر فضیلت کے مقابلہ میں دو ذمائم ہیں تو فضائل چہارگانہ کے مقابلہ میں ذمائم ہشتگانہ قایم ہوتے ہیں جن کی تفصیل مقابلہ کے ساتھ اب ہم تمہارے سمجھنے کے واسطے کرتے ہیں +

ذمائم ہشتگانہ کی تفصیل مع مقابلہ
حکمت کے مقابلہ میں سفہ و بلہ
عدالت کے مقابلہ میں ظلم و انظلام
شجاعت کے مقابلہ میں تہور و جبن
عفت کے مقابلہ میں شرہ و خمود

اچھا اب انکی اطراف بھی سمجھ لو۔ تاکہ پسماندہ خوبی سمجھ میں آجائے۔

(۱) حکمت

سمت کمی	سمت زیادتی
(۵) بلہ	(۱) سفہ
غور و فکر کی عادت سے محروم رہنا یا ہونا اسکو تفریط کہتے ہیں	بے موقعہ حد سے زیادہ فکر کرنا اسکو افراط کہتے ہیں۔

(۲) عدالت

سمت کمی	سمت زیادتی
(۶) انظلام	(۲) ظلم
ذلت و جبر سے منظلم ہونا تفریط	حد و حق سے آگے بڑھ جانا افراط

(۳) شجاعت

سمت کمی	سمت زیادتی
(۷) جبن	(۳) تہور
حد سے زیادہ ڈرنا اور بزدل ہونا تفریط	بلا ضرورت تہلکہ میں پڑ جانا افراط

(۴) عفت

سمت کمی	سمت زیادتی
(۸) خمود	(۴) شرہ
جائز و ضروری لذتوں کو بھی چھوڑ دینا تفریط	حد سے زیادہ لذات جسمانی میں ہونا افراط

کیوں بہن ان تفصیلی نقشہ سے تو نے سمجھ لیا ہوگا۔ کہ ہر خصلت و برائی کے

مقابلہ میں دو برائیاں ہیں۔ فضایل چہارگانہ کا وزن رذایل ہشتگانہ سے کیا جاتا ہے جسکو ہم معائب ہشتگانہ بھی کہہ آئے ہیں۔ سفیدی کی قدر جب تک مقابلہ میں سیاہی نہ ہو نہیں معلوم ہوتی۔ اب امید ہے کہ اس کو میری عزیز بہن نے خوب سمجھ لیا ہوگا فضیلت جب اپنے مقررہ معیار و اندازے سے گذرے گی رذالت ہو جائے گی۔

اسی سلسلہ میں میں اپنی لایق بہن کو ایک باریک بات اور سمجھانا چاہتا ہوں۔ سنو بہن فضایل چہارگانہ پر پہونچ جانا، انسانیت کی تکمیل و عین سلامتی ہے۔ خدا سب کو یہ دولت دے، مگر یہ فرق ضرور یاد رکھو۔ جب فضایل اپنے مقاصد سے جدا ہو جائینگی تو فضایل نہ رہیں گے بلکہ مشابہات میں شمار ہونگے۔ مثال میں یوں سمجھو۔

مشابہات فضایل کی مثالیں

(۱) **حکمت** کی غایت یہ ہے کہ نفس کی تکمیل اور یقین کی استواری اگر ایسا نہیں ہے۔

محض بڑائی جتلانے کے لیئے چند اقوال و مسایل یاد ہیں اور غایت مفقود ہے تو باتیں **مشابہات فضایل** میں شمار ہونگی عین **حکمت** نہ ہونگی۔ اور یہ طریقہ جاہلوں بدنصیبوں کا ہے۔

(۲) **عدالت** کی غایت وغرض انسانی احوال و اعمال میں اعتدال پیدا کرنا ہے لیکن **اگر ایسا نہیں ہے**

محض فائدہ اٹھانے اور حکومت کرنے کے لیئے عملوں کی تقلید اور افعال کی محض نقل اور غایت مفقود ہے تو یہ باتیں مشابہات عدالت میں شمار ہوں گی اور یہ طریقہ ریاکاروں کا ہے۔ جو خدا سے نہیں ڈرتے اور انسانوں سے ڈرتے ہیں غرض کے بندے ہیں۔

(۳) **شجاعت** کی غایت حق کی تبلیغ و اشاعت۔ یا برائیوں یعنی رذایل سے بچنے میں سختیوں کا اختیار و قبول کرنا۔ **لیکن اگر ایسا نہیں ہے**۔

محض غالب ہونے یا نفع کی خواہش سے تہلکہ میں پڑنا ۔۔۔ مصیبتوں کا برداشت کرنا اور غایت مفقود تو یہ باتیں مشابہات میں شمار ہونگی۔ اور ظالموں کا شیوہ یہی ہے

(۴) عفت کی غایت۔ خواہشات نفسانی کے اُکسانے پر حدو اندازہ کو نگاہ و قبضہ میں رکھنا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوتا۔

محض بطور اظہار کرامت شہرت کے لیئے شہوات کو توڑنا اور لذات کا کھونا ہے اور غایت مفقود ہے تو یہ باتیں مشابہات عفت میں شمار ہونگی۔ اور یہ طریقہ بدنصیبوں اور ذبوں و زیان کاروں کا ہے۔

سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت اور مروت کی جگہ حاجت کے موافق مال خوب خرچ کرے۔ اگر ایسا نہیں ہے۔ محض نام نمود و اظہار و فخر کے واسطے کوئی مال خرچ کرتا ہے تو وہ سخی نہیں بلکہ احمق ہے، مال وہ ہے جو اوّل اوروں کے کام پھر اپنے۔ اور منحصر ہو ضرورت اور مروت پر۔

کھو بہن اب تو خوب مشابہات فضایل سمجھ میں آگئے ہونگے۔

یہاں تک جو کچھ بہن تمہیں معلوم ہوا۔ وہ تعریفات کے ذیل میں تھا۔ اب تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ تہذیب نفس کے طریقے کیا کیا ہیں۔ خرابی (علالت) بھلائی و بہتری (صحت) کے کیا وسایل ہیں۔ لہذا ہم ان کو تمہاری سمجھ کے موافق لکھتے ہیں۔

سُنو، یہ تسلیم کیا جاچکا ہے کہ علالت سے پہلے صحت ہوتی ہے صحت کے یہ معنی ہیں کہ مزاج اعتدال پر ہو۔ جب کوئی وجہ ایسی ہوئی کہ مزاج کا اعتدال برہم ہوا تو علت پیدا ہوئی اس سے ثابت ہوا کہ علت برہمی اعتدال یعنی صحت کے بعد پیدا ہوئی تو مرض کے علاج سے یہ زیادہ اچھا ہے کہ صحت کی حفاظت کی جائے۔ تاکہ علت برہمی اعتدال کی پیدا ہی نہ ہو۔ تو اب تم مجھ سے پہلے حفاظت صحت نفس کی تدابیر دریافت کرو۔

حفاظت صحت نفس قبل از مرض یا علالت | (۱) پہلا طریقہ یہ ہے، کہ بری صحبت سے بچو۔

میلاد نامہ

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی تازہ تصنیف ہے۔ اردو زبان میں آجتک جسقدر
مولود کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ کتاب اُن سب سے نرالی ہے۔ اور اسمیں تمام معتبر اور صحیح روایتوں
کو جمع کیا گیا ہے +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے حالات سے شروع کیا ہے اور ولادت کا بیان
نظم و نثر کی زیبایش سے قلمبند کرکے بچپن و جوانی کے کل واقعات لکھے ہیں +

پھر دوسرے حصہ **رسول بیتی** میں رسالت سے لیکر وفات تک کے حالات ہیں گویا
آنحضرتؐ کی مختصر اور پوری سیرت و سوانحعمری ہے۔ آخر میں آپکے اخلاق و عادات و لباس
و طعام وغیرہ کی کیفیت ہے۔ دونوں حصے ایک ہی جلد کے اندر ہیں +

میلاد نامہ کی زبان ایسی آسان اور دلچسپ ہے کہ بچے اور عورتیں بے تکان پڑھتی
چلی جاتی ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان بھر میں مقبول ہوئی ہے۔ شائع ہوتے ہی آٹھ دن میں
ہاتھوں ہاتھ پانسو سے زیادہ فروخت ہوگئی۔ اگلے ربیع الاول تک شاید دوبارہ چھپوانی
پڑے گی۔ کیونکہ لگاتار مانگ چلی آتی ہے +

اکثر شیدایان محبان رسولؐ نے یکمشت بہت سی جلدیں خرید کر مفت تقسیم کی ہیں
میلاد نامہ کی طلبگاری عورتوں میں زیادہ ہے کیونکہ انہیں کے خیال سے اس کو لکھا گیا تھا +
سفید کاغذ پر جو چھپی ہے اُسکی قیمت عہ ہے اور گلابی کاغذ والی کی قیمت صرف ۱۲/

پیرزادہ محمد صادق کارکن حلقہ المشائخ عرب سرائے دہلی سے منگائیے

جلد ۶ نمبر ۴ — شعبان ۱۳۳۵ھ

قسم دوم — قسم دوم

نظام المشائخ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روحانی تشفی و تسکین کا ماہواری پیام

مذہب اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ
جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب خواجہ زادہ حضرت سلطان
نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندیٔ وقت
کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر
خادم الفقرا محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ... ششماہی ...

مقام اشاعت دار السلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

آجکل

نظام المشائخ دو ہزار

چھپتا ہے اور روز بروز اسکی اشاعت میں ترقی ہے۔ مشتہرین ضرور اپنے اشتہار اسمیں درج کراکر فائدہ اٹھائیں

نرخ نامہ

مقدار	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
⅓ صفحہ	عہ/	۱۲ عہ/	للعہ/	۱۲ عہ
نصف صفحہ	۱۲/	صہ/	لعہ/	صہ ٥
پورا صفحہ	للعہ/	عہ ٥	سہ ٥	سہ ٥

نظام المشائخ کے قواعد وضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو جو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری رح کا یوم عرس ہے شائع ہوتا ہے۔ مضامین اسمیں مذہبی، اخلاقی، اصلاحی مگر سب صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تحریروں میں انشاپردازی اور دیگر دلچسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر رسالہ ۱۸ تاریخ تک نہ پہنچے تو دیر سویر کا خیال کر کے دس بارہ تک انتظار کیجئے۔ اسکے بعد فوراً اطلاع دینی چاہیئے۔ کیونکہ زیادہ زمانہ گزرنے پر شاید پرچہ ختم ہو جائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو۔ براہ عنایت چوتھی ماہ ہلالی سے پہلے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں۔ ورنہ پرچہ نہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاک خانہ کو کر دینی کافی ہے (۴) خط وکتابت میں اپنا نام وپتہ نہایت صاف و خوشخط لکھیئے۔ اور خریداری کا نمبر ضرور بتایئے جوابی امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

نمبر ۲ | بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۳۵ ہجری | جلد ۱۷

نظام المشائخ

فہرست مضامین

[1] اخلاق سلطانی کا ایک جزو رجب کے ... میں چھپا ہے دوسرا جزو حاضر ہے تیسرا رمضان المبارک میں شائع ہوگا۔ اور چوتھا شوال میں۔ اس وقت آپ چاہیں گے تو ہر جزو الگ کرکے پوری کتاب کی شکل دے سکیں گے + (ایڈیٹر)

۴۸۶

ہندوستان ہی کا نہیں انگلستان کا پریس چیخ اٹھا ہے!

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پرّاں کر دیئے!

آپ جس پرچے کو جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ سب کے چہرے زرد ملیں گے
اب خطیبؔ و نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ کوئی سُرخ و سپید نظر آتا ہو تو آتا ہو لیکن

کب تلک یارب چھپائیں دردِ دل

خطیبؔ و نظام المشائخ کے مالک کے پاس قیصر لیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اٹھائے چلا جائے۔ ناظرین! اگر خطیبؔ و نظام المشائخ کو ان کی بہتر شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو خود بھی کچھ تکلیف اٹھائیں۔

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک مدِّ امداد پیش کرتا ہوں۔ جب تک جنگ ہے اسمیں ۸ سالانہ کم از کم سب کو دینا پڑے گا۔ بعد اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو۔

خاکسار وحیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظام المشائخ

۶۸ء

رات کی تنہائی میں

اپنے مالک سے

جملہ حقوق محفوظ

جملہ حقوق محفوظ

"از دردِ بیقرارم فریاد رس الٰہی"

اے میرے آقا، اے میرے معبود، رات کے سناٹے اور پچھلے پہر کے سکون میں تیرا ایک عاجز بندہ تیرے حضور کہڑا ہوا ہے تاکہ اپنی آنکھوں کی اشکباری اور دل کی بیقراری کے ساتھ کچھہ تجھسے عرض حال کرے۔ تو اے غریبوں کے خدا! اور اے بینواؤں کے حاجت روا، اپنی پہیلائی ہوئی رات کی تاریکی میں اپنے مجبور وبیکس بندے کی فریاد سن لے کہ وہ جگر افگار ہر طرف سے کنکر تیرے دروازے پر آپڑا ہے۔ اور اب تیرے سوا اسکا کوئی ٹھکانا نہیں، اسکی غمگینی حد سے بڑھ گئی۔ اور اسکی دردمندی وبیکسی کا کوئی پوچھنے والا نہیں رہا۔ پہر کیا اے میرے مالک! تو بہی اسکو ٹہکرا دیگا؟ حالانکہ وہ تو بڑی آس لیکر تیرے پاس آیا ہی +

میرے پروردگار! میرا دل رنجوری و بیکسی سے معمور ہے کیونکہ تجھے کنکر ذلتوں اور رسوائیوں سے میری زندگی درد و غمگینی کا مرقع بن گئی ہے۔ میں جہاں گیا میری آرزوئیں ٹھکرادی گئیں۔ اور میری تمناؤں کو پامال کردیا گیا۔ اب میری مسکینی و فتادگی کی کوئی پذیرائی نہیں کرتا۔ اور تیرے اس بلند آسمان کے نیچے ذلت و رسوائی کے سوا میرے لیئے کچھ باقی نہیں رہا۔ نہ کوئی میرا ساتھی ہے نہ غمگسار، نہ چارہ ساز ہے نہ مددگار۔ ہاں اے میری بیچارگی کے چارہ کار خدا! ایک تو ہی ہے۔ جس سے اب تک میری آس باقی ہے۔ اب صرف تیرا آسرا ہے اور تیرے ہی کا سہارا ہے معبود! تیرا مجبور بندہ ہوں۔ درد مندی و نامرادی کے عالم میں تیرے در پہ آپڑا ہوں۔ تیرے لیئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ نہ زہد ہے نہ عبادت نہ تقوے ہے نہ طاعت۔ مگر ہاں دل کی شکستگی اور زندگی کی خستہ حالی میرے ساتھ ہی مسکینی کا دکھ۔ بیچارگی کی تڑپ اور نیازمندی کی فتادگی میرے پاس ہے، اور ہاں اے میرے خدا! صرف ایک تیری آس ہے،،

اے میرے خدا! میرا دل خوف و ہراس کی تاریکی سے بھر گیا ہے اور میری حیات کی کشتی بیم و رجا کے متلاطم دریا میں ڈگمگا رہی ہے، اندھیری رات ہے، نہ کوئی سنگ ہے نہ ساتھ ہے۔ گناہوں کا طوفان اُمڈا آرہا ہے تعصیت و عدوان کی خوفناک ہوائیں دل کی کشتی کو تھپیڑے دے رہی ہیں۔ تو مجیب الدعوات ہے۔ بیکس کی صدا سُن لے۔ اور خستگی کی آواز سے اعراض نہ کر۔ اگر غربت کی کتھا اور مصیبت کی بپتا تو نہ سنیگا تو اے میرے خدا! تو ہی بتلا پھر کون ہے جو میری دُکھ بھری کہانی اور غم بھرا فسانہ سنیگا

دل کی مایوسیوں کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے اور میری خستہ حالیوں کو یاس و ناکامی کے دریا میں ڈوبنے سے بچالے۔ تیرے در سے کوئی ناکام و نامراد نہیں پھرا۔ مجکو تاج کا آرام اور بادشاہت کا عیش نہیں درکار۔ میں تو صرف ایک نگاہ کرم کا امیدوار ہوں اور بس۔ میری بے بسیوں پر رحم کر۔ میری بیچارگی و بیکسی پر ترس کھا۔ اور میری رسوائیوں کا دور ختم کردے

میں تجھ سے قیصر و کسریٰ کے خزانے نہیں مانگتا، میں تجھ سے سکندر و دارا کی حشمت نہیں طلب کرتا، میں تجھ سے خضرؑ کی حیات اور نوحؑ کی عمر کا خواستگار نہیں میں تو پھونس کا ایک ٹوٹا ہوا جھونپڑا۔ پھٹا ہوا بوریا اور مطمئن قلب مانگتا ہوں!

میری آرزوئیں کس قدر مختصر اور میری تمنائیں کس قدر محدود ہیں کہ تجھ جیسے شہنشاہ سے ایسی حقیر و ذلیل چیز مانگتا ہوں۔ لیکن اے میرے مالک! گو تیرے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں مگر میرے دامن امید میں اب ایک تار بھی باقی نہیں رہا کہ تیرے سامنے دراز کروں اسلئے میں تو صرف تیری فضل کا طالب ہوں۔

تارے جھلملا رہے ہیں۔ چاند کی روشنی مدھم پڑ گئی ہے۔ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے چل رہے ہیں۔ اور تیری مخلوق تیری اُتاری ہوئی نیند میں سو رہی ہے۔ مائیں اپنے بچوں کے ساتھ۔ شوہر اپنی بیویوں کے قریب استراحت فرما ہیں۔ چڑیاں اپنے آشیانوں میں، پرندے اپنے گھونسلوں میں آرام کر رہے ہیں۔ مگر ایک بے چین و بیتاب ہستی ایک مضطرب و بیقرار وجود کھلے آسمان کے نیچے تیری رحمت کا منتظر جاگ رہا ہے۔ آنکھوں میں نیند نہیں مگر آنسوؤں کے بوجھ سے جھکی ہوئی ہیں۔ لب پر فغاں نہیں مگر آتش غم سے خشک ہو رہے ہیں۔ سینہ پر آبلے نہیں مگر سوز دروں سے داغدار ہے۔ اے میرے مولا! اے میرے مالک! یہ سب اسلئے ہے کہ شاید تسکین کا ایک ذرہ اور تسلی کا ایک لمحہ مجکو بھی عطا ہو جائے کہ اس حوادث آباد زندگی اور اس کارزار حیات میں مجکو اسمیں سے کچھ نہیں ملا نہیں ملا، مگر میں نے قدر نہ کی۔ اور اپنی غفلت و نادانی سے اُسکو برباد کر دیا۔ پھر اے بن مانگے دینے والے داتا! اور اے سونے سے پہلے ہر بھوکے کا پیٹ بھر دینے والے مولا! میں بھوکا ہوں میرا پیٹ بھر، اور میں بھکاری ہوں میرا سوال رد نہ کر، میں تجھ سے روٹی نہیں مانگتا، میں تجھ سے پانی نہیں طلب کرتا، نہ مجھے بیماریوں کی تکلیف کی نہ صحت و تندرستی کی خواہش۔ میں تجھ سے روحانی تسکین اور وجدانی راحت مانگتا ہوں، چاہے میرے جسم کو زخموں سے چور چور اور میرے بدن کو درد و کرب سے معمور کر دے۔ مگر میرے سینہ کو

اپنے نور سے بھر دے۔ اور میرے دلکو اپنی سوز و تپش کا گلشن بنادے۔ اور ایک ایسی لذت عطا فرما کہ کیف دوام کا باعث ہو جائے +

اے میرے حی و قیوم خدا! تو جس طرح صبح کی ٹھنڈک۔ دوپہر کی تپش، اور شام کی خموشی میں جاگتا ہے۔ اسی طرح رات کے سناٹے اور پچھلے پہر کے سکون میں بھی کبھی نہیں سوتا اس وقت بھی تو جاگ رہا ہے۔ اور میری طرح اُس دور کی بجنے والی بانسری کے پُر درد نغمے تو بھی سُن رہا ہے کیسی جاں سوز آواز ہے، اور کس طرح اسکے نغمے ہوا کے جھونکوں کے ساتھ آوارہ پھرتے ہیں۔ چاند کی شعاعوں نے اپنی آغوش میں انکو جگہ دی۔ اور کائنات کی پُرسکون فضا میں وہ کھیل رہے ہیں۔ اے میرے آقا! کیا اس بانس کی لکڑی کو یہ نغمے تو نے نہیں دیے ہیں؟ دیئے، اور یقیناً تو ہی نے دیئے ہیں۔ پھر میں بھی تجھسے یہی مانگتا ہوں، میرا دل بھی اسی چیز کی تلاش میں ہے +

وہ دیکھ شاید پکہ رتیری طرف آرہا ہے، اور کیسی بیتابانہ پروازکے ساتھ آرہا ہے۔ اسکی پکار کستقدر دردانگیز اور اسکی بولی کسدرجہ غمناک ہے۔ وہ کسی کی جستجو میں محو اور کسیکی تلاش میں مستغرق ہے شاید اسی لیئے وہ اپنی مترنم آواز میں روتا اور موسیقی کے اندر صدائیں لگاتا پھرتا ہے۔ اسکا پُرسوز سینہ طلب صادق سے لبریز ہے اور اسکا وجود منزل جستجوئے محبوب سے معمور ہے اس کا عزم و ارادہ محو تلاش اور اُسکے پر و بال وقف جستجو ہیں +

اے میرے مالک! اس مشت خاک کو یہ نعمتیں کس نے عطا کیں؟ کیا تیرے سوا کوئی اور بھی ہے۔ بس میں تجھ سے یہی چاہتا ہوں کہ میرے دل میرے دماغ اور میری تمام حسیات و جذبات کو کیسر تلاش و جستجو بنادے +

خزاں کی اُداسی تو نے دور کر دی، اب بہار کا موسم ہے۔ درختوں کے زرد اور پُرانے پتے جھڑ چکے۔ نئی نئی کونپلیں پھوٹ آئیں۔ اور خشک لکڑیاں سرسبز و شاداب ہو گئیں پھولوں کی کثرت، پھولوں کی تازگی۔ اور پتوں کی شادابی سے جنگل کا ہر درخت عروس بہار بنا ہوا ہوا کے جھونکوں سے مستانہ وار جھوم رہا ہے۔ مولسری پھولی ہوئی ہے۔ آم کے درخت

مؤرسے لدے ہوئے ہیں۔ اور ایک بیتاب طائر اپنے ماتمی ملبوس میں چیخ چیخ کر اپنے سوزِ دل کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ اپنے دردِ دل اور سوزِ باطن سے مجبور ہے، اسکو ایک جگہ قرار نہیں، وہ نہ معلوم کسکے لیئے اِدھر سے اُدھر دیوانہ وار اُڑتی پھرتی ہے، اور فضا میں اپنی بیتابانہ فریاد و فغاں کو نغمے بنا بنا کر چھوڑتی ہے، اگر ہوا نکہت گل کیطرح انکو برباد کر دیتی ہے۔

اسکے سرِ پُرشور میں کچھ خبر نہیں کسکا سودا ہے۔ اور اسکا سینہ و دل نہ جانے کسکے غم میں اسقدر تپاں ہو کہ اسکے آتشین نغمے انسانی سامعہ کو پھونکے ڈالتے ہیں، یہ اندوہگین صدائیں، یہ جگرخراش نالے اور یہ دردناک فریادیں بھلا اس کالی کوئل کو تیرے سوا کون دے سکتا ہے، پھر اے غریب مسافر کی بپتا سننے والے آقا! میں بھی تجھسے یہی مانگتا ہوں میرے دل کو آتشِ غم سے پھونک ڈال، میرے جگر سے خونابۂ الم جاری کر دے، میرا آئینہ سوزشِ پنہاں سے جگر کباب ہو جائے، لبوں کو شیخالہ وار بنا دے، اور آنکھوں سے بحرِ غم کا طوفان متلاطم کر دے، یعنی سر میں سودا، دل میں درد، آنکھوں میں نیاز، اور سینہ میں سوز و تپش اور خلش و اضطراب کا ایک ہنگامہ بپا کر دے۔

لیکن اے سکین نواز آقا! یہ التماس غم، یہ التجائے درد اس لیئے نہیں کہ تو مجھے غمِ روزگار کی خستہ حالیوں سے اور زیادہ درد و تکلیف میں مبتلا کر دے، میں تو اس غم کی سوزش تجھسے طلب کرتا ہوں جسکو تو محبوب رکھتا ہے، اور اس درد کی بیتابی کا آرزومند ہوں جو اپنے بندوں کے لیئے تو پسند کرتا ہے، ورنہ یوں تو اے رب العباد! غمِ روزگار کی اب بھی کوئی کمی نہیں، پہلے ہی سے تو نے وہ کچھ دے رکھا ہو کہ اب اُسکی زیادتی کے خیال سے بھی بیکسی کی روح لرز جاتی ہے۔ کیونکہ پہلے ہی سے میری زندگی درد و غمگینی کی داستانِ عبرت اور میری حیات رنج و مسکینی کا مرقع تمام ہے۔ میرے دن راحت و آرام سے ناآشنا اور میری راتیں ہمیشہ مسرت سے محروم ہیں، مجھے سکونِ خاطر کا کبھی ایک لمحہ نصیب نہ ہوا، اور فراغ

وہ مجھی کی ایک پوری رات بھی مجھپر نہ گزری +

چاندنی راتیں ہمیشہ آتی ہیں۔ اور اپنی رعنائی سے ہر دل کو مسرور کرتی ہیں نسیم و صبا کے عطر بیز جھونکے ہمیشہ چلتے ہیں، اور پھولوں کی طرح دلوں کو بھی شگفتہ کر دیتے ہیں مگر آہ مجھ بدنصیب کے لیئے اسمیں بھی کوئی سامان مسرت نہ نکلا میں نے شام کی سنسانی گریہ محرومی کے ساتھ پذیرائی کی اور صبح کی خموشی کا ہمیشہ گداز درد سے استقبال کیا میرا دل غم کی فراوانی سے کبھی خالی نہوا۔ اور میری روح فراغت و اطمینان کے لیئے تڑپا کی، ناکامی و نامرادی نے میرا کبھی ساتھ نہ چھوڑا، اور دکھ کی دردمندی سے مجکو کبھی نجات نہ ملی +

لیکن میں اس حالت پر بھی ہمیشہ اس خیال سے قانع رہا۔ کہ شاید بیکسی کا انتہائی نمونہ اور نامرادی کی آخری تصویر کی تکمیل کے لیئے تو نے مجکو چن لیا ہو۔ پھر مجھے کیا ضرور کہ اپنے مالک کی مرضی کے خلاف نالہ و شیون کروں، تو نے جیسا بنا دیا۔ اُسپر راضی اور تو نے جو کچھ دیدیا اُسپر قانع اور خوش ہوں۔ تو مالک ہے اور آقا۔ تیری بخشش ہو یا دستگیری، اور عطا کی ہوئی کمینی یہ بھی کیا کم ہے، مگر ہاں۔ کبھی کبھی اس خیال سے جی اُداس ہو جاتا ہے ؎

کہیں کہیں نہ عدو دیکھکر مجھے ناشاد
یہ اُسکا بندہ ہے جسکو کریم کہتے ہیں

ورنہ اے خدائے رحمٰن و رحیم! تیری حی و قائم ذات کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ کبھی آجتک میں نے اپنی محرومیوں کی کسی سے شکایت نہیں کی۔ اور کیونکر کرتا مجھے کیا حق تھا، ایک عصیاں کار و معصیت شعار ہستی کو یہ حوصلہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ تیری مرضی میں دخل دے تو آقا ہے اور میں غلام۔ جو ڈالدیا وہ اُٹھا رہا ہوں، اور جو ڈالے گا وہ اُٹھاؤنگا +

شکایت نہیں کرتا، مگر اے بے نیاز مالک! اگر میں تیرے انعام و اکرام کا مستحق نہ تھا تو ذلت و مسکنت کا احساس کیوں عطا کیا تھا۔ سینہ میں ایسا غیور و نازک دل کیوں دیا تھا

اور سب سے بڑھکر یہ کہ راحت کے بعد کلفت اور عیش کے بعد تکلیف کیوں دی ہے۔ مگر نہیں میں تجکو الزام نہیں دیتا۔ میں نے اپنے تئیں تیرے افضال و عنایات کا اہل ثابت نہیں کیا اِسی لیے تو نے اپنی نظر لطف میری طرف سے پھیر لی "

مگر خداوندا! اب میں اِس "خود بعد الکوڑ" سے پناہ مانگتا ہوں اور وہ طلب کرتا ہوں جو ہر طلب کرنیوالے کو تو عطا کر دیتا ہے۔ یعنی اے غفور الرحیم! میں تجھسے صرف مغفرت مانگتا ہوں۔ طاعت اور بندگی تو سبھی لاتے ہیں۔ اور زہد و عبادت تو سبھی کی تو قبول کر لیتا ہے میرے ہاتھ خزاں رسیدہ درخت کی طرح خالی ہیں۔ میں تو صرف ندامت و نیازمندی لایا ہوں۔ آنکھ کے آنسو، سر کی فتادگی اور دل کا خوف تیرے حضور لیکر حاضر ہوا ہوں۔ اب چاہے تو رد کر یا قبول، مجبور بندہ ہوں۔ تیرے آستانہ کرم سے ہٹ کر کہاں جاؤں؟ کیا تیرے سوا کوئی اور دروازہ بھی ہے!

یوسف نے آل یعقوبؑ کی بد اعمالیوں سے چشم پوشی کرلی۔ اور بضاعات مزجات کے عوض انکو نہال کر دیا۔ تو یوسف نہیں بلکہ اُسکا آقا ہے۔ کیا تو میری بدکرداریوں سے چشم پوشی نہ کرے گا! اور میری ندامت و شرمندگی کو رد کر دے گا؟

نہیں اے مالک! ایسا نہ کر۔ اور میری امیدوں کو نہ توڑ، میری خستگی پر کرم فرما اور اس کھلی ہوئی چاندنی۔ جھلملاتے ہوئے تاروں، اور رات چلنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے سامنے اب اور زیادہ خجل و رسوا نہ کر، اور اپنے عاجز بندے کو ناشاد و نامراد نہ پھیر۔ میری خطاؤں کو نہ دیکھ، اپنی شان عطا پر نظر رکھ! اور میرے غمگین دل کو قبولیت کی تسکین عطا فرما۔

بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن
بر جان و دل اسیر من رحمت کن
بر پائے خرابات رو من بخشائے
بر دست پیالہ گیر من رحمت کن

[illegible]

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

کیسا پر کیف تھا وہ جامِ وحدت۔ جو خاک عرب کی بنی ہوئی صراحی میں چھلکا۔ اور ہر آنکھ کے سامنے اسی رنگ میں ہویدا ہوا۔ پیاسوں نے شربت سمجھا۔ بھوکوں نے ماں کا دودھ پردیسیوں کے لیے زمزم ہوا۔ مرغیوں کے واسطے آب حیات۔ ایک بات ایک ہی ارشاد ایک ہی بات ہر قابل داد ہے۔ مشیت نے ایک ہی قدح میں سب کو سیراب کردیا۔ کہیں موتی اُچھلے۔ کہیں سادہ پانی۔ کہیں عشق صادق کہیں بادہ ارغوانی۔ یہ پیام ربانی اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ تھا جو انسانی گود میں فرشتہ کی بازو عاشق کی طرف سے معشوق کو پہنچا۔

ذرا مولانا کو دیکھنا کیا فرما رہے ہیں :-

(۱) مشرک ہو قبروں کو پوجتے ہو۔ رسول ہمارے واسطے خدا کا صریح فیصلہ موجود ہے ہم سا جیسا انسان۔ حج کو جاؤ شوق سے۔ عرفات کرو ذوق سے۔ مگر مدینہ گیا۔ وہاں دھر لیا ہے۔ مسلمان ہوکر انسان کی پرستش کرتے ہو۔ قبر کی پوجا نہ کی۔ شرک کفر۔

واعظ بھی کچھ کہہ رہا ہے :-

(۲) کیا بے نیازی ہے اپنا رسول ہمارے برابر کردیا۔ واہ رے اپنے بندوں کا عشق کوئی فرق ہی نہ رکھا۔ رکھا تو فقط وحی کا۔ باقی جو ہم سو وہ۔ صدقے اس کبریائی اعزاز اس شان خدائی کے۔ اس سے زیادہ۔ اس سے بڑھکر بندوں کی محبت کا ثبوت کیا ہوگا۔ عبادت شرط ہے جو رسول کے درجے وہ ہمارے ...... اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو اسکی تقدیر۔

شوہر ماتھے پر پڑا ساگٹہ۔ ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہنے منڈا ہوا۔ لبیں اڑی ہوئی ڈاڑھی ڈیڑھ بالشت سے بھی آگے گھٹنوں سے نیچا کرتہ۔ دونوں طرف جیبیں بیوی سے کہہ رہے ہیں:-

آج آخری چارشنبہ ہے۔ محلہ بھر میں کیا شہر بھر میں گھنگنیاں ہو رہی ہیں۔ رسول اللہ کا غسل صحت ہے۔ افسوس اس عقیدے پر۔ اور لعنت اس شرک پر۔ خبردار! ہمارے ہاں کبھی گھنگنیوں کا حصہ نہ آنے پائے۔ کمبخت مسلمان ہو کر مشرکوں سے بڑھ گئے۔ روزے رکھو نماز پڑھو۔ حج کرو۔ خیرات دو۔ مگر یہ نذر نیاز قطعی حرام۔ یہ گھنگنیاں سانپ بچھو بن کر بدن پر لپٹیں گی۔ پاک پروردگار تو یہ کہے کہ رسول بھی تم ہی جیسا انسان ہے۔ میرے سوا کسی کو نہ پوجو۔ مگر ہم خدا کو بھول کر دوسروں سے محبت کریں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

---

(۴) میں پہلے حنفی تھا۔ دنیا بھر کی بدعتیں کرتا تھا۔ اور میرے گھر میں ہوتی تھیں۔ گیارہویں کی نیاز۔ محرم کا شربت۔ ختم خواجگان۔ مولود شریف۔ کون سا شرک تھا جو مجھ سے سرزد نہ ہوا مگر خدا بھلا کرے مولوی عبدالوہاب صاحب کا کہ مجھ کو اس گمراہی سے نکالا۔ اور اہل حدیث بنایا۔ آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ یہ سب ملانوں کے ڈھکوسلے اور پیٹ کے دھندے ہیں کیسی نذر نیاز اور کس کی گیارہویں ستر ہویں۔ سب گناہ اور گناہ بھی کبیرہ۔ یک لخت ترک کیا۔ اور ایک معقول زندگی بسر کرنے لگا۔ تعجب ہوتا ہے کہ لوگ پیغمبر صاحب کو یارسول اللہ کہتے ہیں۔ افسوس ”یا“ تو سوائے خدا کے کسی اور کو جائز نہیں پھر بھی مجھے ہنسی آتی ہے اُن مسلمانوں پر جو کہنے کو مسلمان مگر خدا اور اُسکے رسول کو چھوڑ کر اماموں کی پیروی کریں۔ اور دوسروں کو غیر مقلد کہکر مضحکہ اڑائیں۔ روحانیت کے اعتبار سے میری زندگی کا یہ حصہ نہایت مطمئن ہے۔ خدا سب مسلمانوں کو شرک کی گمراہی سے نکالے۔ توحید کے رستہ پر ڈالے۔ اور وہ سمجھیں کہ رسول کو صرف ”انا بشر مثلکم“ ہے۔

آپ برسوں اہلحدیث رہے حنفیوں کو نہایت نفرت سے دیکھا۔ علما کی صحبت کا ہمیشہ شوق رہا۔ چمڑے کا کاروبار ہے۔ گھر سے خوشحال ہیں۔ بیویاں ایک چھوڑ تین تین موجود اور سب صاحب اولاد۔ مگر کیا مجال جو شوہر کے ساتھ فوراً تبدیل مذہب کرلیں۔ ایک بزرگ کی صحبت میں چند روز رہ کر اپنے عقیدے کو سلام کیا۔ اور صوفی ہوگئے۔ قوالی میں مزا اور ناچ میں لطف آنے لگا۔ سن ساٹھ سے متجاوز۔ مگر ادھر مؤذن نے مغرب کی اذان دی۔ اور ادھر یہ کسی طوائف کے مکان پر جا پہنچے۔ گانا سنا۔ بہار دیکھی۔ ہنسے بولے اُچھلے کودے۔ اور چلے آئے۔ دفعتہً خیالات نے پلٹا کھایا۔ ایک اہل قرآن کا وعظ سُنا۔ اہلحدیث رہے نہ صوفی۔ سب چھوڑ چھاڑ اب اہل قرآن ہیں۔ کیسا رسول۔ کسکا رسول۔ جب خدا موجود ہے تو ہم رسول کو کیا جانیں۔ قرآن ہمارے سامنے ہے۔ اور ہمارے واسطے کافی۔ ہمکو حدیث کی ضرورت کیا۔ اور حدیث ہے کسکی؟ اُسی کی جو ہمارے ہی جیسا۔ افسوس۔ افسوس +

پیغام ربانی سیدھا ہی۔ نہ زبان کا چکر ہے نہ محاورے کا اُلٹ پھیر۔ گنتی کے چار لفظ ہیں۔ "اے پیغمبر! کہہ کہ میں تم تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں" رازہے نہ نیاز استعارہ ہے نہ تشبیہ۔ مگر قربان جایئے اس سینا کے جس نے ہر شخص کے سامنے اسکے مطلب کے جواہرات ڈالدیئے۔ یہ ہے وہ جام جہاں نما جس میں ہر شخص کو اپنی صورت اپنی خواہش کے مطابق نظر آنے لگی۔ حسینوں نے چاند سے مکھڑے دیکھے حبشیوں نے بھونڈی شکلیں +

مولانا! عالم ہو تو آپ ہی سے ہو۔ عقل پر زور دو۔ کیا فرمارہے ہو۔ مدینہ میں کیا دھرا ہے؟ وہاں محبوب ذوالجلال رحمۃ للعالمین کی خوابگاہ ہے۔ اور وہ دولہا بستر استراحت پر ہے۔ جس کے اطوار و عادات اور رفتار و گفتار کے سدابہار پھول آج تمام روئے زمین پر کھل رہے ہیں۔ جنہوں نے خدا کو پہچانا۔ مسلمان بنے۔ انسان ہوئے اور

خدا کو خدا کہنے کے لائق - اس سے فرنٹ ہوتے ہو - احسان فراموشی - ہٹ دہرمی نمک حرامی
اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کے ساتھ یُوْحیٰ اِلَیَّ - پر تو نظر ڈالیے - تمام بشریت کا خاتمہ کر دیا - اور اس
ایک ہی بات نے دنیا بھر کے صفات کا مجموعہ اُس ذات میں ہیش کر دیا - وہ معمولی بات
نہیں ہے - یہی ایک فرق کیا تھوڑا ہی - اسپر اِسکے نکات تو کلیجہ توڑ دینگے - سمجھوگے تو چیخ
اُٹھوگے - اور سمجھ لوگے تو بلبلا جاؤگے ۔

سرورِ عالم کی تشریف آوری کا وقت وہ تھا کہ بت پرستی گھر گھر اور گمراہی گلی گلی
میں موجود تھی - اِس واقعہ کو ملحوظ رکھو کہ انسانی دنیا رسالت مآب سے پہلے یہ دھوکا کھا چکی تھی
کہ ہر مذہب کا بانی بالآخر ترقی کرتے کرتے اُسکا خدا ہوگیا - اور قادر ذو الجلال کی ہستی
قطعًا ختم ہوئی - اور تمام اختیارات سلب ہوگئے - خدائی کا سہرا ہادی عرب کے سر بندھ
گیا - عرب کے جُہلاء اور وہ جہلاء جن میں ہر قبیلہ کا خدا جدا - ہر خاندان کا معبود الگ
ہر شخص کا بت علیحدہ - اِس لغزش سے کس طرح محفوظ رہ سکتا تھا حضِ ارہاصات کی ابتدا ہی
ایسا واقعہ تھا کہ جو ایمان لانے والے تھے اُنکو خدا کی ضرورت ہی کیا تھی جسپر ایمان لائے
جس نے اندھیرے سے نکالکر اُجالے میں - اور جنگل سے ہٹا کر چمن میں پہنچا دیا - وہ ہی کافی
خدا تھا - یہ واقعات زبردست قدرت والے خدا سے پوشیدہ نہ تھے - اور جہاں اسلام
کی سچی تلقین مقصود تھی - وہاں اپنے حبیبؐ کے دامن پاک کو بھی اس ناپاکی سے بچانا منظور
اب فرمایئے - اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کیا معنی رکھتا ہو ۔

واعظ میاں کچھ نہ سمجھے - کیسا شرک - کسکا کفر - بہت موٹی بات ہے - خدا کی خدائی ہے حق
سمجھتے ہو - رسولؐ کی رسالت پر آمنّا کہتے ہو - اور پھر ایسی لچر بات زبان سے نکالتے ہو - سنو
اور سمجھو - کبھی کسی کی دعوت کی ہے ؟ ضرور کی ہوگی - عمر بھر کھائیں تو ایک آدھ دفعہ کھلائی بھی ہوگی

کیسی کیسی تیاریاں کی ہیں۔ روز دال کھاتے ہو۔ اُس روز سالن اور سالن ہی پر بس نہیں پلاؤ اور پلاؤ کے ساتھ زردہ بھی ضرور ہو گا۔ غرض مہمان کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ چھوڑا نہ ہو گا۔ یہ تو تمہاری مہمان نوازی ہے۔ اور اپنے ہی جیسے انسان کی۔ جس میں کوئی بات تم سے زیادہ نہیں۔ محبت کا بدلہ ہو گا یا ضرورت کا تقاضا۔ مگر اُس قلب پاک کا اندازہ کرو جو آلایش دنیوی سے صاف ہو رہا ہے اور اس آنیوالے مہمان کلام ربانی کے استقبال کو تیار ہوتا ہے۔ عالم ہو۔ اتنا تو بتاؤ۔ کسی کتاب سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح کے بعد سے چالیس برس کے سن مبارک تک کیا گیا۔ اور کس طرح بسر کرتے تھے۔ مولوی صاحب! یہ وہ وقت ہے کہ آپ دل کو دنیوی کدورتوں سے بالکل پاک فرماتے ہیں اور کسی متنفس کو خبر نہیں کہ کیا کر رہے ہیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ کے اس زمانہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ جب وہ یوسف بڑھئی کے ہاں کام کر رہے تھے۔ اسیطرح ہمارے سرکارؐ کے ان ایام کا حال راز سربستہ ہے۔ جو کسی سے نہ کھلا۔ اور نہ کھل سکتا ہے۔ ہر وقت مغموم ہر حال میں خاموش۔ ہمیشہ گم سم۔ کسی نے کوئی بات کی۔ آہستہ سے جواب دیدیا۔ اور بس۔ صرف پہاڑوں کا منظر اور گوشۂ تنہائی۔ کھانے کی سُدھ نہ پینے کا ہوش۔ دو دو تین تین چار چار روز متواتر شاہنشاہ حقیقی کی یاد ہی میں بسر ہو رہے ہیں۔ اور دل مکروہات دنیوی سے نفرین کر رہا ہے۔ ایک موقع ایسا آگیا کہ کامل آٹھ روز تک ایک غار میں روتے رہے۔ لوگ ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ مگر پتہ نہیں لگتا۔ جنگل بیابان میں گھڑے ہیں کہ کوئی بھولا بھٹکا آجائے تو اس سے پوچھیں۔ دفعتہ ایک گڈریا نظر آگیا۔ بیتاب ہو کر پوچھا۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے کیا خبر۔ کون محمدؐ۔ مگر ؎

این قدر دانم کہ اندر تیرہ غار — زار مینالد کسے لیل و نہار

میکند با گریہ ہر ساعتے — نالۂ یا امتی! یا امتی!

یہ ہے وہ دل جو کلام اللہ کی مہمان نوازی کے لیئے تیار ہوا۔ کیوں مولانا! کیا تمہاری بشریت بھی ایسی ہی ہے؟ ❖

بھائی اہلحدیث! اور میاں اہل قرآن! تمہارا ارشاد سر آنکھوں پر۔ لیکن اتنا تو غور فرمائیے کہ معمولی انسان اور رسول میں جو امتیاز ہے وہ تو ظاہر ہے۔ مگر جو قلب اس قابل تھا کہ اُس بوجھ کو سہار گیا۔ جس کے اُٹھانے کی پہاڑوں۔ آسمانوں اور زمینوں میں بھی طاقت نہ تھی اُسکو اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ہی کہنا زیبا تھا۔ اور اشد ضرورت یہ تھی کہ جب تک یہ الفاظ زبان مبارک سے ادا نہ ہوتے۔ انسان رجوع کامل کر ہی نہ سکتا تھا۔ ظہور معجزات۔ عبادات غایات۔ خلق و کرم صبر و تحمل۔ غرض ہر صفت درجۂ تکمیل سے متجاوز تھی۔ اور ایمان لانیوالے علی الاعلان کہہ رہے تھے کہ یہ اوصاف انسانی نہیں ہیں۔ یمن سے دو شخص جو بڑے عالم تھے۔ توریت و انجیل پر پورا عبور رکھتے تھے۔ پیشین گوئیوں سے باخبر تو پہلے ہی ہو چکے تھے۔ مگر جب حضورؐ کے حالات کا چرچا سُنا تو بیتاب ہو کر آئے۔ مدینہ منورہ کے بازاروں میں۔ اِدھر اُدھر دیکھتے بھالتے پھر رہے ہیں کہ سامنے سے ایک شخص نمودار ہوا۔ اُس کے ساتھ دشمنوں کا ایک غول ہے۔ لڑکوں کی بھی کمی نہیں تالیاں بجا رہے ہیں۔ پتھر پھینک رہے ہیں۔ مگر وہ اپنے خیالات میں مستغرق۔ کچھ نہیں دیکھتا۔ یہ جانی دشمن اذیت دینے میں کمی نہیں کر رہے۔ ایک شخص کا پتھر سر مبارک پر لگا خون بہنے لگا آپؐ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ اِن پر رحم کر کہ اِنہوں نے ابھی مجھکو پہچانا نہیں۔ دونوں کے دونوں یہ رنگ دیکھکر دنگ رہ گئے۔ ایک دکاندار سے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ وہ مسلمان تھا آنکھ میں آنسو بھرے ہوئے رو کر کہا:۔

هٰذَا مُحَمَّدٌ

دونوں کی آتش شوق بھڑک اُٹھی۔ دیوانہ وار آگے بڑھے۔ اور باآواز بلند کہا:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

مولنا! یہ تھیں وہ حالتیں۔ جنسے احتمال تھا کہ انسانی دنیا پوری طرح رجوع نہ کر سکے۔

اسلئے ضرورت یہ تھی کہ ہمارے اور حضورؐ کی ذات پاک میں ایک جنسیت ہو اور جبتک دو چیزوں میں جنسیت نہو میل جول ہو ہی نہیں سکتا ع

کند ہمجنس باہمجنس پرواز

اس جنسیت کو پیدا کرنیکے واسطے کلام اللہ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا۔ لیکن بندہ نواز یہ تو ملاحظہ فرمایئے کہ بشریت ہی ایکشے کثیف اور فرشتے ہیں لطیف۔ مگر یوحیٰ الیّ کے معنی کیا ہیں؟ وحی کے الفاظ ظاہر ہیں۔ مگر یہ وحی کسکے ذریعہ سے آتی تھی؟ فرشتہ لطیف ہونے کے باوجود کثیف شے کے پاس کیوں خدا کا پیغام لائے۔ آگا بشرؐ سے انکار تو کفر ہے ہمارے ہی جیسے انسان ضرور تھے۔ یہی دو آنکھیں۔ یہی دو ہاتھ پاؤں یہی ناک کان۔ مگر رسول برزخ ہے فرشتے اور انسان کے مابین سے

ادھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واصل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

اگر انا بشر مثلکم کہکر دل نہ بڑھا دیتے تو انکے اسوہ حسنہ کی تاکید کس طرح فرماسکتے مگر اسکے یہ معنی لینے اور ایسی تلقین کرنی جسکا نتیجہ الٹا ہو یقیناً احسان فراموشی اور سخت گمراہی ہے۔

راشد الخیری

نمبر

حضرت مصعب بن عمیرؓ

داعی یثرب

(گزشتہ سے پیوستہ)

نماز جمعہ کا قائم کرنا

یثرب میں مسلمانوں کی ایک معتدبہ جماعت پیدا ہو گئی، اور اب دوسرا فرض بھی عاید ہو گیا۔ حضرت مصعبؓ نے دربار نبوت سے اجازت حاصل کر کے حضرت سعد بن خیثمہ کے مکان میں جماعت کے ساتھ نماز جمعہ کی بنیاد ڈالی، پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت موثر خطبہ دیا، پھر خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھائی، نماز کے بعد حاضرین کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی گئی، اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الٰہی کے علاوہ ہفتہ میں ایک دفعہ برادران اسلام کو باہم بغلگیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تحریک سے یثرب میں قائم ہو گیا[1]

یثرب مدینۃ النبی بن گیا

مکہ کی سرزمین جس ودیعت کے بارگراں اٹھانے سے ۱۲ برس تک عاجز رہی، یثرب کی ارض مقدس نے ایک سال میں اسکو اٹھا لیا، اسلام امن و امان کے ایک آشیانہ کا جویاں تھا جو ابراہیم خلیل کے مولد میں میسر نہ آیا، خداوند ذوالجلال نے اسکے لئے یثرب کی خاک کو تاکا، آنحضرت صلعم کے رویائے صادقہ نے گو ایسے مرکز کی بشارت دی تھی جو نخلہائے گراں بار سے محیط ہے، تاہم اس خواب کی تعبیر حضرت مصعب کے دست سعی میں پنہاں تھی، انہوں نے صرف ایک برس کی کوشش میں اسلام کے لیے ایسا مرکز تیار کر دیا جس نے یکایک تاریخ اسلام میں انقلاب عظیم برپا کر دیا، اور اب یثرب، یثرب نہیں مدینۃ النبی بن رہا ہے،

---

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ جلد ۳ صفحہ ۸۳ [2] بخاری،

[illegible]

پہلے گزرچکا ہے، کہ عقبہ کی بیعت اولیٰ میں صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مصعبؓ نے اپنے قلیل زمانہ تبلیغ میں تمام اہل یثرب کو اسلام کا فدائی بنادیا، چنانچہ دوسرے سال موسم حج میں ۷۳ اکابر و اعیان کی پرعظمت جماعت اپنی قوم کیطرف سے تجدید بیعت اور شاہ امم کو مدینہ میں مدعو کرنیکے لیئے روانہ ہوئی۔ اِس کے رہبر حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی ساتھ تھے، اُنھوں نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے حضوری میں حاضر ہوکر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان عرض کی، حضور نے نہایت شوق کے ساتھ تمام واقعات سُنے۔ اور اُنکی محنت اور جانفشانی پر غیر معمولی مسرت ظاہر فرمائی،[1]

[illegible]

حضرت مصعبؓ کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا، "اے نافرمان فرزند! کیا تو ایسے شہر میں آئیگا جس میں تیری ماں موجود ہو؟ اور تو پہلے اُس سے ملنے نہ آئے"؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ "میں رسول اللہ صلعم سے پہلے کسی سے ملنے نہیں جاؤں گا"،

وہ جب رسول اللہ صلعم سے شرف ملازمت حاصل کرچکے تو اپنی ماں کے پاس آئے جس نے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے"۔ بولے "میں رسول اللہ صلعم کے دین برحق اور اُس اسلام کا پیرو ہوں جسکو خدا نے خود اپنے لیئے اور اپنے رسول کے لیئے پسند کیا ہے"۔ ماں نے کہا "کیا تم اُس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایکدفعہ سرزمین حبش میں برداشت کرنی پڑی، اور اب یثرب میں سہنا پڑتی ہے؟ افسوس دونوں دفعہ تم نے میری غمخواری کا کچھ شکریہ ادا نہ کیا۔ حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ شاید پھر مجکو قید کرنے کی فکر میں ہے، چلاکر بولے کہ "تم جبراً کسی کو اُسکے مذہب سے پھیرسکتی ہو؟ اگر تمہارا منشا ہے کہ پھر مجکو قید کرو تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھے گا۔ اُسکو یقیناً قتل کرڈالوں گا" ماں نے یہ تیور دیکھے تو کہا "بس میرے سامنے سے چلاجا" یہ کہکر رونے لگی۔

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۸۳

حضرت مصعب اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے "اے میری ماں! میں تمہیں خیرخواہی اور محبت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ خدا ایک ہے۔ اور محمد صلعم اسکے بندے اور رسول برحق ہیں"۔ اُسنے کہا "چمکتے ہوئے تاروں کی قسم میں اس مذہب میں داخل ہو کر اپنے آپ کو احمق نہ بناؤں گی، جا! میں تجھسے اور تیری باتوں سے باز آتی ہوں، اور اپنے مذہب سے وابستہ رہونگی"۔[1]

ہجرت مدینہ

حضرت مصعبؓ نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت صلعم کی خدمت میں بسر کیے، اور پہلی ربیع الاول کو سرورکائنات صلعم سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کرکے مدینہ کی راہ لی، بارہ روز کے بعد مرکز اسلام مکہ سے یثرب کو منتقل ہوگیا، اور اب یثرب کا نام **مدینۃ النبیؐ** تھا،

غزوات

اس مرکز نے جب رفتہ رفتہ تمام فرزندان توحید کو ایک نقطہ پر جمع کردیا اور نونہال اسلام مدینہ کی آزاد آب وہوا میں حیرت انگیز نشوونما پانے لگا تو مشرکین قریش جو اب تک اس پودے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، بزور اُسکی بیخکنی پر آمادہ ہوگئے چنانچہ ہجرت کے دوسرے ہی برس سے حق وباطل میں خونریز معرکوں کا سلسلہ شروع ہوگیا حضرت مصعب بن عمیرؓ میدان فصاحت کیطرح عرصہ وغا میں بھی نمایاں رہے، غزوۂ بدر میں مہاجرین کا سب سے بڑا علم انکے ہاتھ میں تھا، غزوۂ احد میں بھی علمبرداری کا تمغائے شرف انہیں کو نصیب ہوا،[2]

شہادت

اس جنگ (یعنی احد میں) ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح وشکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور پر مغلوب ہوکے تتر بتر ہوگئے تو اس وقت بھی یہ علمبردار اسلام یکہ وتنہا مشرکین کے نرغہ میں ثابت قدم رہا۔ کیونکہ لوائے توحید کو پیچھے کیطرف جنبش دینا اس فدائے ملت کے لیے سخت عار تھا، غرض اسی حالت میں مشرکین کے شہسوار ابن قمیہ نے بڑھکر تلوار کا وار کیا۔ جس سے داہنا ہاتھ شہید ہوگیا لیکن ہاتھ

---

[1] طبقات ابن سعد ۳ ق ۱ ص ۸۲ [2] ایضاً ص ۸۴،

ہاتھ نے فوراً قائم مقامی کی، اُسوقت اُن کی زبان پر یہ آیت جاری تھی،
ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل - محمد ایک رسول ہیں انسے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں،
ابن قمیئہ نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اس دفعہ دونوں خون آلود بازوؤں سے حلقہ کرکے علم کو سینے سے چمٹا دیا، اُس نے جھنجلا کر تلوار پھینک دی، اور اس زور سے نیزہ تاک کر مارا کہ اَنی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی، اور اسلام کا سچا فدائی اُسی آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرش خاک پر دائمی راحت کی نیند سو رہا۔ لیکن اسلامی پھریرا سرنگوں ہونیکے لیے نہیں آیا تھا، انکے بھائی ابوالروم بن عمیرؓ نے بڑھکر اُسے سنبھالا، اور آخر وقت تک شجاعانہ مدافعت کرتے رہے[1]،

[illegible]

اختتام جنگ کے بعد آنحضرت صلعم حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی :-

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ، مومنین میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اُسکو سچا کر دکھایا،

پھر لاش سے مخاطب ہوکر فرمایا، "میں نے تجکو مکہ میں دیکھا تھا، جہاں تجھسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا، لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تیرے بال اُلجھے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے"۔ پھر ارشاد ہوا " بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حاضر رہوگے،، اس کے بعد غازیانِ دین کو حکم ہوا کہ کشتگان راہ خدا کی آخری زیارت کرکے سلام بھیجیں، اور فرمایا " قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روز قیامت تک جو کوئی انپر سلام بھیجے گا وہ اسکا جواب دینگے[2]،،

شہیدوں کی تکفین

اُس زمانہ میں غربت و افلاس کا یہ حال تھا کہ شہیدان ملت کو کفن تک نصیب نہوا، آہ! حضرت مصعب بن عمیر جن کا جسم نورانی کبھی دیبا و حریر کا عادی تھا وہ اس طرح رخصت ہوتے ہیں کہ صرف ایک خوناب چادر انکے لیے دنیا کا آخری تحفہ ہے، اور وہ بھی اسقدر

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۸۴ ،، [2] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۸۴ ،،

مختصر کہ اُس سے سر چھپایا جاتا ہے تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپائے جاتے ہیں تو سر کھل جاتا ہے۔ بالآخر حضرت خیر الانام کے ایماء سے پاؤں پر اذخر کی گھانس ڈالی جاتی ہے[۱]، اور اُنکے بھائی حضرت ابوالروم بن عمیرؓ حضرت عامر بن ربیعہ، اور حضرت سویبط بن سعد کی مدد سے اس پیکر قدس کو سپرد خاک فرماتے ہیں[۲]۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ،

اخلاق و عادات

جن آنکھوں نے عسرت و ناداری کا یہ دردناک نظارہ دیکھا تھا، وہ عہد تمول و فراغ حالی میں بھی اس تصویر عبرت کو یاد کرکے اشک حسرت سے لبریز ہو جاتی تھیں۔ خلافت راشدہ کی فاتحانہ لڑائیوں نے گو قیصر و کسریٰ کے خزانے فرزندانِ توحید کے قبضہ میں کر دیئے تھے، اور روم و ایران کے زر و جواہر ریگستان عرب کے خزف ریزے تھے، تاہم جن ہاتھوں نے شہدائے ملت کو گھانس کا کفن دیا تھا وہ ان زخارف دنیا کو مس کرکے کانپ اُٹھتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف ایک متمول صحابی تھے، اُنکا تجارتی قافلہ جب مدینہ میں داخل ہوتا تھا تو تمام شہر میں غلغلہ برپا ہو جاتا تھا[۳]، لیکن آغاز اسلام کی عسرت و تنگ حالی نے مرقع عبرت بنکر اُنکو کبھی اس دولت بے پایاں سے لطف اندوز نہ ہونے دیا، وہ ایک دفعہ روزہ سے تھے، شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار عسرت ماضیہ کی یاد تازہ ہوگئی۔ بولے: "مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ ہو جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، حمزہ بھی اسیطرح شہید ہوئے جو مجھ سے اچھے تھے، لیکن اب دنیا ہمارے لیئے کشادہ ہوگئی ہے۔ اور ہمیں ایسی ایسی نعمتیں مرحمت فرمائی گئی ہیں، ہمکو ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کے معاوضہ میں عجلت کیگئی" اسکے بعد اسقدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا[۴]۔ (معارف)

---

[۱] بخاری باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ [۲] طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ ص ۸۵، [۳] اسد الغابہ تذکرہ عبدالرحمن بن عوف، [۴] بخاری باب غزوہ اُحد

نمازِ تہجّد

اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل وقران الفجر ان قران الفجر کان مشھودا ومن الیل فتھجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا ۱ (پارہ ۱۵ اسرائیل ع ۹)

اے پیغمبر! آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشار کی) نمازیں پڑھا کرو اور نماز صبح بھی کیونکہ نماز صبح کا وقت نور ظہور کا وقت ہے اور رات کے ایک حصہ میں نماز تہجد بھی پڑھا کرو۔ اور نمازیں تو فرض ہیں اور یہ تمہاری نماز نفل ہے عجب نہیں کہ اسکی برکت سے تمہارا پروردگار قیامت کے دن تم کو مقام محمود میں پہنچائے،

حدیث شریف میں وارد ہے جبلت القلوب علی حب من احسن الیہ۔ سلیم الفطرت انسان اپنے سینہ کے آئینہ کو کینہ کے غبار سے پاک صاف رکھتا ہے۔ اسکی عادت میں داخل ہے کہ جو شخص اسکے ساتھ نیکی کرے وہ اسکے ساتھ محبت کرتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے حد ولاتعد احسانات ہیں۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا۔ پس اس سے بڑھکر کون محسن ہو سکتا ہے اور اس سے زیادہ کون سزاوار محبت واطاعت ہو سکتا ہے اسلام نے محسن حقیقی کی محبت واطاعت کے لیے نماز مقرر کی ہے اور آیۂ مجیدہ مذکورۂ بالا میں اسکے اوقات بتلائے ہیں جو پے درپے آنیوالے ہیں۔ اور اسمیں حکمت یہ ہے کہ ایک نماز کے پڑھنے سے ابھی روحانیت کا اثر باقی ہو کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ بلاشبہ نماز دو کے اوقات اشغال دنیا میں اسطرح آتے رہتے ہیں کہ جو شخص پابند صلوٰۃ ہو اور حضور قلب سے نماز پڑھے۔ ممکن نہیں کہ سکا دل کسی وقت بھی یاد حق سے غافل ہو۔ پانچ نمازیں فجر ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشار تو فرض ہیں۔ مگر عباد الرحمٰن آٹھ نمازیں پڑھتے ہیں یعنی علاوہ

پانچ مکتوبہ نمازوں کے اشراق۔ ضحیٰ اور تہجد بھی بالالتزام ادا کرتے ہیں۔ اللہ جل علانے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز تہجد کی طرف خصوصیت سے متوجہ فرمایا ہے۔ اور اسی کی برکت سے مقام محمود میں پہنچانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس مضمون میں ہم نماز تہجد کے متعلق اختصار کے ساتھ لکھیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ +

تہجد کے معنی ہیں نیند کو ہٹا کر کھڑا ہونا۔ اس بنا پر رات کو سو کر اُٹھے پیچھے جو نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسے تہجد کہتے ہیں۔ تہجد کے فضائل بے شمار ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے:۔

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلاً۔ (پ ۲۹ س مزمل ع ۱) بیشک رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہی اور اس وقت دعا بھی خوب دل سے نکلتی ہے۔

عباد الرحمٰن کی مدح میں حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا۔ (پ ۱۹ س الفرقان ع ۶) اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو راتوں کو اپنے پروردگار کے آگے سجدے کریں اور دست بستہ کھڑے رہیں۔

متقین کے اوصاف میں وارد ہے:۔

کَانُوْا قَلِیْلاً مِّنَ اللَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۔ (پ ۲۶ س الذاریات ع ۱۸) پرہیزگار عبادت میں مشغول رہنے کے سبب رات کو بہت ہی کم سوتے تھے اور صبح سویرے اپنے گناہوں کی معافی مانگا کرتے تھے۔

بار نبوت اٹھانے میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو گوناگوں تکالیف کا مقابلہ کرنا تھا۔ اور تکمیل خلق اللہ کی بنا پر مشکل واہم فرائض ادا کرنا تھا۔ اسی بنا پر حق سبحانہ وتعالےٰ نے آپ کو مزمل کے تلطف آمیز نام سے خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ ہم عنقریب تبلیغ رسالت کے فرائض تمہیں تفویض کرنے کو ہیں۔ اس لیے تم کو کچھ اندھیرا کر سونے اور ساری رات اسی حالت

میں لبکر نیسے متنبہ کیا جاتا ہے۔ ساری رات خواب میں نہ گزارنا بلکہ کچھ حصہ رات کا دعا اور نماز کے لیئے مختص کرنا:۔

یا ایھا المزمل قم الیل الا قلیلا	اُے پیغمبر! تم جو وحی کی ہیبت سے چادر پیسٹے
نصفه او انقص منه قلیلا	پڑے ہو رات کے وقت نماز میں کھڑے رہا کرو۔
او زد علیه و رتل القرآن ترتیلا	وہ بھی ساری رات نہیں بلکہ ساری رات سے کم یعنی
انا سنلقی علیك قولا ثقیلا	آدھی رات یا اس میں سے بھی تھوڑا سا کم کر لیا کرو
ان ناشئة الیل ھی اشد وطأ	یا آدھی رات سے کچھ بڑھا دیا کرو اور قرآن کو خوب
واقوم قیلا، ان لك فی النھار	ٹھیر ٹھیر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب تم پر ایک بڑے بھاری
سبحا طویلا، واذکر اسم ربك	حکم یعنی تبلیغ رسالت کا بوجھ ڈالنے کو ہیں تو اپنے
وتبتل الیه تبتیلا،	تئیں ریاضت کا خوگر کرو بیشک رات کا اٹھنا نفس
رپ ۲۹ س المزمل ع پہلا)	کو خوب زیر کرتا ہے۔ اور اسوقت دعا بھی ٹھیک دل سے
	نکلتی ہے اور دن کے وقت تو تم کو وعظ و نصیحت میں

بڑا مشغلہ رہا کرے گا اور اپنے پروردگار کا نام لیتے رہو اور سب سے ٹوٹ کر اُسی کے ہو رہو"۔

غور کرو کہ قیام لیل کو حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم پر فرض کر کے امت مرحومہ کو تعلیم و تلقین کی گئی ہے کہ رات کے وقت کو انتشار روحانیت اور جذب برکات یزدانی کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اور اسکی وجہ وہ تنہائی و سکون قلب ہے جو رات کی خاموشی اور علیحدگی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

آیات مرقومہ بالا میں حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ اور تقرب الی اللہ حاصل کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر ہدایت خلق اللہ کا ارشاد ہوا۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

یا ایھا المدثر قم فانذر (رپ ۲۹ س المدثر ع پہلا) اے کپڑا اوڑھنے والے! اُٹھ لوگوں کو ڈرا۔

غور کرو پہلی شق مرتبہ کمال اور دوسری شق مرتبہ تکمیل کے متعلق ہے۔ گویا مرتبہ کمال کو مرتبہ تکمیل پر مقدم رکھا۔ جسکے یہ معنی ہیں کہ تکمیل خلق اللہ کے رتبہ و پایہ پر متمکن ہونے سے پہلے اکتساب کمال ضروری امر ہے ۔

صحیح بخاری میں اخیر رات کی فضیلت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس کا ملخص حسب ذیل ہے :۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب
صلی اللہ علیہ وسلم قال ینزل	رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے
ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ	کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جس وقت رات کا اخیر
الی سماء الدنیا حین یبقی	تیسرا حصہ رہ جاتا ہے پہلے آسمان پر اترتا ہے اور
ثلث اللیل الآخر یقول من یدعونی	فرماتا ہے۔ کون مجھسے دعا مانگتا ہے میں قبول کروں
فاستجیب لہ من یسالنی فاعطیہ	کون مجھسے سوال کرتا ہے میں دوں۔ کون مجھسے بخشش
من یستغفرلی فاغفرلہ،	چاہتا ہے۔ میں اُسے بخش دوں ۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے :۔

ان فی اللیل ساعۃ لایوافقہا	رات میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر مسلمان بندہ
عبد مسلم یسال اللہ تعالیٰ خیرا	اسکے موافق پڑجاتا ہے تو حق سبحانہ وتعالیٰ سے جو
من خیر الدنیا والآخرۃ الا	دینی و دنیوی بھلائی مانگتا ہے دیا جاتا ہے اور وہ ساعت
اعطاہ ایاہ وذلک کل لیلۃ ۔	کسی رات کے لیئے خاص نہیں ہے بلکہ ہر رات میں ہوا کرتی ہے

اول شب سو رہنے کے بعد قیام نماز کے لیئے اٹھنا موجب جذب برکات یزدانی ہے تہجد گزار عابد انسان کے دینی و دنیوی کام درست ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جمیع مشاکل پر غالب آتا ہے صحف انبیاء اور آثار اولیاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ رات کو تہجد پڑھنا دوزخ سے نجات تا شدید و مسلسلہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اُن کی والدہ ماجدہ نے نصیحت کی

تھی۔ بیٹا! رات کو بہت نہ سونا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے آدمی قیامت کے دن محتاج ہوگا۔ ایک بزرگ کی عادت تھی کہ جب دسترخوان بچھتا تو لوگوں سے کہتے بہت نہ کھانا۔ ورنہ پانی بہت پیوگے اور تمام رات خواب غفلت میں پڑے رہوگے اور بہت سوؤگے تو قیامت کے دن کف حسرت ملوگے۔ حضرات صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ درویشی و فقیری کا دارومدار تمامتر تین باتوں پر ہے:۔

(۱) کم کھانا۔

(۲) کم سونا۔

(۳) کم کلام کرنا۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نماز تہجد کے نہایت شدت کے ساتھ پابند تھے۔ چنانچہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی احدی عشرۃ رکعۃ کانت تلک صلوتہ یسجد السجدۃ من ذلک قدر ما یقرء احدکم خمسین اٰیۃ قبل ان یرفع راسہ	جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ یہی آپ کی نماز تھی ان رکعتوں میں آپ اتنی دیر تک سجدہ میں رہتے تھے کہ جتنے عرصہ میں تم میں سے کوئی پچاس آیتیں آپ کے سر اٹھانے سے پہلے پڑھ لے۔

ایک دوسری حدیث میں مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے:۔

ان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیقوم او لیصلی حتی ترم قدماہ او ساقاہ فیقال لہ فیقول افلا اکون عبداً شکوراً۔	حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنا قیام فرماتے یا اتنی نماز پڑھتے کہ آپ کے پاؤں یا پنڈلیوں پر ورم ہو جاتا۔ جب آپ سے اس بارے میں گفتگو کی جاتی تو فرماتے کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟۔

غور کرو۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ باعث ایجاد عالم سرور بنی آدم ہیں اور آپ کے انتہائی درجہ کا ارتفاع ظاہری اور باطنی طور پر حاصل ہے۔ آپ کا وجود باجود خیر مجسم مقربین سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ اور آپ ہی مظہر اتم الوہیت ہیں۔ باایں ہمہ آپ تشکر و امتنان کا اظہار کرنے اور عبد شکور بننے کے لیے نماز تہجد کے نہایت شدت کیساتھ پابند تھے۔

حضرت سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء اپنے متبعین کو نماز تہجد کی ترغیب تحریص فرماتے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک خواب کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

نعم الرجل عبد الله لو كان يصلي من الليل۔	عبداللہ اچھا آدمی ہے کاش وہ نماز تہجد پڑھا کرتا۔

اس کے بعد عبداللہ بن عمرؓ رات کو بہت کم سوتے اور نماز تہجد بالالتزام ادا کرتے رہے۔

جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم طرقه وفاطمة بنت النبي صلى الله عليه وسلم ليلة فقال الا تصليان فقلت يا رسول الله انفسنا بيد الله فاذا شاء ان يبعثنا بعثنا فانصرف حين قلت ذلك ولم يرجع الي شيئا ثم سمعته	جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن رات کے وقت ان کے اور اپنی صاحبزادی فاطمہ بتولؑ کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا تم دونوں نماز تہجد کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری جانیں حق سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ جس وقت ہم کو اٹھانا چاہتا ہے اٹھا دیتا ہے۔ جب میں نے یہ کہا تو آپ واپس تشریف لے گئے اور میری بات کا کوئی

هو مولٍّ یضرب فخذه وهو یقول وکان الانسان اکثر شیءٍ جدلا ۔

جواب پایا پھر میں نے سُنا جب آپ پیٹھ موڑ کر جا رہے تھے تو اپنی ران مبارک پر ہاتھ مار جاتے تھے اور سورہ کہف کی یہ آیہ مجیدہ پڑھتے جاتے تھے وکان الانسان اکثر شیء جدلا یعنی انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

غور کرو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے جو جواب جناب ختمیت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ بادی النظر میں اسکا ماخذ مندرجہ ذیل آیہ مجیدہ ہے:-

اللہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسک التی قضی علیها الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی ان فی ذلک لایت لقوم یتفکرون ۰ (پ ۲۴ س الزمر ع ۵)

لوگوں کے مرتے وقت اللہ ان کی روحوں کو اپنے پاس بلا لیتا ہے۔ اور جو لوگ مرے نہیں اُن کی روحیں بھی اُنکے سوتے وقت خدا کے ہاں بُلا لی جاتی ہیں تو جن کی نسبت خدا موت کا حکم صادر فرما چکا ہے۔ اُن کو اپنے ہاں روکے رکھتا ہے اور باقی سونے والوں کو ایک وقت مقرر تک پھر دنیا میں بھیج دیتا ہے جو لوگ غور و فکر کو کام میں لانا چاہتے ہیں کچھ شک نہیں کہ اُنکے لیے اس میں قدرت خدا کی بہتیری ہی نشانیاں ہیں۔

بلاشبہ سونا بھی ایک طرح کا مرنا ہے۔ بقولیکہ "النوم اخو الموت" لیکن سونے اور مرنے میں اتنا فرق ہے کہ جو قبض روح مرنے کی وجہ سے ہوا ہے وہ روح پھر دنیا میں آنے کی مجاز نہیں اور جو قبض روح سونے کی وجہ سے ہوا ہے وہ روح حق سبحانہ وتعالی کے حکم سے پھر دنیا میں آتی ہے یہی معنی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول فاذا شاء ان یبعثنا بعثنا کے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب فی الحقیقت درست تھا مگر یہ بھی صحیح ہے کہ اس آیہ مجیدہ کا استعمال اس موقع پر صحیح نہ تھا اور نہ اس سے اپنی بے بسی پر استدلال کیا جا سکتا ہے

انسان مکلف ہو ایسکو اپنے نفس پر زور دیکر امتثال اوامر اور اجتناب نواہی میں جد وجہد کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھنا چاہیئے۔ تقصیر عبادت کو حوالہ بہ تقدیر کرنا کج بحثی میں داخل ہے چونکہ رات کا وقت تھا اور حضرت علی رضکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شرف نبوت حاصل تھا اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تطویل بحث قرین مصلحت نہ جانکر سکوت و اغماض سے متنبہ فرمانے پر اکتفا کیا۔ اور آپ کا طریق عمل بے حد مؤثر ثابت ہوا۔ کیونکہ اسکے بعد جناب امیر علیہ السلام نے نماز تہجد کبھی قضا نہیں ہونے دی +

ماحصل

مضمون مذکور بالا کا ماحصل حوالہ قلم کر کے اس کو ختم کرتا ہوں +

(۱) کافہ انام اہل اسلام پر پانچ نمازیں فرض ہیں مگر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک نماز تہجد زیادہ بھی فرض تھی +

(۲) اتقیا اور خاصان خدا راتوں کو کم سوتے ہیں۔ اور علاوہ پانچ نمازوں کے اشراق و ضحے علی العموم اور نماز تہجد علی الخصوص ادا کرتے ہیں۔ اور صبح سویرے استغفار بھی کرتے ہیں +

(۳) شب بیداری سے نفس خوب زیر ہوتا ہے +

(۴) صبح کا وقت نور ظہور کا وقت ہے۔ اس کو خواب غفلت میں بسر کرنا بڑی بدقسمتی ہے +

(۵) رات کے وقت کو انتشار روحانیت اور جذب برکات یزدانی کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ مبارک ہیں جو اس سے متمتع ہوتے ہیں +

(۶) تکمیل خلق اللہ سے پہلے اکتساب کمال ضروری و لابد ہے۔ جو لوگ بدون اکتساب کمال کے سعی تکمیل کرتے ہیں۔ ناکام رہتے ہیں +

(۷) تہجد گزار عابد کے دینی و دنیوی کام درست ہو جاتے ہیں۔ اور وہ مشاکل پر غالب آتا ہے +

(۸) ہر رات میں ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اس وقت عبد مسلم جو دعا مانگے مقرون با جابت ہوتی ہے +

(۹) درویشی و فقیری کا دارومدار تمام تر کم کھانے۔ کم سونے اور کم بولنے پر ہے +

(۱۰) حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ مقربین سے اعلیٰ و اکمل تھے آپ اظہار تشکر و امتنان کی غرض سے نہایت شدت کے ساتھ نماز تہجد کے پابند تھے +

(۱۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے متبعین کو نماز تہجد کی ترغیب و تحریص فرماتے تھے +

(۱۲) تقصیر عبادت کو حوالہ بہ تقدیر کرنا کج بحثی میں داخل ہے +

(۱۳) کج بحثی کا بہترین و موثر جواب سکوت و اغماض ہے +

نور الدین تاجر چرم۔ گوجرانوالہ

تیاگ

طلوع صبح کی ضیائے اولین کے ساتھ زاہد اپنے غار سے نکلا اور ایک
چشمہ پر جو اس صحرا میں جاری تھا گیا۔ پھر اپنا بھاری لبادہ اتار کر ٹھیک اس وقت جبکہ آخری
تارے جھلملا رہے تھے۔ اُس نے سیاہ پانی میں غوطہ لگایا۔ سنگریزے تیز تھے اور اُس کے
پاؤں کو زخمی کر رہے تھے۔ پانی جو برف کی طرح سرد تھا اُسکے جسم کو ایذا پہنچا رہا تھا۔ لیکن اسکی
زبان سے کوئی حرف شکایت نہ نکلا۔ وہ خاموش ایک بت کی طرح کھڑا رہا۔ اس حال میں اسکی
آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ اسی طرح وہ ساحل پر بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اور جبکہ
نسیم صبح اُسکے جسم کی نمی کو جذب کر رہی تھی۔ اسکے بدن پر ذرا کپکپی نہ پیدا ہوئی +

یہ ہو گیا۔ اور زاہد نے اپنا لبادہ پہنا۔ اور اپنے غار میں جا کر زانو کے بل عبادت و دعا میں
مصروف ہو گیا۔ اب آفتاب بلند ہو گیا تھا۔ اور ٹیلوں کے سے ڈھکی ہوئی سطح صحرا سے بلند
اس عظیم الشان دیوار کوہ پر اپنا زریں عکس ڈال رہا تھا۔ جہاں زاہد کا تنگ و تاریک غار ایسا
معلوم ہوتا تھا جیسے ابابیل کا آشیانہ کسی ریتیلے ٹیلے کے پہلو میں۔ اب بھی سویرا ہی تھا۔
لیکن دنیا بیدار ہو چکی تھی۔ لوے ترانہ ہائے مسرت گا رہے تھے۔ چڑیاں گھاس اور تنکوں
کی تلاش میں اپنا گھونسلا بنانے کی غرض سے پھر رہی تھیں۔ شہد کی مکھیاں شہد کی تلاش میں
تھیں۔ وادی سے جہاں لکڑہارے دن بھر کام کیا کرتے ہیں۔ تیشوں کی ضرب کی آواز آ رہی
تھی۔ الغرض دنیا کے سارے کام شروع ہو گئے تھے +

لیکن زاہد نے ان باتوں کا کچھ خیال نہ کیا۔ جب اُس نے اپنے غار کے ریتیلے فرش
کو جھاڑ لیا۔ اور چشمہ سے اپنا گھڑا بھر لیا۔ اس کا کام ختم ہو گیا۔ اسکے بعد شاید وہ اپنے تیز کیلوں
والے بستر پر لیٹ کر اپنے داغدار جسم پر خار دار تازیانہ لگا کر کراہتا۔ لیکن چونکہ وہ کل ہی

یہ سب کچھ کر چکا تھا۔ اس لیے ضرورت سے زیادہ تعزیر نفس کو ناجائز خیال کر کے وہ اپنے غار کے دروازے کے قریب ایک مختصر سے چبوترہ پر بیٹھ گیا اور اپنے لاغر ہاتھوں کو سمیٹکر جنگل کے سرسبز و شاداب عجائبات کو دیکھنے لگا۔ آفتاب پورا اُسکے چہرے پر اُسکی دھنسی ہوئی مجنونانہ آنکھوں اور ان شکنوں کو نمایاں کرتا ہوا جو خلوت کی زندگی نے اس جوان کے چہرے پر ڈالدی تھیں چمک رہا تھا۔

وہ دیر تک کوشش کرتا رہا کہ اپنے نفس کو تشریع باتوں کے خیال پر مجتمع کرے لیکن اُسکے خیالات مضطرب تھے۔ اُسکے کان لو سے کے بلند ترانوں کو سن رہے تھے اور اُس کی آنکھیں چڑیوں اور شہد کی مکھیوں کی مصروف زندگی کو دیکھتی تھیں جبکہ وہ ایک پھول سے دوسرے پھول تک آتی جاتی تھیں۔ اور خود پھولوں کی شیرینی کو دیکھ رہی تھیں۔

زاہد نے ان چیزوں پر اظہار تاسف کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ یہ تمام اشیاء علم سے بے بہرہ اور روح سے بیگانہ ہیں۔ نہ اُن میں خدا کا علم ہے نہ وہ خدا کی عبادت کر سکتی ہیں اُسنے جنگل کے طیور و وحوش و حشرات الارض کی زندگی کا مقابلہ اپنی زاہدانہ متفکر زندگی سے کیا اور سمجھا کہ اُسکی روح خدا رسیدہ ہے۔ اُس نے ان خیالات سے کچھ اپنی تسلی کی۔ خدا اُسکو بہت دور معلوم ہوتا تھا۔

خوب گرمی ہو جانے تک زاہد خاموش و بنجیدہ اپنا کثیف اور موٹا لبادہ پہنے غار کے دروازے پر بیٹھا رہا۔ ناگہاں قریب دوپہر کے اُسکے کانوں میں گانے اور کسی ساز کے بجنے کی آواز آئی۔ اُسکے بعد فوراً ہی ایک صورت اُس مختصر چبوترہ پر نمودار ہوئی۔ وہ ایک جوان شخص کی صورت تھی جو سر سے پاؤں تک ایک نیلگوں لباس میں ملبوس تھا۔ اُسکے گلے سے ایک مکمل و شیریں موسیقی پیدا ہو رہی تھی۔ اور اُس کی آنکھیں مسرت سے چمک رہی تھیں۔

زاہد نے سرد مہری سے سلام کیا۔ اور جوان نے بھی گانا بند کر کے مسکراتے ہوئے

جواب دیا "تم کون ہو؟" جوان نے پوچھا۔

خدا کا ایک "ادنیٰ بندہ۔"

ہم سب ایسے ہی (ادنیٰ بندے) ہیں۔ کم از کم ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

زاہد کے چہرے پر ایک سختی کا سا انداز پیدا ہو گیا۔ "کیا تم بھی ہو؟"

"ہاں میں ایسا ہی خیال کرتا ہوں۔ میں شاعر بھی ہوں"۔

"یہ افسوسناک بات ہے"۔

"کیوں"۔ نوجوان نے ذرا برہم ہو کر پوچھا۔

"ایک شاعر موجودات کا عالم کا تصور ضرورت سے زیادہ تعشق کے ساتھ کرتا ہے"۔

"دنیا بہت حسین ہے"۔ جوان نے کہا:۔

"لیکن وہ مکر و فریب سے بھی معمور ہے"۔

"دنیا کو خدا نے ہی بنایا ہے"۔

"لیکن انسان نے اسے بگاڑ رکھا ہے۔ اور اس میں برائیاں پیدا کر دی ہیں"۔

"بیشک یہ صحیح ہے۔ معاصی فنا کیے جا سکتے ہیں۔ اور یہی انسان کا بڑا اہم فرض ہے"۔

"تم اس کام (معاصی دور کرنے) میں کتنی مدد کرتے ہو"۔

"شاید بہت تھوڑی مدد۔ لیکن اپنے امکان بھر میں اپنی چاروں طرف نگاہ ڈالتا ہوں اور دنیا اور اسکی تمام حسین چیزوں کو دیکھتا ہوں۔ میں مسرور ہوتا ہوں۔ اور اپنی مسرت کو گاتا ہوں۔ میں لوگوں سے حسن کا ذکر کرتا ہوں۔ میں یہ بھی اعتماد کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ میرے گیت دوسروں کو بھی مسرور کرتے ہیں"۔

"گیت تو دنیاوی چیز ہے"۔

"میں دنیا کو نہیں ٹھکراتا۔ میں تو انسان ہوں۔ جوش و طبیعت سے متنفر نہیں ہوں یہ سب عالم حیات میں ہیں"۔

تُم شعر بھی کہتے ہو"؟

ہاں۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ میں زمین پر چلتا ہوں۔ اور اُن سب چیزوں کا گیت گاتا ہوں جو میری نظر سے گزرتی ہیں۔ وہ مسرت ہو یا غم۔ نیکی ہو یا بدی۔ اور اگر مجھے کہنے کی اجازت ملے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ تکلیف میں مبتلا ہونے والوں کی مدد بھی کرتا ہوں۔ جناب! میں انسان ہوں اور شاعر بھی"۔

زاہد نے کہا "اے میرے بچے! مجھے اندیشہ ہے کہ دنیا تمہاری نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے۔ دولت کے مناظر تمہیں مبہوت بناتے ہوتے ہیں۔ شہروں کا زرق برق اور خواہشات نفسانی کی مسرتیں تمہاری سوح کو برباد کئے دیتی ہیں"۔

شاعر نے سنجیدگی سے جواب دیا "میں اپنے خیال میں تو ویسی ہی زندگی بسر کرتا ہوں جو میرے نزدیک صحیح ہے"۔ "تم کبھی عبادت نہیں کرتے"؟

اکثر۔ لیکن میری عبادت تو میرے گیت ہیں"۔

زاہد نے ذرا کھسیانا ہو کر پوچھا "یہ کیونکر ہو سکتا ہے، مسرت۔ نیکی اور سچائی کا گیت گانا۔ خدا اور اُس کی صفتوں کا گیت گانا۔ مجھے اس سے زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ صرف اپنی روح کے لئے عبادت کیا کروں۔ شاعر نے نرمی سے جواب دیا اور کچھ سکوت کے بعد پوچھا "جناب کی زندگی کیا ہے"؟

زاہد نے کہا "میں اس غار میں رہتا ہوں اور مراقبہ ریاضت نفس کشی کیا کرتا ہوں تاکہ میں اپنی خواہشات نفسانی کو مغلوب کر سکوں اور روح کو قوی"۔

ناگہاں جوان ہنس پڑا۔ اُس نے اپنا سر بلند کیا۔ اُس کے دانت نمایاں ہو گئے اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اُس نے کہا "اے میرے متبرک دوست! تم سخت غلطی میں مبتلا ہو۔ تم بقید حیات ہو۔ اور پھر بھی حیات کا حال کچھ نہیں جانتے۔ تم کو حسن و محبت، ہمدردی کا ذرا علم نہیں ہے۔ تم نے اس مقصد کو نظر انداز کر دیا جس کے لئے انسان پیدا ہوا ہے اور وہ صرف

سعی و عمل ہے۔ ناکامیاب ہونا اس سے بہتر ہے کہ سرے سے کوشش ہی نہ کیجائے اپنے چاروں طرف دیکھو تمام اشیاء حرکت کر رہی ہیں چڑیاں اپنے گھونسلے بنا رہی ہیں پھول اُگ رہے ہیں۔ اور اپنی دولتیں ہمیں سونپ رہے ہیں۔ ہوائیں چلتی ہیں دریا جہازوں کو لیئے ہوئے بہ رہے ہیں۔ سمندر متحرک ہے"۔

زاہد نے کہا "میں تو نجات کی تلاش کر رہا ہوں"۔

"میرا خیال ہے۔ یہ سب چیزیں اسی تلاش میں ہیں"۔

شاعر نے یہ کہا اور اپنا رباب اُٹھایا۔ جسکو زمین پہ ڈال دیا تھا۔

"کیا تم جا رہے ہو"؟

"ہاں میرا تمہارا کوئی میل نہیں۔ یہاں میرا ٹہیرنا بیکار ہے"۔

"میں تمہیں کھلانا چاہتا ہوں"۔۔۔ "شہد"۔

"تم دوسروں کے حاصل محنت سے فائدہ اٹھاتے ہو خود اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی روٹی کس نے بویا؟ کس نے کاٹا؟ کس نے غلہ کو پیسا؟ کیا تم نے"؟

"چشمہ کا پانی سہی"۔

"چشمہ بھی بہ رہا ہے"۔ اس میں تمہارا کیا احسان"

شاعر نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ "معاف کیجیگا" میں نے اس وقت وعظ و پند سے کام لیا۔ اور اپنی حد سے بڑھ گیا۔ شاعر کا فرض وعظ و نصیحت نہیں۔ اس کا کام صرف آگاہ کر دینا ہے۔ ہم اپنے تئیں منزل انسانیت میں سیل راہ کہتے ہیں اور ہم غالباً اس سے حقیر بھی نہیں ہیں۔ اچھا اب میں خیر باد کہتا ہوں"۔

اُس نے مُنہ موڑا اور ناہموار رستہ پہ پھر گاتا ہوا چلدیا۔ عرصہ تک زاہد بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اس کی نگاہیں سوچ کی وجہ سے ایک جگہ پہ قائم تھیں۔ اسکا دل ملول تھا۔ اور اسکو وہی شکوک تکلیف پہنچا رہے تھے۔ جو برسوں پہلے اس خلوت کدہ میں آنے سے قبل اسکو

ستایا کرتے تھے ۔ کیا یہ صحیح ہو کہ میں مشکلات اور دنیا کی ترغیبات سے بھاگ آیا ہوں؟ کیا یہ صحیح ہے کہ میں نے ہنگامۂ عمل سے منہ موڑ لیا ہے ۔ اُس نے اپنی اس مجاہدانہ زندگی کو سودمند یقین کرنے کی کوشش کی ۔ لیکن بیکار ۔ اس نے اپنی ریاضتوں ۔ عبادتوں نفس کشی کا خیال کیا ۔ اُس نے اپنے کانٹوں والے بستر اور خاردار تازیانہ کو دیکھا لیکن نوجوان شاعر کے الفاظ اب تک اُسکے دماغ میں گونج رہے تھے ۔

"ناکامیاب ہونا بہتر ہے بہ نسبت اسکے کہ سرے سے کوشش ہی نہ کیجائے"

شام ہوئی ۔ جنگل نے پھر اپنا دُھندلا نقاب چہرے پر ڈال لیا ۔ آفتاب ڈوب گیا چڑیوں نے اپنا نغمہ ہم آہنگی کے ساتھ شروع کیا ۔ چشمہ نے اپنی دھیمی آواز کو بلند کیا ۔ پھول سونے کے لیئے جُھک گئے ۔ گویا وہ مطمئن تھے کہ اُنہوں نے گزرنے والے دن کی شان و شوکت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کیا ہے ۔ رات آگئی ۔

آخر کار زاہد اُٹھا اور اپنے ہاتھ متبسم ستاروں کی طرف اٹھائے ہوئے کھڑا ہو گیا اب اُسکی دعا میں ایک عجیب و غریب جوش تھا ۔ اور اُسکی روح ایک غیر معمولی کشش سے لبریز تھی وہ فوراً غار کے اندر گیا ۔ اور کونے سے اپنا خاک آلودہ بوسیدہ عصا اُٹھایا جسکے سہارے سے وہ برسوں پہلے یہاں آیا تھا ۔ اسکو مضبوط پکڑ کر وہ جنگل کی تاریکی میں غائب ہو گیا ۔

ساری رات وہ چلتا رہا ۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیر مرئی ہاتھ اُسکو آگے بڑھا رہا ہے اور صبح کے وقت اُسنے ایک شہر کے دروازے کو کھٹکھٹایا ۔

(ترجمان)

اللہ

خط و کتابت کے وقت اپنے نام اور پورے صاف پتے کے ساتھ نمبر خریداری لکھنے کا ضرور خیال رکھئے ۔ منیجر

دکن کا دیندار بادشاہ

"نظامِ دین کا اثر ہے نظامِ دنیا پر"

میری عادت امیروں اور بادشاہوں کی خوشامد سے ہمیشہ الگ رہی۔ میں کبھی تاجدار کے سامنے آجتک خم نہیں ہوا۔ اور یہ خدا کا فضل ہے کہ میرا عقیدہ اربابِ دولت کی بالغرض مدح سرائی کا اوّل دن سے منکر ہے۔

مگر امرِ حق کا اظہار ہر بندۂ خدا کا فرض ہے۔ اگر کسی شاہ و گدا سے کوئی نیکی ہو تو آفرین و تحسین کہنا بحکم خدا و رسول ضروری ہے۔

گزشتہ شعبان ۱۳۴۴ہجری کا ذکر ہے۔ میں دکن کے دیندار بادشاہ میر عثمان علیخاں خلد اللہ ملکہ کے سامنے بیٹھا تھا۔ اُنھوں نے اعلیحضرت اور بندگانِ عالی۔ کی شان میں مجکو اپنے تریب تکیہ نہیں دی تھی۔ بہت سادہ لباس تھا۔ بہت سادہ کمرہ تھا بہت سادہ فرنیچر تھا۔ اور بہت ہی بے تکلف اور سادہ گفتگو تھی۔ سامنے ایک معمولی سی کرسی پر شاہ دکن تشریف رکھتے تھے۔ اور مقابل میں دہلی کا گدا تھا جسکے دائیں رخ شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ خاں نواب فضیلت جنگ تھے۔ اور بائیں جانب نواب افسر الدولہ افسر جنگ۔

دہلی کے گدا نے حلقۂ نظام المشائخ کے مقاصد بیان کیے تو یہ بھی کہا کہ مزاراتِ بزرگان دین پر بازاری عورتوں کا رقص و سرود از حد معیوب ہے۔ اس سے صدہا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ حلقۂ نظام المشائخ نے اسکے خلاف بیڑا اٹھایا ہے۔ اور سب سے پہلے اسکو درگاہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ میں لگاتار کوشش کے بعد کامیابی ہوتی ہے۔ یعنی وہاں روضہ شریف کے سامنے ناچ بند ہو گیا۔ اور اسکے بعد اور بھی بہت سی خانقاہوں میں اسکی تقلید ہوتی۔

یہ تقریر سنکر دکن کے حامی شریعت اور غیور بادشاہ نے فرمایا۔ یہ بہت اچھا خیال ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اسپر شیخ الاسلام نے میری تائید فرمائی۔ اور جالنہ دکن کی ایک خانقاہ کا مشاہدہ بیان کیا جہاں رقص ہوا کرتا ہی۔ اور اُسکی بندش کی تجویز پیش کی۔

اُس روز تو یہ ارادوں کی باتیں تھیں۔ مگراب خبر آئی ہے کہ دکن کے شریعت مدار سلطان نے اپنے تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کردیا ہے کہ آئندہ کسی درگاہ میں بازاری عورتوں کا ناچ نہونے پائے۔

شاہ دین پناہ کی اس نیک کرداری کا شکر ہم سب اہل حلقہ کو کرنا چاہیئے۔ جہاں جہاں حلقہ کی شاخیں ہیں اُنکو مناسب ہے کہ پرائیویٹ سکریٹری کے ذریعہ اعلیٰ حضرت حضور نظام کو اس عمل خیر کی مبارکباد بذریعہ تار بھیجدیں۔ تاکہ شاہ جم جاہ کو معلوم ہو کہ اُنکی قوم اُنکے اعمال خیر کی ازحد قدر کرتی ہے +

دکن میں اس قسم کی بے شمار مخرب اخلاق بدعات کا رواج ہے۔ اور شاہ عالم پناہ مسلسل اصلاحات اُنکی فرما رہے ہیں۔ ایام محرم میں جسقدر شرمناک مراسم ہوتی تھیں رفتہ رفتہ ان کو حکماً ترک کرایا جا رہا ہے۔ اور یہی وہ آثار ہیں جن کو دیکھکر میں عنوان کا یہ مصرعہ پڑھ سکتا ہوں۔ کہ

"نظام دیں کا اثر ہے نظام دنیا پر"

دعا گو حسن نظامی

مولوی ظفر علیخان صاحب سابق اڈیٹر زمیندار

لکھتے ہیں کہ "ہم میں سے کسی شخص کے اُٹھ جانے سے جو جگہ خالی ہوتی ہو۔ وہ اکثر خالی ہی رہتی ہو۔ لیکن یہ کلیہ کم از کم مصنف مرأۃ العروس کی جانشینی کے متعلق مولانا راشد الخیری کے گلرز قلم نے متعدد لطیف و پاکیزہ تصانیف کے سلسلے سے باطل کر دیا۔ ایک "شام زندگی" مولانا کی تازہ ترین تصنیف ہی۔ عورت کو بچپن سے لیکر بڑھاپے تک میکے اور سسرال میں بیٹی بہن۔ بی بی اور ماں ہونیکی حیثیت سے جتنی عمرانی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں سب کی جیتی جاگتی۔ بولتی چالتی تصویریں ناظرین کے سامنے آجاتی ہیں زبان ایسی صاف اور شستہ ہو کہ معلوم ہوتا ہی ابھی کوثر میں دہل کر آئی ہے۔ قیمت ایک روپیہ ۱۲

خَیرُ النَّاسِ مَن یَّنفَعُ النَّاسَ

برآوردنِ کارِ امیدوار
به از چلّہ بر چلّہ بستن ہزار

یکے شاہزادہ برائے شکار — بروں رفت بالشکرِ بے شمار
ہمہ یکسر از آہن آراستہ — بصید افگنی نیک پیراستہ
مسلّح کسے با کمان و تفنگ — گرفتہ کسے نیزہ نو بچنگ
بدست کسے بازو شاہیں بہ بند — بدوشش کسے تاب دادہ کمند
سوار و پیادہ بوقتِ رحیل — رواں پیش و پس ہمچو دریائے نیل
تو گوئی کہ کوہیست آتش فشاں — کہ جنبد ز بنیاد گردد رواں
زغوغائے آں لشکرِ بے حساب — سمک بر سما رفت و شاہیں بآب
ہم از ہیبت تیغِ الماس رنگ — سرِ کوہ رفتند پیل و نہنگ
ز جنبیدنِ نیزۂ تابناک — نہفتند شیران بدامانِ خاک
شد آں سرزمیں خالی از مار و مور — کمیں گاہ ز شیر و چراگاہ ز گور
غرض ہر کہ آوائے لشکر شنید — بترسید و صحرا بصحرا دوید
شہِ کامراں تا بہ نصف النہار — بگردید در جستجوئے شکار
تجسس کناں خاک بر ریش و رو (ق) بہ ہامون و بر کوہ و بر آبِ جو
برفتند و جستند و آشوفتند — بسے دست بر دست میکوفتند
نیامد یکے صید اندر نظر — نہ بکشاد یک تن سلاح از کمر

چو درمانده شد شاه بی توشهٔ | یکی گور برخاست از گوشهٔ
بسر داد شهزاده تازی سمند | که گیرد مر آں را بخمِ کمند
پس گور خر آں شہِ پیل زور | ز لشکر جدا ماند و افتاد دور
کشاده بسے حلقهائے کمند | نیامد سرِ موئے وے را گزند
بسے تیر بارید ہمچو تگرگ | ز یک چوبہ نکشود پیغام مرگ
بسے سعی آورد و مرکب جهاند | ز بس حیلها یک دقیقه نماند
چو نومید شد شاه وا ماند بور | عناں باز بگرفت و بگریخت گور
بہ دل تنگی آخر شہِ نیک خوئے | سوئے لشکرِ خویش بنهاد روئے
بہ مغرب نہاں گشت صیادِ مهر | شبِ تیره از شرق بنمود چهر
شہ از محنت و رنج گشته ستوه | همی رفت حیراں بدامانِ کوه
چناں دید شہ در شبِ تیره رنگ | فقیرے نشسته ست بالائے سنگ
یکے چوب خشک و سطبر و فراخ | فرو کوفته بود بے برگ و شاخ
بپرسید شہ تو چه بنشستهٔ | بویرانه چوں بے نوا گشتهٔ
بیا تا بایوانِ شاہیت برم | بخدمت ترا کمترین چاکرم
نشاید چنیں مزد و درویش را | که سختی گزیند تن خویش را
برآشفت درویش از گفتِ شاه | بپیچید بر خود چو مارِ سیاه
جوابش چنیں داد کاے بیخبر | ترا این چنیں گفتگوئے سزد
ندانی که ما را بہ ایواں چه کار | همیں کوه و صحرا ست بس یار غار
طلب در کشیده بویرانه ام | من از خویش و بیگانه بیگانه ام
ز سی سال بر سنگ بنشسته ام | سرِ موئے زیں جا نه برگشته ام
چهارده سال بر من بیاید دگر | گر محنت من شود کارگر

همین چوب کو هست بے برگ و شاخ / درختے شد و سبز و بیخ فراخ
من این چوب دارم نشانِ قبول / وگرنه شود رنج و محنت فضول
چو درویش این ماجرا بے بگفت / تغیّر بحالِ ملک گشت جفت
ز بیزاری از خویشتن رفته شد / پشیمان و حیران و آشفته شد
فرود آمد از پشت اسپ سیاه / سر سنگ بنشست شد بے کلاه
همان تازیانه که بودش بدست / به سنگ و گرو در زمین کوفت سخت
بجز د عهد بر بست آن تاجدار / که ما هم نشینیم درویش وار
نجنبیم ز جا گرچه جنبد زمین / گذارم چهل سال را این چنین
نه سر زد و گر چوب من شاخها / نه بینم دگر صورتِ کاخها
بدینسان که آن شه نشسته بود / هنوزش یکے هفته نگذشته بود
که یک مرد دهقان غلط کرده راه / در آن بقعه آمد بحالِ تباه
خرے داشت با خود نحیف و زبون / بر و بار بسته ز ده من فزون
قضا کار از گردش روزگار / شکوخیدنِ خر بیفگند بار
چو بارش بیفتاد و گم کرد هوش / همی کرد دهقان بیکس خروش
که یارب درین وادیٔ پر خطر / بچاه مصیبت فتادم بسر
شب تیره منظرِ هولناک / بسر چون توان برد بیخوف و باک
نه نیروے بازو نه زورِ کمر / که بر بندم این بار بر پشت خر
چه بینم دگر کس درین کوهسار / که باشد برین حالِ من غمگسار
چپ و راست میدید هر سو دوید / بجز مرد درویش کس را ندید
تضرع کنان رفت پیشِ فقیر / که اے مرد حق! شو مرا دستگیر
ز الحاح و زاری که دهقان نمود / قساوت بر آن سنگدل مے فزود

بگفتا کہ ایں کار از من مخواہ	بخواری برو نزد آں بادشاہ
اگر خیزم از جائے خود بیگماں	عمل ہر چہ دارم شود رائیگاں
نہ برخاست از سنگ آں سنگدل	چو خر چنگ خر سنگ بُد پا بگل
بدلسوزی آں شاہ عالی تبار	بگفتش کہ من میبرم غم مدار
بجنبید از سنگ خود ہمچو دود	بر آں بارکش بار بربست زود
چو دہقاں ز بند غم آزاد گشت	دعا کرد بر شاہ و دل شاد رفت
ندا آمد از غیب کاے بادشاہ	برو سوئے ایواں بوقت پگاہ
تو دل تنگ منشیں دریں سنگلاخ	ترا تازیانہ برآورد شاخ
کریم و رحیم و غفور و ودود	بریں مردمی پایگاہت فزود
برآوردن ایں کار امیدوار	بہ از چلہ بر چلہ بستن ہزار
ندائے دگر سوئے درویش پیر	چنیں گفت کاے سنگ بستہ فقیر
برو ہر چہ میبایدت پیش گیر	سر اندازی سر خویش گیر
تو کز محنت دیگراں بے غمی	نشاید کہ نامت نہند آدمی

مراقب۔ از نابھہ

۴۸۶

مذہب کا اعلان

میں اودھ و پنجاب کے بہت سے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو ایک وقت پبلک سٹیج کی رونق سمجھے جاتے تھے۔ لیکن جب وہ ازدواجی زندگی کے جھمیلوں میں پھنس گئے تو انکا تمام زور شور جاتا رہا۔ مکرمی مسٹر غلام محمد صاحب ظفر ایم اے کی حال میں دہلی کے ایک معتمد رئیس جناب بابو بشیر الدین صاحب کے ہاں شادی ہوئی ہے مجھے اندیشہ تھا کہ حضرت بھی

اب ہمارے ہاتھوں سے چلے ۔ لیکن اِس نظم کے آنے پر میرا خیال بدل گیا۔ ظفر صاحب لکھتے ہیں کہ "آیندہ میں نظام المشائخ کی قلمی مدد بیش از بیش کرونگا"۔ خدا انکے ارادے کو پورا فرمائے اور مرے کالج سیالکوٹ کے شاعر مزاج پروفیسر تاریخ کا دہلی جیسے تاریخی اور مدن تہذیب و تمدن شہر سے تعلق اُنکے علمی شغف اور قومی جذبات کے لیئے باعثِ خیر ثابت ہو اور اچھے پھل لائے ۔

ایڈیٹر

۴ نومبر ۱۱ء

مُنتشر ذرات کو باہم مِلا سکتا ہوں میں   وُوری و بُعد و تنافر کو مٹا سکتا ہوں میں
وہ مسیحا ہوں کہ اعجازِ نفس سے یک بیک   قُم باذنی کہہ کے مُردوں کو جِلا سکتا ہوں میں
ہوں وہ اسرافیل اپنے صور کی آواز سے   خفتگانِ کُنجِ مرقد کو جگا سکتا ہوں میں
دیوتا وہ ہوں کہ گام ہمتِ فرجام سے   وادیِ گل خاکِ صحرا کو بنا سکتا ہوں میں
ہوں دکانِ دارِ ہستی میں وہ پیرِ مے فروش   ہوش کی سے بے ہوش کو دارو پلا سکتا ہوں میں
بادیہ میں راہ وِیراں کے ہوں وہ خضرِ طریق   بھولے بھٹکوں کو رہِ منزل دکھا سکتا ہوں میں
ہوں جہازِ عافیت وہ دہر کے طوفان میں   ڈوبتوں کو موجِ آفت سے بچا سکتا ہوں میں
چرخِ ظلمت کاہِ عالم پر ہوں وہ مہرِ منیر   اک کرن سے شش جہت کو جگمگا سکتا ہوں میں
ماہرِ جادو ہوں وہ جادو سرائے دہر میں   سامری کو سحر برسوں تک سکھا سکتا ہوں میں
شاطرِ شطرنجِ دنیا مات ہیں آگے میرے   نرد بازانِ زمانہ کو ہرا سکتا ہوں میں
موم ہو جاتے ہیں سنگین دل مری تقریر سے   جوہرِ آتش نوائی وہ دکھا سکتا ہوں میں
ماجرائے درد بن جاتا ہوں جب دم بزم میں   چشمِ اعدا سے بھی جوئے خوں بہا سکتا ہوں میں
دیدۂ ظاہر نگر میں گو ہوں مردِ مسکین سے   انگلیوں پر زار و قیصر کو نچا سکتا ہوں میں
کشمکش گاہِ جہاں کے راز مجکو یاد ہیں   کامیابی بھی ہزیمت بھی دلا سکتا ہوں میں
پیل پیکر پہلوانوں کی صفوں کے سامنے   کار وانِ مور کو میدان میں لا سکتا ہوں میں

وہ جمیرالصوت خالدؓ ہوں کہ بنیاد جہاں — نعرۂ اللہ اکبر سے ہلا سکتا ہوں میں
کربلائے عرصۂ ہستی میں ہوں مثلِ حسینؓ — سر کٹا سکتا ہوں میں باطل کو ڈرا سکتا ہوں میں
گوش میں صحرائیوں کے نغمۂ تہذیب کو — ڈال کے ہستی کی بستی کو ہلا سکتا ہوں میں
ڈھونڈتی پھرتی ہے نا حق حسن کو چشمِ طلب — یوسفستان ذرہ ذرہ کو بنا سکتا ہوں میں
مطربِ ایام سے مضرابِ جنبش مانگ کر — سازِ قومیت کے تاروں کو بجا سکتا ہوں میں
گیسوئے شانِ ربوبیت میں شانہ کش ہوں میں — غازہ بر روئے عبودیت لگا سکتا ہوں میں
ابر ہوں عرفان کا معمورۂ ارواح میں — اور اہل اللہ کی پیاسیں بجھا سکتا ہوں میں
روضۂ رضواں کے طالب کو ہوں طوبیٰ کا درخت — شانِ ریگستاں میں جنت کی دکھا سکتا ہوں میں
جب حمیت کی رگوں میں میری آجاتا ہے خون — بت گرا سکتا ہوں میں کعبہ بنا سکتا ہوں میں
سینۂ سیلِ زمانہ میں ہوں وہ برقِ خموش — آگ پانی میں اگر چاہوں لگا سکتا ہوں میں
چاند ہوں بحرِ جہاں میں مجھ سے مد و جزر ہے — بحر پیماؤں کو نیرنگی دکھا سکتا ہوں میں
آج گو بازار میں جگ کے ہوں جنسِ نارَوا — پر متاعِ دو جہاں قیمت میں پا سکتا ہوں میں
گاہ جلالی شان میری گاہ جمالی شان ہے — دل ڈرا سکتا ہوں میں ڈھارس بندھا سکتا ہوں میں

میں ازل سے تا ابد اکلیلِ دارِ دہر ہوں
حکمرانِ امر و نہی گیسوئے دارِ دہر ہوں

کوئلہ بھی نہ راکھ

نہ کھلنے پائے الہیٰ یہ عبرت نما میرے — جوانی جا چکی اب رہبہ پیری ہیں قوےٰ میرے
نہ سمجھا آج تک میں کیوں بنا ہوں یہ خدا میرے — جہاں کا ذرہ ذرہ کار آمد ہے سوا میرے
یہ دنیا میں کہاوت ہے کہ کوئلہ جل بجھے راکھ
میں ہوں ایسی جلی نہ کوئلہ بجھے نہ راکھ

فناست تیرگی شب سے ہو نورِ سحر پیدا | فروغِ صبح مٹ جائے تو ہو انوارِ خور پیدا
بدل جائے اگر قطرہ کی حالت۔ ہو گوہر پیدا | ملے جب خاک میں دانہ۔ تو ہو برگ و ثمر پیدا

لکڑی جل کوئلہ بھئے کوئلہ جل بھئے راکھ
میں پاپن ایسی جلی۔ نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

غذا تحلیل ہو کر خون بنجاتی ہے پیکر میں | یہی خوں جسم کے ہوجاتا ہی عنبر کا د عنبر میں
مخمر ہو کے کام آتی ہے مٹی جام و ساغر میں | شجر سوکھے تو لکڑی بنکے جل جاتا ہی مجمر میں

لکڑی جل کوئلہ بھئے اور کوئلہ جل بھئے راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

محلِ صد تغیر ہے ہمیشہ عالمِ فانی | کبھی پانی ہوا ہوتا ہے ہوگا ہو ہوا۔ پانی
بدلتی ہے ہزاروں صورتیں طبعِ ہیولانی | مگر اپنی تباہی پر مجھے ہو سخت حیرانی

لکڑی جل کوئلہ بھئے اور کوئلہ جل بھئے راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

ہویدا ہے حباب و موج دریا کی روانی میں | سنا ہی۔ بال گل کر سانپ ہوجاتا ہی پانی میں
ہمیشہ نت نئی حالت ہی دنیائے سافلی میں | بگڑ کر کچھ نہ کچھ بنتی ہے ہر شئے دہرِ فانی میں

لکڑی جل کوئلہ بھئے اور کوئلہ جل بھئے راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئے نہ راکھ

ابو الاعظم سید احمد حسین امجد۔ از حیدرآباد دکن

نظام المشائخ کے مندرجہ ذیل پرچے

بابت ذی الحجہ ۱۳۳۳ ہجری }
بابت محرم الحرام ۱۳۳۴ ہجری } میرے پاس نہیں ہیں، اگر کوئی صاحب انہیں علیحدہ کرسکیں تو قیمتاً لینے کو تیار ہوں۔

حافظ محمد علیم اللہ وٹرنری ہسپتال۔ مظفرپور (بہار)۔

تازہ غزلیں

(۱)

از جناب منشی عبدالرحیم صاحب واصل

جسکو شراب عشق کا تیرے سرور ہے — نزدیک ہے وہ دین سے دنیا سے دور ہے
کہتے ہیں جسکو شیشہ وہ قصر بلور ہے — مقصود اس میں دختر رز عین حور ہے
پرہیز مے ہوتا ہے پرہیزگار کیا — دوں ہمتی کا خوف سمجھ کا قصور ہے
خود رفتگی نے کر دیا خس کم جہاں پاک — اے محتسب شراب ہماری طہور ہے
اک موج مے نے عالم بالا دکھا دیا — کہتا ہے جسکو نار وہ پردے میں نور ہے
واصل اسی کو دیکھ کے سرمست ہو گیا — پیر مغاں کے ہاتھ میں جام بلور ہے

(۲)

از جناب ڈاکٹر محمد قمرالدین صاحب قمر ہلالی شاہ نظامی حیدرآبادی

تمہیں نغمہ سرا ہو جان من شور عنادل میں — تمہارا رنگ ہر گل میں تمہاری شکل ہر دل میں
تمہیں جلوہ نما ہو شکل معشوقان عالم میں — تمہاری ہی فغاں ہے عاشق جانباز بسمل میں
ہوا ہے آپکے انوار سے سارا جہاں پیدا — ہے جلوہ آپکا آب ہوا میں آتش و گل میں
تصدق اسکی آنکھوں کے میں قربان اسکے ابرو کے — خمار ایسا نہ نرگس میں نہ جوہر تیغ قاتل میں
مقام اسکا نہیں یکجا وہ رند لاابالی ہے — کبھی واعظ کی مجلس میں کبھی رندوں کی محفل میں

قمر کیا دیکھتے ہو جلوہ محبوب حیرت سے
جھلک اسکی شجر میں ہے چمک اسکی ہے ہر تل میں

یارانِ نظام المشائخ

پیپر ریلیف فنڈ ۔ گرانی کاغذ مقابلہ

الحمد للہ۔ میری تحریک کو ناظرین نظام المشائخ نے قبول کیا اور کئی حضرات نے آٹھ آنے سے زیادہ رقمیں بھیجی ہیں مثلاً جناب امیر الدین خاں صاحب مراد آباد ایک روپیہ و جناب احمد حسین صاحب جہانسی ایک روپیہ آٹھ آٹھ آنے ادا کرنے والے اصحاب کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

جناب محمد مقیم صاحب پی ڈبلیو انسپکٹر لونڈہ بلگام
جناب عبد الحکیم صاحب ڈہاکہ
جناب محمود میاں صاحب شہاب الدین صاحب
جناب غلام محمد صاحب مقام گڑھی والہ
جناب نظیر الدین احمد صاحب شنکر گڈھ
جناب محمد باقر علی صاحب ۔ نینی
جناب ملک ولایت حسین صاحب ۔ پالی ہردوئی
جناب شیخ محمد صاحب نکودر
جناب بابو عبد الرحمن صاحب ۔ نینی
جناب ایم ۔ ایچ ظہور الدین صاحب لدھیانہ
جناب احمد اجمیری صاحب بمبئی
جناب مولوی حافظ عبد الرحیم صاحب شہر بنارس
جناب فرخ حسین صاحب مغلسرائے
جناب مولوی صوفی حکیم غلام محی الدین صاحب لاہور
جناب عبد الجواد صاحب وکیل کلکتہ

جناب مولوی محمد بوٹا صاحب
جناب سید امیر حسین صاحب ہاترس
جناب منشی صادق علی صاحب جہانسی
جناب محمد عثمان صاحب حیدر آباد دکن
جناب حکیم پیر جی حسن محمد صاحب ضلع جہوملاں انبالہ
جناب بابو عبد اللطیف صاحب چہاونی نیمچہ
جناب نصیر احمد صاحب مغلسرائے
جناب رحمت خاں ولد امیر خاں صاحب امراوتی
جناب شیخ محمد حسین صاحب ۔ رحیم یار خاں
جناب اسمٰعیل حاجی محمد برمانی صاحب راجکوٹ
جناب سید محمد عیسیٰ شاہ صاحب تحصیلدار میر گنج
جناب محمد یوسف صاحب نیمچہ۔
جناب مولوی میاں محمد عبد القادر صاحب سکھر غریب آباد
جناب ایس کے محی الدین صاحب کا ملکا پور
جناب مخدوم محمد رحیم بخش صاحب رحیم یار خاں

جناب منشی محمد ابوالحسن صاحب جے گاؤں
جناب سیٹھ باپو میاں صاحب احمد آباد
جناب شیخ فرید صاحب مدراس
جناب مولوی شمس الدین صاحب سرنگ
جناب شاہ محمد حبیب اللہ صاحب مدراس
جناب شیخ عبد اللہ صاحب کڑاپہ
جناب شمشیر علی صاحب کدوا
جناب ولی احمد صاحب مدراس
جناب سعید الرحمن صاحب آرارہ
جناب محمد حسین صاحب سسیپور سہارہ
جناب قاضی ابوبکر صاحب چھپرہ چیدرونہ
جناب طفیل محمد صاحب بالاگھاٹ
جناب علی احمد صاحب بمبئی
جناب عبد اللہ خانصاحب لدھیانہ
جناب حافظ عبد الرحیم صاحب نائب تحصیلدار حیدرآباد دکن
جناب حکیم غلام کبریا صاحب نگینہ
جناب مولانا شاہ محمد اختیار علی صاحب بدایوں
جناب ملا محمد الدین صاحب لدھیانہ
جناب حکیم عبد الرحمن صاحب ملیانی۔
جناب حاجی محمد و حاجی ابراہیم صاحب بالاپور
جناب قاضی عزیز احمد صاحب لاہرپور

حضرت میاں عبد الصمد صاحب چشتی ۔ دہلی
جناب محمد حسین صاحب چشتی نظامی مغلسرائے
جناب شیخ حسین صاحب نمچھ
جناب شیخ محمد یعقوب صاحب ڈپٹی کلکٹر جونی منگیر
جناب منشی محمد عمر صاحب مالیگاؤں ۔
ایچ ایس ایم طٰہٰ صاحب پوسٹ ماسٹر
جناب ڈاکٹر عبد الواحد صاحب چترال
جناب تجمل حسین صاحب اورنگ آباد دکن
جناب محمد شریف صاحب کمار بستھلی رانچی
جناب یوسف علی ملا علی محمد صاحب ناسک
جناب جمال بھائی حکیم بھائی صاحب احمد آباد
جناب ولی بھائی چاند بھائی صاحب احمد آباد
جناب قاضی محمد حسین صاحب ناترس
جناب اے ایس قمر الدین صاحب سورت
جناب محمد غیاث الدین صاحب جالنہ
جناب محمد اسمٰعیل صاحب حیدرآباد دکن
جناب حاجی فتح محمد صاحب بمبئی
جناب کریم خاں صاحب مندورہ
جناب سید شرف الدین صاحب کوہاپور
جناب مولوی محمد حسین صاحب حیدرآباد دکن
جناب بھائی میاں شیخ محمد صاحب فیض پور

باقی حضرات کو بھی جلد توجہ فرمانی چاہیئے تاکہ یہ جنگ کا زمانہ آسانی گزر جائے ۔ اور اسکے سبب سے جو کا فند وغیرہ

جاہل انسانوں سے، کاہل وبے عقل مردوں سے۔ خلاف شرع، عورتوں سے دور ہو صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اگر ایسی عورتوں سے تمہارا زیادہ میل جول ہوگا، تو تم بھی ایسی ہی ہو جاؤ گی اور تمہارے نفس کی صحت خراب ہو جائے گی۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اچھی بیبیوں کی، بڑی بوڑھیوں کی صحبت میں رہو ایسی عورتوں کی ملاقات کو زیادہ عزیز رکھو جو باشرع ہوں عقلمند ہوں چھچھوری عورتیں صحبت کے لایق نہیں،

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کاموں کے لیے وقت مقرر کرلو کہ فلاں وقت فلاں کام ضرور کرنا ہے اس سے پہلے یا بعد نہیں کرینگے۔

(۴) چوتھا طریقہ یہ ہے کہ جو عورت تمہاری سچی اور بلاغرض دوست ہو اس سے اپنے عیوب (برائیاں) دریافت کرو۔ کیونکہ دوستوں کو عیوب مشکل سے دکھلائی دیتے ہیں اور اس عورت سے جو تمہاری پکی دشمن ہو، اس سے اپنی بھلائیاں معلوم کرو۔ کیونکہ دشمن کو بھلائیاں مشکل سے دکھلائی دیتی ہیں۔ پس ان دونوں کا جو فیصلہ ہوگا وہ نہایت درست اور معتبر ہوگا۔

(۵) پانچواں طریقہ یہ ہی کہ جب تم سونے کے لیے تیار ہو تو ایک دفعہ یہ خیال کر لیا کرو کہ آج سارے دن میں تم نے کس قدر اچھے کام کیے اور کس قدر برے۔ جب تک محاسبہ نہ ہوگا ترغیب صواب دل میں پیدا نہ ہوگی۔

(۶) چھٹی شرط یہ ہے کہ ایسی باتوں اور کاموں سے دور رہو۔ جو برے خیالات ونفسانی خواہشات کو اکساتی ہوں۔ کیونکہ جب نفس میں اشتعال پیدا ہوگا، طبیعت اس حالت کو دبا نہ سکے گی تو برا کام نیچے نفس کو کرنا ہی پڑے گا۔ اور اسی کا نام کمزوری ہے کہ ایک شریف جنس کو کمینہ جنس کی تابعداری کرنی پڑے۔

شرافت نفس کا تقاضا ہے کہ جو کام کرے وہ ایسا کرے کہ پہلے تو وہ کام بجائے خود

اچھا ہے دوسرے اور وں کو اس سے فائدہ پہونچیگا اور رذالت نفس کا تقاضہ یہ ہے کہ جو کام کرے وہ اس لیے کرے کہ پہلے خود کو نفع پہونچے۔

اے عزیزہ بہن اگر تم ان چھٹوں طریقوں پر اپنے نفس کی صحت قایم رکھوگی۔ تو کبھی امراض پیدا نہ ہوں گے۔ اور یہی تہذیب نفس کا مقصد ہے۔

خیر یہ بحث تو ختم ہوئی حفاظت کے جو طریقے اوپر بتلائے جا چکے ہیں وہ کافی ہیں خدا تم کو عمل کی توفیق دے۔ اب یہاں یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ برائیوں کے اسباب و موجبات کیا ہوتے ہیں، اور کس سے یہ پیدا ہوتی ہیں۔

عزیز بہن سنو۔ جس قدر مضرتیں پیدا ہوتی ہیں وہ چار گھرانوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی ان کی چار قسمیں ہیں:۔

موجبات امراض

(۱) شہوت (خواہش) یہ رذالت (کمینگی) کی ماں ہے۔

(۲) شرارت (برائی) یہ جور (ظلم و ستم) کی ماں ہے۔

(۳) خطا (گناہ) یہ رنج (دکھ تکلیف) کی ماں ہے۔

(۴) شقا (بدبختی) یہ حسرت (پچھتاوے) کی ماں ہے۔

کیوں بہن اب تمیں موجبات امراض کے تو معلوم ہوگئے۔ اب یہ بھی معلوم کرو کہ ان موجبات سے نفس میں کیا کیا امراض پیدا ہوسکتے ہیں۔

مگر بہن تمام امراض کا تفصیلی بیان اور ان کا علاج بتانا بہت بڑا کام ہے۔ تو اس مختصر کتاب میں اس قدر تفصیلات کی گنجایش ہے۔ اور نہ ہی تم سمجھ سکوگی۔ بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ اسلیے ہم تمہارے سمجھانے کو چند خاص اور بڑے بڑے مہلک امراض بیان کرتے ہیں جیسے اور سینکڑوں چھوٹے چھوٹے امراض پرورش پاتے اور پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب کی تفصیلات و معالجات اگر خدا نے چاہا اور علیا حضرت سلطان جہاں بیگم بالقابہ کی شاہانہ توجہ حاصل ہوگئی تو دوسری کتاب میں

سمجھائیں گے اور اسوقت تک تم بھی زیادہ سمجھدار ہو جاؤگی۔ اب تو چند انہیں امراض کو بیان کئے دیتے ہیں جو اور امراض کے ماں باپ یا دادا ہیں۔

ایک مرض ہے (حیرت) اشیا (چیزوں) کی حقیقتوں کو معلوم کرنے میں جب مختلف ثبوت و شہادتیں ذہن میں پیدا ہوتی ہیں اور کسی ایک پر بھروسہ پیدا نہیں ہوتا۔ تو ذہن بے موقعہ اور بے حد پریشان ہوتا ہے۔ کیونکہ قوت تمیز کی افراط (زیادتی) اور جہل (ناواقفی) کی تفریط یعنی کمی ہوتی ہے۔

ایک مرض ہے (جہل بسیط) جہل کہتے ہیں نادانی بے علمی کو بسیط کہتے ہیں غیر مرکب اور فراخ یا کشادہ کو۔

دریافت حقایق میں جب ذہن بے علمی سے پریشان ہوتا ہے۔ قوت تمیز ناقص ہونے کے باعث کچھ مدد نہیں دیتی تو بس انسان کو رہ جاتا ہے۔

ایک مرض جہل مرکب ہے۔ دریافت حقایق میں برخود غلط فہمی سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے یہی درست ہے قوت تمیزی کی کمی اور جہالت کی زیادتی ہے۔

اسی بحث میں اس قدر اور یاد رکھو کہ

قوت تمیزی کا کام نظری اور عملی دونوں قوتوں سے ہوتا ہے، نظری کا جس قدر حصہ ہے وہ حکمت ہے اور عملی کا جو طریقہ ہے وہ عدالت ہے۔

جب یہ دونوں قوتیں کامل نہ ہوں تو ضرور ہے کہ ناقص ہونگی۔ جب یہ ناقص مان لی گئیں تو ان کا عمل جو بھی ہوگا وہ جھوٹا اور ناقص ہوگا۔ دونوں طریقے باطل ہو جاتے ہیں۔

قوت نظری جب باطل ہوتی ہے تو جہل ترقی و نمو پاتا ہے اور قوت عملی جب باطل ہوتی ہے تو اس سے خودپسندی ترقی و نمو پاتی ہے۔

اَب اِن تینوں کا علاج
تین طریقوں سے ہوتا ہے
(۱) عقل مندوں کی باتیں سنیں۔
(۲) علم حاصل کریں۔
(۳) کتابوں کا یعنی علماء کا مطالعہ کریں جو بات سمجھ میں نہ آئے اسکو اوروں سے پوچھنے میں شرم اور تامل نہ کریں کہ یہ بڑی بدبختی ہے۔

ایک مرض غضب ہے اسی کو غصہ بھی کہتے ہیں یعنی اپنی طبیعت (مرضی) کے خلاف باتوں پر غضبناک ہو جانا۔ یہ مرض نفس کی بے حد شورش و برہمی قوت دافعہ کی افراط اور اسی کے بخت جہل کی تفریط سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک مرض جُبن ہے اسی کو نامردی بزدلی اور ڈرنا کہتے ہیں یعنی ذاتی حفاظت میں بے موقعہ اور ضرورت سے زیادہ خاموشی یا سکون اختیار کرنا یہ بات قوت دافعہ کی تفریط اور جہل کی افراط سے پیدا ہوتی ہے۔

ایک مرض خوف ہے یعنی حادثات کے اندیشوں میں اپنے آپ کو لاچار جانکر ڈرنا نفس کا بے موقعہ اور بے حد گھبرانا اس کا سبب بھی وہی یعنی قوت دافعہ کی تفریط اور جہل کی افراط ہے۔

مگر میری عزیز بہن اس موقعہ پر یہ نکتہ یاد رکھو کہ

جس طرح نفس کا اپنے ارادہ پر قدرت و اختیار کامل رکھنا۔ حیات کی انتہا ہے اُسی طرح نفس کا اپنے ارادوں کی تکلیف سے نجات دائمی پانا موت کی غایت ہے۔

اپنے موقعہ پر حیات بھی اچھی چیز ہے اور موت بھی اچھی چیز ہے اگر حیات نہ ہوتی تو محاسن و معائب اخلاق کی تحقیق نہ ہوتی اور اگر موت نہ ہوتی تو مصیبت کی زندگی اور لاعلاج تکالیف سے نجات پانے کا ذریعہ ہی کچھ نہ تھا۔

پس عقل مند وہ ہے کہ امراض اور معائب نفسانی کے دور کرنے میں موت سے ہرگز نہ ڈرے اور بلاضرورت تہلکہ میں نہ پڑے۔ کیونکہ یہ بھی حکمت سے دُور ہے یعنی بلاوجہ خاص جائز نعمتوں سے اور مباح لذتوں سے نفس کو محروم نہ رکھے۔

ایک مرض کثرتِ شہوت ہے۔ یعنی لذتوں کی طلب میں بے جا لالچ سے نفس کو تکلیف میں نہ ڈالے۔ یہ بے موقع خواہش قوت وجذب کی افراط اور جہل کے باعث پیدا ہوتی ہے۔

ایک مرض بطالت ہے۔ ضروریات کے پورا کرنے میں خام خیال سے نفس کا بے موقع یا بے حد پرہیز کرنا یا دور رہنا۔ اس کا سبب قوت جذب کی افراط اور جہل کی وجہ سے ناقص ہوجاتا ہے۔

ایک مرض حزن ہے یعنی مطلوب اور مفقود کی یاد و فکر میں عدم حصول پر نفس کی بے حد کڑھن اس کا سبب بھی قوت جذب کی افراط اور جہل کے وجہ سے اس کا ناقص ہو جاتا ہے۔

ایک مہلک مرض حسد ہے۔ یہ مرض بیجا اور غضب فاسد سے پیدا ہوتا ہے یہ بھی نہایت سخت و بدترین مرض ہے۔ اس کا سبب قوت جذب کا نقص اور قوت تیزی کی کمی ہے۔

اچھا تو اسی سلسلہ میں بہن۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ یہ دنیا چند روزہ تماشا ہے گزشتنی یعنی چھوٹنے والی۔ اور گذاشتنی یعنی چھوڑ جانے والی ہے۔ بلکہ بضرورت اسکو اختیار و قبول کرنا بہتر ہے۔

حزن جسکو تم اوپر سمجھ چکی ہو۔ بلا علاج اور توبہ اندفاع کے بھی دور ہو جاتا ہے لیکن یہ حسد بہت ہی بری چیز ہے۔ خدا اسکے اندوہ سے بچائے۔

حاسد عورت تمام جہان کی نعمتوں کو جہالت سے صرف اپنا ہی حصہ سمجھتی ہے۔

دوسروں کو نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہوئے دیکھ کر دل ہی دل میں جلتی ہے کڑھتی ہے۔ بہن تمہیں انصاف کرو دنیا بھر کی نعمتیں ایک ہی عورت کے حصہ میں کیونکر آ سکتی ہیں۔ اگر ایسا ہو بھی تو فائدہ کیونکر اٹھایا جا سکتا ہے۔ توبہ۔ توبہ۔

جو امراض نفسانی اوپر بیان ہوئے حسب تحریر مصدر یہ چند ہیں مگر بڑے بڑے یہ ہی ہیں ان سے اور بہت بڑے بڑے امراض پیدا ہوتے ہیں جن کا شمار اس مختصر کتاب کے لائق نہیں اب ان کا علاج بھی معلوم کرنا ضروری ہے۔ یعنی یہ کہ یہ عیوب نفس میں سے کیونکر دور ہو سکتے ہیں۔ سو بطور اصول سمجھ لو کہ ایک ہی قاعدہ ہے وہ یہ کہ :۔

معالجات کہ جن وجوہات سے جن اسباب سے قوائے ذہنی خراب ہوتے ہیں۔ یا ہوئے ہیں۔ ان کو ترک کیا جائے۔ مثلاً جھوٹ بولنے کی عادت زیادہ بولنے سے ہوئی لہذا کم گوئی اختیار کی جائے۔

کبھی ذہنی امراض جسمانی فعل یا ترک فعل (امراض) سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا اس وقت بھی معالجہ ہے کہ ان اسباب کو قطع کر دیا جائے۔ مثلاً ضعف دماغ کے باعث اکثر نفسانی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہذا پہلے ضعف دماغ کی فکر کرنی چاہیئے۔

اچھا اب یہ سنو کہ ایک عقل مند اور نیک بی بی کو کیسا ہونا چاہیئے۔ بہن خوب یاد رکھو وہ ایسی ہو جو :۔

(۱) رات دن گھر کے کاموں اور شوہر و اولاد کے حقوق سے جب فرصت پائے ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔

(۲) ممکن ہو اور ممکن ہونے کی کوشش کرے کہ رات کا کچھ حصہ وہ کتنا ہی قلیل

کیوں نہ ہو عبادت ذکر الٰہی کے لیے ضرور وقت رکھے۔

(۳) لغو اور مہمل الفاظ کبھی زبان سے نہ نکالے۔

(۴) ہر وقت ہنس مکھ، کشادہ پیشانی، کم سخن۔ نرم مزاج ہی رہے۔

(۵) حق میں زبردست اور حاکم و محکوم کو امیر غریب کو برابر سمجھے۔

(۶) مسکین بہنوں اور غریب بہنوں سے محبت کرے اور ان کو عزیز رکھے۔

(۷) فقیر عورت کو کبھی حقیر اور ذلیل نہ سمجھے۔

(۸) کسی سے حق کی حالت میں نہ ڈرے۔

(۹) جو بہن عزت والی ہو۔ اُسکی واجبی عزت و تالیف قلوب کرے۔

(۱۰) اپنے محلّہ اور برادری اور قوم اور ہم مذہب اور ساتھیوں سے اچھی طرح محبت اور کشادہ دلی و تواضع سے ملے۔

(۱۱) کسی بہن کا ناحق دل نہ دکھائے۔

(۱۲) دوسروں کے ساتھ بھلائی احسان مروت کرے اور بھول جائے بدلہ نہ چاہے

(۱۳) دوسرے کا احسان ہمیشہ یاد رکھے۔ اور بدلا دے۔

(۱۴) غیبت اور غصہ، عداوت کے قریب نہ جائے۔

(۱۵) عفو اور ایثار کو بہت عزیز رکھے۔

(۱۶) خود تکلیف اٹھالے اور دوسروں کو راحت پہونچائے۔

(۱۷) کسی بہن کا کوئی کام جب بن پڑے تو شوق سے پورا کرے۔

(۱۸) جب کوئی مریض ہو تو مزاج پرسی کو جائے علاج اور راحت رسانی میں مدد دے۔

(۱۹) دشمن کے ساتھ نیکی کرے۔ اگرچہ وہ بدی پر دلیر ہو۔

(۲۰) اپنے کاموں کے لیے نوکر کی منتظر نہ رہے۔ نوکر بروقت ضرورت مدد کے واسطے ہوتا ہے نہ کہ معطل و بیکار ہو جانے کے لیے۔

(۲۱) دوسروں کی خوشی سے خوش ہو۔ دوسروں کے رنج سے رنجیدہ۔

(۲۲) احکام الٰہی وسنت نبوی کو کسی اثر اور مصلحت وضرورت سے نہ ٹھکرائے۔

(۲۳) اپنے حق کو زایل نہ ہونے دے، دوسروں کے حق کو غصب نہ کرے۔

(۲۴) وہ نعمتیں جو خدا نے دی ہیں انکو اوروں پر کشادہ دلی سے تقسیم کرنے میں نقصان کا اندیشہ نہ کرے۔

(۲۵) اہل حاجت کو پہنچانے اور اصلی حال معلوم ہونے سے پہلے اپنے حق سے سبکدوش ہو جائے۔

(۲۶) اوروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے۔

بہن ہمارے تمہارے سردار نبی کریمؐ کی یہی عادتیں تھیں تم بھی انہی کو اختیار کرو۔ دنیا چند روزہ ہے۔ عاقبت کی فکر کرو۔ وہ وقت کچھ دور نہیں، جب تم سے محاسبہ ہوگا۔

(۲)

باب

تدبیر منزلی

ہاں بہن!

معیشت کے متعلق تہذیب اخلاق کی بحث اور اسکے ابتدائی بنیادی مسایل تو خوب سمجھ ہی چکی ہوگی۔ اب تم تدبیر منزلی کے ابتدائی مسایل ابتدائی منزلیں بھی معلوم کرو کہ تم کو ان سے بھی کام پڑے گا۔ اگر منزلی خرابیاں رفع نہ ہونگی تو تہذیب اخلاق کی تکمیل مشکل ہوگی۔ اول میں تم کو یہ بتلانا چاہتا ہوں، کہ تدبیر منزلی کہتے کسکو ہیں اور اسکی ضرورت کیا ہے؟

تدبیر منزلی کی تعریف اور اس کی ضرورت

میری عزیزہ بہن۔ تم دیکھتی ہو کہ تمام حیوانات مطلق (جانور) حسب ضرورت لباس و آلات سے قدرتاً آراستہ و مکمل ہوتے ہیں۔

جس ملک میں جو جانور ہے اسکی ضروریات اسکے وطن و قرب و جوار میں بخشش قدرت نے مہیا کردئے ہیں۔ تاکہ نفسانی خواہشوں میں وہ مطمئن و تسکین پاسکے۔

اس کا کام محض تلاش تک محدود ہے یعنی گھوڑے کو ضرورت گھاس کی ہے اور پانی کی، تو زندگی کے لیئے اسکو صرف اسی قدر چاہیئے کہ وہ ایک سرسبز جنگل اور پانی کا چشمہ تلاش کرلے جہاں اسکی ضرورت قدرت نے جمع کر رکھی ہے۔

مگر انسان (حیوان ناطق) قدرتاً لباس و آلات سے آراستہ نہیں کیا گیا۔ اسکی تمام ضروریات جسکی تفصیل سوائے خدا کے کسیکو معلوم نہیں بہت کچھ اسی کے ذمہ ہیں تمام باتوں کی درستی۔ وقت کو خرچ کرنے اور آلات سے امداد پانے پر منحصر ہے روزمرہ کی ضروریات کا انصرام اور ان کے جمع کرنے میں وہ طریقہ اختیار کرنا کہ ان کو خارجی اسباب جلدی خراب نہ کردیں۔ یہ ضرورت منزل ہے۔

اور تدبیر منزلی اس جمع شدہ اور مرتب کردہ نسبت کی حفاظت کا نام ہے جو مرد۔ عورت۔ والدین، اولاد، رشتہ دار، خادم۔ مخدوم، مال او مالدار میں ہوتی ہے۔ مگر اس شان و قید سے کہ ہر شخص کے حال کی تدبیر خبرداری کیجائے اور ایسے طریقہ پر جسمیں محبت پیدا ہو۔

کیونکہ گھر کے آدمیوں کے لیئے جدا جدا اعتدال و افعال ہیں جنکی وجہ سے ان میں فرق و تمیز قایم رکھا جاتا ہے اور اُن سب کی شرکت و امداد سے وہ مجموعی حالت جس کا نام منزل (گھر) ہے پیدا ہوتی ہے۔

پس گھر کے ہر مدبر کو گھر کے ہر علاقہ پر خبردار ہونا ضروری ہے تاکہ گھر کو کمال کی

عزت تک پہونچا سکے۔

اچھا میری عزیز بہن تم تدبیر منزلی کی تعریف اور اسکی ضرورت تو معلوم کر چکی ہو اب اسکا طریقہ اور اسکی خاص خاص مسایل بھی معلوم کرو۔

حفاظتِ مال سنو بہن!

انسان جن اشیا کے لیئے پیدایشی محتاج ہے۔ ان کا حصول اور ان کا معاوضہ مال (روپیہ) سے ہوتا ہے اسلیئے عقلاً مال کی حفاظت لازمی ہوئی۔

مگر ہم روپیہ کی حفاظت، چوروں سے کر سکتے ہیں لیکن خرچ سے نہیں کر سکتے یعنی ایسا نہیں کر سکتے کہ خرچ نہو کیونکہ خرچ ہی کی وجہ سے تو وہ مطلوب و عزیز ہوا ہے پس اب حفاظت مال کے صرف دو ہی طریقے ہیں۔

(۱) وسایل آمدنی کی توسیع۔

(۲) خرچ کی صورتوں اور راہوں پر نگرانی۔

یہ تم نے سمجھ لیا کہ خرچ کی نگرانی کا عام قاعدہ جو ہر جگہ پورا اُترے کیا ہے سنو۔

خرچ کا انتظام خوب سمجھ لو جب تک خرچ کی راہوں پر نگاہ نہ ہوگی۔ آمدنی خواہ کتنی ہی ہو گھر پنپنے کا نہیں۔ اب قاعدہ یہ ہے کہ ہر بہن کو اپنی آمدنی کے چار حصے برابر کے کرنے چاہئیں۔

(دو حصے) روز کی ضروریات میں صرف کرے، کہ یہ حصہ قطعی کہنے کے لئے نہیں ہوتا

(تیسرا حصہ) اتفاقی معاملات کیلئے محفوظ رکھے۔ کہ یہ حصہ عام حالات و معمولی ضروریات میں صرف کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔

(چوتھا حصہ) صرف اسوقت کے لیے رکھ چھوڑے جبکہ آمدنی باقی نہ رہے۔

کیونکہ آمدنی کا بند و موقوف ہو جانا ممکن اور خرچ کا بند ہو جانا غیر ممکن ہے۔

مگر اس مقام پر یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اندوختہ کو بیکار بھرنا کر نہ رکھنا

چاہیئے۔ بلکہ وقت بے وقت اشیاء کی ارزانی سے فائدہ اُٹھاکر اسکو ترقی دیتے رہنا چاہیئے۔

مکان (منزل) یہ بھی بہن یاد رکھو کہ (بود و باش) رہنے سہنے کے لیئے ہر انسان کو مکان کی ضرورت ناگزیر ہے۔ پس جہاں اشراف داھی عادتوں والے شہرت والے رہتے ہوں ہوادار پختہ ضرورت کے لایق۔ بلا شرکت غیر مکان مہیا کرنا چاہیئے۔ اور ہر وقت اسکی داشت (رکھ رکھاو) رکھنی چاہیئے۔

کیونکہ مال کی حفاظت کے لیئے مکان لازمی چیز ہے۔ گھر کی ضروریات میں جو کھانے پینے کے متعلق ہیں ان کا یہ بندوبست ہونا چاہیئے کہ فصل سے فصل تک کا ذخیرہ جمع کر دیا جائے تاکہ قحط و گرانی کی تکلیف ایک دم وارد نہ ہو۔

یاد رکھو اور خوب سمجھ لو بہن!

آمدنی کے وسائل کہ خرچ کے جاری رکھنے کے لیئے آمدنی کا ہونا لازمی ہے کیونکہ خرچ پورا کرنے کے لیئے آمدنی کا پیدا کرنا ضروری ہے۔ پس اب یہ یاد رکھو کہ کل آمدنیاں چار قسم پر منقسم ہیں:۔

(۱) **قدرتی**۔ اِس سے یہ مراد ہے کہ تمہارے بن اور جنگل اور تالاب جو۔ قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور تم نفع اٹھاتی ہو۔ خواہ فروخت کر کے یا اپنی حاجتوں میں جسمیں انتظام و تردد کرنا نہ پڑے۔

(۲) **خرچ آمدنی خیز**۔ اس سے مراد سود۔ سٹہ جو صرف روپیے حاصل ہو۔

(۳) **محنت**۔ اس سے مراد مزدوری، نوکری زراعت جو مشقت کرنے سے حاصل ہو۔

(۴) **سرمایہ**۔ اس سے مراد تجارت ہے۔

مگر سرمایہ کی دو قسمیں ہیں ایک سرمایہ (قائم) جس سے نفع، اصل شے کو بدوں دیے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے مراد کرایہ وغیرہ ہے۔ دوسری قسم سرمایہ (دائر) جسکا فائدہ جنس قابل فروخت کے بیچ دے اور منتقل کر دینے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً تم نے ہزار روپیہ

لگاکر ایک مکان بنوا یا سکا کرایہ دو روپیہ ماہوار آتا ہے تو مکان تمہارا سرمایہ قایم یا قدیم کہا جائے گا۔ یا فصل پر تم نے پندرہ سیر کے گیہوں خرید لئے، چند روز بعد دس سیر کے بیچ ڈالے، تو یہ سرمایہ دایر کہا جائے گا۔

مگر یہ نکتہ دھیان میں رکھو بہن!

جس قدر پیشے ہیں وہ چار قسم کے ہیں پہلی قسم میں شریف اور عزت والے ہیں جن کا تعلق نفس کی محنت سے ہے۔

پہلی قسم۔ شریف۔ اونچے درجہ اور حکومت دینے والے۔ مال دار بنانے والے کام یا ملازمتیں (۱) طبابت۔ نظامت۔ قضا وغیرہ۔

دوسری قسم۔ متوسط (درمیانی) یعنی جو نہ شریف ہے اور نہ قابل کراہیت یعنی گھنونی تجارت۔ زراعت وغیرہ۔

تیسری قسم۔ مکروہ۔ یعنی جسمیں کوئی عزت اور شرافت کی بات نہ ہو۔ ادنے درجہ کے پیشے مثلاً نائی کا کام۔ دھوبی کا۔ پلہ داری۔ نانبائی۔ زرگری، چرم دوزی، موچی۔ خدمتگاری

چوتھی قسم۔ ناجائز۔ یعنی کمینہ پن کے کام بطور پیشے کے ان میں آمدنی خاصی ہے مگر بہت برے سمجھے جاتے ہیں مثلاً سود خوری۔ نقالی۔ چوری۔ راہ زنی۔

پیشوں کی شاخیں اور پھر ایک کی دوسرے سے رشتہ داری یعنی بعض پیشے تو ایسے ہوتے ہیں جو مفرد یعنی دوسرے پیشے کے اپنے عمل میں محتاج نہیں۔ جیسے لوہاری کہ یہ پیشہ مفرد ہے۔ اپنی مدد میں کسی دوسرے پیشہ کا محتاج نہیں بعض پیشے ایسے ہیں جو دوسرے پیشوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ انکو مرکب یعنی ملے ہوئے کہا جاتا ہے۔ جیسے آئینہ سازی وغیرہ ان سب کی تفصیلات بہت لانبی ہیں سب کو اگر میں نے یہاں بیان کیا تو تمہارا دل الجھیگا اور گھبرا جاؤ گی۔ ابتدائی باتوں کو میں نے تمہیں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

ان مختلف پیشوں کی غرض یہ ہے کہ انسان کو روزی کی فراخی سے زیادہ دنیا میں

کوئی نعمت نہیں۔ اگر روزی کے حاصل کرنے میں تم کچھ مدد کر سکو یا کر سکنے کے لائق ہو تو بلاشک تم خدا کی نعمتیں میں ایک عجیب تر نعمت ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے اور تم معذور رہو۔ تو تم میں کوئی اخلاقی کمی نہیں۔ نہ تم اسکی ذمہ وار جواب دہ ہو لیکن ایسی حالت میں کہ مرد اپنی کوششوں میں زیادہ کامیاب نہ ہو۔ یا ناکارہ رہ گیا ہو یا کسی وجہ سے محروم رہ رہا ہو یا حادثات زمانہ نے اسکو تنگ دست کر رکھا ہو۔ تو تم اپنی تدبیر اور مستقل مزاجی سے اسکے لیے معاون و مددگار ثابت ہو۔ نہ کہ وبال جان، وہ گھبرا کر چیخ اٹھے ۔

میں نے بہن ابھی کہا ہے کہ تم مرد کیلئے مددگار ثابت ہو۔ یہاں تمہارے دل میں خیال پیدا ہوگا کہ یہ عورت اور مرد کیوں باہم یکجا ہوتے ہیں یا کئے جاتے ہیں۔ اور جمع ہونیکا یا کرانے کا جو قاعدہ قوموں میں ہے آخر اس کی غرض اور بنیاد کیا ہے تو غور سے سمجھو میں تمہیں بہت مختصر طور پر بتلائے دیتا ہوں۔

ازدواج اس بات پر غور کرنے سے پہلے یہ سمجھو کہ آخر مرد اور عورت کو باہم متحد ہونے کی جسکو ازدواج کہا جاتا ہے۔ کیوں ضرورت ہے۔ کیا مرد، مرد۔ عورت، عورت جدا جدا نہیں رہ سکتے تھے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ

حفاظتِ جان } کیلئے انسان کو مختلف امور کا انتظام کرنا قدرتاً لازم ہو گیا ہے۔
حفاظتِ مال } یا یوں سمجھو قدرت نے بہت سے کام اس پر عاید یا اسکے سپرد کر رکھے ہیں۔
حفاظتِ نسل } جن کا تنہا پورا کرنا یا ہونا مشکل یا ناممکن تھا ایسی حالت میں مددگار

اور مدد کی ضرورت ہوئی چنانچہ قدرت نے تمام حیوانات کو جوڑہ جوڑہ پیدا کیا ہے۔ انسان کو بھی جوڑہ پیدا فرمایا۔ مرد کا جوڑہ عورت، عورت کا جوڑہ مرد۔ پیدا کیا۔ اور ایک کو دوسرے کا محتاج بنایا۔

تاکہ سوچ بچار کر آگا پیچھا دیکھ کر۔ ہر فرد اپنا زوج قبول کرے۔ اور غرض مشترک پیدا ہو کر ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہو جائیں۔

نکاح یا عقد، اسی سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ ایک جوان مرد اور ایک جوان عورت کو اپنی خود مختارانہ زندگی بسر کرنے کے واسطے متحد ہو کر اجازت عام اتفاق سے دیدیجائے اور سب جان جائیں کہ فلاں مرد فلاں عورت نے ایک کا دوسرے کے حق متحد ہونا منظور کر لیا ہے۔ اب اس متحد شدہ جوڑہ پر نظر نہ ڈالنی چاہیئے کیونکہ یہ اب کسی کا حق نہیں ہو سکتا۔

اگر کدخدائی یعنی نکاح کو بطور قانون ہر مذہب تسلیم نہ کرتا۔ یا اسکی ضرورت سے افراد بے نیاز ہو جاتے، تو تدبیر منزلی برہم ہو جاتی جس طرح حیوانات مطلق ہیں ایسے ہی یہ اشرف المخلوقات بھی ہوتا۔ اسی تقید نے شرافت منزلی پیدا کر دی ہے۔ اسلئے کدخدائی (شادی) لازمی کر دی گئی ہے اور تجرد یعنی تنہا رہنا عورت کا ہو یا مرد کا برا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ تجرد فطرت کے خلاف ہے اور ہر مجرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہلاکت کا لقمہ ہے۔ قوم اور خاندان و ملک کے لئے اندیشہ ناک ہوتا ہے۔

شرائط ازدواج ہم زوج ہونے سے پہلے، ایک کو دوسرے میں جن باتوں کو ڈھونڈھنا چاہیئے وہ یہ ہیں:۔

(۱) بدنسلی۔

(۲) فضول خرچی۔

(۳) غرور۔

(۴) بدمزاجی یعنی غصہ

(۵) بے ہنری۔

(۶) بدصورتی۔

(۷) مفلسی۔

جہاں یہ باتیں ہوں وہاں ازدواجانہ تعلق قایم کرنے سے بچے اگرچہ افلاس اور

[illegible] کو پہلے لوگوں نے وزن نہیں دیا۔

مگر بہن میری رائے تو ہے کہ فی زمانہ مرد کے افلاس و تمول پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے لیکن اسکو مقدم نہ رکھنا چاہیئے۔ جہاں پہلی چھ باتوں کو چھوڑکر اس ساتویں بات پر تمام باتوں کا حصر ہو جاتا ہے وہاں تمول کچھ بھی مفید نہیں ہوتا۔

(۱) ہم سنی۔

(۲) ہم مزاجی۔

(۳) ہم نسلی۔

(۴) ہم پایگی۔

(۵) حسن صورت۔

(۶) نیکوکاری یعنی حسن سیرت۔

(۷) تمول۔

جہاں یہ باتیں ہوں وہاں ازدواجانہ تعلق قایم کرنے پر جرأت کرنی چاہیئے اس موقع پر تمول اور افلاس کی بحث اٹھ جاتی ہے۔

کیونکہ ان دونوں تقسیموں کا نتیجہ دو ہی صورتوں میں پیدا ہوتا ہے۔

موافقت } اول الذکر، راحتوں کی ماں ہے، جس سے ہزاروں خوشیاں ہر وقت
ناموافقت } پیدا ہوتی رہتی ہیں اور دونوں میاں بیوی راحتوں میں کھیلتے رہتے ہیں۔

ثانی الذکر، جملہ تکالیف کی ماں ہے۔ اسی سے ہزاروں مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ ہر وقت میاں بیوی مصیبتوں میں گھرے رہتے ہیں،

انتخاب زوج کی شرائط کو ٹھکرانے کا نتیجہ اگر دیکھنا یا دکھلانا ہو۔ تو انتخاب زوج مصنفہ کے الف بیگم صاحبہ دیکھو کہ اس بحث کو انہوں نے خوب لکھا ہے۔

حدود باہمی } یاد رکھو بہن، گھر میں میاں بیوی نایب و منیب ہوتے ہیں۔

مرد پر لازم ہے عورت کی کفالت، عزت، مروت، محبت کرے۔

عورت پر لازم ہے۔ شوہر کی محبت، دہشت، خدمت، اطاعت اپنے اوپر لازم سمجھے کیونکہ بدوں ان شرائط کو قبول کئے ہوئے تکمیل اتحاد ناممکن ہے۔ اور جب تک اتحاد نہ ہو۔ تدبیر منزلی ناقص رہے گی۔ یہ بھی یاد رکھو۔

ناموافقت کی صورت میں، رسوائی و خرابی لازمی چیزیں ہیں جہاں تک ممکن ہو طرفین کو سختیوں پر صبر کرنا چاہیئے۔

موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔

اگر حالات ناممکن بنا دیں اور زندگی تلخ ہو جائے اوقات ضائع ہوتے ہوں تو پھر اسکے سوا چارہ نہیں کہ اس اقرار کو دونوں ملکر رضامندی کے ساتھ فسخ کر دیں، یعنی توڑ دیں جو متحد رہنے کے لیئے کیا گیا تھا۔ جسکو عرف میں نکاح کہا جاتا ہے یعنی طلاق یا خلع دی جائے یا حاصل کی جائے۔ اگرچہ جائز کاموں میں سب سے زیادہ برا کام یہی ہے اسکے ساتھ ہی یہ بھی دھیان میں رہے۔

کہ بصورت ناموافقت، ناموافقت کے نتائج سے امن میں رہنے کے لیئے اگر طلاق یا خلع کی چنداں پرواہ نہ کی جائے گی۔ تو دو نتائج ضرور سامنے ہیں یا تو

(۱) جان۔ جائے گی } زہر کھائے، کنوے میں گرے یعنی خودکشی واقعہ ہو۔ یا امراض میں مبتلا ہو کر گھل گھل کر مرے۔

یا

(۲) عزت جائے گی } اس فقرہ کی تشریح میں نہیں کر سکتا۔ جو تمہیں پڑھاتی ہیں ان سے پوچھو یا اپنے شوہر سے +

ازدواج کی بحث تو بہن تم سمجھ چکی ہو۔ اسکے بعد ان نتائج کا برآمد ہونا ہے جن کے لیئے ازدواج عمل میں آیا ہے۔ حفاظت جان۔ مال۔ نسل یہ سب اپنے اپنے موقعہ پر سمجھو گی۔ یہاں حفاظت نسل کا مسئلہ سمجھو +

جناب مولوی ظفر علی خان صاحب بی اے (علیگ)

(سابق ایڈیٹر زمیندار لاہور و حال مدیر ستارۂ صبح کرم آباد)

نظام المشائخ کے رسول نمبر ۱۳۴۳ھ کی نسبت

ستارۂ صبح (جلد نمبر ا) میں فرماتے ہیں کہ ہمارے بہترین پیش نظر جو ہماری نظر سے گزرا نظام المشائخ دہلی کا رسول نمبر ہے جسکی طرف ہم ارباب ذوق سلیم کو خاص توجہ دلاتے ہیں ۔

محترم ہمقلم روزانہ دہلی گزٹ دہلی لکھتا ہے

نظام المشائخ کا رسول نمبر جس جانکاہی سے مرتب کیا گیا ہے قابل تحسین و آفرین ہے

محترم ہمقلم مشرق گورکھپور لکھتا ہے

نظام المشائخ کا رسول نمبر ہر سال خاص اہتمام سے شائع ہوتا ہے اور اسمیں عمدہ عمدہ مضامین درج کیے جاتے ہیں

محترم ہمقلم نیر اعظم مراد آباد لکھتا ہے

نظام المشائخ کا رسول نمبر ۱۳۴۵ھ نہایت آب و تاب سے شائع ہوا ہے اور ہر حیثیت سے قابل دید ہے

محترم ہمقلم اسوۂ حسنہ میرٹھ کی رائے کا خلاصہ

اس قدر ضخیم نبی نمبر جسمیں عام و خواص دونوں کی دلچسپی و نفع رسانی کا بدرجہ اتم لحاظ رکھا گیا ہو ابھی تک کسی پرچے نے شائع نہیں کیا سوائے نظام المشائخ کے کہ وہ ہر سال اس نیک خصوصیت میں اپنے تمام معاصرین سے سبقت لیجانے کا عادی ہو گیا ہے یہ مقدس نمبر واقعی اسم بامسمی ہو کر مسلمانوں کے مذہبی لٹریچر کے اس شعبہ کو جو سیرت نبوی کے متعلق ہے بیش قیمت فائدہ پہونچاتا ہے آجکل کی گرانی کاغذ کے زمانہ میں رسول نمبر ۱۳۴۴ھ کو چوالیس صفحوں پر نکالا ہے کہ جو الیس صفحے اچھے اچھے پرچوں کو بمشکل نصیب ہوتے ہیں اتنے بڑے رسالے میں خصوصاً جبکہ اسکا موضوع تالیف مخصوص کر دیا ہو ہزارہا مختلف المذاق ناظرین کے لیے اول سے آخر تک دلچسپی قایم رکھنا یقیناً ایک دشوار کام ہے لیکن رسول نمبر کے قابل مولف کو اس میں کامیابی ہوئی ہے ان میں بعض مضامین ایسے بھی ہیں جن سے رسول نمبر [illegible] ہے کوئی ایسا نہیں ہے جسے شروع کرکے ختم کرنا کچھ بھی گراں گزرے رسول نمبر گویا ایک بحر ہے [illegible] کتاب کی فہرست مضامین رسول کی دیکھیں فرحت و مسرت سے بیخود ہو جاتی ہیں قیمت [illegible] محصول مینجر نظام المشائخ دہلی

تصنیفات حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

میلاد نامہ۔ واقعی رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل میلاد پڑھنے کے لائق یہی ایک کتاب ہے۔ قیمت عہ

محرم نامہ۔ شہادت امام حسین علیہ السلام کے صحیح تاریخی حالات۔ قیمت فی جلد صرف ۔ ۔ ۔ عہ

بیوی کی تعلیم۔ ہر خاتون کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ عجیب کتاب ہے ۔ ۔ ۔ قیمت ۱۲ر

چٹکیاں اور گدگدیاں۔ مذہبی تمدنی علمی و ادبی مہذب ظرافت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قیمت صرف ۸ر

قبروں کے غیبی نوشتے۔ حضرت مصنف کی نظر حال نے پڑھکر لکھے ہیں۔ قیمت صرف ۔ ۔ ۔ ۸ر

سفرنامہ مصر و شام و حجاز۔ یہ سفر نامہ جواب نہیں رکھتا الفاظ کی تصویروں کے علاوہ ۳۰ عکسی فوٹو بھی ہیں۔ خصوصاً فرعون موسیٰ کی لاش کا فوٹو قابل عبرت ہے۔ قیمت فی جلد صرف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲ر

سیپارۂ دل۔ تمام مختلف مضامین کا اچھا خاصہ ضخیم مجموعہ ہے قیمت فی جلد عہ تسخیر دہر و قہر اعمال حزب البحر قیمت ۸ر

اتالیق خطوط نویسی قیمت ۱۰ر جگ بیتی قیمت ۸ر اردو و تمائیں قیمت ۸ر اسلام کا انجام قیمت فی جلد ۸ر

اسرار فی جلد ۸ر غدر دہلی کے افسانے قیمت ۸ر پورا میگزین قیمت ۸ر رسول کی عیدی قیمت صرف ۲ر

مجموعہ خطوط خواجہ حسن نظامی قیمت فی جلد ۱۲ر فلسفہ شہادت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا مشہور رسالہ جو کئی دفعہ چھپا ہے اب تیار کرایا ہے ۱ر

انتخاب توحید۔ میرٹھ کے اخبار توحید کے مضامین کا انتخاب جسکے چیف ایڈیٹر حضرت خواجہ صاحب تھے اور جس نے چند ہی دن ملک بھر میں اپنی دھوم مچادی تھی قیمت ایک روپیہ (عہ ر) علاوہ محصول

روزنامچہ خواجہ حسن نظامی۔ جس میں حضرت خواجہ صاحب نے بمبئی گجرات کاٹھیاواڑ وغیرہ کے دلچسپ حالات تحریر فرمائے ہیں مشہور زیارتوں اور مقامات تاریخی کا بیان ہے قیمت آٹھ آنے (۸ر)

کرشن بیتی (مصور) حضرت کی نئی اور نادر تالیف ہے۔ ہندوستان کے مشہور اوتار سری کرشن کے حالات۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے پڑھنے کے لائق قیمت دو روپے (عہ)

بچوں کی کہانیاں۔ ماہیگیر حضرت خواجہ حسن نظامی حضرت خواجہ صاحب کی مدد سالہ سے شائع فرمائی ہیں قیمت چھ آنے ۶ر

پیہ سب کتابیں منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجیے

عجیب کتابیں جو حسن نظامی المشائخ دہلی سے ملتی ہیں

مشاہیر یونان و روما - یونان و روم کے اولوالعزم مدبرین کے حالات زندگی اور نہایت بامذاق انشا ہیں۔ حکیم پلوٹارک یونانی کی مشہور آفاق تصنیف ہے جب انگریزی میں اس کا ترجمہ ہوا تو مترجم کو مسٹر کا خطاب ملا اب سید ہاشمی فرید آبادی (علیگ) نے اسے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ یورپ میں بڑے بڑے فلسفی اور شاعر و حکمران اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ ہندوستانی بھی اگر قعر مذلت سے نکلنا چاہتے ہیں تو اسے مطالعہ میں رکھیں۔ یونان و روما کی قدیم سلطنتوں کے رنگین نقشوں سے بھی یہ کتاب مزین ہے۔ قیمت ڈھائی روپے (عہ۲؍) علاوہ محصول۔

دریائے لطافت - مشہور استادان فن انشاء اللہ خاں انشا اور مرزا قتیل کی سجدہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ان اصحاب کے لیے جن کو اردو زبان کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرنا ہو اس سے بہتر خزانہ نہ ملیگا قیمت عہ؍

فلسفہ جذبات - علم النفس پر پہلی کتاب، مصنفہ مسٹر عبدالماجد بی۔ اے نہایت سلیس عام فہم دلچسپ ہے قیمت ایک روپیہ (عہ) علاوہ محصول +

فلسفہ اجتماع - یہ بھی جناب عبدالماجد نے لکھی ہے، اسکی تعریف یہ کافی ہے کہ اس کا انگریزی ترجمہ انگلستان کی فرانسیسی کمپنی نے شائع کیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ) علاوہ محصول +

البیرونی - کتاب الہند کے مصنف علامہ ابوریحان بیرونی کی سوانحعمری از مسٹر سید حسن برنی بی۔ اے (علیگ) قیمت عہ؍

مقدمات الطبیعات - مرزا مہدی خان صاحب کوکب جنہیں ریاست حیدرآباد نے خاص علوم طبیعیہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے یورپ بھیجا تھا انہوں نے اسے تالیف کی ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ؍)

خلافت اندلس - عربوں کی ہشت صدی حکومت اندلس کی تاریخ از نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم۔ اے۔ قیمت حصہ اول عہ۔ حصہ دوم عہ حصہ سوم عہ۔ مکمل سٹ للعہ؍ علاوہ محصول +

العائلہ - عورتوں اور بچوں کے علاج اور پرورش و اخلاق میں اس سے بہتر کتاب آپ کو مشکل سے ملیگی قیمت ۱۲؍

بزم فرید - حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی نے اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے ملفوظات اور مجالس کے حالات راحت القلوب کے نام سے فارسی میں جمع فرمائے تھے اسکا اردو میں آقا محمد الواحدی صاحب نے ترجمہ کیا ہے اور بزم فرید نام رکھا۔ قیمت آٹھ آنے (۸؍) +

وجدانی نشتر - اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے جس میں اہل اللہ کے لیے ساز و نیاز، سوز و ساز، سکون و اضطراب اور وجد و حال کا ایک لازوال روحانی خزانہ جمع کیا گیا ہے قیمت ایک روپیہ (عہ) +

داتا گنج بخش رح - پنجاب کے سب سے بڑے داعی الاسلام حضرت علی مخدوم ہجویری عرف داتا گنج بخش کے سبق آموز حالات جن کی ابتدا استسکہ ہجری المقدس سے شروع ہوتی ہے۔ قیمت دس آنے (۱۰/)

سیرۃ العباس - یعنی عم رسول اللہ صلعم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مفصل لائف قیمت ۱۲/

جاماسپ نامہ - پیشین گوئیاں معلوم کرنے کا شوق ہو تو جاماسپ نامہ کا اردو ترجمہ ملا محمد الواحدی صاحب نے کیا ہے منگا کر پڑھیے حکیم جاماسپ نے جاماسپ نامہ میں ہزاروں برس پہلے قیامت تک کے آنے والے واقعات کا حال لکھ دیا ہے۔ قیمت صرف تین آنے (۳/)

ایڈیٹر کا حشر - ایک عبرتناک افسانہ ہے مصنفہ مولوی ظفر علی خان صاحب بی اے سابق ایڈیٹر زمیندار قیمت ۱/

حالات خضر - حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے عجیب و غریب اسرار کا مجموعہ مؤلفہ جناب ملا محمد الواحدی صاحب قیمت ۱/

چند دن بعد کیا ہوگا - ایک چھوٹا سا اخلاقی رسالہ ہے۔ قیمت ۲/

شکوہ و فریاد - اللہ اور اللہ کے رسول سے راز و نیاز کی باتیں۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم اے اور مولانا سیماب کی دو مشہور نظمیں ضخامت ۳۲ صفحے قیمت ۲/

عرس نامہ - اس میں جناب ارشاد اکبر آبادی مرید سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے نامور بندگان دین کے وفن اور تاریخ عرس کا بیان کیا ہے اور دعائیں اصولیائے کرام کے مناقب درج کئے ہیں قیمت ۲/

دلی کی عید - غدر سے پہلے کیسی ہوتی تھی اور اب کیسی ہوتی ہے۔ قیمت ۱/ +

زہر عشق - نہایت درد ناک مثنوی عشق بازی کے حیرت انگیز و غمناک انجام کا فسانہ ہے جس میں ستم کے ماروں عاشق و معشوق کی قبر کی تصویر بھی دی ہے قیمت ۴/ +

التذکیر - مشہور واعظ جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے وعظوں کا مجموعہ تین حصوں میں ہے گھر بیٹھے وعظ سننا ہو تو یہ کتاب دیکھیے۔ قیمت ہر حصہ ۱۲/ +

اس فہرست کی تمام کتابیں مہتمم نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

سپہر علم کے درخشاں ستارے

گنجینۂ اسرارِ حقیقت

یہ نادر کتاب مولانا حکیم شیخ خدا بخش صاحب قادری کی تصنیف ہے اسمیں اولیائے کرام اور صوفیائے علماء کے بیش قیمت اقوال درج ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان سچی ہدایت حاصل کرسکتا ہے قرآن اور حدیث سے برگزیدہ بزرگوں کے اقوال کی تائید بہت کچھ فائدہ پہونچا سکتی ہے کتاب کیا ہے جواہرات کے انبار۔ خدارسی اور خداشناسی کا سچا رہبر۔ طالب صادق کیلئے سچا رہنما ہے اور خواجہ حسن نظامی صاحب کے نام نامی پر معنون کی گئی ہے۔ قیمت مجلد مع محصول بارہ آنہ (۱۲/) ہے

خزانۂ کرامات

حسن ابدال ضلع راولپنڈی دامن کوہ میں ایک پرفضا مقام ہے تنہائی پسند فقرا اکثر اسکے اطراف میں چلتے اور پہاڑی چشموں کے کنارے بیٹھکر ریاضت کرتے اور قدرتی نظاروں کا لطف اٹھاتے ہیں۔ یہاں ایک انجمن بنام راج یوگ قائم تھی اسکے صدر انجمن نے یہ عجوبہ کتاب خزانۂ کرامات تصنیف کی ہے جو علوم اور تجربے سینہ بسینہ چلے آتے ہیں اور جنکو وہ برسوں کی خدمت کے بعد بڑی رموز اور کنایوں میں بتلایا کرتے ہیں وہ سب اس کتاب کے ذریعہ صاف طور پر کھولدئے ہیں اور یہ کتاب ریمیا سیمیا کیمیا گویا سب علوم کی کنجی ہے جسکے ذریعے ان کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ اہل ملک کی قدردانی کی وجہ سے چھٹی بار چھپکر فروخت ہو رہی ہے

قیمت مجلد مع محصول ایک روپیہ پانچ آنہ (عہ/) ہے

ملنے کا پتہ منیجر قیصر ایجنسی نمبر ۱ سہارنپور (یو۔ پی)

پلیگ سے کیوں ڈرتے ہو

[illegible] سب بیماریوں کے اس سے ڈرنے کا سبب یہ ہے کہ آج تک لاکھوں انسان اس موذی عارضہ کے پنجۂ ظلم سے ہلاک ہو چکے ہیں سینکڑوں گاؤں اجاڑ ہو گئے۔ شہر کے شہر تباہ ہوئے۔ اسی وجہ سے اسکے نام سے ہی وحشت ہوتی ہے۔ پلیگ میں مبتلا ہونیکے بعد پھر کوئی علاج نہیں ہے لیکن بنظر حفظ ماتقدم ڈاکٹر ایس کے برمن کی پلیگ ہٹ کنے والی گولیاں نگلکر ضرور کھائیں ان گولیوں کے استعمال سے جسم کے خون میں کچھ ایسا اثر ہوتا ہے جس سے پلیگ کے کیڑے نہ ٹھہر سکیں اور نہ انکا زہر اثر کر سکتا ہے وقت پر ان گولیوں کے استعمال سے ہزاروں انسان پلیگ سے محفوظ رہتے ہیں۔ آپ بھی غافل نہ رہیں ایک گولی روزانہ ٹھنڈے پانی سے نگل جانا چاہیے بچوں کو نصف یا چوتھائی قیمت ۳۶ گولیوں کی ڈبیہ ۸ر ۶۰ گولیوں کی ڈبیہ ۱۲ر محصول ڈاک [illegible]

دوائیوں کے تیل

مذکورہ ذیل دوائیوں کے تیل کے دو چند بوند پاؤ آدھ سیر دوا کے فائدہ دیتے ہیں اور کوٹنے پیسنے کی تکلیف سے بھی بچتے ہیں۔ اور آسانی سے پی سکتے ہیں +

(۱) روغن صندل۔ سوزاک کے لیئے نہایت درجہ مفید ہے قیمت ۸ر محصول ایک ہی شیشی کا ۵ر
(۲) اجوائن کا تیل۔ قے بدہضمی کی ایک ہی دوا ہے 〃 ۶ر 〃 〃 〃 ۵ر
(۳) روغن سونٹھ۔ یہ بھوک بڑھاتا ہے اور ریاح کو خارج کرتا ہے 〃 ۸ر 〃 〃 〃 ۵ر
(۴) روغن سونف۔ پیٹ پھولنا اور دست وغیرہ کے لیئے مفید ثابت ہوا ہے۔ ۸ر 〃 〃 ۵ر
(۵) روغن دال چینی۔ یہ دال چینی کے ملائم چھلکوں سے بنتا ہے اور یہ چیز نہایت خوشبودار ہے ۶ر 〃 ۵ر
(۶) روغن لونگ۔ متلی اور ریاح کو دفع کرتی ہے اور درد شکم و بدہضمی کو مفید ہے قیمت ۸ر 〃 ۵ر
(۷) روغن لیموں۔ سر کے گویا ابھی درخت سے ٹوٹے ہوئے لیموں کا خوشبو دیتا ہے ۸ر 〃 ۵ر
(۸) روغن پیپرمنٹ۔ پیٹ کے درد بدہضمی اور ریاح کے علاج کرنے میں یہ مشہور دوا ہے ۸ر 〃 ۵ر
(۹) روغن الائچی۔ متلی اور ہچکی کو بند کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے قیمت ۶ر 〃 ۵ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ

کیا سچ مچ نہیں دیکھا؟

دلی کا وہ بے نظیر اور لاجواب تحفہ جو رسالہ **عصمت** کے نام سے آج دس سال سے مولانا راشد الخیری مدظلہ اور شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹرایٹ لا کی ایڈیٹری سے ماہوار شائع ہو رہا ہے۔ جسے ایک دو نہیں ہزاروں اور سینکڑوں پھوہڑوں کو سلیقہ مند۔ لڑکیوں کو بیگم اور گھروں کو گلزار ارم بنا دیا۔ جس کا ہر مضمون کلیجہ کے پار ہوتا ہے اور جس نے طبقہ نسواں کی تمام ضرورتیں گھر بیٹھے پوری کر دیں۔ جو کبھی اُستانی کا کام دے رہا ہے کبھی مدرسہ کا کبھی ماں کا کبھی سہیلی کا کبھی شفیق بزرگ کا تو اب دیکھ لیجیے۔ عصمت وہ صرف عصمت ہی آج وہ پرچہ ہے جس نے خیالات جدیدہ کی بہت سیلاب کو روک کر موجودہ تہذیب کا منتخب اصول اور قدیم طہارت کی چمکدار ٹکٹ نسوانی دنیا میں اُڑا دی ہے یہ بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہو کر جن گھروں میں عصمت جا رہا ہے وہ شوہروں ساس بہوؤں بچوں اور نوکروں کے واسطے جنت ہیں عصمت رنگ برنگ کے پھولوں کا گلدستہ ہے حسن عمدہ تو نگر قصص و معلومات بہت کچھ ہے تاریخ ادب ہے مذہب ہے قیمت سالانہ تین روپیہ معہ محصول ڈاک

عکسی یازدہ سورہ شریف رنگین

یہ نادر بیش بہا یازدہ سورہ شریف جس میں سورہ یٰسین۔ الرحمٰن۔ واقعہ۔ ملک۔ مزمل۔ نبا۔ فجر۔ اخلاص۔ فلق اور ناس سورتیں شامل ہیں۔

بجمال رعنائی و زیبائی بذریعہ عکسی نہایت ہی عمدہ دبیز چکنے ولایتی کاغذ پر سبز۔ سیاہ۔ آسمانی۔ زرد مختلف رنگوں میں چھاپا گیا ہے۔ حاشیہ پر ایک انچ چوڑی خوشنما رنگین بیل چھپی ہوئی ہے جیبی سائز۔ ہدیہ مجلد حاشیہ ۱۲/ بغیر حاشیہ ۴/ (محصول ڈاک بذمہ خریدار)

ملنے کا پتہ: ایس ڈبلیو برادرس ۴۱۹ متصل مارکیٹ لاہور

زبانِ غیب کی پکار

دینی رجسٹر میں نام لکھوا دو

اب میں ہر مہینے ایک نئی کتاب لکھ دیتا ہوں بعض دفعہ مہینے میں دو کتابیں بھی ہو جاتی ہیں۔ ساری دنیا کاغذ کی گرانی کے سبب تصنیف و تالیف کو بند کر رہی ہے مگر مجھ پر خدا کا فضل ہے کہ وہ اچھے اور اعلےٰ کاغذ دیتا ہے مفید مضمون عطا فرماتا ہے اور اپنے بندے سے دین و ملت کی لگاتار خدمت لے رہا ہے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے اس عالمگیر قحط اور مفلسی کے زمانہ میں اپنے بندوں کو ہمت دی ہے کہ وہ میری ہر کتاب کو خرید لیتے ہیں۔ اور مجھکو دیگر مصنفین کی طرح ناقدری کی شکایت پیدا نہیں ہوتی۔ کتابیں کثیر تعداد میں چھپتی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ بک کر ختم ہو جاتی ہیں۔ ضرورت صرف آگاہ کرنے کی ہوتی ہے مگر حلقۃ المشائخ کے کارکن اور اہل کار بار بار اشتہار دینے اور خریداروں کو نئی کتاب سے مطلع کرنے کی فرصت نہیں رکھتے۔ اور اُنکو اسمیں بہت دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ لہٰذا اُنکی خواہش سے میں دینی فداکاروں کو پکارتا ہوں کہ وہ اپنا نام دینی رجسٹر میں اس اجازت کے ساتھ لکھوا دیں کہ آئندہ جو کتاب حسن نظامی تصنیف کرے وہ بے اطلاع اُنکے پاس بذریعہ وی پی بھیجدی جائے۔ ابتک ایسے مستقل خریداروں سے صرف محصول کی رعایت کی جاتی تھی مگر آج سے **ایک روپیہ میں دو آنے** کمیشن کے بھی دیئے جائینگے اور محصول ڈاک بھی اُن سے نہ لیا جائیگا۔ اسکی اطلاع اپنے سب دوستوں کو دیدیجئے اور آپ بھی فوراً ایک کارڈ کارکن حلقۃ المشائخ دہلی کے نام بھیجدیجئے تاکہ آپکا نام مستقل خریداروں میں درج کر دیا جائے اور ہر تازہ کتاب گھر بیٹھے آپکو پہنچ جایا کرے۔ اس سے مطمئن رہیئے میری کتابوں کی لکھائی چھپائی بھی اچھی کرائی جاتی ہے اور کاغذ بھی عمدہ لگایا جاتا ہے۔ عام اخباروں اور رسالوں کی طرح میرے ہاں برے کاغذ کا آجتک استعمال نہیں ہوا نہ خدا نے چاہا آئندہ ہوگا اور قیمت بھی اصلی لاگت اور عملہ کے خرچ کے موافق رکھی جاتی ہے زیادہ نفع نہیں لیا جاتا۔ بس آپ اس سے بے فکر ہو کر اللہ خدا کا نام لیکر جلدی سے مستقل خریدار بنجائیے۔ ہر مہینے ایک کتاب یا دو کتابیں آپ کو پہنچتی رہیں گی۔ مجھے اپنے دوستوں، مریدوں، اور علمی دینی قدردانوں سے توقع ہے کہ وہ اس تحریر پر فوراً توجہ کرینگے اور تصوف اسلامی لٹریچر کے فروغ دینے میں میری مدد جی کھولکر ہوگی۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

دعاگو حسن نظامی

دنیا کی آبادی میں چوتھائی حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۳

جلد ۱ نمبر ۲

رمضان ۱۳۳۵ھ

قسم دوم

قسم دوم

نظام المشائخ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روحانی سالکوں اور مسکینوں کا ماہوار پیام

مذہب اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ

جو سیدی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب خواجہ زادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک عہ ششماہی عہ

مقام اشاعت دار السلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

آجکل

نظام المشائخ دو ہزار

کل [illegible] اشاعت میں ترقی ہے مشتہرین حضرات اپنے اشتہار بھیج کر فائدہ اٹھائیں

نرخنامہ

مقدار	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
¼ صفحہ	عہ	۶/	للعہ	۱۲/
نصف صفحہ	۶/	صہ/	لو	صہ
پورا صفحہ	للو/	عہ	صہ	سعہ

نظام المشائخ کے قواعد وضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو جو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا یوم عرس ہے شائع ہوتا ہے مضامین اسمیں ہیں اخلاقی اصلاحی مگر سب صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں تحریروں میں انشاپردازی اور دیگر دلچسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر رسالہ ۶ یا ۷ تاریخ تک نہ پہنچے تو دیر سویر کا خیال کرکے دس بارہ تاریخ تک انتظار کیجئے۔ اسکے بعد فوراً اطلاع دینی چاہیے کیونکہ زیادہ زمانہ گزرنے پر شاید پرچہ ختم ہو جائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو براہ عنایت چوتھی ماہ حالی سے پہلے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں ورنہ پرچہ نہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاک خانہ کو کردینی کافی ہے (۴) خط وکتابت میں اپنا نام وپتہ نہایت صاف وخوشخط لکھیے اور خریداری کا نمبر ضرور بتائیے۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

کرشن بیتی تیار ہوگئی!

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب جس کتاب کی تصنیف میں دو سال سے مصروف تھے
مسلسل محنت اور مطالعہ کتب سے جسکو لکھا جا رہا تھا اُسکا نام "کرشن بیتی" ہے یہی وہ کتاب ہے
جسکی یاد میں ایک سال سے ہندو مسلمان علم کے شوقین بیتاب تھے۔ آخر وہ چھپ کر تیار
ہوگئی۔ اور اُردو زبان میں مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں کے لیئے ایک شاندار علمی یادگار
کا اضافہ ہوگیا۔

واقعات سب ہندوؤں کی معتبر کتابوں سے لیئے گئے ہیں طرز بیان نہایت
موثر اور دلکش ہے۔ غم کے بیانات پڑھ کر بے اختیار رونا آتا ہے۔ جنگ کے نظارے دیکھکر
بدن میں پھریریاں آنے لگتی ہیں۔ علمی شان ہے۔ ادبی آن ہے۔ دبیز اور اعلےٰ درجے کا غذ
پر اس مہنگے زمانہ میں چھپی ہے۔ عکسی تصاویر نہایت اہتمام سے شریک کی گئی ہیں اور
سنہری جلد بہت خوشنمائی سے بنوائی گئی ہے۔ اور قیمت صرف عما روپیہ رکھی ہے جلدی
منگائیے ورنہ پھر نہ ملے گی۔ محصول ذمہ خریدار۔

رہنمائے سیر دہلی

یہ بھی حضرت خواجہ حسن نظامی کی لکھی ہوئی نہایت اعلیٰ کتاب ہے۔ نئی اور پرانی دہلی کے حالات
[illegible] ہے گھر بیٹھے دہلی کی سیر کرا سکتی ہے۔ الفاظ کی تصویریں الگ ہیں۔ اور
[illegible] مات مشہورہ کے عکسی فوٹو بارہ سے قریب اوپر ہیں۔ اردو زبان میں ایسی کتاب
کوئی نہ تھی۔ بہت چکنے اور قیمتی کاغذ پر چھپی ہے بہت خوبصورت جلد بندھی ہے عمارات کی
تصویریں اعلیٰ درجے کے چکنے کاغذ پر ہیں اور قیمت صرف عہ۔ محصول علاوہ۔

کارکن حلقۃ المشائخ دہلی سے طلب کیجئے

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

یاران نظام المشائخ
توسیع اشاعت

ذیل میں ان حضرات کے اسمائے گرامی درج کئے جاتے ہیں جنہوں نے آخری مہینے میں خود خریدار بن کر یا دوسروں کو خریدار بنا کر نظام المشائخ کی مدد فرمائی (ایڈیٹر)

جناب ابو فضل کریم صاحب کمپ میران شاہ نے جناب ابو عبدالحمید صاحب اور سید میران شاہ کو خریدار بنایا اور جناب سید احمد صاحب پولیس سب انسپکٹر ڈاکخانہ نے جناب سید عباس علی صاحب انسپکٹر گولہ اجمیر شریف کو، اور جناب مولانا عبدالروف شاہ صاحب نظامی بندکی نے جناب ابو محمد نصر اللہ خانصاحب سگنلر وریا مئو کو، اور جناب ولی حسین صاحب بریا نواں نے جناب سید شاہ محمد ظفر صاحب موضع پورہ میاں کو، اور جناب محمد شفیع صاحب اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر اجمیر نے جناب شہزادہ بہار الدین صاحب کو خریدار بنایا اور جناب حبیب الدین صاحب نادر گاؤں نے جناب عبدالغفور صاحب سید پور کو، جناب منشی محب اللہ خانصاحب سرانوالی نے جناب شیخ چراغ دین صاحب محرر چوکی سرانوالی کو، جناب منشی فضل کریم صاحب میران شاہ نے جناب ابو محمد اکرم خانصاحب قلعہ ٹیک کو، جناب مولانا عبدالرزاق صاحب محوی مقام سنڈیسی نے جناب اقبال حسن صاحب سرکل انسپکٹر پولیس رائے پور کو، جناب مولوی احمد شریف صاحب نے جناب مولوی سید نورالوحید صاحب حیدرآباد دکن کو، اور جناب عبدالسلام صاحب نے جناب امیر خانصاحب منگے خانصاحب بڑگاؤں کو، جناب مولوی محمود علی خانصاحب نظامی حیدرآباد دکن نے جناب مولوی محمد علیم الدین احمد صاحب حیدرآباد دکن کو، جناب امیر جنگ خانصاحب نے جناب محمد ایوب خان محمد ابراہیم صاحبان کو

جناب محمد کفایت اللہ صاحب قریشی بذیرہ نے جناب منشی رحیم خانصاحب صدر مدرس اردو سکول بذیرہ
جناب منشی محمد اکرام حسین صاحب صدیقی سنگاریڈی نے جناب منشی سعد اللہ صاحب متعلقہ
میدک کو، جناب ماسٹر محمد حمزہ خانصاحب مقیم اکولہ نے جناب امام الدین صاحب پنشن امام مسجد پولیس لین
اکولہ کو، و جناب محمد حیات خاں و محمد گلاب صاحب گاڑے گاؤں کو، جناب منشی محمد نصیر خانصاحب
سب انسپکٹر پولس اولڈن نے جناب منشی ارشد علی خانصاحب سب انسپکٹر پولیس کیٹرہ کو
جناب عبد العزیز خانصاحب انسپکٹر پولس جونپور نے جناب مرزا وحید بیگ صاحب اسسٹنٹ سب انسپکٹر
ریلوے پولس جونپور کو، جناب محمد اکرام حسین صاحب صدیقی سنگاریڈی نے جناب محمد اعظم
صاحب سلوتری سنگم پلی کو، جناب مولوی محمد اسمعیل صاحب کسٹم انسپکٹر مقام ڈیڈچ
سندھ نے جناب مولوی محمد وارث صاحب سب انسپکٹر پولس ڈیلو کو، جناب مولوی محمد
جعفر علی صاحب منتظم پولس تعلقہ بازی نے جناب مولوی دین محمد صاحب صدر مدرس قصبہ
کردلی کو۔ جناب مولوی احمد نور الاصفیا صاحب سہروردی نمکنڈہ نے جناب مولوی سید
صلابت علی صاحب صیغہ دار نمکنڈہ کو،

جو خود خریدار ہوے وہ یہ ہیں

جناب مستری کرم الہی صاحب بابر کچھ (بلوچستان)، جناب نواب علی خانصاحب گرداور
قانون گوے پسر، جناب شیخ رحیم بخش شیخ امیر صاحبان رائے پور۔ جناب شیخ عبد الغفور صاحب سوداگر
اکبر پور، جناب مولوی محمد عبد الرحمن صاحب کرنول جناب عبد الکریم صاحب ڈاکخانہ گروٹ،
جناب فضل الدین صاحب باتری نمبر ۳ راولپنڈی، جناب سید علی محمد صاحب علوی نرسنگدہ
جناب ڈرل نایک احمد حسین صاحب خیریت آباد۔ جناب محمد میاں غلام حسین صاحب کاغذی
احمد آباد، جناب مرزا محمد علی بیگ صاحب اسیری ضلع چاندہ۔ جناب منشی محمد عبد الحکیم صاحب
عثمان آباد۔ جناب بابو عبد المجید صاحب منڈی ڈبوالی۔ جناب سید عبد الحکیم صاحب

مالگزار موضع پیپل گاؤں جناب عبدالعزیز خانصاحب چک نمبر ۲۴ جنوبی جناب منشی یوسف
صاحب ولد محمد صاحب اردو سکول جگو بارہ ضلع گجرات جناب اظہار حسین صاحب ڈاکخانہ رودراگر
ضلع بیربھوم، جناب عبدالحبیب صاحب مونگیر۔ جناب شیخ امین احمد اللہ صاحب مونگیر، جناب
شاہ دین صاحب طالب علم بھیریال جناب مرزا مظفر علی بیگ صاحب بھرت پور، جناب دیوان
محمد داؤد خانصاحب سب انسپکٹر گڑھ۔ جناب عطاء الٰہی صاحب چشتی نوشکی۔ جناب منشی
شاہ احمد صاحب جے پور، جناب محمد شفیع صاحب سیالکوٹ۔ جناب جی احمد حبیب الرحمن
صاحب چترپور، جناب محمد عبداللہ بادشاہ صاحب سوداگر اوانی گڑھ، جناب منشی محمد الدین
صاحب تجلی دہلی، جناب حاجی محمد اسحٰق حاجی آدم صاحب سکندرآباد دکن۔ جناب محمد حسین
صاحب بنگالہ، جناب مرزا محمد حنیف صاحب موضع کوچی لوٹ، جناب ڈاکٹر یوسف علی
خانصاحب جون پور، جناب قمر زمان علی صاحب بیلامو، جناب مرزا نیاز بیگ صاحب ستارہ
جناب شیخ محمد بخش صاحب سدپڑ، جناب نادر [illegible] الدین صاحب منشی [illegible] مدراس۔ جناب
[illegible] صاحب حیدرآباد دکن، جناب سید محمود صاحب حیدرآباد دکن۔ جناب کے امین
نورالدین صاحب ڈاکخانہ سہارنپور۔ جناب محمد عبداللہ خانصاحب ہاشمی بامپور۔ جناب
سید اکرام اللہ صاحب [illegible] جامع مسجد [illegible] پور۔ جناب محمد ابوبکر صاحب بمبئی
جناب قادر [illegible] صاحب [illegible]۔ جناب محمد حسن خانصاحب [illegible] تھانہ بیلیا
جناب [illegible] صاحب [illegible]، جناب مولوی سید حسین صاحب مہدوی
پانگودی، جناب حبیب الرحمن صاحب [illegible] آباد۔ جناب محمد [illegible] صاحب ہردوئی ضلع گنج آباد
جناب سید اولاد حسین صاحب [illegible] بھوپال جناب مولوی محمد ضیاء الدین صاحب مونگیر
جناب [illegible] محمد جلیل صاحب جلیس قریشی [illegible] دہلی۔ جناب ڈاکٹر عماد الحسن صاحب
بھوپال جناب [illegible] علی صاحب [illegible] بھوپال جناب بابو ہدایت حسین صاحب بمبئی
جناب میر محمد صاحب [illegible]۔ جناب شیخ محمد ابراہیم صاحب ملکاپور، جناب شیخ ذکریا

ابراہیم صاحب سوداگر ریشم وست المبئی، جناب عبدالوحید صاحب لاہور، جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب وکیل قصبہ اذول دکن، جناب حاجی خیرات حسین صاحب موتیع ... جناب سید محمود صاحب اوتیر حیدرآباد دکن، جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب متولی مسجد میدان سکندرآباد دکن، جناب ڈاکٹر سید ... صاحب ... جناب شوق محی الدین صاحب چھاونی میرٹھ،

چہیتری لیعت فنڈ گرانی کاغذ کا مقابلہ

الحمد للہ میری تحریک کو ناظرین نظام المشائخ نے قبول کیا اور کئی حضرات نے آٹھ آنے سے زیادہ قیمتیں بھی بھیجیں مثلاً منشی عبدالرشید صاحب کانپور، جناب شیخ عارف علی صاحب لکھنؤ، قاضی فضل احمد صاحب ... دو روپے آٹھ آنے دینے والوں کے نام یہ ہیں

جناب بشیر احمد صاحب ...
جناب ... صاحب ...
جناب سید شجاعت حسین صاحب ...
جناب ... صاحب قصبہ گڈبی بہلو
جناب محمد غوث صاحب لالہ گوڑہ دکن
جناب مولانا مولوی ابو اسرائیل صاحب بمبئی
جناب محمد اسمٰعیل شریف صاحب میسور
جناب عبدالحی خاں صاحب گوشتی پتربانگر
جناب نور محمد صاحب ... دیوان
جناب ... صاحب ... کہرہ
جناب محمد ... الدین صاحب ... پورہ
جناب حافظ محمد ولد ... صاحب ...
جناب عبداللہ ... صاحب بنگلور
جناب حافظ حیات احمد صاحب ...
جناب حاجی یونس ... الشکور صاحب بمبئی
جناب مولوی ... خان محمد صاحب ...

باقی حضرات کو بھی جلد توجہ فرمانا چاہیے تاکہ یہ جنگ کا زمانہ آسانی سے گذر جائے اور اس کے سبب سے جو کاغذ وغیرہ روز بروز مہنگا ہوتا چلا جاتا ہے اس کا اثر نظام المشائخ پر نہ پڑے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

جواہر ریزے

بنائے اپنی حکمت سے زمین و آسماں تو نے — دکھائے اپنی قدرت کے ہمیں کیا کیا نشاں تو نے
تری صنعت کے سانچے میں ڈھلا ہے پیکر ہستی — سمویا اپنے ہاتھوں سے مزاج جسم و جاں تو نے
نہیں موقوف خلاقی تری اس ایک دنیا پر — کیے ہیں ایسے ایسے سیکڑوں پیدا جہاں تو نے
ترے ادراک میں ہے عقل حیراں اور سرگرداں — ہیں حکمت میں فقط لا بحث کردہ وہم و گماں تو نے

بہار عارض گل سے لگا کر آگ گلشن میں — طیور صبح خواں کو کر دیا آتش بجاں تو نے
جوانی میں جسے بخشی دل آرائی و رعنائی — بڑھاپے میں اسی عارض پہ ڈالیں جھریاں تو نے
کسی کو تا کہ اپنی سربلندی پر نہ ہو غرہ — ازل سے کی نگوں ساری نصیب آسماں تو نے

دلوں کو معرفت کے نور سے تو نے کیا روشن
دکھایا بے نشاں ہو کر ہمیں اپنا نشاں تو نے

نہ ہوتی گر خودی ہم میں تو جو تو تھا وہی ہم تھے
یہ پردہ کس لیے ڈالا ہے یارب درمیاں تو نے

بلا طاعت بھی ہم بندے ترے تھے پھر پرستش کی
ہمارے پاؤں میں کیوں ڈال دی ہیں بیڑیاں تو نے

کشائش عقدۂ زلف چلیپا کی جو مشکل تھی
لیا کیوں دل سے پھر اس درس کا امتحاں تو نے

ہم اب سمجھے کہ شاہنشاہِ ملکِ لامکاں تو ہے
بنایا اک بشر کو سرورِ کون و مکاں تو نے

محمد مصطفےٰ کی رحمۃ للعالمینی سے
بڑھائی یارب اپنے لطف اور احساں کی شاں تو نے

نمک پروردہ تیرے کرم کی ہیں لغزشیں میری
گنہ بخشے ہیں میرے ہو کے اکثر مہرباں تو نے

حرم اور دیر میں بازار تیرا گرم رہتا ہے
ہر اک بستی میں کر رکھی ہے قائم اک دکاں تو نے

چلے ہم نقدِ عصیاں لے کے آمرزش کے سودے کو
کہ نرخ اس جنس کا کچھ بھی نہیں رکھا گراں تو نے

اثر تیری عطاؤں پر نہیں پڑتا خطاؤں کا
جسے پیدا کیا اس کو دیا ہے آب و ناں تو نے

دیا اپنے کرم سے ریزہ مورِ ناتواں کو بھی
لگائے گر سلیماں کے لئے نعمت کے خواں تو نے

ترے دربار سے مجھ کو بھی انعام کیا کم ہے
کیا اپنی ستائش میں مجھے رطب اللساں تو نے

مئے لاتقنطوا کے نشہ میں سرشار رہتا ہوں
سیہ مستوں کو بخشی ہے حیاتِ جاوداں تو نے

(ستارۂ صبح) ظفر علی خاں

ماہ صیام

مختلف مذاہب کی زنجیر کی کڑیاں کہیں نہ کہیں جاکر ایک دوسری سے مل جاتی ہیں کیونکہ اُن کی اصل ایک ہی ہے۔ اور بہ مصداق تعالوا الیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم ایک ہی سرچشمہ سے وہ نکلے ہیں۔ اس واسطے بعض باتوں میں ان کی آج بھی بہت کچھ یکسانیت نظر آتی ہے۔ جس طرح مختلف السنہ کے بعض الفاظ سے زبانوں کے اتحاد اور اتصال کا پتہ چل جاتا ہے۔ اسی طرح بعض باتوں سے مذاہب کے اتصال اور اتحاد کا بھی پتہ نکلتا ہے +

اگر اہل مذاہب بجائے بحثوں اور مناقشوں کے زیادہ تر تطبیق مذاہب کی جانب توجہ کرتے تو شاید اب تک اکثر مذاہب کی اکثر باتیں ایک ہی اصل کی فرع ثابت ہوتیں +

اسلام چونکہ سب مذاہب کے بعد میں آیا اس واسطے وہ اعلان کرتا ہے کہ لوگ تطبیق مذاہب کا فائدہ اٹھائیں +

جب خدائے قدیر کے اور قوانین میں مناسبت اور اتحاد ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مذاہب یا مذاہب کے بعض مسائل میں کوئی وحدت اور کوئی مناسبت نہ ہو۔ لوگ السنہ کی تحقیقات میں لگے رہنا ایک علمی مشغلہ جانتے ہیں۔ لیکن تطبیق مذاہب کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ تحقیقات السنہ سے مذاہب کی تحقیقات زیادہ تر افادت اور قیمت رکھتی ہے +

السنائی تحقیقات سے صرف ہماری لسانی سمجھ ہی نشو و نما پاتی ہے لیکن تطبیق مذاہب ہماری روحانیات اور دماغی ضروریات کی جلا ہوتی ہے۔ اور انسان اُن مراحل سے آشنا ہوتا ہے جو انسانی روحانیت قابل خیر مقدم ہیں +

ہر مذہب کسی نہ کسی طریقہ میں قوانین عبادت رکھتا ہے۔ جو مذہب قوانین عبادت

نہیں رکھتا وہ مذہب کے دائرے سے خارج ہے۔ مذہبی عبادت کا طریق رنگ اور شعائر ایک ہی قسم کے نہیں ہوتے۔

باوجود اس اختلاف کے بھی ہر عبادت عبادت ہوتی ہے۔ عبادات کی مندرجہ ذیل اقسام ہو سکتی ہیں۔

(الف) ضمیری اور دماغی عبادت۔

(ب) جسمانی عبادت

(ج) جسمانی اور روحانی عبادت۔

(د) مالی عبادت۔

یہ چاروں قسم کی عبادتیں عموماً مختلف مذاہب میں پائی جاتی ہیں۔ چاروں قسم کی عبادت کا راس الغرض خدائے قدیر کی ذات ہوتی ہے۔ جس عبادت کی یہ غایت نہیں وہ گویا عبادت ہی نہیں۔ عبادت کا شروع اسم خدائے قدیر سے ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں یہ چاروں قسم کی عبادات پائی جاتی ہیں۔ نماز جس طرح ایک ضمیری اور جسمانی عبادت ہے اسی طرح روزہ بھی ایک جسمانی اور ضمیری ودماغی عبادت ہے۔ اور اسلامی عبادات کے ارکان میں سے یہ بھی ایک ممتاز رکن ہے۔ اور یہ بھی تحت چند شرطوں کے ایک فریضہ ہے۔

(تاریخ صوم)

صوم اُس عہد سے شروع ہوا جب سے مذاہب کی بنیاد رکھی گئی۔ اور مذاہب اُسی وقت سے ہیں جب سے انسان ہیں۔ گویا صوم کی عمر انسان کی عمر کے برابر ہے۔ اور انسان اسے اپنے ساتھ ہی لایا ہے یا مذہب کے ساتھ ہی انسان اسکا بھی پابند ہوا ہے۔

(ہر مذہب میں روزہ)

جہاں جہاں مذہب گیا وہاں مختلف رنگوں اور مختلف قیود اور شرطوں کے تحت

روزہ بھی گیا۔ جیسے جیسے مذہب کا رنگ تھا اُسی رنگ میں روزہ بھی اثر پذیر ہوتا گیا۔ کوئی مذہب اِس سے خالی نہ رہا اور کسی مذہب کے پرستار اِس سے ناآشنا نہ رہے۔ موجودہ زمانہ میں جسقدر مذاہب پائے جاتے ہیں۔ اُن سب میں مختلف رنگوں کے پیرایہ میں روزہ کی ہستی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ قیود و شرائط روزہ میں مقابلتاً گونہ فرق ہوتا ہے مگر نفس صوم میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ہندوؤں میں بھی روزہ (بنام برت) کہا جاتا ہے۔ یہود اور عیسائیوں میں بھی اسکا ذکر موجود ہے۔ پارسی اور بدھ دہرم میں بھی اسکے نشان ملتے ہیں جو نسلیں اور جو قومیں تمدن ہی کے اعتبار سے نہیں بلکہ مذہبی اعتبار سے بھی سلسلۂ مذاہب مشہورہ سے کسی حد تک دور ہیں۔ اُن میں بھی روزہ کا پتہ ملتا ہے۔

(روزہ حکیموں میں)

فلاسفروں اور حکیموں کے زمرہ میں بھی روزہ پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اُسکی تعریف اور غرض تعریف اور غرض مذہب سے مغایر ہو مگر پایا ضرور جاتا ہے۔ بڑے بڑے حکیموں اور فلاسفروں کے واقعات زندگی سے پتہ لگتا ہے کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ دماغ کی خاطر وہ اپنی عمر کے حصوں میں بعض اوقات وہی طریق عمل رکھتے تھے جو بایام صیام ایک روزہ دار رکھتا ہے۔ تقلیل غذا تموّج خیالات کی جہت سے اکثر حکیم اور فلاسفر وہی روش اختیار کرتے رہے ہیں جو روزہ کی ایک ممتاز صورت ہے۔

(روزہ اور اطبّاء)

طبیبوں میں بھی ایک ایسا طریقہ مروج رہا ہے اور اب تک ہے کہ وہ تزکیہ اخلاط کے واسطے مریضوں کو تقلیل غذا کا خوگر کرتے ہیں۔ اور بعض امراض میں خصوصیت سے اسکی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اکثر حاذق اطبار کا یہ قول ہے کہ تھوڑے کھانے سے انسان کی قوتیں اور انسان کے جذبات کا تزکیہ متصور ہے۔ اور اس سے اُسکی ذہنی طاقتیں

زیادہ تر صاف اور روشن ہوتی ہیں +

(فقرائے دہر)

فقیر کسی دہرم اور کسی مذہب کے ہوں۔ ان میں بھی روزہ پایا جاتا ہے اور وہ بھی خود کو کھانے پینے سے ایک وقت تک بند رکھتے ہیں۔ باعتبار ضروریات فقر ایک ضمیری اور دماغی امتیاز کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ اور اُن کی بڑی قیمتی تعلیم یہ ہوتی ہے کہ اور امور زہد کے ساتھ تقلیل غذا بھی ایک لازمی مرحلہ ہے +

(ایک مشترکہ رائے اور ایک مشترکہ غرض)

تمام فرقوں کے ایسے خیالات یا ایسے طریقوں سے دو باتیں ثابت ہیں یعنی (الف) کسی نہ کسی رنگ میں سب لوگوں اور سب فرقوں کے نزدیک روزہ کی ضرورت ہے +
(ب) روزہ کی غرض تزکیۂ خیالات ۔ تزکیۂ ذہن ۔ تزکیۂ دماغ ۔ تزکیۂ ضمیر ۔ تزکیۂ روح اور تزکیۂ بدن اور قوائے بدن ہے۔ اور یہ ایک ضروری بات ہے +

ان مشترکہ آرائے اور مشترکہ خیالات سے یہ ثابت ہے کہ کسی نہ کسی رنگ میں انسان کے واسطے روزہ ضروری ہے۔ اور وہ روحانی اور جسمانی رنگ میں اُسکے واسطے مفید ہے +

(مختلف اعتبارات سے روزہ کی تعبیر)

ہر ایک ماحول اور ہر ایک کرہ میں روزہ مختلف تعبیر پاتا ہے۔ جب مذاہب کی رُو سے وجود پذیر ہوتا ہے تو اسکا نام روزہ ہوتا ہے۔ جب فلاسفروں اور حکیموں کی جماعت سے وابستہ ہوتا ہے تو اسکا نام تزکیۂ قوائے نفسانی رکھتے ہیں۔ جب ڈاکٹروں اور اطباء کے سلسلہ سے نسبت رکھتا ہے تو اُس کا نام پرہیز ہوتا ہے۔ اور جب حلقۂ فقرا سے تعلق رکھتا ہے تو اُس کا نام نفس کُشی یا تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔ اگرچہ ان سب اعتبارات کی صورت میں اغراض مختلف کا پتہ چلتا ہے مگر تزکیہ کی غرض سب جماعتوں میں مشترکہ اور مقدم ہے۔

(روزہ کی کیفیت بلحاظ طریق عمل)

روزہ کی مختلف اقسام ہیں۔ اور طریق عمل بھی مختلف۔ بعض قومیں کچھ اور طریق عمل رکھتی ہیں۔ اور بعض کچھ اور۔ مثلاً

(۱) صوم تنفس

وہ روزہ جس میں فقیر خصوص فقرائے اہل ہنود سانس اور تنفس کم لیتے اور ضبط پر زور دیتے ہیں۔ اور یہ مشق کرتے ہیں کہ بالکل نفس کا سلسلہ بند کرکے سانس دماغ میں چڑھایا جاوے۔

(۲) صوم الکلام

یہ وہ روزہ ہے۔ جس میں روزہ دار بہت کم بولتا اور بہت کم مخاطب ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں کہا گیا ہے ع

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نے آید

(۳) صوم العذرا یا صوم المریم

اس روزے میں یہ نیت کی جاتی ہے کہ رات سے لیکر غروب آفتاب تک کسی سے بات چیت نہ کی جاوے۔

(۴) برت

ہندوؤں میں برت کی کئی ایک اقسام ہیں۔ بعض میں روٹی نہیں کھائی جاتی۔ بعض میں ایک خاص قسم کا اناج کھایا جاتا ہے۔ مثلاً چینا۔ اور کنگنی۔ بعض میں پانی نہیں پیا جاتا بعض میں صرف سبزیات ہی کھائی جا سکتی ہیں۔ بعض میں سارا دن کچھ نہیں کھایا جاتا اور بعض میں نصف روزہ۔

(۵) صوم الصمم

یہ ایک خاص قسم کا روزہ ہے۔ اس میں ایک انسان بغیر خیال کسی مذہبی نقطہ کے سنو گنید

کھا لیتا ہے کہ میں عمر بھر یہ شئے نہیں کھاؤں گا۔ یہ کام نہیں کروں گا۔ فلاں شخص سے کوئی راہ ورسم نہیں رکھونگا اگرچہ اسکی نظیریں کثرت سے نہیں ملتی ہیں مگر ملتی ضرور ہیں +

اسلامی روزہ

جس طرح اسلامی عبادت کا طریق یا اسلامی نماز سب عبادات کا جامع اور سب عبادات کو محتوی ہے اسی طرح اسلامی روزہ بھی سب اقسام صوم کو محتوی اور اُن سب کا جامع ہے۔ اسمیں تزکیہ نفس بھی ہے اور تزکیہ روح بھی۔ تزکیہ خیالات بھی۔ اور تزکیہ قوائے بھی تزکیہ ابدان بھی اور تزکیہ اجسام بھی۔ آزمایش بھی اور مشق بھی +

اِس بحث کی اب ضرورت نہیں کہ روزہ کی ضرورت کیا ہے۔ کیونکہ جب مذاہب اور کل دیگر سلسلوں میں بھی اپنے اپنے رنگ میں اِسکی ہستی اور اسکی ضرورت کا اعتراف کیا گیا ہے تو یہ بحث بجائے خود طے شدہ ہوگی +

خصوصیات صوم اسلامیہ

اب دیکھنا یہ ہے کہ صوم اسلامیہ کی خصوصیات کیا ہیں اور کیوں مسلمانوں پر یہ فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور کیوں یہ بھی شعائر اسلامی کا ایک جزو بتایا گیا ہے +

(۱) روزہ دین ابراہیم کی ایک خاص علامت تھی اور اسلام دین ابراہیمی یا ملت ابراہیمی کا ایک دوسرا عکس ہے +

(۲) اسلام کل ادیان دنیا کا ایک جامع اور ایک آخری مذہب ہے۔ ہر مذہب میں روزہ کی ہستی مانی گئی ہے۔ ایک جامع مذہب میں بھی اُسکا ہونا لازمی تھا +

[illegible] ان سب کا [illegible] کے سیام [illegible] یا مرعی ہیں +

(۳) صوم اسلامی بدن اور روح دونوں کا مزکی ہے +

(۵) صوم اسلامی اُن شرطوں اور قیود کے تحت رکھا گیا ہے جو شرائط دیگر مذاہب کے صیام کا خلاصہ اور جامع ہیں۔ اور فی نفسہ اُن میں باعتبار بدنی اور روحانی افادت کے ایک جامعیت اور ایک خوبی ہے۔

(اسلامی روزہ کی فلاسفی)

روزہ کی فلسفی تو وہی ہے جو عموماً ہر ایک مذہب اور ہر ایک دیگر سلسلہ میں تسلیم کی گئی ہے۔ اسلامی روزہ کی فلسفی اُس عام فلسفی کے تحت بالخصوص یہ ہے:

(۱) حکم خدائے قدیر کی تعمیل۔

(۲) اسوہ حسنہ رسول صلعم کی تعمیل۔

(۳) سال بھر میں ایک مہینہ روحانی اور بدنی زکوٰۃ۔

(۴) تزکیہ قوائے اور تزکیہ خیالات۔

(۵) خیالی اور بدنی مشق۔

(۶) گرسنگی اور پیاس کی شدت اور اثر کا اپنی ذات پر امتحان اور اُس سے دوسرے ابنائے جنس کی ایسی تکالیف کا احساس۔

(۷) بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ خود کو بدنی اور روحانی رنگ میں ایک مخصوص صحبت کے تحت چند شرطوں اور قیود کے رکھنا۔

(۸) یہ پیرایہ مذہبی ایک مہینہ تک بشرط قوت اور عدم مانع خود کو قوانین اطبار اور شرائط فقرائے فخر عالم کا پابند رکھنا۔

(۹) خود کو امتحان۔ تکلیف اور صبر کے قابل اور فٹ ثابت کرنا۔ یہ وہ ضروریات ہیں جو ہر انسان کو اپنی زندگی میں پیش آتی ہیں۔ اور جن پر بعض اوقات [illegible] کا بہت کچھ دارومدار بھی ہوتا ہے۔ جو شخص چند گھنٹے کھانا اور پینا نہیں چھوڑ سکتا جو شخص ایک بات پر صبر نہیں کر سکتا اور جسکے جذبات بالکل قابو میں نہیں آ سکتے [illegible]

زندگی کی تکالیف پر کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور کس طرح دامن صبر ہاتھ میں رکھ سکتا ہے +

(ثواب اور روزہ)

ان باتوں کو یا ان میں سے بعض باتیں مان کر بھی بعض وقت دل میں یہ خیالی خدشہ افزا ہوتا ہے کہ بایں حالات روزہ رکھنے کا ثواب کیا یا کیونکر ہو سکتا ہے +

یہ خدشہ اس واسطے پیدا ہوتا اور موجب خلجان ہوتا ہے کہ ہمیں ثواب کی فلسفی سے ناواقفیت ہے۔ ثواب وہی ہے جسے دوسرے الفاظ اور دوسرے سلسلوں میں مفید۔ صحت بخش۔ موجب فرحت اور باعث نفع کہا جاتا ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ روزہ رکھنا ثواب ہے تو اس کا منشاء یہ ہوگا کہ وہ ایک مفید صحت بخش اور نافع عمل ہے جب صرف بدن کے مقابلے میں کوئی افادت کوئی نفع مراد لیا جاتا ہے تو اسے ایک بدنی یا دنیوی فائدہ کہا جاتا ہے اور جب روحانی رنگ میں وہ تعبیر پاتا ہے تو اُسے ثواب کہتے ہیں +

اگر روزہ سے کوئی بدنی فائدہ ہوتا ہے تو وہ ایک نفع ہے اور اگر روحانی رنگ میں اس سے کوئی فائدہ مراد ہے تو وہ ایک ثواب ہوگا۔ ثواب اور فائدہ وہی ہے جس سے انسان کسی نہ کسی رنگ میں مستفید ہو۔ اگر ہم خدائے قدیر اور اُس کے سلسلہ روحانی کو مانتے ہیں تو پھر ثواب روحانی کا بھی ماننا لازم ہوگا۔ کم سے کم اتباع احکام کا تو ثواب کہیں گیا ہی نہیں +

(خدا ایسا حکم کیوں دیتا ہے؟)

اگر خدا ہے اور ہم اس کی مخلوق ہیں تو اُسے کوئی نہ کوئی حکم دینا ہی پڑے گا ہم دوسری طرف اپنے ایک ابنائے جنس کے احکام کے مقابلے میں تو دم نہیں مارتے اور جب خدا حکم دیتا ہے تو یہ چون و چرا !

خدا نے ہماری فطرت میں ہی ایسے احکام کا سلسلہ رکھ دیا ہے۔ بالفاظ دیگر

ہماری فطرت ہی ایسا حکم دیتی ہے۔ کیا ہماری فطرت پرہیز اور ورع کا حکم نہیں دیتی؟ کیا وہ اسکی ضرورت پر روشنی نہیں ڈالتی؟ کیا انسان خود بخود ہی تزکیہ ترواسے کی ضرورت کا احساس نہیں کرتا۔ یہ روزہ اور ہے کیا۔

(تخصیص مہینہ)

اسلامی روزوں کے واسطے ایک مہینہ کی خصوصیت کیوں کی گئی؟ اس میں ایک بھید اور ایک فلسفی ہے۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ اسلام ہر ایک قسم کی عبادت کے متعلق ہمیشہ اوقات کی پابندی لازم کرتا ہے۔ اگرچہ کوئی عابد اور کوئی زاہد شب روز ہی عبادت اور زہد میں مشغول رہے۔ لیکن عبادات موکدہ وقت پر ہی فرض ہیں۔

اگر ایک طرف صلوٰۃ کے اوقات تھے تو صیام بھی موقت ہونے چاہئیں تھے چونکہ بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ رکھدیا گیا اور اس میں یہ سہولت رکھی کہ ایسا مہینہ قمری رنگ میں خاص کیا گیا یعنی باعتبار قمری دورکے جو مہینہ آوے۔ اُس میں روزے رکھے جاویں۔ اس کا نام ہی ماہ صیام یا ماہ رمضان رکھا گیا۔ اب وہ کبھی تو گرمیوں میں آتا ہے اور کبھی سردیوں میں۔ اگر شمسی مہینہ رکھتے تو رمضان ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا۔ مثلاً اگر جنوری رکھتے یا جولائی۔ تو ہمیشہ یا تو سردی میں آتا اور یا گرمی میں قمری دور کی وجہ سے بات اوسط میں جارہی۔

اگر مہینے کی تخصیص نہ کی جاتی تو دو ہی صورتیں تھیں:-

(الف) متفرق ایام ہوتے۔

(ب) ایک مہینے میں سے کچھ دن اور ایک مہینے میں سے کچھ دن۔

ان دونوں صورتوں میں وہ یک سوئی نہ رہتی جو اب ماہ رمضان میں پائی جاتی ہے یہ بھی ضروری تھا کہ ایام صیام کے بعد ایک قسم کی خوشی بھی کی جاوے۔ اس صورت میں گویا مستقل طور پر خوشی کا کوئی دن مقرر نہ ہو سکتا۔

انسان ہمیشہ تفریح اور کسی نہ کسی تہوار کا خواہاں رہتا ہے۔ اور تفریح اور تہوار وہی با عظمت اور موثر ثابت ہوتا ہے جو ایک وقت مقررہ کے بعد ایک جامعیت رکھتے ہوئے آوے۔ روز روز کی عید بھی کوئی خوشی نہ رکھتی ع

ہر روز عید نیست کہ حلوائے خورد کسے

جس طرح روز روز کی تولید بھی بار کنندہ ہو جاتی ہے۔ مسلمان گیارہ ماہ تک خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے نشو و نما پاتا ہے اور بارہویں مہینے اپنے جذبات اور اپنی قوتوں کا امتحان اور تزکیہ کرتا ہے۔ بارہ ماہ تک قوتیں اور جذبات مختلف رنگوں میں نشو و نما پاتے ہیں۔ اور بارہویں مہینے انہیں مڑ کر دیکھنا پڑتا ہے کہ ان کی کیفیت کیسی ہے اور ترقی کیا کچھ ہو گیا ہے۔ اگر کچھ عرصہ قوتوں اور جذبات کی بالیدگی ہوتی ہے تو ایک مہینہ تک ان کی بالیدگی اور ان کی نشو و نمائی کیفیت ایک امتحان میں بھی ڈالی جاتی ہے یا ڈالنی چاہیئے۔

(روزہ کی مشکلات)

اسلام ایسے مذہب [illegible] انسان کی کمزوریوں اور مشکلات پر نظر اور غور نہ کیا ہو۔ ایک ہی مختصر سے فقرے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا میں یکی تمام کمزوریوں اور مشکلات کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

اور لطف یہ کہ اس کا فیصلہ خود انسان کی اپنی ذات اور اس کی فطرت پر رکھ دیا گیا ہے۔ اگر ایک شخص درماندہ۔ کمزور۔ مریض اور مسافر ہے تو وہ خود ہی اپنے دل میں اس کا فیصلہ کر کے روزہ نہیں بھی رکھ سکتا۔ لیکن اسے جو ایسا اختیار دیا گیا ہے وہ اس صورت میں ناطق ہو سکتا ہے جب اس میں انسانی خود غرضی اور حیلہ طلبی اور بہانہ شامل نہ ہو اور وہ جان بوجھ کر خود کو خواہ مخواہ اس قابل نہ بنائے۔ اگر واقعی ایک شخص بوجہ کسی خاص معذوری و مجبوری کے روزہ نہیں رکھ سکتا اور ایک صداقت کے ساتھ

وہ خود کو مجبور پاتا ہے تو خدا اُسے تکلیف نہیں دیتا ۔

وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ صاف طور پر اُن لوگوں کو مستثنےٰ کرتا ہی جو مریض ہوں یا سفر میں ہوں۔ بفحوائے اَلدِّیْنُ یُسْرٌ ۔ شریعت حقہ نے صیام کے متعلق پوری پوری رعایات بخش رکھی ہیں۔ اگر ایک شخص ورع کے خیال سے سفر میں ہی روزہ رکھے تو یہ اُسکا اپنا خیال ہے ورنہ شریعت تو اُسپر جبر نہیں کرتی ۔

نہ صرف ابدانی بلکہ تمدنی اغراض کے تحت میں

بھی کھدیا گیا ہے۔ گویا اس حکم سے وہ قیود مسلمانوں سے رفع کردی گئی ہیں جو رہبانیت کے رنگ میں نسلی افزایش کی مانع تھیں۔ اور جن سے انسانی کائنات کی کمی متصور تھی۔

رمضان شریف بحیثیت ایک عظیم الشان یادگار کے بفحوائے

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۔

ماہ صیام ایک یادگار بھی ہے اور ایک ایسی یادگار جس پر اسلام اور ایمان کی بنیاد قائم ہے۔ اسلام کیا ہے؟ قرآن۔ اور قرآن کیا ہے؟ اسلام۔ چونکہ اس مبارک مہینے میں قرآن نازل ہوا اس واسطے باعتبار تقدس اس یادگار اور عظمت کے اس مہینے میں روزے بھی رکھے گئے اور یہ یادگار ایک ایسے رنگ میں منائی گئی جو روحانی اور ابدانی دونوں رنگوں میں ایک مذہبیت اور خصوصیت رکھتی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید بھی دونوں معادی اور معاشرتی رنگ رکھتا ہے ۔

قرآن مجید میں صیام کے متعلق صاف طور پر کہا گیا ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ۔ اس آیت کریمہ سے اُن تمام خدشات کا دفعیہ ہوجاتا ہے جو کبھی کبھی دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ یسر میں نہ صرف ایک قسم کی آسانی ہی شامل ہے بلکہ ایک قسم کی مسرت اور نفع بھی ہر روزہ دار کو روزہ رکھنے سے جو خوشی

ہوتی ہے اور خصوص جو افطار عید پر خوشی اور مسرت ہوتی ہے وہ ان ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو روزے رکھتے ہیں۔ اور قدرت جنہیں صرف ہر شام افطار ہی نہیں دکھاتی بلکہ افطار عید بھی دکھاتی ہے۔

(روزہ محض اخلاقی رنگ میں)

ہر نیکی اسی صورت میں نیکی ہو سکتی ہے یا نیکی کا پھل دے سکتی ہے جب اسکا استعمال صحیح اصول پر ہو محض رسمی رنگ میں کوئی نیکی اگرچہ ایک خوبی رکھ سکتی ہے لیکن جبتک عملی رنگ میں اس سے کوئی مستفید نہو اس وقت تک اسکی پوری کیفیت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ روزہ دار کو نہ صرف یہی حکم ہے کہ کھانے پینے سے صرف منہ ہی بند رکھے بلکہ یہ بھی کہ اپنے خیالات کا بھی تزکیہ کرے۔ زبان بھی قابو میں رکھے نظر بھی روکے ہر گوشہ میں دن بھر اسے نیکی اور بردباری ہی دکھائی دیتی ہو اور ہر صورت نیک ہی متصور ہو۔

اخلاق کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان اپنے جذبات پر قابو رکھ سکے اور نہیں ایک ضبط میں لا سکے۔ کیا روزہ دار خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ شریعت کے اتباع کی صورت میں روزہ کے رکھنے سے تمام قسم کے جذبات کا ضبط متصور ہے خود بخود جذبات اور قوتیں حیطہ ضبط میں آتی جاتی ہیں۔ اور انسان رفتہ رفتہ ان پر قابو پانے لگتا ہے جتنا بھی اندازہ کا ہوتا ہے۔ اور مسرت بھی اندازہ کی۔ وہ قوتیں اور وہ جذبات جو انسان کے دل و دماغ پر ایک قسم کا تموج اور تہیج پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان میں رفتہ رفتہ ایک قسم کی معتدل کیفیت آتی جاتی ہے۔ جس کا اثر بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ پر قابو یافتہ ہو جاتا ہے۔

بعض حاذق طبیب بھی بعض جذبات اور بعض اخلاط کے اعتدال پر لانے کے واسطے مریضوں یا بعض تندرستوں کو یہی ہدایت کرتے ہیں کہ غذا کم کھاؤ اور ورزش کرو تم جاگو کم یا سوؤ کم۔ یہ بھی دراصل ایک روزہ ہی ہوتا ہے۔ ایسے ہی

اعتدال جذبات کے واسطے ہی اخلاقاً اس قسم کی مشق کی ضرورت پڑتی ہے۔

(ایک تعجب)

جب ایک حکیم یا ایک ڈاکٹر حکم دیتا ہے کہ فلاں غذا کھاؤ اور فلاں نہ کھاؤ۔ اتنے گھنٹے فاقہ کرو تو ایک مریض اور اُسکے وارث خوشی خوشی اُسکا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن جب خدا اور اُسکا محترم عظیم الشان نبیؐ بارہ ماہ میں سے ایک مہینے کے واسطے چند شرائط ایسا حکم دیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ ایسا کیوں حکم دیا گیا اور اس کا فائدہ ہی کیا ہے۔ گویا بالفاظ دیگر ایک قانون مان کر بھی اُسکی تحقیر کی جاتی ہے۔ اور ایک ڈاکٹر کے حکم کے مطابق بھی اسکی قیمت نہیں ڈالی جاتی۔

کیا اُن لوگوں کے واسطے جو ایک مذہب اور ایک مذہب کا قانون تسلیم کرتے ہیں ایسا رویہ مناسب اور قرین صواب ہے؟ قاصر رہنا ایک دوسرا مرحلہ ہے اور انکار ایک اور صورت۔ شریعت کے نقطہ خیال سے زیادہ تر قصور انکار اور مقابلہ کی صورت میں ہے۔

عید رمضان کیا ہے؟

جب ایک مسلمان ایام صیام سے بہ خیر و عافیت گزر جاتا ہے اور یہ سفر ختم کر چکتا ہے تو اُسکے انجام پر ایک ایسا دن آتا ہے۔ جس میں اس شکرگزاری میں کہ یہ مہم سالانہ بھی ختم ہوئی مسلمان آپس میں جمع ہو کر سب سے اول اپنے خدا کی تقدیس کے لئے مقدس سر بسجود کرتے ہیں۔ اور پھر ایک دوسرے سے ملکر باہم اخوت دکھلاتے ہیں۔ گو چونکہ مسلمانوں کی شوریٰ طرح اب ان قومی تہواروں میں وہ عزت وہ احترام نہیں رکھتی جو پہلی تھا۔ مگر پھر بھی یہ مقدس دن اپنے ساتھ صدہا

خوشیاں بھی لاتا ہے۔ اور ایک مورخانہ پہلو سے یہ دن بھی اہل اسلام کیواسطے ایک مسرت رکھتا ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو اس دن کی برکات سے مستفیض کرے اور ہم اور کچھ نہیں تو سال بھر کے بعد تو نشۂ اخوت سے سرشار ہوکر مسرور و مبتہج ہو لیا کریں ؎

بارہا ہم اندر ذلت وادبار داردبسرؔ
تشنگان دہر را یک قطرہ دارد قیمتے

سلطان احمد۔ از جہلم

شام زندگی کی نسبت

رسالہ تمدن لکھنو کی رائے

یہ کتاب جناب مولانا راشد الخیری کے زور قلم سے نکلی ہے مولانا کے طرز تحریر سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ کی تحریر کو دیکھکر سنگدل سے سنگدل شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ ہندوستان میں ٹریجیڈی کے بادشاہ ہیں۔ رنج والم کے مناظر دکھانے میں جو آپکو ید طولے حاصل ہے اسکو دیکھتے ہوئے آپ کو اس رنگ کا واحد نقاش کہنا قطعی مبالغہ نہیں ہے۔ شام زندگی کا ہر ا حصہ اس دعوے کی تائید کرتا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کتاب "صبح زندگی" مخزن پریس نے شائع کی تھی۔ اب جناب احمدی صاحب نے "شام زندگی" شائع کرکے اردو دنیا پر احسان کیا ہے۔ "شام زندگی" بلحاظ حقیقت کے ایک نادر کتاب ہونے کے علاوہ دلکش اور عورتوں کے لیے دلچسپ معلومات اور نصائح کا مجموعہ ہے۔ کتاب کی لکھائی چھپائی [illegible]

[illegible]

منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجئے

صیام رمضان اور فدیہ

قرآن شریف کے ماننے والوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ماہ رمضان کے روزے ایسے ہی فرض ہیں جیسے نماز۔ حج اور زکوٰۃ۔ ان کے نزدیک یہ بھی مسلّم ہے کہ جس طرح کسی قابل پذیرائی عذر کی بنا پر کوئی شخص موخر الذکر فرائض سے مستثنےٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح صیام رمضان کے متعلق بعض مخصوص حالات میں تاخیر و ترک ناقابل ملامت ہے۔ اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جس میں انسانی مشکلات کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ اسکا بھیجنے والا حیات انسانی کی بوقلمونی سے بخوبی واقف ہے۔ وہ اپنے غیر محدود علم اور عالمگیر رافت و رحمت کی بنا پر صدور احکام کے ساتھ ہمیں یہ بھی یقین دلاتا ہے کہ "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے۔ دشواری نہیں چاہتا) لیکن یہ آسانی محدود ہے اور صرف اس حد تک عطا کی گئی ہے جس حد تک کہ انسان اسکا مستحق ہے۔ کیونکہ اسکو عام کر دینا بے شبہ اس غرض کو تباہ کر دینے کا مترادف ہوتا جس کے لیے دنیا میں مذہب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

دوسری طرف انسان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے۔ اور موجودہ زمانے میں مغربی فلسفۂ سیاست نے اس خواہش کو اور بھی چمکا دیا ہے کہ اسکے افعال پر کوئی قید عاید نہ کی جائے۔ خواہش اور مجبوری کی اس دو عملی نے مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت پیدا کر دی ہے جو نا واقفیت کی وجہ سے اسلام کی عطا کردہ آزادی کو ناکافی سمجھتی اور اسکی حدود کو وسیع کرنے کی فکر میں رہتی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ لوگ اس ضرر رساں کوشش کو قرآن شریف سے جائز آزادی کی سند دلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بعض حضرات نے روزوں کی بھوک پیاس سے بچنے کی یہ تدبیر سوچی ہے کہ قرآن شریف کی آیت "وعلی الذین یطیقونہ فدیہ طعام

مسکین" کا مصداق تمام تندرست و توانا لوگوں کو قرار دیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ دن بھر روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے عوض صرف ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا کافی ہے۔ مگر یہ خیال منشائے قرآن کے سراسر خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اسکو درایت کی کسوٹی پر پرکھنے اور مشہور علماء اسلام کے خیالات کا مطالعہ کرنے کے بعد آیت مذکورہ کے صحیح معنی تک پہنچنے کی کوشش کریں +

یہ آیت قرآن شریف میں اس طرح وارد ہے "یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۵ ایاما معدودات ط فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر و علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ ط و ان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۵" اس کے معانی میں علما کا اختلاف قابل ملاحظہ ہے :-

(۱) بعض کے نزدیک 'یطیقونہ' سے مالی طاقت و مقدرت مراد ہے۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اس کے ترجمہ میں لکھا ہے "اور جن کو کھانا دینے کا مقدور ہے۔ ان پر ایک روزہ کا بدلہ ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے"۔ حاشیہ پر لکھتے ہیں "ہر ایک مسلمان کو فرضی روزہ رکھنا چاہیے۔ مگر بیمار اور مسافر کو رخصت ہے کہ رمضان میں نہ رکھے بعد کو قضا رکھ لے۔ اور مقدور والا ہو تو قضا بھی نہ رکھے بلکہ روزے پیچھے ایک محتاج کا پیٹ بھر دے۔ اور روزہ قضا بھی رکھے اور محتاج کا پیٹ بھی بھرے تو نور علی نور" +

(۲) ایک گروہ کی رائے ہے کہ آیت مذکورہ سے مالی مقدرت کو کوئی تعلق نہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہیں رکھتے وہ اس کے عوض طعام مسکین دیا کریں۔ لیکن اس گروہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے اور فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ط اسکی ناسخ۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ابن عمر اور سلمہ ابن الاکوع

کا جو قول نقل کیا ہے اسکا یہی مفہوم ہے۔ امام صاحبؒ نے ابن نمیر سے بھی ایک روایت نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ "رمضان کا مہینہ آیا اور اصحاب رسول اللہ کو روزے رکھنے دشوار ہوتے۔ پس ان میں سے جو طاقت رکھتے تھے یعنی جو شخص ہر روز ایک محتاج کو کھانا کھلا دیا کرتا تھا۔ روزہ چھوڑ دیتا تھا۔ انہیں اس امر کی اجازت تھی پھر ان تصوموا خیر لکم نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ اور روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔" علامہ ابو محمد حسین بن مسعود تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں۔ "ابن عمر اور سلمۃ بن الاکوع کی رائے ہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے اور اُسکے عوض فدیہ دیدینے کا اختیار تھا تاکہ عادی نہ ہونے کی وجہ سے انپر روزے شاق نہ گزریں۔ لیکن بعد میں یہ اختیار منسوخ ہو گیا"۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی اسکا ترجمہ یوں فرماتے ہیں "و لازم ہست برآنانکہ میتوانند روزہ داشتن (یعنی) ونمیدارند فدیہ کہ عبارت از خوراک یک درویش ہست"۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے بھی اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔ مولانا شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ حسب ذیل ہے: "اوپر ان لوگوں کے کہ طاقت رکھتے ہیں اسکی بدلہ ہے کھانا ایک فقیر کا"+

(۳) علما کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اپنی طرف سے آیت مذکورہ کو نہ منسوخ قرار دیتے ہیں اور نہ محکم۔ چنانچہ صاحب معالم التنزیل نے مختلف اقوال نقل کر دیئے ہیں اور اپنی رائے نہیں لکھی۔ مولانا جاراللہ زمخشری اور ناصر الدین بیضاوی نے بھی یہی محفوظ طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور دوسرے بہت سے مفسرین نے ان کی تقلید کی ہے+

(۴) چوتھا گروہ وہ ہے جو اس تحریر کا باعث ہوا ہے ان لوگوں کی اگرچہ کوئی تصنیف نظر سے نہیں گزری۔ لیکن مکالمہ کا اکثر اتفاق ہوا ہے۔ ان کے نزدیک، آیت کے معنی تو وہی ہیں جو گروہ ثانی نے کیے ہیں۔ یعنی "جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہیں رکھتے وہ فدیہ دیا کریں"۔ لیکن وہ اسکو منسوخ نہیں مانتے۔ اور تندرست و توانا مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ بجائے روزہ رکھنے کے ایک محتاج کو کھانا کھلا دیا کریں۔ ان کی سب سے بڑی

دلیل یہ ہے کہ یطیقونہ' اثبات کا صیغہ ہے اور اس سے سلب و ازالہ کے معنی نہیں لیے جا سکتے +

(۵) بعض فضلاء یطیقونہ' کے پہلے "لا" مقدر مانتے ہیں اور ترجمہ یہ کرتے ہیں، جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے الخ چنانچہ مولانا جلال الدین سیوطی کی یہی رائے ہے اور صاحب ہدایہ نے بھی اسکی طرف اشارہ کیا ہے +

(۶) چھٹا گروہ آیت کو محکم (غیر منسوخ) مانتا ہے اور یطیقونہ' کے معنی یستصعبونہ کرتا ہے یعنی انکے نزدیک وہ لوگ جن کے لیے روزے موجب صعوبت ہیں فدیہ دینے کے مجاز ہیں۔ چنانچہ صاحب قدوری لکھتے ہیں " وہ شیخ فانی جو روزہ رکھنے پر قادر نہیں اسے ترک کر کے ہر روز ایک محتاج کو کھانا کھلا سکتا ہے"۔ اسپر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں :-

والاصل فی قولہ تعالیٰ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین +

سر سید مرحوم کی بھی یہی رائے ہے۔ مگر وہ آیت کو صرف بوڑھوں تک محدود نہیں رکھتے بلکہ دیگر ناتوان اشخاص کو بھی اسمیں شامل سمجھتے ہیں۔ انھوں نے امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کی عبارت بھی نقل کی ہے +

ہم سب سے پہلے ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اُنھوں نے اِس آیت کی تشریح میں جو کچھ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکے خیال میں صیام رمضان صرف ان غریب اور بے مقدرت لوگوں پر فرض ہیں جو کھانا دینے کا مقدور نہ رکھتے ہوں، حالانکہ قرآن شریف میں تمام مومنین کو مخاطب کیا گیا ہے اور مکرر فرمایا گیا ہے۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ (تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں زندہ موجود ہو اُسکو چاہیے کہ روزے رکھے) یہاں امیر و غریب کی تفریق نہیں کی گئی۔ احکام اسلام میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے۔ خدائے پاک نے امراء غرباء کے لیے الگ الگ قوانین وضع نہیں کیے۔ اُسکے نزدیک یہ سراسر ظلم ہے کہ غریب تو دن بھر بھوکے پیاسے مشقت برداشت

کیا کریں اور اُمرا صرف ایک مسکین کو کھانا کھلا کر جو اُنکے لئے معمول ترین کام ہے حصول ثواب میں اُنکے ہمرتبہ ہو جائیں۔ ڈپٹی صاحب بے زروں پر جنہیں پیٹ کا دھندا ایک دن بھی فارغ نہیں بیٹھنے دیتا روزے فرض کرتے ہیں مگر دولتمندوں کے لیئے جو ایک کیا کئی مہینے متواتر بیکار گزار سکتے ہیں۔ ساٹھ ستر یا سو مساکین کا نہیں بلکہ صرف ایک مسکین کا کھانا کافی کفارہ تصور فرماتے ہیں۔ حالانکہ قضیہ بالکل برعکس ہونا چاہیئے فیاللعجب!

صریح بات ہے کہ مریض و مسافر کے لیئے جب دوسرے دنوں میں (جب وہ تندرست ہو جائے یا سفر سے واپس آئے) روزوں کی قضا فرض ہے تو ایک تندرست و توانا انسان کے لیئے یہ کیونکر حکم دیا جا سکتا ہے کہ وہ روزوں کے عوض ہر روز ایک محتاج کو کھانا دیدے۔ گویا ڈپٹی صاحب کے خیال میں اُمرا اور صاحب مقدور لوگ مریض و مسافر سے بھی زیادہ نرم سلوک کے مستحق ہیں +

دوسرا گروہ اس بنا پر اس آیت کو منسوخ قرار دیتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں روزہ فرض نہ تھا بلکہ مسلمانوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ خواہ روزہ رکھ لیا کریں خواہ فدیہ دیدیں مگر ہمارا خیال ہے کہ روزہ اسوقت اختیاری امر نہ تھا بلکہ اسی آیت نے اسے فرض کر دیا تھا۔ اسلیئے آیت مذکورہ کو منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود وہی مفسرین جو اس آیت کو منسوخ ٹھیراتے ہیں کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کے معنی "فُرِضَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ" کرتے ہیں۔ پھر معلوم نہیں کس بنا پر روزوں کو اختیاری قرار دیتے ہیں۔ ابن عمر و سلمہ ابن الاکوع کی طرف جو روایت منسوب ہے۔ اس میں روزے کے اختیاری ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مسلمان ان دنوں روزوں کے عادی نہ تھے۔ ہمارے خیال میں یہ وجہ کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اول تو قرآن شریف کے الفاظ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ اسکا کافی ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ روزہ کوئی نئی چیز نہ تھا۔ علاوہ بر آں یہ مسلمہ ہے کہ صیام رمضان کی فرضیت سے پہلے مسلمان عاشورہ وغیرہ کے روزے رکھا کرتے تھے

ایسی حالت میں ان کا عادی نہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر عادی نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ صحابہ کرام کیلئے رمضان کے روزے رکھنے کا پہلا موقع تھا تو ظاہر ہے کہ یہ موقع ہر جدید نسل کو حاصل ہوتا رہتا ہے۔ ایک بچہ جب بالغ ہوتا ہے تو پہلے سال وہ ہرگز روزوں کا عادی نہیں ہوتا۔ اس لیے اُن کی فرضیت سے اُسے مستثنیٰ ہونا چاہیئے۔ علی ہذا القیاس دوسرے سال اور اسکے بعد وہ عمر بھر اس عذر کی بنا پر فرضیت صیام سے محفوظ رہ سکتا ہے کہ اُسے عادت نہیں ہے۔

اس سے بھی قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ اس آیت میں مریضوں اور مسافروں کو ان کے قضا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس اگر روزے فرض نہ تھے اور صرف اختیاری تھے تو مریضوں اور مسافروں کو ان کے قضا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اگر ہم اپنے اعتقاد کے خلاف دم بھر کے لیے یہ فرض کرلیں کہ آیت مذکورہ منسوخ ہے۔ اور یہ بھی مان لیں کہ روزہ اختیاری تھا تو اس صورت میں بھی یطیقونہ کا مطلب وہ نہیں ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے۔ وہ اسکا مصداق عام طاقتور لوگوں کو ٹھیراتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ جس حالت میں اس اختیاری امر سے نجات پانے کی مریضوں اور مسافروں کے لیئے جو بہت زیادہ رعایت کے مستحق ہیں صرف یہی ایک صورت تھی کہ وہ بعد میں روزوں کے بدلے روزے رکھیں تو کیا یہ خدائے پاک کی بے انصافی ٹھیرانا نہیں ہے کہ اچھے بھلے صحیح و سالم غیر معذور کو اس نے روزے کے عوض صرف ایک محتاج کا کھانا دینے کا حکم دیا اور اُسے کافی فدیہ سمجھا۔

تیسرے فریق کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ فریق چہارم کے خیالات کی صحت وسقم کا امتحان نہایت ضروری ہے۔ وہ اس امر میں تو ہم سے اتفاق کرتے ہیں کہ آیت زیر بحث منسوخ نہیں ہے مگر اس کا مفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ لوگ باوجود روزہ رکھنے کی طاقت کے روزہ چھوڑ دیں۔ اور اسکے عوض ایک محتاج کو کھانا کھلادیں تو ادائے

فرض ہے کے لیئے کافی ہے۔ ہمیں اس رائے سے قطعی اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں روزوں کی فرضیت میں جو نص صریح سے ثابت ہے ضعف آتا ہے۔ آیات قرآنی سے ظاہر ہے کہ صیام رمضان تمام پیروان اسلام پر بلا استثنا فرض ہیں صرف مریض و مسافر ایک وقت خاص تک کے لیے مستثنےٰ ہیں۔ یہ استثنا ظاہر کرتی ہے کہ تمام وہ مسلمان جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں فلیصمہ، کے حکم میں شامل ہیں۔ اس صورت میں اگر ہم یطیقونہ کا ترجمہ یہ کریں کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں وہ اسکے عوض فدیہ دیدیا کریں تو ثابت ہوگا کہ روزہ کسی پر بھی فرض نہیں ہے۔ کیونکہ مریض و مسافر تو رمضان میں مکلف نہیں۔ رہے وہ جو روزے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک محتاج کو کھانا کھلا کر نجات پا سکتے ہیں۔ پھر انہیں کیا ضرورت ہے کہ جوع و عطش کی تکلیف اٹھائیں

آیت کے دوسرے حصہ میں خدا فرماتا ہے فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ وان تصوموا خیر لکم۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مخاطب کو اختیار دیا گیا ہے کہ خواہ وہ روزہ رکھے اور خواہ فدیہ دیدے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر روزہ رکھے تو بہتر ہے گویا نہ رکھنے کی صورت میں کوئی گناہ نہیں۔ اب اگر اس فریق کے قول کے مطابق ہم یطیقونہ کا مصداق صاحب طاقت لوگوں کو ٹھیرائیں تو صریحًا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ روزہ ایک اختیاری شئے ہے۔ کسی پر فرض نہیں۔ خواہ وہ طاقتور ہو یا ناتوان۔

اگر یہ کہا جائے کہ وان تصوموا خیر لکم سے ثابت ہوتا ہے کہ روزہ اختیاری کام نہیں ہے اور یہ کہ نہ رکھنے کی صورت میں مسلمان گنہگار رہتا ہے تو یہ ہمارے منشا کے عین مطابق ہے کیونکہ ہمارا مقصود صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ صیام رمضان تمام ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہوں فرض ہیں۔ اور یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ انکے لیئے بلا عذر روزہ چھوڑ کر فدیہ دیدینا کافی ہے۔

یطیقونہ کا مصداق خواہ طاقتوروں کو ٹھیرایا جائے یا ضعفا کو۔ اس قدر تو ہر حال میں

مسلّم ہے کہ آیت مذکورہ میں روزے کا عوض طعام مسکین کو قرار دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر ان لوگوں کے لیئے جو اس آیت کے مصداق ہیں۔ ایک محتاج کو کھانا کھلانا دن بھر روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا خاص حالات کے سوا طعام مسکین دن بھر کے روزے کا قائم مقام ہو سکتا ہے؟ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا اثر جسمانی قویٰ سے گزر کر روح انسانی پر پڑتا ہے۔ شدت جوع و عطش کی برداشت سے جو صبر و استقلال کی عادت پڑتی ہے وہ تزکیۂ نفس کے لیئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ حواس ظاہری و باطنی کو معاصی سے محترز رکھنے کی کوشش ایک زبردست روحانی تصفیہ کا کام دیتی ہے کیا کوئی معقول انسان یہ قبول کر سکتا ہے کہ ایک ایسی عبادت کا جو جسم و روح دونوں پر مشتمل ہے بدل مطلق صرف طعام مسکین کو قرار دیا جائے۔ جس میں نسبتاً نہ کوئی جسمانی جہد و تعب مضمر ہے اور نہ کوئی روحانی +

تمام انسانی و آسمانی قوانین میں یہ امر مسلم خیال کیا جاتا ہے کہ مریض اور مسافر تندرست اور مقیم لوگوں کی نسبت رعایتی سلوک کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ قرآن نے ان سے جو رعایتی سلوک کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ جب اچھے ہوں یا جب سفر سے واپس آئیں تو روزے رکھیں۔ اب قدرتاً ہمیں خیال ہوتا ہے کہ تندرست و مقیم لوگوں کے متعلق جو حکم ہوگا وہ لامحالہ مریضوں اور مسافروں کی نسبت کسیقدر سخت ہونا چاہیئے۔ ایسی حالت میں کیا یہ قرین انصاف ہے کہ تندرست و توانا مسلمانوں کو صیام کے عوض صرف طعام مسکین کا مکلف ٹھیرایا جائے جو مرضیٰ و ابناء سبیل کے حکم کی نسبت سخت تو درکنار بدرجہا آسان تر ہے اور لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا کے سراسر خلاف +

اس تمام بحث سے یہ امر بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ صرف پچھلے فریق کی رائے قابل تسلیم ہے۔ یعنی یہ کہ اسکے مصداق صرف وہ بوڑھے اور ناتواں اشخاص ہیں جو روزہ رکھنے پر بمشکل قادر ہو سکتے ہیں۔ یہ مفہوم منشائے قرآن کے بالکل مطابق ہے۔ کیونکہ اس صورت میں

نہ آیت کو منسوخ ٹھیرانے کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ قرآن پر بے انصافی کا الزام عائد ہوتا ہے
کہا جاتا ہے کہ یطیقونہ سے نفی طاقت کے معنی لینا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اثبات کا صیغہ ہے
مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ "اطاق" کا مادہ وہی ہے جو تطویق کا ہے۔ اور اہل عرب کے مقولہ طوقتک
تطویقًا کے معنی ہیں "میں نے تمہیں ایسے کام کی تکلیف دی جو تم پر دشوار تھا"۔ اسی آیت کے
متعلق علامہ شہاب خفاجی لکھتے ہیں کہ محاورۂ عرب میں اطاق الفعل کے معنی ہیں بلغ نہایة
طوقه فیه۔ حضرت امام فخر الدین رازیؒ نے بھی اسی معنی پر استدلال کیا ہے۔ وہ یطیقونہ
کے معنی کسی کام کا مشکل اور تکلیف سے انجام ہو سکتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "وسع نفظ میں ایک
وسع اور دوسرا طاقت"۔ پہلا اس کی نسبت بولتے ہیں جو کسی کام پر آسانی سے اور بغیر تکلیف کے
قادر ہو۔ اور طاقت اس شخص کی نسبت بولا جاتا ہے جو کسی کام پر مشکل سے اور تکلیف اٹھا کر قادر ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے جو یطیقونہ اور یطوقونہ وغیرہ مختلف قرأتیں منقول ہیں
وہ بھی اسی مفہوم کی تائید کرتی ہیں۔ مولانا جار اللہ زمخشری نے بھی آخر میں یہ لکھا ہے "ویجوز
ان یکون هذا معنی یطیقونه ای یصومونه جهدهم وطاقتهم ومبلغ وسعهم"۔ اس کے علاوہ
کتب صرف میں مذکور ہے کہ باب افعال کی ایک خاصیت سلب ماخذ ہے جیسے افلس کہ اس کے
معنی ہیں بے زر ہو گیا یعنی فلوس کھو بیٹھا۔ اسی طرح اطاق کے معنی سلب طاقت کے ہو سکتے
ہیں۔ قتادہؒ کی سنتے ہیں کہ یہ آیت شیخ کبیر یعنی بہت بوڑھوں کے حق میں نازل ہوئی ہے حضرت
امام مالکؒ مؤطا میں روایت فرماتے ہیں کہ جب حضرت انسؓ اس قدر بوڑھے ہو گئے کہ روزہ رکھنے
کی طاقت نہ رہی تو وہ فدیہ دیا کرتے تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ جو یطیقونہ سے
پہلے لا مقدر مانتے ہیں وہ دلیل میں ایک دوسری آیت یعنی "یبین الله لکم ان تضلوا" پیش کر کے
اس کی تفسیر "ان لا تضلوا" سے کرتے ہیں۔

بہرحال ان تمام امور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت زیر بحث صرف ضعیف العمر اور ناتوان لوگوں کے حق میں نازل
ہوئی ہے کیونکہ اس کے علاوہ یطیقونہ کے اور جو بھی معنی کئے جائیں غیر محفوظ اور منشاء قرآن کے

ترجمہ

علامہ شعرانی رحہ کے خواب

ذیل کا مضمون علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المنن والاخلاق سے ترجمہ کیا گیا ہی، مضمون کی ثقاہت و بلند پایگی، خود صاحب مضمون کی جلالت قدر و رفعت منزلت سے ظاہر ہے، یہ وہ شخص ہو جسنے پہلے علوم ظاہری کی پوری تکمیل کی۔ اور ایسی کی کہ متاخرین میں اتنی محنت کے لوگ کم پائے جاتے ہیں۔ محلی بن حزم جو تیس جلد میں ہے آپنے تین دفعہ بالاستیعاب دیکھا، شرح روض فقہ شافعیہ کو تیس مرتبہ مطالعہ کیا۔ کتاب الام تین دفعہ اول سے آخر تک پڑھا، نووی شرح مسلم کو پندرہ دفعہ من اولہ الی آخرہ دیکھا، شرح منہاج محلی فقہ شافعیہ کو بھی تیس دفعہ دیکھا، اور اسی طرح بہت کتابیں مطالعہ کیں۔ اسکے بعد علوم باطنیہ کیطرف متوجہ ہوئے۔ اور اپنے وقت کے قطب ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وجعلنی فی زمرۃ الصالحین ؎

ان احسانات آلہیہ میں سے جو مجھ پر خداوند کریم کی جانب سے نازل ہوئیں ایک یہ بھی ہے کہ میں خواب میں اکثر اموات کے ساتھ ملاقات کیا کرتا ہوں۔ اسکے حالات پوچھنے کا بھی مجھے اکثر اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ حتی کہ اس قسم کے سوال و جواب میں نے اس قدر کئے کہ اب انکا علم مجکو ایسا ہی کہ گویا میں نے یہ باتیں بیداری میں دیکھی ہیں۔ یہ خدا کی نعمت ہی کہ بندوں کے اعمال سے اگر میں ان کی زندگی میں واقف نہ تھا، تو گو نہ اُن کے مرنیکے بعد مجھے اِس کا علم ہوگیا ؎

ہوسکتا تھا کہ میں اِسے صرف اپنے کشف و انشراح سے تعبیر کرتا، اور اس سے خوش ہوکر رہجاتا۔ لیکن نہیں۔ میں نے ہمیشہ اِسکے بعد عبرت حاصل کی۔ اور تیار ہوا کہ جن برے اعمال کی وجہ سے مُردے اذیت و مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں اس سے بچوں اور

جس سے قبر میں چین ملتا ہے۔ اِن کے کرگزرنے کی کوشش کروں۔ جب کبھی مجھے عالم برزخ کی سیر کرائی گئی ہے۔ تو ہمیشہ اپنی کوتاہیوں پر مجھے ندامت ہوئی ہے۔ اور تلافی مافات کی کوشش کی ہے +

اگرچہ جانتا ہوں کہ طاعت پر نجات کا مدار نہیں کہ اس کے لیئے صرف خدا کی مہربانی اور صرف اسی کی مہربانی درکار ہے۔ تاہم یہ صرف اِس لیئے ہی کہ فرمانبردار غلاموں سے آقا جس طرح ملتا ہے یقیناً اِس صورت کے ساتھ نافرمانوں سے نہیں مِلسکتا +

میں نے اپنے خوابوں پر ضرور اعتماد کیا۔ لیکن یہ محض میری ذاتی رائے نہیں ہے تم حدیثوں کو پڑھو، عموماً اصحاب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رؤیا پر اعتماد فرمایا کرتے تھے۔ اور جو کچھ اس سے مستفاد ہوتا۔ اُس کے حسب منشا عمل پیرا ہوتے +

بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب دیکھا، کہ کسی نے آگ کے کنوؤں کے کنارے لاکر انکو کھڑا کیا۔ انہوں نے حضرت حفصہؓ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اِس خواب کو پہنچایا۔ تعبیر مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
"عبداللہ بڑا اچھا بندہ ہے، کاش راتوں کو بھی کھڑا (ہوکر نمازیں پڑھتا)"

تو دیکھو! محض اس خواب کی تعبیر سنکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تہجد کے ایسے پابند ہوئے کہ مرتے دم تک حتیٰ الوسع اسے نہ چھوڑا +

میرے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جو اکثر لوگوں کے ساتھ تمسخر کیا کرتا۔ اور عام طور استہزا اسکا پیشہ تھا۔ آخر خداوند تعالیٰ کا غصہ بھڑکا اور وہ ضیق النفس (دمہ) کے عارضہ میں مبتلا ہوا۔ ایسا شدید مرض اسپر پڑا کہ پہلو زمین سے نہیں لگا سکتا تھا۔ حتیٰ کہ آخیر میں بیٹھے رہنے کی وجہ سے اسکے اعصاب اور پٹھے بالکل خشک ہوگئے۔ سر گھٹنے سے لگ گیا۔ اسی درد و تکلیف میں آخر اسنے جان دی +

مہینہ کے بعد میں نے اسکو خواب میں دیکھا، میں نے پوچھا کہ کہو! کیا تم ابتک کسی رنج

اُس نے جواب دیا کہ ہاں! اب تک اسی میں مبتلا ہوں۔ اور حشر کے روز اسی طرح اُٹھایا جاؤں گا۔ اِسکے بعد بولا۔ کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ مصیبت زیادہ مجھے تمہاری وجہ سے اور شیخ شعیب خطیب کی وجہ سے اٹھانی پڑی"۔

شیخ شعیب سے میں نے اس خواب کو بیان کیا تو بولے، کہ ٹھیک کہتا ہے، میں نے جب کبھی اس سے کچھ کہا، تو ہمیشہ وہ کھانستا۔ اور کبھی کبھار محض میری توہین کے لیے میرے منہ پر تھوک دیتا تھا"

اور میرے ساتھ بھی اسکا قریب قریب یہی برتاؤ تھا۔ میں نے جب کبھی اس سے کچھ کہا تو جواب میں ایسے کڑے لفظ استعمال کرتا جو کسی گائے چرانے والے چرواہے سے بھی نہیں سکے۔ خداوند تعالیٰ اسکی مغفرت فرمائیں۔ اور درگزر کریں۔ آمین۔

بہرکیف میں نے خواب کی حالت میں مُردوں کے عجیب و غریب احوال معائنہ کیئے کبھی دیکھتا ہوں کہ میں زمین کے اندر داخل ہوا ہوں۔ اور اہل قبور نہایت دردناک مصیبتوں میں مبتلا ہیں" خداوند تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھیں۔

بعضوں کو میں نے دیکھا کہ ایک کتا انکے پاس بیٹھا ہوا ہے اور وہ اپنے دانتوں سے اُنکے گوشت اُڑا رہا ہے۔ اور رہ رہ کر انپر حملے کرتا ہے۔ اُنکو نوچتا ہے کھسوٹتا ہے بعضوں کے سامنے میں نے بھیڑیا پایا۔ کسی کے آگے مگر۔ کسی کے آگے بلیاں اور آہ! کہ بعضوں کے سروں پر اژدہوں کو پھنکارتے ہوئے میں نے دیکھا۔ کسی کے جسم بچھو اپنے تیز چمکیلے ڈنک سے چوٹ کر رہے تھے۔ اور آخر میں کہیں مچھر کہیں پسو کہیں کھٹمل وغیرہ بھی میں نے دیکھے۔

جو فرشتے وہاں موجود تھے اُن سے میں نے پوچھا کہ ان موذی جانوروں کی اصل کیا ہے تو مجھ سے کہا گیا کہ کچھ نہیں، صرف شریروں کی بداعمالیوں کی صورتیں ہیں۔ جن کی برزخ میں یہ صورت ہوجاتی ہے۔

کوئی غیبت، کوئی بہتان، کوئی چغلی، کوئی ٹھٹھے استہزاء وغیرہ کی صورت ہو، اور اسیطرح ہر ایک گناہ حتیٰ کہ بدگمانیاں بھی یہاں کسی موذی جانور کی صورت میں مردے کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ بہرکیف مجھے ہر ایک عذاب کی اصلیت سے انہوں نے مطلع کیا۔

ایک دفعہ اور خواب ہی میں کیا دیکھتا ہوں کہ "روضہ" کی قبرستانوں میں میرا گزر ہوا ہے اور وہاں کچھ لوگ حلقہ باندھے نہایت صاف ستھری ریت پر بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کررہے ہیں مجھے دیکھکر اُن میں سے ایک میری طرف مخاطب ہوکر بولا۔

"تم جب دنیا کی طرف لوٹ کر جانا تو یہ دعا ضرور پڑھنا۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ اُس نے کہا کہ:۔

اللّٰھم انی انزلت بکما یھمنی من	اے میرے اللہ! آپ کی طرف سے مجھپر وہ چیزیں نازل
امر الدنیا والاخرۃ فانہ لایرفع	ہوئیں جو دین و دنیا کے رنج میں مجھے ڈالدیتے ہیں۔
البلاء الا من انزلہ اھ	آخر بلاؤں کو تو وہی ٹلا سکتا ہے جس نے نازل فرمایا۔

اُس دن سے میں اپنی ہر مصیبت میں اس دعا کو پڑھتا ہوں۔

ایک بار خواب ہی میں نے دیکھا کہ میں قبرستان گیا ہوں اور قیامت قائم ہوگئی ہے سامنے ایک گروہ کھڑا ہوا ہے۔ اور اعمال اُس سے اُچک اُچک کر باہر ہورہے ہیں۔ اور لوگ اُسے لوٹ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ ایک فرشتے نے جواب میں کہا کہ:۔

یہ بھیک مانگنے والوں کے اعمال ہیں جو لوگوں کے میل کچیل کھایا کرتے تھے باوجود کمانے کی طاقت رکھنے کے دوسروں سے مانگا کرتے تھے۔

آج اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو انہیں بھیک دیا کرتے تھے حکم دیا ہے کہ ان سائلوں کے نیک اعمال سے اپنے لقموں کے عوض جسکا جی چاہے حصہ اُڑالے کہ ان کے تمام اعمال اس قوت سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو بھیک میں اُنکو ملا کرتا تھا۔ صرف آج اُسی شخص کے اعمال اپنے اعمال ہیں جس نے اپنے کرتب سے کماکر کچھ کیا ہو۔

میرے ساتھ اسی خواب میں ایک واقعہ پیش آیا۔ قصہ یہ تھا کہ میں صدقۂ فطر کبھی نہیں نکالا کرتا تھا۔ کیونکہ آجتک عید کی شب یا دن میں میں کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہوا۔ جو کچھ آمدنی آتی تھی۔ وہ محض اِن فقراء کے نام سے جو ہمارے یہاں آتے جاتے رہتے تھے ۔

آخر ۱۳۵۵ھ ہجری میں مجھے یاد ہے کہ میں نے رویا میں دیکھا کہ ایک چٹیل میدان ہے۔ میں بہت سے مسلمانوں کے ساتھ اِس میدان میں کھڑا ہوں۔ ہر شخص کے سامنے ایک چھکی چھوٹی سی جو زیادہ سے زیادہ ایک خربزہ کے برابر ہوگی پڑی ہوئی ہے۔ ہر شخص اسکو اٹھاتا ہے۔ اور آسمان کیطرف پھینکتا ہے۔ مگر کسی کی آسمان تک نہیں پہنچتی۔ اور درمیان سے لوٹ کر چلی آتی ہے۔ میں نے اپنی چیز کی اچھالی۔ وہ بھی واپس آگئی ۔

ایک فرشتہ پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ واقعہ کیا ہے؟ اور ہم لوگ یہ کیا چیزیں آسمان کی طرف پھینک رہے ہیں ۔

اُس نے کہا کہ یہ رمضان کے روزے ہیں۔ چونکہ جتنے لوگ یہاں پر موجود ہیں ان میں سے کسی نے صدقۂ فطر نہیں ادا کیا ہے۔ اسلیئے اُنکے روزے آسمان تک نہیں پہنچ سکتے روزہ بغیر ادائے صدقۂ فطر آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتا ہے ۔

میں نے اُس سے کہا کہ واہ میں کسی چیز کا مالک بھی ہوں۔ حتیٰ کہ صدقۂ فطر ادا کرتا۔ صدقۂ فطر تو نصاب کے بعد واجب ہوتا ہے۔ آخر میرا روزہ کیوں نہیں چڑھتا ۔

فرشتے نے کہا کہ یہ حکم عام لوگوں کیلئے ہے۔ آپ جیسوں کو اِس قسم کی رخصتوں کا بہانہ ڈھونڈھنا سزاوار نہیں۔ نصاب کے آپ بیشک مالک نہیں۔ لیکن ذرا صندوق جاکر کھولیے اس میں ایک جوڑی کھڑاؤں کی پڑی ہوئی ہے یا نہیں۔ اور یہ جو کرتہ تمہارے جسم پر ہے اِسکے علاوہ اور ایک کرتہ تمہارے پاس کیا نہیں موجود ہے؟ اسیکو جاکر بیچو۔ اور صدقۂ فطر ادا کرو (خواص امت اور عوام میں بہت فرق ہے) ۔

میری جب آنکھ کھلی تو گھر والوں سے میں نے اس کھڑاؤں کے متعلق دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ ہاں! کہ میرے لڑکے عبدالرحمٰن کے نام سے اسکو محفوظ کیا گیا ہے۔ کہ جب بڑا ہوگا تو اسے پہنے گا +

میں نے اسیوقت اسکو نکالا۔ اور اپنے ایک مرید کے ہاتھ بیچکر گیہوں خریدے اور صدقۂ فطر ادا کیا۔ اس سال سے میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اور کچھ ہو یا نہو۔ لیکن صدقۂ فطر ضرور نکالدیتا ہوں۔ بلکہ اس واقعہ سے مجھے اس حدیث کی جو بعضوں کے نزدیک ضعیف ہی صحت کا یقین ہوگیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

کہ "جب تک روزہ دار صدقۂ فطر نہیں ادا کرتا، اسیوقت تک اس کے روزے آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں" +

اے میرے بھائی! اپنا کیا حال بیان کروں۔ ایک زمانہ کا ذکر ہے کہ میں نے خداوند تعالیٰ سے التجا کی کہ بتادیا جائے۔ مجھپر قبر میں کیا گزرے گی۔ دعائیں کرتا تھا۔ روتا تھا، آخر خواب میں دکھایا گیا۔ کہ میں قبر میں ایک ایسے گدّے پر لیٹا ہوا ہوں۔ جس میں کانٹے بھرے ہوئے ہیں۔ میں اسی پر کروٹیں بدل رہا ہوں +

اے میرے بھائی! جب سے میں نے یہ دیکھا ہے۔ میرے درد و بےچینی کی کیفیت کچھ نہ پوچھو، خداوند رحیم سے مہربانی اور لطف کی لو لگائے بیٹھا ہوں۔ اسی پر بھروسہ ہے +

شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے خواب غیب پر ایمان لانے والوں کی تقویت کے لیے دکھائے جاتے ہیں +

اس سے ضعف ایمانی کو مکمل کیا جاتا ہے۔ پس جو شخص اس قسم کے خوابوں کے بعد بھی معاملات الٰہیہ میں سہل انگاری برتتا ہے۔ وہ جاہل ہے +

البتہ کامل ایمان والوں کی جن کا یقین اس مرتبہ میں ہے کہ اگر پردہ بھی اٹھادیا جائے تو کسی قسم کی شدت اور ترقی اس میں نہیں ہوگی۔ وہ مرصوعہ ... میں خواہ کی ... عدہ اور ... کو

دیکھیں۔ یا دہکی اور وعید کو، ایک ہی حال کے ساتھ اپنے کو خدا کے آگے حاضر سمجھتے ہیں اس لیئے انکو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ‘‘

بہرکیف انسان جب ایسے خواب دیکھے تو یقین کرے کہ مجھے تنبیہ کی گئی ہے اور یہ خدا کی مہربانی ہے۔ وہ میرے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے۔

ایک واعظ صاحب تھے جنہوں نے بھائی فضل الدین رحمۃ اللہ علیہ سے آکر بیان کیا کہ میں نے رات ایک ایسا خواب دیکھا جس سے کانپ رہا ہوں۔ دل تھرا رہا ہے۔

بھائی فضل الدین نے پوچھا۔ "خیر باشد! آپنے کیا دیکھا۔ واعظ نے کہا کہ دیکھتا ہوں کہ میرے ہاتھ میں ایک لالٹین ہے۔ جس نے رات کو روشن کر دیا ہے کہ یکایک وہ بجھ گئی۔ مجھے اُس وقت سے خوف ہو کہ شاید یہ میرے نور ایمان کے بجھ جانے کی طرف اشارہ نہیں؟

میرے آقا بھائی فضل الدین نے کہا کہ معلوم ہوا کہ آپکا ایمان ضعیف ہے، ورنہ عالم خیال سے عالم بیداری کس طرح متاثر ہو سکتا تھا۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان قوی ہوتا تو کبھی اسکے مٹنے کا خطرہ گزر نہیں سکتا تھا)۔

بھائیو! اسے سمجھو اور ہدایت کا راستہ اختیار کرو۔ خداوند تعالیٰ تمہاری ہدایت کا متولی ہو۔ والحمد للہ رب العلمین۔ (الرشید)

تصنیفات حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

مہابیرشوامی

گنگاپور[1] کا قصد تھا تو کئی روز سے۔ مگر اپریل ۱۹۱۸ء کی پہلی رات نے اس خیال کو عملی جامہ پہنا دیا۔ چلا۔ اسٹیشن پر آیا۔ رستے بھر مختلف خیالات کا دماغ میں ہجوم تھا لیکن یہاں پہنچتے ہی نہ وہ تخیل تھا نہ ہجوم افکار۔ آنکھوں کے سامنے ہزاروں زندہ روحوں کا مجمع تھا۔ زمین اُن سے پٹی پڑی تھی اور ہوا اُنکے اطوار و گفتار۔ گھبراہٹ اور چیخم دھاڑ سے بنی ہوئی۔ ہم دلّی کے رہنے والے ہیں اور خاک خبر نہیں کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ کالکا کا میلہ تین دن سے شروع ہے کئی خاص گاڑیاں جا چکی ہیں۔ اور پھر بھی دو دو تین تین دن سے لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ جگہ نہیں ملتی۔ اس ہڑبڑ میں سفر کی ہمت کیا خاک رہتی۔ اُلٹے پاؤں لوٹنے کا ارادہ کیا۔ مگر صدر اسٹیشن کے مشہور مسافر نواز مسٹر فلپ دیکھ چکے تھے۔ نہ چھوڑا اور زبردستی بٹھا ہی دیا۔ سفر کیا ایک مصیبت تھی کہ اپنا کمرہ تو درکنار گاڑی بھر میں تل دھرنے کو جگہ نہیں +

کالکا[2] ہندوؤں کا خاص مندر اور یہ دیوی مشہور اوتار ہے مگر ان مسافروں کو میلے کے شوق اور فرحت کے ذوق کے سوا عقیدت سے مطلق واسطہ نہ تھا۔ عورتیں بھی تھیں۔ مرد بھی۔ بچے بھی۔ بُڈھے بھی۔ لڑکے بھی۔ جوان بھی۔ شہری بھی۔ دیہاتی بھی۔ پڑھے لکھے بھی۔ جاہل بھی۔ امیر بھی۔ غریب بھی۔ لیکن میلہ دیکھنے کی توقع میں سب مگن تھے۔ اِن لوگوں کی زندہ دلی قابلِ رشک تھی۔ سفر کی زحمت رستے کی تکلیف۔ روپیہ کا صرف دھکّے مُکّے۔ گھُرکیاں۔ جھڑکیاں۔ تھوڑی سی راحت کے واسطے ہر زحمت منظور تھی جس عقیدت جو اِس ہجوم کا اصل محرک تھا ایک متنفس کے چہرے سے ظاہر نہ تھا۔ میں رستے بھر

---

[1] ریاست جیپور کی ایک نظامت بی بی سی آئی آر کا اسٹیشن متھرا اور کوٹہ کے مابین [2] کالکا کا مندر دلی سے سات میل پر جی آئی پی کا ایک اسٹیشن ہے +

یہ بہی دیکھتا رہا کہ اِن ہزارہا بندگان خدا میں ایک شخص تو ایسا مل جائے جسکو محض کالکاجی کی محبت یہ تکلیف پہنچا رہی ہو۔ اور فقط درشنوں کا بہوکا ہو۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ ایسی ممتاز اور مشہور جماعت میں کوئی بہی ایسا نہ تہا۔ مگر ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ میری آنکھیں روشن نہ تہیں جو مجھے کوئی دکہائی دیتا۔

انتہائے تکلیف یہ تہی کہ ایک شخص کہڑکی میں کہڑا تہا۔ گاڑی چھوٹ گئی۔ کانسٹبل نے سر سے ڈنڈے کا جھڑا رسید کیا۔ بیچارہ کان سہلا کر چپکا ہو گیا۔ مگر آنے والی خوشی کا وفور اتنا زیادہ تہا کہ سب کچہ بطیب خاطر قبول تہا۔

گاڑی تقریباً ایک گہنٹہ میں کالکا پہنچ گئی۔ میلے کے رسیا آنکہ سے اوجہل ہو گئے لیکن میں یہی سوچتا رہا کہ کاش ان لٹتے انسانوں میں ایک صورت تو مجھے بہی ایسی نظر آجاتی جسکے دل میں کالکاجی کے درد کی چوٹ ہوتی۔ اسی خیال اور عالم محویت میں آدہی کے قریب گزر گئی۔ بارہ بج چکے تھے یا بجنے والے تھے کہ گاڑی متہرا پہنچ گئی میں بہی تہا۔ چادر مہتاب بساط ارض پر بچہی ہوئی تہی۔ ہوا گو معمول سے بہت زیادہ خنک تہی مگر دل نہ مانا۔ اور دریا کے کنارے چلا گیا۔ یہ وہی جمنا ہے جو دلی میں شاہجہاں اور آگرہ میں مدفن شاہجہاں کو گود میں لئے ہوئے ہے [illegible] کا مقام جمنا کا پرلطف منظر۔ ہوا و پانی لہروں سے چہل پہل کرا رہیاں کر رہی تہی [illegible] ممکن تہا کہ سنگدل سے سنگین دل بہی اس جگہ متاثر نہوتا۔ تخیل [illegible] تہا [illegible] سری کرشن کی زندگی [illegible] تہیں جنہوں نے محبت کی سچی [illegible] سامنے لا کہڑی کر دیں۔ یہی ہے وہ جگہ جہاں جذبات خلوص کے دریا موجزن ہوئے۔ پریم کے ساغر چلے۔ اور دو دوست [illegible] آجتک اس نام کو جپ رہے ہیں۔

کیسی اچھی رات اور پرلطف منظر تہا۔ وہی آنکھیں جو کالکا کے ایک سچے پجاری کی تلاش میں تہیں۔ اسوقت ایسی جگہ جا پہنچیں جہاں عجیب دلفریب سماں تہا کہ کرشن جی بانسری بجا رہے ہیں چاندنی اپنے دولہا کے پاؤں میں لوٹ رہی ہے۔

گوپیاں اپنے ننھے کنکھیوں سے دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو رہی ہیں۔ محبت بھرے دل
چوٹ کھائے دل فنا فی الکرشن دل زندگی کے ہر شائبہ کو فراموش کر چکے۔ دنیا کی تمام
اور زندگی کا ہر راز ان ہی چار حرفوں میں پوشیدہ ہے:-

کرشن، کرشن، کرشن

رات دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گئی اور وہ سماں آناً فاناً درہم برہم ہو گیا۔ صدائے ناقوس نے اپنی معمولی مگر میری شب وصل کو الوداع کہا۔ اب صبح صادق کا سہانا وقت ہی ہوا معمول سے زیادہ تیز تھی۔ کرشن کی گوپیاں۔ نور کی پتلیاں۔ محبت کی چیریاں اپنے پیا کا نام رٹتی ہوئی دریا پر آئیں۔ یہ کہنے کو عورتیں تھیں مگر پہلو میں دل رکھتی تھیں بظاہر ناقص العقل تھیں مگر بباطن پوری انسان۔ یہ اس پانی کو چوم رہی تھیں جس نے محبوب کے پاک جسم کو چھوا ہے +

یہ ایک ذرہ تھا اس منظر کا۔ جب حضرت اویس قرنی رض روضہ اطہر پر حاضر ہوئے ہیں جوں جوں قریب ہوتے جاتے تھے آتش شوق بھڑکتی تھی۔ روتے تھے۔ پیٹتے تھے خاک اڑاتے تھے۔ اور ٹکریں مارتے تھے۔ آخر اس جگہ پر بھی آ پہنچے جہاں فخر دو عالم انسانوں کا پیغمبر اور خدا کا محبوب آرام کر رہا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ مزار پاک کی مرمت ہو چکی ہے سفید اندلسی دیواریں ہیں۔ سنگ مرمر کی پچیکاری ہے۔ عاشق صادق کی آگ نہ بجھی ٹکریں ماریں اور کہا نہیں نہیں میں اس ٹیپ ٹاپ کا بھوکا نہیں میں تو زمین کی ان میلی کچیلی لکڑیوں اور زمین کی ان کنکریوں اور پتھروں سے لپٹنے آیا تھا جو میرے محبوب کے بدن سے مس ہوئی ہیں“ +

یہ نشہ محبت کی متوالیاں جھوم جھوم کر دیوکی کے لال کرشن کے پاؤں دھو دھو کر پی رہی تھیں۔ اس کرشن کے جس نے گوکل اور بندرابن کو چار چاند لگا دیئے۔ انکو اپنی دھن میں کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ نہ دنیا کا ڈر تھا نہ سماج کا اندیشہ۔ پیارے کا نام جپتی ہوئی

غوطے لگاتی تہیں۔ اور ان غوطوں میں سے وہ موتی نکال رہی تہیں جس پر انسانیت کا دار مدار ہے۔ یہ دنیا دار تہیں۔ بہوئیں تہیں۔ بیٹیاں تہیں۔ مائیں تہیں۔ بیویاں تہیں۔ لیکن اس وقت ہر شے کو فراموش کر چکی تہیں۔ اور انکو سوائے ایک تصور کے کوئی شے نظر نہ آتی تھی +

رات گزرنی تھی۔ گزر گئی۔ صبح نمودار ہوئی اور میں اسٹیشن پر واپس آکر دوسری گاڑی میں سوار ہوا۔ آدمیوں کا ہجوم یہاں بھی کم نہ تہا۔ دل گھبرا گیا کہ الٰہی معاملہ کیا ہے۔ خدا خدا کر کے ایک مصیبت سے رہائی ہوئی تو یہ دوسری بلا آئی۔ معلوم ہوا کہ یہ بھی زائر ہیں۔ اور پٹونڈے[1] جا رہے ہیں۔ مہابیر سوامی کے نام لیوا ہیں۔ اور درشنوں کو جاتے ہیں۔ ہر سال ان تاریخوں میں میلہ ہوتا ہے۔ اور دور دور سے لوگ آکر جمع ہوتے ہیں۔ پٹونڈہ یہاں مہابیر سوامی کی مورتی ہے۔ ریاست جیپور میں ہے۔ اور راج کی طرف سے بھی ان مسافروں کی آسایش کا انتظام کیا جاتا ہے۔ میرے ساتھ اتفاق سے ایک ڈبل تھے جو اپنے بیوی بچوں کو لیکر سوامی جی کے درشنوں کو جا رہے تھے۔ گاڑی اب بھی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مگر یہ سب پڑھے لکھے دولتمند اور سمجھدار لوگ تھے +

جین مت کے چوبیس اوتار ہیں۔ آخری اوتار مہابیر سوامی ہیں۔ ان کا زمانہ مسیح ؑ سے قبل گنا جاتا ہے۔ اور تاریخ انکو ساکی منی کا ہمعصر بتا رہی ہے۔ سماجی ان کی تلقین کے سخت مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ بت پرستی کی ابتدا انہی لوگوں سے ہوئی۔ مگر وہ اس وقت ذرا ان عقیدتمند دلوں کو دیکھتے جو سیکڑوں ہزاروں کوس کی مسافت طے کر کے بیسیوں قسم کی تکلیفیں اٹھا کر جوش و خروش سے جا رہے ہیں۔ تو شاید انکے عالم میں اتنے سخت نہ رہتے۔ سینے جوڑنے والیاں۔ [illegible] ہاتھ کہنیوں تک سینے پر [illegible] رہے تھے۔ جو [illegible] کی طرح [illegible]

---

[1] پٹونڈہ مہابیر روڈ متہرا سے [illegible] اسٹیشن دور ہے۔

موجود تھے۔ بچونکہ گرو میں لئے مہابیر سوامی کے پیدا رت بھر رہی تھیں۔ ان کا عقیدہ
نوعیت کے اعتبار سے جیسا کچھ بھی ہو مگر عقیدے کی پختگی یقیناً قابل ستائش تھی
ایک دریائے محبت انکے دلوں میں موجزن تھا اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس
بحر زخار کو ہم جیسی ان بھولی بھالی صورتوں کو منزل مقصود پر نہ پہنچایا ہو۔ راجہ اشوک کے
زمانہ تک جس کی یادگار اشوک کی لاٹھ آجتک دہلی کے کوٹلے میں موجود ہے یہ مذہب
اپنا کام کرتا رہا۔ مگر اسکے بعد برہمنوں نے اسکی بربادی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ مہابیر سوامی
کی پیدائش مگدھ دیش کی ہے۔ لیکن انکے پیرو تمام ہندوستان میں موجود تھے۔ برہمن
ان کو معدوم کرنے میں ایک خاص حد تک کامیاب ہوئے لیکن اس عقیدہ کی بنیاد تھی
زبردست اور مستحکم تھی کہ باوجود ناکامیابی کے آج بھی اٹھارہ لاکھ کے قریب مہابیر سوامی کی
پرستش کرنے والے ہندوستان میں موجود ہیں۔

کہتے ہیں کہ اورنگزیب کے زمانہ میں اس سرزمین پر جہاں آج یہ مورتی ہے گائیں چرا
کرتی تھیں۔ لیکن ہر روز ایک گائے کا دودھ دوہ لیا جایا کرتا تھا لوگوں کو اسکا فکر ہوا اور
مالکوں نے اسطرف توجہ کی تو معلوم ہوا کہ جب گائیں چرتے چرتے اس خاص مقام پر
پہنچتی تھیں تو ایک گائے کا دودھ خود بخود یہاں پر گرنے لگتا تھا۔ یہ خارق العادۃ کرشمہ
دیکھ کر باشندگان دیہہ نے یہ زمین کھودی تو مہابیر سوامی کی مورتی برآمد ہوئی۔ مہاراجہ
جیپور نے نہایت ترک و احتشام سے اس مورتی کو جیپور لیجانا چاہا۔ سخت کوشش کی
مگر ناکامی ہوئی۔ اور مجبوراً یہ مورتی اسی جگہ رکھدی گئی۔

بجلی ... کے اسرار ... دور دور کے ... یہیں بھی پہنچتے آیا۔ ... مخالفت
ہجوم خوب۔ ہر طرف چہل پہل اور گہما گہمی تھی لیکن ...
یہ جو ... ستی ... ہو ...
بیان کرتے ... ہے۔ ...

معرفت حقیقی کے لذت یاب قلوب کسی زمانے کسی رنگ اور کسی حال میں
چھپتے ہی معراج کمال پر نہیں پہنچے۔ عمریں ان ہی ٹھوکروں میں بسر کر دیں۔ اپنی
اسی دُھن میں صبح۔ اور دن اسی تلاش میں شام کیے۔ جب کہیں جا کر وہ درد میسر ہوا
جس میں مرض اور شفا دونوں کا وجود تھا۔ اس ابتدا کی انتہا وہ وقت تھا جب روح
نے مفارقت کی۔ اس وقت ہمدرد وہ تھے جو زندگی کا عین مقصد تھا۔ حیات ناپائدار
کی کوئی اذیت افلاس کی بڑی سے بڑی مصیبت۔ ہجر کا سخت سے سخت صدمہ۔ زندگی
کی کٹھن سے کٹھن منزل۔ جسمانی اور روحانی بدتر سے بدتر تکلیف بھی یہ لطف پیدا نہیں
کر سکتی۔ جو اس درد میں مضمر تھا۔

چشم بینا چوندھے سے دیکھتی ہے۔ دنیا میں قدرت کے نت نئے کرشمے دیکھ رہی
ہے۔ میلہ ختم ہو گیا۔ خلقت چلی گئی۔ آفتاب غروب کے قریب ہے۔ اور پجاری ایک مسکین
عورت کو جس کی گود میں بچہ ہے زبردستی مندر سے باہر نکال رہے ہیں۔ وہ دکھیا
ہی مصیبت زدہ ہے۔ اس کا دل اندر سے تڑپ رہا ہے۔ مگر زبان اور آنکھیں خاموش۔

"جا گاؤں میں چلی جا۔ رات گزار دے۔ صبح پھر چلی آئیو"

(**عورت**) اچھا! مہاراج۔ مگر گاؤں میں جا کر کیا کروں گی۔ میں اب کس کرم کی ہی
یہ رات ...."

"ہے مہا بیر سوامی"!

اب آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ باہر نکلی۔ اور بچہ کو لیے کیکر کے درخت کے نیچے آ بیٹھی۔
عورت کیا بچہ تھی۔ گو بچے والی تھی۔ شریف تھی۔ امیر تھی۔ حسین تھی۔ لیکن بھولی
بھالی تھی۔ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھی۔ اور اس خیال سے کہ رات سر پر
آ رہی ہے اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔

میں اور وکیل صاحب اس کے قریب گئے۔ رحم آیا۔ ہمدردی کی۔ سرگزشت

پوچھی تو کہنے لگی:-

"میں متھرا کی رہنے والی ہوں میرا کندن (بچہ کا نام) بیمار پڑا میں نے کہا بچہ اچھا ہو جائے تو سوامی جی کے درشن کرونگی - میری عرض مہابیر نے سن لی۔ کندن اچھا ہوگیا۔ میں آنے کو تیار ہوئی تو اس کا باپ راضی نہوا ۔ میں حیران تھی کہ کیا کروں۔ ڈرتی تھی کہ نہیں جاتی تو سوامی جی بچہ چھین لیں گے۔ بڑی مشکل سے اسکا باپ راضی ہوا اسٹیشن تک میرے ساتھ آیا۔ میں گاڑی میں بیٹھ گئی تو وہ غائب ہو گیا۔ میں تو اب عمر بھر کو برباد ہو گئی۔ کیا کروں۔ رات ہو رہی ہے۔ ہے مہابیر سوامی! کرپا کرو"

"شام کی گاڑی آگئی۔ شاید اسمیں آجائے"

بچے کو لئے دور تک جاتی۔ لوٹ کر آ جاتی اور مایوس بیٹھ جاتی۔ بیٹھے بیٹھے پھر کچھ خیال آتا۔ مضطرب ہوتی اور پھر اٹھتی۔

وہ مندر سے باہر تھی۔ اسنے سامنے کچھ دیکھا۔ فرط خوشی سے اچھل پڑی ۔ اور وہیں گر کر زمین چوم لی۔ بس دوڑی ہوئی آئی۔ مورتی کے قریب پہنچکر قبولیت دعا کا شکریہ جس طرح اس نے ادا کیا صرف دیکھنے والی آنکھیں سمجھ سکتی تھیں۔ ہم کو دیکھکر کہنے لگی:-

"آگئے۔ کندن کے باپ آگئے۔ ہے سوامی میری لاج رکھ لی"

کون کہہ سکتا ہے کہ تو کیا ہے۔ تو ہی ہے خدا، جس نے موسے کے مقابلہ میں فرعون کی سنی۔ ابراہیم کو یہودیوں کے معاملہ میں ڈانٹ دیا۔ تو سب کا ہے۔ سب کچھ ہے۔ اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہے ؎

خلقے زتو گویا کہ چنین است و چنان است
گر بنگری پردہ نہ این است نہ آن است

راشد الخیری

۴۸۶

عبرت

یوں تو چشمِ بصیرت کے لیے پتے پتے پر خالقِ کائنات کی وحدانیت اور حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نشانیاں موجود ہیں۔ مگر دل کی آنکھ اندھی ہو تو اس بدنصیبی کا کیا علاج؟ اور دیدہ و دانستہ آنکھوں پر جہالت و ضلالت کی پٹی باندھ لیجائے تو اس شقاوت و بدبختی کی کیا دوا؟

اگرچہ ابتدائے آفرینش سے قانونِ قدرت یہی رہا ہے کہ ہر زمانہ میں اسکی توحید کا ڈنکا بجانے والے اور اسکی ہستی کی کتاب کا سبق پڑھانے والے اسکا پیغام لیکر آتے رہے۔ اور بشری جبلت کے اقتضا کے مطابق ان کی تصدیق و تکذیب ہوا کی۔ اور گوناگوں نصیحت خیز و عبرت انگیز بڑے بڑے زبردست نشان ہر قوم کے خیالات و معتقدات کے موافق اُس واحد مطلق کیجانب سے ظاہر ہوتے رہے۔ سعادتمند طبیعتوں نے انکی تصدیق کی مگر بدبخت و بدنصیب ہیں کہ آجتک اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں۔ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (بہرے گونگے اور اندھے ہیں کہ اپنی ضد سے باز نہیں آتے)۔

(۲) آہ! یہ نئی تہذیب اور اندھی روشنی کا یہ پرآشوب زمانہ جبکہ جسمانی صفائیوں اور ظاہری نمایشوں کے سوا اور کچھ نہیں رہا۔ اور ہر شخص بزعمِ خویش فرعون بے سامان ہو کر اپنے نفس کے لیئے خود مجتہد ہونے کا مدعیٔ باطل بنا پھرتا ہے۔ اور جبکہ روحانیت کو نہ صرف ایک مفروضہ شئے تصور کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس سے نفرت آمیز اعراض کر کے ملٹن و سپنسر کے وہمی فلسفہ کو اور نیوٹن کے بے بنیاد اصولوں کو (نعوذ باللہ) خدائی قانون کا ناسخ سمجھکر سائنس ہی کو ہر امر میں اپنا رہنما تے کامل خیال کیا جاتا ہے۔ اور اُسکے نت نئے بدلنے والے قوانین کو اٹل اور ابدی مانا جاتا ہے۔ حالانکہ تجربہ اور مشاہدہ

اس کے خلاف ہیں۔ دوستو! فلسفہ ایک ظنی اور قیاسی علم ہے جو زمانہ کے تغیرات کے ساتھ ہمیشہ بدلتا آیا ہے۔ اور اسی طرح تا قیام عالم متغیر ہوتا رہیگا۔ کہاں ہیں وہ مدعیان فلسفۂ یونان؟ اور کہاں ہے اُن کا فلسفہ بے حقیقت و بے اصل؟ کہ جس فلسفہ کو روئے زمین پر صحیح اور غیر متغیر مانا گیا تھا۔ مگر آخر وہ مکڑی کے جال کیطرح بلکہ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (مکڑی کے جال سے بھی کمزور) نکلا۔ اور آج اس یورپ کے فلسفۂ جدیدہ نے اس کا تار و پود توڑ کر اس کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ اسی طرح کل کوئی نیا فلسفہ اسکو بھی منسوخ کر کے اسکی جگہ آن لیگا وَهَلُمَّ جَرًّا کیونکہ یہ تو ایک مانی ہوئی حقیقت ہے۔ جسکے خلاف نہ آجتک کوئی آواز اٹھی نہ اُٹھے گی اور نہ اُٹھ سکتی ہے کہ "انسان فانی ہے۔ پس جب انسان فانی ہے تو اس کے وضع کردہ اصول یا اسکے مصنوعات بھی سب کے سب فانی ہیں پس اسکا فلسفہ اور سائنس بھی ناپائدار ہیں"۔ جس طرح ایک نسل کے فنا ہونے پر بعد کی آنے والی نسل اُسکی جگہ لے لیتی ہے۔ اسی طرح سے نئے انکشافاتِ علوم قدیم اصولاتِ موضوعہ کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ اور ہر زمانے میں عالمانِ علوم و ماہرانِ فنون اپنی ذہنی و علمی ترقی میں ید طولیٰ حاصل کر کے ایسے ایسے مسائل استخراج و استنباط کرتے ہیں کہ متقدمین اُنکے سامنے طفلِ مکتب کا حکم رکھتے ہیں۔ اور اُنکی اختراعات و ایجادات بازیچۂ اطفال اور اضغاث احلام سے زائد وقعت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (ایک سے ایک بڑھکر عالم ہے)

اس مختصر تمہید سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جس طرح انسان کو قیام و ثبات نہیں اسی طرح اُسکے بنائے ہوئے اصول بھی فانی اور ناپائدار ہیں۔ اور اگر قرار و ثبات ہے۔ تو اُسی ذات واجب الوجود کو جو وحدہٗ لاشریک ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ جس طرح وہ خود غیر فانی ہے۔ اسی طرح اُسکے مقرر کردہ اصول صحیح و راسخ اور اُسی کا بنایا ہوا فلسفہ قائم و ثابت ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ جو ہرگز بے ثبات نہیں قرار دیا جا سکتا ہر مومن موحد کا اسپر ایمان ہونا چاہیئے۔ اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد

اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔

(۳) خلاقِ عالم کی مخلوقات و مصنوعات میں چشم وا و دیدۂ بینا سے نظر کرو گے تو ہر ایک چیز کو عجیب و عجیب پاؤ گے۔ دور کیوں جاؤ۔ اُس کی مصنوعات میں سے اس پیش پا افتادہ زمین ہی کو دیکھو کہ اسکے اندر کس قدر عجائبات ہیں۔ قرآن حکیم کی بیسیوں آیات میں طرح طرح سے زمین کو خدا نے اپنی قدرت کا مظہر و نمونہ بیان فرمایا ہے دیکھو کیسے کیسے نباتات اور تناور درخت اور کیا کیا خوش ذائقہ بیل اور نفیس سے نفیس و نازک سے نازک خوش رنگ تر و تازہ پھول اور لذیذ سے لذیذ نعائم اُسکی سطح پر اُگتے ہیں۔ اور اس انسان ضعیف البُنیان کے لیے شیر مادر کی طرح مباح و حلال ہیں وَخَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (اور زمین میں کی ہر چیز تمہاری خاطر پیدا کی گئی ہے)۔ کس قدر غلاظت اور گلی سڑی اشیاء ہیں۔ جن کو منجذب کر کے زمین اپنے اجزاء میں پیوست کر لیتی ہے۔ اور اُنکو اپنے رنگ میں بدلکر ع ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد" کا کس خوبی سے ثبوت دیتی ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی اگر ان ہزاروں قسم کی کثافتوں اور غلاظتوں کو یہ نہ سمیٹتی تو تمام زندہ مخلوق کے لیے بالعموم اور اس اشرف المخلوقات کے لیے بالخصوص یہاں رہنا کسقدر دشوار ہو جاتا ۔

معدنیات میں دیکھیے اور فلزات کا معائنہ کیجیے کہ کسقدر قیمتی سے قیمتی دھاتیں انکے اندر موجود ہیں۔ جنسے انسان نے کیا کیا کام لیے ہیں۔ اور کیسے کیسے احجار اور سنگریزے یہاں نکلتے ہیں جنہیں ایک ایک کی قیمت لاکھوں ہزاروں تک آنکی جاتی ہے علم طبقات الارض کے جاننے والے تو خدا جانے اپنے تجربات و مشاہدات سے اسکے کن کن عجائبات سے واقف ہونگے۔ مگر راقم الحروف نے اسکے بطن میں جن دفائن عبرتناک کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ اور اُن دفینوں کو اپنے ہاتھوں سمیٹا ہے۔ اُن کی کیفیت خدائے عالم الغیب کو حاضر و ناظر جان کر بلا کم و کاست و بلا تزاید و انتقاص ہدیۂ ناظرین باتمکین کرتا ہوں جو ہر انسان کے لیے باعث عبرت و موجب نصیحت ہے۔ اور ان سطور کے

رقم کرنے کا اصل موضوع و مقصد بھی یہی ہے :-

(۴) دریائے جہلم کے بائیں ساحل پر شہر جہلم سے کوئی بیس میل اوپر ریاست جموں کی قلمرو میں جہاں کہ دریائے مذکور سلسلہ کوہ کے آخری حصہ میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے دھیما نہایت آب و تاب سے بہتا ہے۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی کو تراش کر جو عین لب دریا واقع ہے شاہان سلف نے ایک مختصر سا قلعہ اُس کی چوٹی پر بنایا ہے۔ جسکے اندر اسلامی قبور کا ہونا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ وہ قلعہ شاہان اسلام کی ایک یادگار ہے۔ اب چونکہ وہ علاقہ مہاراجہ صاحب جموں و کشمیر کے زیر نگیں ہے۔ اس لیے اُس قلعہ کے اندر منگلا دیوی کا بت نصب کر کے اُسے اُسی کا استھان قرار دیا گیا ہے۔ اور عوام الناس اُسے مائی منگلا کا قلعہ کہتے ہیں۔ اُس قلعہ کے متصل کنارے پر مختصر سی آبادی بھی ہے۔ جس میں آبادی کا غالب جزو مسلمان ملاحوں کا ہے +

یہ قدرتی مناظر کا لطف لینے کے لیے ایک خاص مقام ہے۔ حال ہی میں چند سال گزرے کہ جب صیغۂ انہار پنجاب کی جانب سے انہار ثلاثہ (نہر بالائے جہلم۔ نہر بالائے چیناب نہر نشیبی بالائے دو آب) کی تجویز منظور ہوئی تو محکمۂ مذکور کے افسران مجاز و طباع دانایان فرنگ نے نہر بالائے جہلم کا دہانہ بنانے کے لیے ٹھیک یہی موقع انتخاب کیا جو قلعہ منگلا کا دامن ہے ۱۹۱۰ء میں کام شروع کیا گیا۔ اُس کام کی نوعیت اور عجائبات گو بجائے خود ایک بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ مگر چونکہ وہ ہماری اصلی غرض سے مستبعد ہے۔ لہذا اُسے نظرانداز کیا جاتا ہے +

(۵) صیغۂ انہار میں ملازم ہونیکے باعث حسن اتفاق سے راقم الحروف کا آب و دانہ بھی کشاں کشاں اُسے وہاں لے گیا۔ صانع قدرت کے زبردست ہاتھوں نے چونکہ وہاں کی زمین پتھریلی بنائی ہے۔ لہذا محکمہ کی ضروریات اور کام کی مشکلات کا موازنہ کر کے افسران بالا دست نے بہت رد و کد کے بعد ایک خاص موقع سے نہر نکالنے کیلئے

کام کی داغ بیل ڈالی۔ اِس داغ بیل کے خطوط کے اندر ایک گاؤں (جسکا نام کھیڑی تھا) چاہات۔ اراضی مزروعہ بہلکر سبز درخت نیز ایک بڑا بھاری اور کہنہ قبرستان آگئے کام کے چلانے اور نہر کے بنانیکے لیئے ان سب کا اپنی اپنی جگہ سے ہٹانا امر واجب الالتزام تھا۔ وہاں مجھ سے بہت اچھے اچھے اور قابل سے قابل میرے ساتھی موجود تھے۔ مگر

ہر کسے را بہر کارے ساختند

چونکہ وہاں کی تمام آبادی مسلمان تھی۔ اور کسی مسلمان عہدہ دار کا اس کام پر لگایا جانا مناسب تھا اس لیئے میرا انتخاب عمل میں آگیا۔ اور اس کام کا قرعہ بمصداق اس ع۔

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

میرے نام پڑا۔ حکم حاکم۔ جس طرح بن پڑا قبرستان کے سوا تمام کام کو ٹھکانے لگایا۔ مگر قبرستان کا اہتمام ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اور بڑی ٹیڑھی کھیر تھی۔ اولاً میں نے تجویز کی کہ اُس گاؤں کے سربرآوردہ گان کو بلاکر سمجھایا کہ اس شہرِ خموشاں میں تمہارے بزرگ یا اعزا و اقارب مدفون ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم لوگ باہم اتفاق کرکے ان سب کو اپنے ہاتھوں سمیٹ لو۔ اور قبروں کو کھود کھود کر کسی دوسری موزوں جگہ پر دفنالو۔ سرکار انگلشیہ کی طرف سے جو روپیہ اس کام کے انصرام کے لیئے منظور ہوا ہے وہ سب کا سب تم کو دلوایا جائے گا۔ بہتیرا سمجھایا۔ مگر سبنے کانوں پر ہاتھ دہرے کہ یہ کام ہم نہیں کرسکتے مگر اس بات پر ہم رضامند ہیں کہ سرکار خود یہ بندوبست کرادے۔ جب اُنھوں نے اِس کام سے انکار کیا تو میں نے خود اور دیگر بارسوخ اشخاص کے ذریعہ مزدور پیشہ لوگوں کو اس کام کے لیئے آمادہ کرنا چاہا۔ اور ڈیوڑھی دُگنی مزدوری کا لالچ بھی دلایا۔ مگر کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ اور سبنے صاف جواب دیدیا۔ بہت کچھ کہا سنا۔ مگر بے سود۔ جبر تھوڑا ہی ہو سکتا تھا۔ ہونٹ چبا چبا کر رہ گیا۔ افسران بالا ہیں کہ میرے سر ہو رہے ہیں۔ اور اس کام کے لیئے جلدی مچا رہے ہیں۔ مگر کام کے ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ پر ۵

نہ رفت کلمہ لَآ بزبانِ ما ھرگز   مگر بہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ

میں بھی ایسے اوقات میں کلمۂ نفی زبان پر لانا کفرانِ نعمت سمجھتا تھا۔ دل میں تجویزیں سوچ رہا تھا۔ اور زبان سے آجکل کا وعدہ کرتا جاتا تھا آخرکار ایک روز میرے ضمیر یا ہاتف غیبی نے مجھے آواز دی۔ اور یوں مشورہ دیا کہ اس کام کی ابتدا اپنے ہاتھ سے کرو پھر خود بخود عقدہ کشائی ہو جائے گی۔ اِس آواز نے مجھے چونکا دیا۔ آخرالامر میں نے اپنے عملہ کے دو چار سمجھدار آدمیوں سے مشورہ کیا کہ پہلے ہم لوگ اس کام کی ابتدا اپنے ہاتھ سے کریں۔ "دیدہ باید ہرچہ باشد"۔ چونکہ وہ لوگ میرے ماتحت تھے اور میری عادت سے واقف۔ انہوں نے بخوشی اس تجویز کو منظور کیا۔ اُن کے مزید اطمینان کے لیے میں نے اُن سے یہاں تک کہا کہ سب سے پہلے جس قبر کو اکھاڑا جائے گا۔ اُسکی بسم اللہ میں اپنے ہاتھ سے کروں گا۔ اور تم کھڑے دیکھتے رہنا۔ تاکہ اہل قبور کیجانب سے جس گزند یا تکلیف کے پہنچنے کا اندیشہ یا احتمال ہے وہ مجھے پہنچے۔ اگر میں صحیح وسلامت رہا تو پھر بفضلہ سب طرح خیریت ہو گی۔ اگرچہ اپنے دل کے اندر ایک خاص قسم کا خوف میں بھی پاتا تھا کہ خدا جانے قبروں کے اندر سے کیا کچھ نکلے یا کیا آفت پیش آئے۔ کیونکہ قبرستان میں سے جب ہم لوگ دیسے ہی گزرتے ہیں تو ایک قسم کا ڈر سا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہاں تو قبروں کے کھودنے اور مردوں کے نکالنے کا کام تھا۔ شرعی حکم کا بھی پاس تھا کہ ایسا کرنا خلافِ شریعت ہے اور گناہ ہے تاہم میں اپنے دل کے اندر ایک قسم کی جرأت و مضبوطی بھی پاتا تھا اور کہتا تھا کہ میرا یہ فعل کسی بدنیتی پر محمول نہیں ہے۔ میں مُردوں کی بیحرمتی کرنا نہیں چاہتا۔ نہ مجھے اُنکی حالت دیکھنے کا شوق دامنگیر ہے۔ میں تو مجبورِ محض ہوں۔ بالفرض اگر میں ایسا کام کرنے سے انکار کردوں تو کوئی دوسرا متعین ہو جائے گا اور اس کام کو کردے گا۔ اور اگر مسلمان اپنے مُردوں کو نہ سمیٹیں گے تو اور کون سمیٹے گا۔ گاؤں والے رضامندی دے ہی چکے ہیں اس قسم کے خیالات کا ہجوم دل پر مستولی تھا اور میں اپنے دل کو قوی پاتا تھا کہ اس کام کو

نہایت اہتمام اور عمدگی سے سرانجام دینا چاہیئے۔ یہ مضحکہ کی بات نہیں ہے۔ بالآخر میں اپنے عملہ کی مختصر سی جماعت منتخب کرکے ماہ جون کی گرم لُو میں ٹھیک بارہ بجے دوپہر کے وقت قبرستان میں جا داخل ہوا۔ جبکہ گرمی اور دہوپ کی شدت سے سب لوگ اپنے کام کو چھوڑ بیٹھے تھے۔ میں نے قبرستان میں پہنچکر سب سے اول اپنے ہمراہیوں کو وضو کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ مجھ سمیت سب نے وضو کیا۔ اور میں نے سب کو یہ مشورہ دیا کہ ہمیشہ جتنی دیر یہاں کام کرو۔ باوضو رہا کرو۔

الغرض سب سے پہلے میں نے اپنے ہاتھ میں کسی لیکر ایک پختہ قبر کو اکھاڑنا شروع کیا جب اُسکے چند پتھر اکھڑ چکے۔ اور میں صحیح وسلامت رہا تو میرے ساتھیوں نے باری باری کام کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہمارا کام باقاعدہ چل پڑا۔ اور ہم نے اپنے ہاتھوں سے چار پختہ قبروں کو اکھاڑ کر ان کے مُردوں کو کفن پہنا کر تابوتوں میں بند کرکے بعد نماز جنازہ نہایت احترام کے ساتھ دوسری جگہ دفن کیا۔ اسوقت ہمارا افسر بھی حسن اتفاق سے نہایت نیک دل و منصف مزاج انگریز تھا۔ جسکا نام ایلسڈن صاحب تھا۔ وہ مجھے بار بار تاکید کرتا کہ دیکھو یہ مزار مسلمان بزرگوں کے ہیں۔ اُن کو عمدہ پختہ چار دیواری کے اندر نہایت خوبصورت بناؤ۔ اور جو روپیہ اُنکے لیئے منظور ہوا ہے سب اِن پر صرف کردو۔ اگر عمارت بنانیکے بعد کچھ روپیہ زائد رہے تو اُسے بھیں مذہبی مراسم پر لگادو۔ جو اِن بزرگوں کی ارواح کے لیئے باعث ثواب ہو۔ جب حاکم ایسا نیک دل ہو تو پھر کیا ہے۔ میں نے بھی اِن مزارات کو حتی الامکان نہایت عمدہ اور خوبصورت بنایا۔ اور ایک نفیس عمارت تیار کرائی۔

المختصر اِس طرح اپنے ہاتھ سے کام کی ابتدا کرنے پر آہستہ آہستہ مزدوری پیشہ لوگ بھی یومیہ اُجرت پر دیکھا دیکھی کام پر لگ گئے۔ اور اہل قبور کی جانب سے جو ایک قسم کی گزند پہنچنے کا وہم تھا جاتا رہا۔ ہر کام اطمینان سے ہونے لگا۔ چونکہ میرے اہتمام میں علاوہ اسکے اور بھی بہت سے کام تھے۔ جن کی نگرانی کا فرض یکساں طور پر مجھ پر عائد ہوتا تھا۔ اس لیئے

میں نے قبرستان کا کام ایک مسلمان پابندِ صوم و صلوٰۃ ستری کے سپرد کر دیا جس کا نام فضل الرسول تھا۔ اور قبرستان میں ایک حافظِ قرآن کو بھی بٹھا دیا کہ جب تک کام جاری ہے وہ قبرستان میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے جس کا ثواب مُردوں کو پہنچایا جائے۔ اور ہر جس قدر لاشیں روز نکلا کریں اُنکی نمازِ جنازہ بھی پڑھا دیا کرے۔ تاکہ باقاعدہ کفنانے اور نمازِ جنازہ ادا کرنیکے بعد نئی قبروں میں ادب و احترام کے ساتھ وہ دفنائی جائیں۔

مجھے دوسرے کاموں کی دیکھ بھال میں بہت وقت صرف کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے قبرستان میں میرا جانا اس طرح ہوتا کہ کبھی صبح اٹھتے ہی گھوڑے پر سوار ہو سیدھا قبرستان میں پہنچ جاتا۔ اور تھوڑی دیر وہاں ٹھیر کر اور کام ہوتا دیکھکر دوسرے کاموں کی جانب چلا جاتا۔ گاہے دوسرے کاموں سے انفراغ حاصل کرکے سرِ شام قبرستان میں آنکلتا اور فرض منصبی ادا کرنیکے علاوہ فرض کفایہ کے ادا کرنیکے لیئے نمازِ جنازہ میں بھی شریک ہو جاتا اس طرح پر دن میں ایک دو دفعہ میں وہاں ضرور پھیرا کرتا۔ گاؤں کے لوگ بھی اس احترام و عزت کے ساتھ مُردوں کو سمیٹتے دیکھکر بہت خوش ہوتے۔ اور سرکار انگلشیہ کے حسن انتظام کی داد دیتے۔ خود میری بھی ان لوگوں میں بہت آؤ بھگت ہوتی۔ ابتدا میں جو لوگ اس کام کو اچنبھا خیال کرتے تھے۔ اب جوق جوق تماشا دیکھنے کے لیئے قبرستان میں آنے لگے اور بعض اوقات اصرار کرتے کہ ہمکو دکھاؤ کہ قبروں کے اندر سے کیا نکلتا ہے۔ مگر میں نے شروع شروع میں بہت احتیاط رکھی۔ اور اپنے خاص آدمیوں کو ہدایت کردی کہ خدا جانے قبروں کے اندر کا کیا حال ہو۔ لہٰذا تم لحد کا منہ کھولتے وقت پردہ کر لیا کرو۔ تاکہ لوگوں کے سامنے خفتگانِ کنجِ لحد کی اس مدہوشی کی نیند میں بے حجابی و بے پردگی نہو۔ مگر جب ہم نے تجربہ کرلیا کہ سوائے بوسیدہ ہڈیوں کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ اور بعض اشخاص بیحد مُصر ہونے لگے تو میں نے ایسے سخت پردہ کی رسم بند کرادی۔ اور اسقدر اجازت دیدی کہ اگر کوئی صاحب دیکھنے کا شوق ظاہر کریں تو دیکھ لیں مگر خواہ مخواہ تشہیر کرنے اور علانیہ بے پردگی کرنے

ممانعت تھی۔ اس نہج سے کام ہوتا رہا۔ تماشائیوں کا ایک جم غفیر ہر وقت قبرستان میں موجود رہتا۔ علاوہ ازیں جدھر سے ہم قبرستان کو کھودتے آتے تھے۔ اُدھر سے نہر کھودنے کے لیے سیکڑوں مزدور ہمارے پیچھے پیچھے جمع ہو رہے تھے۔ غرض ہمارے اس کام کو دیکھنے والے ہزاروں آدمی تھے۔ اور روز تتاً فوقتاً محکمہ نہر کے بڑے بڑے عہدہ دار و ملازمین بھی آیا کرتے تھے +

(۶) حسب معمول میں ایک روز صبح ۸-۹ بجے کے قریب گھوڑے پر سوار ہو کر قبرستان میں گیا۔ جب احاطہ کے قریب پہنچا تو ستری فضل الرسول مجھے دیکھکر میرے پاس آگیا میرا ارادہ تھا کہ کام کے متعلق گھوڑے ہی پر کھڑے کھڑے دو چار باتیں پوچھکر واپس ہو جاؤں جب میں نے ایسا کرنا چاہا تو ستری نے مجھ سے کہا کہ آپ گھوڑے سے اتر آیئے۔ آپ کو کچھ دکھانا ہے۔ یہ سنکر میں گھوڑے سے اترا۔ گھوڑا ایک شخص نے تھام لیا۔ اور میں قبرستان کے اندر جا داخل ہوا۔ وہاں پہنچکر ستری نے مجھے ایک قبر پر لے جا کھڑا کیا۔ اور اشارہ سے کہا کہ اسے دیکھئے جب میں نے اس لحد کے کھودے ہوئے گڑھے میں نظر کی تو خدا شاہد ہے کہ اسکی دیواروں کو مثل بھٹی کی دیواروں کے سُرخ پایا۔ حتیٰ کہ لحد کا فرش اور چھت اور نیز پتھر جو لحد کا منہ بند کرنے کو استعمال کیے گئے تھے اُن کا اندرونی رخ بھی لال انگارا تھے۔ یہ دیکھکر میرا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ اور میں نے بے تابی کے لہجہ میں اُس سے دریافت کیا کہ اسکے اندر سے کیا نکلا؟ اُس نے ایک مزدور کو اشارہ کیا وہ ایک چھوٹی سی گٹھری اٹھا لایا جو کفنانے کے کپڑے میں بندھی تھی اُسے کھولکر میرے سامنے رکھدیا تو وہ مثل سرخی کے لال رنگت کی خاک تھی اُسکے اندر ہڈی پسلی کا کوئی نشان نہ تھا۔ ربنا وقنا عذاب النار ٥ + (باقی دارد)

رحمت علی بی۔او۔ایل

صیغۂ انہار (پنجاب)

۱۹۲۸ء

دعوتِ روح

(پچھلے پہر کے سناٹے میں)

سوتی ہے دنیا ہر سُو سوتی ہے پھولوں کی بُو
ہو کر نفس سے بے قابُو کب تک بدلے گا پہلُو
اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

سوسن ہے گویا خاموش نرگس مستی سے بیہوش
قمری پتّوں میں روپوش چُپ ہے سروِ کنارِ جو
اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

سب ہیں ساکت مور چکور ساکن ہے چڑیوں کا زور
بلبل بھول گئی ہے شور گم ہیں آنکھوں میں آنسو
اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

خوابِ ہستی ہے دو چند سب عالم ہے غفلت مند
تاروں کی آنکھیں ہیں بند چشمِ خفتہ ہے جگنو
اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

زاہد، فاسق اور مے خوار پتھر، دریا اور اشجار
سب ہیں غفلت میں سرشار مومن، کافر اور ہندو
اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو!

چھائی ہوئی ہے خاموشی ساکت ہے دنیا ساری
ہے یہ وقتِ یک سوئی کیوں کھوتا ہے اس کو تُو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُوا!

ہو کی ہے روح مجبور ... اس کی دعوت ہے منظور
لائیں قدسی خوانِ نور ... خوشرو، خوشرنگ و خوشبو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُوا!

چمکیں آثارِ انوار ... دنیا ہو جائے بیدار
ہو کر محوِ رنگِ یار ... طوطی بولے تو ہی تو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُوا!

رشکِ نورِ سحر ہو رات ... صبح عید ہو جس سے مات
چمکیں رحمت کے لمعات ... جیسے حوروں کے گیسو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُوا!

اپنے جلد دکھا اعجاز ... اے میرے ہمدم ہمراز
تیری باتیں سحر طراز ... تیرے لفظوں میں جادو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُوا!

وقتِ خلوت ہے نادان ... حاصل ہے ہر اطمینان
کر ہنگامے کا سامان ... ہو کر دنیا سے یکسو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُوا!

خوابِ خودی سے ہو ہشیار ... بیخود ہو جا میرے یار
تجھ سے کہتا ہوں ہر بار ... اے دل بول اُٹھ اللہ ہُو

اے دل بول اُٹھ اللہ ہُوا! ... سیماب

مدیر نظام المشائخ کی نذر

ملہ اِس نظم کی تقطیع "فعلن فعلن فعلن فع" سے ہوتی ہے اور اسی تقطیع کے زحافات پورا کرنے کیلئے لفظ "اللہ" بول کے بعد اضافہ کیا گیا ہے۔ لیکن جو حضرات اِس نظم کو زیور موسیقی پہنانا چاہیں اور رمضان کی راتوں میں جبکہ سناٹا ہر طرف چھایا ہوا ہو اِس نظم سے فضا میں خاموش ارتعاش پیدا کرنے کے آرزومند ہوں

التجائے پروانہ

وہ زمانہ بھی ہے تجھکو یاد اے شمع حرم! نور کے سایہ میں تیرے جبکہ آسودہ تھے ہم؟
اب مگر تجھ میں نہیں ہے وہ گداز سیل نم؟ یا ہمیں میں درد آسا آگئی ہے خوئے رم؟

دیدۂ خونناب کی وہ دجلہ باری کیا ہوئی؟
کیا ہوئی راتوں کی میری آہ و زاری کیا ہوئی؟

تو وہی ہے اور ترے شعلہ کی رعنائی وہی عارضِ روشن کی تیری محفل آرائی وہی
تیرے جلوے میں نہاں ہے سوز فرمائی وہی ذرہ افزائی وہی حسن تپش زائی وہی

درخورِ آہنگ سوزش بالِ پروانہ نہیں
ورنہ یہ تیری ضیا تو اب بھی بیگانہ نہیں

ہائے وہ دن جب ترا شعلہ اُدھر تھا برق کوش اور ادھر تھا رقصِ سوزش خرمنِ صد صبر و ہوش
طور پرور تھا ادھر گر جلوۂ خورشید جوش رشک موسیٰ تھا ادھر ہر ذرۂ آئینہ پوش

وہ ہجوم ناز کی ہر لحظہ جلوہ تازیاں!
اور وہ انبوہ نیازِ عشق کی جانبازیاں!

سینہ جوشش گاہ سیلِ وسعتِ آمال تھا ولولوں کی موج سے ہر قلب مالا مال تھا
یہ سکونِ نکبت و ذلت جو وہ زار حال تھا کارگاہ صد تپش آسودہ زیر بال تھا

سوزِ نغمہ سے غرض معمور تھا ہستی کا ساز
دل مثالِ آئینہ تھا گریہ بردارِ گداز

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰) وہ "اِن اللہ" کی قید سے بری ہو سکتے ہیں۔ اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ "بول" کے ب و کو ذرا تموج کے ساتھ ادا کریں تقطیع بغیر "اللہ" کے بھی پوری ہو جائیگی اور "اے دل بول اللہ ہو" کی کیفیت موسیقی میں "عالم ہو" کی پوری سینری نظر آجائے گی۔ میں نے "اللہ" صرف اسلئے بڑھایا ہے کہ بادی النظر میں ایک زحاف کم معلوم ہو جسپے نکتہ چیں معترض ہوں۔ ورنہ میں خود اس مصرع کو اسی لئے فضا کی تموج کے ساتھ اس طرح جھوم جھوم کر گا رہا ہوں۔ ع "اے دل بول اللہ اللہ ہو"
انبر آبادی

تحکمر کیا، اک ہم نہیں تو اور پروانے بہت ———— حسن تیرا چاہیئے، مجھ سے ہیں دیوانے بہت
لطف ساقی ہو تو ساغر اور پیمانے بہت ———— پردہ داری ہو تری شب کی تو افسانے بہت

ہر پتنگے میں کہاں لیکن وہ شعلہ باریاں؟
خاک میں اب بھی لگن کے ہونگی کچھ چنگاریاں!

نیاز فتحپوری

۶۷۲

مولوی رومؒ

گل گوش ہو جہاں سدا ترے خوانِ تکلم پر ———— دُرِ خوش آب ہیں جو بلبلے ہیں تیرے قلزم پر
مئے تسنیم ہے قرباں ترے میخانہ کے خم پر ———— تری تسوید کا احسان مسلم چشم مردم پر

عجب انداز خوش گوئی عجب شیریں بیانی ہے
خدا شاہد کہ تو دارائے اقلیم معانی ہے

کلیم طور انوار حقیقت ہے زباں تیری ———— روانی ہے آب کوثر کی طرح طبع رواں تیری
سویدائے دل عالم ہے تاثیر بیاں تیری ———— حدیث عقل کل کی ترجماں ہے داستاں تیری

بھری ہے عبرت آموزی ترے نقش ترادو میں
قیامت کی ملاحت ہے ترے شیریں فسانوں میں

نہ ہے طرز گہر ریزی نہ ہے شانِ سخندانی ———— ہوا پیدا نہ تیرے بعد مولانا! ترا ثانی
بساطِ معرفت پر خوب کی تو نے گل افشانی ———— گہرہائے تصوف کی ترے دم سے ہے ارزانی

جہاں کو اپنا گرویدہ بنایا مرحبا! تو نے
بآسانی نکات شرع کو حل کر دیا تو نے

نہ دیجائے تجھے تشبیہ کیونکر ابر رحمت سے ———— زمین روم گلزار ارم ہے تیری نسبت سے

ہدایت یاب عالم ہے تری پند و نصیحت سے — سخن کی شان ہو افزوں ترے لفظوں کی شوکت سے

بشر را مرجع و ماویٰ ملائک را مآب استی

پیمبر نیستی الحق مگر صاحب کتاب استی

ادب پرور ترا احساں فصاحت تیری ممنوں ہے — تو ہے ہستا تصوف کی صدف کا دُرِ مکنوں ہے

ترا ہر نکتہ معنی خیز ہے، موجز ہے، موزوں ہے — سواد مثنوی لیلا ہے اور ہر قلب مجنوں ہے

بیاں جبریل کا ہے گفتگوئے معنوی تیری

قبول اہل ذوق و اہل دل ہے مثنوی تیری

ترے پردے میں ہے گویا سخن سنج ازل گویا — مگر ہے منظر الہام آئینہ ترے دل کا

ہوئے ہیں تجھ سے بھی لمعات انوار ازل پیدا — وجود پاک تیرا مظہر اسرار قدرت تھا

چساں بر عرش می تو رسد بے بال و پر عرشی

چگونہ زیں چنیں بحرے بروں آرد گہر عرشی

محمد حسین عرشی امرتسری

دولت کا مصرف

جن کو حکمت دی خدا نے پوچھئے اُن سے یہ بات — کیوں ہوئی دولت کی حاجت عالمِ اسباب میں

اس سے گر مدِ نظر ہو صرف نشہ کبر کا — تو ہی کافی جب نشہ ہے شرابِ ناب میں

اِسکے نشہ سے جو چکر ہو تو ہو بے فائدہ — یوں پھرے سر جس طرح تنکا پھرے گرداب میں

صَرف بیجا ہو جو دولت کا تو ذلت ہے نصیب — لاکھ تم شیخی بگھارو بیٹھ کر احباب میں

مال کے صرف بجا سے عقل پاتی ہے جلا — جس طرح سورج سے ملتی ہے چمک مہتاب میں

چشمِ حکمت سے سلیمانؑ کا صحیفہ دیکھ لو — وہ جو تھے اور کیا فرما گئے اِس باب میں

رہتی ہے بیدار حکمت ساتھ جب دولت کا ہو — فقر اگر ہوتا ساتھ تو بھی ہے غافل خواب میں

شوق قدوائی

نظم

لاتقنطوا من رحمۃ اللہ

گزرے ذوالنونؒ ایک صحرا میں ۔ دیکھا ابلیس کو ۔ ہے سربسجود
پوچھا کیسی تری یہ طاعت ہے ۔ تو ہے مشہور ناری و مردود
بولا ابلیس ۔ گو لعیں ہوں میں ۔ حق تعالی تو سب کا ہے معبود
میں بھی آخر اُسی کی ہوں مخلوق ۔ سب کا خالق وہ سب کا ہی مسجود
ہو گئی اک بڑی خطا مجھ سے ۔ اُس کا ذکر اب اگرچہ ہے بیسود
رحمت حق کی پھر بھی ہے امید ۔ کیا عجب بخش دے وہ رب ودود
ہے ندامت گناہ پر لازم ۔ رحمت اللہ کی ہے نا محدود
نہ ہو مایوس رحمتِ حق سے ۔ چاہے جو اپنی عاقبت محمود
بیشک اللہ ہے غفور رحیم ۔ اے ذہین سب کا ہو یہی مقصود

ذہین از حیدرآباد

نظم

تازہ غزلیں اور نعتیں

(۱)

از ہز اکسلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر ۔ شاد چشتی خماری شاد

تجھی سے ابتدا ہے میں نہیں ہوں ۔ تجھی پر انتہا ہے میں نہیں ہوں
صفت تیری بقا ہے میں نہیں ہوں ۔ تو ہی جلوہ نما ہے میں نہیں ہوں
یہ تیرے ہی گل عارض کی جاناں ۔ بہارِ دلکشا ہے میں نہیں ہوں
برائے نام ہیں معشوق و عاشق ۔ تو ہی اک آشنا ہے میں نہیں ہوں

جو دیکھی آئینہ میں صورت اپنی — یہی دھوکا ہوا ہے میں نہیں ہوں
صنمخانے میں اور کعبے میں عارف — وہی جلوہ نما ہے میں نہیں ہوں
نہ تو نغمہ نہ ہے شیون کسی کا — تری ہی سب صدا ہے میں نہیں ہوں
انا الحق کی صدا آئی کہاں سے — تو ہی تو کہہ رہا ہے میں نہیں ہوں
اگر تو شخص ہے پھر عکس ہے کون — یہ نقشہ ہی ترا ہے میں نہیں ہوں
صدائے ما سوی اللہ شیخ شبلی — وہی خود کہہ رہا ہے میں نہیں ہوں
مجھے تم شاد کیوں سمجھے ہوئے ہو — یہ کوئی دوسرا ہے میں نہیں ہوں

(۲)

از جناب حسن مجیبی قادری

قلب جس کا آشنائے بحرِ عرفاں ہو گیا — گوہرِ مقصود سے پُر اُس کا داماں ہو گیا
تو جو یکتا تھا دکھائی تو نے نیرنگی یہ کیوں — آج ہندو بن گیا اور کل مسلماں ہو گیا
مر مٹا ہوں میں تری حسرت میں اے یثرب نشیں — کیوں نہ کہدو مجھ سے تو اے شاہِ خوباں ہو گیا
ناصحو! بے سود ہے بیکار سمجھانا مرا — کیا اثر اُس پر جو محوِ یادِ جاناں ہو گیا
اے حسن لاریب تھا نورِ خدا نورِ مجیب — آپ اپنے میں فنا ہو کر وہ پنہاں ہو گیا

(۳)

(از جناب محمد رضا صاحب رضا صدیقی الہ آبادی از علیگڈھ)

گر لطف و کرم کی مرے سرکار نظر ہو — اپنا بھی ابھی ہند سے طیبہ کو سفر ہو
آجائیں نظر طور کے جلوے مجھے بیشک — آنکھیں ہوں مری اور ترا راہگذر ہو
وہ دن سحرِ عید سے کچھ کم نہ ہو مجکو — جس روز مدینے کی طرف عزمِ سفر ہو
اُٹھ جائے اگر پردۂ دوری تو بنے کام — در سے ترے نزدیک ترا بندۂ در ہو
جلوے سحرِ وصل بنے آغوش میں پاؤں — اس نالۂ شب گیر میں گر کچھ بھی اثر ہو

کرتے ہیں نکیرین مجھے قبر میں مضطر　　آجاؤ مدد کو مرے سرکار کدھر ہو
تم بیکس و بیتاب کے ہو حامی و والی　　تم اپنے غریبوں کی یتیموں کی سپر ہو
باطن میں ہیں ظاہر ترے کچھ اور ہی جلوے　　ظاہر میں تو سب کہتے ہیں بندے ہو بشر ہو
صدقہ میں کرم کے ترے اے رحمت عالم　　اس اپنے رضا پر بھی عنایت کی نظر ہو

(۴)

(از جناب ملا ناتا صاحب اڈیٹر شعلہ دہلی)

دل نہیں لگتا مرا ہند میں گھبراتا ہوں　　یا نبیؐ آپ کی فرقت میں مرا جاتا ہوں
یا مجھے ہند سے طیبہ میں بلا لیجے حضور　　یا یہ فرمایئے مضطر نہ ہو میں آتا ہوں
آپ کا بندہ رہے آپکے قدموں سے جدا　　کس لیے پیدا ہوا ہائے میں پچتاتا ہوں
یا نبیؐ عزت و حرمت ہے مری آپ کے ہاتھ　　خوف عصیاں ہے مجھے حشر میں شرماتا ہوں
درد اٹھ اٹھ کے مرے پہلو میں تڑپاتا ہے　　ہجر میں رونے سے فرصت جو ذرا پاتا ہوں
یاد میں آپ کی میں رہتا ہوں آٹھ آٹھ پہر　　ہجر میں خون جگر پیتا ہوں غم کھاتا ہوں
روز و شب کٹتے ہیں فریاد و فغاں میں ناصر　　دیکھیے کب میں مدینہ کی طرف جاتا ہوں

(۵)

(جناب محمد حفظ الرب صاحب عتاب امروہوی)

تمہیں ہو چارہ گر بیکساں غریب نواز　　تمہیں کو کہتا ہے سارا جہاں غریب نواز
جو حکم ہو تو کروں شرح درد و غم ورنہ　　عیاں ہے آپ پہ درد نہاں غریب نواز
مری جبیں ہے تمہارے ہی آستاں کیلئے　　پھر اسکو چھوڑ کے جاؤں کہاں غریب نواز
فقیر کو در دولت سے بھیک مل جائے　　مرے شہنشہ خلد آشیاں غریب نواز
تمہیں بتاؤ کہ میں کس زمیں پہ جا کے رہوں　　جو چین لینے نہ دے آسماں غریب نواز
نگاہ لطف تمہاری عتاب پر ہو جائے　　مراد پائے یہ بے خانماں غریب نواز

اہل اسلام کیلئے سچی رعایت

قابل زیارت حمائل شریف مترجم مجلد حنا شدہ

بتا رمضان تک ہدیہ بجائے پانچ روپیہ کی بجائے صرف ایک روپیہ آٹھ آنے کر دیے

طرفہ صنعت

حرفوں کی خوشنمائی موتی کی آب سے زیادہ۔ چھپائی ایسی جیسے ایک مشاق استاد کے ہاتھ کے ترشے ہوئے نگینے کاغذ صاف چکنا ولایتی صحت کا یہ عالم کہ ایک ایک نقطہ کی ذمہ داری طرہ یہ کہ ہر بسم اللہ کا تحریر جداگانہ جلد سنہری چاندی کی بیلوں اور جدول سے مزین پھول پتی کی بہار قابل دید لیکن بقول کسے **شنیدہ کے بود مانند دیدہ** آپ ان لفظوں کے مزے نہ لیں جوہر دیکھیں۔ ناممکن اور قطعی ناممکن ہے کہ تمام ہندوستان مین ایسی رعایت کے ساتھہ یہ گوہر شہوار آپ کو مل سکے ہم صرف گرانبہا تحفہ آپکے ہاتھوں تک پہنچا سکتے ہیں فقط اس لیئے کہ اس عظیم الشان ثواب میں سے کچھہ حصہ لیں۔ جو حضرات منگا چکے ہیں وہ شہادت دیتے ہیں۔ کہ ہم نے اس رعایتی اعلان سے نہ صرف ثواب میں شرکت کی ہے بلکہ دیندار مسلمانوں کو ایسا فائدہ پہنچایا ہے جس کی نظیر ہندوستان میں کیا دنیا میں نہیں مل سکتی۔ ان تمام امور پر مستزاد یہ ہے کہ جو صاحب اپنا نام جلد کی پشت پر سنہری یا روپہری حرفوں میں تحریر کرانا چاہیں۔ تو بغیر کسی اجرت کے تعمیل ارشاد کی جائے گی اگر حمائل شریف حسب تحریر نہ ہو تو فوراً واپس کر دیجیے جہاں ایک حمائل شریف پہنچی وہاں سے بیسیوں فرمائشیں آئیں جہانتک ممکن ہو جلد فرمائش روانہ فرمایئے محصول

میسرز شیخ محمد عبدالحمید عبدالرشید فراشخانہ دہلی سے منگایئے

ہندوستان ہی کا نہیں

انگلستان کا پرنٹنگ پیج اٹھا ہے

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پران کر دیئے

آپ جس پرچے کو جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجیے سب کے چہرے زرد ملیں گے۔ اب خطیب و نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ کوئی سرخ و سپید نظر آتا ہو۔ تو آتا ہو لیکن

کب تلک یارب چھپائیں درد دل

خطیب و نظام المشائخ کے مالک کے پاس قیصر ولیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اٹھائے چلا جائے۔ ناظرین اگر نظام المشائخ کو اس کی بہتر شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو خود ہی کچھ تکلیف اٹھائیں +

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک مد امداد پیش کرتا ہوں جب تک یہ جنگ ہے اس میں ۸ رسالانہ کم از کم سب کو دینا پڑے گا۔ اور اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو،

خاکسار واحدی

پرورش اولاد شادی کے بعد اولاد کا ہونا اگر یقینی نہیں تو اکثر یہ ضرور ہے
اولاد کی پرورش والدین پر ایک ایسا فرض ہے جو کسی سے قضا نہیں ہو سکتا۔
احسن طریقہ اس فرض کے ادا کرنے کا یہ ہے کہ اپنے حقوق کو کامل طور پر حتی الوسع ادا کرے
(۱) پہلا حق۔ اولاد کی پرورش طبی قواعد کے مطابق کرنا۔ تاکہ جان ضائع نہ ہو
(۲) دوسرا حق۔ اولاد کا نام نیک رکھنا۔
(۳) تیسرا حق۔ اولاد کی تعلیم و تربیت عمدہ و نفع بخش طریقہ پر کرنا۔

اولاد کے حقوق ثلاثہ والدین پر یکساں اعلیٰ قدر مراتب ہیں کوئی فریق اگر عذر کرے
یا کاہل و بخیل ہو تو دوسرا فریق ذمہ دار ہے۔ کہ اسکے فرائض کو یاد دلاتا رہے۔
اگر ماں لاپرواہ ہے تو باپ کو چاہیئے کہ اولاد کا حق ماں غصب نہ کر سکے۔ اگر باپ
لاپرواہ و بخیل ہو تو ماں کو چاہیئے کہ اولاد کا حق باپ غصب نہ کر سکے۔ کہ تدبیر منزل
کا حسن معیار۔ یہ ہی ہے۔

عزیز بہن۔ پرورش اولاد کی بحث بہت ہی طویل و تفصیلات کی محتاج ہے۔
یہاں ایک راز بتلانا چاہتا ہوں جس پر پرورش کا مدار ہے۔ وہ راز ضبط اوقات یعنی
ہر کام کے لیئے ایک مقررہ وقت ہو۔ جو بہنیں اس راز کی اہمیت کو اپنی عقل و تجربہ سے
جلد پا جائیں گی۔ وہ دیکھیں گی کہ ان کی اولاد کس قدر عمدہ پرورش ہوتی ہے مثال
کے طور پر میں کچھ سمجھاتا ہوں۔

(۱) طلوع آفتاب سے ایک گھنٹہ قبل بچوں کو بیدار کرو۔ ۱۔ بیداری
(۲) پیشاب پاخانہ (حوائج ضروریہ) سے فراغت کراؤ۔ ۲۔ حوائج ضروریہ فراغت
(۳) پھر حسب موسم پانی سے نہلاؤ۔ ۳۔ غسل
(۴) خدا کی عبادت کے جانب توجہ دلاؤ۔ مشغول کراؤ۔ ۴۔ عبادت
(۵) قریب طلوع جنگل میں پیادہ پا لیجاؤ یا معتبر و نیک چلن ملازم کی نگرانی میں

(۶) بعد طلوع آفتاب جنگل سے سواری پر واپس لاؤ۔ ۶۔ ورزش تفریحی

(۷) گھر جب پہونچ جائیں زود ہضم غذا کھلاؤ لیکن تھوڑی بطور ناشتہ۔ ۷۔ ناشتہ

(۸) ناشتہ کے بعد فوراً درسگاہ بھیجو۔ - - - - - - - - - - ۸۔ تعلیم

(۹) دوپہر کا کھانا ممکن ہو تو درسگاہ ہی میں کھلاؤ۔ ۹۔ دوپہر کا کھانا۔

(۱۰) نماز روزہ اگر فرض ہو گیا ہو۔ تو اسپران کو رغبت دلاتے رہو اور عمل پر مجبور کرو۔ - - - - - - - - - - - - ۱۰۔ عبادت

(۱۱) سہ پہر کو بعد فراغت تعلیم۔ ورزشی اور حکمت آموز کھیل مہذب ہم سنوں میں کھلاؤ۔ - - - - - - - - - - - ۱۱۔ کھیل

(۱۲) شب کو دن کا پڑھا ہوا دوبارہ یاد کراؤ آگے مطالعہ اور مشق کراؤ۔ ۱۲۔ شب کی تعلیم

(۱۳) روزانہ کام کی جانچ پڑتال سے جب فراغت ہو جائے تو شب کی عبادت یاد دلاؤ۔ - - - - - - - - - - - ۱۳۔ عبادت شب

(۱۴) جب شب کی عبادت سے فارغ ہو جائیں تو شب کا کھانا کھلاؤ مگر اشتہا ضرور چھوڑواؤ۔ - - - - - - - - - - - ۱۴۔ شب کا کھانا

(۱۵) جب اس سے فارغ ہو جائیں سونے کے لیے بستروں پر بٹھا دو۔ ۱۵۔ خواب راحت

تعطیل اور تعلیم سے فرصت کے زمانہ میں اتو سیع تجربات و معلومات کے اضافہ کے واسطے اور اولوالعزمی پیدا کرانے کے لیے۔

(۱) سپاہ گری جس میں کشتی گیری بھی شامل ہے اور شناوری۔ سکھلاؤ (۱)

(۲) بحری و بری سفر، شکار کے نام سے، کراؤ۔ (۲)

(۳) مختلف مقامات کی سیاحی سیر کے نام سے کراؤ۔ (۳)

(۴) بڑے لوگوں سے ان کے معاملات ملاقات کے حیلہ پیدا کراؤ۔ (۴)

(۵) مجمع میں آزادانہ اپنے خیالات و معلومات کے بیان کرنے کی عادت ڈلواؤ۔ (۵)

(۶) خطرات پر دلیر بناؤ - - - - - - - - - - - - (۶)
(۷) تاریخی افسانے جنمیں شجاعت، سخاوت، صداقت کی ترغیب و تعلیم ہو سنایا کرو (۷)
(۸) قومی و مذہبی جذبات و قومی شعار و آزادی کی روح خیالات میں پھونکو - - - (۸)

عام طور پر ان باتوں کے سوا یہ بھی خیال رکھو کہ

(۱) صحبت تو بری نہیں ۔ ہم سن کیسے ہیں،
(۲) ملازموں اور خدمت گاروں سے زیادہ مانوس تو نہیں،
(۳) چٹورے تو نہیں ہوتے جاتے،
(۴) گستاخ نہ ہونے دو،
(۵) سرکش نافرمان نہ ہونے دو،
(۶) اسکولی شرمناک عادت کا تو کچھ اثر پیدا نہیں ہوا،
(۷) استاد و نگراں خود بھی شریف خیال اور نیک چلن ہیں،
(۸) تم خود بھی اولاد کے سامنے زیادہ بے تکلف نہ ہو،
(۹) اولاد سے اپنی کمزوریوں کو بہت پوشیدہ رکھو۔
(۱۰) برائیوں کی خرابیاں اِس طریق پر اور اس طرح پر دلچسپ بنا کر ان کو سمجھاؤ بتلاؤ بتلاؤ کہ ان کے دل میں جم جائیں۔
(۱۱) نہ دھو کو سب سے خود احتراز کرو۔ کہ بچے بے شرم ہو جاتے ہیں،
(۱۲) جھوٹ، بے ایمانی، بدعہدی۔ فریب، سستی۔ بےکاری۔ بے ہنری، ظلم، بے وفائی، غداری، بے علمی، بدچلنی، بے ادبی۔ بدانتظامی، فضول خرچی بد اخلاقی کی برائیاں، اور ان کے نتائج کی خوفناکی اس دلچسپ طریقہ سے دل میں جماؤ اور بتلاؤ کہ جوان ہو کر نکل ہی نہ سکیں،

پرورش کے متعلق مختصراً جو کچھ ابتدائی باتیں تھیں وہ میں نے بیان کر دی ہیں،

لڑکیاں چند باتوں سے بے نیاز ہیں۔ ان کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ جہاں جہاں اشتراک ہے وہاں وہاں دونوں یکساں پرورش کے لایق ہیں۔

پرورش کے بعد اب تربیت ہے جس کا زمانہ بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے اسکے لیئے جدا زمانہ اور وقت کی حاجت نہیں۔

اَب میں اپنی عزیز بہن کو پہلے تربیت کی تعریف وغرض بتلائے دیتا ہوں۔

تربیت } چونکہ آدمی اپنی ضروریات کی فراہمی میں تنہا قاصر ہے اور دوسرے کی اعانت کا ضرورت مند ہے۔ مدنی الطبع ہونے کے باعث ان نعمتوں اور بھلائیوں کو حاصل کرنے پر حریص ہے جنکو وہ خود تنہا بلا مدد غیرے حاصل نہیں کرسکتا اور اشخاص حیثیتوں کے اختلاف سے جدا جدا مراتب کے ہوتے ہیں یعنی

(حاکم ومحکوم) (امیر وغریب) (عالم وجاہل) (شریف ورذیل) (بڑا اور چھوٹا) (اپنا اور پرایا) (دوست دشمن) ایسی حالت میں اگر ان کے مراتب کا خیال نہ رکھا جائے۔ تو اشخاص سے بجائے نفع کے نقصان پہونچ جاتا ہے۔

اور ان مراتب کا خیال رکھنا اور ان پر لحاظ کرنا حسن تربیت کہلاتا ہے۔ اس کلیہ کو عورتوں پر بھی عاید کرسکتی ہو۔

اب اس جگہ مختصرًا میں ان چند باتوں کو بیان کروں گا جن کا عمل مدآمد ذاتی لیاقت کے لیئے ضروری ہے۔ کیونکہ اور ونکی طرز معاشرت اپنی ہی اداب تہذیب کا نتیجہ ہے۔

(الف)

حرکت وقیام کے طریقے } (۱) رفتار میں، متانت سادگی، خاموشی، میانہ روی لازمی ہے چنچل ہونا شریفوں کا شیوہ نہیں، یہ بری عورتوں کا کام ہے،

(۲) قیام ایسی جگہ کرے یعنی ایسی جگہ بیٹھے جو اپنے لایق ہو۔ نہ تو اپنے درجہ سے

کم درجہ پر بیٹھے نہ اپنے درجہ سے بلند جگہ پر جرأت کرے۔ اگر ناواقفیت سے ایسی کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً مناسب جگہ جا بیٹھے۔

مجلس میں قہقہہ، ڈکار، کھنکار۔ ناک سنکنے۔ دانت کریدنے۔ جلد جلد پہلو بدلنے۔ غمگین صورت بنا کر بیٹھنے سے پرہیز کرے +

(ب)

گفتگو کا طریقہ

(۱) خطاب کرتے وقت بدوں خوب سوچ سمجھے کوئی بات منہ سے نہ نکالے۔ ہر بہن کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔

(۲) فحش۔ بدگوئی، جھوٹ گپ۔ طعن۔ تعلی (شیخی) تمسخر سے قطع کلام سے بچی رہو۔

(۳) جو بات کہو مختصر، دلچسپ، مفید، معقول، صحیح مخاطب کی عقل و فہم کے موافق کہو سننے والے کو ناگوار نہ ہو۔

(۳)

(۴) جواب جب دو جب کوئی تم سے پوچھے۔

(۵) اگر کوئی سوال ایسے مجمع سے کیا جائے جس میں تم بھی ہو۔ تو اوروں کی منتظر رہو۔ اور جماعت سے متفق رہ سکتی ہو تو رہو۔

(۶) اگر اختلاف ہو تو بدوں کسی پہ ذاتی اعتراض کئے ہوئے اپنے دلایل پیش کرو۔ اور وجوہات سمجھاؤ۔

(۷) دیوانوں، مستوں، لڑکوں۔ نا تہذیبوں، جاہلوں سے مخاطب ہونا برا ہے کسی نے کہا ہے۔ "گفتن ہزار عیب نہ گفتن یک عیب" صائب کہتا ہے کہ

"خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید"

کھانے کا طریقہ } عزیز بہن یاد رکھو بھوک (اشتہا) دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) لذت حاصل کرنے کی غرض سے یہ نفس کی طمع فاسد کہلاتی ہے۔ اشتہا کاذب اسیکا نام ہے۔

(۲) جسمانی اعضا کی طلب پر جو بھوک لگتی ہے اسکو اشتہار صادق کہتے ہیں۔

الف اشتہار کاذب پر کھانا ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔ مختلف قسم کی بیماریاں اس سے پیدا ہوتی ہیں دولت مند بیویاں اسی وجہ سے دائم المرض رہتی ہیں، جہاں تک ہوسکے بچو۔

(**ب**) اشتہار صادق پر جلد ہضم ہونے والی غذا کھاؤ کسی قدر جب بھوک رہ جائے کھانا چھوڑ دو، تاکہ سستی کاہلی تاریک دماغی اور مختلف امراض سے نجات میں رہو۔

(**ج**) ایسے دسترخوان پر جہاں تم سے زیادہ معزز اور سردار بیٹھیں جمع ہوں، خود کھانے میں سبقت نہ کرو۔

(۱) لقمہ متوسط ہو۔

(۲) منہ اور انگلیاں ضرورت سے زیادہ خلاف تہذیب آلودہ نہ ہونے پائیں۔

(۳) جلدی جلدی نہ کھاؤ۔

(۴) چپڑ چپڑ کی آواز نہ پیدا ہو۔

(۵) اوروں کی حاجت کو اپنی خواہش وحاجت پر مقدم سمجھو۔

(۶) کسی شے کی خود فرمائش نہ کرو۔

(۷) کسی کے سامنے سینہ کا نوالہ نہ اگلو۔ ایسی ضرورت ہو تو ایک سنٹ کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔

(**د**) جب بھوک کا غلبہ ہو تب کھاؤ۔

(**ہ**) جب کسی قدر اشتہا باقی رہ جائے ہاتھ روک لو۔

(**و**) جلد ہضم ہونے والی غذا کھاؤ۔

(**ز**) ریاضت جسمی کو ضروری سمجھو۔

یہ چار شرائط ہمیشہ تندرست رہنے کی ضامن ہیں۔

لباس

عزیز بہن، ستر کا چھپانا لازمی ہے، اور برہنہ رہنا معیوب ہے ہر موقعہ کی ضرورت کا لباس جداگانہ لحاظ سے ہوتا ہے۔

(۱) شب خوابی کے لباس میں راحت کا خیال مقدم ہوتا ہے۔

(۲) آمد و برد میل ملاقات سیر تفریح کے لباس میں متانت و سادگی مقدم سمجھی جاتی ہے۔

(۳) جنگ کے لباس میں مضبوطی وچستی و چالاکی پر معین اور حفاظت کرنے والا لباس اچھا ہوتا ہے۔

(۴) دربار کے لباس میں شوکت بڑھانے والا اپنے پیشہ کے موافق لباس اچھا ہوتا ہے۔

ان باتوں کے علاوہ ایک نکتہ اور بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہمیشہ قومی لباس کو اختیار کرنا چاہیئے، اصلی عزت اسی میں ہے۔ ہندوستانی عورت خواہ وہ امیر ہو یا غریب اگر یورپین لباس اختیار کرتی ہے تو نہ اسکی عزت یورپین میں ہوتی ہے نہ اپنی قوم میں اپنی قوم میں ایسی عورتیں "اچھی نہیں" کہلاتی ہیں اور یورپین عورتیں ایسی عورتوں کو بہروپن کہتی ہیں، عورتوں کے لباس میں پہلے شرط مقدم یہ ہے کہ زینت اور شرم کی چیزوں کو چھپائے ہوئے رہے۔ موجودہ فیشن مسلمان عورتوں کے شایاں نہیں ان کو اپنی قدیمانہ لباس کی عزت کرنی چاہیئے۔

تعلیم

میری عزیز بہن یہ مسئلہ نہایت مشکل کر دیا گیا ہے، پاس اور فیل، اور مشروط کورس جو آجکل مغربی درسگاہوں میں جاری ہے ہماری تعلیم میں سد راہ ہے کوئی بھی علم کو علم کے لیے حاصل نہیں کرتا۔ سب ملازمت کے لیے جان کھاتے ہیں، علم کو کسب معاش کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ کیا کریں مجبور ہیں۔ ابھی تک کچھ علماء قوم اس کا علاج نہیں کر سکی، خدا جانے گورنمنٹ یہ تکلیف ہم سے کب تک دور کریگی۔

تاہم تمہارے سمجھنے کے لیے مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔

(۱) پہلے بچوں کو فارسی زبان میں حکمت کی زبانی تعلیم دینی چاہیئے (اس میں ایک مثال دیں)

(۳) پھر مذہب کی تعلیم دیں۔ (یہاں بھی لڑکیاں برابر ہیں)

(۴) پھر اس زبان و فن کی تعلیم دیں جو کہ ان ہو لیکن بحیثیت مسلمان کے مناسب تر شرط ہے کہ بچہ کہ ہر زیادہ متوجہ ہے۔ اسی سلسلہ میں اولاد کو کسب معاش کی جانب متوجہ کرنا چاہیئے۔

بہتر یہ ہے کہ لڑکوں کا نکاح یا ان کی وہ تمام ضروریات جیسے کہ وہ آئندہ محتاج ہوں حاجتمند ہوں گے۔ بندوبست خود لڑکوں کے ذریعہ اور ان کے مکسوبہ روپیہ سے کرانا چاہیئے کہ عملی تعلیم یہی ہے۔

رہ گیا یہ مسئلہ میں کیا حل کرسکتا ہوں جبکہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس حل کرنے میں بھی حل نہ کرسکی۔ وہ بھی ربنا لاتحملنا کہنے پر مجبور ہے اور ہم تم بھی،

حقوق والدین

سمجھو بہن۔ ہر بچے کے پیدا ہونے کا پہلا سبب ماں باپ ہیں۔ پھر اس بچہ کی بقا کا سبب والدین کی پرورش تربیت ہے، حمل قایم ہونے سے پیشتر، تو خیر قایم ہونے کے بعد سے وضع حمل تک کس قدر تکالیف والدین کو برداشت کرنی پڑتی ہیں، پھر پرورش و تربیت کے متعلق کس قدر مشقتیں ہیں جو اولاد کے لیئے نہایت کشادہ پیشانی سے برداشت کیے جاتے ہیں۔ تم کو بھی معلوم ہو جائیگی تو کیا پھر ایسے والدین کا کوئی حق اولاد پر نہ ہونا چاہیئے تھا۔ ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ خدا رسول، بادشاہ عادل کے بعد ہر انسان پر والدین کے حقوق فرض ہیں۔ اور وہ حقوق یہ ہیں:-

(۱) ادائے خدمت۔ (تمام ممکن آرام و راحت و اطمینان کا انتظام حاضر کرنا)

(۲) اظہار اطاعت۔ (جو ان کی مرضی ہو)

(۳) پذیرائی نصیحت۔ (جن باتوں کی ہم کو نصیحت کریں اسکو حفظ کرنا)

(۴) تعمیل وصیت۔ (جو ان کی خواہش ہو اسکی تعمیل کرنا)

زبانِ غیبؑ کی پکار

دینی رجسٹر میں نام لکھوا دو

اب میں ہر مہینے ایک نئی کتاب لکھ دیتا ہوں۔ بعض دفعہ مہینے میں دو کتابیں بھی ہو جاتی ہیں۔ ساری دنیا کاغذ کی گرانی کے سبب تصنیف و تالیف کو بند کر رہی ہے مگر مجھ پر خدا کا فضل ہے کہ وہ اچھے اور اعلےٰ کاغذ دیتا ہے۔ مفید مضمون عطا فرماتا ہے اور اپنے بندوں سے دین و ملت کی لگاتار خدمت لے رہا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے اس عالمگیر قحط اور مفلسی کے زمانہ میں اپنے بندوں کو ہمت دی ہے کہ وہ میری ہر کتاب کو خرید لیتے ہیں اور مجھکو دیگر مصنفین کی طرح ناقدری کی شکایت نہیں ہوتی۔ کتابیں کثیر تعداد میں چھپتی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ بک کر ختم ہو جاتی ہیں۔ ضرورت صرف آگاہ کرنے کی ہوتی ہے مگر حلقۃ المشائخ کے کارکن اور اہلکار بار بار اشتہار دینے اور خریداروں کو نئی کتاب سے مطلع کرنے کی فرصت نہیں رکھتے۔ اور انکو اس میں بہت دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ لہٰذا اُن کی خواہش سے میں دینی خدا کاروں کو پکارتا ہوں کہ وہ اپنا نام دینی رجسٹر میں اس اجازت کے ساتھ لکھوا دیں کہ آئندہ جو کتاب **حسن نظامی** تصنیف کرے وہ بے اطلاع اُنکے پاس بذریعہ وی پی بھیجدی جائے۔

ابتک ایسے مستقل خریداروں سے صرف محصول کی رعایت کیجاتی تھی مگر آج سے **ایک روپیہ میں دو آنے** کمیشن بھی دیئے جائینگے اور محصولڈاک بھی اُن سے نہ لیا جائیگا۔ اسکی اطلاع اپنے سب دوستوں کو دیدیجئے اور آپ بھی فوراً ایک کارڈ کارکن حلقۃ المشائخ دہلی کے نام بھیجدیجئے تاکہ آپکا نام مستقل خریداروں میں درج کر دیا جائے۔ اور ہر تازہ کتاب چھپتے ہی آپکو پہنچ جایا کرے۔ اس سے مطمئن رہئے۔ میری سب کتابوں کی لکھائی چھپائی بھی اچھی کرائی جاتی ہے۔ اور کاغذ بھی عمدہ لگایا جاتا ہے۔ عام اخباروں اور رسالوں کیطرح میرے ہاں سستے کاغذ کا آجتک استعمال نہیں ہوا نہ خدا نے چاہا تو ہوگا۔ اور قیمت بھی اصلی لاگت اور عملہ کے خرچ کے موافق رکھی جاتی ہے زیادہ نفع نہیں لیا جاتا۔ پس آپ اس سے بیفکر ہو کر اور خدا کا نام لیکر جلدی سے مستقل خریدار بنجائیے ہر مہینے ایک کتاب یا دو کتابیں آپکو پہنچتی رہینگی۔ مجھے اپنے دوستوں، مریدوں اور علمی و دینی قدردانوں سے توقع ہے کہ وہ اس تحریر پر غور اور توجہ کرینگے اور تصوف اسلامی

و لٹریچر کے فروغ دینے میں میری مدد جی کھول کر ہوگی۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ٭ حسن نظامی

دنیا کی آبادی میں ... حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے

جلد ۱۵ شوال ۱۳۴۵

نظام المشائخ

قسم دوم

روحانی تسلی و تسکین کا ماہوار رسالہ

مذہب اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ

جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب شہزادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقرا محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ... ششماہی ...

مقام اشاعت دارالسلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

آجکل

نظام المشائخ دو ہزار

نکل رہا ہے اور ہفتہ بہفتہ اسکی اشاعت میں ترقی ہے۔ مشتہرین ضرور اپنے اشتہار اسمیں بھیجکر فائدہ اٹھائیں

نرخنامہ

مقدار	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
¼ صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
نصف صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
پورا صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

نظام المشائخ کے قواعد وضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر مہینہ کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو جو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا یوم عرس ہے شائع ہوتا ہے۔ مضامین اسمیں مذہبی، اخلاقی، اصلاحی مگر حسب زمانہ نئے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تحریروں میں انشاپردازی اور دیگر دلچسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر رسالہ ۹ یا ۱۰ تاریخ تک نہ پہنچے تو دیر سویر کا خیال کر کے دس بارہ تاریخ تک انتظار کیجیے۔ اسکے بعد فوراً اطلاع دینی چاہیے۔ کیونکہ زیادہ زمانہ گذر جانے پر شاید پرچہ ختم ہو جائے اور نہ مل سکے (۳) جن صاحبان کی ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیلی ہو۔ براہ عنایت چھ تاریخ بالا سے پہلے پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر دیں ورنہ نہ پہنچنے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ عارضی نقل مکان کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے ڈاکخانہ کو کر دینی کافی ہے (۴) خط و کتابت میں اپنا نام و پتہ نہایت صاف خوشخط لکھیے اور خریداری کا نمبر ضرور بتائیے۔ جوابی امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

نظام المشائخ

نمبر ۱۰ بابت ماہ شوال المکرم ۱۳۳۱ ہجری جلد ۱

فہرست مضامین

[1] اب اخلاق سلطانی کے صرف ۸ نسخے باقی رہ گئے ہیں جو اگلے پرچے میں شائع ہوجائیں گے ۱۲ مدیر

ہندوستان ہی کا نہیں

انگلستان کا پریس چیخ اٹھا ہے

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پراں کر دیئے

آپ جس پرچے کو جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ سب کے چہرے زرد ملیں گے۔ اب خطیب نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ کوئی سرخ۔ سپید نظر آتا ہو تو آتا ہو۔ لیکن

کب تلک یارب چھپائیں درد دل

خطیب و نظام المشائخ کے مالک کے پاس قیصر ولیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اٹھائے چلا جائے۔ ناظرین اگر نظام المشائخ کو اس کی اصل شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو خود بھی کچھ تکلیف اٹھائیں۔

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک مد امداد پیش کرتا ہوں۔ جب تک یہ جنگ ہے اس میں ۸ سالانہ کم از کم سب کو دینا پڑے گا اور اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو۔

خاکسار واحدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظام المشائخ

شب عید یاد محبوب میں

اس ابروئے خمدار کے انتظار میں جو لاتعداد ہستیوں میں تغیر کرنے والی تھی۔ کل تیری بہت سی زندہ مخلوق کا ہر سانس آتشِ شوق کو بھڑکا رہا تھا۔ بچے سویرے ہی سے کوٹھوں پر چڑھ گئے تھے۔ لڑکیاں دوپہر ہی سے لگنوں میں پانی بھر بھر کر کرۂ فلکی کی تحقیقات میں مصروف تھیں۔ روزہ دار اس تخیل سے کہ منزل مقصود قریب آگئی بیتاب ہو رہے تھے نمازی اپنی نمازوں کی رفتار بسرعت طے کر رہے تھے۔ مگر ہیں اس ڈوبنے والے آفتاب کی شعاعوں میں منہمک تھی جو لمحہ بہ لمحہ مایوس العلاج مریض کیطرح کمزور ہو رہی تھیں اور جنکی تہ میں ان سب کی مسرت کا حقیقی فیصلہ مضمر تھا۔ اس بچے کی طرح جس کی پہلی آواز ماں کے

پیٹ سے نکلتے ہی تیری قدرت کا نقارہ چہار طرف بجا دیتی ہے۔ ہلال عید کی ملکی سی
جھلک نے پیغام شادمانی در۔۔۔ تین پہنچا دیا۔

بچے اچھل پڑے۔ بڈھے باغ باغ ہو گئے۔ جوانوں کو عید ہو گئی۔ ان ان گنت اور
بے شمار نظروں میں جو آسمان کی طرف اٹھیں اور حیات انسانی کی کتاب نا پائدار کے
مختلف الخیالات اوراق کو الٹ پلٹ رہی تھیں ایک لڑکی کی وہ دو آنکھیں بھی تھیں
جو حسرت سے اٹھیں نامرادی سے بڑھیں اور قطعاً مایوسی کا پہلو لیے سطح آسمان کے
قریب تھیں۔ یہ گلشن اسلام کی وہ کلی تھی۔ جسنے عمر کی صرف چودہ منزلیں طے کی تھیں
اور اس قلیل البضاعت زمانہ میں میکے کی مفارقت ادبی کے بعد بیوگی کا داغ معصوم
دل پر آج ہی کے روز اسی وقت ایک سال قبل اٹھا چکی تھی۔ ہلال عید کے دیدار کی سچی خوشی
نے قلب مطمئن سے اٹھکیلیاں کرنے میں بمشکل چار پلک جھپکانے کا عرصہ لیا ہوگا کہ ٹھنڈی
ہوا کے ایک جھونکے نے متضاد خاصیتوں کا ظہور کیا۔ فرحت میسر ہوئی اور فرحت کے ساتھ ہی
ساس کے سلام کو جھک کر دعا نہ لینے پائی تھی کہ شوہر کی خبر موت کان میں پہنچی۔

آج بھی وہی ہلال عید تھا۔ اور اسی دشمن جان کو زہر آلود نگاہوں سے دیکھنے گئی تھی
کہ قدرت کی نیرنگیوں نے دشمن کی صورت بھی نہ دیکھنے دی۔ نظر قریب پہنچ چکی تھی کہ ابر
کا ایک ٹکڑا راہ میں حائل ہوا اور یہ دونوں آنکھیں اپنے مقصد سے محروم واپس
پھریں۔ دیر تک کھڑی ہی نگاہ اوپر تھی اور دل سال گزشتہ کے اسی منظر پر تبصرہ کر رہا تھا ایک
دنیا چاند دیکھ چکی تھی۔ مگر تقدیر میں مایوسی تھی تو صرف کے نصیب کی۔ تڑپتی، تڑپتی، بے چین ہوئی
پریشان ہوئی۔ کوشش کرتی تھی کہ قدرت کی اس ہر دلعزیز۔۔ت کو د۔۔ تی مصیبت سے بدرجہا
متعلق تھی۔ اور وقوع مصیبت کے بعد نتائج کا تسلسل چھوڑ کر روپوش ہوتی۔ اور آج
اتنے عرصہ بعد صورت دکھائی ہے کسی طرح دیکھ لوں آسمان کا سینہ چاک کروں۔ بادلوں
کو اپنے ہاتھ سے چیر کر چاند کو باہر لے آؤں۔ مگر۔۔ آرزو دل پاس شفق کے جسنے اسوقت کا

چاند آغوش میں لیا۔ وفورِ جذبات نے امیدِ دیدار منقطع کر دی۔ نگاہ ناکام لوٹی۔ دونوں آنکھوں میں ایک ایک قطرہ تھا۔

مولا! تو، جس نے موسیٰ کے مقابلہ میں فرعون کی لاج رکھی۔ ابراہیم کو بت پرست کی حمایت میں ڈانٹ دیا، میری بھی سُن۔ بچھڑے ہوئے یوسف کو یعقوب سے ملا دینے والے بادشاہ! نامراد نہ پھیر، حکیم علی الاطلاق۔ تیری ذات بے نیاز، تیرے کام اچھے تیرا نام سچا۔ تیری عنایتیں ظاہر، تیرے کارنامے روشن، ان آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی دونوں آنکھوں کا واسطہ، میری فریاد سُن، کرم کرنے والے معبود! ابراہیم پر آگ ٹھنڈی کی۔ ایوبؑ کو مصیبت میں صبر دیا۔ زلیخا کو بڑھاپے میں جوانی دی، اسمٰعیلؑ کو باپ کے ہاتھ سے آبدار چھری سے چھری کی دھار سے بچانے والے مالک۔ سُن سُن مالک۔ میری بھی سُن۔ واسطہ مولا۔ اس رات کا واسطہ جو صدیقؓ نے نمازمیں گزاری۔ اس ساعت کا واسطہ جب زلیخا نے یوسف سے منہ پھیرا۔ اس دن کا واسطہ جو یوم الحق ہوگا۔ پہنچا پہنچا مولا پہنچا دے وہاں جہاں تیری محبت کے پھول دونوں وقت کھلتے ہیں۔ جہاں تیری رحمت کے خزانے رات دن لٹتے ہیں۔ جہاں تیری نعمت کے طباق شب و روز تقسیم ہوتے ہیں۔ وہاں اے مولا! وہاں جہاں تیرے محبوبؐ کی خوابگاہ ہے۔ جہاں مدینہ کا دولہا آرام کر رہا ہے۔ جہاں رانڈوں کا والی یتیموں کا وارث بیکسوں کا مولا۔ بیماروں کا تیماردار سوتا ہے دکھا۔ دکھا دے میرے داتا اس سنہری نگری کی دیواریں۔ اس حبیب پاک کا مزار۔ ان مقدس گلیوں کی خاک۔

اس خاک کو آنکھوں سے لگاؤں۔ ان پھولوں کو کلیجہ میں رکھوں۔ طیبہ کے سکتے ہوئے کلس میرا منظر۔ جنگل کی اڑتی ہوئی خاک میری غذا۔ اور وفورِ جوش و آتشِ شوق سے بھر بھر کر گرنے والے آنسو میرا پانی۔ کھجوروں کے پتے میرا لباس۔ مزارِ حبیبؐ کا نظارہ میری نماز اور ذکرِ حبیبؐ میرا وظیفہ۔

رات ختم ہو رہی ہے۔ معمولی نہیں شب عید مدتوں کے بچھڑے ملا گئی۔ برسوں کی روٹھے

منا گئی۔ ترسی ہوئی آنکھیں روشن ہوئیں بھڑکتے ہوئے دل ٹھنڈے ہوئے چنبیلی کے گجروں میں۔ موتیا کی بالیوں میں جوہی کے کنٹھوں میں رات بسر کرنے والی مخلوق۔ مشرق برقی پوشاکوں میں عطر کی لپٹوں میں۔ چمپا کی سیجوں میں شب عید ختم کرنیوالے انسان۔ آشیانوں کے پرند۔ کچھاروں کے درند۔ مرغزاروں کے چرند۔ بڈھے مرد جوان عورتیں۔ گود کے بچے پیٹ کے بچے۔ سب نیند کی لپیٹ میں ہیں۔ اور میں تجھ سے گڑگڑا رہی ہوں ۔

کنیز ہوں۔ مخبوط الحواس۔ محبوب کی دیوانی۔ تیرے رسول کی شیدا جس کو تونے کس اہتمام سے کس شان سے کیسے آنا فانا معراج میں بلوا کر آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ میں انسان وہ بھی کمزور ضعیف۔ مگر پہلو میں میرے بھی دل ہے۔ میری آنکھیں کیوں محروم رہیں ۔

توبہ، توبہ، گناہ، قصور، غلطی، دیوانگی، معاف، کرم، رحم، مالک، آقا، غفور رحیم! تونے سب کی سنی۔ تیرے در سے کوئی نامراد نہ پھرا۔ مجھ دکھیاری کی سن! ۔

یونس کی صدا پر تو کھلکھلایا۔ یعقوب کی دعا پر لبیک تونے کی۔ نوح کی فریاد تونے سنی۔ موسیٰ کو بیہوش تونے کیا۔ جو اس آغاز کا انجام۔ اس داستان کا خاتمہ۔ اس مرض کا علاج ہے۔ مگر میں تجھ سے اس کی طالب نہیں۔ میں شفا کی خواہش نہیں لائی۔ اس درد میں لطف ہے۔ اس اضطرار میں سکون۔ اس بے چینی میں چین۔ اس تڑپ میں مزا۔ اس ناامیدی میں امید۔ اس مایوسی میں توقع۔ میں کچھ اور چاہتی ہوں۔ اس کیف کی جو تجلی کے بعد موسیٰ کو میسر ہوا ۔

مولا! نہیں بجھتی، شاہی قمقمے، شمع انجمن، برقی روشنیاں، فانوس امراء قندیل فلک، اور وہ مٹی کا چراغ جسنے ایک بڑھیا کی جھونپڑی رات بھر روشن رکھی سب ٹمٹما گئے۔ مگر دل کی آگ نہیں بجھتی۔ یہ شعلہ بھڑک رہا ہے۔ جھلسا رہا ہے ۔

تیرے دربار سے کوئی نامراد نہ پھرا۔ تیری کائنات کا ہر ذرہ شاد کام و بامراد ہے ماہتاب وداع شب کے وقت صبح صادق کی آغوش میں لیکر رخصت ہے، آفتاب وقت غروب میں

لیلائے شب سے ہمکنار ہوکر روپوش ہو۔ بلبل فریادی ہو۔ مگر شاخ گل پر جھولتی ہوئی صرصر و صبا وہی ہے۔ مگر غنچوں کے منہ چومتی ہوئی۔ کلیوں کو چٹکاتی ہوئی۔ پھولوں کو سرکاتی ہوئی پپیہا ثبوت دعوے میں میرا ہمنوا ہے۔ نادیدہ مفتون مگر ان ہی میٹھی پہریوں میں کثرت جوش و اسباب تسکین دونوں موجود ہیں۔ کوئل کا نغمہ رات کے سنسان وقت میں ہو یا برسات کی موسلادھار بارش میں۔ ہوا میں اٹھلاتا ہوا۔ سامعہ کو مس کرتا کلیجے کے پار ہوجاتا ہے۔ گنجان درختوں میں جہاں جھنڈ کے جھنڈ چھائے ہوئے ہوں ایک اونچی پھننگ پر علیحدہ بیٹھی مدت کے پیاسوں کو سیراب اور دردمندوں کو بے چین کرتی ہے۔ دور دور بجلیاں گرا دے بیماروں کو تڑپا دے۔ تندرستوں کو رلوا دے۔ وہ تارک الدنیا جوگی جو دامن کوہ یا پہاڑ کی چوٹی پر صدائے نے میں مست سانپوں کو کھلا رہا ہے۔ جسنے کرۂ ہوا کو شل بجلی اور بادل کو تہم کردیا۔ اپنی دھن میں مستغرق فنا فی الخیال ہے۔ مگر مالک حقیقی اس بجز ذات کی طرح جس کی ہستی کا بقا محض مدد جزر کے وجود پر ہے۔ شوق کے یہ آگ محبت کے یہ نالے اضطرار کا یہ جوش۔ پپیہے کی صدا۔ کوئل کی کوک۔ بانسری کا نغمہ تغیر موسم سے وابستہ ہیں، لیکن میرا درد اے مولا! میرا درد، وہ درد ہے جو جاڑوں کے دنوں میں۔ گرمی کی دوپہروں میں برسات کی راتوں میں۔ ہر ساعت اور ہر لمحہ موجود ہے*

آنکھیں دکھتے بچے جنہوں نے رات بھر ماؤں کو جگایا۔ قبر تک پہنچنے والے مریض جنہوں نے رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ عرصہ دراز کے بچھڑے طالب و مطلوب جن کی رات بات کرنے میں ختم ہوئی۔ جوان شیر سے جنم بچہ یا ہونے والی ماں جسنے تڑپ تڑپ کر رات گزاری۔ وہ دن کی بیاہی بیوہ، جو خواب میں بھی شوہر کی صورت کو ترس گئی سب اس وقت نیند کی آغوش میں ہیں اور یہ ہوا جو میرے سر پر ملار گاتی ہے انکو لوریاں دے رہی ہے مالک! میری بھی سن! راحت ابدی نہ دے، ایسی نیند سلا دے کہ پھر نہ جاگوں، وہ جام پلا دے کہ پھر ہوش میں نہ آؤں۔ اس جگہ پہنچا دے جہاں سے پھر نہ پلٹوں، چیونٹی کے پاؤں کی آواز

پہاڑ کی دراڑ سے سننے والے، میرا نالہ سن، میری التجا قبول کر۔ اس دل کو تڑپ دے۔ تڑپ کو زبان دے۔ زبان کو اثر دے۔ اثر کو قبولیت دے۔ دنیا کے فانی علائق بچوں کی ناپائدار محبت، زندگی کی آرزوئے بیکار، تمول کی خواہش فضول دل سے دور ہو۔ جب تک جیوں اسطرح جیوں کہ محبوب کا در آنکھ کے روبرو۔ اور پیارے کی یاد کلیجے کے اندر۔

تیری مخلوق کا ہر ذرہ مجھ سے بہتر۔ تیری قدرت کا ہر متنفس مجھ سے اچھا، ہوا تیری حمد میں مست۔ درخت تیری توحید میں سرشار۔ پانی کا راگ تیری عظمت کی شہادت۔ پہاڑ کا سبزہ تیری طاقت کی نشانی، چڑیوں کے چہچہے۔ تیرے جبروت کا پتہ۔ دنیا تیرے آگے سربسجود، سمندر کی لہریں۔ طہروں کی مچھلیاں۔ باغوں کے درخت۔ درختوں کے پھول آسمان کے فرشتے۔ فرشتوں کا وجود۔ جنت کی حوریں۔ حوروں کی ہستی۔ سب تیرے گیت گا رہے ہیں۔ لیکن، لیکن، رب العلمین! اسکی، جو دنیا کو چھوڑ کر، سری بھری کھیتی اجاڑ کر تیرے حضور میں حاضر ہوئی، اسکی، جس کی دنیا اور آخرت، جس کی زندگی اور موت، اسکی، جسکی خوشی اور غم، اسکی، جسکی بقا و فنا، صرف چار حرفوں میں محدود، اسے پہنچا دے، وہاں، جہاں،

صل علی وعلیٰ آلہ وسلم

اس پیارے کی خواب گاہ ہے۔

راشد الخیری

خطیب کا عید نمبر منگا دیکھئے جس کی قیمت صرف ۴؍ ہے۔ مضامین حضرت خواجہ حسن نظامی مولانا راشد الخیری مدظلہ۔ مولانا نیاز فتحپوری۔ مولانا عارف ہسوی۔ ماسٹر باسط بسواتی مولانا مرزا خان بہادر مرزا سلطان احمد۔ مولانا سیماب۔ مولانا ارشاد۔ حافظ امام الدین رام نگری ضخامت نظام المشائخ کے ۱۶۰ صفحوں کے برابر۔ المشتہر منیجر خطیب نظام المشائخ دہلی۔

۴۸۶

یقین

چند مجوب نشینی بگمان دگران
خیمہ در ملک یقین زن کہ گماں چیزے نیست

اے بندگان تشکیک! اے حلقہ بگوشان توہم! اے اسیران تخیل! اے گرفتاران لاادریت! کیا تم نے کبھی یقین کی چمک دیکھی ہے؟ نہیں کبھی نہیں۔ تمہاری آنکھیں اس قابل ہی نہیں، تمہاری بصیرت میں وہ قوت ہی نہیں، تمہارے پاس وہ عینک ہی نہیں، تم جس راہ پر چلے اسکی آخری حد تشکیک، تم نے جو چال اختیار کی اسکا لازمی نتیجہ توہم ہے، تم نے کائنات کے عقد ہائے سربستہ کو ناخن استدلال سے کھولنا چاہا، مگر کیا تم میں ایسی موشگافی کی قابلیت تھی؟ تم نے عقلی قیاسات کو مایۂ اعتماد سمجھا، مگر کیا تھیوریز (نظریات) سے تم آجتک کوئی قطعی فیصلہ کر سکے؟ تم نے تخیلات کے گھروندے بنائے اور بگاڑے، تم نے ہوا میں قلعے تیار کئے اور خود ہی خیالی گولے برسا کر ڈھا دیئے، تم کو مادی عقل پر ناز تھا۔ اور تم چاہتے تھے کہ اس غلط روی کے بل پر تم اسرار غیبیہ کے چہرے سے نقاب الٹ دیں لیکن حقیقت جہاں تھی وہیں رہی، اور تم خدا جانے کہاں پہنچ گئے "انہم فی کل واد یھیمون" وہ جنگل میں بھٹک رہے ہیں، "فھم فی ریبھم یترددون" وہ اپنے شکوک میں ڈانواں ڈول ہیں"

بلا شبہ یقین کی خداداد طاقت تمہاری فطرت میں ودیعت ہے یقین کی باطل سوز چنگاری تمہارے قلب میں دبی ہے، آؤ! اور اس پردے کو اٹھاؤ جو ظلمت اوہام نے ڈال رکھا ہے۔ اٹھو! اور اس حجاب کو ہٹاؤ جو مادی غفلت کے ہاتھوں پڑ گیا ہو ؎

چند محجوب نشینی بگمان دگراں
خیمہ در ملک یقین زن کہ گماں چیزے نیست

میں تم سے یقین کی بابت اس لیئے اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ تمہاری روحیں چشمۂ صدق کی متلاشی۔ تمہارے قلوب ماء الحیاتِ عرفان کے متجسس۔ مگر تم اپنی پیاس فلسفہ کے مارِ حمیم سے بجھانا چاہتے ہو۔ غور کرو کہ تم سے پہلے کتنوں کی عمریں اس بیہودہ کوشش میں بے کار گئیں، اور یاد رکھو کہ تمہاری عقلی جدوجہد کا حشر بھی دوامی حسرت کے سوا اور کچھ نہو گا۔

سُنو! سرچشمۂ یقین کس آبِ زندگی سے تمہیں سیراب کرنا چاہتا ہے وہ کہتا ہے "واعبد ربک حتی یاتیک الیقین"۔ اپنے خدا کی پرستش کر کہ مرتبہ یقین حاصل ہو جائے۔

مگر یہی وہ چیز ہے جسکے نام سے تمہیں لرزہ چڑھتا ہے یہی وہ تمہارے خیال میں سنکھیا کی ڈلی ہے۔ جسکے تخیل سے تمہیں موت نظر آتی ہے۔ تمہاری تشکیک سب سے زیادہ جسکو مضحکہ میں اڑا دیتی ہے وہ یہی (بقول تمہارے) جاہلانہ عمل ہے۔ تمہاری عقلیت سب سے اول جس چیز پر پھبتیاں کستی ہے۔ وہ یہی وحشیانہ حرکت ہے۔ (العیاذ باللہ) ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

کاش تمہارے مغرور سر چور چور ہو کر ایک دن قدموں کی خاک ہونگے۔ ایک بالاتر ہستی کی طرف جھکتے۔ کاش جس سے تمہارا دل نہیں بلکہ وہم اور شک منکر یا متردد ہے اُسے اقنیدس کے اصول موضوعہ کی طور پر مانکر تم سفر منزل طمانیت کے لیئے تیار ہو۔ فطری استعداد سے کوئی فرد بشر خالی نہیں۔ تم میں بھی وہی نور موجود ہے مگر وہ صرف اپنی طرف کامل یکسوئی اور توجہ چاہتا ہے۔ اسی توجہ کا نام عبادت ہے جس کی مکمل صورت اسلامی عبادات ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ انکے درجات میں دست طلب کی کوتاہی سے فرق ہو اسکا الزام بھی حقیقت عبادت پر نہیں۔ اسکے ذمہ دار بھی وہی نفوس ہیں جو دودلی میں بندگان شکیک سے قریب یا کسی قدر تقلیدی رنگ کی وجہ سے کچھ آگے ہیں۔ ناشناسان حقیقت اور نامحرمان اسرار کے تقلیدی اعمال اور رسمی عبادات پر نہ جاؤ۔ بلکہ بغور دیکھو کہ باوصف دو دلی عبادات

سے کوئی طمانیت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہوتی ہے اور یقیناً ہوتی ہے تو کوشش کرو کہ یکسوئی پیدا ہو جائے۔ اور ہو جائے تو انشراحی کیفیت کے بھی امیدوار ہو۔ جسقدر رغائب فانیہ میں کمی ہو گی وہ نور بصیرت جو پہلے دیا شمع تھا گیس کی چمک اور گیس سے بجلی کی چکا چوند پہنچا ہو گا۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ جو لوگ میرے لیے کوشش کرینگے میں انکو اپنا راستہ دکھاؤنگا۔

جب انسان کی تمام قواے نظری و عملی متحد ہو کر ایک نصب العین کے پیچھے پڑ جاتی ہیں تو صدہا وجدیں کامیابی ہی نتیجۂ اکثری ہے۔ مگر ہمت کامل بعزم بلند حوصلہ عالی شرط اول ہے ؎

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

سہ منزل لیلے کہ خطر ہاست درو

شرط اول قدم آن ست کہ مجنوں باشی

حقیقت عبادت احیاء قواے فطرت ہی۔ جو بغیر تفکر قلبی و تذکرہ خیالی۔ استغراق کامل محویت تامہ اور غفلت ماسوی اللہ کے ناممکن۔ نفی ارکان اُس اصل کے وسائل اور ذرائع میں کوئی نا واقفیت، پست خیالی اور پست ہمتی سے رسمیات اور ذکر مع النسیان کو حقیقت سمجھ لے تو اس کا ومہ دار مذہب نہیں۔

مذہب حقیقی روح عبادات کو جس رنگ میں پیش کرتا ہی اُس پر عمل کرکے اُنکے نتائج اور اثرات کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ مذہبی روح کا حصول بھی انسانی طاقت سے بالا نہیں۔ صرف ذوق عمل اور عزم بلند کی ضرورت ہی۔ یہی رہنماے دشت ایمان اور یہی ہادی مسلک ایقان ہی۔

كَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ اسی طرح ہم ابراہیم کو قواے سماوی و ارضی دکھاتے ہیں تاکہ وہ اہل یقین سے ہو جائے۔

تمہارے نبی کریم کے جد امجد حضرت ابراہیم کو ارضی و سماوی قوتیں پہلے دکھائی گئی تھیں کہ وہ یقین کے

نقطۂ کمال پر فائز ہو جائیں۔ وہی قوتیں تم میں بھی موجود ہیں۔ گو ویسی کامل نہ سہی جیسی کہ انبیاء کو فطری انتخاب میں عطا ہوتی ہیں۔ لیکن تمہاری قوتیں مردہ ہیں تم انکو یاد داشت دوام کی بستی سے زندہ کر سکتے ہو۔

نہیں ہے وابستہ زیر گردوں کمال شان سکندری سے
تمام ساماں ہے تیرے سینہ میں تو بھی آئینہ ساز ہو جا

خلعت ابراہیمی کے منبع سے یقین کی نہریں جاری ہیں۔ توحید کامل کے سوتے سے ایمان کا پانی رواں ہے۔ ایمان محمدی کا گھن گرج بادل برس رہا ہے۔ جس کے چھینٹے تمہارے قلوب پر بھی پڑ رہے ہیں۔ صدائے "سنریہم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسکم" سامعہ نواز ارباب حقیقت ہے۔ لیکن بندگان غافل نہ آیات انفسی سے حقیقت تک پہنچے نہ آفاق آفاقی سے۔ راستے تو دونوں ہی صاف تھے۔ ایک خواص کے لیے۔ دوسرا عوام کے لیے۔ مگر غلط ہاپاؤں خدا جانے کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور نہیں آتے تو صراط مستقیم پہ۔

ارباب حکمت و کلام آیات آفاقی کو شمع راہ بنا کر ضرور چلے مگر منطق کے بل اور استدلال کے سہارے پر۔ یہ نہ سمجھے کہ وساوس وہمیہ کی باڑھ میں یہ گھروندا بہ جائے گا۔ اور توہمات و شکوک کے بھونچال میں بھونس کے چھپر نہ ٹھیر سکیں گے۔ اگر انہی آیات آفاقی کو قرآن حکیم کی روشنی میں دیکھتے تو چہرۂ حقیقت سے نقاب اٹھ سکتی تھی جن کو فہم قرآن سے حصہ ملا تھا وہ انہی آیات آفاقی سے لازوال یقین کے خزانہ تک پہونچ گئے۔ جن کو نور فطرت سے حظ وافر ملا تھا وہ انہی تغیرات و حوادث کائنات کو تعریفاً بمقابلہ تحقیق حقیقت پیش کرنے لگے۔ نہ تاروں میں بھٹکے نہ اشعۂ ماہتاب میں الجھے نہ آفتاب تاباں کے آگے جھکے۔ بلکہ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ۝ کی ضرب سے ان تمام جھگڑوں کو پاش پاش کر دیا۔ وہ ربانی آواز جو کئی ہزار برس ہوئے کالڈیا کی سرزمین میں بلند ہوئی تھی۔ آج بھی اسی طاقت

کے ساتھ گونج رہی ہے۔ وہ صور قیامت جو تیرہ سو برس ہوئے۔ سرزمین حجاز میں پھونکا گیا تھا۔ اسی لا احب الآفلین کی صدائے بازگشت تھی۔ اور ابن تک بھی دشت وجبل سے ٹکراتی ہوئی یہ کہہ رہی ہے ؎

خلیل آسا تو در ملک یقین زن   نوائے لا احب الآفلین زن

اسی طرح اور بالکل اسی طرح وہ انوار یقین جو آیات نفسی پر منحصر ہیں۔ اپنی ابتدائی درمیانی اور انتہائی مدارج میں ازالۂ علوم باطلہ تعطل خیالات عاطلہ اخلاص نیت وترک ماسوا کے پر موقوف ہیں۔ بغیر انکے تجلیات تلوینات واردات مقامات سکر وصحو سب بے معنی الفاظ اور حجابات راہ ہیں ؎

سلوک راہ عشق از خود رہائی است   نہ طے منزل نہ قطع مقامات

جس طرح حکما اور متکلمین نے آیات آفاقی کو دلیل راہ بنانے اور خضر حقیقی (قرآن حکیم) کی روشنی سے الگ رہنے میں دھوکا کھایا۔ اسی طرح وہ بیدرد صوفی وش بھی ٹھوکریں کھا رہے ہیں جو قرآن حکیم کے ارشاد ذیل (ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین) کے مطابق اپنا صحیح نصب العین قائم نہیں کرتے اور یہ جامہ تلبیس انکے جلب منفعت کا سہل الحصول آلہ بن گیا ہے۔

کہاں ہیں وہ مخلصین لہ الدین جنکے اخلاص کے زندہ اثرات کے سامنے دنیا آج تک سر ٹیک رہی ہے۔ کدھر ہیں وہ ارباب یقین جنکے روحانی معارف سے کائنات کی تاریکیاں آفتاب بن گئی تھیں۔ اور جنکے انوار ساطعہ سے دنیا کی ظلمتیں بجلیاں بن کر کوندنے لگی تھیں؟

آہ۔ اسکا ایک ہی جواب ہے۔ مسلمانان در گور ومسلمانی در کتاب۔ وہ گنج بہائے گرانمایہ تہ خاک مدفون ہیں وہ جواہر ریزے زمین کے اندر چمک رہے ہیں۔ یا ہیں تو ایسی گمنامی میں کہ مردوں سے بدتر۔ ع یک بار میسر دہر کسے بیچارہ جامی بارہا۔

نتیجۂ یقین

یقین تصدیق ایمان سب مرادفات ہیں۔ اور بلحاظ آثار و نتائج علم الیقین عین الیقین۔ حق الیقین میں منقسم ہیں۔ مگر غور طلب یہ ہے کہ ایمان اور یقین کے ثمرات عملی کیا ہیں۔ کیا انکا مقصد کوئی عالم غیب کا دلچسپ نظارہ ہے۔ کیا انکی نہایت عالم برزخ کی کوئی مثالی نمائش ہے۔ کیا انکی غرض تجلیات و تلوینات کا سیمیائی تماشا ہی کیا انکا نتیجہ کونی تسخیر اعظم یا انکشافات حقائق غیبیہ ہے؟

نہیں کچھ نہیں۔ سب نامرو خیالات موانع اور حجابات ہیں۔ غیبی نظاروں سے بامِ فلک کی سیر نہیں زیادہ دیرپا اور نتیجہ خیز ہے۔ جس سے تماشا عظیم الشان علم ہیئت مدون ہوگیا تسخیر قلوب کا مقصد اکتساب زر یا تحصیل عزت و حکومت ہے۔ مگر یہ عجیب راز ہے کہ جو انکے پیچھے دوڑتا ہے اُس سے وہ بہ رنگ سایہ گریزاں ہیں۔ اور اگر انکے اندھے گاہک کے پورے اس نئی روشنی کے زمانہ میں بھی پیدا ہو گئے تو زیادہ زمانہ نہیں گزرتا کہ وہ دام زر کے تار و پود توڑ تاڑ کر نکل جاتے ہیں۔ نہایت یہ ہے کہ تسخیر عالم کی باگیں آج مادی یا تہذیب میں ہیں۔ اور دماغی و جسمانی کمپٹیشن میں سبقت اسکا ایک عالمگیر ذریعہ ہے۔ تو انقا شناسی کو تسخیر قلوب سے کیا تعلق وہ اسکے طالب ہیں جنکی مملوک تمام کائنات ہے ع

ملگئے تم مجکو سب کچھ ملگیا

انکشافات حقائق غیبیہ گو ایک کمال انسانی ہے۔ مگر مقصود اصلی نہیں یہ سب ضمنی اور فروعی نتائج علم الذات والصفات کے ہیں۔ ایک عارف کامل کا مقصد اس سے بہت بلند ہے وہ اُس عقل نبوت کے انوار کا طالب ہی جس سے کائنات کیا چیز ہے خالق کائنات کا عرفانِ اتم حاصل ہوتا ہے ؎

دیدۂ رنگ بیں نہ بیند حق دیدۂ عقل بیں گزیند حق

یہی عقل دین جس میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ انسان صفِ کاملین میں باریاب ہوتا ہی

اور آفتاب نبوت کے چمکارے اسکے قلب کو انوار ملکوتیت سے بھر دیتے ہیں ؎

ہر کہ را از کمال مایہ بود خرد مصطفاش دایہ بود

یقین علم کی کامل تر قسم ہے ۔ اور اسکے لیے عقل دین کی ضرورت ہے جو عقلیت کا بلند درجہ ہے ۔ جو عقل نبوی کی آغوش میں پلتی ہے اور مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہوتی ہے ۔ اسی عقل کی بدولت وہ یقین حاصل ہوتا ہے جو وہم کی دھجیاں اڑا دیتا ہے ۔ جامہ شکوک کو چاک چاک کر ڈالتا ہے ۔ اور خیال کے پردوں کو پھاڑ ڈالتا ہے ؎

بند دلِ یقیں پردہ ہاے خیال نہ ماند سرا پردہ الا جلال

غیر اللہ اسکی نظر میں ہیچ ۔ تخت اسکے نزدیک تختہ ۔ تاج اسکی نگاہ میں کاسہ گدائی ۔ اور جامہ خسروی اسکے خیال میں کفن بن جاتا ہے ؎

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

انقلابات یقین

نوع انسانی کی وہ تمام عجیب تبدیلیاں اور مہتم بالشان انقلابات تحریکات یقین کے نتائج تھے صرف فرق اسباب یقین کا ہے ۔ مادی انسان آلات و اسباب مادیہ پر زیادہ وثوق رکھتے ہیں ۔ اس لیے ان کا یقین دائرہ محسوسات میں بند ہے ۔ بخلاف انکے کامل الروحانیہ انسان ایک ایسی بالاتر طاقت پر اعتماد رکھتے ہیں جس کا فیض تربیت اور دست حفاظت بقائے کائنات کا بلا شرکت غیرے کفیل ہے ۔ اسلیے ان کا یقین اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر ہوتا ہے ۔ جب مادیت مادیت سے دست و گریباں ہوتی ہے اور ناسوتی تحریکیں باہم متصادم ہوتی ہیں تو غلبہ اسی کو ہوتا ہے جسے اپنی قوت پر زیادہ اعتماد ہوتا ہے لیکن جب کبھی لاہوتیت اور حقیقی روحانیت میں تصادم شروع ہوتا ہے تو آفتاب روحانیت کے سامنے مادیت دھواں بنکر اڑ جاتی ہے ؎ بہ کہ دوست دل دشمناں چہ یارا بد + چراغ مردہ

کجا شمع آفتاب کجا ۔ جس کا راز ایک اعلیٰ و ارفع ہستی پر اعتماد ہے جسکے دست زبردست میں عالم ایک مٹی کا کھلونا ہے ۔ سر کامیابی انبیائے سابقین اسی زبردست یقین پر منحصر ہے اور کائنات کی روحانیت کبریٰ کا عظیم الشان کایا پلٹ اسی اعتماد کے ماتحت ہی جس نے دنیا کا نقشہ اور عالم کا خاکہ ہی ایک قلیل مدت میں اور سے کچھ اور کر دیا تھا ۔

ریگستان عرب کے ٹیلے آتشین پہاڑ بن گئے ۔ حجاز کی بالو بارود کا کام دینے لگی ۔ فاران کی سنگریزوں سے بت شکن گولے برسنے لگے ۔ بوقبیس کے قلعہ سے شل اور بم کی بارش شروع ہوگئی ۔ کوہ احد پر حفاظت توحید کے لیئے (لاالٰہ الا اللہ) کی توپیں چڑھائی گئیں ۔ اور سرزمین یثرب سے برق و باد کا وہ طوفان عظیم اٹھا جسکے آگے امارت حیرہ ۔ سیادت غسانی ۔ دولت مصری ۔ حکومت حبشی ۔ تخت ساسانی اور عظمت یونانی اس طرح اڑتی ہوئی چلی جاتی تھی جیسے آندی میں ریت کے ذرے اور طوفان میں تناور درخت ۔

یہ طوفان انقلاب کوئی مادی انقلاب نہ تھا کہ محض تباہی اور بربادی کا خوفناک نظارہ اور بھیانک سین دنیا کے سامنے چھوڑ جاتا ۔ بیشک یہ کفر و شرک کے لیئے برق آسمانی تھا ۔ مگر حق و صداقت کے واسطے رحمت یزدانی ۔

وہی گولے جو قلب کفر پر برس رہے تھے اہل توحید کے لیے سدا بہار پھول تھے ۔ وہی تلوار جسکا پانی لعنت شرک کے واسطے آب ممات تھا ۔ پرستاران حق کے لیے آب حیات تھا ۔ نہیں نہیں ۔ کائنات جن موذی و مہلک جراثیم سمیت سے مسموم ہوکر اپنی صلاح و فلاح سے مایوس ہو چکی تھی ۔ اُسکے لیئے یہ ایک روحانی تریاق تھا ۔ جس سے ہیبت کا آسمان زمین اور زمین آسمان ہوگئی ۔ اور اجرام ظلم و معصیت باہم سر ٹکرانے لگے ۔ نظام بدامنی درہم برہم اور دنیا خواب مرگ سے دوبارہ زندہ ہوگئی ؎

کہیں قیامت کا صور ہوگا کہیں پکارا کہ قم باذنی
ہزاروں سوتے جگائے تو نے ہزاروں مُردے جلائے تو نے

مکتب عشق

عشق آمد و بر منتِ شستم وست — معشوق دوات و قلم را بشکست
فرمود کہ اے عاشق دیرینہ بست — جز خال و خط و خیال ما شغلے ہست

زاہدو! کس دُھن میں پھنسے ہو؟ عابدو! کس لگن میں لگے ہو؟ قبلہ کچھ یاد بھی ہے! کیا وعدہ کرکے آئے ہو۔ اور اب کیا کر رہے ہو۔ وہ معشوق حقیقی سے سوئمبر کا دن یاد ہے۔ جسکی شرط کو سنکر فرشتے کانوں پر ہاتھ رکھکر سر بسجود گر گئے تھے۔ ارض و سما پر رعشہ طاری ہوگیا تھا۔ سر چکرا گیا۔ اور منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ پہاڑوں کی کمریں ڈھیلی ہوگئیں اور سُن کے سُن کھڑے رہ گئے تھے۔ سمندر عرق خجالت سے پانی پانی ہوگیا تھا۔ اور اندر کا دم اندر اور باہر کا دم باہر۔ بات نہ کر سکا۔ اُس وقت آنجناب ایسے منچلے اور جانباز نکلے کہ سب کو پیچھے چھوڑا اور چھاتی ٹھونک میدان میں ڈٹ گئے اور شرط منظور کرلی +

ہم نیابت کرتے ہیں تو مکر جاتے ہو۔ یا تاویلیں گھڑتے ہو۔ یا تجاہل عارفانہ کرتے ہو۔ اور اصل بات کو چبا جاتے ہو۔ کھا جاتے ہو۔ پی جاتے ہو۔ کاٹ ڈالتے ہو۔ اچھا تمہیں تسبیح و مصلے کی قسم گول ڈاڑھی اونچے پاجامے کی قسم۔ جُبہ قبہ کی قسم۔ شملہ و دستار کی قسم منبر و محراب کی قسم۔ حور کی قسم غلمان کی قسم۔ کچھ تو بتا دو۔ اشارتاً کنایتاً۔ تشبیہاً تمثیلاً۔ وہ شرط کیا تھی؟ نماز تھی۔ روزہ تھا۔ زکوٰۃ تھی۔ حج تھا۔ زہد تھا۔ تقوےٰ تھا۔ اگر فی الواقع یہی بات تھی تو ایسی کھلبلی کیوں مچ گئی۔ فرشتے آسمان زمین وغیرہ سب کے سب کیوں ٹھٹک کر رہ گئے۔ یہ کام تو نہایت آسان اور سہل تھے +

جن ہستیوں کو عبادات کا جھگڑا کچھ نہیں اور جنکو سوائے بجا آوری فرائض عبدیہ

دھندا ہی نہیں۔ نہ کھانا نہ پینا۔ نہ کھونا نہ کمانا۔ نہ غلاظت نہ نجاست۔ نہ شادی نہ غم۔ اُن کے لیئے ان فرائض کا شرط کے طور پر پورا ہونا کیا بڑی بات تھی۔ اور کو رہنے دو۔ فرشتوں کو لیلو۔ یہ تو اب بھی شب و روز ایسے مشغلوں میں مصروف رہتے ہیں جس میں یہ شرطیں بدرجۂ کمال پائی جاتی ہیں۔ صائم الدہر ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں۔ اور ایسا جو انسان سے ہو ہی نہ سکے۔ نہ بدوؤں کا خوف نہ سٹیمر کے ہچکولے۔ نہ قرنطینہ نہ ٹیکس۔ نہ مطوف کا اصرار۔ نہ نعزمی سے جوتی پیزار۔ نہ حجامت نہ قربانی۔ ایک خلاصہ ہلکا پھلکا حج کر جاتے ہیں۔ ہاں البتہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ کیونکہ جن جن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے وہ آسمانوں پر نہیں ہوتیں بدیں وجہ فرشتے اس فرض سے بری الذمہ ہیں۔ ورنہ وہ اسکے ادا کرنے میں بھی قاصر نہ ہوتے اس سے پایا گیا کہ وہ شرط کوئی ادھی کٹھن کام ہے جسکو سن کر عرش سے فرش تک سب کے ذہنوں پر پسینہ آگیا +

اب اس کے ظاہر کرنے میں کیوں پس و پیش کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دنیا کے عجائب خانہ کو دیکھکر مبہوت ہو گئے ہو یا یہ بات ہے کہ حورِ قصور کا فوٹو دلپر کھچا رہتا ہے۔ جس کی محویت سے حافظہ پر جالا آگیا۔ مگر اپنی سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ جان تو جوئے میں لگا بیٹھے۔ بعد میں آنکھیں کھلیں۔ اب ندامت کے مارے زبان پر نام لانا مشکل۔ اور کچھ نہ بنا تو جواب میں ارکان اسلام پیش کر دیئے تاکہ اگر کوئی بیہودی فدا زبان ہلائے تو فوراً کفر و الحاد کی توپ اُسکی طرف داغ دیں +

ہمارے آپس کے معاملات کی وعدہ خلافی کے بارے میں حکم ہے کہ سخت بازپرس ہوگی۔ واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا۔ مگر یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ جو وعدہ خاص اسی حکم دینے والے حاکم سے کیا گیا ہے۔ اُسکو فراموش کر دینے والا کس سزا کا مستحق ہوگا۔ اور مزید براں اگر کوئی خیرخواہ یاددہانی کرائے۔ اُسپر آنکھیں نکالنی اور سونٹوں سے مارنا۔ قسم قسم کی تاویلیں گھڑنی۔ اس کی جواب دہی کیا ہوگی۔ یہ پاپ کہاں بھرا جائے گا؟ +

کسیکو ہٹ لگی ہے کسیکو وضعداری مانع ہے۔ سب کو چھوڑ۔ ہم بتائے دیتے ہیں چاہے ماریں۔ چاہے چھوڑیں۔ وہ شرط درد عشق ہے۔ جسکو انسان ضعیف البنیان نے قبول کرکے حمل مالایطاق کا ثبوت دیا ہے

بلاگردان جولانت دل دیوانہ دارم بیالے سیل پا انداز نازت خانہ دارم

شاہد حقیقی نے جب دیکھا کہ اس مجمع میں جہاں پر ہزاروں بڑے بڑے مارقبل خاں ہی رہ گئے یہ کہاں کا پنج مارخاں آگیا۔ جو اتنی بڑی بھاری شرط کو تولکر کھڑا ہوگیا۔ اسیوقت لب جاں بخش سے ارشاد ہوا کہ او ظالم او جاہل یہ چیز امانت ہی اسکا ذمہ دار ہوجانا دل لگی نہیں ہاں اس کے حقوق اداکرنے ہونگے۔ اور مکتب عشق میں تعلیم حاصل کرکے ڈگری لینی ہوگی۔ اس کے بعد وصال کی بات چیت ہوگی۔ اور اگر حقوق امانت میں کوتاہی کی اور امتحان عشق میں فیل ہوگئے تو یاد رکھو ابدالآباد آتش ہجر میں ڈال دیئے جاؤگے۔ اب کیا ہوسکتا تھا حضرت انسان سودے کو ہاتھ لگاچکے تھے۔ کسی اخبار کا وی پی ہوتا تو واپس بھی کردیتے۔ مگر یہاں تو انکہ تھا اللہ اکر فوراً پرچہ چاک ہوگیا۔

نصاب تعلیم اور حقوق امانت کی یادداشت مجمع عام میں سنائی گئی۔ جسکو لشکر نے بیک زبان قبول کرلیا۔ خدائی بھر میں منادی کی گئی۔ ڈھنڈھورا پٹ گیا۔ بنی نوع انسان کے نام پرچے چھپ گئے۔ جسکا مختصر مضمون یہ تھا کہ جلوہ درسگاہ عشق کھل گیا۔ کالج کے لیے مکان اور باغ مفت دیا گیا۔ باغ کی پہلواری اور لکڑی وقف ہے۔ بورڈنگ کا انتظام اور لنگر کے مصارف خزانہ شاہی پورے کریگا۔ روشنی کا انتظام کافی طور پر کردیا گیا ہے۔ پانی سرکاری ہر روز گھر گھر مفت پہنچیگا۔ فرنیچر و دیگر اسباب آسایش فراشخانہ سلطانی سے ملا کرے گا۔ اوڑھنے بچھونے کے لیئے کپڑے پوشاک لباس کے خلعت حسب ضرورت توشہ خانہ خاص سے عنایت ہوتے رہیں گے۔ نقد وظیفہ بطور خرچ روزانہ تقسیم ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ انکے علاوہ وقتاً فوقتاً قسم قسم کی ضیافتیں جنکا آئندہ کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔

پرنسپل پروفیسر۔ مدرس۔ ٹیچر۔ ناظم۔ بورڈر۔ خدمتگار۔ چپراسی۔ بیرا۔ بھنگی۔ باغبان کاسب سرکاری ہونگے۔ تم سے کوئی کچھ نہ مانگے گا۔ اگر کوئی کچھ مانگے تو جانو سرکاری نہیں۔ جھوٹا ہے۔ فریبی ہے۔ مکار ہے۔ دغاباز ہے۔ بنا ہوا ہے۔

اِس اعزاز اور اِن رعایتوں کو دیکھکر فرشتے چراغ پا ہو گئے کہ کیوں ایسا کیا جاتا ہے انسان اِس کا مستحق نہیں ہے لڑے گا۔ بھڑے گا فساد کرے گا۔ خونریزیاں کرے گا۔ ارشاد نافذ ہوا کہ ٹھیرو۔ کیوں جامے سے باہر ہوئے جاتے ہو تم نہیں جانتے۔ کل کیوں پیچھے ہٹ گئے تھے جب اُس غریب نے کمر ہمت باندھ کر ہماری امانت کا بوجھ اُٹھا لیا۔ اب تم ایسا کہنے لگ گئے۔ چلو۔ اسکی سزا یہ ہے۔ ہمارے فدائی کو سجدہ کرو۔ بامتثال امر سب نے اِس خاکی نژاد کو سجدہ ادا کیا صرف ایک کمینہ بد اصل۔ مردود ازلی۔ مکار۔ ریاکار جو غیر جنس سے نکلکر ملائکہ میں چلا گیا تھا اپنی ہٹ پر اڑا رہا۔ جس کی اُسوقت سب جائداد ضبط کرکے نہایت بے حرمتی سے نکال دیا گیا۔

اِس سجود ملائکہ کو نصاب تعلیم اور حقوق امانت کی یادداشت سپرد کرکے حکم ہوا کہ چند دنوں تک ہمارے یہاں مہمان رہو۔ ابھی مہمان ہی تھے کہ اُس مردود ازلی نے بہکا کر ایک لغزش کا مرتکب کرا دیا۔ عتابِ سلطانی نازل ہوا کہ نکلو ہمارے یہاں سے۔ تم یہاں رہنے کے قابل نہیں ہو جاؤ۔ اپنے کالج اور مدرسہ کی خبر لو۔ مکتب عشق کی رسم بسم اللہ ادا کرو۔

لوگ بتدریج آنے لگے اور تعلیم حاصل کرنے لگے۔ کام میں دن بدن ترقی ہوتی گئی جیسے جیسے طلبہ زیادہ ہوتے گئے۔ ویسے ہی استاد اور ٹیچر بڑھا دیئے گئے۔ اور اختلاف طبائع اور ضرورت وقت کے مطابق نصاب تعلیم میں ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی۔ بڑی دھوم دھام سے کام جاری رہا۔ جو لوگ زیادہ غیر حاضر رہتے تھے۔ یا آرام طلب اور عیش پرست ہوکر تعلیم کی جانب توجہ نہیں کرتے تھے۔ یا کرکٹ۔ ٹینس۔ فٹ بال میں منہمک رہتے تھے۔ انکو سخت گوشمالیاں دیجاتی تھیں۔ مثلاً ایک بار معدودے چند طلبہ کے سوا باقی تمام طلبہ کھیل کود میں ایسے غرق ہوئے کہ پڑھنا پڑھانا یکسر فراموش کر دیا۔ اور پروفیسر کے ساتھ بار با گستاخی اور بے ادبی سے

پیش آسکے۔ ناچار رپورٹ کی گئی تو بارگاہ عالی سے حکم ہوا کہ شاہی واٹر ورکس کا جنرل براس کاگ کھولدو۔ براس کاگ کا کھلنا تھا کہ جل تھل ایک ہوگیا۔ اورسب ڈوب گئے۔ صرف چند صالح اور نیک شاگرد جو پروفیسر ہال میں جمع ہوگئے تھے بچ گئے۔ علی ہذا القیاس جب کبھی کسی موقع پر جتھابندی ہوئی گوشمالی کیگئی۔ مگر پھر بھی متمرد طبیعتیں باز نہ آتی تھیں۔ بدعنیاں کرتے تھے۔ بدمعاشیاں کرتے تھے معلموں اور استادوں کا کہنا نہ مانتے تھے گستاخیاں کرتے۔ بہتری دیوانہ بناتے۔ طرح طرح کی ایذا انہیں تکلیفیں پہنچاتے۔ رفتہ رفتہ ان کا گروہ اور جتھا نہایت زبردست ہوگیا۔ معلمین مجبور ہوگئے۔ اور ناچار اپنی مدت ملازمت پوری کرکے واپس ہوگئے۔ اب روئے زمین پر سوائے نامعقول جاہلوں کے ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو خط بھی پڑھ سکے۔ تمام مکانات اور باغات ناپاک اور برباد کردیئے۔ جن کمروں میں تعلیم عشق دیجاتی تھی۔ یکقلم بھنگڑ خانے بن گئے۔ امتحان سالانہ کے متبرک ایوان میں کتابوں اور صحیفوں کے بجائے پتھر ہی پتھر بھردیئے۔

اب ایسا موقع تھا کہ معمولی کارکن وس بیس نہیں۔ سوپچاس بھی اگر ہوتے تو کچھ نہ کرسکتے۔ اس لیئے ایسے منتظم کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جسکی ہمت اور قابلیت اس بگڑے ہوئے کارخانے کو انگلی کے اشارہ سے سنوار دے۔ چنانچہ اس موقع پر اس حقیقی پرنسپل کی تقرری ہوئی کہ جس کی ذات بابرکات اس کارخانے کی علت غائی تھی۔ بڑی شان وشکوہ سے تشریف فرماہوئے۔ اور آتے ہی ایک نعرۂ اللہ اکبر کا ایسا لگایا کہ ساری خدائی ہل گئی۔ بوڑھے سے لیکر بچے تک سب خواب غفلت سے چونک پڑے۔ نہادھو کر درسگاہ میں آنے شروع ہوئے مکانات اور باغوں کی صفائی کردی گئی۔ کوڑا کرکٹ سب الگ کردیا گیا۔ اونچے نیچے مقام برابر کردیئے گئے۔ پتھر کنکر چن چن کر نکالدیئے گئے۔ پرانی عمارتیں مسمار کرکے نئی عمارتیں تعمیر کیگئیں اور اس اکیلی طاقت نے وہ کام کیا جو اس سے پیشتر سو دو سو ملکر بھی نہ کرسکے۔ نصاب تعلیم جدید وہ مرتب اور رائج کیا گیا کہ جسکے بدلنے کی آئندہ کبھی ضرورت نہ پڑے۔ درجہ بندی کیگئی

اور ایک نیا درجہ جو اب تک نہ کھلا تھا۔ بنام تکمیل العشق کھولا گیا۔ جسکا دوسرا نام مختصر تار خبر کے لیئے درد ہے۔ اور یہی اُس امانت کا مقصود اصلی ہے۔ اور اسی امانت کے لیئے حضرت انسان یہاں پر تشریف فرماتے ہیں۔ وہ امانت نہ نماز ہے نہ روزہ۔ نہ حج نہ زکوٰۃ نہ صبر نہ رضا نہ تسلیم۔ جس انسان میں درد عشق نہ ہو وہ خود کتنا ہی پابند صوم و صلوٰۃ صابر و شاکر ہو۔ حقوق امانت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا ؎

ہزار سال عبادت کند نمازی نیست کسیکہ عشق نباشد خدائے راضی نیست

پکا مسلمان وہ ہے جسکے دل میں درد عشق ہو۔ انسان کا اشرف المخلوقات ہونا محض اسی درد کی وجہ سے ہے۔ ورنہ وہ طاعات و عبادات میں ملائکہ سے کسیطرح بھی بازی نہیں لیجا سکتا اور یاد رکھو۔ عبادت بے عشق جسم ہے بے روح۔ اور عشق بلا درد تیغ ہے زنگ آلود۔

جو لوگ عبادت و درستی اخلاق محض کو وصول الی المطلوب کا ذریعہ خیال کرتے ہیں وہ بڑی بھاری غلطی پر ہیں۔ حکماء کی لائف دیکھو۔ اُن سے اچھی درستی اخلاق کون کریگا اور وہ بھی عمر بھر تکلفات کرتے کرتے مر گئے۔ مگر عشاق کے سے اخلاق پیدا نہ کر سکے جب سلطان عشق قبضہ جماتا ہے۔ اخلاق ظاہری اور باطنی ایسے منجھ جاتے ہیں جیسے تلوار اور احکام شرعی تو جوڑ جوڑ میں رچ جاتے ہیں۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ طاعات او امر و نواہی تو امتحان وفا کے لیئے ہیں۔ اور درستی اخلاق اداشناسی کے لیئے۔ اور یہ دونوں صفتیں عشاق کے سوا اور کا حصہ نہیں ہے۔ اور یہ دونوں صفتیں جس میں نہ ہوں وہ عاشق نہیں ہے ؎

خرقہ زہد و جام مے گرچہ نہ درخورِ من است این ہمہ نقش میزنم در طلب وفائے تو

اس وقت اسلام میں جسقدر خرابیاں نظر آرہی ہیں۔ وہ جذبۂ عشق کے نہونے یا جادۂ عشق سے بھٹک جانیکے باعث واقع ہوئی ہیں۔ ہمارے کرمفرما دنیا طلب مولانا صاحب جن کا ایک جم غفیر گلۂ بے چوپاں کی طرح انڈیا شریف میں پل رہا ہے علم کے ابنا سے

پیشہ پر لادے پھر رہے ہیں۔ اور حقیقت حال سے بیخبر ہیں۔ اتنا نہیں معلوم کہ اس انبار میں لکھا ہوا کیا ہے۔ جس کتاب پر نظر ڈالتے ہیں سوائے مضامین کفر و الحاد کے اور مضمون پر نظر ہی نہیں جمتی۔ ذرا کسی کا لب ہلا۔ اُسیوقت کفر کا ریوالور اُسپر سر کردیا۔ طبقہ عشاق (صوفیائے کرام رح) میں لاکھوں عالم۔ کروڑوں فاضل۔ ہزاروں مجتہد۔ سیکڑوں امام گزرے ہیں۔ اور بیسیوں مختلف خانوادے باختلاف مسائل فروعی موجود ہیں۔ مگر شاذ و نادر ہی کسی نے کسی کو کافر ملحد کہا ہو اپنے حال میں طرح طرح کی بولیاں بول رہے ہیں۔ اُسپر ممکن کیا ہے کوئی لب ہلادے۔ اس کی وجہ خاص عشق ذو درد ہے۔ عاشقان الٰہی اپنے آپسے سب کو اچھا جانتے ہیں عشق حقیقی میں رقابت کا نام تک نہیں ہے۔ عاشقان الٰہی ایک دوسرے سے اِس طرح ملتے ہیں جیسے عاشق و معشوق۔ اور عاشق مجازی رقیب سے اِس طرح ملتے ہیں جس طرح کوئی کُتے کو اینٹ مارے! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا کے عاشق جو ایک دوسرے کو کافر ملحد بنا رہے ہیں عاشق مجازی ہیں۔ اور یورپ والے عاشقوں کیطرح دنیا کے لیئے ڈوئل لڑتے ہیں۔ کیونکہ جب کبھی کسی بحر العلوم سے بھی پوچھا گیا ہے کہ آپ کیوں فلاں کی نسبت ایسا فرماتے ہیں تو جواب یہی ملتا ہے کہ ہمارا فرض ہے۔ ہم جب کسی میں نقص اور کجروی دیکھیں گے۔ اُسپر فتوے دیں گے۔ طرہ یہ ہے کہ دوسرے صاحب سے بات چیت کرو تو اُدھر بھی ایسا ہی ایک فتوے مُہروں سے مزین تیار دھرا ملے گا۔

یا الٰہی! قصہ کیا ہے۔ آخر یہی فیصلہ ہوا کہ یہ دنیا کے عاشق ہیں وہ اِسکو رقیب کہتا ہے۔ یہ اُسکو رقیب بتاتا ہے۔ اگر اِن میں عشق حقیقی کی ذرا سی بھی بو آجائے تو کتب خانہ کی جس کتاب کو کھولیں بجز جلوۂ دلدار اور کچھ نظر نہ آئے اور سب جھگڑے اور قضیئے اُٹھ جائیں۔ دیکھو سلطان المدارس نظامیہ کالج دہلی کے ایک اعلیٰ گریجویٹ دستاربند اپنی طالب علمی کا زمانہ یاد کرکے کیا فرماتے ہیں ؎

چندانکہ نظر کردم شبہا بکتاب اندر
از منطق و از حکمت جز عشق نفہمیدم

اگر جبریہ بھرتی کا قانون انڈیا میں رائج ہوا تو ہم گورنمنٹ کی خدمت میں دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ سب سے پیشتر ان بیکار لوگوں کو محکمہ جنگ میں جگہ دے اور جو اس قابل نہوں۔ اُن سے مچلکہ لکھوایا جائے کہ وہ سال بھر میں دو بار نظامیہ اور صابریہ کالج میں تعلیم عشق حاصل کیا کریں تاکہ تعلیم عشق دیکر اُن کو فتنہ و فساد برپا کرنے سے باز رکھا جائے۔

احقر مراتب ربانی چشتی صابری۔ از بریلی

عبرت

(گزشتہ سے پیوستہ)

جیساکہ میں سطورِ بالا میں لکھہ چکا ہوں کہ سیکڑوں آدمی ہر وقت ہمارے گرد و پیش رہتے اور کام کرتے تھے۔ لہٰذا اس عبرتناک نظارہ کو اُن سبنے دیکھا اور وہ سب بیحد متاثر تھے۔ کوئی زبان سے توبہ توبہ کرتا۔ کوئی اس مُردے کے ناری ہونے پر استدلال کرتا الغرض طرح طرح کے خیالات ظاہر کیئے جاتے تھے۔ کچھہ تو پہلے سے ہی وہاں پر اس نظارہ کو دیکھنے کے لیئے بہت سے آدمی جمع تھے۔ پھر میرے جانے پر اور بھی مجمع کثیر ہو گیا۔ مجھے وہاں دیکھکر میاں قدرت شاہ ٹھیکہ دار بھی آگئے۔ جن کے اجارے میں اُس موقع پر نہر کی کھدوائی کا کام تھا۔ میاں صاحب مذکور پشاور کے رہنے والے ایک معزز آدمی ہیں۔ انہوں نے "امر مانحن فیہ" پر مختصر سی گفتگو کرنیکے بعد ایک قبر کیطرف اشارہ کیا جو مذکورہ بالا قبر سے چوتھے نمبر پر اسی قطار میں واقع تھی۔ اور کہاکہ آپ اپنے مستری کو حکم دیں کہ پہلے اسکو کھدوا ڈالے کیونکہ ادہر میرا کام شروع ہے۔ اور کام میں حرج ہوتا ہی۔ اُس کے کہنے پر میں لپک کر اُس قبر پر جا پہنچا۔ وہ اِسقدر کہنہ تھی کہ امتداد زمانہ سے اُسکی خام ڈھیری گھس گھس کر بالکل سطح زمین کے برابر ہو گئی تی۔ مگر بیٹھی نہ تہی۔ جیساکہ خام قبریں عموماً بارش کا پانی پڑنے سے بیٹھہ جایا کرتی ہیں۔ اور بادی النظر میں قبر نہیں معلوم ہوتی تہی۔ چنانچہ میں نے ازراہِ استعجاب میاں قدرت شاہ صاحب سے کہا کہ کیا یہ قبر ہے! اُنھوں نے اثبات میں جواب دیا تو میں نے پھر غور سے دیکھا تو کچھہ کچھہ آثار قبر کے پائے گئے۔ چونکہ اُس کا ڈھیر تو پیوندِ زمین ہو چکا تھا۔ پھر کس امر نے اُسکے قبر ہونے کی شناخت کرائی: وہ صرف اُس کا بیضوی گھیرا تہا جیساکہ ہمارے ملک میں اس شکل کا ہوتا ہے۔ اور اُس بیضوی

گھیرے کا نشان بھی عجیب طور سے معلوم ہوا یعنی کہ اُس گھیرے کے اندر کی زمین کی رنگت میلی سی اور تر تھی بمقابلہ دوسری قریبی زمین کے جو خشک اور سفید تھی کیونکہ موسم بالکل خشک تھا اور زمین کلیۃً بے آب پڑی تھی۔ صرف اُس بیضوی خط کے اندر کا حصہ تر اور میلا ہونا اور باہر ایک بال بھر بھی ایسا نہ دیکھنا کچھ عجیب معاملہ تھا۔ چنانچہ یہ حالت دیکھکر میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا کہ بیضوی خط کے اندر کا حصہ جو قبر کی زمین ہے اسکی رنگت ایسی کیوں ہے۔ حالانکہ باہر ایک بال بھر زمین ایسی نہیں ہے۔ اور پھر ایسی احتیاط سے چھڑکاؤ کیوں کیا گیا ہے کہ ایک چھینٹ تک اس خط سے باہر نہیں گرنے دی۔ اس سوال کے پیدا ہوتے ہی میری طبیعت نے اندر ہی اندر یہ جواب دیکر مجھے مطمئن کر دیا کہ اس موقع پر ہم نے مٹی ڈھونے کی گاڑیاں چلانے کے لیے چھوٹی ریلوں کی ایک پٹری بنائی تھی جو حال ہی میں اکھاڑ لی گئی ہے شاید اس سلسلہ میں یہاں پر تیل کا کوئی پیپہ گر گیا ہو۔ جس کی رنگت کا اثر اُسوقت تک باقی ہے۔ اندر ہی اندر یہ سوال و جواب کر کے میں نے اپنا اطمینان کر لیا اور مستری فضل الرسول سے کہا کہ پہلے اس قبر کو اکھاڑ ڈالو تاکہ میاں قدرت شاہ کا کام رُکنے نہ پائے۔ اُس نے جواب دیا کہ آج تو کام اس حصے میں شروع ہے۔ کل انشاء اللہ صبح آتے ہی پہلے اس قبر کو اکھڑوا دوں گا آج کا دن یہ لوگ دوسری طرف کام کریں۔ میاں قدرت شاہ بہت اچھا کر کے چلے گئے اور میں نے بھی حیرت و استعجاب سے بھری ہوئی ایک نگاہ غلط انداز سی اُس آتشین قبر پر ڈالی۔ اور قبرستان سے باہر نکل گھوڑے پر سوار ہوا اپنی راہ لی۔ چلنے کو تو میں چلا گیا مگر دل کی آنکھ اُس قبر کی جانب لگی ہوئی تھی۔ تمام دن اور تمام رات وہ آتشین خیالات دماغ پر محیط رہے اور یہ ۲۴ گھنٹے عجب کشمکش میں گزرے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

اگلے روز میں نے حسب عادت پھر آٹھ نو بجے صبح قبرستان کی راہ لی۔ اور فرض منصبی ادا کرنے

کے لئے روانہ ہو گیا۔ اثنائے راہ میں اُن خیالات نے دل پر اور بھی استیلا کیا۔ آخر قبرستان کے احاطے کے قریب پہنچکر گھوڑا روک لیا۔ ارادہ تہا کہ گھوڑے پر کھڑے کھڑے مستری سے کچھ دریافت کرکے واپس چلا جاؤں کہ مستری نے مجھے دیکھکر دور ہی سے آواز دی کہ گھوڑے سے اُتر آیئے اور خدا کی قدرت کا تماشا آج نئے رنگ میں دیکھئے یہ سُن کر میرے دل کی حرکت تیز ہو گئی اور میں کانپتے ہاتھوں کے ساتھ گھوڑے کی زین سے سہارا لیکے نیچے اُترا۔ جب میں اُس موقع پر پہنچگیا جہاں میرے آدمی کام کر رہے تھے تو مستری فضل الرسول نے ایک قبر پر مجھے لے جا کھڑا کیا اور کہا کہ یہ وہی قبر ہے جس کی نسبت حسب ایمائے میاں قدرت شاہ آپ کل حکم دے گئے تھے۔ اُسکے اندر ملاحظہ کیجئے کہ کیا چیز ہے۔ جب میں نے ذرا جُھککر اُسکی لحد کے گڑھے میں نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُسمیں پانی کھڑا ہے۔ اور کھودی ہوئی مٹی تمام کیچڑ گارا ہے۔ یہ ماجرا دیکھکر میرے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ اور فی الفور میں نے بھرائی ہوئی آواز میں اُس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ اور اِسکے اندر سے کیا کچھ برآمد ہوا؟ اُس نے کہا کہ سطح زمین سے لیکر لحد کے تلے تک گیلی مٹی اور کیچڑ گارا نکلتا آیا۔ اور اب صاف پانی ہے۔ مُردے کی ہڈیاں بھی اِس پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ یہ وہی پانی کھڑا ہے۔ اب دیرینہ معمہ میری سمجھ میں آیا جسے میں اوپر رقم کر آیا ہوں کہ جب میں نے میاں قدرت شاہ کے ایما پر اُس قبر کو دیکھا اور اُسکے قبر ہونے میں اشتباہ ظاہر کیا تھا تو اِس کا میلا اور تر بیضوی گھیرا اِسکے قبر ہونے پر دال ہو کر میرے اطمینان کا باعث ہوا تھا۔ بخدائے لایزال مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اُس بیضوی خط سے ایک بال بھر باہر زمین تر نہ تھی۔ خاص طور سے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے مصنوعی طور سے اُس بیضوی خط کو لگا کر اندر کی زمین کو تر کر دیا تھا۔ مگر اب ثابت ہو گیا کہ صانع قدرت کے ہاتھوں نے ایسا کیا تھا۔ بس ع

سمندِ ناز پہ اِک اور تازیانہ ہوا؛

کل آتشین قبر کا اور آج آبی کا دیکھنا میرے دل غم آشنا پر ایسا موثر ہوا کہ عالم برزخ کے ان کرشموں کو دیکھکر جی بیٹھا جاتا تھا۔ ان ضدین عناصر آب و آتش کے نظاروں کا قبور کے اندر دیکھنا دل مضطر کے متوحش کرنیکے لیئے کوئی معمولی بات نہ تھی۔ دماغ میں بجائے آتشین خیالات کے اب آبی خیالات بھی گونجنے لگے۔ اور اُنھوں نے میری حالت سراسیمی کی سی کر دی۔ میں جس پژمردگی کے ساتھ قبرستان سے باہر نکلا میرا دل ہی جانتا ہی۔ اسی حالت میں اپنے کام پر چلا گیا۔ مگر دل دنیاوی زندگی سے بیزار اور نہایت آزردہ تھا۔ دیکھا جو کچھ دیکھنا تھا۔ مگر قبرستان کے عجائبات کی سیر کے لیئے دل کو ایک لَو لگ گئی۔ ہر روز جاتا اور مستری سے سوال کرتا کہ کچھ اور دیکھا ہو تو بتاؤ۔ مگر وہ بناوٹی طور پر کہاں سے دکھا سکتا تھا۔ چند روز گزرے تھے کہ ایک روز میں معمولاً گیا تو مستری نے پھر فرمایش کی کہ قبرستان کے اندر آجایئے۔ آج ایک اور تماشا آپ کو دکھائیں۔ یہ سنکر میں جھٹ پٹ گھوڑے سے اُترا اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ موقع پر پہنچا۔ اور نہایت ہی بے صبری اور اضطراب کے لہجے میں مستری سے دریافت کیا کہ کہو کیا ہے؟ اُس نے ایک قبر مجھے دکھائی اور ساتھ ہی ایک مزدور سے کہا اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ گٹھڑی اُٹھالاؤ۔ وہ اُٹھالایا جو کفنانے کے کپڑے میں بندھی تھی۔ اُسے کھولا۔ اور بیان کیا کہ یہ کوئلے اس قبر سے برآمد ہوتے ہیں۔ میں نے اُنکو بنظر غائر دیکھا جو نہ لکڑی کے کوئلہ کی مثل تھے اور نہ پتھر کے کوئلہ کی مانند بلکہ صریحاً دکھائی دیتے تھے کہ ہڈیاں اور گوشت جلکر موٹے موٹے ڈھیپے بنے ہوئے ہیں مگر لطف یہ کہ لحد کے اندر آگ جلنے کا یا کسی قسم کی راکھ کا کوئی نشان نہ تھا۔ معمولی مٹی تھی اور بس۔ یہ تماشا بظاہر سابقہ ہر دو واقعات سے بھی عجیب تر تھا کہ جلا ہوا گوشت۔ اور ہڈیاں کوئلوں کی شکل میں متشکل ہو کر موجود ہیں۔ مگر آگ جلنے کا کوئی نشان نہیں۔ ان اللہ علیٰ کُل شیءٍ قدیر۔

وہ بغیر آگ کے جلا سکتا ہے۔ اور بغیر پانی کے تر کر سکتا ہے۔ کون ہی جو اُس کی

قدرتوں کے اسرار کو جان سکتا ہے۔

آج میں جدید خیالات کی ایک بڑی زبردست لہر اپنے دل ودماغ میں موجزن پاتا تھا۔ اور خدا کی قدرتوں کے عجائبات اور عالم روحانی کے مکاشفات کے اوراق اپنی آنکھوں اور دل کے سامنے کھلے ہوئے دیکھتا تھا۔ حیرت اور خوف کے دریا میں اپنے آپکو مستغرق پاتا تھا۔ خیر جو کیفیت گزری سو گزری۔ کام کرتا رہا۔ اور قبرستان میں حاضری بھرتا رہا۔ آخر جب کام قریب الاختتام ہوا۔ اور شاید ایک دو روز کا مشغلہ باقی رہ گیا تو ایک روز پھر میرے مستری نے مجھے ایک قبر دکھائی اور بیان کیا کہ آج جب اس قبر کی لحد کو کھولا گیا تو مردہ کی ہڈیوں پر کئی ایک سانپ لپٹ رہے تھے۔ مزدوروں نے دیکھتے ہی شور مچادیا۔ میں لپک کر آیا اور خود اپنی آنکھ سے سانپوں کو دیکھا۔ مزدور سانپوں کو دیکھ ڈر کے مارے ادھر ادھر منتشر ہوگئے۔ سانپ بھی موقع پاکر آس پاس کی جھاڑیوں میں چلدیئے۔ یہ سنکر میں نے کہا کہ لاؤ وہ ہڈیاں مجھے دکھاؤ۔ انہوں نے ہڈیاں مجھے دکھائیں۔ دیکھنے سے پیشتر میں نے گمان کیا تھا کہ شاید وہ تازہ ہڈیاں ہوں۔ اور سانپ کسی چاٹ کے لالچ سے انپر جمع ہوگئے ہوں۔ مگر جب میں نے انکو ہاتھ سے چھوا تو وہ بالکل بوسیدہ تھیں جو ذرا ملنے سے خاک ہوئی جاتی تھیں۔

الغرض ان عبرتناک وقائع کے ساتھ قبرستان کا کام بالآخر انجام کو پہنچا جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ یہ واقعات کوئی مخفی راز نہ تھے۔ بلکہ سب کچھ الم نشرح علیٰ رؤس الاشہاد بیسیوں اور سیکڑوں اشخاص نے برای العین دیکھے (فاعتبروا یا اولی الابصار)

(۷) مختلف اوقات میں متعدد مواقع پر گوناگوں محافل میں اسکا تذکرہ کرنیکا مجھے اتفاق ہوا ہے۔ سامعین میں وہ اصحاب بھی تھے جو میری عادت وخصائل سے واقف تھے کہ میں کس قماش کا آدمی ہوں۔ اور وہ بھی کہ جن سے مجھے شرف نیاز حاصل نہیں جو اصحاب میرے آشنا تھے وہ خوب جانتے ہیں کہ میں کوئی پیر یا صوفی نہیں ہوں کہ اس قسم کی

باتیں من گھڑت بناؤں جو میری رونق بازاری یا شہرت کے ازدیاد کا باعث ہوں میں
تو خود ایک گنہگار دنیادار ہوں۔ پھر بھی ایک واقعہ کو سُن کر اُسکے صدق وکذب دونوں
پہلوؤں کا احتمال ہوسکتا ہے۔ اور ایسا ہی میرے ساتھ بھی پیش آیا کہ بعض اصحاب نے اپنی صفائے
باطن سے فوراً اسکو صحیح تسلیم کرلیا۔ اور بعض نے تذبذب ظاہر فرمایا۔ اور بعض نئی روشنی
کے فلاسفروں نے اپنا فلسفہ اور سائنس لا داخل کیا کہ آتشیں قبر میں مردے کی ہڈیوں کی
فاسفورس کا مادہ جل اُٹھا ہوگا۔ اور اُن ہڈیوں کو جلا کر بھسم کردیا ہوگا۔ مگر العجب ثم العجب
کہ اتنے بڑے قبرستان میں صرف ایک ہی مردہ ایسا گاڑا گیا کہ جس کی ہڈیوں میں فاسفورس
کا انبار جمع تھا۔ حالانکہ تمام ہڈیوں میں کم و بیش فاسفورس ہوتی ہے۔ آبی قبر کے واقعہ
کو سُن کر گمان کرنے لگے کہ یہ تو بالکل معمولی بات ہے کہ وہاں کوئی پانی کا چشمہ ہوگا۔ مگر
ناظرین کو یاد ہوگا کہ میں ظاہر کرچکا ہوں کہ جون کا مہینہ لُو کے دن اور موسم بالکل خشک
تھا۔ پھر وہ جگہ پانی کی سطح سے قریباً سو فٹ اونچی تھی۔ کیونکہ نہر کی گہرائی وہاں سے
سو اسو فٹ کے قریب تھی۔ اور زمین کا طبقہ Shingle in sand ریت میں
گول پتھروں کی آمیزش سے بنا ہوا تھا۔ جہاں پانی کی ایک بوند بھی پڑے تو ایک لحظہ میں
نیچے پہنچ جائے۔ اور پھر خاص اُسی قبر کے اندر پانی کا نمودار ہونا اور بیضوی دائرہ کے اندر ہی
اندر اُسکا اثر دکھائی دینا۔ یہ تمام استدلالات فیلسوفوں کے اس خانہ ساز فلسفہ کو تار تار
کردیتے ہیں۔ گھر میں بیٹھکر توہمات سے دلائل باطلہ دنیا کجا اور آنکھوں سے تجربۃً مشاہدہ
کرنا کجا۔ بالفرض وہاں پر کوئی چشمہ بھی تسلیم کرلیا جائے تو اولاً خدا جانے وہ کب سے
جاری ہوگا۔ آخر اُسکا کوئی منبع بھی دکھائی دیتا۔ جب ہم لوگوں نے یہ عجیب واقعہ دیکھا تو
خدا کے فضل سے اسقدر ادراک ہم میں بھی تھی کہ شاید یہاں پر کوئی سوت ہو۔ دیکھ لیا
جاوے۔ مگر واللہ کوئی نشان نہ ملا۔ اگر ایسا ہوتا تو حیرت و استعجاب کی ضرورت تھی
کیا تھی۔ پھر اُس چشمہ کو اس پابندی اور باقاعدگی کا حکم کس نے دیا کہ اُسکا اثر اُس قبر کے

جغنوی دائرے تک محدود ہے۔ اور باہر ایک رشحہ بھی نہو۔ ہاں ہاں یہ ضرور چشمہ تہا مگر ایسا نہ تہا جو ان کج فہم فلاسفروں نے گھر بیٹھے فرض کرلیا ہے بلکہ وہ ایک فیضان رحمت باری تعالی کا چشمہ تہا جسے اِس قبر کے احاطہ کے ٹھنڈا کرنیکے لیئے جاری کیا گیا تہا۔ اور اُسکو تاکیدی حکم تہا کہ خبردار! ایسی ہوشیاری سے جاری رہنا ہوگا کہ اس قبر کے احاطہ سے ایک بال بہر قدم باہر نہ ہو ۔

پہر تیسری قبر میں سے ہڈیوں اور گوشت کا مخلوط ہوکر کوئلوں کی شکل میں متشکل ہونا۔ مگر آگ جلنے کا کوئی نشان نہ پایا۔ آخر جس آتش نے انہیں جلایا تہا۔ اسکو کسی احکم الحاکمین کا فرمان واجب الاذعان تہا کہ اُسکی لَو یا شعلے کا کوئی نشان لحد کی دیواروں چہت یا فرش پر نہ رہے۔ اور مُردے کے وجود کے مختلف اندازہ و مقدار کے نرے کوئلے ہی تیار ہوجائیں مگر خبردار! کوئی جزاسقدر جلنے نہ پائے کہ راکھ کی شکل اختیار کرے بلکہ کاربن کے ڈلے تیار ہوجائیں۔ اللہ اکبر! کیا قدرت کے کرشمے ہیں اور کن کن حکمتوں کی رمزیں ہیں۔ کیا آجتک کسی انسان نے کوئی آگ ایسی جلتی دیکہی ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی قدرے قلیل کیوں نہو کہ اُس کا کچھہ نہ کچھہ جزو راکھہ نہ بنا ہو۔ چہ جائیکہ وہ آگ جو فاسفورس کا ابو مشتعل ہونیسے خود بخود جل اُٹھے۔ اور پہر جب انسان کا اتنا بڑا وجود جلایا گیا تو یقیناً دہواں ضرور اُٹہا ہوگا۔ اور اُس لحد کے تنگ و تاریک خانہ میں ضرور بہر گیا ہوگا۔ مگر اُسکا بھی کوئی اثر دیواروں پر نہ تہا۔ اور اتنے بڑے وجود کے جلنے سے ایک جزو کا راکھ ہونا۔ لازمی امر تہا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ نہ معلوم حکیم مطلق کی کس جانسوز برق نے اس میت کے خرمن وجود کو اس حزم و احتیاط سے جلایا کہ دہوئیں اور راکھہ کی کیا بساط تہی جو بن اُسکے حکم کے اپنا نشان چہوڑ سکتے ۔

چوتھی قبر پر تو معترض فلاسفر بہت آسانی سے اعتراض وارد کرسکتا ہے۔ اور کہہ سکتا ہے کہ یہ تو ایک معمولی بات ہو کہ کوئی مادہ۔ سانپ اُس قبر کے اندر گھسکر انڈے

بچے دے گئی ہو۔ اور وہ اُسی جگہ پر پرورش پلتے ہوں یا اتفاق کی بات ہی کہ چند سانپوں نے باہم مشورہ کرکے اُس غریب مردہ کی ہڈیوں کو سینا شروع کردیا ہو مگر ہم اِن دونوں صورتوں کا احتمال تجربۃً غلط ثابت ہوا۔ اگر بالفرض کوئی سانپن وہاں پر بچے دے بھی گئی تو بچے اتنے بڑے بڑے سانپ بن جانے پر بھی وہاں کیوں پڑے رہے۔ حالانکہ وہاں پر اُن کی خوراک کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اور نیز یہ اُنکی طرز ماندو بود کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ حشرات الارض وغیرہ کا قاعدہ ہے کہ جب اُنکے بچے چلنے پھرنے کے قابل اور آپ اپنی خوراک تلاش کرنیکے لائق ہو جاتے ہیں تو اپنی اپنی راہ لیتے ہیں مگر یہ سانپ پورے قدکے ہونے تک جو تین تین چار چار فٹ لمبے تھے۔ کیوں وہاں جمع رہے۔ اور نہ یہ قرین قیاس ہے کہ سخت گرمی کے موسم میں اسقدر سانپ کمیٹی کرنیکے لیئے اُس مُردے کی ہڈیوں کو سٹیج بناکر مجتمع ہوئے ہوں اور کوئی خاص رزولیوشن پاس کرنے بیٹھے ہوں ۔۔

تاہم اگر مان بھی لیا جائے کہ اِن میں سے ایک صورت صحیح بھی ہے تو قبر کے باہر بل کا کوئی سوراخ موجود ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم کو انگشت بحیرت ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ بہت آسانی سے کہا جاسکتا تھا کہ اُن کا بل موجود ہے کسی وجہ سے اندر گھس گئے ہوں گے ۔۔

خیر اگر باہر کی جانب اُن کا بل نہیں تھا تو نہ سہی اندر کیجانب کوئی چور دروازہ تو ضرور ہوگا جسکا تعلق بیرونی دنیا سے ہونا لازمی ہے۔ مگر ایسا بھی نہیں تھا۔ ہم نے ہرگز ہرگز اُن کا کوئی سوراخ لحد کے اندر بھی نہیں دیکھا۔ مانا کہ کوئی سوراخ اندر کی جانب ضرور ہوگا۔ مگر ہمیں دکھائی نہیں دے سکا تو یہ تو فرمایئے کہ قبر کھودتے وقت تو کسی کو علم نہ تھا کہ اِسکے اندر سانپ بھرے ہوئے ہیں۔ اِسکو بہت آہستہ آہستہ کھودنا چاہیئے کہ سانپ بھاگنے نہ پائیں۔ بلکہ بلا دھڑک کسیوں اور کدالوں کو کھٹا کھٹ استعمال کیا جاتا

اور جوانوں کے قوی بازو کی طاقت سے آس پاس کی زمین لرز جاتی تھی۔ تو یقیناً ساپنوں کو بھی یہ آواز اور دھماکے پہونچے ہوں گے پھر اس خطرہ کی خبر پاکر اُس چور راستہ سے کیوں نہ باہر نکل گئے۔ بلکہ لحد کا منہ کھلنے پر دنیا کو یہ عبرتناک سانحہ دکھا کر آخر لحد کے منہ سے نفرت ہوئے۔ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ٥ (اے رسولؐ کہہ دے کہ حق بات ظاہر ہوگئی ہے اور جھوٹ مات ہوگیا یقیناً جھوٹ کو ہمیشہ مات ہوا کرتی ہے)

(۸) خاص خاص امور میں شکوک و شبہات انسانی فطرت کا تقاضا اور بشری کمزوری کا خاصہ ہے عالم موجودات اور دنیاوی زندگی میں سینکڑوں صنائع و بدائع انسانی دماغ کی ایجاد و اختراع ہیں مگر ہزاروں لاکھوں انہی جیسے انسان ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ تار برقی اور بے تار کی خبر رسانی کے اصول ہی کو دیکھ لیجے کہ جن کو ہمارے ملک کے لاکھوں انسان دانایانِ فرنگ کی کرامت خیال کرتے ہیں، اور خود اُن کے فہم سے بالکل عاجز ہیں۔ اسی طرح کی بیسیوں ایجادات ہیں کہ انسانی اختراعات کو اسکی نوع کے انسان ہی نہیں سمجھ سکتے جو اسی عالم میں اُن کے سامنے موجود ہیں۔ ظاہری و باطنی حواس سے انہیں محسوس کر سکتے ہیں۔ پھر بھی وہ ان کی فہمید سے بالا تر ہیں۔

پس جب عالمِ مخلوق کے اندر اپنے جیسے انسانوں کی مصنوعات کو نہیں سمجھ سکتے تو خدائی صنائع و بدائع پر بھلا ان کا ذہن کب حاوی ہو سکتا ہے۔ بڑ کا بیج خشخاش کے دانہ کے برابر ہوتا ہے۔ مگر اس میں سے کتنا بڑا تنا ور درخت اُگ آتا ہے۔ سوکھی ہوئی لکڑیوں میں سبز پتے خوش نما پھول اور لذیذ میوے کہاں سے لگ جاتے ہیں! کیا کوئی انسان آج تک اسے سمجھا ہے حالانکہ یہ سب کچھ اُسکی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے مگر اُسکے ادراک سے بالکل عاجز و قاصر ہے۔

کروڑہا انسان پیدا ہوئے اور مرگئے۔ کروڑہا موجود ہیں آجتک ایک کی صورت دوسرے سے نہ ملی اور نہ ملیگی کیا کسی فلاسفر کی فلاسفی اس کا کچھ جواب دے سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان کو بھوک لگتی ہے۔ پیاس لگتی ہے۔ درد ہوتا ہے۔ نیند آتی ہے۔ کیا کسی انسان نے ان کے وجود کو دیکھا یا ہاتھ سے محسوس کیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ اسکے وجود کے اندر موجود ہے اور ہر روز ان کی کیفیت سے متکیف ہوتا ہے۔ انسان کس قدر کمزور اور کتنا بے عقل ہے کہ اُن وجودوں کی حقیقت اور ماہیت تو بتا نہیں سکتا جو خود اُس کے وجود کے اندر ہیں یا اسکی آنکھوں کے سامنے ہیں تو اس کی کیا بساط ہے کہ عالم امر کی روحانی کیفیات کو جان سکے الا ماشاء اللہ۔

(۹) اس اندھی روشنی کے زمانہ میں تو اس قدر طوفانِ بے تمیزی بپا ہے کہ الامان والحفیظ۔ کچھہ بشری کمزوری اور کچھہ آجکل کے اِدّعائی فلسفہ کی بدلگامی وسینہ زوری کے باعث آنے والی زندگی کے ثواب وعقاب کے متعلق وہ جھوٹی منطق بگھاری جاتی ہے کہ عیاذاً باللہ۔ میں خود ایک کمزور انسان ہوں۔ خود مجھہ پر بھی اس قسم کی صحبتوں کا اثر تہا اور متعدد مجالس میں قبر کے عذاب وثواب پر مباحثہ کیا کرتا تھا اور طرح طرح کے شبہات تھے اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ واقعات میرے شبہات وشکوک کے ازالہ کا باعث ہوئے۔ اور اسی خیال سے میں اُن شاہدات کو اپنے بھائیوں تک پہنچانا فرض دینی سمجھتا ہوں۔ اور اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھہ میں نے رقم کیا ہے خدائے عالم الغیب کو اُس پر گواہ کرتا ہوں۔

(۱۰) تبارك الذی بیدہ الملك وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر الذی خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ سورہ ملک کی ابتدا میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ موت وزندگی میں نے اسلئے بنائی ہے کہ انسان کا امتحان کروں کہ اُن میں سے کون نیک عمل کرتا ہے۔ سو بھائیو! یہ بڑا سخت امتحان ہے

اس امتحان میں پاس ہونے کے لیئے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے۔ کتابوں کو مزاولت کے ساتھ خوب ازبر کرلو اور سوالات کے صحیح جوابات دینے کے لیئے خوب ہی تیار ہو جاؤ۔ وہ شہنشاہوں کا شہنشاہ بڑا زبردست ممتحن ہے وہاں پر تمہاری زبانی فیلسوفیاں کچھ کام نہ آوینگی۔ یہ تمہاری منطقی صغرے وکبرے اور موجبات و سالبات جن سے تم غلط استدلالات قایم کر کے باطل نتائج اخذ کرتے ہو۔ سب اکارت ثابت ہونگے قرآنی فلسفہ کی پیروی کرو۔ وہی تمہیں صحیح نتائج پر پہونچانے والا ہے۔ اور تمہارا اصلی رہنما ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ٥ آمین +

خاکسار رحمت علی بی۔ او۔ ایل صیغۂ اشتہار پنجاب

فطرتی عید

مہِ صیام گیا اور روزِ عید آیا
خوشی کا عید کی حق ہے کوئی بجا لایا

شام کو ہلالِ عید نمودار ہوتا ہے۔ صبح سے پہلے ہی دنیائے اسلام میں ایک ایسی خوشی و شادمانی کا عالم چھا جاتا ہے کہ دیکھنے والا محوِ حیرت ہوکر سوچنے لگتا ہے کہ "آج بھی وہی آفتاب نکلا ہے۔ جو کل تک چمک رہا تھا۔ آج بھی وہی زمین ہے جو کل تک دنیا کو نظر آچکی ہے۔ آج بھی وہی ہوا ہے جو کل تک ٹکرائی ہے۔ آج بھی وہی موسم ہے جو کل تک محسوس ہوا تھا۔ پھر آج دنیائے اسلام میں اس سرے سے اُس سرے تک خوشیاں منانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیا دولت ملی ہے؟ کیا بزرگی پائی ہے؟ کہ آج مسلمان ایک دوسرے سے بغلگیر ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور نعرۂ مبارک باد کی صدائیں لگاتے ہیں ؎

گئے ہیں ایسے مساجد میں مختلف خوش خوش
کہ جیسے طفل ہو مکتب سے چھوٹ کر آیا

شگفتہ آتے ہیں اسطرح عیدگاہ سے لوگ
کہ گنج گویا اُنہوں نے خدا سے ہے پایا

حسین جاموں میں پھولے نہیں سماتے ہیں
کہ دن خدا نے نمایش کا ان کو دکھلایا

عزیز دوست گلے ملتے پھرتے ہیں باہم
خدا نے سینکڑوں روٹھوں کو آج منوایا

بظاہر اس خوشی و انبساط کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی ہے تو وہ صرف بجا آوریٔ احکام الٰہی کی خوشی ہے اور وہ صرف قلاوہ برداری برگزیدگانِ حق کی خوشی ہے۔ وہ محض کسی آفتاب عالمتاب سے انتساب کی خوشی ہے۔ وہ صرف اظہارِ عبودیت و تسلیم اوامرِ خلاقِ عالم کی مسرت ہے جسکی کیفیت آج رگ و پے سے اچھل رہی ہے جسکی شادمانی آج ہوئی موئیں سما رہی ہے ؎

رہین منت ساقی ہیں بادہ خوار تمام — کہ تیس روز کے پیاسوں کو روزہ کھلوایا
کیا ہے شکر خداوند روزہ داروں نے — کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے خوب پایا

جو لوگ روحانیت اور الٰہی صداقت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ کہ اسکی رحمتوں کا مزا چکھے۔ اس کے حکموں کو بجالائے سچے دل سے اسکی عبادت کرے۔ اسکے لیے ہر ایک طرح کی ریاضات شاقہ کو برداشت کرے۔ خدائے قدوس نے جو اعضاء اور قویٰ عطا فرمائے ہیں۔ پھر انہی رحیم و کریم مولیٰ حقیقی کے حوالے کرے۔ ہر ایک عضو اور قوت کو فطرت کے موافق کام میں لائے اور اپنے محسن حقیقی عز شانہٗ سے اجر غیر ممنون حاصل کرے۔ اور ابدی **وصال** اور **رضوان الٰہی** سے بہرہ ور ہو۔ مگر بہت سے بہائم سیرت انسان صورت آدمی موجود ہیں کہ وہ اس پاک حقیقت سے محض ناواقف رہ کر اسلامی احکام کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ اور نماز۔ روزہ وغیرہ اوامر الٰہی کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور عید کو صرف اچھے اچھے کھانوں اور عمدہ عمدہ لباس زیب تن کرنے کا ایک بہانہ تصور کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے ان مسایل پر کبھی غور نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے وہ حقیقت حال سے بہت دور پڑے ہوئے ہیں۔

یہ ایک مسلّم امر ہے کہ سنتے سنتے اور دیکھتے دیکھتے آدمی کی نظر محسوسات پر ایسی جم جاتی ہے کہ باطن پر پڑتی ہی نہیں۔ اگر خدائے ذوالجلال موت کو پیدا نہ فرماتا تو انسان کو اس کا کبھی خیال بھی نہ آتا۔ کہ جان بھی کوئی چیز ہے۔ جب آدمی دیکھتا ہے کہ باتیں کرتے کرتے یکبارگی ایسی حالت اس پر طاری ہو گئی۔ کہ دیکھنا سننا۔ چلنا پھرنا بات کرنا موقوف ہو گیا۔ اور اس قابل ہو گیا۔ کہ زمین میں چھپا دیا جائے۔ تو اس وقت یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ کوئی چیز اس میں ایسی ضرور تھی۔ کہ جس کے نکل جانے سے یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ اور جب تک وہ چیز اس میں تھی۔ یہ کارخانہ انسانیت کا قائم تھا۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ اس ظاہری انسانیت کا مدار ایک باطنی چیز پر تھا۔ پھر اس باطنی چیز کا نام کسی نے روح رکھا کسی نے جان وغیرہ۔ ہر ایک ملک و ملت کے عقلمندوں اور حکیموں نے جن کی نظر آثار سے ترقی کرکے موثر تک پہنچی انہوں نے اس باطنی چیز تک نظر بڑھا کر کچھ نہ کچھ اس کا نام رکھ ہی لیا۔ ورنہ جو لوگ بہائم سیرت ہیں۔ ان کو تو اسکی خبر بھی نہیں ہوتی۔ کہ کسی چیز کے آنے سے آدمی زندہ اور اس کے جانے سے مردہ ہو جاتا ہے ان کو اس تشخیص کی مصیبت اٹھانے سے کیا تعلق؟ ان کو جانوروں کی طرح کھانا پینا مل گیا تو عید ہو گئی۔ اور نہ ملا تو اس کی تلاش میں سرگردان رہے۔

یہی حال آج کل عید کی حقیقت سمجھنے کا ہے۔ عوام الناس تو عید کو ایک معمولی رسم سمجھکر ادا کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک سوئیاں اور چاول پکا کر کھانے یا گوشت تقسیم کرنے اور عمدہ عمدہ لباس پہننے کا نام عید ہے۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔ بلکہ اس میں ایک بہت بڑا گہرا راز ہے۔ جسکو صرف حقیقت بین نگاہیں دیکھتی ہیں۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور ہر سال اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ اسی کا اعلان کیا جاتا ہے کہ ؛۔

"مسلمانوں میں عید کا تہوار کوئی انوکھا، اور نیا دن نہیں ہے۔ بلکہ پرانا دن ہے۔ اور اسکی بنیاد طبعی جذبات پر رکھی گئی ہے۔ عیسائیوں۔ ہندوں۔ زردشتیوں یا دیگر اقوام میں جس طرح خوشی کے تہواروں کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی عید کو اپنا مذہبی تہوار قرار دے لیا ہے"۔

ایسا کہنا ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اسلامی عید کے تہوار کا مقابلہ کسی دوسری قوم کا کوئی تہوار نہیں کر سکتا۔

بیشک مسلمانوں میں عید کا دن ایک انوکھا اور نرالا دن ہے۔ کسی دوسری قوم کے کسی مذہبی دن کو یہ شرف اور بزرگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو اس مبارک دن کو حاصل ہے یہ وہ پاک یادگار ہے کہ جو اس امر کا سبق سکھاتی ہے۔ کہ محبوب حقیقی کے جو نیک بندے

انکی راہِ رضا میں تسلیم اور اسلام کے امتحانوں میں پورے اترتے ہیں۔ ان کے درجات و مراتب تنے اعلےٰ وارفع کروئے جاتے ہیں۔ کہ ابدالآباد تک ان کی یادگار جاوید قایم کی جاتی ہے۔ اپنے سطلوب حقیقی کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے گناہوں سے منزہ نعمتوں سے بہرہ ور۔ برکتوں سے شادکام۔ رحمتوں سے کامیاب۔ آرزوؤں سے بامراد اور تمناؤں سے متمتع ہوتے ہیں۔ انہیں اس دار فانی میں بھی بہبودی فیروزی اور فتحمندی حاصل ہوتی ہے۔ اور دار باقی میں بھی سرخروئی و کامرانی اور عیش جاودانی حاصل ہوتی ہے۔

عید اس پاک فطرت کی یاد دلانے والی ہے۔ کہ جس نے جہل و باطل پرستی کی غلامی سے دنیا کو دائمی نجات دلائی۔ افضال و انعام آلہیہ کے فتح باب کا مژدہ سنایا۔ اور نور فطرت اور نوامیس فطرت کی گم شدہ حکومت پھر قایم ہوگئی۔ جس کی نسبت قرآن حکیم فرماتا ہے :-

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (پ ۲۱ آدم ع ۴)	"خدا کا فطری دین یہی ہے۔ جسپر لوگوں کو پیدا کیا۔ فطرت اللہ میں تبدیلی درمناسب نہیں یہی دین سیدھا اور پکا ہے مگر اکثر آدمی ہیں۔ جو نہیں سمجھتے "

اسی حقیقت کو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان پاک الفاظ میں ادا فرمایا ہے:-

کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ (الحدیث)	"ہر ایک بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے ماں باپ اپنے رنگ میں رنگین کرکے یہودی یا مجوسی یا نصرانی بنا لیتے ہیں "

ذرا گہری نگاہ ڈالنے سے یہ مسئلہ صاف نظر آتا ہے۔ کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اس پاک ارشاد سے یہ مطلب ہے۔ کہ بچے اسلام کی فطرت ظاہر کرنے والے

ہوتے ہیں۔ اور فی الحقیقت جب بچوں کی حالت پر غور کیا جائے تو اس سے اسلام کی فطرت صاف نظر آجاتی ہے۔ اور اسی کا نمونہ **اسلامی عید** ہے۔

۱- دیکھو معصوم بچے جب پیدا ہوتے ہیں۔ تو کئی ماہ تک وہ ایک قسم کی بیخودی یا بیہوشی یا مستی کی حالت میں پڑے رہتے ہیں۔ اور اپنے خالق حقیقی کی یاد کی لذت میں ہمہ تن مست و مدہوش رہتے ہیں۔ اسی کے ذکر و فکر کے مراقبہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ شب و روز اپنے مالک کی طرف دھیان لگائے بحیثیت حرکت پڑے رہتے ہیں۔ اسی محویت کی برکت ہوتی ہے کہ ان کا **نورانی چہرہ** سب کو بھلا اور پیارا معلوم ہوتا ہے لیٹے لیٹے خدا جانے وہ کیا دیکھتے اور سنتے ہیں کہ یکایک ہونٹوں میں مسکرانے لگتے ہیں۔ وہ مسکراہٹ ایسی بھلی معلوم ہوتی ہے کہ قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ ہاں البتہ کبھی کبھی اپنی ننھی اور دھیمی اور پیارے سُر سے میٹھا میٹھا رونا شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے گھر بھر پریشان ہوجاتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ اسکی نسبت کسی کا قول ہے ؎

زمانے تک بارونا عدم کے چھوٹ جانے کا فرد ہوتا گیا۔ یہ رنج و غم آہستہ آہستہ

۲- بڑے ہونے پر کہ جبکہ وہ چلنے پھرنے لگتے ہیں۔ اسوقت ان کی ہستی سے تمام گھر گونج اٹھتا ہے۔ ان کی ہنسی سچے دل کی ہنسی ہوتی ہے۔ یہ بچے کیسے سچے ہوتے ہیں۔ ان کا دل سچا۔ ان کی باتیں سچی۔ ان کے سب کام سچے۔ ان کے کسی کام میں ریاکاری اور تصنع یا بناوٹ کو دخل نہیں۔ ان سے جس قسم کی بات پوچھیں وہ سب سوالوں کا جواب صاف صاف دیتے ہیں۔ ان کا سادہ دل اس بات سے مطلق واقف نہیں کہ کس بات میں رازداری اور اخفا کی ضرورت ہے۔ اور کونسی بات کہنے اور ظاہر کرنے کے قابل ان کا پاک اور نیک دل سب کو پاک اور نیک سمجھتا ہے۔ ان کے دل میں یہ خیال ہی نہیں آتا۔ کہ لوگ کسی بات کو بری نیت سے بھی پوچھتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہی بات اسلام انسان سے چاہتا ہے۔

۳- ان بچوں کے دل میں کیسی سچی محبت ہوتی ہے کیسی محبت اور سچے پیار سے یہ بچے اپنے ماں باپ سے جا کر لپٹ جاتے ہیں کس سچی محبت سے وہ اپنے والدین سے پیار کرتے ہیں۔ رہ رہ کر ان کے دلوں میں محبت کا جوش اٹھتا ہے۔ اور نئے نئے ڈھنگ سے اپنی محبت کو وہ ان پر ظاہر کرتے ہیں۔ ماں کے غصہ اور اسکی مار پیٹ کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ ان کو مارے پھر بھی "ماں! ماں" ہی پکارتے ہیں۔ اسلام پاک بھی ہم سے یہی چاہتا ہے کہ ہم اپنے پیارے خدا سے ایسی ہی محبت و پیار کریں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:-

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۝ (پ۲ بقرہ ع۲۵)

"لوگو! جس طرح تم اپنے باپ دادوں کے ذکر میں لگ جاتے تھے اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر خدا کی یاد میں مشغول ہو جاؤ"

۴- بچے جب ماں کی گود میں ہوتے ہیں تو شیر ہوتے ہیں کسی سے بھی نہیں ڈرتے کسی کے رعب و داب کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ بعینہ یہی حالت مومن کی ہوتی ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (پ۳ بقرہ ع۳۴)

"اللہ ایمان والوں کا حامی (مددگار) ہے (پھر وہ کیوں کسی سے ڈریں)"

۵- ہاں اگر کبھی ماں ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ تو بہت ہی چھوٹا دل ہو جاتا ہے۔ سب ڈرنے لگ جاتے ہیں۔ اِدھر اُدھر بھاگ کر اسکو تلاش کرنے لگ جاتے ہیں۔ جب تک ماں کو نہیں دیکھ پاتے۔ چین نہیں آتا۔ جب کبھی کھیل کود میں مشغول ہوتے ہیں، تو پھر پھر کر اپنی ماں کو دیکھ لیتے ہیں۔ اگر ماں نظر سے غائب ہے تو پھر کہاں کا کھیل، کہاں کا تماشا سب پھینک پھانک کر چلانے لگتے ہیں۔ اب رونے والے کو کون چپ کرا سکتا ہے؟ ماں ہی آ کے تو چپ کرائے۔ یہی تعلق اور محبت کو خدا مومن سے

چاہتا ہے۔ جب تک مومن کے دل پر اپنے خالق حقیقی کے لیئے یہ حالت وارد نہیں ہوتی۔ وہ مومن کامل نہیں کہلا سکتا۔

۶۔ ان بچوں کے دل میں غرور اور گھمنڈ مطلق نہیں ہوتا۔ اگر ایک ادنے اور ذلیل آدمی بھی ان سے پیار سے ملے۔ تو اسکی گود میں جانے کو خوش ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کم رتبہ اور وہ عالی مرتبہ ہے۔ اور یہی اسلام پاک کی تعلیم ہے۔

۷۔ ان بچوں کی نگاہ میں سادگی اور بے تکلفی اس قدر محبوب ہوتی ہے کہ بناؤ سنگھار سے گھبراتے اور ڈرتے ہیں۔ ان کی نظر میں کرسی۔ مونڈھا۔ شطرنجی۔ غالیچہ۔ قالین فرش زمین سب برابر ہیں۔ جہاں بٹھادیئے گئے بیٹھ جائیں گے۔ ذرا بھی برا نہ مانیں گے یہی سادگی اسلام کا زیور ہے۔

۸۔ ان بچوں کو دنیا کی سب چیزوں کی الفت اور محبت ہے۔ آندھی چلے تو خوش پانی برسے تو خوش۔ اولے پڑیں تو خوش۔ باجہ بجے تو خوش۔ بعض وقت تو ایسے خوش ہوتے ہیں کہ مست ہوکر ناچنے لگتے ہیں۔ اور کیوں نہ خوش ہوں یہی خوشی نیکوں اور پاک دلوں کی ملک ہے۔

۹۔ ان بچوں کے سادہ دلوں میں کسی کی طرف سے برائی نہیں جمتی۔ ابھی کسی نے ان کو دق کیا۔ تکلیف پہنچائی۔ مارا پیٹا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ان سے پیار سے بات کی۔ سارا رنج وغم۔ غضب وغصہ کافور۔ ایسی خوشی اور محبت سے پھر اسکے پاس جائیں گے۔ کہ گویا کبھی رنج ہوا ہی نہ تھا۔ ان کے پاک دلوں میں رنج کی باتیں رہ ہی نہیں سکتیں۔ ان کے سادے دل میں کینہ کی گنجائش نہیں۔ اور یہ سب علامتیں مومن کامل کی ہیں۔

۱۰۔ یہ بچے کیسے محنتی ہوتے ہیں۔ بیکاری اور کاہلی سے انہیں سخت نفرت ہوتی ہے۔ کسی جگہ بیکار یا پابند رہنا ان پر سخت ناگوار گذرتا ہے۔ اپنی حریت اور

آزادی کے سچے شیدائی ہوتے ہیں۔ جہاں ان کی آزادی میں فرق آیا۔ انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی۔ اپنی آزادی کھوئے جانے کا جس قدر ان کو قلق اور ماتم ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ کرنا محال ہے۔ یہی مومن کی شان ہے۔

۱۱۔ ان بچوں کے کام اکثر بڑے لوگوں کے نزدیک محض لغو اور بیکار ہوتے ہیں لیکن وہ اسکی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اپنے سچے جوش سے ان میں وہ ایسے مشغول رہتے ہیں۔ کہ انہیں اپنے آرام کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ پسینے میں غرق ہیں۔ دھوپ میں جل رہے ہیں لیکن اپنے کام میں مشغول ہیں۔ دنیادار جو چاہیں کہیں۔ مومن خدا کی محبت میں سرگرم رہتا ہے۔ اُسے کسی کے کہنے سننے کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی۔

۱۲ سان چھوٹے بچوں میں علم کا اس قدر شوق ہوتا ہے۔ کہ ہر وقت لوگوں سے پوچھتے ہی رہتے ہیں "یہ کیا ہے؟" "یہ کہاں سے آیا؟" "کیا نام ہے؟" ہر ایک چیز کی اصلیت و ماہیت معلوم کرنے کی ان کی کیسی خواہش ہوتی ہے۔ ابھی ان کے ہاتھ میں کیسا ہی نادر کھلونا دیدو جس سے کچھ آواز نکلتی ہو۔ پھر کیا ہے فوراً ان کے دل پر خواہش ہوتی ہے کہ اس کو توڑ کر دیکھیں۔ کہ اس کے اندر کون بول رہا ہے"

۱۳۔ مختصر یہ کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں۔ کہ جو اس بہشتی اور خوش نصیب زمانہ کو یاد کر کے ٹھنڈی سانسیں نہ بھرتا ہو۔ کسی کا قول ہے ؎

طفلی کی جوانی میں سے : نہیں ملتی جو کھیل میں کھوئی ہو وہ دولت نہیں ملتی

اسی بچپن کی سادہ حالت کو فطرت اسلام فرمایا گیا ہے۔ انہی پاک جذبات کو کہ جن میں سچی جلوہ گر ہو۔ اور گناہ و عصیاں۔ عداوت و دشمنی۔ بغض و کینہ۔ حسد بخل وغیرہ میلان و مقصد انسان کے دل پر نہ بیٹھنے پائے۔ عجز و انکسار۔ سادگی و بے تکلفی۔ علم کا شوق و عشق۔ خداوند کریم سے سچا تعلق۔ سچی محبت۔ سچا پیار۔ سچی

بشاشت اور محنت جو ہر ایک بچہ کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی کو جوانی میں حقیقی مشق اور عملی رنگ میں لے آنے کی تعلیم اسلام پاک دیتا ہے۔ اور یہی **دین القیم** اور **فطرت اسلام** ہے۔

پس قرآن حکیم سکھلاتا ہے کہ" مومن وہی لوگ ہیں۔ کہ جو صادق ہوں۔ سچے ہوں نہ زبان سے کبھی جھوٹ بولتے ہوں۔ اور نہ ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء سے کوئی جھوٹا کام کر سکتے ہوں۔ ان کے سچے دل تکلف اور تصنع اور مکاری کا نام تک نہ جانتے ہوں۔ ان کے دلوں میں کل علوم کی سچی و فطری محبت موجود ہو۔ ان کے علم کا شوق ایسا زورآور ہو۔ کہ اگر چین میں علم حاصل ہو۔ تو سفر کے ڈر سے منہ نہ موڑیں۔ ان کے دل کبر و غرور سے پاک و صاف ہوں۔ ان کی ایماندار آنکھیں سب آدمیوں کو یکساں دیکھتی ہوں کسی کو اپنے سے کمتر و حقیر نہ سمجھتے ہوں۔ محنتی ہوں۔ کاہلی اور سستی سے ان کو نفرت ہو۔ ہر ایک کام میں۔ ہر ایک شغل میں" دل بیار و دست بکار" کے مصداق ہوں یعنی دل خداوند کریم کی طرف اور ہاتھ کام میں لگے ہوں۔ جن کی محبت اپنے خالق و مالک محسن حقیقی کے ساتھ ایسی زور آور ہو۔ کہ جس وقت اسکی مہربانی ان سے جدا ہو۔ تو جب تک مولا کریم کی نظر رحمت پھر نہ دیکھیں اپنا رونا چلانا موقوف نہ کریں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

وہ خدا کی محبت میں سب سے زیادہ ثابت قدم ہوں۔ ان کو تجارت اور دستکاری اپنے خدائے رحمٰن کی یاد سے غافل نہ کرتی ہو۔

اور اگر ان کا مربی مولا ان کو کسی بات پر سزا دے اور مصیبت میں ڈالے۔ تو اسکی طرف دوڑیں۔ نہ کسی دوسرے کی طرف جھکیں۔

اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

اور نہ کسی دوسرے کی مدد کے طالب ہوں۔ انکے باخلاص دل میں شرک کی گنجائش نہ ہو۔

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ جو ہمیشہ ہمیشہ خوش و خرم معلوم ہوں خود ان کی کوئی خواہش۔ کوئی ارادہ۔ کوئی تعلیم۔ کوئی مرضی نہ ہو۔ جنہوں نے اپنے تئیں رضائے الٰہی کے سمندر میں چھوڑ دیا ہو۔ جن کو یہ جہاں اپنے مالک کا ایک نہایت ہی پیارا باغ معلوم ہوتا ہو۔ اس جہان کی ہر ایک چیز کو دیکھ کر ان کا دل مارے خوشی کے اُچھلنے لگتا ہو۔ جو سورج کی خوبصورت روشنی چاند کی خوشنما چاندنی ستاروں کی پیاری چمک۔ صبح کے سہانے وقت وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ دریا کی چلبلی لہروں اور گھاس کے زمردی رنگ۔ اور آسمان کے نیلے پن کو دیکھ کر ایسے بشاش اور خوش ہوتے ہوں۔ کہ بعض وقت مارے خوشی کے وجد میں آکر بے خود ہو جاتے ہوں۔ اپنے بنانے والے کا دیگر صانع حقیقی کی حکمتوں اور قدرتوں کا مراقبہ کرتے اور فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ کا پیارا اور سُریلا راگ گا کر بیخودی میں جھوم جھوم کر اِلَّا اللّٰہ کی ضربیں لگاتے ہوں۔ جن کو اپنے پیارے خدا کی بنائی ہوئی کسی مخلوق سے دلی عداوت نہ ہو۔ ان کے قلوب جبانیہ دشمنی اور خصومت سے پاک صاف ہو کر محبت و خلوصِ الٰہی کا مخزن بن گئے ہوں۔ وہ واقعی فطرتِ اسلام پر چلنے والے اور سچے مسلمان ہیں۔

یہی وہ مسلمان ہیں جنہوں نے فلاح پائی۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یہی ہیں جو دو نو جہان کی نعمتوں سے مالا مال ہو گئے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ یہ ہے اسلامی فطرت اور سچا اسلام جس میں کسی بشر کو تبدیلی کرنے کا حکم نہیں۔ اور یہی دین قیم ہے۔ جس پر ایک بشر کو چلنے کا حکم ہے۔ اور اسی کے اظہار کے لئے عید بنائی گئی ہے۔ تا مومن عملی رنگ میں اس پاک فطرت پر ہونے کا ثبوت دے اور سب مومنین ایک دوسرے سے مل جل کر اپنے دلوں کی کنجلکیں کھول

ڈالیں۔ اور یکدل ہو جائیں سال بھر کی کدورتوں سے نادم ہو کر یک جہتی اور محبّت کا اعلان کریں۔

عید میں کیا ہوتا ہے؟ اظہارِ محبت۔ اظہارِ خلوص۔ اظہارِ عقیدت۔ اظہارِ الفت اظہارِ اخوت، اظہارِ رفاقت۔ اظہارِ مروت۔ اظہارِ ہمدردی۔ اظہارِ اطاعت وغیرہ وغیرہ یوم عید میں مومن کیا کرتے ہیں؟ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے خلوص کا اظہار کرتے ہیں۔ ایکدوسرے کی غلطیوں کو معاف کرتے ہیں۔ اپنے دلوں سے کینے نکال کر ایکدوسرے سے صلح کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے معافی چاہتے ہیں۔ ایکدوسرے پر اپنے بھائی بھائی ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ آپس میں تحفہ و تحائف بھیجتے ہیں۔ غربا و مساکین کو کھانا کھلاتے ہیں۔ سب ملکر اپنے خالق و مالک کے دربار عالی میں اسکی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں۔ اسکے سامنے سر نیاز خم کرتے۔ اُسکے پاؤں پڑتے اور اسکی رضامندی اور خوشنودی کے طلبگار ہوتے ہیں۔

پس یہ ایک سبق ہے جو ہر سال مسلمانوں کو عملی رنگ میں پڑھایا جاتا ہے اور ان کو بتایا جاتا ہے، کہ اگر تم اسی طرح فطرت اسلام کی اس پاک حالت پر پکے اور مضبوط ہو جاؤ تو تم کو ہر روز عید ہے۔ تمہاری کوئی کلفت کلفت نہیں رہے گی۔ تمہارے دلوں میں سچی خوشی اور سچی راحت ہمیشہ رہے گی۔ اگر تمہارے دلوں میں خلوص اور محبت ہے تو **مصیبت میں بھی عید ہے**۔ تمہارے نورانی چہروں کو دنیا محبت کی نگاہ سے دیکھے گی۔ تمہاری ہنسی و مسکراہٹ دنیا کو بھلی معلوم ہوگی۔ تمہارا رونا دنیا کو بیقرار کریگا۔ تمہاری رونے کی صورت مولا کریم کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرے گی جسکی وجہ سے تم کو **فطرتی عید** حاصل ہوگی جس سے تمہاری زندگی کی ہر ایک شب **شب قدر** ہوگی جس کے انوار و تجلیات سے تمہارے دلوں میں رحمت۔ شفقت۔ محبت۔ صداقت نیکی۔ خدا ترسی۔ ہمدردی۔ قومی غمخواری۔ ترحم۔ کرم۔ صبر اور تحمل ترقی کریگا۔ اور

ظاہر ہے کہ یہی صفات حقیقی راحت اور سچی خوشی کا موجب ہیں۔ اور یہی فطرتی عید ہے سہ

ز فیضِ عشق دلہائے مخالف مہرباں گردد
ز آتش رشتہ ہائے شمع باہم یک زباں گردد

(خاکسار محمد عظیم عفا اللہ عنہ واعظ الاسلام متوطن گلگھر از حیدرآباد دکن)

الزہراؓ

ملک و قوم کے مستند و بے نظیر انشاپرداز علامہ راشد الخیری مدظلہ کی بیش بہا تصنیف شام زندگی پیش کرنے کے بعد آج ہم نہایت مسرت سے اردو لٹریچر کے اس گرانمایہ اضافہ کا اعلان کرتا ہوں جو بنت الرسول سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کی سوانح عمری کی صورت میں درویش پریس نے کیا۔

اہل تسنن و اہل تشیع دونو کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ باوجود عاشقان اہلبیت ہونیکے اب تک قابل قدر زندگی کو مسلسل فراہم کرنے اور کلی شائع کرنے میں درویش پریس خاک عرب سے اٹھنے والی شہزادی کے حالات مکمل کرنے میں سب پر سبقت لے گیا۔ علامہ موصوف کا طرز بیان اسوقت قوم میں مسلم ہے اور الزہرا یعنی حضرت فاطمہ کی سوانح عمری مولانا نے محترم کی چند سال کی محنت کا نتیجہ ہے پیدائش سے تا وصال آپ کے تمام واقعات اس خوبی سے جمع کیے گئے ہیں کہ ایک مسلمان سنائے تو جاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اللہ غنی مرد تو مرد اسلام کی عورتیں بھی اس پایہ اور ایسی شان کی ہوتی ہیں۔ مولانا خیری مدظلہ عاشق رسول ہیں یا جذبات عشق الزہرا کے اوراق میں مدتوں تک گھٹے رہنے کے بعد ظہور پذیر ہوئے ہیں خلق ایثار تواضع انکسار صفات انسانی کا کوئی جزو ایسا نہیں جسکو پڑھ کر طبیعت بے اختیار نہ ہو جائے۔ یہ وہ کتاب ہے جسکو پڑھ کر مسلمان سچ مچ کے مسلمان بیویاں واقعی بیویاں اور عاشقان رسول صحیح حقیقی عاشق بن سکیں مسئلہ فنا فی الرسول کا موقع الزہرا کے مطالعہ سے بآسانی حل ہو گا۔ معلوم ہوگا کہ محبت یہ بھی کہتی ہو خاتمہ کتاب پر شہادت امام حسین پر ایک مفصل تقریر ہے جس میں کربلا کے حالات اور اہلبیت کی مصائب بیان ہے مختصر یہ کہ الزہرا کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ صرف کتاب کا ایک صفحہ نقل کر دیتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ الزہرا کس پایہ کی لکھی گئی ہے۔

سیدۃ النساء کی حیثیت

باپ کے بعد اگر کوئی دل خوش کرنے والا خیال تھا تو صرف وہ الفاظ جو آنحضرتؐ سیدہ کے اضطراب میں آخیر وقت فرماتے تھے کہ "فاطمہ سب سے پہلے مجھ سے تم ملوگی"۔ کیونکہ رسالت مآبؐ کے انتقال فرماتے ہی سیدہ کا دل دنیا کی بے ثباتی سے اکھڑ گیا تھا وہ ماں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض کو اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ اور اسلئے کہ اسلام نے اجازت نہیں دی، موت کی متمنی بھی نہ تھیں۔ مگر اس محبت کا اندازہ بہت مشکل سے ممکن ہے جو سیدہ کو رسول اللہؐ سے تھی، ماں کی محبت ان میں مضمر، باپ کی محبت ان میں ظاہر، اور اسی طرح رسول کی محبت، گویا تین محبتیں ایک سیدہ کے قلب پر رسول اللہ کی تھیں۔ ان کا انتقال فرمانا تھا کہ صرف وہی ایک دھن رہنے لگی کہ کسی طرح رسول اللہ کے چہرۂ اقدس کی زیارت کروں۔ باوجود اس ادھیڑبن کے انھوں نے رحلت کے چند گھنٹے[1] قبل دونوں بچوں کو اپنے ہاتھ سے نہلایا ہے۔ آخر وقت تک ان فرائض میں مطلق تساہل نہ کیا، جو ایک ماں اور بیوی کے واسطے انجام دینے ضروری ہیں۔ اس حالت میں بھی جیساکہ زندگی کے اس آخری حصہ کو کہا جاتا ہے کہ انتہائے مصائب نے انہیں مصیبتوں کی پوٹ بنا دیا تھا اور فریقین[1] اسکے معترف ہیں کہ خانہ داری کی مصروفیت بچوں کی تربیت شوہر کی خدمت، انہماک عبادت کسی میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ اکثر رات کے وقت روضۂ اقدس پر حاضر ہوتیں اور بعد عشاء وہیں عبادت میں مصروف ہو جاتیں۔

اسوقت سیدہ کی جو حالت تھی۔ ہم الفاظ میں اسکو ادا نہیں کر سکتے۔ باپ کی موت یقیناً ایک مصیبت کا پہاڑ تھی اور جیساکہ عام دستور ہے خیال تھا کہ رفتہ رفتہ یہ صدمہ زایل ہوگا۔ مگر برعکس اسکے جوں جوں دن گذرتے تھے ان کی طبیعت زیادہ متاثر ہوتی جاتی تھی، ماں کی یہ حالت دیکھ کر بچوں نے دلداری اور شوہر نے دلجوئی میں

[1] شیعہ سنی

کمی نہ کی مگر یہ صدمہ کچھ ایسی بری طرح ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا کہ نقاہت روز بروز زیادہ بڑھتی گئی، رسول اللہ کو انتقال فرمائے تین ہفتہ بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ ایک روز رات کے وقت تہجد میں مصروف تھیں، اور یہ وہ روز تھا کہ اس روز گھر میں کچھ پکا پکایا نہ تھا۔ اور سب فاقے سے تھے امیر علیہ السلام اور بچے بے خبر پڑے سوتے تھے، اور سیدہ دو وقت کی بھوکی خدا کے حضور میں کھڑی تھیں قدرت کے انتظام سب کے واسطے برابر ہیں۔ دفعۃً چکر آیا اور اس زور سے گریں کہ سخت چوٹ آئی۔ ان اللہ کے نیک بندوں کو ڈاکٹر حکیم تو کیسا ہلدی چونہ بھی نہ جڑتا تھا۔ اس دھماکے سے حضرت علی کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سیدۃ النسا بیہوش پڑی ہیں، بیتاب ہو گئے۔ مٹی سنگھائی، منہ پر پانی چھڑکا کچھ دیر بعد جب سیدہ کو ہوش آیا تو امیر علیہ السلام کے آنسو سیدہ کے چہرے پر گر رہے تھے دیکھ کر اور بھی بیتاب ہوئیں اور کہا علی! کیوں روتے ہو؟ حضرت علی کچھ دیر خاموش رہے اور پھر کہا خدا کی قدرت دیکھ رہا ہوں، کہ آج دو وقت سے ہم میں سے کسی کے منہ میں اڑکر دانہ تک نہیں گیا، اسی وجہ سے تم کو چکر آیا اور گر پڑیں ان تکلیفوں کا بدلہ خدا ہم کو جنت میں دیگا۔ سیدہ نے شوہر کی یہ گفتگو سنکر آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا، مگر یہ چوٹ مرض کی ابتدا ہو گئی۔ اب ان کو زیادہ دیر تک کھڑے رہنے اور زیادہ دور چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی تھی، اور روضۂ اقدس پر بھی کم جاتی تھیں، اس کمی نے گھٹ گھٹ کر اور بھی بے قرار کر دیا، رسول اللہ کا ایک پیراہن مبارک ہر وقت ہاتھ میں ہوتا، اسکو آنکھوں سے لگاتیں، سر پر رکھتیں، سونگھتیں۔ اور روتیں، بیوی کی یہ کیفیت دیکھکر حضرت علی کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی، وہ ہر چند بہلاتے اور تسلی دیتے تھے مگر فراق پدر ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا صدمہ زائل ہو جاتا۔ جب حالت زیادہ خراب ہونے لگی تو ایک روز سیدہ نے حضرت علی سے درخواست کی کہ علی زندگی کا بھروسہ نہیں، حالت روز بروز بگڑ رہی ہے۔ مجھ کو ایک دفعہ رسول اللہ کے مزار مبارک کی زیارت

کرادو، دل تڑپ رہا ہے طبیعت بے چین ہے۔ چاہتی ہوں کہ تھوڑی دیر خدمت اقدس میں حاضر ہوں۔ اور جانتی ہوں کہ مزار پاک کی خاک میری اس گھبراہٹ کو کم کردے گی۔ حضرت علی بیوی کی یہ درخواست سنکر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ساتھ لیکر روضہ پاک پر آئے۔ یہاں ہونچنا تھا کہ سیدہ کا اضطراب اور زیادہ بڑھا، دیر تک مزار سے لپٹی پڑی رہیں، اور خاک مزار منہ ہاتھ پر ملتی رہیں۔ جب وہ بے چینی فرو ہوئی تو گھر تشریف لائیں۔ اسوقت انھیں مواخذہ عاقبت کا تصور بندھا اور خیال آیا کہ خدا کے حضور میں حاضر ہونے کے واسطے میں اپنے ہمراہ کیا تحفہ لیجا رہی ہوں۔ اس خیال نے اور بھی مضطرب کیا، حضرت علی نے کہا، فاطمہؓ تمہاری بابت رسول اللہ فرما چکے ہیں کہ تم خاتون جنت ہو۔ پھر کیوں پریشان ہوتی ہو۔ جواب دیا، ہاں مگر خاتون جنت ہونے سے پہلے تمام عمر کی جوابدہی کرنی ہے۔

سیدہ موت کی متمنی نہ تھیں، وہ یہ بھی کوشش کرتی تھیں کہ رسول اللہ کے انتقال کا صدمہ ان کے دل سے زایل ہوجائے، جانتی تھیں کہ حسنین جیسے لال بن ماں کے ہوجائیں گے جو شفقت اور دلجوئی میں کر رہی ہوں میرے ہی دم تک ہے، میرے بعد کون میٹھا ہے۔ جو ان کو کلیجہ سے لگائے گا۔ اور میٹھی نیند سلائے گا، اگر ادھر رسول اللہ جیسے باپ کی جدائی تھی تو ادھر علی جیسے شوہر حسنین جیسے بچوں زینب اور کلثوم جیسی بچیوں کی، مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ سیدہ کا سایہ بچوں پر زیادہ عرصہ تک نہ رہے ایسی حالت میں خود سیدہ کو اپنی موت کا یقین ہوگیا، تو انہوں نے سوچا کہ نامحرم میرے جنازے کو ہاتھ لگائیں گے، آجتک کسی نامحرم کی نظر میرے چہرہ پہ نہیں پڑی، اس خیال کے آتے ہی انہوں نے حضرت علی کو وصیت کی کہ میری میت کو نامحرم ہاتھ نہ لگائے۔ رات کے وقت دفن کردینا،

یہ خیال اس حد تک ترقی کر گیا کہ ان کو گہوارہ کی صورت پر بھی اطمینان نہ ہوا اور خود

وہ گہوارہ تجویز کیا جس میں آج تک ہزاروں عورتیں اپنے گھروں سے رخصت ہوکر قبروں تک پہونچتی ہیں۔ یعنی وہ گہوارہ جو اب تک قدرت نے تم کسی چیز کا اہتمام کر دیتا۔ پہلے سیدہ کی تجویز ہے۔

پانچ یا چھ روز اس کے بعد اور گذرے اب چلنے پھرنے کی طاقت اچھی طرح نہ تھی۔ بچے ہر وقت ماں کے کلیجے سے لگے رہتے تھے ان کو چمٹائے ہوئے روتی تھیں۔ اور ان معصوموں کی آئندہ حالت کا خیال کرکے ماں تاکے جوش میں بیتاب ہو جاتی تھیں۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت علی باہر سے تشریف لائے تو دیکھا کہ تھوڑی سی آئی گندھی ہوئی ایک برتن میں پاس رکھی ہے۔ بیٹے کپڑے الگنی پر دُھلے ہوئے پڑے ہیں، چکی پیس رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔ یہ کیفیت دیکھکر حضرت علی سے صبر نہ ہو سکا۔ اور کہا فاطمہؓ تمہاری حالت اس قابل نہیں ہے، شوہر کے اس کہنے سے جی بھر آیا۔ زیادہ رونے لگیں تو حضرت علی نے سیدہ کا سر اپنے سینہ سے لگا لیا، خاموش ہولیں اور کہا:۔

علی! رات کو میں نے رسول اللہ کو خواب میں دیکھا ایسا معلوم ہوتا تھا کسی کے منتظر ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری حالت خراب ہے۔ جدائی کا زمانہ قیامت ہوگیا۔ تو فرمانے لگے۔ فاطمہ تم کو لینے آیا ہوں۔ اٹھو چلو۔ بچوں کو خدا کے سپرد کرو اور جنت کی سیر دیکھو۔ علی مجھ کو یقین ہے کہ موت کا وقت قریب آگیا ہے اسلئے گھولی ہے کہ بچوں کو اپنے ہاتھ سے ایک دفعہ اور نہلا دوں، کپڑے اسلئے دھوئے ہیں کہ اپنے سامنے ان کے کپڑے بدلدوں۔ جو اسلئے پیس رہی ہوں کہ میرے بعد تم اور بچے بھوکے نہ رہو۔ حضرت علی اس خواب کو سُنکر بے قرار ہوگئے۔ اور کہا فاطمہ کیا کہہ رہی ہو، ابھی رسول اللہ کا صدمہ تازہ ہے کہ تم ایسی باتیں کر رہی ہو۔ آپ نے فرمایا جو اُمیں کیا امیں بھی لکنلہ اس کے بعد اپنے بچوں کو قریب بلایا۔ ان کے سر پہ ہاتھ پھیرے۔ گلے لگایا۔ روئیں، اور رو کر کہا، پیارے بچوں جاؤ نانا کے مزار پر حاضر ہو۔ اور میرے لیے دعائے مغفرت کرو، دونو

بچے روتے ہوئے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے، مگر فوراً ہی الٹے پاؤں واپس آگئے تو سیدہ نے بچوں کو گلے لگایا اور کہا کیوں واپس چلے آئے۔ دونوں بچے رو رہے تھے اور ماں کے گلے میں ہاتھ ڈالے ایک لمحہ کو علیحدہ نہ ہوتے تھے۔ حضرت علی نے پانی پلایا، اور پوچھا کہ تم کیوں چلے آئے تو دونوں نے کہا، ہم کو روضۂ اقدس پر ایسا معلوم ہوا کہ کوئی کہتا ہے حسنین تمہاری ماں دنیا سے رخصت ہوتی ہے۔ چند گھڑیوں کی مہمان ہے ان کی خدمت میں حاضر رہو اور ان کے چہرے کی زیارت کرتے رہو۔ جواب تم سے چھوٹتا ہے۔ اب سیدہ کو اپنی رحلت کا پورا یقین ہو گیا حضرت علی کو بلا کر کہا، میں تین درخواستیں کرتی ہوں۔ قبول کیجیے۔ اول یہ کہ میری خطا اور قصور معاف کرنا، دوسرے یہ کہ جنازہ رات کے وقت اٹھانا۔ اور کسی نامحرم کو ہاتھ نہ لگانے دینا، تیسرے یہ کہ بن ماں کے بچوں کی دلداری میں کمی نہ کرنا۔ ان کے سر سے ماں کا سایہ اٹھتا ہے۔ ان کے دل کمزور، ان کے حوصلے پست اور ان کے جسم ناتواں ہیں مگر ان کی باتیں بھولی ان کی ضدیں سچی اور انکی ہٹیں درست ہونگی۔ امیر علیہ السلام رونے لگے، اور فرمایا۔ تم بھی میری خطاؤں کو معاف کر دینا۔ اسکے بعد سیدہ نے حضرت علی سے کہا بچوں کو لیکر روضۂ اقدس پر چلے جاؤ۔ جب حضرت علی چلے گئے تو آپ نے وضو کیا۔ سپید کپڑے بدلے اور اسماء سے کہا۔ علی سے کہدینا اسی لباس میں غسل دیں، برہنہ نہ کریں، اب حالت زیادہ بگڑ رہی تھی۔ قبلہ کی طرف منہ تھا اور مناجات میں مصروف تھیں۔ رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو منگل کے روز مغرب عشاء کے مابین مدینہ کی اس شہزادی نے دنیا سے رحلت فرمائی ؎

آج چھ مہینے کے بعد قلم کا مسافر تھکا ماندہ منزل مقصود پر پہونچا ہے، ریگستان عرب کی مسافت خاصی زحمت تھی، قدم قدم پر ٹھوکریں، کوسوں سناٹا آدمی نہ آدم زاد پانی نہ پتہ، اختلافات باہمی لو کے گرم تھپیڑوں اور بادسموم سے کم نہ تھے۔ تاریخ کی

خموشی نے وسیع میدان میں ایسا اندھیر اگھپ کیا تھا کہ منزلیں طے ہوگئیں، اور راتیں ختم مگر کہیں ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی نظر نہ آیا، ہمت پہلے ہی مرحلے میں پست ہو چلی تھی۔ جہاں تک نظر جاتی تھی، عالم سنسان تھا، تعجب یہ ہے کہ بڑے بڑے اولو العزم و شجاع اس راستے سے گذرے، مگر کوئی نقش پا ایسا نہ چھوڑا کہ بھولا بھٹکا مسافر پار ہو جاتا یارات کی تنہا گھڑیوں میں کوئی روشنی ہی رہبری کر دیتی، جی چھوٹ چلا تھا، مگر سیدۃ کی عظمت دل کے کان میں یہ صدا دے رہی تھی کہ ہمت میں کمی نہ ہو، بیڑا پار کرنے والا خدا ہے، اب یہ صدا پوری ہوئی، اور مہینوں کی محنت اسوقت ٹھکانے لگتی ہے، کہنے کو یہ سفر کٹھن تھا، مگر دل کی لگی نے خزاں کو بہار بنا دیا۔ عقیدت کا فرشتہ آواز بلند کہہ رہا تھا کہ سیدہ کی شاہانہ سواری کوئی دم میں نظر آئی۔ اور یقین کی آنکھیں اپنی دھن میں چشم براہ تھیں کیسی پر لطف تھیں وہ راتیں جو اس انتظار میں صبح ہوئیں، اور کیسے مبارک تھے وہ دن جنہوں نے گھنٹوں اس تخیل سے دماغ کو معطر رکھا، منزل پر پہنچکر آرام ملگیا، تکان دور ہوئی مگر میں ہی جانتا ہوں کہ مجھ پر کیا گذری، جو امید برسوں سے دل میں پل رہی تھی اور جو خیال مدتوں سے دماغ میں پک رہا تھا آج وہ سب جدا ہوتے ہیں،

بقیع میں آرام کرنے والی بی بی کا جسد خاکی قیامت کی نیند سو رہا ہے۔ خدا کی مصلحت اسی میں تھی، زندگی ہوتی تو مصائب کی انتہا اور صدمات کی حد آخر، اسوقت چشم بینا اس وادی پُر خار سے نکلکر دوسرا منظر دیکھتی ہے، کربلا کا جلتا بھلستا میدان دور تک پھیلا ہوا ہے ہوا طبقۂ دوزخ کو مس کرتی ہوئی یہاں بھی پہنچ جاتی ہے، آفتاب انگارے برسا رہا ہے اور اس ہولناک میدان اور قیامت خیز عالم میں سیدۃ کا لال اپنے خاموش گروہ کو لیے ششدر و حیران کھڑا ہے

سیدۃ الزہراؓ

اسکے بعد شہادت کے واقعات بالتفصیل ہیں۔ خود اندازہ کر لیجئے کہ کس پایہ کے ہونگے

قیمت ۱۲؍ ، منیجر نظام المشائخ دہلی سے مل سکتی ہے ٭

کلید عید

اے ہلال عید اے باب مسرت کی کلید
صائموں کے دل سے پوچھو آرزوئے شوق دید
مرکے پھر زندہ ہوئی دل میں تمنا و امید
تو نے پہنچایا جو پیام چرخ سے پیغام عید

بارک اللہ کیا نوید جان فزا لایا ہے تو
حور جنت بن کے بزم عیش میں آیا ہے تو

روزہ داروں سے کوئی پوچھے مسرت عید کی
مل گئی ہے رحمت ایزد سے دولت عید کی
عطر عنبر بیز میں ڈوبی ہے نکہت عید کی
دلکشا و جانفزا ہے بزم عشرت عید کی

حق کا پیارا ہے رسول اللہ کا محبوب ہے
روزہ داروں کو تری ہر اک ادا مرغوب ہے

اے ہلال عید اے نور نگاہ روزہ دار
اے شمیم عطر افشاں اے بہار لالہ زار
ہے تری موج خوشی اک بحر ناپیدا کنار
سال بھر سے دین داروں کو ترا تھا انتظار

جلوۂ صبح تمنا اب در امید کھول
آگئی فصل نشاط انگیز قفل عید کھول

ساقیا لا جام وحدت حق پرستوں کیلئے
پاک و طاہر بادۂ عرفاں ہو مستوں کیلئے
ٹوٹے ساغر میں عطا کر دل شکستوں کیلئے
فیض کا دریا بہا دے تنگ دستوں کیلئے

آج رحمت کی گھٹا ہے چار سو چھائی ہوئی
جام و مینا پر نگہ پڑتی ہے للچائی ہوئی

وہ مئے توحید کا دے جام بھر کر ساقیا
جس کے تلچھٹ سے خجل ہو شربت آب بقا
جس کے پیتے ہی مٹے بغض و حسد مکر و دغا
حشر تک بڑھتا رہے دل میں سرور جانفزا

روز مثل عید نظارہ مسرت خیز ہو
حب احمد سے ہمیشہ جام دل لبریز ہو

آہ میری قوم میں ہے گرم بازار نفاق ‏ ‏ دین و ایماں بیچکر سب ہیں خریدار نفاق
ہیں مریض نکبت و ادبار و بیمار نفاق ‏ ‏ جان لیکر جائیگا صد حیف آزار نفاق

اے مسیح عصر اب صحت کا ساماں چاہیئے
وقت آخر ہے علاج درد عصیاں چاہیئے

ہو شگفتہ گلشن بنجار ختم المرسلین ‏ ‏ شمع وحدت سے منور ہو شبستان یقین
پھر عروج و اوج پر آئے نگار دین متین ‏ ‏ ہو امانت مومنوں کے دل مین قرآن مبین

اے ہلال عید پھر لوٹیں اخوت کے مزے
بادۂ الفت کی لذت جام خلت کے مزے

(اوج گیاوی)

سات روحوں کے اعمالنامے

عالم ارواح کی سیر کرنی ہو یا پردۂ موت کو ہٹاکر کچھ دیکھنا ہو، تو سات روحوں کے اعمالنامے ملاحظہ فرمایئے، جو مولانا راشد الخیری مدظلہ کا وہ معرکۃ الآرا مضمون ہے جسکو پڑھ کر ہر ناظر کی ادھر ہچکی بندھ گئی اور ادھر مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ گئے، راز و نیاز کے چوچلے عشق و محبت کے کرشمے، خانہ داری کے مناظر غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس سے سات روحوں کے اعمالنامے محروم ہوں یہ مضمون سالہ خطیب میں مسلسل نکل چکا تھا، مگر اسکی طلبی اسقدر زیادہ ہوئی کہ اب سے کتابی صورت میں شائع کرنا پڑا۔
اس مبحث پر جناب مصنف نے ایسے لطیف اور پر مغز نظارے دکھلائے ہیں کہ حیات و ممات دونوں کی سچی تصویریں آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ ضخامت ۱۴۴ صفحے قیمت ۸؎ علاوہ محصول ۔ منیجر نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجئے)

ان چار باتوں میں سب باتیں آگئیں۔

باپ ہی کے برابر استاد کا درجہ ہے، کیونکہ باپ اگر حیات فانی کا باعث ہے تو استاد حیات باقی کا موجب ہے۔ میری عزیز بہن اِن دو باتوں میں جس قدر تم سے مبالغہ ہو سکے کرو کہ اُستاد اور والدین کی خدمت بجا لانا بڑی نیکی ہے۔ تم اپنی اولاد سے جو تمنا رکھتے ہو وہ ہی اپنے والدین سے کرو۔

حقوق خدام

جو لوگ بدا تفاق۔ یا طبعی نالائقی یا موروثہ سستی و جہالت کے باعث کوئی ہنر نہیں سیکھتے وہ اہل ہنر و اعتبار کی اعانت و راحت کے واسطے ہوتے ہیں۔ اور خادم کہلاتے ہیں۔ خادم اپنے مخدوم کی خدمت کرتا ہے اور مخدوم خادم کے لئے کسب معاش کرتا ہے۔

خادم انتخاب کرتے وقت یہ دیکھ لو، کہ وہ حسب خواہش و ضرورت خدمت کرسکتا ہے۔ اگر کر سکتا ہے اور اسمیں اسکی لیاقت ہے تو پھر اسکی حق کو پورے طور پر ادا کرنا چاہیے جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) خادم کی ضروریات کی بہ تمامہ کفالت

تاکہ (تنگ حوصلہ) پریشان، خاین کام چور نہ ہو جائے۔

(۲) خطا پر عفو، چشم پوشی رحم۔

(۳) خطا کے تواتر پر اگر اصلاح کی امید منقطع ہو جائے تو پھر دائمی علیحدگی بہتر ہے۔

علیحدگی سب سے آخری ولاچاری کا علاج ہے۔ خادم کی صفت ہے کہ وہ قدیم ہو، جو خادم حسب شرائط نمبر ۱ و ۲ قدیم ہوگا۔ وہ خیر خواہ، غمخوار، قابل اعتماد، امین راحت رساں ہوگا +

آجکل کی تو دولت بہنیں صبح کو مار کہتی ہیں شام کو نکال دیتی ہیں، اور ہمیشہ نوکرنیوں کی نالاں ہوتی ہیں حالانکہ نوکرنیوں کے رکھنے کا انکو خود سلیقہ نہیں ہوتا۔

یہاں تک وہ تمام امورات اجمالاً بیان کر دیے گئے ہیں جن کی ضرورت تدبیر منزلی میں واقعہ ہوتی ہے۔ اب میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ ایک عقلمند اور منتظم بیوی کیسی ہونی چاہیے۔ تدابیر منزلی کا بہت زیادہ مدار عورت سے وابستہ ہوتا ہے، کیونکہ قدرت نے اس کو منزل نشین بنایا ہے۔ خوب یاد رکھو:-

(۱) سب سے پہلے اپنے گھر کو صاف ستھرا، اُجلا، پاک، روشن رکھنے والی،

(۲) پھر اولاد کو صاف ستھرا اُجلا، نیز خوشی تعلیم کی شوقین تندرست چالاک چست رکھنے والی

(۳) پھر اپنے آپ کو صاف بنا سنوارا، چست ہنس مکھ رہنے والی۔

(۴) گھر کے کسی کام سے معذور نہ ہو محنتی ہو۔ کفایت شعار ہو۔ فضول خرچ نہ ہو اور ہر حالت میں پس انداز کرنے والی ہو۔

(۵) شوہر کی وفادار عاشق ہو۔ امین ہو۔

(۶) ملازموں پر رحم دل حاکم ہو۔

(۷) متواضع ہو۔

(۸) خداشناس ہو۔

(۹) اولاد کے لیے معلمہ ہو۔ شوہر کے لیے مشیر و معین کار ہو،

(۱۰) طرفین کے رشتہ داروں کے لیے یکساں کشادہ پیشانی۔ فراخ دست و بلند حوصلہ ہو۔

(۱۱) تعلیم یافتہ ہو، لیکن ایسی تعلیم یافتہ نہیں جیسے مشن اسکول کی بوقلمونیاں ہوتی ہیں۔

(۱۲) مذہبی امورات اور فرائض پر زیادہ مستعد ہو۔

(۱۳) بدون اجازت شوہر کبھی گھر سے باہر نہ جائے، نہ کوئی چیز کسی کو دے،

(۱۴) مرد کے جذبات کا احترام کرے۔

(۱۵) بڑوں سے مودب ہو۔ چھوٹوں پر رحیم۔ برابر والیوں پر کریم محلہ کیلئے قابل اعتماد۔ ہمسایہ کیلئے شفیق ہو

(۱۶) مریضوں کے لیے دائی۔

عورت کے لئے

اِس سے زیادہ کچھ بات نہیں، کہ وہ شوہر کے دل میں عزیز اور قابل بھروسہ ہو۔ آجکل کی لڑکیاں خدا جانے کس شان سے اُٹھتی ہیں کہ مزاج میں سازگاری اور عصمت نام کو نہیں ہوتی ہے۔ قدرت نے مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے۔ عورت محکوم ہے قرآنی فیصلہ کو یورپ کی تلخ معاشرت جسکا سبق آج کل بہت دیا جارہا ہے رد نہیں کرسکتی تمہیں چاہیئے کہ تم رابعہ و عایشہ و فاطمہ بنو۔ مس کینیری اور مس روزا اور فلاور کی تقلید تمہارے لیئے سم قاتل ہے۔ اِدھر دیکھو ہماری مشرقیت مغربیت سے کہیں زیادہ پاک و قدیم ہے۔ اسکی قدر کرو۔ یہ تو عزت کی چیز تھی نہ کہ تم اوروں کے بہکانے سے اسکو برا سمجھنے لگو اور بھلا دو۔ ہمارے گھروں میں تمہیں ایک مذہبی مجسمہ ہونا چاہیئے اور بس۔

---

(۳)

سیاست

تمدن کی ضرورت عزیز بہن تدبیر منزلی کے جملہ ابتدائی مسایل تو تم بخوبی سمجھ چکی ہو۔ اب میں تم کو حکمت عملی کی تیسری قسم سمجھانا چاہتا ہوں:۔

پہلے یہ بات سمجھ لو۔ جو چیز بھی موجود ہے۔ اسکے واسطے ایک طرح کی ترقی ہے بعض موجودات کی ترقی پیدائشی ہوتی ہے۔ وہ اجرام علوی ہیں۔ بعض موجودات کی ترقی ان کے وجود کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ وہ اجسام سفلی ہیں۔

جس موجود کی ترقی اسکے وجود کے بعد عارض ہوتی ہے۔ اسکو تنزل سے ترقی کی جانب ایک قدرتی تحریک ہونا لازمی ہے۔

اِس تحریک میں باہمی اعانت اور مدد درکار ہوتی ہے۔

مدد کے تین طریقے ہیں۔

(۱) مادہ کے ساتھ یعنی مدد کرنے والا۔ مدد کے بعد اس کا جز ہو جائے جسکی مدد کی ہے۔ جیسے غذا کی مدد بڑھنے والے جسموں میں،

(۲) آلہ کے ساتھ یعنی کوئی چیز مدد کا ذریعہ اور واسطہ ہو۔

جیسے پانی، غذا دینے والی قوتوں کی مدد کرتا ہے یا ان کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے

(۳) خدمت کے ساتھ یعنی، ایک کا کام دوسرے کی ترقی کا باعث ہو۔

جیسے آفتاب کی روشنی اور گرمی سے، نباتات جمادات وغیرہ کی ترقی ہوتی ہے مگر خدمت کی بھی دو قسمیں ہیں،

(۱) ایک وہ جسکے کام کی انتہا خدمت ہو۔ یا ایک ذات پر ختم ہو جائے۔

جیسے نصیبا تمہاری ملازمہ (لونڈی) ہے نصیبا کی خدمت صرف تمہارے لیے ہے اسکو خدمت بالذات کہتے ہیں۔

(۲) دوسری وہ جسکے کام کی انتہا کوئی اور بات ہو۔

جیسے چرواہے کی خدمت مویشی کے واسطے۔ اسکو خدمت بالغرض کہتے ہیں،

چونکہ مندرجہ بالا قسموں کی مدد تمام اجسام سفلی میں باہم نظر آتی ہے، بدون اُسکے بقا اور موجودات کے وہ ترقی جو بعد وجود پیدا ہوتی ہے۔ ناممکن ہے۔ اسی بنا پر انسان بھی اکیلا ہوکر بدون مدد باہمی کے اپنی ضروریات فراہم نہیں کرسکتا۔

فرض کرو بہن۔ تمہیں اپنی غذا کا بندوبست کرنا پڑتا۔ تو کیا ہوتا۔ سب سے پہلے مادہ اور آلات کو پیدا کرتیں۔ یعنی لوہا لکڑی وغیرہ۔ پھر ہل چلانے اور زمین تیار کرنے پر مجبور ہوتیں۔ اسکے بعد کھیتی کے تمام جھگڑے تم کو کرنے پڑتے۔ تب کہیں جا کر گیہوں یا چنا یا چاول تمہاری غذا کے لیے نصیب ہوتے گویا کہ ساری فصل تمہیں اسی فکر و ذکر میں

گذر جاتی۔

دوسری فصل پرپھیرے سے یہی کام شروع ہو جاتا۔غرضیکہ یہ ناممکن تھا، انسان کو مدنی الطبع اسلیئے خالق نے خلق کیا ہے کہ وہ آپس کی مدد سے اپنی ضروریات رفع اور پوری کرتا رہے۔اور انسان میں سب سے زیادہ بڑائی یہی ہے۔

اب مدنیت کی تعریف بھی معلوم کرو۔

مدنیت } ہر مرکب کیلیئے اسکے اجزا کے علاوہ ایک قسم کی خاصیت حکم صورت جُدا جُدا ہے جس کی مدد سے ان میں فرق اور رتبہ قایم ہوتا ہے۔

اسی کلیہ کے ماتحت انسانی اجتماع کے واسطے بھی اسکے اشخاص سے جدا ایک طرح کی حاجت حکم صورت ہوتی ہے۔دیکھو انسان کے ارادی افعال دو قسم پر ہیں ایک خیر ایک شر ایسا ہی اجتماعات بھی دو قسم پر ہیں،

پہلی قسم بھلائی کے سبب **دوسری قسم** برائی کے سبب سے، قسم اول کو (مدنیت فاضلہ) کہتے ہیں۔قسم ثانی کو مدنیت غیر فاضلہ کہتے ہیں اور حسب حالت مختلف صورتوں اور قسموں پر جدا جدا ناموں سے موسوم ہو سکتی ہے۔اسکے خلاف مدنیت فاضلہ کی ایک ہی قسم ہے، کیونکہ بھلائی اور سچائی کا راستہ تو صرف ایک ہی ہے

مدنیت فاضلہ } ان لوگوں کے جماؤ کو (اجتماع) کہتے ہیں جو بھلائیوں کے حاصل کرنے اور برائیوں کے دور کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

ان کے افعال انسانی بقا اور نفسانی کمال کی غرض سے تہذیب سیاست پر قایم ہوتے ہیں۔اختلاف و تغیر حالات میں سے۔

اِس جماعت کے کاموں کی آخری وجہ وہی ایک ہوتی ہے یعنی بقاء اور نفسانی کمال، اگرچہ یہ افراد مختلف ہوں منتشر ہوں مگر حقیقۃً بھی ان کا عمل متحد ہوتا ہے۔ اِن کی مثال، لباس اور طعام کی سی ہے کہ مختلف الماہیت ہونے کے باوجود

متحد الخدمت یا متحد الغایت ہیں یعنی بقائے انسانی کے ذمہ دار ہیں۔ مدنیت فاضلہ پانچ جماعتوں سے پیدا ہوتی ہے۔

(۱) حکما۔ تہذیب اور شائستگی کی اعلیٰ منزل پا لینے کے باعث سب سے افضل (بڑے) ہوتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ موجودات کی حقیقت معلوم کریں اور بتلائیں۔ ان کو مدبر مدنیت کہا جاتا ہے

(۲) علما۔ علمی فضیلت کے باعث افضل ہوتے ہیں ان کا کام تعلیم و تعلم ہے ان کو اعظان مدنیت کہا جاتا ہے۔

(۳) شجاع۔ شجاعت کی وجہ سے افضل ہوتے ہیں۔ ان کا کام ملک اور جانوں کی حفاظت کرنا ہے۔ ان کو حامیان مدنیت کہا جاتا ہے۔

(۴) پیشہ ور۔ فنون شریفہ کی وجہ سے افضل ہوتی ہے۔ ان کے مختلف اور بہت کام ہیں۔ کوئی وکیل ہے۔ کوئی مصور ہے ان کو مقدران مدنیت کہا جاتا ہے۔

(۵) اہل حرفہ۔ یہ مال کی وجہ سے ممتاز ہوتی ہے۔ ان کا کام تجارت صنعت وغیرہ ہے۔ ان کو مالیان مدنیت کہا جاتا ہے۔ جو جماعت بطور آلات کے اس جماعت کے کام آتی ہے۔ وہ بھی اسی میں شامل ہے۔ جداگانہ قابل ذکر نہیں،

مدنیت فاضلہ کے اثرات و نتائج صلاح و فلاح پر مبنی ہوتے ہیں جس سے ملک و مخلوق کو راحت و سہولت حاصل ہوتی ہے۔ اور امن و رفاہ کے باعث ہر ایک کو اپنے کسب کا موقعہ ملتا ہے۔

محنت کی تقسیم و تکمیل } عزیز بہن یاد رکھو اپنی محنت کی تقسیم اور تکمیل و تالیف اپنے ہی اندر رکھو اور رکھنی چاہیئے تاکہ خود تم یعنی تمہارا ملک ہی فائدہ اٹھا سکے۔ دوسرے ممالک برائے نام نفع اٹھا سکیں۔ غیر مستحق جب اپنی محنت میں شریک و غالب ہو جائینگی، تو اصلی نفع اور نتیجہ کے مالک وہی ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ملک کا رہنے والا اپنے ملک کے اندر اپنی محنت

کی تکمیل و تالیف و تقسیم کرے۔

دیکھو بہت سی چیزیں ہندوستان سے خام جنس کی صورت سے جاتی ہیں تم کو صرف پیداوار کا ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ پھر یورپ سے وہی خام جنس، صنعت پاکر واپس آتی ہے۔ تو قیمت میں بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ طے شدہ اصول ہے کہ پیداوار کا نفع محدود ہے اور مصنوعات کا نفع غیر محدود ہے۔ یہ مسئلہ تکمیل محنت کا ہے محنت کی تقسیم، و تالیف کے ثمرات سرکاری کارخانوں سے معلوم ہو سکتے ہیں، کہ کیسے کیسے مشکل کام سہولت سے ہو جاتے ہیں (تقسیم کار) ایک ایسا زبردست اصول ہے کہ بدوں اسکے کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔

اب بہن اس تمہید کا خلاصہ اور مطلب یہ ہے کہ اپنی ضروریات اور اسکے متعلقہ کاروبار کے اجزا الگ الگ جماعت وار آپس میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ پھر انکی دوسری حالتوں پر غور کیا جاتا ہے۔ تعداد کا لحاظ، وزن کا خیال، جب تک ملک میں اشیا کی تکمیل محنت کی تقسیم و تالیف بخوبی نہ ہو۔ مدنیت ترقی نہیں پا سکتی۔

ہر گھر مثل ایک ملک کے ہے۔ یہی اصول گھروں میں بھی بہتیں برتنے چاہئیں۔ ان باتوں کو سمجھ کر پہلے اپنے گھروں میں برتو پھر دیکھو کیا سے کیا ہوتا ہے۔

سلطنت کی ضرورت

عزیز بہن ملک میں آزادی و امن قائم رہنے کے لئے سلطنت وضع ہوئی ہے، کیونکہ انسان کے ارادے اور خواہش جدا جدا ہیں اور یہی وجہ اختلاف کی ہے۔ ہر شخص اپنی خواہش کے لئے جداگانہ جد و جہد کرتا ہے۔

مثلاً ایک شخص کی خواہش لذتوں کا حاصل کرنا ہے۔

دوسرے شخص کی خواہش نعمتوں کا فراہم کرنا ہے۔

اگر ان دونوں کو بلا نگرانی چھوڑ دیا جائے تو متصادم ہوکر ایک دوسرے کے دشمن

ن جائینگے حالانکہ انکو معاون ہونا چاہیئے تھا۔ پس ان دونوں کے درمیان جو حد قایم کرنے
والی چیز ہے وہ سلطنت ہے، تاکہ ایک کو دوسرے پر ناجایز طور پر غالب نہ ہونے دے۔ سب
اپنے اپنے حق پر قایم رہیں۔ صرف اس مقصد کے لیئے سلطنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

سلطنت کی تعریف عزیز بہن سلطنت کا لفظ ان جملہ انتظامات پر محیط (چھایا) ہوا ہے جو۔۔۔ رعایا کی سلامتی اور توازن حقوق وبالیٔ آمدنی کیلئے ہوں
گو انتظامات و احکام کو ملک نے بخوشی یا جبر کے ساتھ قبول کیا ہو،

سلطنت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) **ایک عادلہ**۔ اسمیں شاہی اختیارات نامحدود نہیں ہوتے، بادشاہ کی مرضی
و خواہشات غیظ و غضب و ناگواری کا مطلق خیال نہیں ہوتا۔ رعیت توانا، مالدار،
مطمئن، آزاد، خود مختار بادشاہ سے بے خوف اپنے نفع و نقصان پر گفتگو کرنے والی وفادار
سلطنت کی حامی ہوتی ہے۔ جیسے خلافت راشدہ تھی۔ اب گورنمنٹ برطانیہ ہے، یا
ریاست العالیہ بھوپال کا دور ہے +

(۲) **دوسری غیر عادلہ**۔ اسمیں شاہی اختیارات غیر محدود ہوتے ہیں۔ بادشاہی
رضاجوئی لازمی ہوتی ہے۔ ہر شخص غیر مطمئن خالف۔ غلام۔ مقید۔ مفلس اپنے نفع نقصان
پر خاموش، ناقابل اعتماد، بے وفا۔ غدار۔ سلطنت کا دشمن۔ انقلاب کا جویا۔ منافقانہ
بسر کرنے والا۔ غیر عادلہ حکومتیں چند روزہ ہوتی ہیں۔ ان کے بقا کی کوئی ضمانت نہیں ہوسکتی

سلطنت عادلہ کی قسمیں عزیز بہن سلطنت عادلہ دو قسموں پر منقسم ہے۔
(۱) **نوعی** اسمیں ایک فرمان روا ہوتا ہے۔ جس کی فرمانبرداری
رعایا پر اس وقت تک واجب رہتی ہے۔ جب تک وہ مقررہ قوانین کے موافق حکومت کرتا ہے
حکمرانی کے قواعد موضوع کرنے میں ارکان دولت کو دخل ہو۔
حکمران کو کوئی خاص اختیار کسی خاص حکم کے جاری کرنے کا اپنی مرضی سے نہیں ہوتا۔ جب وہ

ک

بزرگِ قوم حضرت خواجہ حسن نظامی کی تصدیق

خارفام کی گواہی

کالا قلم - کالا کلٹ والا - گواہی گلفام صابن کی - گورے دیس کا تحفہ صابن کالے دیس میں اب گھر گھر برتا جاتا ہے - مگر گلفام صابن اسی ملک سیاہ کا ہے جس کو نام ہی گلفام ملا ہے - اور کام بھی - اس کا مذاق بھی ... تو کیا عجب ہے - اندر سبھا کی کہانی میں گلفام کا قصہ پڑھتے تھے کہ ایک سبز پری عاشق تھی - اصل گلفام نہ تھا پر کالی پریوں کو عاشق ہوتے آنکھ سے دیکھ لیا - سبز پری کا دشمن جھٹل کو دکھ لال دیو تھا - گلفام صابن کالوں کی مخالفت نہیں - کیونکہ چربی سے بنا نہیں تھا جس سے ہندو مسلمان کو شبہ ہو - آج کل چربی کا شک ہوا بلکہ کہیں سے بنایا گیا ہے - سنا ہے گلفام کو کوہ قاف میں جا کر سبز پری کو ملا تھا - گلفام صابن کوہ قاف سے زیادہ دور مقامات تک پہنچتا ہے - ہندو مسلمانوں میں، کالے گوروں میں گلفام صابن کی یکساں طلب گاری ہے

گلفام صابن خود خارفام کو دیا گیا - کہ اس سے اپنے منہ کی سیاہی دور کرے دیکھوں - بد اعمالی نے جو دھبے لگائے ہیں وہ تو اس صابن سے دور نہ ہوئے - البتہ جسم کی جلد نرم ہو گئی - عام صابنوں سے جو خشکی بدن پر پیدا ہوتی ہے اس سے نہ ہوئی - اس سے زیادہ میری گواہی پر جرح ہو تو پسند ہی کہہ دونگا - کہ خارفام ہوں - گلفام کی قدر نہیں پہچانتا

ہندوستان میں ہر ترقی کا مادہ موجود ہے گلفام صابن اس کی دلیل ہے - ولایتی صابنوں سے کسی بات میں کم نہیں - ہاں کمی اس کی ہے - کہ قیمت زیادہ نہیں ہے - اور اس کی کہ ایک نادار سے ملک میں بنا ہے اور اس کی کہ عالمگیر اشتہار کا طریقہ نہیں جانتا -

گلفام صابن خارفام کے سوا ہر شخص کو استعمال کرنا چاہیئے - بشرطیکہ اس کو اپنے ملک کی شاندار - اور بڑھیا چیزوں کی قدر ہو - میں غریب خارفام اس کا استعمال یوں نہیں کر سکتا - کہ میرا منہ گناہوں سے از حد کالا ہے میں گناہ سے صاف کرنے والا صابن تلاش کرتا ہوں - کیا گلفام صابن کے دفتر کو اس کا پتہ معلوم ہے ؟ تاہم اس نمونہ کو میں نے اپنے ملک کی آزمائش کے خیال سے استعمال کیا اور قابل تعریف پایا -

سب سے زیادہ جرأت اس کی تصدیق میں اس سے ہوئی - کہ یہ صابن مشتبہ چربیوں سے نہیں بنایا جاتا - کیونکہ ہم ہندوستانیوں کو خواہ ہندو ہوں یا مسلمان اپنا ایمان بہت پیارا ہے - اور ہم چربیوں اور ناشدنی کی صفائی کو مقدم سمجھتے ہیں - گلفام صابن بہت ترقی کرے گا - کیونکہ اس کی بنا پاکیزگی پر پڑی - جس کی بنیاد پاک ہو اس کا دونوں جہان میں بول بالا ہوگا - اسی پر خارفام کی گواہی کا خاتمہ ہے

حسن نظامی ۲۴ فروری ۱۹۱۴ء

قیمت فی بکس ۱۲/ (تین ٹکیہ صرف) محصول ڈاک بذمہ خریدار

ممکن ہے کہ بکس کے اندر سے ایک پیسہ سے ۵۰ روپیہ تک کا چک نکل آئے یا آپ کو کئی ہزار روپیہ مل جاویں - یہ طریقہ بھی شہرت کا ہے لیجیے آزمائیے آرڈر دیجیے

پتہ گلفام سوپ آفس صدر بازار دہلی

ظل السلطان

اگر آپ بہترین خیالات و مضامین کا آئینہ دیکھنا چاہیے تو ظل السلطان ملاحظہ فرمائیے جو ماہانہ بھوپال سے شایع ہوتا ہے۔ صرف تین روپے سالانہ قیمت ہے اسمیں زنانہ دلچسپیوں اور اصلاح تمدن و معاشرت اور تعلیم نسوان کے متعلق اعلی مضامین شایع ہوتے ہیں۔ اور چار سال کے عرصہ میں جسقدر زنانہ تعلیم کا مواد اس رسالہ نے فراہم کیا ہے اردو میں اس کی نظیر نہیں، نمونہ کا پرچہ چار آنے میں مل سکتا ہے مضمون نگار لیڈیوں کو معاوضہ اور انعام بھی دیا جاتا ہے۔ اس کے ذخیرہ میں اعلی مرتبت خواتین کی نہایت قابل قدر تصانیف موجود ہیں۔ خصوصاً علیا حضرت فرمانروائے بھوپال اور بیگم صاحبہ جنجیرہ کی تصانیف بھی ملتی ہیں۔ ذیل میں کچھ کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ اگر آپ کا کتب خانہ ان گراں بہا تصانیف سے خالی ہے۔ تو آج ہی انکی طلبی کا خط لکھدیجیے۔ مفصل فہرست۔ ر کے ٹکٹ بھیجنے پر بھیجی جاتی ہے

حضور سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال کی تصانیف

بچوں کی پرورش بچوں کے متعلق اصول حفظان صحت کی واقفیت اور خطرات کی اطلاع ۴ر

تربیت اطفال بچوں میں شایستگی، تہذیب، اخلاق اور دیگر صفات حسنہ پیدا کرنے کی ہدایتیں ہیں ۲ر

ہدیۃ الزوجین خانہ داری کا پہلا حصہ جس میں شوہر اور زوجہ کے شرعی اور قانونی حقوق و اختیارات ۸ر

حفظ صحت خانہ داری کا دوسرا حصہ یعنی سوز مرہ کے وہ تمام اصول جو عورتوں کی صحت جسمانی کے رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ قیمت ۱۲ر

معیشت خانہ داری کے تیسرے حصہ کا جزو اول جس میں انتظام خانہ داری وغیرہ نہایت تفصیل سے لکھا گیا ہے ۱۲ر

معاشرت خانہ داری کے تیسرے حصہ کا جزو ثانی جس میں بچوں کی تربیت آداب ملاقات اور ان کے متعلق مفید ہدایات و قواعد ڈاکخانہ و قواعد ریلوے وغیرہ نہایت شرح و بسط سے لکھی گئی ہیں

پتہ: آنریری منیجر ظل السلطان۔ بھوپال

گرمی (آتشک)

گرمی آتشک بفعلی سے ہوتی ہے۔ اس کی ابتدائی حالت میں زخم ہوتا ہے اور تھوڑے عرصہ میں دونو پٹھوں کی گلٹیوں میں ورم ہو آتا ہے جس کو لوگ باگھی کہتے ہیں۔ کچھ دن میں گرمی پھوٹ کر نکلتی ہے اور تمام جسم میں چھٹے۔ گھاؤ۔ پھنسیاں۔ گڑھے وغیرہ ہو جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ گلے میں یا ناک میں زخم اور سر کے بال کا اڑنا اور گانٹھوں میں درد ہوتا ہے۔ اخیر میں ہڈی تک اس کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ جوانی میں نکلی ہوئی آتشک کا زہر بڑھاپے میں ستا سکتا ہے اور باپ سے بیٹے اور پوتے تک کو آتشک کے زہر کے سبب مصیبت جھیلنی پڑتی ہے۔ افسوس ہے کہ لوگ اس کو نہیں جانتے۔ اور اس کا جیسا علاج ہونا چاہئے نہیں ہوتا، زخم کے ہوتے ہی لوگ شرم سے چھپاتے ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ پھر دوا کرتے ہیں، تو ایسے ہی ویسے لوگوں کی۔ ایسی دواؤں میں زیادہ پارہ ملا رہتا ہے۔ جس کا اثر مرض سے بھی برا ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کو بخوبی غور کر کے ڈاکٹر برمن نے یہ دوا آتشک کی بنائی ہے۔ جو چیزیں آتشک کے زہر کو بےکار کرتی ہیں معروف و مشہور ہیں انکی خصوصاً آزمایش کر کے یہ دوا بنائی گئی ہے۔ تھوڑے دن کے استعمال سے یہ دوا آتشک اور اس کے نقصانوں کو دفع کرتی ہے زخم کے لیے ساتھ ہی ساتھ مرہم لگانا چاہیے۔ قیمت فی شیشی عہ زخم کا مرہم ۵ محصولڈاک دونو کا ۵

داد کی مجرب دوا

اس کے لگانے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ اور اس میں کوئی خراب اور مضر چیزیں بھی نہیں ہیں۔ جب کسی دوا کے استعمال سے فائدہ نہ ہوا ہو۔ تو اس کی بھی آزمایش ایکبار کر لیجئے۔ چھاجن ایرس میں بھی یہ مرہم فائدہ کرتا ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۴ر محصولڈاک ایک سے تک ۵

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ

زبانِ غیب کی پکار

دینی رجسٹر میں نام لکھوا دو

اب میں ہر مہینے ایک نئی کتاب لکھ دیتا ہوں۔ بعض وقت مہینے میں دو کتابیں بھی ہو جاتی ہیں۔ ساری دنیا کاغذ کی گرانی کے سبب تصنیف تالیف کو بند کر رہی ہے مگر مجھ پر خدا کا فضل ہے کہ وہ اچھے اور اعلیٰ کاغذ دیتا ہے۔ مفید مضمون عطا فرماتا ہے اور اپنے بندوں سے دین ملت کی لگاتار خدمت لیے جاتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اس عالمگیر موجودہ مفلسی کے زمانہ میں اپنے بندوں کو ہمت دی ہے کہ وہ میری کتابیں خرید لیتے ہیں لہذا مجھکو دیگر مصنفین کی طرح ناقدری کی شکایت نہیں ہوتی۔ کتابیں کثیر تعداد میں چھپتی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ بک کر ختم ہو جاتی ہیں۔ ضرورت صرف آگاہ کرنے کی ہوتی ہے مگر حلقۃ المشائخ کے کارکن اور اہلکار بار بار اشتہار دینے اور خریداروں کو نئی کتاب سے مطلع کرنے کی فرصت نہیں رکھتے۔ اور انکو اس میں بہت دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ لہذا ان کی خواہش سے میں دینی فداکاروں کو پکارتا ہوں کہ وہ اپنا نام دینی رجسٹر میں اس ہدایت کے ساتھ لکھوا دیں کہ آئندہ جو کتاب حسن نظامی تصنیف کرے وہ بے اطلاع ان کے پاس بذریعہ وی پی کے بھیجی جائے۔ ایسے مستقل خریداروں سے صرف محصول کی رعایت کی جاتی تھی مگر آج سے ایک روپیہ میں دو آنے کمیشن بھی دیے جائیں گے اور محصول ڈاک بھی ان سے نہ لیا جائیگا۔ اس کی اطلاع اپنے سب دوستوں کو دیجیے اور آپ بھی فوراً ایک کارڈ کارکن حلقۃ المشائخ دہلی کے نام بھیج دیجیے تاکہ آپ کا نام مستقل خریداروں میں درج کر دیا جائے۔ اور ہر نئی کتاب چھپتے ہی آپکو پہنچ جایا کرے۔ اس کا مطلب سمجھیے۔ میری سب کتابوں کی لکھائی چھپائی بہت اچھی کرائی جاتی ہے۔ اور کاغذ عمدہ لگایا جاتا ہے۔ عام اخباروں اور رسالوں کی طرح میرے ہاں سستے کاغذ کا استعمال نہیں ہوتا نہ خط ناپسند ہوگا اور قیمت بھی بہت کم لگائی جاتی ہے اور عمدہ کے خرچ کے موافق رکھی جاتی ہے۔ زیادہ نفع نہیں لیا جاتا۔ پس آپ اس سے بے فکر رہیے اور خدا کا نام لیکر جلدی مستقل خریدار بن جائیے۔ ہر مہینے ایک نیا پارسل آپ کو پہنچتا رہیگا۔ مجھے اپنے دوستوں مریدوں اور علمی دینی قدردانوں سے توقع ہے کہ وہ اس تحریر پر ضرور توجہ کرینگے اور تصوف سے ہماری

اس سے ہر مہینے میں میری مدد کی کھو لگ جائیگی۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حسن نظامی

شامِ زندگی

کا

دوسرا ایڈیشن

شام زندگی جسقدر پہلی دفعہ چھپوائی تھی الحمد للہ کہ صرف ایک مہینے میں نکل گئی۔ اور اب دوبارہ تیار ہو رہی ہے۔ جن ناظرین نظام المشائخ نے اسے ابھی تک منگایا ہو وہ اور دیر نہ لگائیں۔ اور فوراً اور اسی ہفتہ بھیج دیں۔ ورنہ تیسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ یہ کتاب مولانا **راشد الخیری** (مدظلہ العالی) کی بہترین تصنیف ہے۔ اور ہر عورت مرد کے لیے اسکا دیکھنا موجب خیر و فلاح ہوگا۔ حضرت خواجہ حسن **نظامی** صاحب، مولوی **ظفر علی خاں** صاحب اور تمام اسلامی وغیر اسلامی اخباروں، رسالوں کے ایڈیٹر اسکی تعریف میں یک زبان ہیں۔ اور بعید نہیں کہ سرکاری اور قومی مدارس کے نصاب میں اسے داخل کر لیا جائے۔ ہم ذمہ دار ہیں اگر شام زندگی آپ کو پسند نہ آئے۔ اسکا ایک ایک لفظ تیر و نشتر کا کام نہ دے۔ اور کام کا نہ معلوم ہو تو دام واپس منگا لیجیے۔ قصہ کا پیرایہ قلعہ معلّٰی کی اردو، مفید باتیں، پڑھو تو لطف، اور عمل کرو تو دین و دنیا سنورے۔

قیمت علاوہ محصول صرف ایک روپیہ

پتہ

مینیجر نظام المشائخ دہلی

نظام المشائخ

قسم دوم

روحانی تشنگان و سالکین کا ماہوار پیغام

مذہب اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ

جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب خواجہ زادہ حضرت سلطان
نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی
وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ... ششماہی ...

مقام اشاعت دار السلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

آج کل

نظام المشائخ دو ہزار

[illegible] صفحہ [illegible] اشاعت [illegible] ضرور اپنے اشتہار اس میں چھپوا کر فائدہ اٹھائیں

نرخنامہ

سالانہ	ششماہی	سہ ماہی	ایک بار	مقدار
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	¼ صفحہ
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	نصف صفحہ
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	پورا صفحہ

نظام المشائخ کے قواعد و ضوابط

(۱) نظام المشائخ ہر ماہ کی [illegible] چھٹی تاریخ کو [illegible] حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز مولانا معین الدین چشتی اجمیری [illegible] شائع [illegible] مضامین [illegible] اخلاقی اصلاحی مگر صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں [illegible] تحریروں میں [illegible] اور دیگر دلچسپیوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہے (۲) اگر رسالہ ہر ماہ تاریخ تک نہ پہنچے [illegible] تاریخ تک انتظار کیجئے اسکے بعد اطلاع دینی چاہیئے [illegible] (۳) جن صاحبان کی ایک [illegible] پہلے دفتر رسالہ میں اسکی خبر [illegible] کی اطلاع اپنے گاؤں یا شہر کے [illegible] پتہ نہایت صاف خوش خط لکھیے [illegible] بھیجئے۔

منیجر نظام المشائخ دہلی

نظام المشائخ

نمبر ۶	بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۵ ہجری	جلد ۱۷

فہرست مضامین

ہندوستان ہی کا نہیں

انگلستان کا پریس چیخ اُٹھا ہے!

کاغذ کی گرانی نے اخباروں اور رسالوں کے ہوش پراں کر دیئے!

آپ جس پرچے کو جی چاہے اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ سب کے چہرے زرد ملیں گے اب خطیب، و نظام المشائخ کے سوا ایک آدھ کوئی سرخ و سپید نظر آتا ہو تو آتا ہو۔ لیکن

کب تلک یارب چھپائیں دردِ دل

خطیب و نظام المشائخ کے مالک کے پاس قیصر ولیم کا خزانہ نہیں ہے کہ نقصان پر نقصان اُٹھائے چلا جائے۔ ناظرین اگر خطیب و نظام المشائخ کو انکی بہترین شان میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو خود بھی کچھ تکلیف اُٹھائیں۔

کاغذ ریلیف فنڈ

کے نام سے ایک مدِ امداد پیش کرتا ہوں جب تک جنگ ہے اس میں ۸ رسالانہ کم از کم سب کو دینا پڑیگا اور اس سے زیادہ جتنی جس میں قدرت ہو

خاکسار **واحدی**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

وہ قادیان شریف
غریب تصوف کا حریف

جب زمین بچھی۔ آسمان تنا۔ سورج چمکا۔ ہوا جھوم جھوم کر چلی۔ اور کُن کے کرشمے نے کائنات کی رنگا رنگ بہار نمایاں کی۔ پانی کو بہنے کا حکم ملا۔ خاک کو قیدی بنایا گیا۔ آگ پردوں میں چھپائی گئی تو ضد، عکس، عداوت، اختلاف نے کون کو سنوارنا شروع کیا زہر کا عکس تریاق۔ اور تریاق کی ضد زہر۔ پیاس کا دشمن پانی۔ بھوک کا غنیم کھانا۔ گرمی کی حریف سردی۔ نیکی کا عدو شیطان خدا کے ملکے ہوتے کُن نے بذریعہ اپنی فطرت کے اُن

اختلافات کو دنیا کی محفل میں سجایا۔ جب اس طلسمات ہستی کی نمائش میں نظر آیا۔ اور بہادری ذوق جھوم کر بولے اس جہان کو تو اختلاف ہی کی زیبائش ہے +

اسلام تریاق تھا۔ کتنے زہر اسکے مقابل ہو کر بے اثر ہوئے۔ اسلام آب سرد تھا کتنی گرمیاں ٹھنڈی کر دیں۔ اسلام ایک غذائے ابد تھا۔ کس قدر بھوکیں اسنے سیر کر دیں +

مگر بدی نہ ہوتی۔ کفر کی ظلمت نہ پائی جاتی تو اسلامی نیکیوں کا امتیاز کیونکر ہوتا۔ اسکی نورانیت کیسے ظاہر ہوتی +

سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے چپ چاپ پتھر مسافروں کو بتلاتے ہیں کہ اب منزل اتنے میل باقی ہے۔ اور اتنا راستہ طے ہو گیا ان پتھروں کی زمین سفید ہوتی ہے۔ اور حرف کالے۔ راستہ کا شمار ان حرفوں ہی سے ہوتا ہے۔ مگر یہ کالے حرف سفید زمین میں ایسے ہی ہیں جیسے نیکیوں کی سفیدی میں گناہوں کی سیاہی۔ گناہ بھی باعث ہدایت ہوتے ہیں۔ گنہگار نہ ہوں تو نیک کاروں کا امتیاز نہ ہو سکے۔ حضرت لقمانؑ نے فرمایا تھا کہ میں نے عقل احمقوں اور بے عقلوں سے سیکھی +

تصوف روح اسلام ہے۔ اسکو بھی قدرتاً اور فطرتاً حریفوں کا سامنا رہا۔ اس نے بھی اپنی مہ جبینی کو طغیان و عصیان کی گھٹاؤں میں چمکا چمکا کر خلقت کے دل چھینے۔ اور وہ اوقات تیرہ چہرے پہ کھا کھا کر دنیا کو اپنی سرخروئی دکھائی +

یہ مسلمانوں کی چودھویں اور عیسائیوں کی بیسویں صدی ضد اور عداوت کا ایک نیا جلوہ لیکر آئی ہے۔ اس میں ہر ملک، ہر قوم، ہر فرقہ، ہر فرد دوسرے کو فنا کر کے زندہ ہونا چاہتا ہے۔ اس زمانہ میں بقا کا مدار دوسرے وجود کی تباہی پر ہو گیا ہے +

دیکھا نہیں۔ یورپ کی عقلمند قومیں کیوں لڑ کر فنا ہو رہی ہیں۔ سنا نہیں ہندوستان کی اقوام میں کیسی باہمی کشاکش ہو رہی ہے۔ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اسکے سوا کوئی بیٹ بھر کر

روٹی نہ کھائے۔ سیراب ہو کر پانی نہ پیئے۔ عزت اور فراغت سے سوائے اُسکے کسی کی زندگی بسر نہ ہو +

غریب تصوف کو بھی آجکل بے شمار حریفوں کا سامنا ہے۔ قرن اول سے آجتک صوفیوں اور تصوف کے اتنی بے شمار اور لاتعداد دشمنوں کا کبھی مقابلہ پیش نہ آیا تھا جتنا آجکل ہے +

پالیٹکس کی تیز نظریں اسکو اور اسکی مرکزیت کو گھور گھور کر دیکھتی ہیں۔ تمدن کی دنیا پرست خواہشات کو اس سے عداوت ہے۔ طبائع کی مائل بہ گناہ آزادیاں بھی کسی چیز کو خلجان حریت پاتی ہیں تو وہ تصوف ہی ہے۔ کیونکہ تصوف ایک فلسفہ کی حیثیت بھی رکھتا ہے سادی مذہبیت کو تو وہ خلاف عقل کہکر اڑا جاتی ہیں مگر تصوف سے چھٹکارا نہیں ملتا۔ اسمیں ان کی عقلی گرفت کے جنجال بھی پائے جاتے ہیں +

مگر اس صدی نے سب سے زیادہ عملی اور حرکت کناں حریف ایک اور پیدا کیا ہے جس کی ہر ضرب صوفی کے سینے پر پڑنا چاہتی ہے۔ اس حریف کی پیدایش ایک ایسے خطہ میں ہوئی ہے جسکو اب تک تو پنجاب کا ایک قصبہ قادیان کہتے ہیں مگر جو عنقریب

سائنس شناس فلاسفروں کی کونسل

کے غور و خوض کرنیسے چند غیر معمولی گیسوں اور نو دریافت دھاتوں کا مرکب ثابت کیا جائے گا۔ اور عقلی دلائل اور مادی براہین اس خاکستانی تودہ کو آسمان۔ سورج۔ مریخ۔ اور تمام کرہ جات علوی سے جداگانہ ساخت کی ہستی بیان کریں گی۔ اور خلقت ایمان لائیگی کہ سورج میں جو جو گیسیں اور قوتیں دریافت ہوئی ہیں قادیان میں روز ازل سے موجود تھیں۔ مریخ کی جدید و قدیم تحقیقات جو جو عجائبات اسکی اندرونی و بیرونی جسامت میں محسوس کرتی ہے۔ قادیان میں اس سے کروڑوں حصہ زیادہ عجائب و غرائب پائے جاتے ہیں۔ قدیم زمانہ کے عامل آتش یا مریخ کے اعمال پڑھتے پڑھتے تھک گئے مگر کامل تسلی کاری کی تسخیر انکو میسر نہ آئی۔ قادیان نے چند چاپے کے کا غذات کو جنبش دیکر

مریخی مقتل خانہ ہر آنکھ کے سامنے رکھدیا۔ عبداللہ آتھم - لیکھرام - اور ہندوستان کے تمام طاعونی مُردے اسی مریخانہ قوت کا شکار ہوئے - یورپ میں لاکھوں انسان اسی غیبی تیغ نے حلال کرڈالے ۔

قدر جدید کی اختراعات باوجود اسکے کہ انسانی عقول کو حیران کرنے والی ہیں لیکن قادیانی ایجادوں کے آگے اِنکی کوئی قدر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یورپ کی ایجادیں عقل انسانی کو تعجب میں ڈالتی ہیں اور قادیان کی ایجادات عقلوں کو سلب کرلیتی ہیں ۔

قادیان جب ضلع گورداسپور میں نصب کیا گیا ہوگا تو عجب نہیں کہ اس زندہ دل خطہ نے خدا سے پناہ مانگی ہو۔ اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر کہا ہو کہ الٰہی مجھ میں اس بار امانت کے تحمل کی سہار نہیں۔ کیونکہ یہ تیری قدوسیت اور تمام ملکوتی صفات کے برعکس محض جبروتی و جلالی و قہاری شان کا ظہور معلوم ہوتا ہے ۔

اس قادیان نے پہلے دن شربت کا (یا چھاچھ کا) پیالہ لیکر پان کا بیڑا ہاتھ میں لیکر قسم کھائی تھی کہ میں ہندوستان کے صوفیوں کا بیج کھو کر رہونگا - اور ساری عمر تصوف اہل تصوف کی تباہی و بربادی میں صرف کردونگا ۔

سب سے پہلے قادیان نے جبکہ اُسکو یہ یقین ہوا کہ وہ معمولی خاک کا پتلا نہیں ہے بلکہ آسمانی ریڈیم کی ایک شعاع ہے پکار کر کہا کہ صوفیوں کی بیعت گمراہی ضلالت کی بیعت ہے۔ قادیان میں آؤ اور مجھ سے بیعت کرو کہ میں ایک ایسی بارود کا مجموعہ ہوں جس میں ہندوستانی اوتاروں کا کوئلہ۔ شاہی انوار کی گندھک اور حجازی کمالات کا شورہ ہے۔ جو مجھ سے بیعت نہ کرے گا اُسکو میں بددعا کا شتابہ لگا کر اڑادونگا ۔

اس پکار کا جواب لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ افراد نے دیا۔ اور بیچارے ریڈیم کی ڈبیہ میں اسیر قفس ہو گئے۔ بس یہ کیا تھا - قادیان کی جرأت بڑھ گئی۔ اور اُس نے لگاتار حملے تصوف پر شروع کردیئے - وہ دن ہے اور آج کا دن وہ یورش برابر جاری ہے

حالانکہ قادیان نے باعتبار ایک صفت اوتاری کے کئی چولے بدلے۔ اور دو جسم جناترا کے اس زمین پر حسنتم ہوئے۔ مگر صوفیوں کی بیخکنی کا جو کلام شروع کیا گیا تھا اُس میں کمی نہ آئی

راج کنور کی پستک

قادیانی مہاراج کے کنور میرزا محمود کو جب سے راج تلک ملا ہے وہ بھی اپنے مجب آتما پتا کے قدم بقدم صوفیوں پر بان (ہندوؤں کا ایک آتشی تیر) مارنے میں کمی نہیں کرتے ابھی حال میں اُنہوں نے ایک پستک شائع کی ہے۔ جسکا نام ذکر الٰہی رکھا ہے +

قادیان نے اس کتاب کے ساتھ حسن نظامی کو ایک خط بھی بھیجا ہے کہ ذرا اسپر ریویو کرتے وقت مذہبی تعصب کو دخل نہ دیجئے گا +

حسن نظامی نے دل سے پوچھا۔ تجھ میں تعصب ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ جس دل میں وحدت و یکتائی کا دریا بہتا ہے۔ وہاں تعصب کی غلاظت جم ہی نہیں سکتی۔ البتہ کلام ربانی کی ہدایت ہے کہ آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ کان کا بدلہ کان۔ اگر کوئی شخص بے تعصب صوفی کے ایک طمانچہ مارے گا تو وہ حضرت مسیح کے ارشاد پر عمل کرنے کو دوسرا رخسار اُسکے آگے نہیں کرے گا کہ اسکو بھی نواز دیجئے۔ بلکہ حکم قرآن کے بموجب بہت شائستگی سے تول کر۔ اور پورے انداز سے اسی قسم کا جچا تُلا تھپڑ جواب میں پیش کرے گا۔ اور ثابت کرے گا کہ مردِ مسلم کمزور مار کھانے کی نشانی نہیں ہے +

نعوذ باللہ (بعقیدہ اہل انجیل) میرزا محمود صاحب مسیح موعود کے فرزند ہونے کے اعتبار سے خدا کے پوتے کی حیثیت میں زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ حسن نظامی یا کسی بندہ کی طاقت نہیں جو اُنکے کلامِ الٰہی کی تنقید کرے۔ البتہ ذکر لا الٰہ کی تلقین ہے کہ معبودانِ باطل کو "لا" کہکر مٹا ڈالو۔ اسواسطے میں نام نہاد کتاب ذکر الٰہی پر "لا" کا قلم اٹھاتا ہوں۔ اور اُن کی موہبت باطلہ کو نفی کرکے الا اللہ کا رنگ جماتا ہوں تاکہ ذکر نفی اثبات کی حقیقت قادیان کے بلند آسمان اور پست از زمین طبقہ تک پہنچ جائے +

زبان و عبارت

باعتبار زبان و عبارت کے یہ کتاب قادیانی طول کلامی کا ایک مکمل نمونہ ہے ۱۴۶ صفحہ کی کتاب پر ۸۶ صفحوں کی توصیف تمہید ہے جس سے کتاب کی انشاپردازی بخوبی معلوم ہو سکتی ہے +

ادب انجیل کی اشاعت

قادیان ہمیشہ دعوے کیا کرتا ہے کہ وہ عیسائیت مٹانے کو پردۂ نمود پر آیا ہے مگر اس نے عیسائیت کے ایک نقطہ کو بھی کتاب دہرے دُور نہ کیا البتہ انجیل کے طرز ادب کو اُردو زبان میں خوب رواج دیدیا - ہر سلیم الفطرت شخص غور کر سکتا ہے کہ قادیانی کتابوں - اخباروں - رسالوں کی زبان اردو ترجمۂ انجیل کے قدم بقدم استعمال ہوتی ہے وہی محاورے ہیں - وہی پیرایۂ ادب ہے - وہی بندشیں ہیں - وہی مبتدا اور اس کی خبریں ہیں - گویا جناب مسیح موعود اصل انجیل کے مردہ لٹریچر کو اردو زبان میں زندہ کرنے کو مبعوث ہوئے تھے - اس کتاب ذکر الٰہی میں بھی وہی انجیلی طریقہ برتا گیا ہے - اور کوئی سطر اس مرض کی ادایگی سے قاصر نظر نہیں آتی +

دوسری بات طول کلامی بھی قادیانیوں کا شیوہ خاص ہے جو مطلب ایک فقرہ میں آسکتا ہو اسکو یہ فرقۂ مقدس پورے ایک رسالہ میں ادا کرتا ہے جسکو پڑھتے پڑھتے متلی ہونے لگتی ہے +

علم ادب سے بے بہرہ لوگ جناب میرزا غلام احمد صاحب مرحوم کی عبارت پر بہت واہ واہ کیا کرتے ہیں - مگر ان کی کتابوں میں بھی طول کلامی کے سمندر لبریز نظر آتے ہیں جن کا نہ ادہر کا کنارہ دکھائی دیتا ہے نہ اُدہر کا +

میرزا محمود صاحب کی کتاب ذکر الٰہی ایک عجوبہ داستان ہے - ۸۶ صفحہ تک تو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ حضرت اقدس علیہ کیا ارشاد فرمانا چاہتے ہیں - عبارت خبط - فقرے بے جوڑ

ترکیبیں غلط۔ اور زبان کی خوبی تو بس سر دُھننے کے قابل ہے۔ خدا ہر اُردو پسند شخص کو اس آسیبی زبان کے مطالعہ سے بچائے جو ذہن کو ۵ منٹ میں کُند کر دیتی ہے۔ اگر جناب میر دہلوی (نامی شاعر) زندہ ہوتے تو یقیناً ایک ایجی ٹیشن ہوم رول کی جدوجہد سے زیادہ اس قادیانی زبان اُردو کے خلاف برپا کرتے۔

فرشتوں کی قادیانی شکل

تمہید پر تنقید کرنا بڑے دل گردے والے کا کام ہے۔ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس لایعنی اور بے جوڑ عبارت کا ذکر الٰہی کی بحث سے کیا تعلق ہے۔ لہٰذا میں صرف اصل مضمون ذکر الٰہی پر کچھ لکھنا مناسب سمجھتا ہوں لیکن پہلے ایک لطیف واقعہ سننے کے قابل ہے کہ فرشتوں کی شکل بھی قادیانی ہے۔

اس جدید دریافت اور عجیب انکشاف کی حقیقت یہ ہے کہ جب جناب میرزا محمود احمد صاحب ذکر الٰہی کا لکچر دے رہے تھے تو آپ نے فرمایا۔

"فرشتوں کا آنا کوئی خیالی بات نہیں بلکہ یقینی ہے۔ میں نے خود فرشتوں کو دیکھا ہے اور ایک دفعہ تو بہت بے تکلفی سے باتیں بھی کی ہیں"

اس بیان کو سنکر (کتاب میں لکھا ہے) ایک شخص نے حاضرین میں سے سوال کیا کہ جن فرشتوں کو آپ نے دیکھا ہے ان کی شکل کیا تھی؟

یہ سوال معلوم نہیں مومنین قادیان کے کسی فرد کا تھا۔ یا کسی مومن آسمان کو یہ جرأت ہوئی تھی۔ قادیانی مومن کے دل میں شاید اسوقت منافقت پیدا ہو گئی ہو گی جو اس نے حضرت کے سلسلۂ کلام میں یہ بھی خلل ڈالا اور یہ خیال نہ کیا کہ دیکھنے والے اور سننے والے باپ کا بیٹا سب کچھ دیکھ سکتا ہے اور سب کچھ سن سکتا ہے۔ آسمان کا دروازہ قادیان کے رخ بند نہیں ہوا ہے۔

بہرحال اس سوال کا جواب جناب میرزا محمود احمد صاحب کو بن نہ پڑا اور انہوں نے اپنی

موعود فی حکمت عملی کے پیرایہ میں یہ ارشاد فرمایا :-

"فرشتوں کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں اور میں نے انکو مختلف رنگوں میں دیکھا ہے۔ اور بعض کے تو ایسے رنگ تھے جو دنیا میں ہیں ہی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ فرشتے اپنی اصل شکل میں انسان کو دکھائی نہیں دے سکتے۔ اس لیے وہ کبھی کبھی انسان کی شکل میں اور کبھی کسی اور شکل میں نظر آتے ہیں"۔

اس سوال و جواب کی نوعیت ایک جداگانہ مضمون لکھنے کی طلبگار ہے۔ تاہم اختصار کے ساتھ پوچھا جا سکتا ہے کہ سائل کے سوال کا جواب میرزا صاحب نے کیا دیا۔ جن فرشتوں کے رنگ کی مثال دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی صورت کا سوال ہی عبث ہے۔ انکو تو میرزا احمد جانیں۔ یا اُنکے والد ماجد۔ البتہ یہ دریافت طلب امر ہے کہ جن فرشتوں کے رنگوں کی مثال دنیا میں ہے۔ وہ کس شکل کے ہوتے ہیں۔ کالے ہندوستانی یا گورے یورپین۔ یا زرد چینی جاپانی۔ یا سیاہ خام افریقی ؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ سے انسان کی شکل میں ملاقات ہوتی تھی یا اُس بلیغ اور حیران کرنے والی کسی اور شکل میں۔ جسکا بھید قادیان کے حرم محترم کے بام نشین کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

کتاب ذکر الٰہی میں مذکور نہیں ہے کہ سائل نے اس جواب کے بعد سکوت کیا یا کچھ اور پوچھا اسلیئے مجکو اس استفسار کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ جناب میرزا محمود احمد صاحب (ثمن) نے ان فرشتوں سے کس زبان میں باتیں کی تھیں۔ پنجابی میں۔ یا اپنی قادیانی اُردو میں۔ یا یورپ و ایشیا کی کسی دوسری زبان میں۔ یا اُس عبرانی میں جو مفتی محمد صادق صاحب نے انکو سکھائی تھی یا آپکے والد ماجد نے آپ کو ملکوتی زبان کا عرفان بھی ورثہ میں عطا فرمایا تھا۔

جناب میرزا صاحب مرحوم سے تو خدا تعالیٰ عربی۔ انگریزی۔ روسی۔ ہندی۔ فارسی میں

ملے حسب قاعدہ تخفیف قادیان کا مخفف قو ہے جیسے علیگڑھ کا علیگ۔

بعض اوقات نامفہوم زبانوں میں کلام فرمایا کرتا تھا۔ اسواسطے ہم بندگان سبک زبان کو از حد خواہش ہے کہ فرشتوں کی زبان کا علم حاصل کریں۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جناب میرزا محمود سے فرشتوں نے اردو میں بات چیت کی تو فوراً انجمن ترقی اردو کے فیوضِ من قابل زینت سکرٹری مولوی عبدالحق صاحب بی اے کو مجبور کیا جائے کہ وہ کم از کم برائے الفت اردو۔ قادیانی وحی قبول کریں۔ کیونکہ قادیان نے اردو کی فوقیت کا ایک نیا آسمانی ثبوت مہیا کیا ہے۔

ایڈیٹر مخزن کو بھی لکھا جائے کہ آئندہ وہ اپنے رسالہ کے سرورق پر یہ بھی لکھا کرے (اتنے کروڑ اردو بولتے ہیں۔ اتنے کروڑ اردو سمجھتے ہیں۔ اتنے کروڑ میں اردو کا رواج ہے۔ اور ان گنت فرشتوں کی تو مادری زبان اردو ہے)۔

ذکر الٰہی کی بحث

اب کتاب کے اصل مضمون کی بحث ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے مضمون ہذا کے عنوان اور تمہید کا خیال کر لینا چاہیئے کہ وہاں تصوف کے حریفوں کا شمار شروع کیا گیا تھا اور قادیان کی ابتدائی عداوت صوفیائے کرام کو اشاعۃً بتایا تھا۔

ذکر الٰہی کا لکچر بھی جناب میرزا محمود احمد صاحب نے اسی دیرینہ عداوت کے اصول پر دیا ہے۔ ایکے والد ماجد علیہ الغفران یا خلد آشیاں یا خاک مکاں یا بہشتی مقبرہ کے میزبان۔ (کیونکہ وہ مردہ مہمانوں کو پانسو روپیہ فیس لیکر قبروں کے مہمان خانہ ہوٹل میں ٹھیرایا کرتے تھے) نے ساری عمر صوفیوں پر حملے کیے اور انکی پیری مریدی چھین کر اپنے قبضہ میں کرنی چاہی مگر بدقسمتی سے ناکام دنیا سے سدھارے۔ صاحبزادہ صاحب صوفیوں کے ذکر شغل کی بنیاد کھودنی چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ۲۸۔ دسمبر ۱۹۱۶ء کے جلسہ میں جو قادیان میں ہوا تھا ذکر الٰہی کے عنوان سے ایک مہمل تقریر فرمائی تھی جو اب ایک کتاب کی صورت میں شائع ہوئی ہے اس ساری تقریر کا مقصود اصلی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مشائخ صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم کے ہاں جو ذکر شغل ہوتا ہے وہ بدعت ہی خلاف اسلام ہے۔ اور سراسر مخالف قرآن ہے۔ میرزا

محمود احمد قادیانی کو بھی باپ والد ماجد کی طرح شائستہ بولنے اور لکھنے کی لیاقت نہیں ہے اس لیے انکی یہ تقریر صدر جلسہ نامدار تمام غیر مہذب ہے۔ انہوں نے ذکر اللہ کے نتائج کو بھنگ افیون اور کوکین کے نشوں سے مشابہت دی ہے۔ اور المرء یقیس علی نفسہ (آدمی اپنی حالت کا دوسروں پر قیاس کیا کرتا ہے) کے اعتبار سے اپنے مخفی حالات کو (غالب) مثالوں میں پیش کیا گیا ہے ۔

ان کا دعویٰ ہے کہ تلاوت قرآن کا اثر بے ہوشی اور خود فراموشی نہیں ہے جو وجد و حال کے نام سے صوفیوں میں مروج ہے ۔

تعجب تو یہ ہے کہ اس مغل زادے نے چند آیات قرآنی بھی ثبوت میں پیش کی ہیں اور یہ نہ سمجھا کہ یہی وہ آیات ہیں جن سے ابن المغل کا تمام منصوبہ نابود ہو جائے گا کیونکہ ان میں صوفیوں کے وجد و حال کا علانیہ ثبوت پایا جاتا ہے ۔

خدا کی شان وہ مغل بچہ جسکے اجداد نے خلافت اسلامیہ کو بغداد میں زیر و زبر کر دیا جنکی تلواروں سے اکابر سادات و علماء و مشائخ لاکھوں کی تعداد میں شہید ہو گئے جنھوں نے قرآن کی جسمانی و روحانی سلطنت کو شدت کفر میں ملیا میٹ کر دینے کی کوششیں کیں آج قرآن کا عارف بنتا ہے اور تبلیغ قرآن کے لیے اپنی اس ہستی کو جس میں مسلم کش اور قرآن پاش مغلوں کا خون گردش کر رہا ہے سامنے لاتا ہے ۔

حیف ہے ان اشخاص کی عقلوں پر جو دشمن قدیم خاندان کے عرفان قرآن پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اسکی نفسانی خواہشات کی آلودہ تاویلوں کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں ۔

ذرا دیکھئے فرزند مغل ابن مغل۔ ابن مغل ذکر الٰہی کے خلاف کیا ذر افشانی فرماتے ہیں ساری عبارتوں کا نقل کرنا تو محال ہے کہیں کہیں سے اقتباس کر کے نمونہ اس تقریر کا پیش کیا جاتا ہے جو مغل زادے صاحب نے ذکر الٰہی پر فرمائی تھی۔ پہلے تو گریٹ مغل مرزا غلام احمد صاحب کے الفاظ نقل کیے ہیں جسمیں انہوں نے حضرات صوفیائے کرام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے ۔

تمہارے طوطے کی طرح وظائف پڑھنے کا کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔"

اس جملہ پر گریٹ منل کے نیچے صاحب یعنی میرزا محمود (قن) یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں:۔

"اس طریق سے حضرت مسیح موعود نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے

اور حق واقع میں یہ لوگ مذمت ہی کے قابل تھے"۔

اسکے بعد جناب میرزا محمود احمد صاحب (قن) یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ذکر اللہ کو ان صوفیا اور گدی نشینوں نے ایسے رنگ میں استعمال کیا کہ

بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا دیا۔ اب ذکر اللہ کیا ہے کہ دل سے آواز نکال کر سر تک

لیجائی جائے۔ اور اس زور سے چنیا جائے کہ سارے محلہ پر آرام حرام ہو جائے

اسکو وہ قلب پر ضرب لگانا کہتے ہیں۔ گویا انکے نزدیک دل ایسی چیز ہے

کہ جس میں لاالہ الا اللہ کو زور سے گھسیڑا جاتا ہے"۔

اسی بحث میں دوسری جگہ ذکر الٰہی کی لذت کی نسبت فرماتے ہیں:۔

"وہ لذت ایسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ افسیم، کوکین یا بھنگ پی کر حاصل

ہوتی ہے ..... اگر رام رام بھی کہیں تو بھی ویسی لذت محسوس ہو"۔

اسکے بعد قرآن شریف کی آیات پیش کر کے فرماتے ہیں:۔

"قرآن کریم سے جو ذکر الٰہی کرنے کی حالت معلوم ہوتی ہے۔ اس میں یہ کہیں نہیں کہ

ذکر الٰہی کرتے ہوئے غشی آجاتی ہے۔ اور بیہوشی طاری ہو جاتی ہے یا سننے والے سر ہلانا یا

اچھلنا شروع کر دیتے ہیں"۔

ذکر الٰہی کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ

قُلُوْبُهُمْ (الانفال) پھر فرماتا ہے تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ (الزمر) پھر ارشاد ہے۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ

الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا (مومنین جب ذکر الٰہی کرتے ہیں تو انکے دل ڈر جاتے ہیں

اور ذکر الٰہی سے ان لوگوں کو یہ بیداری آنے لگتی ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ پھر انکی کھالو اور دلوں (جسمانی و باطنی حالتوں) میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے + جب ان کے سامنے خدا کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدے کرتے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں +

حضرت ابن المغل مولانا میرزا محمود احمد صاحب (قن) ان آیات مقدسہ پر یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں:-

اگر ناچنا کودنا۔ بیہوش ہونا۔ اور نعرے چیخنا بھی ہوتا تو خدا تعالیٰ انکو بھی بیان کر دیتا۔ اور فرما دیتا کہ مومن وہ ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو اپنے کپڑے پھاڑ کر پرے پھینک دیتے اور کودتے اور شور مچانے لگتے ہیں۔ الٹے لٹک کر سر ہلانا اور حال کھیلنا شروع کر دیتے ہیں" +

حضرت مغل زادے صاحب کو اگر حقائق قرآنی کے فہم سے ذرا بھی بہرہ ہوتا تو اہل الذکر کی شان میں یہ گستاخیاں ہرگز نہ فرماتے۔ کاش انسے کوئی پہلے کہہ دیتا کہ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ (اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم کو معلوم نہیں ہے) انہوں نے جن الفاظ کریہہ سے اولیائے کرام کے وجد و حال کا مضحکہ اڑایا ہے وہ اگرچہ ان کا نسلی ورثہ ہیں تاہم انکی ظاہری شان کے شایاں نہ تھے +

جن فقروں میں صوفیوں کے حال کی تصویر دکھائی ہے وہ سراسر غلط ہیں یا محض آزار دہی کی نیت سے لکھے گئے ہیں۔ صادق اہل حال کی یہ کیفیت نہیں ہوا کرتی۔ چند بناوٹی لوگوں کی حالت سے تمام صوفیائے کرام پر عمومی قیاس کر لینا اور بے محابا حملہ کر بیٹھنا مغل زادے ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ گر پڑنا۔ رونا۔ بیقرار ہو جانا۔ دل و جسم کا اثر قبول کرنا تو الٰہی آیات سے ثابت ہے۔ جنکو مردہ مسیح کے زندہ بچے نے پیش کیا ہے۔ خَرُّوا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ یہی کہ وہ روتے ہوئے سجدے کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ سجدہ نماز

مراد ہوتا تو خرّوا کا لفظ نہ آتا۔ گرنا اور حالت بکا میں گرنا ایک بے اختیارانہ حالت کو نمایاں کرتا ہے۔ جس سے بیہوشی ظاہر ہے۔ کیونکہ ہوش وحواس کی سلامتی کسی انسان کو گرنے نہیں دیتی۔ اور اس سے وہ سکون ثابت نہیں ہوتا جسکا ابن المغل نے اس آیت کا ذکر بیان کیا ہے ابن المغل نے وجل اور اقشعرار (ابن المغل نے اسکو اقشرار لکھا ہے) اور لینت کے معنی سکون کے لکھے ہیں کاش اُنکے والد ماجد زندہ ہوتے۔ اور اپنے لخت جگر کی عربی دانی کو دیکھکر اسکو چھاتی سے لگا کر پیار کرتے۔ اور کہتے کہ ہاں بیٹا سچ کہتے ہو۔ وجل (خوف) اقشعرار (رونگٹے کھڑے ہوجانا۔ پھریری آنا) اور خروا سجدا وبکیا کے معنی سکون۔ تم نے خوب ہی پیدا کیے ہیں۔ علم الاجسام وعلم الاعصاب وعلم الاحساس کا حق ادا کردیا۔

میں ابن المغل صاحب کی تشریحات پر لغاتی گفتگو کرنے سے یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ احوال رسول ع وصحابہ رض واولیاء رح پیش کردوں جو مولانا قن کی دلیل سکون کو ساکن کردے۔

ابن المغل قن صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن پڑھنے اور سننے سے بیہوشی نہیں ہوتی۔ حالانکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب یہ آیت پڑھی گئی اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا تو آپ بیہوش ہوگئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شیبتنی سورۃ الھود (سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کردیا) اور ظاہر ہے کہ انقلاب احوال سکون سے نہیں ہوا کرتا۔

اور روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو آپکے سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی تھی جیسے ہنڈیا پک رہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک دفعہ کسی شخص نے یہ آیت پڑھی اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ مَا لَہٗ مِنْ دَافِعٍ۔ تو آپنے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوکر گر پڑے اور لوگ آپ کو اٹھا کر مکان پر لائے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی قاری سے یہ آیت سنی ھٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ تو آپ کو غش آ گیا +

حضرت ابو جب یہ تابعی کے سامنے حضرت صالح مری نے تلاوت قرآن کی۔ اور وہ چیخ مار کر گر پڑے۔ اور انتقال ہو گیا +

حضرت علی بن فضیلؒ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تو غش کھا کر گر پڑے +

حضرت جنید بغدادی رحمہ نے حضرت سری سقطی کی خدمت میں ایک شخص کو بیہوش دیکھکر حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ قرآن کی کوئی آیت سن کر غش آ گیا ہے +

حضرت بکر بن معاذ رحمہ نے یہ آیت سنی وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ۔ تو انکو غش آ گیا +

غرض اس قسم کے بیسیوں واقعات آثار صحابہ رضوان و احوال اولیاء رحمہ میں مذکور ہیں اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے انکو احیاء العلوم کے آٹھویں باب سماع میں لکھا ہے اور میں سے یہ چند حالات میں نے نقل کیے ہیں +

صوفیوں کا طریق ذکر

مرزا محمود احمد صاحب قن نے اعتراض کیا ہے کہ حضرات صوفیائے کرام میں جو طریقے ذکر شغل کے جاری ہیں وہ خلاف اسلام ہیں۔ اور بدعت ہیں۔ اور اُن سے جو تاثیرات ظاہر ہوتی ہیں وہ بھنگ اور کوکین کی لذتوں کی مثل ہیں۔ اس بیان میں جیسے جیسے مبالغے اور مغالطے انہوں نے استعمال کیے ہیں وہ تو انہی کو مبارک رہیں۔ البتہ ان کے اعتراض کا جواب دینا ضروری ہے کہ صوفیوں کا طریق ذکر خلاف اسلام نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد قرآن شریف میں ہے فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (جب تم نماز ادا کر چکو تو ذکر الٰہی کرو کھڑے ہو کر بیٹھ کر۔ اور لیٹے پہلوؤں پر) حضرات صوفیائے کرام اسی آیت کے مطابق کھڑے ہو کر۔ بیٹھکر اور پہلوؤں پر

ذکر کرتے ہیں۔ جنوبؔ کے لفظ سے ذکر قلب صاف ظاہر ہے۔ کیونکہ قلب پہلو میں ہے۔ قیامؔ قعودؔ کے ذکر کے بعد جنوبؔ کے ذکر کو مخصوص طور سے فرمانا اس بات کو صاف کرتا ہے کہ ذکر قلب کی تخصیص ضروری ہے۔

اب رہا یہ امر کہ صوفیوں کی موجودہ مراسم ذکر اور طریقے جن پر اعتراض کیا جاتا ہے اور انکو بدعت بتایا جاتا ہے۔ کیونکر ثابت ہوئے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اذکار کے بیسیوں طریقے احادیث میں مذکور ہیں اور ایسی کوئی حد موجود نہیں ہے جس سے ایک مخصوص حالت کا حصر ہو سکے۔ ذکر خفی کے جو طریقے صحابہؓ اور آنحضرتؐ کے معمولات میں تھے۔ انکی تصویر فوٹو کے ذریعہ کسی نے نہیں اتاری تھی جو یہ دعوےٰ کیا جا سکے کہ وہ نفی اثبات یا پاس انفاس کے اشغال اور طریقوں سے کرتے تھے۔ اور صوفیوں نے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے یہ بہرحال ثابت ہے کہ آنحضرتؐ اور تمام صحابہؓ حکم ذکر کی تعمیل فرماتے تھے۔ اور انہوں نے سوائے فرائض کے دیگر امور عبادت کی کوئی مخصوص ہیئت مقرر نہیں فرمائی ہے اس لیے سرحاہد اور ذاکر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے جسم و اعصاب کو خشیۃ اللہ متاثر کرنے کیلئے ذکر کی کوئی ہیئت مقرر کرلے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج جسمانی کی ہدایات بھی تلقین فرمائی ہیں اور بعض ادویات مسلمانوں کو بتائی ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان معالجوں اور دواؤں کے سوا اور کسی دوا اور علاج میں تاثیر نہیں ہے کیونکہ حضورؐ نے اپنے فرمودہ پر کلیتہً حصر نہیں کیا تھا۔ اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ ان علاجوں کے سوا تم کسی علاج یا کسی دوا پر یقین نہ کرنا۔ آپ کا سکوت یہ ظاہر نہیں کرتا کہ بعد میں علم طب نے جو ترقی کی ہے اور جدید طرز کے علاج نکلے وہ بدعت ہیں۔ اگر یہ بدعت ہے تو مولانا قن کے والد ماجد اور سے خلیفہ اول حکیم نور الدین صاحب مرحوم (قن) سب سے بڑے بدعتی تھے جو خلاف سنت معالجات

کیا کرتے تھے۔

اس طرح جسمانی علاج کے خود ساختہ طریقوں کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح صوفیوں کی ہیئت ذکر کو بھی بدعت کہنا غلطی ہے۔ وہ بھی مطالعہ نفس بعد مشاہدہ جسم سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کامل صوفیائے کرامؒ نے جسم انسان کے درجات و کیفیات کا عرفان حاصل کر کے خاص خاص اعصاب اعضا پر ذکر الٰہی کی ضرب لگانا مفید سمجھا ہے۔

میرزا محمود احمد (قن) اگر اسکو بھنگ کا نشہ کہتے ہیں تو انکو چاہیئے کہ ٹھیکہ داران آبکاری سے سر جوڑ کر ماتم کریں۔ کیونکہ صوفی ذکر سے بھنگ، شراب و کوکین کا نشہ حاصل کرینگے تو نشہ فروشی کی دکانداری مات ہو جائے گی۔ اور پھر جناب قن صاحب کو چندہ دینے میں ٹھیکہ داروں کو مشکلات پیش آئیں گی۔

چونکہ مضمون کو ایک ہی اشاعت میں شائع کرنا مقصود ہے اسواسطے یہ سرسری ریویو کر دیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو اس کتاب ذکر الٰہی کے دیگر خرافاتی و ہفواتی اقوال پر آئندہ فدا اور تفصیل و وضاحت سے گفتگو کی جائے گی۔

امید ہے کہ قادیان شریف اور اسکی تجارتی کتاب کو میرے اس ریویو سے خاص شہرت حاصل ہوگی۔ اور یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے اپنے قدیمی مسلک سکوت کے خلاف قادیان کے ملا اصلی سے اسطرح خطاب کیا لیکن یقین ہے کہ اب میری مثال تمام سجادہ نشین صوفیائے کرام کو آمادہ کرے گی کہ وہ قادیانوں کی زیادتیوں کو معاف کرنا چھوڑ دینگے۔ جیسے کہ میرے شیخ الطریقت حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب ظلہ العالی نے چشتی سیف سے قادیان کے ہولناک کان کو دم فرمایا تھا۔

میرزا قن کو چاہیئے کہ وہ اپنی عادت کو نہ چھوڑیں اور والد ماجد کے قدم بقدم چلتے رہیں کیونکہ یہی روش مجھ جیسے سوئے صوفیوں کو قادیانی عداوت کے خطرہ سے آگاہ کریگی۔

حسن نظامی

تصوف اور اسلام

اگرچہ زمانہ حاضرہ میں تصوف کی اسقدر گرم بازاری ہے کہ بچہ بچہ اس سے واقف اور اسکے ہمہ گیر اور عام اثر سے متاثر ہے۔ تقریبًا دنیا کی دو تہائی آبادی صوفی مشرب ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ صحیح طور پر واقف و متاثر ہے۔ یا خاصۂ اجتماعی کی بناپر غلط طریقہ پر ہے۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تصوف کی ہمہ گیری نے اس دور مادی میں بھی وہ رسوخ و اثر حاصل کرلیا ہے کہ دنیا کا کوئی عقیدہ کوئی طریقہ اور کوئی مشرب اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

ہم اسوقت اسکے عام اثر اور ہمہ گیر قبولیت سے اسکے استحسان پر استدلال نہیں کرینگے۔ اسلیئے کہ ہم اس امر سے بیخبر نہیں ہیں کہ کسی امر کی قبولیت عامہ اس کے مستحسن ہونے کی معقول دلیل نہیں ہوسکتی۔ مگر اسکے ساتھ ہی اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دنیائے اسلام پر تصوف اور اہل تصوف کا جسقدر احسان ہے۔ اس کی شکر گزاری سے عالم انسانیت سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

اس فن یا اس علم کے حسن و قبح کے متعلق اولاً آپ کو خود اس فن کا مطالعہ کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہیئے کہ اسمیں تو کوئی قبح نہیں ہے جس سے انسانی دنیا کو کچھ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اسکے بعد اسکے آثار و نتائج دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیسے نکلے۔ اگر مفید ہوں تو امر زیر بحث کے مفید و نافع ہونے میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور اگر اسکے برعکس نتائج برآمد ہوں تو دیکھنا چاہیئے کہ آیا نفس امر زیر بحث ہی کا یہ خاصہ ہے یا عوارض خارجہ نے نتائج کو غیر مفید و غیر مطمئن بنا دیا ہے۔ تصوف کے متعلق اس طریقہ پر اگر آپ غور کرینگے تو شاید با آسانی آپ کسی مطمئن نتیجہ تک پہنچ سکیں۔

جہانتک خالص علم یا فن تصوف کا تعلق اِسکے حسن یا قبح سے ہے۔ غالبًا کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ بنا فاسد ہے۔ اسکی تمام غرض نمایت اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ اخلاق حسنہ کو تجلی اور ذمائم اخلاق کو دور یا ایسی معتدل حالت پر لایا جائے کہ ایک انسان اعلیٰ صفات وخصائل کے ساتھ پاکیزہ زندگی بسر کرنے۔ اسکے قواعد و قوانین تمام تر اسی اصل پر مبنی ہیں۔ رہے اسکے نتائج جو اُس تحریک سے نکلے اور شائع ہوئے۔ اسکی نسبت تاریخ سب سے بہتر شاہد عادل ہے۔ اسلام اور دنیا کے اسلام کو جسقدر اِس سے فائدہ پہنچا ہے تاریخ کے صفحات اِس سے بھرے پڑے ہیں۔ چین و ہندوستان میں جو مسلمان صورتیں آج نظر آ رہی ہیں وہ اُنہی نفوس قدسیہ کے انوار باطن کے نتائج حسنہ ہیں جو آج بھی متصوفین کے رکن اعلیٰ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اِسکے علاوہ اِسوقت جس قدر مشاہیر تصوف ہیں اُنکی زندگی کو دیکھو کیسے فضائل حسنہ اور اخلاق حمیدہ سے متصف ہیں۔ انسانیت کے اعلیٰ معیار پر تم کسی کو جانچنا چاہو گے تو شاید اِن قدسی صفات متصوفین سے زیادہ کوئی دوسرا ٹھیک نہ اُترے گا۔ کیا اُنکی پاکیزہ و شائستہ زندگی اُنکے مشرب حقہ کے مستحسن ہونے کی دلیل نہیں ہے؟

دنیا میں کوئی تحریک خواہ کسیقدر نتائج خیز و مفید کیوں نہو یہ ناممکن ہے کہ اُس کے مخالف نہ پیدا ہوں نہیں بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہو گا کہ اِس تماشا گاہ عالم کی کوئی بات اختلاف سے پاک نہیں ہے۔ یہاں تک کہ مشاہدات تک کے لوگ منکر ہوتے ہیں۔ اسیطرح تصوف کی نسبت بھی اگرچہ اوضح دلائل سے اسکا حُسن ثابت ہے مگر چند لوگ اسکے بھی مخالف ہیں جن میں سے ایک گروہ تو وہ ہے جو اِس وجہ سے تصوف کا مخالف ہے کہ اِسکے خیال میں تصوف کوئی مفید چیز نہیں بلکہ اسکے فلاں پذیر اصول و عقائد سے اسلامی قومیت میں اضمحلال پیدا ہو گیا۔ اِسکی وجہ سے مسلمانوں میں قرن اوّل کے سے صفات نہ رہے۔ وہ اولوالعزمانہ خصائل جنسے قومیں ترقی کرتی ہیں فنا ہو گئے۔ بیجا قناعت مذموم توکل اور تباہ کن عجز و انکسار کی تعلیم سے رفتہ رفتہ طبائع میں ایک ایسی دنائت پیدا ہو گئی جس سے قومی ترقی کی روح منتشر کر دی گئی۔

غرضکہ تصوف کی تعلیم انسان کو بالکل ناکارہ اور عضو معطل کر دیتی ہے۔ چنانچہ اسلام کے موجودہ تنزل کو تصوف کا رہینِ منت تصور کرتے ہیں۔ اور موجودہ اہل تصوف کی حالتِ زار سے اسکے مذموم و قبیح ہونے پر استدلال کرتے ہیں +

موجودہ متصوفین کی ردی حالت سے ہمکو انکار نہیں ہو سکتا۔ اسمیں کلام نہیں کہ زمین پر بسنے والوں میں اس فرقہ اور طبقہ سے زیادہ خراب و خستہ اور ردی و ذلیل حالت شاید کسی کی نہ ہوگی۔ مگر ان کی حالت سے اصل تحریک کے قبح پر استدلال کرنا کسی طرح جائز اور قرینِ انصاف نہیں کہلا سکتا۔ اسکی بالکل ایسی مثال ہے جس طرح کوئی منکر اسلام مسلمانوں کی موجودہ خراب حالت سے نفس اسلام کی نسبت فاسد خیالات کا قیاس کرے۔ اہلِ تصوف کی موجودہ روش یقیناً قابلِ اصلاح ہے۔ لیکن اس سے نفس تصوف پر قیاس قائم کرنا صریح غلطی ہے اسکے لیے جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا اعاظم رجال تصوف کے سوانح حیات کا مطالعہ اور خود فن تصوف پر غور و فکر کرنی چاہیئے۔ مشاہیر تصوف کبھی مذموم قناعت اور بیجا توکل کے عادی نہیں رہے۔ اور نہ حوصلہ شکن تعلیم اُنہوں نے دی۔ حضرت عبید اللہ احرار، حضرت نظام الدین اولیاء اور اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جو سقف تصوف کے عمود تھے مگر دولت و ثروت میں بھی مشہور زمانہ تھے۔ اسی طرح یہ الزام بھی سرتا سر غلط ہے کہ اُن کی بیجا قناعت و توکل کی تعلیم ترقی کی روح فنا کر دیتی ہے۔ ان حضرت کی پہلی شرطِ بیعت یہ ہوتی ہے کہ اکلِ حلال پیدا کرو۔ اسی طرح نہایت ریاضت و مشقت بھی اس فن کی نمایاں تعلیم ہے ان حالات کے ہوتے کون کہہ سکتا ہے کہ اہل تصوف تعطل و تکاہل کے ناشر ہیں +

دوسرا گروہ اہل ظواہر کا ہے جو مفید و غیر مفید ہونے سے بحث نہیں کرتا بلکہ وہ صرف اس نظر سے تصوف کو ناجائز کہتا ہے کہ اسکے نزدیک کتاب و سنت سے اسکا اثبات نہیں ہوتا اور قرون نبوت و عہد صحابہؓ میں اسکا ثبوت نہیں ملتا۔ اسلیئے اسکو غیر مشروع سمجھتے ہیں۔ ہمکو اس وقت اسی طبقہ سے بحث ہے +

ارباب ظواہر کے تمام اعتراضات فرداً فرداً رفع کرنا تو اس ایک مضمون میں دشوار ہے کیونکہ اس کے لیئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ لیکن بعض اعتراضات یا اہل تصوف کے بعض ایسے معمولات جن کی نسبت بظاہر کتاب و سنت کی مخالفت کا شبہ پڑتا ہو اُنکی یہاں تصریح ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہم اس مضمون میں بعض اہم امور پر احادیث نبوی سے روشنی ڈالیں گے۔

اگرچہ کتب تصوف بغور مطالعہ کرنے سے خود یہ شبہ رفع ہو سکتا۔ لیکن بعض بزرگوں کی یہ کوشش یقیناً مشکور ہوگی کہ اُنہوں نے اعاظم امور تصوف کے شواہد قرآن و حدیث سے نکالکر علحدہ جمع کر دیئے ہیں۔ اس مضمون میں ہم انہیں سے استفادہ کرتے ہیں۔

ارباب ظاہر شرع سے بیعت طریقت ہی کو بدعت کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو قسم کی بیعت کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک کفار سے جو مشرف باسلام ہونے کے وقت لی جاتی ہے۔ اور دوسری بیعت جہاد۔ تیسری بیعت کوئی نہیں ہے لیکن یہ اعتراض محض اس وجہ سے ہے کہ نظر وسیع نہیں۔ ورنہ محققین صوفیائے کرام کے تمام مراسم کی استناد کتاب و سنت سے ملتی ہیں۔ اس بیعت ہی کے متعلق دیکھیے۔ عن عوف بن مالك الاشجعی قال كنا عند النبی صلی الله علیه وسلم تسعة او ثمانية او سبعة فقال الا تبایعون رسول الله صلی الله علیه وسلم فبسطنا الدنیا و قلنا علام نبایعك یا رسول الله قال علی ان تعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئًا وتصلوا الصلوة الخمس وتسمعوا و تطیعوا واسر کلمة خفیة قال ولا تسئلوا الناس شیئًا فلقد رأیت بعض اولئك النفر یسقط سوط احدهم فما یسأل احدا یناوله ایاه۔ اخرجه مسلم وابو داؤد والنسائی۔

ترجمہ حضرت عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے نو تھے یا آٹھ یا سات آپنے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے رسول سے

بیعت نہیں کرتے۔ چنانچہ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کس بات پر بیعت کریں آپ نے فرمایا۔ اِن امور پر کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اور اُسکے ساتھ شریک نہ کرو پنجگانہ نمازیں پڑھو اور احکام سنو اور تسلیم کرو۔ ایک بات آہستہ ارشاد فرمائی۔ وہ یہ کہ کسی سے کوئی چیز مت مانگو۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے اُن مبائعین میں سے بعض حضرات کی یہ کیفیت دیکھی ہے کہ اگر اتفاقاً چابک گر جاتا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اٹھاکر اُنکو دیدے +

اس حدیث نبوی سے بیعت طریقت کا اثبات ہوتا ہے اس لئے کہ جس بیعت کا ذکر اسمیں ہے وہ نہ تو بیعت جہاد ہے اور نہ بیعت کفار ہے۔ بیعت طریقت کا حاصل اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ مرید سے احکام کی پابندی اور ظاہری و باطنی اعمال کے اہتمام کا معاہدہ کیا جاتا ہے +

اہل تصوف کے ہاں دستور ہے کہ وہ اپنے شیوخ کے احکام کی نہایت سختی کیساتھ پابندی کرتے ہیں۔ اور اس معاملہ میں انتہا درجہ کا غلو اُن کی عادت ہو جاتی ہے اس امر کا ثبوت بھی اس حدیث سے ملتا ہے کیونکہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام کا مقصود صرف یہ تھا کہ کسی سے کوئی چیز طلب نہ کرو۔ مگر صحابہ کرام نے غایت محبت اور کمال لذت سے وہ صورتیں بھی ترک کر دیں جنپر ظاہر الفاظ کا شبہ بھی تھا یعنی اپنی چیز بطور استعانت کے مانگنا بھی چھوڑ دیا +

طلب و سوال کے ترک کو آپ نے چپکے سے ارشاد فرمایا۔ اس سے صوفیائے کرام کی مخفی تعلیم کا ثبوت ملتا ہے جو وہ بعض مریدین کو خاص مصالح کی بنا پر دیتے ہیں +

بعض بزرگوں کا کلام ظاہر عبارت کے لحاظ سے خلاف کتاب وسنت نظر آتا ہے۔ مگر وہ توجیہ سننے کے بعد صحیح اور واقعہ کے مطابق ہوتا ہے۔ اسکی وجہ بیخودی اور غلبہ حال آخر ہوا کرتا ہے۔ اور کسی ایسے کلام سے شیخ کا مقصود یہ ہوا کرتا ہے کہ طالب

شوق بوجہ عدم تعیین معانی کے اور زیادہ بڑہے۔ بظاہر ایسا کلام کرنا خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مگر حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ بازار میں تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا کہ تم کو یہاں دیکھتا ہوں۔ اور مسجد میں رسول اللہؐ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ یہ سنکر لوگ اُدہر چلے مگر واپس آکر کہنے لگے کہ ہمنے تو وہاں کچھ بھی تقسیم ہوتے نہیں دیکھا۔ صرف ایک قوم قرآن پڑہنے میں مصروف تھی۔ آپنے فرمایا کہ یہی تو رسول اللہؐ کی میراث ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا مقصود اس مبہم کلام سے لوگوں کو شوق دلانا تھا۔ چنانچہ سننے پر لوگوں نے اس قول کی تکذیب کی۔ مگر اصل مراد معلوم ہونے پر اس مبہم کلام کا مطابق واقعہ کے ہونا تسلیم کر لیا گیا۔ اور کسی نے توجیہ سُننے کے بعد اس سے انکار نہیں کیا۔

بعض خاندان صوفیائے کرام میں دستور ہے کہ بیعت کے بعد کوئی نام تجویز کر دیتے ہیں جسمیں شاہ وغیرہ کے الفاظ ہوتے ہیں۔ مثلاً افضل شاہ۔ اکمل شاہ۔ رحمت شاہ برکت شاہ وغیرہ۔ اسکی اصل بھی احادیث میں موجود ہے۔ حضرت قیس بن ابی غرزہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہؐ کے زمانہ میں سمار یعنی دلال کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ مگر حضورؐ نے ہمکو اس سے اچھے نام سے موسوم فرمایا۔ اور کہا اے جماعت تاجروں کی (یہ لقب عمدہ بھی ہے) بیع وشرا میں کبھی کبھی غلطی ہو جاتی ہے۔ تم لوگ صدقہ کی آمیزش کر دیا کرو۔ یہ روایت ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ سے منقول ہے۔

یہ بھی بزرگوں کا دستور ہے کہ وہ خطرات ووساوس کے وقت اور جمع خاطر کے لیئے بعض اشغال بتلا دیتے ہیں۔ جس سے طالب کی طبیعت یکسو ہو جاتی ہے۔ اور وہ اطمینان خاطر کے ساتھ مجاہدات میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس کی اصل بھی سُنت سے ثابت ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے نماز کے متعلق وساوس وخطرات کی شکایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ ایک شیطان ہے جسکا نام خنزب ہے۔ جب ایسی کیفیت ہوا کرے تو استغفار کیا کرو۔ اور بائیں جانب تہتکار دیا کرو۔ یہ دوسرا فعل محض توجہ کی

یکسوئی اور پہلے خیال سے علیحدگی کے لیے حضور نے ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن نیت کرنے سے قبل کے لیے۔ اسی طرح سُترہ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اگر نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے کوئی چیز رکھے تاکہ سُترہ ہو جائے۔ اگر کوئی چیز نہ دستیاب ہو تو اپنی چھڑی (لکڑی) کرلے چھڑی بھی نہ ہو تو ایک خط کھینچ لے۔

ظاہر ہے کہ محض خط کھینچ لینے سے کسی قسم کی آڑ نہیں ہو سکتی۔ لیکن حجاب کا جو فائدہ ہے وہ اس سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یعنی توجہ کو یکسوئی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی ارشاد پر قیاس کر کے صوفیائے کرام اس قبیل سے مرید کے وساوس کے دفعیہ کے لیے تدابیر وحیل بتلاتے ہیں۔ جسکو ظاہر بین حضرات غیر مشروع کہتے ہیں۔

صوفیا کے متعلق یہ اعتراض بہت شد ومد سے کیا جاتا ہے کہ وہ نہ صرف تکثیر تعلقات کو پسند ہی نہیں کرتے بلکہ انکے ترک و انقطاع میں اسقدر غلو و مبالغہ کرتے ہیں کہ رہبانیت پیدا ہو جاتی ہے جو شرعاً مذموم ہے۔ لیکن اس فعل کے جواز کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

عن ابی الدرداء قال جاء او دان لی متجراً علی درجة جامع دمشق اصیب قبله کل یوم خمسین دینارا اتصدق بها فی سبیل الله و تفوتنی الصلوٰة فی الجماعة وما لی حرمهم ما احل الله تعالیٰ ولکن اکره ان لا اکون من الذین قال الله تعالیٰ فیهم رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله اخرجه رزین

حضرت ابو الدرداء سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اسکو مکروہ سمجھتا ہوں کہ میری تجارت جامع مسجد دمشق کی سیڑھیوں پر ہو جس سے مجھکو پچاس دینار روزانہ نفع ہو اور انکو میں اللہ کی راہ میں خرچ بھی کر دیا کروں اور جماعت کی کوئی نماز بھی قضا نہ ہو مگر اسکی یہ وجہ نہیں کہ میں اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرتا ہوں۔ مگر مجھکو یہ بات پسند نہیں داخل نہ ہوں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں

جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے باز نہیں رکھ سکتی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں بھی اس مذاق کے لوگ موجود تھے جو ذکر و شغل کے لیے مباح تعلقات تک کو ترک کر دیتے تھے۔ اور کثرت تعلقات کو پسند نہیں کرتے تھے ظاہر ہے کہ صحابی رسول اللہ کسی ناجائز و غیر مشروع فعل کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلیئے اس قسم کی یکسوئی اور کم تعلقی کو جائز و مستحسن خیال فرماتے تھے صوفیائے کرام بھی چونکہ ارباب ذکر ہوتے ہیں لیلئے اگر وہ زیادہ تعلقات کو پسند نہیں کرتے تو ان پر ترک سنت یا ارتکاب بدعت کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ طریقہ ہر شخص اختیار نہیں کر سکتا صرف خواص امت کے لیے جائز ہو سکتا ہے ورنہ اگر ہر شخص اس پر کاربند ہو جائے تو اسلامی قومیت چند روز میں کمزور و مضمحل ہو کر تباہ و برباد ہو جائے اور چونکہ صوفیائے کرام خواص امت میں ہوتے ہیں اور ان کا کام رشد و ہدایت ہوتا ہے۔ اسلیے مخصوص طور سے انکے لیے جائز و مباح ہو سکتا ہے۔

اس خیال کی مؤید ایک اور حدیث ہے :-

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ یا ابن آدم تفرغ لعبادتی املاء صدرک غنی و اسد فقرک وان لا تفعل ملأت یدیک شغلا و لم اسد فقرک۔ اخرجہ الترمذی۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اولاد آدم! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا میں تیرے سینہ کو غنا سے بھر دونگا اور تیری محتاجی کو دور کر دونگا۔ اور اگر تو ایسا نہ کرے گا تو تیرے دونوں ہاتھ مشاغل و تعلقات سے بھر دونگا اور تیری محتاجی کو بند نہ کرونگا۔

اس حدیث سے بھی متصوفین کی رسم کم تعلقی کا ثبوت ملتا ہے لیکن واضح رہے کہ اسکا منشا جیسا کہ حدیث میں مصرح ہے فراغ للعبادۃ ہونا چاہیئے۔ ورنہ اگر

یہ کم تعلقی آرام نفس کی خاطر اور مشقت سے اعراض کی بنا پر اختیار کی جائے تاکہ یہی بے تعلقی عندالناس مقبول ہو کر موجب ازدیاد دولت ہو جائے تو وہ نہ صرف ناجائز بلکہ حرام اور موجب خسران عظیم ہوگا۔

اسی طرح مشائخ طریقت کی متوکلانہ زندگی اور قبول نذور ہدایا پر لوگ معترض ہوتے ہیں حالانکہ بصراحت حدیث اسکی اباحت متعین ہے۔

عن احنف بن قیس فی حدیث طویل قال قلت ای لابی ذر ما تقول فی ہذہ العطاء قال خذوہ فان فیہ الیوم معونۃ فاذا کان ثمنا لدینک فدعہ اخرجہ الشیخان۔

احنف بن قیس سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ آپ سلاطین و امراء کے وظائف وعطایا کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ لیلیا کرو کیونکہ اس سے اس زمانہ میں فراغت قلب و جمع خاطر کے لیے مدد ملتی ہے مگر جب وہ تمہارے دین کا معاوضہ ہو جائے تو ترک کر دینا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فراغ عبادت کے لیے نذر و ہدایا قبول کر لیجائیں تو کوئی حرج نہیں۔ اور اسپر تعطل و بیکاری کا الزام عاید نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ صوفیائے صافیہ چونکہ ہمہ وقت اذکار و اشغال میں مصروف رہتے ہیں۔ اور دوام ذکر و دوام حضور کے لیے ضروری ہے کہ مخل اشغال نہو تاکہ طبیعت یکسو رہے اور پراگندہ نہو اس لیے اگر وہ متوکلانہ زندگی بسر کریں اور حلال و طیب اموال امراء کو اطمینان و تقویت خاطر کے لیے قبول کریں تو خلاف سنت نہوگا۔

لیکن حسن نیت کی شرط لازمی ہے۔ اگر مصلحت اجازت نہ دے یا اور کوئی دینی و مذہبی نقصان کا اندیشہ ہو تو اسکا رد واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً آج کل تو محض جلب منفعت اور نذر و ہدایا کی طمع ہی مشرب درویشی اختیار کرنے کی محرک ہو جاتی ہے

اور اس کے ذریعہ بلا محنت و مشقت خوب دولت جمع ہو جاتی ہے۔ ذکر و اشغال اور فراغ خاطر و دلجمعی بالکل بے معنی سے لفظ رہ گئے ہیں۔ اس لیئے اہل اللہ اور سچے مشائخ طریقت کو چاہیئے کہ وہ اس رسم کو قطعًا بند کردیں تاکہ یہ فتنہ ہی ہمیشہ کے لیئے بند ہو جائے۔ جب نفع کی کوئی صورت نہ رہیگی تو مجبورًا طامع اور اہل غرض اس مشرب کو اختیار کرنے سے گریز کرینگے۔ اور اپنے لیے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرینگے اور اسوقت صرف سچے طالبین ہی اس مشرب میں داخل ہونگے۔ درویشی اور مراسم اہل تصوف تو خیر لیکن انکے اذکار و اشغال سے ارباب ظواہر قطعًا انکار کرتے ہیں۔ اور دین میں انکی کوئی اصل نہیں بتلاتے۔ اور اس لیئے انکو تمامتر بدعت سے تعبیر کرتے ہیں خصوصًا حلقہ بنا کر ذکر کرنے اور مراقبہ وغیرہ کو۔ لیکن اس انکار کی وجہ بھی عدم وسعت نظر ہے۔ ورنہ اگر کافی تلاش و تدبر سے کام لیا جائے تو اس کی اصل بھی سنت و حدیث سے مل سکتی ہے۔

ذکر حلقہ کا فائدہ یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے جمع ہو کر ذکر کرنے سے دل لگتا ہے ایک قسم کی مسرت و خوشی حاصل ہوتی ہے۔ بہت بدمستی اور سستی و کاہلی دفع ہوتی ہے۔ اور مداومت ذکر میں سہولت حاصل ہوتی ہے۔ انہیں منافع و مفاد کی غرض سے مشائخ نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے جس کی اصل ذیل کی حدیث میں موجود ہے۔

عن ابی هریرةؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله تعالیٰ یتلون کتاب ویتدارسون بینهم الا نزلت علیهم السکینة وغشیتهم الرحمة وحفتهم الملائکة وذکرالله فیمن عنده اخرجه ابوداؤد

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے گھر میں کوئی مجمع ایسا نہیں جمع ہوتا کہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوں اور باہم اسکو پڑھتے پڑھاتے ہوں۔ مگر یہ کہ تسکین الٰہی اسپر نازل ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت اُن کو ڈھانپ لیتی ہے اور ملائکہ انکو گھیر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ میں اُن کا ذکر فرماتے ہیں۔

اس حدیث میں بغرض ذکر کے مجتمع ہونے کی توصیف کی گئی ہے۔ صوفیا کے مروجہ ذکر بھی بالکل ایسے کے مشابہ ہیں۔ ان میں بھی قرآن پاک کی آیات ہی کا ذکر کیا جاتا ہے اس لیئے اس کی سند اس حدیث سے ملتی ہے۔ علی ہذا مراقبہ کے اصول بھی حدیث میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل یعنی دنیا میں تو اس طرح رہ جس طرح مسافر بلکہ اس طرح کہ گویا راہ میں گزر رہا ہے۔ ترمذی نے اس قدر اور اضافہ کیا ہے کہ:- وعد نفسک من اھل القبور۔ یعنی اپنے نفس کو اہل قبر میں سے شمار کر۔

مراقبہ کے معنی کسی خاص مضمون کو اکثر اوقات یا کسی وقت معینہ تک تصور کئے رکھتے ہیں تاکہ اس تصور کے غلبہ سے اُس مضمون کے مقتضا پر عمل ہونے لگے۔ مثلاً موت کے مراقبہ سے اسکا جو اثر مرتب ہوگا وہ یہی ہوگا کہ دنیاوی تعلقات میں کمی واقع ہوگی میت کی طرح شہوت، غضب اور دیگر اخلاق ذمیمہ ضرور مضمحل ہو جائیںگے۔

اس حدیث میں مراقبہ ہی کی تعلیم دیگئی ہے۔ کیونکہ اہل قبول میں شمار کرنیکے معنی یہی ہیں کہ اُسکا تصور کیا جائے۔ اسی طرح مسافر کی طرح رہنے اور راستہ میں سے گزرنے کا فعل بھی قلب سے متعلق ہے اور یہی مراقبہ ہے۔

صوفیہ کرام نے مراقبہ کی بہت سی قسمیں کی ہیں جو حالات مختلفہ میں فائدہ بخشتی ہیں۔ چنانچہ ایک مراقبہ قلبی ہے۔ جسکا مدعا یہ ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھی جائے تاکہ جہاں کچھ تغیر ہو فوراً اُسکا تدارک کیا جائے۔

عبداللہ بن ابی بکر سے ایک روایت ہے کہ ابو طلحہ انصاری اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اتفاقاً ایک جنگلی کبوتر اُڑا اور راستہ تلاش کرنے لگا مگر باغ بہت گھنا اور گنجان تھا۔ اس لیے اُسکو راستہ ڈھونڈھنے میں تکلف ہوا ابو طلحہ نے نماز کے اندر یہی کیفیت دیکھی تو بہت خوش ہوئے کہ میرا باغ اس قدر گنجان ہے۔ اسکے بعد پھر نماز

کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مگر اب دیکھتے ہیں تو یہی نہیں یاد رہا کہ کتنی نماز پڑھی۔ ابو طلحہ نے اپنے دلمیں کہا کہ یہ مال (باغ) تو میرے لیئے بہت بڑا فتنہ ہو گیا کہ نماز میں قلب حاضر رہا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کہ یہ باغ فی سبیل اللہ جہاں جی چاہے صرف فرما دیجئے۔ اس حدیث سے مراقبہ قلبی کی اصل ملتی ہے +

غرضیکہ مستند صوفیائے کرام کے تمام افعال و احوال اور انکے ذکر و شغل کے طریقہ اور انکے مراسم و عادات اگر غور سے دیکھئے تو اسکا ثبوت اور اسکی شہادت یقینا کتاب و سنت سے آپ کو ملیگی۔ اسلیئے محض ظاہر حالات کو دیکھکر یا اہل پرست متصنع اور نمائیشی درویشوں کی ناپاک زندگی سے متاثر ہو کر نفس تصوف اور اہل تصوف سے انکار کر دینا نہ صرف ایک قسم کی زیادتی ہے بلکہ سچے طالبان حق کو صراط مستقیم اور رشد و ہدایت کے طرق قویم سے روکنا ہے اور اس سے بڑھکر خسران دین و خذلان شرع مبین اور کیا ہو سکتا ہے ؟ +

اسمیں کلام نہیں کہ موجودہ حالت بہت خراب ہے۔ کثرت زیادہ تر مبتدع اور اہل غرض کی ہے۔ چونکہ امر حق اور طلب صادق سے انکے صدور خالی ہوتے ہیں اس لیئے افراط و تفریط ان کا شیوہ ہو جاتا ہے۔ ظاہری پابندیوں کو طریقت اور فضول مراسم غیر مشروعہ کو عین حقیقت سمجھتے ہیں۔ اور وہ بھی صرف اس لیئے کہ بغیر اسکے انکے پیشہ کی گرم بازاری ممکن نہیں۔ لہذا ایسے فساق مشائخ اور ایسے مبتدع درویش نما قزاقوں کو درویشی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ انپر اور انکے حالات باطلہ و فاسقہ سے اصل تصوف اور باکباز اہل تصوف کی نسبت برے خیالات قائم کر لینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا +

عارف ہسوی

۷۸۶

جلالی عید

انسانی سرشت دو ہی رنگ رکھتی ہے

(۱) جمالی۔

(۲) جلالی

انسان جمالیت بھی رکھتا ہے ۔جلالیت بھی ۔ چونکہ خدا کی ذات میں بھی جمالیت اور جلالیت ہے ۔ اور انسان خدا کی بنائی ہوئی مخلوق ہے ۔ اس واسطے اس میں بھی ان دونوں صفات کا کچھ نہ کچھ اثر ہے ۔ انسان اگر ایک طرف صابر بُردبار اور متحمل ہے تو دوسری طرف قاہر اور جابر بھی ہے ۔ یہ دونوں صفتیں یا یہ دونوں خاصے جب تک اعتدالی رنگ میں استعمال پاتے ہیں ۔ اُس وقت تک انسانی زندگی کے واسطے اُن کی ویسی ہی ضرورت ہوتی ہے جیسے اور صفات اور اور قوتوں اور جذبات کی ۔ اسلام بھی دونوں کیفیتیں جمالی اور جلالی رکھتا ہے ۔ قرآن مجید پڑھکر دیکھ لو وہ بھی یہ دونوں شانیں لئے ہوئے ہے ۔ اگر ایک طرف اخیر تک باب رحمت کھلا ہے تو دوسری طرف جباری اور قہاری کی وعیدیں بھی رونما ہیں ؎

رسول کریم (صلعم) بھی دونوں شانیں رکھتے تھے ۔ اگر ایک طرف جمالیت تھی تو دوسری طرف جلالیت بھی ۔ جمالیت اور جلالیت میں اگرچہ ایک نسبت بھی ہے مگر فرق بھی بہت کچھ ہے ۔ جمالیت میں لینت ، بردباری ، صبر و شکیبائی ہوتی ہے اور جلالیت میں صبر و شکیبائی کے ساتھ استقلال ، ہمت اور ایک قسم کی جباری بھی ہوتی ہے ۔ اور ساتھ ہی اسکے بردباری اور استقامت بھی پائی جاتی ہے دنیا میں یہ دونوں طاقتیں کام کر رہی ہیں ۔ اِن ہی دونوں پر انسانی زندگی

کی اقتصادی ضروریات کا مدار اور حصر ہے۔ جو قوم صرف جمالیت ہی رکھتی ہے۔ وہ بھی ایک گھاٹے میں رہتی ہے۔ اور جو صرف جلالیت ہی رکھتی ہے وہ بھی حد اعتدال سے گزر جاتی ہے۔ عملی رنگ میں اسلام دونوں قسم کی کیفیتیں دکھاتا ہے۔ کیونکہ اسلام کے لانے والے ہی یہی دونوں رنگ رکھتے ہیں۔ اسلام ایک طرف عالمانہ رنگ رکھتا ہے اور دوسری صوفیانہ۔ اسلام کے عالمانہ عناصر اور علمائے کرام جمالیت رکھکر بھی جلالیت رکھتے ہیں۔ اور اُن کی زندگی کا جزو اعظم باوجود جمالیت رکھنے کے بھی کچھ کچھ جلالیت ہوتا ہے۔ لیکن صوفیائے کرام باوجود جلالیت رکھنے کے بھی جمالیت میں زیادہ تر مستغرق رہتے ہیں +

مسلمانوں میں یہ دو عیدیں جو آتی ہیں یہ بھی جمالیت اور جلالیت رکھتی ہیں۔ چھوٹی عید (عید الفطر) جمالیت رکھتی ہے اور بڑی عید (عید الضحیٰ) جلالیت گو چھوٹی عید میں بھی ایک حد مناسب تک جلالیت ہوتی ہے مگر اُسکا غالب رنگ جمالیت ہی ہوتا ہے۔ بڑی عید کا رنگ غالب جلالیت ہے۔ ان دونوں عیدوں کا صرف یہی منشا نہیں ہے کہ :-

شیریں و نمکین غذا میں کھاپی کر یا بکروں کو ذبح کرکے اور سیویاں ہضم کرکے انہیں گزار دیا جاوے۔ بلکہ یہ کہ مسلمان ان دونوں رنگوں میں رنگے رہیں اور اپنی زندگیوں میں ان دونوں صفات اور ان دونوں جذبات کا عالمانہ ثبوت دیں اور ان دونوں دنوں کو عملی رنگ میں زندہ رکھیں +

عید رمضان وہ صبر وہ بردباری سکھاتی ہے جو عید البقر میں عملی رنگ میں دیکھنی پڑتی ہے۔ عید رمضان باب الایثار ہے اور عید البقر منزل یا مرکز عمل۔ عید رمضان میں لوگ عموماً میٹھی چیزیں کھاتے پیتے ہیں۔ کیونکہ مہینہ بھر کی تلخکامیاں بھی امید رکھہ سکتی تھیں۔ لیکن بڑی عید میں نمکین اشیا پر زیادہ زور ہوتا ہی۔ یہ دونوں

لذتیں بھی جمالیت اور جلالیت رکھتی ہیں +

شیرینی جمالیت رکھتی ہے۔ اور نمک جلالیت۔ بہت سے انسان مہینوں کے بعد میٹھی چیزیں کھاتے ہیں۔ لیکن نمک ایک دن بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ انسانی لذتی اسباب میں سے شیرینی دوم درجہ رکھتی ہے۔ اور نمک اول درجہ پر۔ نمک ہر چیز میں بقول بعض حکیموں کے ہوتا ہے۔ لیکن شیرینی ہر چیز میں نہیں ہوتی +

طبیب بعض وقت تندرستوں کو بھی استعمال شیرینی سے بند کرتے ہیں اور عموماً انسان زیادہ شیرینی پسند بھی نہیں کرتا۔ خلاف اس کے نمک انسان کی ایک دائمی غذا ہے۔ ہر حالت میں اسکا استعمال ہوتا ہے۔ نمک خود اپنا استعمالی طریقہ بتاتا ہے اور شیرینی میں یہ طاقت نہیں +

اخلاقی رنگ میں بھی نمک زیادہ تر موثر ہے۔ نمک حرام تو کہا جاتا ہے۔ شیرینی حرام نہیں کہا جاتا۔ اس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ نمک کی کیا کچھ قدر و قیمت ہے اور اُس میں کیسی جلالیت ہے۔ یہ تو کہا جاتا ہے کہ فلاں نے خوب حق نمک ادا کیا۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ فلاں نے حق شیرینی ادا کیا۔ لوگ نمک کا ہی نام لیتے ہیں نی اور لڈو وغیرہ کا کوئی نہیں لیتا +

عید رمضان میں لوگ صرف روزے رکھکر ہی عید منا لیتے ہیں۔ اور عید قربانی ں حیوانی قربانیاں بھی دینی پڑتی ہیں۔ ایک تو یہ یادگار ابراہیمی ہے۔ اور یہ ایک سرے رنگ میں یہ یادگار ایک شان جلالیت بھی لیے ہوئے ہے۔ جلالیت ہی کا یہ اثر ری تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بغیر کسی عذر اور درنگ کے اپنے لخت جگر کو لے بانی دینے کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ جب آنکھیں میچ کر فرزند دلبند کے گلوئے بارک پر چھری رکھی ہوگی۔ جلالیت کا عالم اُس وقت زمین و آسمان کی نظروں میں کچھ سماں رکھتا ہوگا۔ اُسکا اندازہ وہی وقت وہی دقّہ اور وہی گھڑی کر سکتی ہے

جلالیت ہی تھی جس نے تمام قسم کی محبت والفت کا نشہ اُتار دیا تھا۔

آں چشم دل نگار بہ من آنچہ خواست کرد
خالی نبود بر سرِ من غمزہ را

جمالیت میں بھی ایک قسم کی شوخی ہوتی ہے۔ لیکن جو شوخی اور جو جذبہ جلالیت رکھتی ہے وہ جمالیت میں کہاں! عید رمضان عموماً رنگ جمالیت رکھتی ہے اسمیں جلالیت بہت کم ہوتی ہے۔ خلاصہ ان دونوں عیدوں کا یہ ہوا کہ عید رمضان جمالیت سکھاتی اور روزوں کی وجہ سے انسان کے جذبات میں ایک قسم کا سکون پیدا کرتی ہے۔ اور بڑی عید یہ تبلیغ کرتی ہے کہ اگر تم دنیا میں کسی عزت واحترام اور خودداری سے رہنا چاہتے ہو تو اسکی پہلی شرط ایثار ہی ہے۔ خدا چند بکروں اور چند اونٹوں کا بھوکا نہیں یہ تو صرف ایک رنگ جلالیت دکھایا جاتا ہے۔ ہر کوئی ابراہیم نہیں کہ خدا کے راستہ میں اپنا بیٹا پیش کردے۔ وہ بھی ایک آزمایش تھی۔ اب اُسی ابراہیمی آزمایش کا یہ ہلکا اور دوسرا رنگ ہے۔ گویا یہ ایک دوسری قسم کی بالواسطہ جلالیت ہے۔

اس رنگ ثانی کا منشا یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے تمام جذباتی پدرانہ تاثرات کو مارکر جلالیت ربانی کا ساتھ دیا تھا اُسی طرح ہر ایک دوسرے نرم رنگ میں اور لوگ بھی ساتھ دیں۔ وہ اگر اصل تھا تو یہ اسکی ایک نقل ہے۔ وہ بھی خدا کی راہ میں تھی۔ اور یہ بھی خدا کی راہ میں۔ قرآن مجید میں بہت وضع فی سبیل اللہ کہا گیا ہے۔ یہ کیفیت بھی ایک فی سبیل اللہ ہی کا رنگ رکھتی ہے یعنی تمہارا ایثار ہر ایک قسم کا فی سبیل اللہ ہونا چاہیئے۔ خدا ہی تمہیں اُسکا اجر دیگا اور خدا ہی پر اُسے چھوڑ دو۔

عید رمضان روزے ختم کرواکر ایک میٹھی عید ہی کا سماں دکھاتی ہے۔ لیکن عید قربان وہ سماں اپنے ساتھ لاتی ہے جو عید رمضان سے کہیں بڑھکر ہے۔ جس کی بابت قرآن بھی ناطق ہے۔ وہ کون سا سماں ہے جسے بالفاظ دیگر حج کہتے ہیں۔ یہ سماں

اور یہ موقع وہ ہے جو صرف عاجزانہ اور متواضعانہ رنگ ہی نہیں رکھتا بلکہ بہادرانہ اور عاشقانہ وستمندانہ رنگ بھی ہے۔

عید البقر سے حج کیوں قریب تر رکھا گیا یا اُسکے آنے پر ہی یہ کیوں آتا ہے ؟ اسواسطے کہ حج بھی ایک جلالیت رکھتا ہے۔ اسمیں بھی ایک جلال ہے ایسا جلال کہ جس کی نظیر اس وقت ساری دنیا میں نہیں ملتی ہے۔ عرصہ عرفات میں جاکر تم دیکھ سکتے ہو۔ جبل نور کا نظارہ تمہاری تسکین کر سکتا ہے کہ اس میں کسقدر جلالیت ہے وہ مجمع جو اس میدان میں چند گھنٹوں کے لیے جمع ہوتا ہے۔ بہ صدائے حال منادی کرتا ہے کہ میں سر سے پاؤں تک ایک تصویر جلالیت ہوں۔ عرصہ عرفات کی چٹانیں عرصہ عرفات کی پہاڑیاں۔ عرصہ عرفات کی گھاٹیاں۔ عرصہ عرفات کی چپہ چپہ زمین۔ روڑے اور کنکریاں۔ جلالیت میں رنگی ہوتی ہیں۔ جب خطبہ سنایا جاتا ہے۔ اس وقت بحر جلالیت کی لہریں تو جلالی رنگ میں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں۔ ایسا معلوم ہی نہیں ہوتا بلکہ غور کرنے والے بچشم یقین دیکھ بھی لیتے ہیں کہ توحید کے دریا اُمڈے آرہے ہیں اور ہر چیز وحدت کی شہادت دے رہی ہے۔ چاروں طرف خدا ہی خدا دکھائی دیتا ہے جبوقت چاروں طرف سے لبیک لاشریک لہٗ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ اُسوقت گویا خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ توحید ہی توحید سنائی اور دکھائی دیتی ہے۔ اِسکے ساتھ ہی جب لاکھوں بندگان خدا ایک ہی لباس میں دکھائی دیتے ہیں۔ تو توحید کا سماں ایک اور صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ ایک طرف وحدت خدائی کا تماشا ہوتا ہے اور دوسری طرف وحدت انسانی کا۔ کثرت میں وحدت جلوہ نما ہوتی ہے۔ اور وحدت میں باعتبار خالقیت اور قادریت نظارہ کثرت ایک اونچی پہاڑی پر فدا عینک دل سے دیکھو تو سہی کہ میلوں میں کیا کچھ نظر آرہا ہے۔ میلوں میں ایک ہی سماں اور ایک ہی نظارہ دکھائی دیگا۔ جلالیت کا دونوں رنگوں میں وہ عالم

ہوتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے ؎

کشیدہ اند بتاں لشکرے کہ نتواں گفت
بہ قصد کعبہ غمزہ و ناز

جس طرف دیکھو جلالیت اور وحدت ہی کا سماں ہوتا ہے۔ گرچہ لاکھوں آدمی نظر آتے ہیں مگر ایک ہی رنگ ہیں۔ نہ قوم رہتی ہے نہ ملک و مرز و بوم نہ رنگ حیثیت سب شخصیتیں ملی رنگ سے رنگی جاتی ہیں۔ عرفات میں پہنچکر یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ:-

قوم و ملت میں کیا کچھ فرق ہے اور مساوات کے کیا معنی ہیں۔ ایک بادشاہ اور بادشاہزادہ اسی خاموشی اور اسی مسکینی و عجز سے چلتا ہے جو ایک غریب کے حصہ میں آیا ہے۔ امیر کا حوصلہ نہیں پڑتا کہ کسی اپاہج اور غریب کو یہ بھی کہے کہ ذرا ادھر ہو جاؤ۔ نہ پولیس ہوتی ہے نہ فوج نہ پہرہ چوکی۔ خدائی فرشتوں کی حفاظت میں مساوات کا سماں دکھائی دیتا ہے۔ اور جلالیت کی جبروت ؎

عشق آں گل بر دل من زور آوردہ است
بلبل طبع مرا دیگر بہ شور آوردہ است

کیا یہ سماں اور یہ جلالیت یہ پتہ نہیں دیتیں کہ عید البقر کی علت غائی کیا ہے۔ سمجھنے والے سمجھ جائیں گے کہ اس کا منشاء کیا ہے اور اسکی ضرورت کیا تھی۔ بائو ہو ہی اسکا مدعا نہیں بلکہ ملی رنگ کی یادگار بھی دیکھو عید رمضان بھی۔ سو دن کی محنت و ریاضت کرا کر ہی آتی ہے۔ وہ ایک جمالی رنگ تھا اور یہ ایک جلالی رنگ ہے۔ اسکی اخوت اور مساوات کا کچھ اور ہی سماں تھا اور اسکا کچھ اور۔ اس دوسری عید کے ساتھ ایک ایسی عید بھی آتی ہے جو چند روز بعد میں رہ کر ادا کرنی پڑتی ہے۔ وہ کیا ہے؟ حج۔

حج کی غایت محض عرصہ عرفات کی حاضری ہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی۔ حج معادی منظر بھی رکھتا ہے اور معاشرتی بھی۔ تمدنی بھی۔ رحمی بھی دنیاوی بھی مذہبی بھی۔ گویا عید البقر اتنی چیزیں اپنے ساتھ لاتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر ایثار نفس ایثار ذات

ایثار مال اور ایثار خیالات بھی یہ وہ باتیں ہیں جو اگرچہ عید رمضان میں بھی کسی حد تک ہوتی ہیں۔ مگر عید البقر میں انکی خصوصیت ہوتی ہے۔ اس میں ایک خصوصیت سے دکھایا جاتا ہے کہ دیکھو ایک بکرا اور ایک اونٹ خدا کی رضا میں اس استقلال کے ساتھ اسقدر اذیت اور تکلیف گوارا کرتا ہے۔ اور ابراہیمی یادگار کی یاد میں اپنی جان دیتا ہے۔ اور تمہارے تصرف اور تمہارے حکم سے پہلوتہی نہیں کرتا۔ بلکہ ایک خاموشی کے ساتھ لیٹ جاتا ہے۔ لیکن انسان اپنے دادا کی یادگار میں بہت ہی کم حصہ لیتے ہیں۔ اور جب اُنہیں اپنی خود غرضیوں اور جذبات متمردہ کے بکروں کی قربانی دینی پڑتی ہے تو اُن کا دل قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور انکا ایثار صرف سلام علیک تک ہی ختم ہو جاتا ہے۔ قومی اور نسلی سلسلوں میں انکی خود غرضیاں انہیں روکتی اور انکی ہمتوں پر حملہ کرتی ہیں۔ گویا ایسے لوگ اخلاقی پہلو سے کوئی صفت ہی نہیں رکھتے ؎

دم آخر شنیدم کوہکن گفت بلا سخت است ایں کار آزمودم

مساوات اور اخوت کی قدر کرنا بھی ایک قربانی یا ایک ایثار ہے۔ دیکھو جب کبھی ایک امیر کسی غریب یا کسی فقیر سے آشنا ہوتا ہے تو اس زمانہ میں باوجود مسلمان ہونے کے اُسکے مغرور دل و دماغ میں کیا کچھ گزرتی ہے۔ مسجدوں میں بعض امیر صرف اس واسطے نہیں جاتے کہ غریبوں کا پڑوس ہوگا۔ یا میلے کچیلے لوگوں میں کچھ وقت بیٹھنا ہوگا۔ مسجدوں میں اس واسطے جانا پسند نہیں کرتے کہ وہاں اُن کے رتبہ اور درجہ کے لوگ نہیں ہوتے۔ کیا یہ شخص اس زمانہ میں یہ کرتا ہی وہ اپنے خیالات کا تزکیہ نہیں کرتا ہے۔

عید قربان کی تو سالانہ قربانیاں ہیں۔ تزکیۂ خیالات کی قربانیاں جو ہر روز دینی چاہئیں سب سے پہلے اُن کا تہیہ ضروری ہے۔ سال بھر میں ایک بکرا ذبح کر دیا

قربانی دے دیا تو اسکا کتنا بڑا ثواب ہو سکتا ہے۔ بات تو تب ہے کہ ہم سال بھر میں بہت سی اخلاقی اور ملی اصلاحیں بھی کریں۔ ایسی قربانیاں کون سی ہو سکتی ہیں؟

(الف) خودغرضی کی قربانی۔

(ب) شخصیت کی قربانی۔

(ج) حسد و بغض کی قربانی۔

(د) امارت کی قربانی۔

(ہ) طمع و حرص کی قربانی۔

(و) ملی ایثار کی قربانی۔

(ز) معاشرتی قربانی۔

یہ وہ قربانیاں ہیں جن کی ہر انسان کو ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ بقول حضرت اقبال۔ "خودداری رکھنا بھی ایک قربانی ہے۔ خودداری ہی ایک ایثار ہے جو لوگ خودداری رکھتے ہیں وہی قوم و ملت کے ارکان صحیحہ ہیں۔ اُن ہی پر ملت کا انحصار ہے۔ اور یہی قربانی عید کی قربانیوں سے زیادہ تر اجر و ثواب رکھتی ہے۔ جب کوئی مستطیع کسی عید بقر پر قربانی نہیں دیتا تو جہاں وہ خود افسوس کرتا ہے بعض دوست یا لوگ بھی اُسے شرمندہ کرتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ لوگ بہت سی ضروری اخلاقی قربانیاں ہر روز ترک کرتے ہیں۔ انکی بابت کچھ بھی نہیں خیال کیا جاتا ع

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

ملت و قوم کو اگرچہ مذہبی اور ایثاری رنگ میں سالانہ قربانیوں کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن زیادہ تر اخلاقی قوتوں اور خودداری کی ہے عزت و حمیت کی ضرورت ہے۔ یہ وہ بکرے اور یہ وہ اونٹ ہیں جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتے۔ یہ وہ قربانیاں ہیں جو کوئی کوئی ہی دیتا ہے۔ یہ وہ عید قربان ہے جو ہر دن ایک مرتبہ

آتی ہے ۔ یہ وہ قربانی ہے جس کی چھری دل ودماغ پر پھرتی ہے ۔ یہ وہ ایثار ہے جس کی زد دل ودماغ پر پڑتی ہے ؎

رفت دلی درمحنت زدوست مرا   داغ بجائے دل نشست مرا

دونوں عیدوں میں اصلی مراد ایثار ہی ہے۔ عید رمضان میں کسی اور قسم کا ایثار ہوتا ہے ۔ اور عید البقر میں کسی اور پیمانے اور کسی اور صورت کا ۔ عید رمضان میں ایثار کی زد براہ راست انسان کے دل ودماغ پر بلا کسی واسطہ اور حجاب کے پڑتی ہے اور عید البقر میں ایک واسطہ درمیان میں لایا جاکر موثر ہوتی ہے ۔ اسمیں بھی ایک حکمت ہے۔ پہلے شعبہ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ صبر و تحمل اور تکلیف سے کیا کچھ تکلیف ہوتی ہے ۔ اور دوسرے شعبہ میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ:-

بالواسطہ ایثار یوں ہوتا ہے دونوں رنگوں میں انسانوں کو ایثار کی تکلیفات سے آگاہ کیا گیا ہے ۔ دوسرے رنگ عید البقر میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ محض تم ہی رمضان میں صبر و تحمل اور بردباری سے کام نہیں لیتے ۔ دیگر مخلوق بھی اس سے خالی نہیں ہے حیوانات میں بھی یہ جوہر اور یہ ہمت موجود ہے حیوانات بھی اس سے کام لیتے ہیں گو وہ انسان کی طرح قوتِ ناطقہ اور عقل و فراست نہیں رکھتے مگر قدرت نے انکی فطرت میں بھی یہ جوہر رکھ چھوڑا ہے +

جلالیت سے یہ مراد نہیں کہ لوگ ایک دوسرے سے لڑتے پھریں ۔ یا ملی افراد اور ملکی اقوام میں لڑائی ۔ فساد پھیلائیں بلکہ یہ کہ اخلاقی رنگ میں جلالیت کا ثبوت دیں ۔ جب ایک شخص سچ بولتا ہے تو باوجود اسکے نرم حالت ہونیکے بھی اسکا ایک رعب ہوتا ہے ۔ اور لوگوں میں اُسکو ایک عزت اور ایک احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے +

لوگ کہتے ہیں دولت و ثروت میں رعب اور اثر ہوتا ہے ۔ میں کہتا ہوں صداقت

میں زور ہوتا ہے اور سیرت وکیریکٹر میں رعب واثر ایک صحیح سیرت دولت اور ثروت پر ایک اثر اور ایک غلبہ رکھتی ہے ۔

ایک بدرویہ آدمی بھی صاحب سیرت ہونے کی صورت میں ایک رعب اور ایک اثر رکھتا ہے۔ معیار سیرت یہی ہے کہ ایک بُرے آدمی میں بھی پائی جائے۔ اگر ایک شخص برائی میں بھی برائی کا اعتراف کرنے کی جرات رکھتا ہے تو یہ اسکی سیرت کا ثبوت ہے بہ نسبت جرم کرنے کے اقبال جرم مشکل ہے۔ جرم چوری چھپے کیا جاتا ہے اور اقبال کھلے طور پر ہوتا ہے۔ اس واسطے مذہب میں توبہ کی عظمت کی جاتی ہے۔ توبہ کیا ہے؟ اقرار گناہ حضرت فرماتے ہیں التائب من الذنب کمن لاذنب لہ ۔

یہ دونوں عیدیں بار بار کیوں آتی ہیں؟ اس واسطے نہیں کہ ہم سویاں اور مجبر گوشت کھائیں بلکہ اسواسطے کہ ہمارے جو فرائض ہیں اُن کا سالانہ محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ ہم نے ترقیات اور تنزلات کے درجے کہاں تک اس سال میں ادا کیے۔ ہیں۔ اور اگلے سال ہماری ہمت اور خیالات کا کیا رنگ ڈھنگ ہے۔ تجارت اور اقتصادیات میں ہم نے کہاں تک ترقی کی۔ زراعت وغیرہ میں ہماری کیا کیفیت رہی۔ علوم وفنون کی منڈی میں ہمیں کن نگاہوں سے دنیا دیکھتی ہے یا دنیا کی منڈی میں ہمارا نمبر کیا ہے۔ دونوں عیدیں ایک مجمع یا ایک مذہبی معاشرتی جلسہ اور میٹنگ ہوتی ہے۔ لیکن ایسا مجمع ایسی میٹنگ جس میں تمدنیات اور معاشرتی کی تکلیفات ہوتی ہیں۔ کیا عید کی نماز میں لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی کیسی حالت ہے اور اُن کی معاشرت کا پیمانہ کیا ہے۔ اُنکے لباس اُنکی نشست وبرخاست اُنکی گفتگو۔ اُن کے اخلاق کیا کچھ نمونہ پیش کرتے ہیں ۔

حکیم ارسطو کہا کرتا تھا۔

"بولو! تاکہ میں تمہیں پہچان سکوں" ۔

اسی طرح دونوں عیدیں اور دونوں عیدوں کے مجمعے کہتے ہیں۔
دیکھو اور نظر کرو تاکہ
اپنی قوم کے تمدن۔ خوش حالی اور فارغ البالی کا موازنہ کرسکو۔
سوچو کہ دوسری اقوام کے مجامع ۔ اور تمہارے مجامع میں کیا کچھ فرق ہے
جانچ کرو کہ کسقدر مسلمان عیدگاہوں میں آتے ہیں۔
دیکھو کہ تمہاری قوم کے بچوں کی پیشانیاں کیا کچھ پیشین گویاں کررہی ہیں
ذرا گہری نظر سے دیکھو کہ تمہاری عورتوں میں ان نوں کس قسم کا جوش مسرت پایا جاتا ہے۔
کیونکہ جس قوم کے بچوں اور عورتوں میں مسرت نہیں اور جس قوم کے موجود طبیعت دکھائی دیتے ہیں وہ قوم کسی مرض میں مبتلا ہے۔
دیکھو تو سہی کہ اس مجمعے میں اُمنگ بھی پائی جاتی ہے۔ اگر ہر سال بھی تم نہیں دیکھتے تو کیوں نہیں غور کرتے کہ اس کی وجہ کیا ہے کیا جن لوگوں نے سالِ حال میں مسلمانوں کی انجمن حمایت اسلام اور سکھہ صاحبان کے قومی جلسہ کو دیکھا ہے وہ ان باتوں کا موازنہ نہیں کرسکتے ہیں۔ اور کیا اُن کا دماغ اور دل ولوں اِس تفاوت کی بابت سوچتا نہیں رہا ہوگا اور کیا اُن کا دل سکھہ بھائیوں کو مبارک باد کہنے پر تیار نہیں ہوا ہوگا؟

آئینہ خاطریم و لیکن ز چند گاہ
در خاکدانِ دہر غبارے گرفتہ ایم

سلطان احمد لنڈ گوجرانوالہ

(۵۸)

متاعِ درد

در بازارِ جاں

وہ ریل گاڑی چلی آتی ہے۔ کیسی گڑگڑاہٹ ہے۔ دل دہلا جاتا ہے۔ ایلو وہ تو آن کی آن میں پل پر سے گزر کر اسٹیشن سے بہت قریب آگئی۔ اِسکی چیخ کس غضب کی ہے۔ کانوں کے پار ہوئی جاتی ہے۔ پھر ایک زلزلہ خیز گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی صاحب وہ تو بات کرتے پلیٹ فارم کے پاس آ گئی۔ انجن کا شور سنتا اور ناتا کیا ہیبتناک ہے! الٰہی تیری پناہ! اب وہ ایک دم ٹھیر گئی۔ نہ وہ گڑگڑاہٹ ہے نہ چیخ نہ سناٹا۔ صرف ایک شائیں شائیں سننے میں آتی ہے اور بس۔ اچھا تو لیجئے۔ اِدھر سے اُدھر تک ساری ٹرین کی سیر کیجئے۔

مسافر اترنے چڑھنے شروع ہو گئے۔ کیا پہلے اِنہی کی کیفیت دیکھیں؟ نہیں۔ پہلے ایک بار ساری ٹرین پر سرسری نظر ڈال لیں۔

اوہو۔ اِس میں تو مسافر گاڑیوں کے پیچھے بہت ساری مال گاڑیاں بھی جڑی ہوئی ہیں۔ یہ لاکھوں من بوجھ کیسے کھینچا ہوگا؟ چھکڑوں میں سو پچاس من ہی بوجھ لادا جاتا ہے۔ مگر بیل بے چارے کھینچتے کھینچتے ہلکان ہو جاتے ہیں تھوڑی دیر کے لیے اِن بے زبانوں کی مصیبت کا تصور باندھو تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اِس لیے کہ بیل جاندار ہیں۔ مگر انجن کی شاقہ محنت پر کسی کا دل نہیں کڑھتا۔ حالانکہ وہ بے چارہ بھی سیکڑوں گھوڑوں کی طاقت سے اپنی کٹھن ڈیوٹی کو انجام دیتا ہے۔ اِس کا درد ہمارے دل میں کسو جہ سے پیدا نہیں ہوتا؟

اِس واسطے کہ ہم نے اِسے بیجان سمجھ رکھا ہے۔ آہ! یہ انسان کی بھول ہے۔ سوچو تو۔ کیا وہ جانداروں کی طرح بلکہ اُن سے بھی سوا کام نہیں کرتا یا کھاتا پیتا بولتا چالتا نہیں؟ پانی پینے میں تو وہ اور یہ یکساں شریک ہیں۔ رہا کھانا۔ آپ شاید یہ کہیں کہ انجن تو کوئلے کھاتا ہے۔ کوئلہ بھی غذا ہے؟ مگر کیا جانداروں کی غذائیں مختلف نہیں ہوتیں؟ کوئی مخلوق نہایت لطیف و لذیذ کھانے کھاتی ہے کوئی گھاس پات کوئی اِس سے بھی گئی گزری، روئیدگی۔ اونٹ کتنی جفاکشی اور صبر و استقلال سے ناشکرے انسان کی خدمت کرتا ہے۔ اور اُسکی غذا کیا ہے؟ نیم جیسی کڑوی بلا یا کانٹے وغیرہ۔ مگر افسوس انسان اپنے سوا کسی اور کی قدر ہی نہیں جانتا۔ یہ اُسی کفرانِ نعمت کی سزا ہے کہ کل تک جو چھوٹے تھے۔ آج وہ بڑے کیے جا رہے ہیں اور بڑائی کا پتلا انسان کمال بے دردی سے گھاس کی طرح کٹ رہا ہے۔ اور پھونس کی طرح آگ میں بھسم ہو رہا ہے۔ مگر جن ضروریاتِ زندگی کو وہ نہایت بے توقیری سے دیکھتا۔ حقیر سمجھتا۔ اور بے دریغ بڑے اسراف کے ساتھ اُنکو خرچ کرتا تھا۔ وہ روز بروز سخت کمیاب بلکہ نایاب ہوتی جاتی ہیں ؂

ایک وہ وقت تھا کہ کورے کاغذ کی ردی کو بھی خدا کے پیارے[۱] کہیں پڑا پاتے تو ادب و تعظیم سے اُٹھا لیتے تھے کہ اسپر خدا اور اُسکے برگزیدوں کی باتیں لکھی جاتی ہیں مگر اِس زمانہ میں کاغذ کی وہ بے قدری بلکہ بے ادبی روا رکھی گئی ہے کہ خدا و رسول کا کلام بھی لکھا ہوا پاؤں میں رُلتا پھرتا ہے۔ اور بے ادب بدنصیب اُسکی پروا نہیں کرتے ؂

دیاسلائی کتنی مفید و ضروری چیز ہے۔ قدرت نے اپنے دیگر عطیات کی طرح اسے بھی اِس قدر ارزاں کر دیا تھا کہ تھوڑی مدت گزری۔ پیسے کے دو دو بکس اچھے سے اچھے ملتے تھے۔ انسان کی ناشکری کی سزا اُسے خدا جانے کن کن شکلوں میں

---

[۱] شاید امام ابو حنیفہ رح کا ذکر ہے ؂

ملتی ہے۔ یہی دیاسلائی کے بکس۔ اعلیٰ نہیں گھٹیا قسم کے اُس وقت سے پانچ چھ گنی قیمت پا رہے ہیں۔ اور کل کی خبر نہیں +

سوئیاں جن کے بغیر ہمارا شادی غمی کا کوئی کام نہیں چل سکتا۔ پیسے کی بیس بیس گلی گلی بکتی پھرتی تھیں۔ اور تھوک دار سوداگروں کو چالیس پچاس سے کیا کم پڑتی ہونگی مگر انسان کو ناشکری کی سزا اور چھوٹوں کو بڑائی ملنی ضرور تھی سو دیکھ لو اب وہی سوئیاں پیسے کی دو تین ہی مشکل سے پڑتی ہیں +

ہاں تو انسان واقعی میں بڑا ناشکرا ہے۔ دیکھو متاع درد کیسی قیمتی و قابل قدر چیز ہے کہ اس بغیر آدمی انسان ہی نہیں کہلا سکتا۔ پھر لطف یہ کہ قدرت نے جسمانی ضروریات زندگی کی طرح اسے بھی بہت ہی ارزاں اور بالکل عام کر دیا ہے جو چاہے ہر جگہ اس سے باآسانی تمتع اٹھا سکتا ہے۔ لیکن آہ! بہت تھوڑی آنکھیں ہیں جنہیں اس پونجی کی شناخت ہو۔ بہت تھوڑے دماغ ہیں جو اسکے نشیب و فراز کو قابل غور و لائق توجہ سمجھتے ہوں۔ اور بہت ہی تھوڑے دل ہیں جنہیں اسکی دیکھ بھال کا چسکا ہو +

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی عقیدتمند کچھ بالائی کے لڈو بطور نذر لایا۔ آپنے کسی مرید کو دیدیئے۔ اس نے ایک ایک لڈو کے دو دو لقمے کر ذرا سی دیر میں کھاپی برابر کیے۔ بات آئی گئی ہوئی۔ چند روز بعد حضرت نے دریافت فرمایا۔ میاں فلانے! ایک دن ہم نے تم کو کچھ لڈو دیئے تھے وہ کیا ہوئے عرض کیا۔ حضور! وہ تو میں نے اُسیوقت کھالیے۔ بہت تعجب اور افسوس کے ساتھ ارشاد ہوا کہ اوہو! تم نے یوں ہی کھالیے۔ شاید تم کو انکا کھانا نہیں آتا۔ مرید بہت حیران ہوا۔ اور بولا۔ یا حضرت! لڈو دو کا کھالینا کونسا مشکل یا پیچیدہ کام ہے۔ حضور ہی فرمائیں کیسے کھانے چاہئیں تھے؟ اتفاق سے

پھر کسی نے نذر کے طور پر ویسے ہی بالائی کے لڈو پیشکش کیے۔ جنہیں دیکھکر حضرت کو پچھلے لڈو یاد آ گئے۔ اور مرید سے استفسار فرمانے کا خیال پیدا ہوا تھا تو اب اسکے پوچھنے پر آپنے ایک لڈو اٹھایا۔ اسمیں سے ذرا سا پھور ا زبان مبارک پر رکھا اور فرمانے لگے کہ اوہو! اسمیں کیا کیا چیزیں پڑی ہوں گی۔ انہیں کتنے آدمیوں نے کتنی محنت سے کس کس طرح تیار کیا ہو گا۔ خدائے تعالیٰ کا کیسا احسان عظیم کہ مظہر کو یونہی بے مشقت مل گئے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم (ملخصاً) غرض آپ ایک ایک ذرہ پر اسکی ساری ہسٹری دوہراتے اور شکر حق بجا لاتے کہ مظہر کا منہ اور یہ نعمت! خدایا محض تیرا فضل و احسان ہے ورنہ میں نے تو اسکا مستحق بننے کے لیئے کچھ بھی نہیں کیا" یہ ہیں متاع درد کے کرشمے۔ جو انسان کو خدا سے ملا سکتے ہیں اگر ان کی قدر ہو +

انجن کی جاں کا ہی اور شاقہ محنت پر خیال کر کے دلمیں درد پیدا نہیں ہوتا تو اچھا۔ لو آؤ۔ اور کہیں اسکی تلاش کریں۔ وہ تو ہر جگہ قدم قدم پر موجود ہو سکتا ہے بشرطیکہ آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے نہوں اور دل و دماغ میں خود فراموشی و رعونت کے تالے نہ ٹھکے ہوئے ہوں +

اے انسان! ہاں غافل انسان! بے درد و خود غرض انسان! تو زمین کا سینہ چاک کر کے اپنی کھیتی باڑی برتا ہے تو تجھے کچھ ترس نہیں آتا۔ کیوں؟ وہ بیجان ہے۔ اچھا سہی۔ تو درختوں کا کلیجہ چیر کر اپنے رہنے سہنے کے مکان اور سیکڑوں سامان تیار کرتا ہے مگر تیرا جی نہیں کڑھتا کہ وہ بھی تیرے نزدیک زمین کی طرح تو نہیں مگر ہے اک طرح بے جان ہی۔ مانا۔ تو پہاڑوں کے اعضا کو پاش پاش کر کے اپنے صدہا کام نکالتا ہے۔ لیکن تجھے ذرا درد نہیں آتا۔ اسلیئے کہ وہ بھی تیری ہی من گھڑت اصطلاح میں حیوان یا ذی روح نہیں۔ بلکہ جمادات کی قسم ہیں۔ خیر یہ بھی تسلیم۔ مگر کیا جان و ادب

اور خود تیرے ہی بنی نوع میں متاعِ درد کا کچھ گھاٹا ہے ؟

ذرا آنکھ کھول اور دیکھ ۔ تیرے گرد و پیش کتنی بیکس بے بس ۔ بیمار لاچار اپاہج محتاج ۔ اور ترس کھانیکے قابل ہستیاں موجود ہیں ۔ کبھی تو نے عالمِ خیال میں انکی حالت اپنے اوپر وارد کرکے اندازہ کیا کہ وہ کس تلخی اور بے چینی کی زندگی بسر کرتے ہونگے کبھی تھوڑی سی تکلیف گوارا کرکے انکی مصیبت کا ذرا سا بھی بوجھ ہلکا کرنے کی تو نے پروا کی ؟ خدارا سچ بتا کبھی یہ بھی سوچا کہ تو اُن کی جگہ ہوا اور وہ تیری جگہ ۔ تو آدم کی اولاد بھائی بھائی ہونیکے دعوے پر تیرا دل اُنسے کیا کیا توقعات رکھیگا ؟ مگر آہ ! اے کافر نعمت ! بنی نوع کی ہمدردی تو در کنار تُو تو اُس خدا کا بھی شکر گزار نہیں جو قادر ہے کہ تیری حالت اُن سے بھی بدتر کردے مگر تجھے کبھی اسپر غور کرنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ اُن احسانات کا مجھے کیا حق حاصل تھا اور اب انکی وجہ سے مجھپر کیا کیا فرائض عاید ہوتے ہیں ؟

خدا ہی تیری آنکھیں کھولے اور تجھے اسبات کی سوجھ بوجھ پیدا ہو کہ دنیا و ما فیہا میں یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ؟ میری ذمہ داریاں اسمیں کیا کیا ہیں ۔ اور ان سب کیطرف سے آنکھیں میچے رکھنے پر میرا کیا حشر ہونا ہے ؟

اطرافِ عالم میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہو رہا ہے ۔ کارخانہ قدرت بدستور جاری ہے مگر قدرت کے کرشموں نے صفحۂ ہستی پر ایک ہلچل ڈال رکھی ہے انسانی اخلاق و تمدن پیترے بدل بدلکر صدیوں پیچھے ہٹ رہا ہے ۔ ہزاروں نہیں لاکھوں جانیں نفسانیت اور ہواہوسی کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھ رہی ہیں ۔ کیا یہ سب کچھ یونہی بلاوجہ اور بغیر کسی حکمت و مصلحت کے ہو رہا ہے ! حاشا و کلا ۔ مگر آہ کتنے ہیں جو آسمان کے تیور پہچانتے اور ان انقلابات کی کُنہ جانتے ہوں ۔ جاننا کیسا ۔ انکی پرواہی نہیں کرتے ۔ واللہ غالب علیٰ امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۔

احمد حسین فریدآبادی

جنت کی ڈاک

رات ہے۔ اندھیرا ہے۔ میدان ہو سنسان ہے۔ باغ ہے بےچراغ ہے۔ چراغ ہے بے نور ہے۔ اہل ہوش ہیں۔ خود فراموش ہیں۔

افسردہ اور داغ بدل چاند ستاروں سے کہہ رہا ہے اے نورانی پھول اے نیلگوں گہوارے کی جھولنے والی ہستیو! اے بلند فضا کے چمکنے والے جگنوؤ! آنکھیں کھولو۔ زیادہ پاؤں نہ پھیلاؤ۔ چند گھڑی کے مہمان ہو۔ تم چراغ سحری ہو۔ میں آفتاب لب بام ہوں۔

افق مشرق سے ادھر آفتاب نکلا۔ پھر کچھ نہیں۔ ہم ہیں نہ تم نہ انجمن ہے نہ شمع ہے نہ نور ہے نہ ظہور ہے۔

چنداں بود کرشمۂ نازسہی قداں ۔ کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

الٰہی خیر۔ آندھی آئی اوہ بڑے زور کی آندھی۔ بادل گرجے۔ بجلیاں چمکیں۔ موسلا دھار بارش ہوئی۔ کڑ کڑ کڑ۔ کہیں بجلی گری۔ ایک جھونپڑے میں دو چھوٹے چھوٹے بچے سوتے سے اچھل پڑے۔ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ ان میں ایک تو چلا چلا کر ماں کو پکار رہا ہے اور دوسرا جو اس سے بھی کم عمر ہے۔ گھبرا گھبرا کر دوسرے کی صورت دیکھتا اور منہ بنا بنا کر بسورتا ہے۔

ان بچوں کے پاس ہی ایک بڑھیا عورت سو رہی تھی وہ بیچاری بھی آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ بچوں کو گود میں لیکر لگی بہلانے۔ مگر بچے ہیں کہ رو رو کر اپنی جان ہلکان کیے دیتے ہیں۔ اماں اماں کہکر چیختے ہیں۔ مگر ماں ہے کہ جواب نہیں دیتی۔ بچوں کے بلکنے پر اسکا دل نہیں پسیجتا۔ شاید گھر میں نہیں ہے۔ کہیں مہمان گئی ہوگی۔

مگر اتنے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر کوئی ماں کہیں مہمان نہیں جا سکتی۔ اب روتے روتے بچوں کو پورا ایک گھنٹہ گزر چکا۔ بڑھیا لاکھ سمجھاتی ہے مگر ان کا رونا نہیں تھمتا

رٹ لگی ہوئی ہے کہ اماں کو بلادو۔ امی جان کہاں گئیں؟ اماں! اماں! کون جواب دے؟ کوئی ہو تو بولے!

تین دن ہوئے فالج کی شکایت سے ماں کا انتقال ہوگیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بڑھیا نانی کے حوالے کر کے چل بسیں۔ باپ ماں سے ایک مہینہ پہلے ہی رخصت ہوگیا۔ اب یتیموں کا اللہ بیلی۔ ان میں ایک بچے کی عمر تین برس ہے۔ دوسرے کی چار برس آج رات کے دردناک واقعہ نے تین دن کی مردہ ماں کی یاد تازہ کردی۔ بڑھیا ہر چند چاہتی ہے کہ بچے کسی طرح سوجائیں۔ ماں کی یاد بھول جائیں۔ گلے سے لگاتی ہے پیار کرتی ہے۔ سمجھاتی ہے۔ مناتی ہے۔ کبھی کہتی ہے کہ تمہاری ماں مہمان گئی ہیں کل صبح تک ضرور آجائیں گی کبھی کہتی ہے۔ تمہارے لئے کھلونے لینے مینا بازار گئی ہیں بس اب آتی ہوں گی۔ لو پیارو سوجاؤ صبح ماں سے مل لینا۔ یہ کہکر خود بھی چپکے چپکے رونے جاتی ہے۔ بچے سنبھلتے نہیں۔ سنبھلیں کیونکر؟ تسکین ہو تو کس طرح۔ بڑھیا کی گفتگو میں کوئی بھی تو حرف صداقت ہوتا۔ ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

بڑھیا کو سمجھاتے سمجھاتے۔ بچوں کو روتے روتے صبح ہوگئی۔ نہ خود سوئے نہ بڑھیا کو سونے دیا۔ صبح ہوتے ہی بڑا بچہ کہنے لگا۔ نانی اماں! تم نے کہا تھا کہ اماں صبح کو ضرور آجائیں گی۔ لیجئے اب تو صبح بھی ہوگئی۔ اب اماں کب آئیں گی۔ اتنا کہہ کر نہایت بے صبری سے جواب کے انتظار میں بڑھیا کی صورت دیکھنے لگا۔

بڑھیا۔ بیٹا! اب کچھ اور باتیں کرو۔ ماں کی یاد دل بھلادو۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایسی جگہ گئی ہیں کہ پھر واپس نہیں آسکتیں۔

بچہ (نہایت گھبراہٹ کے ساتھ) یہ کیوں!۔ اچھا وہ نہ آئیں کیا ہم کو بھی نہیں بلا سکتیں؟

بڑھیا (آہستہ سے) خدا نہ کرے (زور سے) ہاں جب انکو اجازت ہوگی تو

تم کو بھی بُلالیں گی ۔

بچہ۔ آخر اماں ایسی کہاں گئیں جو واپس آنے میں اسقدر بے بس ہیں ۔

بُڑھیا۔ اللہ میاں کے پاس جنت میں ۔

بچہ۔ جنت کیا ہوتی ہے ؟

بُڑھیا۔ جنت ایک باغ ہی جسکو اللہ میاں نے اپنے نیک بندوں کے لئے آسمان پر بنایا ہے ۔

بچہ۔ اچھا ہم اپنی ماں کو ایک خط کیوں نہ بھیجیں ۔ شاید ہماری حالت پر رحم کر کے اللہ میاں سے ہمارے پاس آنے کی اجازت لے سکیں یا ہمیں کو بلوالیں ۔

بُڑھیا بھیجو گے کس کے ہاتھ ۔

بچہ۔ جس طرح اور سب خط بھیجتے ہیں ۔ اسی طرح اسکو بھی ڈاک خانہ میں ڈال آئینگے ۔

بُڑھیا۔ وہاں ڈاک کے ذریعہ کوئی خط نہیں جا سکتا کوئی ڈاکیہ وہاں تک خط نہیں پہنچا سکتا ۔

بچہ۔ اچھا تو ہم اپنا خط اپنے کبوتر کے گلے میں کیوں نہ باندھ دیں ۔ اسکو تو کوئی نہیں روکے گا ۔ وہ سیدھا ہمارا خط لیکر اڑان بھرتا ہوا جنت کی دیوار پر جا بیٹھے گا امی جان اپنا کبوتر پہچان کر اُسکے گلے سے ضرور خط کھول لیں گی ۔

امی جان کہتی تھیں کہ پُرانے زمانہ میں دور دراز ملکوں میں کبوتر ہی خط پہنچایا کرتے تھے ۔ اتنا کہکر بڑھیا کے جواب کا انتظار کئے بغیر بڑا بچہ بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا اور قلم دوات لیکر شکستہ حرفوں میں اپنی شکستہ حالی کا دُکھڑا اس طرح لکھا

نظم

اپنے بچوں کو اماں سنبھالو ‏ خاک پر لوٹتے ہیں اُٹھالو

تم جہاں ہو ہمیں بھی بُلالو ‏ اپنے زانو پہ دم بھر سُلالو

پیاری اماں گلے سے لگالو

خاک پہ ہم گریں، تم اُٹھا لو — پھر بگڑ جائیں ہم۔ تم منا لو
ہم یتیموں کے دل کی دعا لو — پیار سے ہاں ذرا پھر بلا لو
پیاری اماں گلے سے لگا لو

شام غم کی بھی حسرت سحر ہے! — آہ مظلوم میں بھی اثر ہے؟
بیکسوں پر بھی اماں نظر ہے؛ — ہم یتیموں کی کچھ بھی خبر ہے؟
پیاری اماں گلے سے لگا لو

اُٹھ گیا جب تمہارا سہارا — کون ہے اب جہاں میں ہمارا
ہو گئے ننھے دل پارا پارا — ضبط کا اب نہیں ہم میں یارا
پیاری اماں گلے سے لگا لو

اشک آنکھوں سے کب تک رواں ہو؟ — چشم مشتاق سے کیوں نہاں ہو؟
دے دو آواز اماں کہاں ہو؟ — اپنے بچوں پہ گر مہرباں ہو؟
پیاری اماں گلے سے لگا لو

ہم سے گر دل دکھا ہے تمہارا — عفو کر دیجئے گا خدارا
آہ کوئی نہیں اب ہمارا — اپنے بچوں سے کب تک کنارا
پیاری اماں گلے سے لگا لو

رات بجلی نے تڑپا کے مارا — رہ گئے ڈھونڈتے ہم سہارا
دل پسیجا نہ اماں تمہارا! — لاکھ رو رو کے ہم نے پکارا
پیاری اماں گلے سے لگا لو

ادھ موئے ہو رہے ہیں تعب سے — ہوش اُڑتے ہیں بجلی نے شب سے
ننھی جانیں تڑپتی ہیں تب سے — ہاتھ پھیلائے ہیں ہم نے کب سے
پیاری اماں گلے سے لگا لو

باندھ کر نامہ شوق یکسر آج ہم بھیجتے ہیں کبوتر
جلد تر دو جواب اسکا مادر آخری عرض ہے یہ مکرر
پیاری اماں گلے سے لگالو

خط تمام کرکے پیچھے میں سنگے ہوئے گھروندے کے سرے سے صحنک ہٹائی اُس میں سے کبوتر نکال گلے میں خط باندھکر تبسم ریخ اڑادیا اور دونوں بچے یاس و حسرت بھری نگاہوں سے یہ شعر پڑھتے ہوئے۔

Fly away birdie to heaven
Find our dear Mamma there

(ترجمہ) اے پرندہ او باغ جناں خدارا
تو ہی ہماری ماں کو پہنچانہ خط ہمارا

اُسوقت تک دیکھتے رہے جبتک وہ نظروں سے غائب نہیں ہوگیا۔
انیجہ حیدرآبادی

ایڈیٹر صاحب نظام المشائخ

السلام علیکم۔ آپکے رسالہ نظام المشائخ بابت ذیقعدہ ۱۳۲۵ ہجری میں میرا مضمون "ایک کیڑے کی خندق" کے عنوان سے چھپا ہے۔ اسمیں صفحہ ۱۵ پر لفظ کُپ غلط لکھا گیا ہے جس نکیف ننا نتا جن کی اصل غالباً تیف ہے۔
نیز اسی مضمون کے صفحہ ۱۹ پر لفظ بھنانی بھی غلط ہے اصل میں بھنبنائی ہوئی ہے اسکی اصلاح شائع کردیجیے۔

حسن نظامی

حمد و نعت

(۱)

ہر لب پر ہے چرچا تیرا — ہر سر میں ہے سودا تیرا
جلوہ ذرہ ذرا تیرا — قبضہ تیرہ چپا تیرا
عرش سے لیکر فرش تلک ہے — شاہی تیری قبضہ تیرا
وحدہ یکتا ذات ہے تیری — کوئی نہیں ہے ہمتا تیرا
تھک نہ سلجھا فلسفیوں سے — لاینحل ہے معما تیرا
کس کا تو معبود نہیں ہے — کون نہیں ہے بندا تیرا
جن و بشر سے سنگ و شجر تک — سب پڑھتے ہیں کلمہ تیرا
باغ میں بلبل شیدا تیری — دشت میں آہو جویا تیرا
جرم و گنہ ہے فطرت میری — رحم و عفو ہے شیوا تیرا

حافظ بیچارا ان سے یارب
ہوئے شکر ادا کیا تیرا

(۲)

کس نے ثانی دیکھا تیرا — کس نے ہمسر پایا تیرا
نوع بشر میں جن و ملک میں — کون ہوا ہم پلہ تیرا
سبحان اللہ سبحان اللہ — صل علیٰ کیا کہنا تیرا
سب سے اعلیٰ ذات ہی تیری — سب سے ارفع رتبا تیرا
عرش سے فرش تلک جو کچھ ہے — بے شبہ ہے صدقا تیرا
بیروں تیرا زحد بیاں سے — عزت تیری رتبا تیرا

رات سے کالی زلفیں تیری　　چاند سے روشن مکھڑا تیرا
شرمندہ خورشید فلک ہو　　دیکھ کے روئے زیبا تیرا
شرمندہ شمشاد چمن ہے　　دیکھ کے قدِ زیبا تیرا
مر بھی گئے بہزاد و مانی　　کھینچ نہ سکا پر نقشا تیرا

حافظ کو ہو ناز نہ کیوں کر
کہلاتا ہے شیدا تیرا

تلمیذ الرحمٰن حافظ امام الدین رام نگری

۴۸۶

حج کعبہ

ہے خدا کا لاکھ احسان کہ زمانہ حج کا آیا　　بصد آرزو و ارمان چلے کعبہ کو فدائی
تھا ہر ایک سر میں سودا تھی ہر ایک دل میں خواہش　　کہ کسی طرح ہو آخر در یار تک رسائی
یہ گناہگار بیچارہ یہ سیاہ کار مجہول　　بہزار شوق نکلا یہ لباس بینوائی
جو سمایا شوق ناگاہ ہوا قافلہ کے ہمراہ　　تھی خدا کی یاد لیکن بہ ثباتِ خود نمائی
وہ صعوبتیں سفر کی وہ تراکم و تلاطم　　نہ بھنور کہ جس میں پھنسکر نہ ہو صورتِ رہائی
ہوا تیس دن میں جاکر کہیں خاتمہ سفر کا　　کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی
وہ مکان رب کعبہ نظر آرہا ہے دیکھو　　یہی یار کی گلی ہے یہی درِ خدائی
ہوئے سب حرم میں داخل ہوئے سب خدا سے واصل　　چلا میں بھی ساتھ سب کے بخیال جبہہ سائی

وہیں ناگہاں کسی نے مجھے بس یہ کہکے روکا
"تو بروں در چہ کردی کہ درون خانہ آئی"

امجد حیدرآبادی

عیدِ قرباں سے

جو گھبراتا ہوں شامِ غم کے آشار پریشاں سے
تو یوں رو رو کے کہتا ہوں "ہلالِ عیدِ قرباں سے"
کہ اے روشن جبیں ہو آ
مجھے پاس آ کے تسکیں دے
جمالِ نازنیں والے
اُتر آ چرخِ گرداں سے
شپکنے دے سکونِ ظالم ترے رخسارِ تاباں سے

یہ تاریکی یہ سناٹا یہ آہوں کے سیہ بادل
ارے کیوں کر نکل آیا سوادِ شامِ ہجراں سے
مگر تو سرنگوں کیوں ہے؟
نظر آتا ہے کیوں ششدر؟
تری حیرت فزوں کیونکر؟
کہ نکلا ہے خمیدہ سر
تری تصویر ملتی ہے مری تصویرِ حیراں سے

گدازِ سوزِ غم کو لب تک آنے کی کہاں فرصت
کہ اب شعلے نکلتے ہیں مرے چاکِ گریباں سے
ہوا جاتا ہوں خاکستر
مٹا جاتا ہوں دم بھر میں
مثالِ کاہ جل جل کر،
کہ ہے تقدیر چپکے ہیں،
کوئی درماں چھڑک دے اپنے دستِ نور افشاں سے

ستارے آسماں پر کیوں نہ چشمک زن ہوں رہ رہ کر
انھیں تو لاگ ہے آفت زدوں کے داغِ پنہاں سے
یہ راتوں کو چمکتے ہیں
گُلِ تنویر بن بن کر،
مرے دل میں کھٹکتے ہیں
زبانِ تیر بن بن کر،
گرا دیتے ہیں نشتر سے فضائے انجمستاں سے

مدینہ میں اماں مل جائے گی عصیاں شعاری کو
مگر کس طرح نکلوں ہند کے تاریک زنداں سے
نہ قوت ہے نہ یارا ہے
نہ ہے اُمید آزادی
غمِ فرقت نے مارا ہے

بنوں کیوں کر نہ فریادی
امانت خواہ ہوں تیری شعاعِ جذب ساماں سے

تنِ کاہیدہ میرا اور تری کرنوں کا جھولا ہو
اُڑوں اس طرح نکہت جیسے اُڑتی ہے خیاباں سے
پہنچ جاؤں مدینے میں
مزہ آ جائے جینے کا
دلِ بے صبر سینے میں
ندیدہ ہے مدینے کا
اگر تو لے چلے مجکو تو میں چھٹ جاؤں حرماں سے

مری "یہ حسرتِ دیریں" ہلالِ عید پوری کر
کہ میں تنگ آ گیا ہوں اپنی امیدوں کے ہیجاں سے
خدا رکھے تجھے روشن
نگاہیں تجھ پہ ہوں قرباں
مرا غمخوار و مونس بن
کہ پورا ہو مرا ارماں
مجھے لٹکا کے لے چل ضو فگن کرنوں کے داماں سے

مجھے اپنے "حجازی چاند" پر قربان ہونا ہے
پہنچنا اسلئے لازم ہے پہلے عید قرباں سے
جو اُسکی دید ہو جائے
تو میں قربان ہو جاؤں
مجھے بھی عید ہو جائے
کہ اپنا مدعا پاؤں
الٰہی! ہو چمک تیری سوا مہرِ درخشاں سے

سیماب (صدیقی الوارثی اکبر آبادی)

۳۳

زاہدِ شب بیدار

وہ دہی لیلائے شب کا دن گیا پھر رات ہے عالم روشن سراسر پردۂ ظلمات ہے
ہے خموشی چار سو۔ کیا بات ہے کیا بات ہے حافظ و ناصر ہمیشہ اک خدا کی ذات ہے

مست و غافل ساری دنیا اس گھڑی ہے خواب میں
سر جھکائے بیٹھا ہے زاہد مگر محراب میں

کام ہے اسکو فقط تسبیح سے تہلیل سے اور علومِ باطنی کی بے بہا تحصیل سے
کیسی لذت پا رہا ہے نفس کی تکمیل سے دل کو روشن کر رہا ہے عشق کی قندیل سے

بادۂ عرفاں سے وہ سرمست ہے سرشار ہے
یہ وہ پینے والا ہے جو پی کے بھی ہشیار ہے

بادۂ عشقِ حقیقی کا چھلکتا جام ہے نوش جاں زاہد کرے یہ مئے گلفام ہے
جو اسے پی لے اُسے دنیا سے پھر کیا کام ہے ہے وہی رندِ حقیقی رند اس کا نام ہے

بادۂ عرفاں پئے انساں اگر مئے نوش ہو
نورِ حق آنکھوں میں پھر جائے تو وہ مدہوش ہو

بیخودی ہے کس قدر کیا لطف استغراق ہے سامنے محراب کعبہ ہے حرم کا طاق ہے
ساغرِ جم کا دل زاہد ہے اب اطلاق ہے آنکھیں دونوں بند ہیں پیشِ نظر آفاق ہے

ظاہراً بیٹھا ہوا ہے وہ زمیں کے فرش پر
دل ہے اُس مردِ خدا کا ہے خدا کے عرش پر

بند کرنا آنکھ کا اس بات کی تمہید ہے دیدۂ دل سے کسی کا اشتیاقِ دید ہے
مرشدِ کامل کی اپنے ہر طرح تقلید ہے یہ ریاضت یا مشقت گویا اس کی عید ہے

یہ عبادت یار کی صورت اسے دکھلائیگی
لطف کا انجام ہو گا۔ یہ گلے ملوائیگی

اس طرف تسبیح پھیری ہاتھ میں گر بار بار   اُس طرف اشک مسلسل کا بھی یہ ٹوٹا نہ تار
روتے روتے ہوگیا جب ہجر میں بے اختیار   یار کے اوصاف کا کرنے لگا دل میں شمار
بیخودی کہتی ہے اب تسبیح سے کیا کام ہے
ہر نفس سے جب نکلتا یار ہی کا نام ہے

کیا مجال آ جائے اُسکے شغل میں کوئی خلل   یاد حق سے کیا شگفتہ ہو گیا دل کا کنول
کیا جواب اسکا ہے۔ ہو یہ سجدے بے بدل   دیکھتا ہو دیکھتا ہے جب شیخ نے حسن ازل
اہل ظاہر کہہ رہے ہیں یہ بیچا تھا فرش پر
اہل باطن کہہ رہے ہیں اڑ گیا تھا عرش پر

زاہد اب بہلاتا ہے اپنے دل مجبور کو   ہر گھڑی مد نظر رکھتا ہے اُسکے نور کو
ڈھونڈھتا ہے پھر سے جلوہ مستور کو   دیکھنے والا ہے وہ ہر دم چراغ طور کو
گوشۂ خلوت سے اٹھکر اب کدھر جائیگا وہ
دید کا لپکا پڑا ہے۔ رو کے مر جائیگا وہ

باسط بسوانی

فغان یتیم

ہے رنج و درد میں ڈوبی ہوئی فغاں میری   بھری ہی حسرت و حرماں سے داستاں میری
لہو رلاتی ہے یہ چشم خوں چکاں میری   عجیب ضیق میں ہے جان ناتواں میری
کہوں تو کس سے کہوں ماجرائے غم اپنا
سُنے تو کون سُنے قصۂ الم اپنا

ستم رسیدہ ہوں آوارۂ وطن ہوں میں — اسیرِ دامِ ملالِ غم و محن ہوں میں
غریب و بیکس و ناچار و خستہ تن ہوں میں — ذلیل بندۂ خلاقِ ذوالمنن ہوں میں

گواہ ذلت و خواری شکستہ حالی ہے
یتیم کا کوئی ہمدم ہے نہ والی ہے

میں بے زبان ہوں کیونکر کہوں فسانۂ غم — کروں تو کس سے کروں آہ! شکوۂ عالم
مصیبتوں میں نہیں کوئی مونس و ہمدم — نہیں ہے کوئی بھی پرسانِ حالِ مبتلائے ستم

ہماری آہ میں کچھ بھی نہیں اثر افسوس
یتیم کی نہیں لیتا کوئی خبر افسوس

نڈھال ہو گیا فاقوں سے میرا جسم نزار — نہ چین دن کو میسر نہ رات کو ہے قرار
پڑا ہوں بسترِ غم پر میں صورتِ بیمار — دکھاؤں آہ! کسے داغ سینۂ افگار

نہ مونسے نہ شفیقے نہ ہمدمے دارم
ز دردِ دل چہ کہ گویم عجب غمے دارم

عجیب ڈھنگ ہے رنگِ چرخِ مینائی — کہ بیکسی کی ہے چاروں طرف گھٹا چھائی
ہزار حیف ہے خلقِ خدا تماشائی — کوئی نظر نہیں آتا وفا کا شیدائی

وہ بے وفا ہے جسے وفا کی تھی امید
چھپا ہے ابرِ سیہ میں خلوص کا خورشید

خبر لو جلد کہاں تک میں رنج و غم کھاؤں — کسے کسے میں یتیمی کے داغ دکھلاؤں
تمہارے نخلِ اخوت کا کچھ تو پھل پاؤں — کہیں نہ غیر کے ہاتھوں میں مفت بک جاؤں

مدد کا وقت ہے اے باحشم مسلمانو
ستم زدوں پہ خدارا کرم مسلمانو

شہیدِ گردشِ لیل و نہار ہم بھی ہیں — خزاں رسیدہ گلِ نوبہار ہم بھی ہیں

نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں   تمہاری قوم کی اک یادگار ہم بھی ہیں

جگر کو تھام لو دل سوز ہے فغانِ یتیم
سُنا رہا ہے تمھیں آج داستانِ یتیم

توج گیاوی

آئینہ

جلوۂ حُسن پہ جو مرتا ہے   اُلفت آئینہ روسے کرتا ہے
گر آئینہ رو کو آئینہ   زینت و زیب کا ہو گنجینہ
آئینے کو یہ پیار کرتا ہے   پیار بھی بار بار کرتا ہے
آئینے کا ہے سامنا پہروں   زلف کا ہے سنوارنا پہروں
دل یہ کہتا ہے صورت اچھی ہے   شاہدِ آئینہ۔ بات سچی ہے
دیکھتا ہے کبھی خمِ ابرو   تیرِ مژگاں کبھی۔ کبھی گیسو
سُرخیٔ پاں کو دیکھتا ہے کبھی   مِسّی دنداں کو دیکھتا ہے کبھی
گوش و بینی پہ ہے نظر ہر بار   ہے تجلّیٔ حُسن گوہر بار
مائل اُس پر اگر طبیعت ہو   ق   جیسی صورت ہو ویسی سیرت ہو
حُسن کی پھر بہار ہو دونی   زینتِ حُسن میں ہو افزونی
تو ہی کیا۔ فرشتہ قائل ہو   کیا پری حورِ خلد مائل ہو
اے بشر! جاہ و مال پر نہ اکڑ   اپنے حُسن و جمال پر نہ اکڑ
دیکھکر آئینہ نہ بن خود بیں   آدمیت کا یہ نہیں آئیں
ہو اگر آئینے کی تجھ کو چاہ   آئینہ آگے تیرے ہو اک جاہ
کر بشر شکرِ نعمتِ یزداں   کہ بنایا گیا ہے تو انساں

ناک، آنکھ اور کان سب ہیں درست — ہاتھ لو، پاؤں بھی ہیں کام میں چست
اے بشر! غور کر تو انساں ہے — کیسا خالق کا تجھ پہ احساں ہے
آنکھ دی آنکھ میں دی بینائی — دی زباں اور زباں میں گویائی
جان دی کیسی یہ عنایت ہے — عقل دی کیسی یہ کرامت ہے
تیری صورت ہو زشت گر انساں — آئینہ دیکھ کر نہ ہو حیراں
صورت اچھی تو ہو نہیں سکتی — گو اٹھائے تو کیسی ہی سختی
سعی کر۔ تاکہ اچھی سیرت ہو — آدمی ہے تو آدمیت ہو
تجھ میں پیدا ہو خُلق کا جوہر — نہیں امکان سے ترے باہر
تیری اچھی نہیں اگر سیرت — کام کیا آئے ظاہری صورت
بیش قیمت اگر ترا ہو لباس — کیا تری عزت اہل عقل کے پاس
گو پہن لے تو جامۂ دیبا — آئینہ دیکھ کر نہ ہو زیبا
تجھ سے کہدیگا صاف آئینہ — پہلے اپنا تو صاف کر سینہ
کچھ سمجھ میں تری اگر آئے — عقل پھر راہ راست پر لائے
عقل سے کچھ تو کام لے انساں — آئینہ دیکھ کر نہ ہو حیراں
آئینہ اتنا کام آتا ہے — تیری صورت تجھے دکھاتا ہے
کوئی مطلوب ہو اگر تیرا — آئینے میں نظر نہ آئے گا
قلب تیرا بنے گر آئینہ — حال دنیا ہو تجھ پہ آئینہ
دیکھ لے اسمیں صورت مطلوب — نظر آئے گی طلعت محبوب
نفس امارہ کو نہ کر غالب — اپنا دل آئینہ بنا طالب!
بس یہی قلب۔ جام ہے جم کا — ہے سکندر کے آئینے سے سوا
جوہر انساں کا نیک سیرت ہے — یہی انساں کی شرافت ہے

ہم کو لیکن اسی سے غفلت ہے ہلئے کیسی ہماری نکبت ہے
سب نمایش کا کام کرتے ہیں زینتِ ظاہری پہ مرتے ہیں
حسنِ باطن کا کچھ خیال نہیں دین بگڑے تو کچھ ملال نہیں
ہوئے دنیا کے ۔ اوڑہ دیکھیے ہم نہ رہے ۔ حیف ہی کہیں کے ہم
لے خدا! سب ہیں تیرے ہی بندے سب کو توفیق نیک تو ہی دے
تجھ سے مجرم ذہین کی ہو دعا فضل اُس پہ بھی کر خدا خدا!

ذہین ۔ حیدرآبادی

غزل فارسی

از جناب ابوالمسلم عبدالقادر صاحب رضا سہارنپوری

دائم از صہبائے عشق کبریا مستانہ باش ہر دم از سودائے زلفِ مصطفےٰ دیوانہ باش
یار خود در دل نہ در دشت یا در خانہ باش جانِ خود آباد کن در شہر یا ویرانہ باش
بندِ عشقش را بدست آر و آزادانہ باش بندۂ شاہے شو و برماسوا شاہانہ باش
با وجودِ حق شہود غیر را باطل شمار غیر حق مطلب جُز فی از خودی بیگانہ باش
دستِ ترو زن اے جوان بر تجربۂ دنیا و دوں چوں زناں غافل مشو در راہِ حق مردانہ باش
خواہ ہر سوئے تو گردد منظر کشف و شہود در دعا صد زباں پیوستہ ہمچو شانہ باش
کن بتکبیر ریاضت پست غولِ نفس را روبہی بگذار ہاں مرد جری شیرانہ باش
در رہِ آں لم یزل باید نہ بر جائے قیام کن تمکن در ترقی طالبا یکجانہ باش
بے عملہائے نکو امید جنت جاہل ست کن بداعت پیشتر و انگہ بفکر دانہ باش
باعثِ تسکین پئے جانِ رضا دیدارِ تست اے مبرم بانشدہ دم یکدم جدا از ما نہ باش

تمت

یارانِ نظام المشائخ

(۱) جناب سید حسام الدین صاحب گیلانی کے تین روپوں میں سے نظام المشائخ بیرجا علی احمد رضا صاحب طالب علم ہمیرپور کے نام مفت جاری کر دیا گیا۔

(۲) عبد العزیز صاحب نظامی راولپنڈی کے بجائے منشی محمد میاں خانصاحب سفری امراوتی کے نام نظام المشائخ مفت جاری کر دیا گیا۔

جن حضرات نے توسیع اشاعت میں سعی کی ان کے اسمائے گرامی بتفصیل ذیل ہیں:

جناب محمد اکرام حسین صاحب سنگاریڈی نے جناب محمد اعظم صاحب ٹریژری اسسٹنٹ تعلقہ نیجگر کو

جناب سید محمد اسمٰعیل صاحب قادری جالنہ نے جناب محمد حسین الدین جالنہ کو

جناب عبد اللطیف خانصاحب بھوپال نے جناب محمد لعل صاحب عرف لالہ خاکروب بھوپال کو

جناب حکیم محمد چراغ صاحب لاہور نے جناب عبد الغفور صاحب لاہور کو۔

جناب پیرزادہ جیون بخش صاحب بابا لائل پور نے مسٹر نور الٰہی صاحب گوجرہ کو

جناب شیخ بشیر احمد صاحب قلعہ شنکر گڈھ نے جناب بابو گل محمد صاحب شنکر گڈھ کو

جناب داؤد بھائی عبد الکریم صاحب بمبئی نے جناب ملا رحمت علی صاحب رکھ بمبئی کو۔

جناب مولانا مولوی سید ابو محمد اسرائیل صاحب نے جناب سید عبد القادر صاحب بمبئی کو خریدار بنایا۔

جو خود خریدار ہوئے

جناب حکیم محمد شمس الدین خان صاحب ڈرائنگ ماسٹر گلبرگہ شریف

جناب شیخ عبد الرشید صاحب کٹک

جناب شیخ وزیر صاحب جلگاؤں

جناب مقصود احمد صاحب کورو

جناب عباس خاں صاحب راز مقام دھولیہ

جناب قاضی محی الدین صاحب سنڈا منگم

جناب آنریری سکرٹری صاحب مجمع الاحباب رنگون۔

جناب محمد یونس صاحب حسینی بریلی

جناب فتح محمد صاحب پٹواری نہر حلقہ گڈھ

جناب محمد عبد الرحیم صاحب سب انسپکٹر پولیس تعلقہ بسمت نگر۔

جناب حاجی سعد اللہ صاحب موضع جبی

جناب بہادر حسین صاحب سکرٹری مسلم لائبریری فیروز پور ضلع آگرہ

جناب سید احمد علی صاحب وکیل بیدر دکن

جناب محمد سردار صاحب جمعدار رسالہ نمبر ۷ لکھنؤ

جناب منشی ابو القمر محمد مبارک حسین صاحب نہ بانسا

جناب فرخ حسین صاحب گمٹیلہ متوہ

جناب سید عبد الحسین صاحب میرٹھ

جناب محمد منیر صاحب موضع رمضان پور

جناب سید محمد ادریس صاحب سب انسپکٹر پولیس جھجھ

جناب ایم عبد الصمد صاحب مدرس ٹیراجنڈ پٹ

جناب نواب محمد زین العابدین صاحب فاروقی حیدرآباد دکن

جناب عبد العزیز صاحب موضع چھینیاں

جناب عمر الدین صاحب بہت ولے جناب ڈاکٹر غوث نور بخش صاحب حیدرآباد دکن

نظام المشائخ دہلی کی کتابیں

قیمت	تصنیفات حضرت خواجہ حسن نظامی
ایک روپیہ	میلاد نامہ مع رسول بیتی
بارہ آنے	محرم نامہ
تین روپے	سفرنامہ مصر و شام و حجاز با تصویر
ڈیڑھ روپیہ	" " " " بے تصویر
ڈیڑھ روپیہ	سی پارہ دل مجموعہ مضامین خواجہ صاحب
ایک روپیہ	[illegible] موت
ایک روپیہ	انتخاب توحید
بارہ آنے	بیوی کی تعلیم
آٹھ آنے	چٹکیاں گدگدیاں
آٹھ آنے	تسخیر مہر و قمر
چھ آنے	[illegible]
دس آنے	اتالیق خطوط نویسی (مکمل)
[illegible] آنے	[illegible] ہند
[illegible] آنے	[illegible] کا [illegible]
[illegible] آنے	[illegible]
[illegible] آنے	[illegible]

قیمت	تصنیفات حضرت خواجہ حسن نظامی
چھ آنے	آپ بیتی
دو روپے	کرشن بیتی
بارہ آنے	مجموعہ خطوط خواجہ صاحب
چھ آنے	بچوں کی کہانیاں
تین آنے	جرمن نامہ
چھ آنے	فرانسیسی درویش
پانچ آنے	شیخ سنوسی
دو آنے	رسول کی عیدی
دو آنے	فلسفہ شہادت
	تصنیفات علامہ راشد الخیری
ایک روپیہ	شام زندگی
بارہ آنے	الزہرا
چھ آنے	سات روحوں کے اعمال نامے
	متفرقات
[illegible]	شاہنشاہ [illegible] مع ترجمہ انگریزی
[illegible] آنے	(اورنگزیب عالمگیر ([illegible])

[illegible]

متفرقات	قیمت علاوہ محصول	متفرقات	قیمت
کلید نیا بینی (از مسٹر برنی بی اے)	دس آنے	داتا گنج بخش (منشی محمد الدین فوق)	ایکروپیہ
جذبات بھاشا (از مولانا نیاز فتحپوری)	بارہ آنے	زہر عشق (ارشاد اکبرآبادی)	چار آنے
مقدمات الطبیعات (از مرزا کوکب)	ڈیڑھ روپیہ	حالات خضر (ملا واحدی)	ڈیڑھ آنہ
البیرونی (از پروفیسر برنی بی اے	ایکروپیہ	اڈیٹر کا حشر (مولوی ظفر علی خاں)	دو آنے
خلافت اندلس کمل (از نواب ذوالقدر جنگ ایم اے)	چار روپے	حیات مولانا سید احمد بریلوی	دو روپے
		حیات مولانا روم	بارہ آنے
دریائے لطافت (انشاء)	ڈیڑھ روپیہ	حیات حضرت رابعہ بصری	چار آنے
فلسفہ اجتماع (مسٹر عبدالماجد بی اے)	ایکروپیہ	حیات امام مالک	تین آنے
فلسفہ جذبات (" ")	ایکروپیہ	حیات امام مسلم	چار آنے
انتخاب نظام المشائخ (ملا واحدی)	بارہ آنے	الوارث	آٹھ آنے
چند دن بعد کیا ہوگا (مولوی محفوظ علی بی اے)	ڈیڑھ آنہ	ابراہیم ادہم	آٹھ آنے
دلی کی چہیتی پیر باقر علی داستان گو	ایک آنہ	داغ دہلوی	چھ آنے
شکوہ (ڈاکٹر اقبال)	دو آنے	میلاد النبی	چھ آنے
العاقلہ (حکیم غلام غوث)	چھ آنے	تاریخ جواہر	تین آنے
دھوانی نشتر (منشی محمد الدین فوق)	عہ	عطر سخن ۸صہ برزخ صہ راہ جنت ۳ر	

زبانِ غیب کی پکار

دینی رجسٹر میں نام لکھوا دو

اب میں ہر مہینے ایک کتاب لکھ دیتا ہوں۔ بعض دفعہ مہینے میں دو کتابیں بھی ہو جاتی ہیں۔ ساری دنیا کاغذ کی گرانی کے سبب تصنیف تالیف کو بند کر رہی ہے مگر مجھ پر خدا کا فضل ہے کہ وہ اچھے اور اعلیٰ کاغذ دیتا ہے۔ مفید مضمون عطا فرماتا ہے اور اپنے بندہ سے دین ملت کی لگاتار خدمت لے رہا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے اس عالمگیر قحط اور مفلسی کے زمانہ میں اپنے بندوں کو ہمت دی ہے کہ وہ میری ہر کتاب کو خرید لیتے ہیں اور مجھکو دیگر مصنفین کی طرح ناقدری کی شکایت نہیں ہوتی۔ کتابیں کثیر تعداد میں چھپتی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ بک کر ختم ہو جاتی ہیں۔ ضرورت صرف آگاہ کرنے کی ہوتی ہے مگر حلقۃ المشائخ کے کارکن اور اہلکار بار بار اشتہار دینے اور خریداروں کو نئی کتاب سے مطلع کرنے کی فرصت نہیں رکھتے۔ اور انکو اس میں بہت دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ لہٰذا اُن کی خواہش سے میں دینی فدا کاروں کو پکارتا ہوں کہ وہ اپنا نام دینی رجسٹر میں اس اجازت کے ساتھ لکھوا دیں کہ آئندہ جو کتاب حسن **نظامی** تصنیف کرے وہ بے اطلاع انکے پاس بذریعہ وی پی بھیج دی جائے۔

ابتک ایسے مستقل خریداروں سے صرف محصول کی رعایت کیجاتی تھی مگر آج سے ایک روپیہ میں دو آنے کمیشن بھی دیے جائینگے اور محصول ڈاک بھی اُن سے نہ لیا جائیگا۔ اسکی اطلاع اپنے سب دوستوں کو دیجیے اور آپ بھی فوراً ایک کارڈ کارکن حلقۃ المشائخ دہلی کے نام بھیجیے تاکہ آپکا نام مستقل خریداروں میں درج کر دیا جائے۔ اور ہر تازہ کتاب ہر مہینے آپکو پہنچ جایا کرے۔ اس سے مطمئن رہیے۔ میری سب کتابوں کی لکھائی چھپائی بھی اچھی کرائی جاتی ہے۔ اور کاغذ بھی عمدہ لگایا جاتا ہے۔ عام اخباروں اور رسالوں کیطرح میری کتابوں کے کاغذ کا آجتک استعمال نہیں ہوا نہ خدا نے چاہا تو ہوگا۔ اور قیمت بھی اصلی لاگت اور عملہ کے خرچ کے موافق رکھی جاتی ہے۔ زیادہ نفع نہیں لیا جاتا۔ پھر آپ اس سے بیخبر کیوں رہیں۔ خدا کا نام لیکر جلدی سے مستقل خریدار بنجایئے۔ ہر مہینے ایک کتاب یا دو کتابیں آپکو پہنچتی رہینگی۔ مجھے اپنے دوستوں خریداروں اور علمی دینی قدر دانوں سے توقع ہے کہ وہ اس تحریر پر فوراً توجہ کرینگے اور تصوف اسلامی کی لٹریچر کے فروغ دینے میں میری مدد بھی کرتے رہینگے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حسن نظامی